

وَلَا تُقْرَأُ الْفُرْقَانُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَفِي الْخَصِيْفَةِ الْآيَةُ  
(قرآن کریم)

وَإِذَا قَرَأْتَ فَأَنْصِتُوا (الحديث)

# حَسُنَ الْكَلَامُ

فی

ترك القراءة خلف الإمام

جلد اول

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؓ و اتباع تابعینؓ اور دیگر  
جمہور فقہاء اور محدثین عظامؒ سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کسی بھی قسم  
کی قرأت عموماً اور سورۃ فاتحہ کی قرأت خصوصاً ممنوع ہے اور جہری نمازوں میں تو امام کے پیچھے  
قرأت کرنا قرآن کریم، حدیث صحیح اور اجماع کے خلاف ہے اور فی نفسہ منکر اور شرذمہ ہے اور  
جہری نمازوں میں حضرات ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ نیز عقلی اور قیاسی دلائل سے اس مسئلہ  
پر فیصلہ کن بحث کی گئی ہے اور فریق ثانی کو مسکت جوابات دیے گئے ہیں اور اس طبع میں خیر الکلام  
اور الاعتصام میں کیے گئے اعتراضات کے جوابات کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

تالیف

ابوالزاہد محمد سرفراز خاں صفدر



جملہ حقوق بحق مکتبہ صفیریہ گوہر انوالہ محفوظ ہیں۔

جون ۲۰۰۶ء

طبع دہم

نام کتاب ————— احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام

مؤلف ————— شیخ اکھبریت حضرت مولانا محمد رفیع خان صفیریہ دام مجدہم

تعداد ————— ایک ہزار

مطبع ————— فائن بکس پرنٹرز لاہور

ناشر ————— مکتبہ صفیریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوہر انوالہ

قیمت ————— دو سو پچیس روپے

### ملنے کی جگہ

- |  |  |
|--|--|
| ○ مکتبہ صفیریہ نزد گھنٹہ گھر گوہر انوالہ                     | ○ مکتبہ امدادیہ ملتان                    |
| ○ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی                       | ○ مکتبہ حقانیہ ملتان                     |
| ○ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور                             | ○ مکتبہ مجیدیہ ملتان                     |
| ○ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور                       | ○ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور          |
| ○ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی                        | ○ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایسٹ آباد     |
| ○ مکتبہ العارفی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد              | ○ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد        |
| ○ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیوز روڈ مینگورہ                   | ○ دارالکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور |
| ○ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ مکی مردت                         | ○ مدینہ کتب گھر اردو بازار گوہر انوالہ   |
| ○ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی      |  |
| ○ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوہر انوالہ |  |

کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکڑ

○



# فہرست مضامین

## تصدیقات علماء کرام

۴۸ دیب چہ طبع دوم

۵۲ دیب چہ طبع اول

۵۲ سخن ہائے گفتنی

۵۲ سبب تالیف

۵۸ اختلافی مسائل میں ہمارا نظریہ

۶۱ توثیق و تضعیف کا معیار

۶۱ اسانید کے ترجمہ کا معیار

۶۴ حضرات فقہاء و محدثین اور ائمہ دین کا احترام

۶۳ ضروری التماس

۶۵ مقدمہ

جو حضرات صحابہ کرام تمام نمازوں میں امام کے

پیچھے قراۃ کے قائل نہ تھے۔

۶۶ جو جہری نمازوں میں قائل نہ تھے۔

۶۶ جو حضرات تابعین تمام نمازوں میں قراۃ

خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

۶۶ جو جہری نمازوں میں قائل نہ تھے۔

۶۶ مسئلہ خلف الامام اور حضرات اتباع تابعین

۶۶ حضرات ائمہ اربعہ اور مسئلہ خلف الامام

۶۶ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

۶۸ امام موصوف فقہاء اور محدثین کی نگاہ میں

۶۸ امام محمد کا مسلک بھی یہی تھا

۱۰ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

۱۸ حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب

۲۰ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

۲۰ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی

۲۱ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب

۲۳ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کراچی

۲۴ حضرت مولانا خیر محمد صاحب

۲۵ حضرت مولانا احمد علی صاحب

۲۶ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب

۲۷ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی

۲۷ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب بہبودی

۲۸ حضرت مولانا سلطان محمود صاحب

۲۹ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خشک

۳۰ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی

۳۱ حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد نصیر الدین صاحب غوثی

۳۲ حضرت مولانا شمس الحق صاحب افتخانی

۳۳ حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی

۳۴ حضرت مفتی رشید احمد صاحب

۳۵ دیب چہ طبع سوم



۹۳	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مسلک اور درجہ	۷۰	ان کی شخصیت
۹۴	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مسلک اور رتبہ	۷۱	امام ابو یوسفؒ کا مذہب بھی یہی تھا
۹۶	حافظ ابن القیمؒ کا مسلک اور شان	۷۱	ان کی ذات ائمہ کی نظر میں
۹۷	حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مسلک	۷۲	حضرت امام مالکؒ کا مسلک
۱۰۰	امام احمدؒ کے زمانے تک ائمہ اسلام میں اس کا کوئی بھی قائل نہ تھا کہ تارکِ قرآنہ خلف الامام کی نماز فاسد اور باطل ہے۔	۷۲	ان کی جلالت شان ہے
۱۰۱	مؤلف خیر الکلام کی ترجیحات کا جواب	۷۳	حضرت امام شافعیؒ کا مسلک
۱۰۶	حضرت امام ترمذیؒ کی ایک قابلِ حل عبارت	۷۴	ان کی دینی خدمات اور امامت
۱۰۸	امام عینیؒ کا وہیم اور اس کا ازالہ	۷۵	ان کا مسلک سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔
۱۱۰	باب اول	۷۵	امام داؤد بن علی الظاہریؒ کا مسلک
۱۱۱	قرآن کریم کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ قرأت کے وقت خاموشی اختیار کی جائے	۷۶	امام شافعیؒ کی اپنی عبارتیں
۱۱۶	قرآن کریم کا سننا بعض اوقات خود پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔	۷۷	اس غلط فہمی کا اصلی سبب کیا ہے؟
۱۱۹	آیت وَاذْكُرْ فِي الْقُرْآنِ... الآية خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔	۸۵ تا ۸۸	مؤلف خیر الکلام کی تاویلات اور ان کے مسکت جوابات
۱۲۰	قرآن کا نمبر اول پر مصداق صرف سورۃ فاتحہ ہے	۸۶	حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک، ان کا پایہ؟
۱۲۱	حضرات صحابہ کرامؓ کی تفسیر کا حکم کیا ہے؟	۸۷	امام ابراہیم نخعیؒ کا مسلک، ان کا درجہ؟
۱۲۲	آیت کی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ سے	۸۸	امام زہریؒ کا مسلک اور درجہ
۱۲۳	فن تفسیر میں ابن مسعودؓ کا رتبہ حضرات خلفائے راشدینؓ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔	۸۹	امام ثوریؒ کا مسلک اور رتبہ
۱۲۴	ابن مسعودؓ کی پہلی روایت	۸۹	امام لیث بن سعدؒ کا مسلک اور شان
		۸۹	امام ابن مبارکؒ کا مسلک اور فضیلت
		۹۰	امام اوزاعیؒ کا مسلک اور جلالت
		۹۱	امام اسحاق بن راہویہؒ کا مسلک اور رتبہ
		۹۱	سفیان بن عیینہؒ کا مسلک اور شان
		۹۲	امام شمس الدین ابن قدامہ الحنبلیؒ



- ۱۵۷ علامہ زکریا رشتی کی تفسیر اور ان کا درجہ؟
- ۱۵۸ حافظ ابن کثیرؒ کی تفسیر اور ان کا درجہ؟
- ۱۵۹ علامہ ابو السعودؒ کی تفسیر اور ان کا درجہ؟
- ۱۶۰ امام ابو بکرؒ کی تفسیر اور ان کا درجہ؟
- ۱۶۱ علامہ محمودؒ کی تفسیر اور ان کا درجہ؟
- ۱۶۲ امام بیہقیؒ کی تفسیر
- ۱۶۳ قاضی شوکانیؒ کی تفسیر
- ۱۶۴ حافظ ابو عمرؒ کی تفسیر
- ۱۶۵ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تفسیر
- ۱۶۶ اس تفسیر پر قرین ثانی کے اعتراضات
- ۱۶۷ پہلا اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۶۸ دوسرا اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۶۹ تیسرا اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۷۰ چوتھا اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۷۱ پانچواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۷۲ چھٹا اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۷۳ ساتواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۷۴ آٹھواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۷۵ نواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۷۶ دسواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۱۷۷ استماع کا معنی
- ۱۷۸ انصات کا معنی
- ۱۷۹ سکوت کا معنی
- ۱۸۰ آہستہ پڑھنا بھی انصات و استماع کے

- ۱۲۶ ابن مسعودؓ کی دوسری روایت
- ۱۲۸ حضرت ابن عباسؓ کا رتبہ
- ۱۲۸ ان کی پہلی روایت
- ۱۳۲ حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت
- ۱۳۴ حضرات تابعینؒ کی تفسیر کا مقام
- ۱۳۴ حضرت مجاہدؒ کا رتبہ اور ان کی تفسیر
- ۱۳۴ ان کی پہلی روایت
- ۱۳۵ ان کی دوسری روایت
- ۱۳۶ ان کی تیسری روایت
- ۱۳۸ حضرت سعید بن المسیبؒ کی روایت
- ۱۳۹ حضرت حسن بصریؒ کی روایت
- ۱۴۰ حضرت ابو غالبہ ریاحیؒ کی روایت
- ۱۴۱ حضرت امام زہریؒ کی روایت
- ۱۴۲ حضرت عبید بن عیمرؒ اور عطاء بن ابی ریحانؒ کی روایت
- ۱۴۳ محمد بن کعبؒ کی روایت
- ۱۴۵ حدیث مرسل
- ۱۴۶ بعض تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے مراسیل
- ۱۵۲ دیگر تابعینؒ و اتباع تابعینؒ سے اس کی تفسیر
- ۱۵۳ مشہور مفسرین کرامؒ اور محدثین عظامؒ کی تفسیر
- ۱۵۴ ابن المسیبؒ کا مرسل عند الشافعیؒ بھی صحیح ہے (الترغیب)
- ۱۵۴ قرینہ سے ظاہر مرسل بھی صحیح ہے (حجۃ اللہ الباقیہ)
- ۱۵۵ امام ابن جریرؒ کی تفسیر اور ان کا درجہ؟
- ۱۵۶ امام بغویؒ کی تفسیر اور ان کا درجہ؟



- چوتھا اعتراض کہ محدثین کا ایک گروہ اس {  
 زیادت میں کلام کرتا ہے اور اس کا جواب ۲۵۷
- اس زیادت کو کن کن محدثین نے صحیح  
 کہا ہے؟ ۲۵۷ {
- پانچواں اعتراض کہ یہ روایت مستند نہیں ہے {  
 اور اس کا جواب ۲۶۰ {
- چھٹا اعتراض کہ اس میں قرأت سے مازاد  
 علی الفا تحہ مراد ہے اور اس کا جواب ۲۶۳ {
- دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے ۲۶۷
- اس پر پہلا اعتراض ابو خالد کا تفرد اور  
 اس کا جواب ۲۶۹ {
- دوسرا اعتراض محمد بن عجلان میں کلام اور  
 تدلیس کا جواب ۲۷۰ {
- تیسری حدیث حضرت انسؓ سے ۲۷۳
- چوتھی حدیث ۲۷۷
- اس پر پہلا اعتراض ابن اکیثمہ کی جہالت  
 اور اس کا جواب ۲۸۰ {
- اس پر دوسرا اعتراض کہ یہ زہری کا مارج  
 ہے اور اس کا جواب ۲۸۱ {
- اس پر تیسرا اعتراض اور اس کا جواب ۲۸۷
- پانچویں حدیث ۲۸۸
- چھٹی حدیث ۲۹۱
- ساتویں حدیث ۲۹۳

- سراسر منافی ہے ۱۹۹
- گیارہواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۰۰
- بارہواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۰۱
- تیرہواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۰۳
- چودھواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۰۸
- سکات امام کی فیصلہ کن بحث ۲۰۹ تا ۲۱۸
- پندرہواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۱۸ تا ۲۲۵
- سولہواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۲۵
- سترہواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۲۶
- اٹھارہواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۲۸
- انیسواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۲۸
- بیسواں اعتراض اور اس کا جواب ۲۳۰
- باب دوم ۲۳۱
- حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ۲۳۳
- اس کی مختلف سندیں ۲۳۴ تا ۲۳۸
- اس حدیث پر پہلا اعتراض، سلیمان ثمالی کی  
 تدلیس اور اس کا جواب ۲۳۹ {
- اس حدیث پر دوسرا اعتراض (کروہ متفرد ہیں)  
 اور اس کا جواب ۲۴۱ {
- اس حدیث پر تیسرا اعتراض قتادہ کی تدلیس  
 اور اس کا جواب ۲۴۹ {
- صحیحین میں تدلیس مضر نہیں ۲۴۹
- بعض روایات کی تدلیس مضر نہیں ہے مطلقاً ۲۵۱



- ۳۲۷ { مر اسیل صحابہؓ بالاتفاق حجت ہیں
- ۳۲۸ { کبار تابعینؓ کے مر اسیل حجت ہیں
- ۳۲۹ { اس حدیث پر دوسرا اعتراض اور اس کا جواب
- ۳۳۰ { اس حدیث پر تیسرا اعتراض اور اس کا جواب
- ۳۳۱ { اس حدیث پر چوتھا اعتراض اور اس کا جواب
- ۳۳۲ { اس حدیث پر پانچواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۳۳۳ { اس حدیث پر چھٹا اعتراض اور اس کا جواب
- ۳۳۵ { اس حدیث پر ساتواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۳۳۷ { اس حدیث پر آٹھواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۳۳۸ { اس حدیث پر نوواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۳۳۹ { بارھویں حدیث
- ۳۴۰ { تیرھویں حدیث
- ۳۴۱ { چودھویں حدیث
- ۳۴۲ { اس پر اعتراض اور اس کا جواب
- ۳۴۳ تا ۳۴۵ { پندرھویں اور سولھویں حدیث

- ۲۹۵ { آٹھویں حدیث
- ۲۹۸ { امام بیہقیؒ کا اعتراض، خالد الطحانؒ کی غلطی کا جواب
- ۲۹۹ { نویں حدیث
- ۳۰۳ { دسویں حدیث
- ۳۰۸ { پہلا اعتراض کہ ابو سحاق السبکیؒ مدلس و مختلط تھے اور اس کا جواب
- ۳۱۰ { دوسرا اعتراض کہ اسرائیلؑ نے ان سے اختلاف کے بعد عمت کی ہے اس کا جواب
- ۳۱۲ { اس حدیث کا شاہد
- ۳۱۳ { اس روایت پر تیسرا اعتراض کہ یہ مضطرب ہے اور اس کا جواب
- ۳۱۵ { اس روایت پر چوتھا اعتراض اور اس کا جواب
- ۳۱۷ { اس روایت پر پانچواں اعتراض اور اس کا جواب
- ۳۱۸ { گیارھویں حدیث
- ۳۲۰ { اس حدیث پر پہلے اعتراض کی پہلی شق کا جواب
- ۳۲۳ { اس حدیث پر پہلے اعتراض کی دوسری شق کا جواب
- ۳۲۴ { اس حدیث پر پہلے اعتراض کی تیسری شق کا جواب
- ۳۲۵ { بصورت مرسل بھی یہ روایت حجت
- ۳۲۶ { حضرت عبداللہ بن شداد صغار صحابہؓ میں



مترہویں حدیث

۳۴۸

اس پر پہلا اعتراض اور اس کا جواب

۳۵۰

اس پر دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

۳۵۱

مؤلف خیر الکلام کا صریح ہتھان

۳۵۲

اٹھارہویں حدیث

۳۵۳

کتاب الآثار سے اس کی تائید

۳۵۳

اس کی سند صحیح ہے

۳۵۳

انیسویں حدیث

۳۵۴

بیسویں حدیث

۳۵۶

اس پر اعتراض اور اس کا جواب

۳۵۷

اکیسویں حدیث

۳۶۰

بطور شاہد پہلی حدیث

۳۶۱

دوسری حدیث

۳۶۲

تیسری حدیث

۳۶۳

چوتھی حدیث

۳۶۵

تیسرا باب

۳۶۸

حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کے آثار اور علم و فقہ میں حضرات صحابہ کرامؓ کی نمایاں اور مشہور ہستیاں

۳۶۸

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر

۳۷۰

اس پر اعتراض اور اس کا جواب

۳۷۱

حضرت جابر بن عبداللہؓ کا اثر

۳۷۲

حضرت زید بن ثابتؓ کا اثر

۳۷۳

اس پر اعتراض اور اس کا جواب

۳۷۵

حضرت ابن مسعودؓ کے آثار

۳۷۶

ان پر اعتراض اور اس کا جواب

۳۷۸

حضرت ابن عباسؓ کا اثر

۳۸۰

حضرت ابن عباسؓ کا ایکسا اور اثر اور

۳۸۲

اس کی وضاحت

۳۸۲

حضرات خلفائے راشدینؓ کا اثر

۳۸۴

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کا اثر

۳۸۶

اس پر اعتراض اور اس کا جواب

۳۸۸

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا اثر

۳۹۰

اس پر اعتراض اور اس کا جواب

۳۹۱

لطیفہ

۳۹۲

آثار تابعینؓ

۳۹۵

حضرت علقمہ بن قیسؓ کا اثر

۳۹۵

اس پر اعتراض اور اس کا جواب

۳۹۶

حضرت عمرو بن موملہؓ وغیرہ کا اثر

۳۹۷

حضرت اسود بن یزیدؓ کا اثر

۳۹۸

حضرت سید بن غفلہؓ کا اثر

۴۰۰

اس پر اعتراض اور اس کا جواب

۴۰۰

حضرت نافع بن جبیرؓ کا اثر

۴۰۱

حضرت سعید بن المسیبؓ کا اثر

۴۰۲

اس پر اعتراض اور اس کا جواب

۴۰۲

حضرت سعید بن جبیرؓ کا اثر

۴۰۳



۴۰۹	جمہور کی روایتوں کا معیار کیا ہے؟	۴۰۳	اس پر اعتراض اور اس کا جواب
۴۱۰	حضرات محدثین کرامؒ اور فقہائے عقیدہ	۴۰۴	حضرت عروہ بن زبیرؓ کا اثر
۴۱۲	چوتھا باب	۴۰۴	حضرت ابراہیم نخعیؒ کا اثر
	(عقلی، تاریخی اور قیاسی دلائل)	۴۰۵	حضرت قاسم بن محمدؒ کا اثر
۴۱۲ و ۴۱۳	پہلی دلیل دوسری اور تیسری دلیل	۴۰۶	حضرت امام اوزاعیؒ کا اثر
۴۱۵ و ۴۱۴	چوتھی اور پانچویں دلیل	۴۰۶	حضرت سفیان ثوریؒ کا اثر
۴۱۶ و ۴۱۵	چھٹی اور ساتویں دلیل	۴۰۷	حضرت لیث بن سعدؒ کا اثر
۴۱۸ و ۴۱۷	آٹھویں دلیل — نویں دلیل	۴۰۷	حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کا اثر
۴۱۹	دسویں اور گیارھویں دلیل	۴۰۷	حضرت عبد اللہ بن وہبؒ کا اثر
۴۲۰	بارھویں دلیل	۴۰۸	حضرت سفیان عیینہؒ کا اثر
۴۲۳	فریق ثانی سے اخلاص کے ساتھ استدعار	۴۰۸	حضرت اسحاق بن راہویہؒ کا اثر

آخری التماس ۴۲۴

تَمَّ بِعَوْنِ اللَّهِ تَعَالَى



تصدیقاتِ علماءِ کرام

فخر الامثال قدوة الصالحا حکیم الاسلام الحاج الحافظ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب امت کاتم

مہتمم دارالعلوم، دیوبند۔

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون نبی از مقرون۔ گنگھڑ سے رخصت ہو کر بعافیت لاہور اور وہاں سے  
دیوبند پہنچا۔ احسن الکلام کا مطالعہ یاد اور شوقِ طبعی دامن گیر تھا۔ ماشاء اللہ تعالیٰ مسئلہ  
فاتحہ میں اسے ایک بحرِ ذخار پایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس سعی و محنت کو قبول فرمائے اور  
امت کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں نے حسب وعدہ تقریظ لکھنے کا ارادہ کیا۔ لکھنے بیٹھا تو غیر متوقع طریق پر تحریر طویل ہو گئی  
جو احسن الکلام سے متاثر ہونے کا نتیجہ تھا۔ تقریباً پانچ صفحے فل سکیپ کے ہو گئے۔ اور  
تقریظ کی صورت نہ رہی۔ اب دو صورتیں ہیں یا تو آپ اس میں سے وہ زائد حصہ حذف کھیں  
جس میں غالی اہل حدیث کو نا صحا نہ خطاب ہے اور اگر اسے غیر ضروری نہ سمجھیں تو دوسری  
صورت یہ ہے کہ اسے تقریظ کے بجائے کتاب کا مقدمہ بنا دیجیے جو میری طرف سے  
ہو جائے گا۔ مقدمہ کے لیے یہ تحریر موزوں رہے گی، جو بھی صورت مناسب ہو کر لی جائے۔

میں بجز اللہ تعالیٰ بعافیت ہوں۔ اُس شب کی مہاں نوازی کا شکر گزار ہوں۔ والسلام

محمد طیب

دیوبند

۱۴/۴/۷۵ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَيُتْرَكُ عِبَادُ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ (سورة الزمر)

محترم الفاضل مولانا محمد سر فراز خاں صاحب دامت باریہ والمجد والفواضل کی لطیف ترین تالیف احسن الکلام فی ترک قرآۃ الفاتحہ خلف الامام سے استفادہ کا شرف میسر ہوا۔ مطالعہ کے وقت ہر اگلی سطر پر آنکھوں میں نور دل میں سرور اور روح میں تلخ یقین بڑھتا جاتا تھا، اثبات مسئلہ کے سلسلہ میں مصنف نے سلاست بیان زور استدلال منصفانہ تنقید اور عادلانہ مدافعت سے مسئلہ کے تحقیقی اور الزامی دونوں پہلوؤں کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ کتاب کا مثبت حصہ بہت زیادہ دل آویز ہے جس میں متین انداز کے ساتھ مضبوط دلائل اور متوکلہ شواہد سے مسئلہ کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا اور ساتھ ہی مسئلہ کے دفاعی پہلو سے بھی صرف نظر نہیں کیا۔ کیونکہ مثبت پہلو کے ساتھ جب تک اس کا منافی پہلو صاف نہ ہو مسئلہ من کل الوجوہ مستحکم نہیں ہوتا۔ مصنف نے جہاں مثبت پہلو سے ماننے والوں کے لیے سینہ کی ٹھنڈک کا سامان بہم پہنچایا ہے۔ وہیں منافی پہلو کے دفاع سے نہ ماننے والوں اور ان طعنہ زلوں کا منہ بند کر کے ان پر حجت بھی تمام کر دی ہے جنہیں فاتحہ اور ترک فاتحہ سے زیادہ صرف گروہی تعصب اور اس کا تفوق ہی زیادہ سے زیادہ پیش نظر ہے۔ لیکن ان کے مقابلے میں یہ تردید مسئلہ کے کسی اجتہادی پہلو کی تردید نہیں بلکہ ان کے تخیلات اور غیر معتدل رویہ کی تردید ہے ورنہ ایک فروعی اور ایک اجتہادی اور اوپر سے مختلف فیمہ مسئلہ کے ایک پہلو کے اثبات و تحقیق پر اتنا زور دیا جاتا ہے کہ مسئلہ کی جانب مخالف اور اس کے ماننے والوں کی تردید یا مخالفت کے لیے نہیں ہے نہ ہونا چاہیے اور نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے فروعی مسائل نہ تو تبلیغی ہیں کہ انہیں دوسروں تک پہنچایا جانا اور ان کا منوایا جانا ضروری ہو اور نہ معاذ اللہ تکذیبی ہیں کہ مخالف رائے رکھنے والوں کو جھٹلایا جانا اور ان کی تکذیب کیا جاتا



روا ہو بلکہ محض ترجیحی ہیں جن میں حق و باطل کا نہیں محض خطا و صواب کا اختلاف ہے وہ بھی  
 علی الاطلاق نہیں بلکہ اپنا صواب بھی احتمال خطا کے ساتھ اور دوسروں کی خطا بھی احتمال  
 صواب کے ساتھ مقید ہے اور پھر اس میں بھی دوسرے کی یہ متحمل خطا اس یقین کے ساتھ  
 ہے کہ وہ اور اس کے ماننے والے اس پر مستحق اجر و ثواب اور مستوجب نجات و فلاح  
 بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے دو جہتیں مسائل میں جن میں جانب مخالف باطل بھی نہ ہو وہ خطا  
 قطعی بھی نہ ہو اور پر سے نجات و اجر کا استحقاق بھی یقینی ہو کسی فریق کو یہ حق کیسے مل سکتا  
 کہ وہ مسئلہ کی مخالف سمت کے ساتھ طعنہ زنی اور تشنیع سے پیش آئے یا اسے باطل قرار  
 دے کر ماننے والوں کو مبطل قرار دے۔ اور اس کے بالمقابل اپنی مسئلہ جانب کی دعوت و تبلیغ  
 کرنے لگے۔ فریقین کو اگر حق پہنچتا ہے تو صرف یہ کہ وہ وجوہ دلائل سے اپنی مسئلہ جانب کو  
 مسلک سنت ثابت کرتے ہوئے اس کی ترجیح واضح کر دیں جس کا منشا صرف یہ ہے کہ وہ  
 اپنے کو تہمت بدعت سے بری ثابت کر کے دائرہ سنت میں محدود دیکھتے ہوئے ہیں۔  
 اور یہ کہ مسئلہ کی جس سمت کو انہوں نے اختیار کیا ہے وہ ہوائے نفس سے نہیں بلکہ  
 وجوہ شرعیہ ہے۔ اس ترجیحی سلسلہ میں فریق ثانی کا ابطال یا معاذ اللہ تعالیٰ اضلال کا  
 کوئی سوال ہی نہیں ہوتا کہ اس کی طرف التفات کی کوئی وجہ ہو بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ  
 ان فروعی اختلافات میں سرے سے فریق بندی ہی نہیں ہے کہ فریق اول اور فریق ثانی  
 کی بحث شروع کر کے ہل من ہارزبج کی زور آزمائیاں دکھلائی جائیں۔ فاتحہ خلف الامام ہو  
 یا آمین یا بھرو بالستر مارفع یدین ہو یا ترجیع اذان وغیرہ ان میں ہر مسئلہ کا مثبت اور منفی پہلو  
 ایک ہی مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ مسئلے دو نہیں ہیں اور وہ پہلو بھی روایتی اور درایتی بحث  
 سے سامنے آتے ہیں۔ شریعت نے بالاستقلال ابتداء ہی سے یکدم دو متضاد پہلو عمل کے  
 لیے سامنے نہیں رکھے۔ اب یہ دو پہلو خواہ زمانے کے تفاوت سے سامنے آئے کہ  
 ابتداء میں ایک پہلو صاحب شریعت کے زیر عمل آیا اور آخر میں دوسرا جس سے ناسخ و  
 فسخ کی بحث پیدا ہوئی یا عزیمت و رخصت کے فرق سے سامنے آئے جس سے اولیٰ  
 غیر اولیٰ کی بحث پیدا ہوئی یا تساوی کے ساتھ سامنے لائے گئے جس سے دونوں پہلوؤں میں



تجئیر کی بحث پیدا ہوتی، بہر حال کسی بھی معیار سے سامنے آئے ہوں ایک ہی مسئلہ کے دو پہلو رہیں گے۔ جس میں ناسخ منسوخ اولیٰ غیر اولیٰ افضل غیر افضل عربیت، رخصت تجئیر و عدم تجئیر کے معیار سے ترجیحات سامنے آتی رہیں گی اور وہ اپنے اپنے وقت اور ظرف اور کیفیت و کم کی ترجیحات کے ساتھ امت کے زیر عمل آتے رہیں گے جس سے پیغمبر صادق و مصدوق کا کوئی ارشاد اور ارشاد کا کوئی پہلو متروک العمل نہ رہے گا بلکہ ہر پہلو امت کے کسی نہ کسی طبقہ میں زیر عمل رہے گا اور اس طرح پوری امت نبی کے پورے ارشادات کی حامل اور عامل رہے گی۔ اندریں صورت ایک روایت دوسری روایت کی ایک حدیث دوسری حدیث کی اور ایک آیت دوسری آیت ہی کی خود ہی فریق نہیں ٹھہرتی چہ جائیکہ رجال حدیث یا حاملین آیت و روایت باہم ایک دوسرے کے فریق قرار پائیں اور آپس میں نبرد آزما ہوں۔ اور ہل من مبارزہ کر پہلوانوں کی طرح اکھاڑوں میں اتریں اور نبرد آزمائی کے جوہر دکھلائیں گویا آیات و روایات اسلحہ ہیں۔ حاملین آیات و روایات جنگی سپاہی اور شریعت ان کا میدان مبارزہ و مقابلہ، ظاہر ہے کہ حتیٰ طور پر سب سے پہلے اسلحہ نکراتے ہیں پھر سپاہی تو اس مبارزت طلبی کا مطلب یہ ہوا کہ خود آیات و روایات میں کوئی حقیقی تعارض اور تضاد مہم ہے جس کی عبور ہی حاملین آیات و روایات کو بھی باہم ٹکرائی پڑا۔ حالانکہ یہ صورت حال خود کتاب و سنت مدفوع ہے اگر عیاداً باللہ تعالیٰ ان مختلف فیہ مسائل کی ذاتی خاصیت ہی یہ نبرد آزمائی اور مبارزت طلبی ہوتی تو حضرات صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اور علمائے راہبین کو تو اس لڑائی بھڑائی اور چیلنجوں سے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہ ملتی۔ کیونکہ وہ تو ان مسائل میں مجتہد اور مدعی کی حیثیت رکھتے تھے اور مدعی کو اپنے دعوے پر یہ نسبت ناقل اور تابع کے زیادہ جمود اور استقلال ہوتا ہے جب ناقل اور تابع محض ہو کر ہمیں ان لڑائیوں سے فرصت نہیں تو مدعیوں کو تو ایک سیکنڈ کے لیے بھی ان ہل من مبارزہ کے چیلنج سے ہمت نہ ملنی چاہئے تھی۔ اور ان کی لڑائی ہم سے کہیں زیادہ شدید اور مدید ہونی چاہیے تھی۔ لیکن صورت واقعہ برعکس ہے کہ قرون اولیٰ میں ان عملی اور فردی مسائل کی جو انب و شقوق میں ترجیح و اختلاف کے باوجود ان حضرات کے قلوب میں ہل من مبارزہ اور چیلنجوں کا تصور تک نہیں ملتا چہ جائیکہ تضاد مہم کا کوئی عمل دستیاب ہو اس لیے بلا جھجک کہا جاسکتا ہے کہ یہ ہماری مبارزہ طلبیاں اور شرعی لائنوں میں نبرد آزمائیاں ان مسائل کی خاصیت نہیں بلکہ محض ہمارے نفوس کی شرارتیں ہیں جن میں جذبات نفس



نکالنے کا جب کہیں اور موقع نہیں ملتا تو ہم یہ کار خیر اس شرعی میدان میں انجام دے لیتے ہیں۔ بنیے کی بار ترازو کی ڈنڈی۔ اس لیے میں تو اس تصور پر ہوں کہ جب صورت تعارض کے باوجود ایک حدیث دوسری حدیث کا فریق نہیں تو ان مسائل کے سلسلے میں مرجحین کا کوئی طبقہ کوئی دوسرے طبقہ کا فریق کیسے قرار پا سکتا ہے؟ میرے خیال میں کوئی شافعی، مالکی، اہل حدیث ان مسائل کی ترجیح کی حد تک نہ حنفی کا فریق ہے اور نہ حنفی ان میں سے کسی کا ان میں اگر ترجیحاتی بحثیں ہیں تو وہ علمی اور نظری طور پر ایک حق کو دوسرے حق پر راجح قرار دینے کی ہیں۔ نہ کہ حق کو باطل کے مقابلے پر اختیار کرنے کی جن کا لڑائی چالنجوں سے تعلق ہو۔ ہاں اگر ان مرجحین کے مقابلے میں کوئی طبقہ فریق کی حیثیت رکھتا ہے تو وہ طاعنوں تشنیع کنندوں اور ان افراد کا ہے جو کسی بھی اجتہادی شق کی تقبیح اور مذمت کے لیے مذہب و مشرب کے نام پر کھڑے ہوں۔ سو اس قسم کے طاعن اور تبرائی حضرات جس طرح تارکین فاتحہ خلف الامام کے فریق ہیں۔ اسی طرح قارئین فاتحہ خلف الامام کے بھی فریق ہیں۔ کیونکہ فاتحہ اور ترک فاتحہ تو حدیثی مسلک ہے لیکن طعن بر فاتحہ یا بر ترک فاتحہ (یا اس طور پر پڑھنے یا نہ پڑھنے والے کو مطعون کیا جائے) نہ حدیثی مسلک ہے نہ قرآنی نہ فقہی نہ کلامی۔ اس لیے اگر تارکین فاتحہ اور قارئین فاتحہ عامل بالمحدیث ہونے کی وجہ سے اہل حق ہیں تو یہ طاعنین فاتحہ و ترک فاتحہ کسی سمیت کے بھی ہوں۔ ان اہل حق کے فریق ہیں جن کا تقابل نہ فاتحہ سے ہے نہ ترک فاتحہ سے بلکہ حق اور اہل حق سے ہے۔ پس ایسے لوگ بلاشبہ تردید کے بھی مستحق ہیں اور تکذیب کے بھی درحالیکہ یہ تردید و تکذیب نہ کسی مسئلہ کی ہوگی نہ مسئلہ کی کسی اجتہادی شق کی بلکہ صرف ان افراد کی اور ان کے غیر معتدل کلام اور کلام کے اس رویہ کی جس کا تعلق کسی حق سے نہیں بلکہ صرف ان کے جذبات نفس سے ہے۔

مصنف مدوح نے اپنی اس متین کتاب میں اگر کہیں رد و قدح سے کام لیا ہے تو وہ درحقیقت اسی طبقہ کے مقابلے پر ہے جو مسائل کی نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ جذبات نفس کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ بقول شخصے کہ وہ نہ آمین بالجہر پڑھتا ہے۔ نہ آمین بالسر پر بلکہ صرف آمین بالشر پر اس لیے وہ دونوں قسم کی آمین والوں کا فریق متقابل ہے۔ کیونکہ آمین کی پہلی دو قسمیں تو روایات میں ملتی ہیں لیکن تیسری سے قرآن و حدیث خالی ہیں۔ اس کا وجود اگر ہے تو صرف ان لوگوں کے نفس میں ہو سکتا ہے اور بس پس مصنف کو یقیناً کسی اجتہادی مسئلہ کی شق کی بھی تردید کا حق نہیں لیکن بالیقین



ایسے طعنہ زن اور ان کی ایسی غلط روشوں اور مطاعن کی تردید بلکہ تکذیب کا حق ضرور پہنچتا ہے۔ جو مسئلہ کے بجائے اپنے نفس کی مصلحت کو آگے رکھتے ہوں اور دلائل سے گزر کر جذبات کو مسئلہ کی کافی دلیل خیال کر رہے ہوں اگر مصنف نے ایسے لوگوں کی تردید کا فرض احسن الکلام کے ساتھ ادا کیا تو بلاشبہ انھیں اس کا حق تھا اور انھوں نے حق ادا کر دیا۔

اگر طعنہ زن حضرات کو حدیث کے نام پر زور آزمائی کا ایسا ہی شوق دامن گیر ہے تو انھیں چاہیے کہ وہ پہلے منکرین حدیث سے نشیاں اور نفس حدیث کے موقف کو تھامنے میں یہ زور آزمائی دکھلائیں۔ وہ ان سے کیا نمٹتا چاہتے ہیں جو خود ہی حدیث، فن حدیث، وفقہ حدیث اور ائمہ حدیث کے تابع اور ایک فانی گرویدہ و معتقد کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے یہاں حدیث رسول ہی نہیں رجال حدیث تک کی بے پناہ عظمت و بزرگی اور مخلصانہ پیروی کے جذبہ کو قائم رکھنا ایمان کا جزو اعظم ہے۔ نیز ان طعنہ زن حضرات کو اگر واقعی تبلیغ حق کا جذبہ بے چین کیے ہوئے ہے تو وہ منکروں کو اصول اسلام اور اصل دین کی تبلیغ فرمائیں جس کی تبلیغ ضروری ہے تو فروعی مسائل کب ہیں کہ ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو اس کے مختار کی جانب سے ہٹا کر اپنی مختار جانب پر لانے کی کوشش کرے نیز اگر تردید ضروری ہے تو غیر اسلامی اصول کی ضروری ہے نہ کہ کسی اجتہادی شق کی سمت مخالف کی جس میں ہمہ وقت صواب کا احتمال قائم رہتا ہے اور اس پر چلنے والا ہر وقت اجر و نجات کا مستحق ہوتا ہے۔ پس تبلیغی سرگرمیاں اور بغض فی اللہ کے مجاہدانہ چلیں جو اگر کام میں لانا ہے تو مخترعین دین، مخترعین کتاب و سنت اور مستحضرین اسلام کے مقابلہ میں لانا چاہئے نہ کہ فاتحہ وغیرہ جیسے فروعی اور اجتہادی مسائل کی ترجمی شقوق و جوانب کے نام پر خود معتقدین دین و ائمہ دین کے مقابلہ پر ہیں تو سمجھتا ہوں کہ جو حضرات ان فروعی مسائل کو محض ترجیحی اور عملی مسلک جان کر ان پر سچے دل سے عمل پیرا ہیں خواہ وہ اہل فقہ ہوں یا اہل حدیث۔ انھیں اس دوران میں کسی خفی غیر خفی اور اس کی تسلیم کردہ جانب کا تصور تک بھی نہ آتا ہو گا۔ چہ جائیکہ وہ اس کے خلاف غم و غصہ سے مغلوب ہو کر چلیں جو عبارتوں سے اپنے ذہنوں کو مشوش کرتے ہوں اور ہل من مہارز کے دھیان میں غرق ہوں۔ استفسار مسئلہ کے وقت ویسا ہی اپنے نزدیک جو پہلو رائج ہوا اسے رائج بتلانا اور مرجوح کو مرجوح کہنا اور چیز سے اور مرجوح کا ابطال اور افساد کرنا یا اس کے ماننے والے کی تفسیل و



تفسیق کرنا اور چیز ہے۔ پہلا کام اہل حق کا ہے اور دوسرا اہل حق کے مقابل فریق کا۔ بہر حال جیسا کہ ایک  
 خفی کو فاتحہ خلف الامام کے ماننے والے کو مبطل یا باطل پرست کہنے کی جرأت نہ ہونی چاہیے  
 ایسے ہی کسی غیر خفی کو ترک فاتحہ اور اس کے ماننے والوں کو باطل پرست یا مبطل یا ضال یا  
 فاسق کہنے کی جرأت نہ ہونی چاہیے کہ یہ اسم فسوق بعد الایمان اور غیر محتاط تعبیر ہم نالائقوں  
 ہی تک محدود نہیں رہتی دوترک جاتی ہے جس کی زد سے کوئی بڑے سے بڑا بھی نہیں بچا رہتا۔  
 کیونکہ عیاذ باللہ اگر ترک فاتحہ خلف الامام کوئی ضال یا گمراہی ہے تو یہ ضلالت بہت پرانی اور  
 بہت سوں کی ہے۔

مرا برندی عشق آں فضول عیب کند

کہ اعتراض بر اسرار علم غیب کند

ہاں اس حد تک ہم طعنہ زنیوں کے ممنون کرم بھی ہیں کہ اگر وہ طعن و تشنیع کی راہ سے اس  
 مسئلہ کو اپنے جذبات اور شکوک کی آماجگاہ نہ بناتے اور ایک فریق کی حیثیت سے سامنے نہ  
 آتے تو مصنف محترم مولانا محمد سرفراز خاں صاحب کے ان دقیق علوم اور اسالیب بیان سے  
 ہم مستفید بھی نہ ہو سکتے جو اس جیلہ سے انھوں نے اپنی کتاب احسن الکلام میں رقم فرمائے  
 ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر جہل علم سے نہ بکراتے تو علم کے مخفی گوشے و اشکاف نہیں ہو سکتے  
 اگر کذب صدق سے ٹکرتے کھاتے تو صدق کی مخفی قوت نمایاں نہیں ہو سکتی اگر کفر اسلام سے  
 نہ بکراتے تو اسلام کے مخفی گوشے و دنیا کو اپنا نور نہ دکھلا سکتے بہر حال جب تک اُضداد اپنے اُصول  
 سے نہ بھٹریں اُصول کا وجود و ثبوت نمایاں نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اس عالم کو عالم  
 اُضداد بنایا ہے اور ہر اُصول کے پیچھے اس کی ضد لگا دی ہے تاکہ وہ اس سے ٹکراتی رہے  
 اور اس جیلہ سے اُصول کی عظمت و قوت لپکتی رہے بایں معنی تکوینی طور پر طاعنوں اور  
 منکروں کا وجود بھی مجموعہ کائنات کے لیے ایک حُسن ہے اور ضروری ہے وہ اگر دلوں میں سوسے  
 اور شبہات نہ ڈالیں تو اہل عرفان سے ان کے دفعیہ کی علمی تدبیریں بھی نمایاں نہ ہوں بمثل  
 مشہور ہے کہ ”ادب سیکھا جاتا ہے بے ادبوں سے“ یعنی وہ ذریعہ ادب دانی بن جاتے ہیں جو  
 علم بھی بہت حد تک جہل سے ہی سیکھا جاتا ہے۔ یعنی جہل اور اس کے پیدا کردہ شکوک و شبہات



بھی بہت حد تک ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اہل علم کی گرم جوشی آمادگی اور ان کے انکارِ علم کا جس سے  
 مخلوق خدا علم سے بہرہ ور ہوتی ہے۔ پس اس حد تک اس طبقہ کا ہم سب ہی کو ممنون ہونا چاہیے  
 کہ علم کے بہت سے مخفی گوشے ان کے سبب سے سامنے آگئے اور اس شہر میں سے ایک خیر  
 ہمارے لیے نکل آئی۔ شر اپنی ذات سے شر سہی مگر مجموعہ عالم اور اہل معاملہ کے لیے نسبتاً ہی  
 خیر ہے۔ مگر محض خدا تعالیٰ کے فضل سے نہ کہ شر کے خیر ہونے سے۔ اس لیے تگ و پید کی طرح ہر قسم طعنہ  
 زنیوں کے ممنون ہوں گے کہ ان کی بدولت کتنے ہی علم کے مخفی گوشے ہمیں دستیاب ہو گئے مگر  
 حقیقی طور پر ہم مصنف احسن الکلام کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس جیلہ سے مسئلہ فاتحہ کے تحقیقی  
 اور دفاعی دونوں پہلوؤں کو بہت حد تک صاف کر دیا ہے جو موافق اور مخالف دونوں طبقوں کے  
 لیے علمی حیثیت سے کارآمد ہوں گے۔ اگر خلاف رائے رکھنے والے حضرات کے لیے ان دلائل سے  
 شفا ہو گئی تو ان کے خلاف میں شدت باقی نہ رہے گی خواہ وہ اپنے ہی مسلک پر عمل پیرا رہیں سو  
 یہ کونسا کم نفع ہے اور اگر ان دلائل کے کسی مقدمہ کو کمزور پا کر انھوں نے جواب کے طور پر اسے  
 واضح کیا تو ہم سب کے لیے ایک مزید علم کا اضافہ ہو گا اور یہ کونسا قلیل نفع ہے جو دنیٰ علما  
 کا مصداق ہو، بہر صورت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب اس تالیف لطیف کے لیے سرفراز ہو گئے  
 ہیں تو وہ ہمارے شکر یہ کے مستحق ہیں اور احسن الکلام بحیثیت مجموعی حقیقتاً احسن الکلام ہے۔ حق  
 تعالیٰ اس احسن الکلام کو حسن قبول سے سرفراز فرمائے اور اسے یتبعون احسنہ کا مصداق  
 بنائے۔ آمین

محمد طیب غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

یکم ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ



سید المناظر بن سید العلماء  
حضرت مولانا سید مہدی حسن رحمہ اللہ تعالیٰ  
سابق مفتی اعظم دارالعلوم، دیوبند  
بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

و بعد۔ آج دنیا جس دور سے گزر رہی ہے خصوصاً مسلمان عالم جن کٹھن مراحل سے گزر رہے ہیں۔  
اس کا وقتی اور ہنگامی اقتضایہ تھا کہ وہ امت جس کا خدا ایک۔ رسول ایک، قرآن ایک۔ کعبہ ایک ہے  
سرچوڑ کر بیٹھتی اور ان امراض کا علاج تلاش کرتی جن امراض میں مسلمان مبتلا ہیں جن کی وجہ سے ان پر  
زندگی دو بھرا اور وبال ہے۔ تحریکات گمراہ کن اور فتنہ مخرب دین کی ہوائیں چل رہی ہیں۔ نہیں، نہیں بلکہ  
دربار کی موجودگی طرح پے پے موجیں مار رہے ہیں جن کی لہروں کا اثر ساحل دریا سے باہر بھی کافی ہے۔  
بحزم کوشش کہ اس رہ سہے پُراندہ خطر است  
باحتیاط قدم نہ کہ جاتے شور و شر است  
ہمیں کہ اب یہاں دچپناں تصور کن  
کہ سیل می رسد و خانہ تو بر گزراست  
بجائے اس کے آج بھی تشنت و افتراق کی صورتیں پیدا کر کے شقاق و خلافت کے راستے کو ہموار کیا  
جاتا، ج  
وہ سچنے کس طرح بیٹھیں کہ جب بیٹھا نہیں جاتا

اس پر طرہ یہ کہ اس کو دینی خدمت تصور کیا جاتا ہے جو مسائل برسہا برس سے ایسے چلے آتے  
ہیں جن پر ہر زبان میں خامہ فرسائی ہو چکی ہے اور قلموں کی روشنائی خشک ہو چکی ہے۔ انہیں اختلافی  
مسائل میں سے فاتحہ خلف الامام کا پرانا مسئلہ ہے کوئی نئی اور جدید تحقیق نہیں ہے جس کو دنیا کے سنا  
پیش کیا جاتے اور وہ اس سے مستفید ہو۔ لیکن جن حضرات کی طبیعت ثانیہ یہ ہو گئی ہو کہ اختلاف  
وسیع ہوتا رہے وہ کب گوارا کر سکتے ہیں کہ خاموش نہ رہیں اور اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرتے رہیں لیکن  
ایسا نہیں بلکہ دور حاضر کے ہمارے دینی بھائی اہل حدیث خدا تعالیٰ سے باہر ہو کر اسی کے درپے  
ہو گئے کہ جو امام کے پیچھے۔ الحمد نہ پڑھے اس کی نماز باطل ہے اور جب نماز ہی نہیں ہوتی تو  
تارکین صلوٰۃ ہیں بلکہ قصد اس عزم کے مرکب ہیں جو بجائے خود باعث نجات ہونے کے



موجب خسران اُخروی ہے۔ یہ اپنی جگہ پر کہاں تک صحیح ہے۔ اس کو انہیں کے قلوب زیادہ محسوس کرتے ہوں گے کہ امت محمدیہ کی ایک بہت بڑی جماعت کی نماز پر بطلان کا حکم لگا کر کیا دین کی خدمت ہے، جن میں حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؓ و تبع تابعینؓ وغیرہم کی کافی تعداد داخل ہے۔ ایسی صورت حال پر اس کی ضرورت تھی کہ اس مسئلہ کے ہر پہلو پر از سر نو ممانعت و سنجیدگی مابین و شائستگی کے ساتھ مدِ ثانیہ طریق سے روشنی ڈالی جائے جو پہلو اُجاگر نہیں ان کو اُجاگر کر دیا جائے تاکہ انصاف پسند اور علم پرور حضرات کی بصیرت و قیقہ رس اس کو دیکھ کر اَحْسَنَت کہ اسٹھے :۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آخر آمد ز پس پردہ تہتیر پدید!

اس ضرورت کا احساس انجی محترم فاضل نوجوان مولانا محمد سر فراز خاں صفدر سرحدی خطیب جامع مسجد گنگوٹری نے کیا اور اس مسئلہ پر محققانہ و منصفانہ بحث کر کے کتابی صورت میں اس کو شائع کیا جو احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام کے نام سے موسوم ہے جس کے دو حصے ہیں۔ میں نے جزو اول کا اول سے آخر تک لفظ بہ لفظ اور جزو ثانی کا مختلف مقامات سے مطالعہ کیا ہے۔ خوبنی اسلوب و انداز بیان، زبان کی صفائی کے ساتھ دلائل و براہین پر منصفانہ نظر ڈالی ہے۔ فاضل موصوف نے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ معترضین کے شبہات کا جواب عالمانہ دیا ہے اور تحقیق کے ساتھ مجاہدانہ طریق اختیار نہیں کیا کہ کتاب کی افادیت میں کمی واقع ہو۔ اپنے ہر دعویٰ کو براہین سے مدلل کیا ہے کہ مخالفین حضرات کو بھی اگر ان کے یہاں علم و انصاف کی قدر و قیمت ہے تو تسلیم کر لیتے اور سکوت اختیار کر لینے کے سوا چارہ کار نہیں ہے اس محنت و عرق ریزی اور تحقیق و تنقید کی جملہ اخلاف کی طرف سے فاضل موصوف کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور بے انصاف مخالفین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور مخلوق کے طریقِ رشد و ہدایت کا رہبر بنائے۔ طلباء و عوام کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ علماء بھی اس کتاب کے مطالعہ سے دریغ نہ فرمائیں کہ براہین و دلائل اور آثار و اقوال ائمہ یکجائی طور پر اس کتاب میں ملیں گے۔ بعض مباحث ایسے بھی اس کتاب میں ملیں گے جو بڑی عرق ریزی اور کافی مطالعہ کتب



بمشکل حاصل ہو سکتے ہیں جن کو فاضل مؤلف نے بہت خوبی کے ساتھ اپنے اپنے موقع پر  
پیش کیا ہے اس لیے ہر اس شخص کو اس کتاب سے استفادہ کرنا چاہیے جو حنفیت سے  
وابستہ ہو تاکہ اپنے مذہب کی صداقت خصوصاً مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں ہویدا اور نمایاں  
ہو جائے۔ طباعت و کتابت کی کہیں کہیں کوتاہیاں ہیں جو اشاعت آئندہ میں دور ہو جائیں گی  
انشار اللہ تعالیٰ۔

احقر الزمن

السید مہدی حسن غفرلہ خادم دارالافتاء الواقعہ

بدارالعلوم دیوبند۔ ۳/۴/۱۳۵۵ھ

شیخ العربی الغم راس الاتقیاء مجاہد ملت

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

سابق شیخ الحدیث دارالعلوم، دیوبند۔

حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب کی تحریر سے میں حرف بحرف موافقت کرتا ہوں و ردعا کرتا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا محمد سرور ازخاں صاحب موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

تنگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مدرس دارالعلوم، دیوبند

رئیس المحققین قانع البدعت محی السنۃ شیخ الحدیث

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عظمیٰ دامت برکاتہم (میتو ام گدھ پانی)

میتو

۱۲ ذیقعدہ، ۱۳۵۳ھ

فاضل محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا قیمتی ہدیہ (احسن الکلام) مجھے بروقت مل گیا تھا۔ اس عنایت کے لیے میں



آپ کا دل سے شکر گزار ہوں۔ اپنی بے اطمینانی کی وجہ سے میں اب تک آپ کی کتاب پوری نہیں پڑھ سکا پھر بھی متعدد مقامات سے کئی کئی ورق پڑھے، آپ کی محنت و جانکاہی پر دل سے دعائیں میں نے آپ کی کتاب کو اس لحاظ سے بہت زیادہ پسند کیا کہ آپ نے انہیں اصول کو سامنے رکھ کر جوابات دیے ہیں جن اصول کی بنیاد پر معترضین نے اعتراضات کیے ہیں۔ بالخصوص آپ نے تحقیق الکلام کی طرف جو خصوصی توجہ فرمائی اس کے لیے آپ خاص طور پر مستحق مبارکباد ہیں۔ اس لیے کہ ہماری جماعت کے تباہل و تعاقب کی وجہ سے اس کو لا جواب سمجھا جا رہا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

چونکہ یہ کتاب مقابلہ پر لکھی گئی ہے اور فریق مخالف صرف نکتہ چینی ہی کے خیال سے اس کو دیکھے گا، اس لیے مخالف کی نگاہ پڑنے سے پیشتر بعض ایسی باتیں جو میرے خیال میں صحیح نہیں معلوم ہوتیں۔ ان کی نشاندہی کرتا ہوں۔ آپ بھی غور فرمائیں۔ اگر آپ کو بھی مجھ سے اتفاق ہو تو قبہا ورنہ جانے دیجیے۔

چونکہ میں نے مسلسل پوری کتاب نہیں پڑھی اس لیے کیفیت ما اتفاق جہاں جہاں جوابات مجھے کھٹکی ہے اس کو میں نے نوٹ کر لیا ہے۔

حبیب الرحمن الاعظمی

نوٹ: حضرت نے تین صفحات پر مشتمل تحریر میں متعدد اغلاط کی نشاندہی کی تھی جن کی اب بحمد اللہ تعالیٰ تصحیح کر لی گئی ہے۔ صفحہ

حضرت مولانا مفتی فقیہ الاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق مفتی اعظم جامعہ رشیدیہ ننگر میمنہ و مرید قہر شیعہ

بخدمت جناب مولانا مولوی محمد سر فراز خاں صاحب بارک اللہ تعالیٰ فی عمرہ و علمہ و عملہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اما بعد گزارش کہ احسن الکلام، تبریہ النواظیر،

گلدستہ توحید، دل کا سرور میں نے پڑھوا کر سنی ہیں۔ ماشاء اللہ تعالیٰ آپ بہت شیعہ النظر ہیں اور ذہین۔ حافظہ و فہم بہت پایا ہے، مگر معاف نہیں یہ سب کتب جن کے حوالے آپ



نے دیے ہیں۔ کیا یہ سب آپ کے پاس موجود ہیں؟ جب میری بیانی تھی تو انارلسن و جامع الآثار  
 نیموی و ایضاح الاولہ و ہدایت المعتدی۔ والفرقان دیوبندی۔ و انوار نعمانیہ و ستہ ضروریہ فیض لوی  
 کا مطالعہ کیا تھا۔ مگر تحقیق الکلام کا جواب مصنف مرحوم کی زندگی میں کسی نے نہ لکھا۔ البتہ  
 ابکار المنن کا جواب مولانا عبد الرشید ابن نیموی نے لکھا تھا۔ جس کا قلمی نسخہ انھوں نے مجھ کو بھی  
 بھیجا تھا۔ جو جاندھر مولوی خیر محمد صاحب کے مکتبہ میں انقلاب کے وقت وہیں رہ گیا۔ ہمارے  
 مدرسہ کی سب کتب اور مولوی خیر محمد صاحب کے مدرسہ کی کتب انقلاب میں سب ضائع  
 ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ ایک مجلسی طقات ثلاثہ کی بابت آپ کتاب شائع کرنے کو ہیں؟ تیار ہونے  
 پر پتہ کرنا۔ مولوی حبیب الرحمن اعظمی مدرس مدرسہ میو بھجن ناتھ ضلع اعظم گڑھ نے طقات ثلاثہ  
 کی بابت دو جلد میں کتاب لکھی ہے۔ جس میں علامہ ابن قیم و غیر مقلدین کے جواب دیے ہیں۔  
 وہ کتاب بھی وطن میں ضائع ہو گئی۔ شاید آپ کی نظر سے گزری ہے یا نہیں۔ ابکار المنن کا جواب  
 ابن نیموی طبع نہیں کرا سکے۔ غریب ہونے کے سبب قلمی تین نسخے تیار کیے تھے۔ ایک نسخہ  
 مجھ کو بھیجا اور ایک مبارک پوری صاحب کو اور ایک اپنے پاس رکھا۔ حضرت شیخ الہند فرماتے  
 تھے کہ امام بخاری بڑے ذہین تھے۔ تھوڑا سا ذہن اور ہوتا تو امام ابو حنیفہ کے برابر ہوجاتے  
 امام نووی کے متعلق فرماتے تھے کہ ان کا ذہن طویل و عریض تو بہت ہے مگر امام اعظم رحمہ  
 کے عمیق ذہن تک پہنچ نہیں سکتے۔ فقط آپ کے حوالہ جات بقیہ صفحات لکھنے سے یہ  
 معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر جھنڈا کے مکتبہ میں لکھ رہے ہیں یا مکتبہ مدرسہ دیوبند میں کیا یہ سب  
 کتب آپ کے پاس ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ والسلام فقط

خادم حبیب اللہ خلف حضرت مفتی رح

خادم طلبہ جامعہ رشیدیہ۔ ۵ شوال ۱۳۷۲ھ



فقیر وقت المحقق المدقق  
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup>  
مفتی اعظم پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

مولانا ابوالزہاد محمد سرفراز خاں صاحب صفید کی محققانہ تازہ تصنیف "احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام" دیکھنے کا موقع ملا جو اپنے موضوع میں بے نظیر کتاب ہے۔ طرز بیان نہایت سلیس ہے اور اس مسئلہ میں غلو و تعدی کرنے والوں کا بہترین جواب ہے۔

مسئلہ قراءۃ فاتحہ خلف الامام ان مسائل میں سے ہے جن میں حضرات صحابہ و تابعین کے زمانے سے اختلاف اور بحثیں چلی آتی ہیں۔ سینکڑوں کی تعداد میں مستقل کتابیں اور رسالے اس موضوع پر لکھے گئے ہیں اور ایسے اجتہادی اختلافات میں تمام اہل حق کا مسلک یہی ہوتا ہے کہ ان کے جس پہلو کو وہ رائج سمجھتے ہیں اس کو اختیار کر لیتے ہیں اور دوسری جانب پر طعن و تشنیع اور زبان درازی جائز نہیں سمجھتے۔ علمی بحث و تحیص کا مقام آتا ہے تو اس میں مناظرانہ بحثیں بھی ملتی ہیں مگر اس نظر سے نہیں کہ ان کا حریف باطل پرست یا گمراہ ہے۔ اور اجتہادی اختلافات کا تمام اہل سنت و الجماعت کے نزدیک یہی مقام ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آج کل کی فضا میں جہاں کفر و الحاد کے طوفان نے نئی نئی شکلوں سے اٹھ رہا ہے۔ سرے سے حدیث ہی کو ناقابل عمل ٹھہرایا جا رہا ہے۔ قرآن میں طرح طرح کی معنوی تحریفات کے لیے ادارے بنائے جا رہے ہیں، کسی خدا ترس ذی علم کے لیے اس کا کوئی موقع نہ تھا کہ ان پرانی بحثوں کو تازہ کر کے ایک نیا فتنہ قرآن و حدیث کے مائتے والوں اہل سنت میں پیدا کرے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ بعض نا عاقبت اندیش کم علم لوگ جو اپنے آپ کو فرقہ اہل حدیث سے منسوب کرتے ہیں اور درحقیقت انصاف پسند اہل حدیث بھی ان کے طرز عمل سے متنفر ہیں۔ کفر و الحاد کے دنیا میں پھیلنے سے ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان کی فکریں صرف اس میں مصبذول رہتی ہیں کہ حنفی مسلمانوں کو گمراہ، بے نماز بلکہ کافر و مشرک قرار دیں۔ اسی قسم کے بعض لوگوں نے حال میں کچھ رسائل شائع کر کے مسلمانوں



میں انتشار و اختلاف کا دروازہ کھولا تو ہمارے محترم مولانا ابوالزادہ محمد سر فراز خاں صاحب نے ضرورت محسوس فرما کر زمانہ حال کے طرز اور سلیبس اردو زبان میں اس موضوع پر دو جلدوں میں یہ ضخیم کتاب تصنیف فرما کر مسئلہ کے ہر پہلو کو خوب واضح فرمادیا۔ اس سے پہلے جتنی کتابیں اردو زبان میں بھی اس مسئلہ کے متعلق نظر سے گذری ہیں اقل تو ان میں پوری مباحث کے لیے جامع کم ہیں۔ پھر خالص قدیم علمی زبان میں ہیں آج کل عوام کیلئے ان سے استفادہ مشکل ہے اس کتاب میں فاضل نے ماشاء اللہ تعالیٰ بڑی خوبی سے تمام جوانب کی رعایت رکھ کر اس کے حسن کو دو بالا کر دیا ہے۔ جزاء اللہ تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء و تقبل منه مسعاہ۔

۲۵ شوال ۱۳۷۲ھ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

علامہ عصرا مام المناظرین استاد العلماء  
حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ  
سابق مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس، ملتان، مغربی پاکستان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

بعد حمد و صلوة۔ مسئلہ قرآنہ خلف الامام سلف و خلف میں ہمیشہ مختلف فیہا رہا ہے۔ مگر اس کا اختلاف اولیت و غیر اولیت تک محدود رہا۔ مشیتین حضرات نے تارکین قرآنہ پر بطلان صلوة کا جارحانہ حربہ کبھی استعمال نہیں فرمایا۔ البتہ ہمارے زمانے کے اکثر غیر معتدل اہل حدیث علما جمہور سلف و خلف کے خلاف بڑی شد و مد سے اپنی تحریر و تقریر میں اس دلائل و حربہ کو استعمال کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ بایں ضرورت جمہور کی طرف سے بھی اصلاحی طور پر تحقیقی و جوابی رسائل کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہوا جو معاندین کے لیے مسکت اور منصفین کے لیے قانع تھا۔ مگر بعض رسائل میں جزوی مباحث پر کلام تھا اور بعض میں قدر ضرورت پر اکتفا تھا۔ اس لیے ہنوز ضرورت تھی کہ اس مسئلہ میں ایسی جامع اور مسکت کتاب شائع ہو جو تمام مباحث پر حاوی ہو۔ سو بھگوان اللہ تعالیٰ فاضل نوجوان حضرت مولانا محمد سر فراز خاں صاحب سرحدی خطیب جامع مسجد گلہڑ منڈی ضلع



گو جز انوالہ نے کتاب احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام ہر دو جلد تصنیف فرما کر احسن طریق سے اس ضرورت کو پورا فرمادیا۔

امام شافعیؒ کے مذہب کی تحقیق انیق اور رواۃ احادیث کے تراجم و وفيات اور ہر ہر مبحث پر محققانہ و منصفانہ تفصیلی دلائل و براہین اس کتاب کی خصوصیات ہیں مجھے سفر و علالت کے دوران میں صرف جلد اول کے مطالعہ کا حرفاً حرفاً موقع مل سکا۔ بفضلہ تعالیٰ اس مسئلہ کے متعلق فریقین کے بہت سے رسائل دیکھنے کا موقع مجھے بھی میسر آیا ہے اس لیے بلا تکلف عارض ہوں کہ میرے نزدیک یہ کتاب اس مسئلہ کے تمام مباحث پر حاوی اور جامع ہے۔ کوئی مبحث اس میں تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ فریقین کے لیے اس کا مطالعہ نافع ہوگا۔ خصوصاً حنفی المذہب علماء و طلباء کو خود زیر مطالعہ رکھنا اور اس سے استفادہ کرنا ضروری ہے اور اس کی اشاعت میں سعی کرنا مذہبی فریضہ کے مراد ہے۔ حق تعالیٰ اس کتاب کو مفید عام اور نافع تام بنادے۔ اور حضرت مولف علامہ دام فیضہ کو جزا پر احسن عطا فرماتے ہوئے اس قسم کے دیگر مسائل پر محققانہ رسائل تصنیف فرمانے کی توفیق مزید شامل حال رکھے۔ آمین ثم آمین۔

احقر خبیہ محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس، ملتان ۹ ذیقعد ۱۳۷۲ھ

شیخ کامل رئیس المجاہدین مفسر قرآن کریم  
حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ  
امیر انجمن خدام الدین شیر انوالہ دروازہ

بِسْمِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ۔ اَتَابِعُوا  
میں نے احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام مصنفہ مولانا ابوالزہاد محمد سر فراز خاں صاحب  
دامت معالیہم کی دونوں جلدوں کو متعدد مقامات سے بغور پڑھا ہے، مولانا ممدوح نے جہت  
اور عرق ریزی سے اپنے مجرہ موضوع کو دلائل و براہین سے مدلل فرمایا ہے۔ اگر اس عنوان



کے مخالفین انصاف اور تقویٰ سے کام لیں تو انہیں سوائے سکوت اور سر تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ ہو۔ بارگاہ الہی میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور مخالفت کرنے والوں کی ہدایت فرمائیے۔ آمین یا اللہ العالمین۔

العارض احقر الانام احمد علی عفی عنہ لاہوری، اشوال ۱۳۴۲ھ

امید الموحیدین سید المتناظرین حافظ الحجۃ

حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب دام فیضہم

سابق مدرس دارالعلوم دیوبند و حال شیخ الحدیث گوجرانوالہ

نحوۃ و نصیحت علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد عرض ہے کہ مجھے محترم دوست مولانا محمد سرفراز خان صاحب کی کتاب الاجواب احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام کے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا جس کے بعد میں کتاب موصوف کی مندرجہ ذیل خوبیوں اور خصوصیات پر مطلع ہوا:

- ۱۔ استیعاب اطراف میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ ۲۔ زور استدلال میں بے مثال ہے۔
- ۳۔ جامعیت مضامین میں بحر محیط ہے و معترضین کے اعتراضات کے جوابات میں دیوار فولاد ہے۔
- ۴۔ مصنف کے تبحر علمی کا زندہ ثبوت ہے۔

وبارک اللہ فی عمرہ و علمہ و شانہ و صمانہ عما شان و حفظہ من آفات الزمان و عصمہ من شر الحاصدین و اصحاب الغدوان۔

العبد ابو عبید اللہ شمس الدین عفی عنہ ۵ اشوال ۱۳۴۲ھ

شیخ طریقت حافظ الحدیث علامہ حضرت مولانا شیخ القرآن الحدیث محمد عبد اللہ صاحب

درخواستی دام مجدہم مہتمم مدرسہ عربیہ مخزن العلوم خانیو

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من رزق نبی بعدہ

وعلیٰ آلہ وصحبہ وجمعہ من اقتفی اثرہ۔ اما بعد، فقد رأیت رسالۃ احسن الکلام



من تألیف المؤلف محمد سر فرارخان صفہ فرستہ موشحاً بدلائل و خالیا عن  
الجدل فجزمی اللہ تعالیٰ المؤلف احسن الجزاء وارجو من اللہ تعالیٰ ان ینتفع به العوام  
والخواص وان یترک اهل الجدل الجدل قال الذبی صلی اللہ علیہ وسلم ما خسل  
قمر بعه ہدیٰ کا نوا علیہ الرا و تو الجدل الخ بکی شجرہ الاسلام من علمائہ فہما  
اکثر ثوا لہاراً وامن بکائہم۔ فاكثرہم مستحسن لخطائہ مستقیم لمصواب غیرہ۔  
فایہم انہرجو فینا لدینہ وایہم الموثوق فینا برأیہ ہدایۃ الدین ضلوا وقد بانفت  
نحسار تہم فیا عوا الدین بالہ دنیا فمارجحت تجارتہم۔

حزیرہ افتقر الی اللہ محمد عبد اللہ در خواستی

مہتمم مدرسۃ العربیہ مخزن العلوم خانپور

استاذ الاساتذہ محقق وقت الفقیہ حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد عبد الرحمن <sup>تعالیٰ</sup> حنا  
سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور

بسم الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد۔

احقر نے رسالہ احسن الکلام مؤلف مولانا محمد سر فرارخان صاحب بعض بعض مقامات سے  
دیکھا۔ اس مختصر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مؤلف سلمہ نے استدلال اور تنقید میں تحقیق اور متانت سے  
کام لیا ہے۔ طعن و تشنیع سے (جو آج کل کے بعض حضرات نے اختیار کر رکھا ہے) اجتناب کیا ہے۔  
حقیقت یہ ہے کہ ایسے مسائل مختلف فیہا میں طعن و تشنیع ایک امر قبیح کا ارتکاب ہے۔ اللہ  
تعالیٰ مسلمانوں کو اور خصوصاً حضرات علما کو اس سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف سلمہ کی اس  
تالیف کو قبول اور مخلوق خدا کو اس سے مستفید و مستفیض فرمائے۔ اللہم وفقنا لما تحب  
وترضیٰ من القول والعمل والہدیٰ انک علی کل شئی قدير۔

العبد الاحقر

عبد الرحمن غفرلہ

از بہبودی ملک مالا کیسبل پور ۲۷ شوال ۱۳۷۱ھ



شیخ المعقول والمنقول علامہ دہر فرید عصر حضرت مولانا شیخ القرآن

والحدیث محمد سلطان محمد صاحب <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup>

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ الطیبین

ما بعد۔ میں کتاب احسن الکلام کو بالاستیعاب تو نہیں دیکھ سکا۔ لیکن اس کی دونوں جلدوں کے بعض بعض مقاموں کو نہایت غور و تدبیر کے ساتھ پڑھا ہے اور پڑھنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ درج ذیل ہے :

۱۔ مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں مؤلف کتاب مولانا محمد سر فراز خاں صاحب کے دو فریضے تھے۔ پہلا فریضہ اپنے دعوے کو دلائل سے واضح کرنا۔ دوسرا فریضہ فریق مخالف کے دلائل کا جواب دینا۔ مؤلف صاحب نے ان دونوں فریضوں کے ادا کرنے میں کمال کر دیا ہے۔ اپنے دعوے کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے روشناس کی طرح واضح کر دیا ہے۔ فریق مقابل کو ان کے دلائل کے جوابات عقلیہ و نقلیہ وہ نظارہ دکھایا ہے جو تادم زیست ان کی نظروں سے غائب ہو ہی نہیں سکے گا۔

۲۔ طرز بیان نہایت ہی سلیس و عام فہم ہے صرف اردو خواں بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۳۔ اس مسئلہ کے متعلق بہت سے رسائل لکھے گئے ہیں لیکن احسن الکلام جیسا مفصل و

جامع دلائل عقلیہ و نقلیہ میری نظر سے کوئی دوسرا رسالہ نہیں گزرا۔

اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خادم العلماء

سلطان محمود عفی عنہ

ناظم مدرسہ خادم علوم نبوت (کھٹیاں شیخاں انجراٹ)

سابق صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی



## نمونہ سلف بقیت الخلف حضرت مولانا محمد عبدالحق صاحب فہم

مہتمم مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خشک ضلع پشاور

حضرت علامہ زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ وصول پایا۔ حسب  
الحکم احسن الکلام کے بعض مقامات دیکھے گئے۔ افسوس کہ نہایت عظیم الفرصتی کی وجہ سے  
مکمل کتاب کا مطالعہ نہ ہو سکا۔ تاہم جستہ جستہ مقامات کو بغور دیکھا گیا۔ بزرگوارم! ایسی  
جامع اور مسئلہ کے ہر پہلو پر حاوی کتاب پر تقریظی جملے لکھنا میرے خیال میں سورج کے  
سامنے چراغ دکھانا ہے لیکن محض تعمیل حکم کی غرض سے چند جملے تحریر کیے جا رہے ہیں۔  
بِسْمِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

الْحَمْدُ لِمَنْ تَقَرَّدَ بِالْقِدَمِ۔ فَكُلُّ شَيْءٍ مَّا سِوَاهُ مُسْبُوقٌ بِالْعَدَمِ وَالصَّلَاةُ

وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ وَعَلَى آلِهِ وَآصْحَابِهِ مَصَابِيحِ الظُّلَمِ

اما بعد تمام مشاغل میں افضل و بہترین مشغلہ خلوص نیت کے ساتھ علوم دینیہ اور مسائل شرعیہ

کی تحقیق ہے جو افضل العبادت میں محسوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف نے اسی کو اپنی زندگی کا اہم

نصب العین اور اپنی تمام سرگرمیوں کا محور قرار دیا تھا۔ اور قیمتی عمروں کو اسی مبارک مشغلہ میں فنا کیا ہے۔

بالخصوص ایسے مسائل شرعیہ میں علمی تحقیقات کو امت کے سامنے پیش کرنا جن میں امت کے نقطہ ہائے

نظر سلفاً و خلفاً مختلف ہے ہوں۔ علوم دینیہ کی بہترین خدمت اور امت کے ساتھ انتہائی درجہ کی خیر خواہی

ہے جو ہر طرح قابل قدر اور لائق تشائش ہے کہ اسی میں امت کے مختلف الخیال حضرات کے خیالات

کی ایک حد تک اصلاح اور طالب عمل کے لیے ایک واضح شاہراہ متعین ہو جانے کے قوی امکانات

پائے جاتے ہیں۔ مسئلہ قرأت خلف الامام بھی چونکہ ان معرکہ الارار مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے۔

جس میں ہر نہ ملنے کے اکابرین ملت نے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ اور اس پر طبع آزمائی فرمائی

ہے۔ جزا ہم اللہ تعالیٰ عنانہ الخیر الجزا لیکن زیادہ تر ہادفت ملامت اس مسئلہ میں علماء اخشاف ہی کو بنایا

جا چکا ہے اور بنایا جا رہا ہے کہ صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے بھی علماء اخشاف قرأت خلف الامام

پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ اور احادیث نبویہ سے کھلی ہوئی مخالفت کر رہے ہیں



حالانکہ مسئلہ کے تحقیقی اور استدلالی پہلو پر اگر انصاف سے نظر ڈالی جائے تو اخاف اس مسئلہ میں نہ اپنی رائے میں متفرد ہیں۔ اور نہ شاہراہ اور جادہ حق سے ان کے قدم ہٹے ہیں۔ ضرورت تھی کہ اس اہم موضوع پر ایک ایسی علمی تحقیق پیش کی جائے جو نہ صرف توضیح مسئلہ کے لیے مفید ہو۔ بلکہ اظہار حق فی ہذا الباب کے لیے برہان ساطع کی حیثیت بھی رکھتی ہو۔ خدا تعالیٰ جزا و خیر دے۔ مُصنّف احسن الکلام حضرت علامہ مولانا ابوالنزاہد محمد سر فراز خاں صفدر صاحب کو کہ اس نے اس ضرورت کو پورا فرمادیا۔ اور اپنی علمی تحقیقات کو اس مسئلہ کے بارے میں ایک ایسی کتاب کی شکل میں علماء اُمت کے سامنے پیش فرمایا جس کے متعلق یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کچھلی تمام ان کتابوں سے یہ کتاب مستغنی کر دینے والی ہے، جو اس مسئلہ کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ کتاب اپنے حسن ترتیب اور مضامین کی شائستگی اور مکمل تشریح مسئلہ کے علاوہ اور بھی بہت سی خصوصیات کی حامل ہے جن کی وجہ سے کتاب اس قابل ہو گئی ہے کہ اہل انصاف عموماً اخاف خصوصاً اس کو اپنے لیے بیش بہا تحفہ اور مبارک ہدیہ سمجھیں۔ سب سے زیادہ قابل ستائش اور لائق تحسین خصوصیت یہ ہے کہ ملت کے بلند پایہ علماء کرام اور ائمہ عظام کے صحیح اقوال پیش کیے گئے ہیں۔ مدعی کے اثبات اور تحقیق انتساب کے لیے مستند نقول سے کام لیا گیا ہے۔ نیز مخالفین حضرات کے اعتراضات کے جوابات ایسے تسلی بخش طریقہ سے دیے گئے ہیں جو انصاف پسند حضرات کے لیے موجب تسکین ہیں۔ امید کہ اہل علم حضرات اس کتاب سے پورا پورا فائدہ اٹھا لیں گے کہ اللہ تعالیٰ مصنف مدظلہ کی اس سعی و کوشش کو قبول فرمائیں اور اس کا رخیہ کے بدلہ میں ان کو اجر جزیل عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔ وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعين۔

عبدالحق عفی عنہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک ضلع پشاور (سرحد) الاشوال

پیر کامل عالم بمبیل حامی سنت حاجی بدعت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ

سابق مہتمم مدرسہ عربیہ سراج العلوم سرگودھا

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ۔ اوابعدا مذہبی دنیا میں مشغولات



اور تعامل کو دیکھا جاتا ہے۔ قرآنہ خلف الامام کے بارے میں قرن اول سے لے کر آج تک اہل اسلام کا عدم فرضیت پر جمہور کا تعامل رہا ہے۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ سنی نمازوں میں (وجوب قرآنہ فاتحہ کے دعوے میں) منفرد ہیں۔ اسی واسطے محققین شوافع اس کے قائل نہیں۔ منقولات میں سے ہماری (بلکہ جملہ) صلوات میں واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا نص قطع ہے۔ اطلاق الفاظ سے قطع نظر خود شان نزول بھی آیت کا بتصریح ائمہ کرام حصہ نماز ہے۔ سنی نمازوں میں آثار مرفوعہ و موقوفہ کے تبادر سے عدم قرآنہ مقتدری ثابت ہوتی ہے بلکہ بعض آثار میں وعیدیں بھی موجود ہیں۔ مجتہدین حضرات کی جانب سے لا صلوة الا بقائه الکتاب پیش کی جاتی ہے جو حضرت جابرؓ اور امام احمدؒ اور سفیانؒ جیسے جلیل القدر حضرات منفرد کے حق میں فرما رہے ہیں۔ باقی حدیثیں قرآنہ خلف الامام کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں بعض صحیح نہیں اور جو صحیح ہیں وہ دلالت علی المقصود پر صریح نہیں۔ بایں ہمہ اخاف کی طرف سے جب کبھی اس مسئلہ پر کچھ لکھا گیا ان کی اس میں دفاعی حیثیت ہے۔ اقدام ہمیشہ مجتہدین حضرات سے ہوتا رہا وہ بھی اس طعن کیساتھ کہ اخاف کی نماز مردود اور باطل ہے وغیرہ وغیرہ۔ بقول مرتا کیا نہ کرتا۔ مجبوراً کچھ نہ کچھ لکھنا پڑا۔ حضرت محقق مولانا محمد سر فراز خاں صفدر زید علمائے نے اس بارے میں ایک مبسوط کتاب احسن الکلام لکھی ہے۔ اس میں بلا مبالغہ محقق مصنف نے بغیر تعصب کے سیر حاصل بحثیں فرمائی ہیں اور اس مسئلہ کے مالہ و ما علیہ پر کلام مشہور فرمائی ہے۔

آخر آمد بود فخر الاولین!

شاید اس کے بعد کسی راو اور مردود کو قلم اٹھانے کا موقع بھی نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کے صالحات باقیات میں اس تصنیف لطیف سے اضافہ فرمادے اور عامۃ المسلمین کو متمتع فرمادے آمین۔  
احقر ابو سعید محمد شفیع عفی عنہ سرگودھا۔

اسوہ صاحبین شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد نصیر الدین صاحب غور غشتی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔ میں نے کتاب احسن الکلام

کی دونوں جلدوں کا مطالعہ کیا نہایت عمدہ اور مفید کتاب ہے اہل اسلام کو مناسب ہے کہ اس کا



مطالعہ کریں خصوصاً احناف کو (اور ان احناف کو تو علی الخصوص) اس کا مطالعہ ضروری ہے جو کہ اپنے  
مذہب کے معتبرات سے ناواقف ہیں۔ وصلى الله على رسوله وخير خلقه محمد وعلى آله  
واصحابه وجميع امتہ اجمعین۔

مسکین نصیر الدین غورغشوی

## اُتَادُ الْعُلَمَاءِ رَأْسُ الْمُحَقِّقِينَ

# حضرت مولانا محمد مسیح الحق صاحب افغانی دامت برکاتہم

ترجمہ زنی ضلع پشاور

سابق وزیر معارف شریعہ ریاست ہائے متحدہ بلوچستان۔ شیخ التفسیر دارالعلوم  
دیوبند و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اچیل، حالاً شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ

بہاول پور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ نَحْمَدُكَ يَا رَسُولَ الْكَرِيمِ مَا بَعْدَ احْسَنِ الْكَلَامِ فِي

تَرْكِ الْقِرَآتِ خَلْفَ الْأَمَلِ تصنیف مولانا ابوالزہاد محمد سر فراز خاں صفدر کو میں نے بغور ملاحظہ  
کیا۔ اس مسئلہ پر قبل ازیں نفیاً و اثباتاً کافی رسائل و اجزاء لکھے گئے ہیں لیکن ان سب میں زیر تبصرہ کتاب  
کی شان نزالی ہے۔ مصنف علامہ کو حفاظت اصول و فروع دین و رد غلو غالین و تحریفات مبتدعین  
میں ایک ممتاز ملکہ حاصل ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ مساعیہ احسن الکلام کے درجے میں اور بنیادی  
اجزاء آٹھ ہیں۔ پہلے حصہ میں مذہب حنفی یعنی ممنوعیت فاتحہ خلف الامام کو کتاب اللہ و احادیث  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و آثار صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور اولہ عقلیہ قیاسیہ و اجتہادیہ  
ثابت کیا گیا ہے۔ یہ اس حصے کے بنیادی چار اجزاء ہیں۔ دوسرے حصہ میں مخالفین کی دعویٰ کثرت  
فاتحہ کے دلائل قرآنیہ، حدیثیہ، اثریہ اور عقلیہ کا جواب دیا گیا ہے۔ یہ دوسرے حصے کے  
بنیادی چار اجزاء ہیں۔ گویا پہلے حصے میں مذہب حنفیہ کے مثبت پہلو کا بیان ہے اور دوسرے



حقہ میں منفی پہلو کا۔

بہر حال یہ کتاب لحاظ کثرت مواد، سلاست بیان و ضبط دلائل و رد اشکالات مخالفین اور جامعیت جمیع ابکات متعلقہ بالموضوع کے لحاظ سے اپنی شان میں بے نظیر ہے۔  
میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف علام کی اس خدمت کو قبول فرمائیں اور مسلمانوں کو اس کتاب سے نفع اٹھانے کی توفیق بخشے۔ آمین

شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ

جامعہ اسلامیہ بہاولپور

۲۵ محرم ۱۳۹۹ھ

۱۶ مئی ۱۹۷۷ء

محقق جلیل فاضل لبیب حضرت علامہ مولانا محمد عبدالرشید صانعا دافیوہم

باسمہ سبحانہ و بچہ امانہ

بگرامی خدمت مخدوم و مکرم حضرت مولانا صفدر صاحب متع اللہ تعالیٰ المسلمین بقبولہم

و برکاتہم۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بفضلہ تعالیٰ آپ کی گراں قدر تصنیف نفیس احسن الکلام کا بالاستیعاب مطالعہ کیا گو مطالعہ سرسری تھا قیلولہ کے وقت تاہم مستفید ہوا۔ دل سے دعا نکلی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی مشکوٰۃ فرماتے۔ آپ نے بحث کا خوب احاطہ کیا۔ بڑی اچھی کتاب لکھی۔ تحقیق الکلام کے جواب کا قرض جو حنفیوں کے ذمے چلا آتا تھا مع شے زائد ادا کر دیا۔ جزاک اللہ تعالیٰ اعتقاد عن سائر المسلمین خیراً۔ گو بعض جگہ بحث کا رنگ غیر مقلدوں (نام نہاد اہلحدیث) کی طرح متعنتانہ ہو گیا، مگر اس سلسلہ میں غالباً آپ کا عذر یہ ہو گا کہ خصم نے اس طرز پر مجبور کیا کہ قدیم زمانے سے خصم نے ظلم کا یہی طریق اپنا رکھا ہے۔ والہادی ظلم۔ والسلام

خاکسار نعمانی از کراچی

۲۹ شعبان ۱۳۹۵ھ

نوٹ: حضرت علامہ نے چند غلطیوں کی نشاندہی فرمائی جن کی اب اصلاح کر لی گئی ہے۔ (صفدر)



حضرت العلامة فقیہ جلیل مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

مہتمم اشرف المدارس ناظم آباد، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ احسن الکلام کی تحقیق عمیق اور جامعیت دیکھ کر

بہت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائیں۔ فقط والسلام

رشید احمد

از اشرف المدارس ناظم آباد، کراچی

۱۳۹۸ رمضان ۱۳ھ

نوٹ: حضرت مفتی صاحب نے بھی چند اغلاط کی اصلاح کا مشورہ دیا۔ جن کی

اس طبع میں اصلاح کر دی گئی ہے۔ (صقدر)



# دیباچہ طبع سوم

مُبَسِّلاً وَمُحَمَّدًا وَ مَصَلِّا

اما بعد راقم اشیم اللہ تعالیٰ کے بے حد و لا شمار انعامات و احسانات کا شکریہ کس زبان سے ادا کرے کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس گنہگار کو جہاں اور جتنی اور مغنوی انعامات سے نوازا وہاں دین کی خدمت اور تالیف کتب کا زترین موقع بھی مرحمت فرمایا اور بفضلہ تعالیٰ راقم اشیم کی ہر کتاب اپنی اپنی جگہ مفید ثابت ہوئی۔ فی اللہ تعالیٰ الحمد زیر نظر کتاب احسن الکلام کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی سے جو شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی۔ وہ پاک و ہند کے جید اور نامی گرامی علماء کرام کی عمدہ آرا اور بلند پایہ تصدیقات سے بالکل عیاں ہے اور ان حضرات میں سے بعض وہ بزرگ ہستیاں ہیں کہ علمی اور تحقیقی طور پر وہ بین الاقوامی شہرت و حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے علم پر عوام تو کیا بلکہ خواص اور مزید برآں خواص الخواص کو بھی کلی اعتماد ہے۔ اس دیباچہ میں ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ چند ضروری باتیں عرض کرتے ہیں۔

۱۔ طبع دوم کے دیباچہ میں ہم نے یہ گذارش کی تھی کہ جو حضرات (ان کا نقطہ نظر خواہ کچھ ہی) ہماری کوتاہیوں پر ہمیں آگاہ کریں گے تو ہم ان کا شکریہ ادا کریں گے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ ہماری یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ خاصی مفید رہی ہے۔ چنانچہ فاضل جلیل محقق العصر حضرت العلامة مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی و امت برکاتہم اور عالم تحریر نور سلف فقیدہ ان



حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت فیوضہم کرچی نے بعض اغلاط کی نشاندہی کی جن کی اب تصحیح کر دی گئی ہے اور ہم ان حضرات کے ممنون احسان ہیں۔ اسی طرح ہمارے کرم فرما معترف صاحب نے ترجمان الحدیث میں ایک راوی کی تعیین کے بارے میں غلطی بتائی ہے۔ ہم نے اس کی بھی اصلاح کر دی ہے اور وہ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں بایں ہمہ اب بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ طبع ہذا اغلاط سے بالکل مبتلا ہے۔ بھلا انسان کا کام اور وہ بھی راقم اثیم جیسے بے بضاعت اور پُر تقصیر کا کام غلطی سے کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ ۵

تم تو چھو لوں کے طلب گار نظر آتے ہو

میکہ دامن میں تو کانٹوں کے سوا کچھ بھی نہیں

مگر اب بھی ہم شرح صدر کے ساتھ کہتے ہیں کہ معقول اغلاط کی نشاندہی پر ہم ہر وقت شکر گزاری کے لئے تیار ہیں۔

۳۔ احسن الکلام کے معرض وجود میں آنے کی وجہ سبب تالیف میں باحوالہ مفصل مذکور ہے کہ فریق ثانی امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض قرار دیتا ہے اور نہ پڑھنے والوں کی نماز کو ناقص کا لعدم، بیکار اور باطل قرار دیتا ہے۔ اور خفیوں کو بے نماز اور مفسدین صلوٰۃ کے خطاب سے نوازتا ہے اور حتیٰ کہ احناف کی عورتوں سے بلا طلاق غیر مقلدوں کا نکاح جائز قرار دیتا ہے اور امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو کافر اور مخلد فی النار تک نار و افتوں سے رگیدتا ہے۔ اور ظاہر امر ہے کہ فرضیت قطعی دلیل کے بغیر تو ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی اور اہل علم جانتے ہیں کہ قطعی دلیل نص قرآنی، خبر متواتر اور اجماع ہی ہے ان کے علاوہ اور کوئی دلیل قطعی نہیں مگر یقین جانے کہ فریق مخالف اپنے اس باطل اور بے بنیاد دعوے پر ایک بھی حوالہ اور دلیل نہیں پیش کر سکا اور نہ تاقیامت پیش کر سکتا ہے اور جو غیر متعلق اور بے جان دلائل انھوں نے پیش کیے ہیں ان کا حال احسن الکلام سے بفضلہ تعالیٰ بخوبی واضح ہو چکا ہے اور کتاب کو پڑھنے والا ہر منصف مزاج اس کو سمجھ سکتا ہے۔

۴۔ ترجمان الحدیث میں عین اس دور میں جبکہ تحریک ختم نبوت اپنے عروج پر تھی مسلمان تو کیا حتیٰ کہ خود کو مسلمان کہلانے والے طبقے بھی مرزاہیوں کو کافر قرار دینے کے سلسلے میں



قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے اور ہمارے کرم فرما ترجمان الحدیث میں قسط وار احسن الکلام  
 پر برسنے میں اور اس میں کپڑے نکالنے میں مصروف تھے اور تحریک ختم نبوت کے قائد اور روح رواں  
 حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری المتوفی ۱۳۹۷ھ کو ان کے استاد محترم کی کتاب "شیل الفرقین"  
 ص ۷۷ کے ایک حوالہ کے پیش نظر بلاوجہ ان الفاظ سے خطاب کیا جا رہا تھا کہ کیا حضرت (مولانا سید  
 محمد انور شاہ صاحب) کاشمیری اور ان کے تلامذہ بالخصوص حضرت بنوری یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اہل مدینہ  
 کا مسلک ترک رفع الیدین تھا ؟ بلقلم (ترجمان الحدیث بابت ماہ نومبر ۱۹۷۴ء، ص ۱۳۷)۔ ہر مسجد  
 آدمی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ایک خالص اسلامی اور مذہبی تحریک کے قائد کو تحریک کے دور میں  
 ان کے استاد محترم کا حوالہ نکال کر کوسنا اور مطعون کرنا اور وہ بھی محض ایک فرعی مسئلہ میں کیا  
 معنی رکھتا ہے ؟ لیکن اس متعصبانہ کا روائی سے اُن کی شخصیت اور عظمت میں کیا فرق پڑا ؟  
 آخر انھیں کی مبارک قیادت میں یہ مشکل ترین مسئلہ حل ہوا اور قانونی طور پر مرزائیتوں کے ہر دو  
 فرقے (قادیانی اور لاہوری) کا فرقرار دیے گئے۔ ولینعم ما قبل سے  
 جنہیں حقیر سمجھ کر بھجوا دیا تم نے  
 وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

۴۔ جمہور اہل اسلام اور ان میں سے علی الخصوص اخوان کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم اس مسئلہ کو اختلافی  
 مسئلہ سمجھتے ہیں اور صرف یہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ سمیت کسی بھی  
 قسم کی قرأت ممنوع اور مکروہ ہے۔ نہ تو وہ اس مسئلہ میں کسی کی تکفیر کرتے ہیں اور نہ کسی کی منکوحہ  
 بیوی چھیننے کا فتویٰ دیتے ہیں اور نہ کسی کو اس مسئلہ کی وجہ سے فی النار والسقر تک پہنچاتے ہیں مگر  
 فریق ثانی کو لفظ مکروہ بھی خاصا چھٹتا ہے۔ چنانچہ ترجمان الحدیث ص ۱۸ بابت ماہ جولائی ۱۹۷۴ء  
 میں مشہور مؤرخ اسلام اور حنفی عالم کا شکوہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی سے سبھی  
 اہل علم واقف ہیں کسی دور میں ان کا مشہور قول تھا کہ آدمی عیسائی ہو سکتا ہے، غیر مقلد نہیں ہو سکتا  
 یہ بزرگ فاتحہ خلف الامام کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ الخ بقول ناقل حضرت مولانا شبلی مرحوم کا مشہور قول  
 آخر بلاوجہ توہم پرگز نہیں ہو سکتا۔ یقیناً اس کی تہ میں کچھ ہو گا اور انھوں نے ضرور کچھ محسوس کیا ہو گا۔ نیز اگر  
 واقعی اخوان کی نماز کا عدم، بے کار اور باطل ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ وہ امام کے پیچھے سورۃ



فاتحہ نہیں پڑھتے اور نہ اس کے قائل ہیں۔ اور مبتدی طالب علم بھی یہ جانتے ہیں کہ جو حکم امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کا ہے وہی حکم نہ پڑھنے کا حکم دینے کا ہے اور ہر محقق حنفی یہی کچھ کہتا ہے تو غیر مقلدین حضرات اپنے شیخ الكل مولانا سید ندیر حسین صاحب (المتوفی ۱۳۲۰ھ) کی زندگی بھر کی جمعہ کی نمازوں کے بارے میں کیا فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ آیا ان کی نمازیں ادا ہوئیں یا نہیں؟ کیونکہ لکھنے والوں نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ بلکہ مدت العمر شاہی مسجد (دہلی) کے حنفی امام کے پیچھے نماز جمعہ ادا فرماتے رہے۔ (مقدمۃ معیار الحق صفحہ ۱) اس سے یہ بات بالکل روشن اور عیاں ہو گئی کہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الكل نہ صرف یہ کہ حنفی امام کو مسلمان سمجھتے بلکہ ان کو اپنے سے بہتر قرار دے کر مدت العمر ان کی اقتداء میں جمعہ کی نماز ادا کرتے رہے۔ لہذا غیر مقلدین حضرات کو اس ناروا غلو اور بے بنیاد دعوے کو راجح کر لینا چاہیے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأت نہ کرنے والے اور اسی طرح اس کو ضروری نہ قرار دینے والے مسلمان نہیں یا کم از کم بہتر مسلمان نہیں یا بے نماز اور مفسدین صلوٰۃ ہیں کیونکہ اس باطل نظریہ سے احناف کا تو کچھ نہیں بگڑتا البتہ خود ان کے اکابر اس کی زد میں آتے ہیں اور اس باطل دعوے سے خود ان کے بزرگوں کا دامن علم و تقویٰ مطعون و مجروح ہوتا ہے۔ غور کرنا خود ان کا کام ہے :۔

اگر کچھ کم ہے جو کچھ ہو چکا بیدار کرنے کو  
تو کل افسانہ عبرت کے عنوان اور بھی ہوں گے

۵۔ ترجمان الحدیث میں کئی قسطوں میں احسن الکلام پر اکثر بھی اعتراضات قدرے تشریح کے ساتھ بد مزہ سے بد مزہ کر کے پیش کیے گئے ہیں جن کے اصولی طور پر مدلل جوابات بحوالہ احسن الکلام میں مذکور ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت قتادہ مدلس ہیں۔ حضرت ابواسحاق مختلط اور مدلس ہیں۔ محدث ابوالزبیر مدلس ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ ضعیف ہیں۔ محمد بن اسحاق اور نافع اور علامہ ابن عبد الرحمن ثقہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ انہیں یہ کہ فلاں آدمی کے بارے میں احسن الکلام میں تضعیف یا توثیق کا فلاں جملہ نقل نہیں کیا گیا اور فلاں عبارت کا معنی غلط کیا ہے اور فلاں موقوف حدیث کو مرفوع بنا دیا ہے اور فلاں حوالے میں کتر بیونت کی ہے اور فلاں عبارت کا صحیح مطلب متولف احسن الکلام اپنی جہالت



کی وجہ سے نہیں سمجھ سکا اور فلاں جگہ دجل و تبلیس سے کام لیا ہے اور فلاں عبارت کو سیاق و سباق سے الگ کر کے مطلب لیا ہے اور فلاں مقام پر راوی کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن اسی راوی کو مثلاً بعید اور شاہد میں پیش کر کے اس سے احتجاج کیا ہے اور ہمارے فلاں ثقیل راوی کو ضعیف کہہ دیا ہے اور فلاں راوی کو اپنے ہاتھ کے کتب سے ثقہ کر دکھایا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بجز اللہ تعالیٰ اہل علم اور سمجھدار حضرات احسن الکلام کے مضبوط اور ٹھوس دلائل اور روشن حوالوں اور اس کی عمدہ ترتیب اور سلاست سے بخوبی واقف ہیں اور ان تمام بے یک شبہات کا رد اس میں مذکور ہے۔ ہمیں مزید کچھ کہنے اور لکھنے کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ محض کیرے نکالنے اور اعتراضات کرنے سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ پندرت دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب سیتا رتھ پرکاش کے چودھویں باب میں بسم اللہ سے لے کر وائاس تک قرآن کریم پر اعتراضات کیے ہیں۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) لیکن اس سے کلام اللہ تعالیٰ کی صداقت و عظمت پر کیا زبردستی یا پڑ سکتی ہے؟ منکرین حدیث مجموعی طور پر کتب حدیث پر بستے رہتے ہیں مگر اس سے دینی کتب کے اس عظیم ذخیرہ میں کیا کمی اور نقص پیدا ہو سکتا ہے؟ خود غیر مقلد حضرات فقہ حنفی کی مشہور اور متداول کتابوں پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ ان کی کتاب حقیقۃ الفقہ اور نتائج التقلید وغیرہ میں اس امر کا واضح اور دافئوت موجود ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری پر ان کی طرف سے جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ تو قریب کے حلقوں میں پان فروشوں اور انڈس فروشوں تک پہنچ چکے ہیں لیکن اس سے ان کو بجز اپنے دل ماؤف کی بھڑاس نکالنے کے اور کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ تمام کتابیں بھی موجود ہیں اور ان میں مذکور ہزار ہا مسائل بھی موجود ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق برابر فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اسی طرح اگر بعض مہربانوں کی طرف سے احسن الکلام پر بھی کچھ لایعنی سوالات ہوئے ہیں یا ہوتے ہیں تو اس سے اس کے صحیح دعاوی اور قوی دلائل اور محکم براہین میں کیا فرق پڑتا ہے۔ اہل خرد جانتے ہیں کہ نری لفاظی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

الف ساط کے پیچوں میں اُچھتے نہیں دانا

غواص کو مطلب سے صدف سے کہہ سے

۱۔ ہماری دانست میں ترجمان الحدیث میں احسن الکلام پر کیے گئے جملہ اعتراضات ہیں



صرف دو باتیں علمی طور پر قابل توجہ ہیں۔ ممکن ہے بعض اہل علم کو ان سے مغالطہ پیدا ہو اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہاں نقل کر کے قدرے تفصیل سے ان کے جوابات عرض کر دیے جائیں تاکہ کسی کو غلط فہمی پیدا نہ ہو اور صحیح بات بھی سامنے آجائے۔

اقل ہم نے احسن الکلام میں اسرائیل عن ابی اسحاق کی ایک سند سے استدلال کیا تھا اس پر گرفت کرتے ہوئے ترجمان الحدیث ماہ جون ۱۹۷۴ء میں صفحہ ۷ تا ۲۸ اس مشہور محدث اور صحیحین کے مرکزی راوی امام ابواسحاق کے اختلاط اور ان کی تہ لیس پر خاصی لا حاصل بحث کی ہے جس کی چند اہم اور مرکزی باتیں یہ ہیں:

(۱) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ بخاری میں ان سے یحزان کے اصحاب قدامت کے اور کوئی روایت میں نے نہیں دیکھی۔ (ہدی الساری جلد ۲ ص ۱۹۹)

(۲) ابواسحاق مدلس تھے اور ان کا غنہ صحت حدیث کے منافی ہے اور آخر عمر میں اختلاط اور تغیر کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ (ترجمان مذکور ص ۲۸)

(۳) زہیر کی روایت عن ابی اسحاق امام بخاری اور محدث مبارکپوری کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ امام ابو داؤد زہیر عن ابی اسحاق کو اسرائیل عن ابی اسحاق سے بدرجہا بہتر قرار دیتے ہیں اور بقول امام احمد اسرائیل نے ابواسحاق سے اختلاط کے بعد بھی سنا ہے (ص ۲۶) لہذا ان کو ان پر کوئی مزیت حاصل نہیں۔  
الجواب: یہ جو کچھ کہا گیا ہے دفع الوقتی کے سوا کچھ نہیں ترتیب وار جوابات ملاحظہ کیجیے:

(۱) خود حافظ ابن حجر ہی امام ابو زرعہ رحمہ اللہ امام ابو حاتم رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ زہیر رحمہ اللہ نے ابواسحاق رحمہ اللہ سے آخر عمر میں ابواسحاق رحمہ اللہ کے مختلط ہونے کے بعد سماعت کی ہے۔ (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۵۲)

اور زہیر رحمہ اللہ کی ابواسحاق رحمہ اللہ سے بخاری ج ۱، ص ۲۶ اور ج ۱۳۹ ص ۱ اور ج ۲۲۶ وغیرہ میں روایتیں موجود ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ زکریا بن ابی زائدہ رحمہ اللہ کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ اور محدث بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے ابواسحاق رحمہ اللہ سے آخر عمر میں سماعت کی ہے۔

(دیکھیے تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۳۰)

اور زکریا رحمہ اللہ بن ابی زائدہ رحمہ اللہ کی ابواسحاق رحمہ اللہ سے روایت بخاری ج ۱ ص ۲۲۳ وغیرہ میں موجود ہے۔



اور خود معترض مذکور امام ابو داؤد رحمہ کی تحقیق کے پیش نظر اسرائیل رحمہ کی ابو اسحاق رحمہ سے روایت ان کے اختلاط کے بعد بھی تسلیم کرتے ہیں اور بخاری ج ۱ ص ۲۵۹ و ۵۰۵ و ۵۱۲ وغیرہ میں اسرائیل رحمہ عن ابی اسحاق رحمہ کی سند سے کئی روایات موجود ہیں پھر یہ کیسے تسلیم کیا جائے کہ بخاری میں ابو اسحق رحمہ کے ان قدیم شاگردوں کی روایات ہی مذکور ہیں جنہوں نے ان سے اختلاط سے قبل سماعت کی ہے۔ بس یہی کہا جائے گا کہ ابو اسحق رحمہ ایسے مختلط ہوتے ہی نہیں کہ ثقاہت سے گریز نہیں اور اسرائیل رحمہ کی روایت ابو اسحاق رحمہ سے اثبت اور راجح ہے۔ ہاں بعض کے نزدیک اگر آخر عمر میں ان کے حافظہ میں کچھ تغیر ہوا ہے تو اس دور میں نہ ہیر نے ان سے سماعت کی ہے۔

(۲) اگرچہ امام بخاری رحمہ اور مبارک پوری صاحب کے نزدیک نہ ہیر عن ابی اسحق رحمہ کی روایت راجح ہے مگر امام ابو زرعہ رحمہ، امام ابو حاتم رحمہ، امام احمد رحمہ اور امام ترمذی رحمہ وغیرہ حضرات کی تحقیق کے لحاظ سے نہ ہیر کی ابو اسحاق رحمہ سے روایت کمزور ہے اور ابو داؤد رحمہ کے علاوہ باقی تقریباً تمام حضرات اسرائیل رحمہ عن ابی اسحاق رحمہ کو اصح اور راجح قرار دیتے ہیں اور اس کے متعلق احسن الکلام میں واضح حوالے موجود ہیں وہیں ملاحظہ کر لیں۔ یہاں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) اسرائیل رحمہ کے بارے میں امام احمد رحمہ کی یہ رائے کہ انہوں نے ابو اسحاق رحمہ سے آخر عمر میں سماعت کی منفرد رائے ہے اور باقی حضرات اسرائیل رحمہ عن ابی اسحاق رحمہ کو اثبت کہتے ہیں لہذا جمہور کے نزدیک اسرائیل رحمہ عن ابی اسحق رحمہ کی سند بلاشبہ صحیح اور راجح ہے۔

دوئم۔ احسن الکلام میں ابوالزبیر رحمہ عن جابر رحمہ کی ایک سند سے احتجاج کیا گیا تھا اس پر کلام کرتے ہوئے ترجمان الحدیث ماہ فروری ۱۹۷۲ء تا ۲۹ ماہ مارچ ۱۹۷۲ء ص ۳۸ تا ۴۸ میں مشہور محدث ابوالزبیر رحمہ (محمد بن مسلم بن قنبرہ سلم) کے عنعنہ پر طویل اور ناکام بحث کی ہے جس کے مرکزی نکات یہ ہیں:

(۱) ابوالزبیر مدلس تھے اور محدثین کرام رحمہ کی خاصی جماعت نے ان کے مدلس ہونے کا ذکر کیا ہے اور بعض محدثین کے حوالے بھی انہوں نے ذکر کیے ہیں۔

(۲) ابوالزبیر رحمہ کی لیث رحمہ کے طریق اور سند سے عنعنہ والی روایت تو صحیح اور قابل قبول ہے مگر اس کے علاوہ ابوالزبیر رحمہ کی کوئی روایت جو عنعنہ سے ہو قابل قبول نہیں ہے اس پر



بھی چند حوالے انھوں نے نقل کیے ہیں۔

(۳) ابوالزبیرؓ کی جن روایات میں تحدیث ہے وہ تو قابل قبول ہیں اور جن روایات میں ان کا عنعنہ ہے اور وہ لیث کے طریق سے بھی نہیں تو چونکہ دیگر حضرات صحابہ کرام رض سے بھی وہ روایات مروی ہیں۔ بنا بریں اگر ابوالزبیرؓ کے سماع کی تصریح ان مخصوص الفاظ سے نہ بھی ملے تب بھی صحت حدیث پر کوئی حرف نہیں آتا۔ (مخلصہ)

الجواب۔ معترض صاحب نے یہ جو کچھ بھی کہا ہے ان کو سود مند نہیں ہے۔

اول تو اس لیے کہ بلاشبہ ابوالزبیرؓ کا نام مدلسین کی فہرست میں موجود ہے۔ اس کا کسی کو انکار نہیں جتنے حوالے اس سلسلہ میں معترض صاحب نے نقل کیے ہیں اگر ہم چاہیں تو بحمد اللہ تعالیٰ ان سے دو گنے حوالے مزید نقل کر سکتے ہیں لیکن ابوالزبیرؓ ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس مضر نہیں اور احسن الکلام میں تو حبیہ النظر کے حوالہ سے اس کی بحث موجود ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ علامہ جزائریؒ نے حافظ ابن حزمؒ کے حوالہ سے مدلسین کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی قسم ان مدلسین کی ہے جو حافظ و عادل ہوں اور ان کے بارے میں وہ تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وسواء قال اخبرنا فلان او قال عن فلان	اور برابر ہے کہ وہ مدلس اخبرنا فلان کہے یا
او قال فلان عن فلان كل ذلك واجب قبوله	عن فلان کہے یا قال فلان عن فلان کہے ان سب
ما لم يتيقن انه اورد حدیثاً بعينه	صورہوں میں اس کی روایت واجب القبول ہے
ایراد غیر مسند فان ايقنا ذلك	جب تک کہ یہ یقین نہ کر لیا جائے کہ اس نے کوئی
تركنا ذلك الحدیث وحده فقط و	حدیث غیر مسند پیش کی ہے اور جب ہمیں اس کا
اخذنا سائر روایاتہ	یقین ہو جائے کہ اس نے فلان حدیث مسند بیان
وهذا النوع منهم كان حيلة	نہیں کی تو ہم صرف وہی روایت اس کی ترک کریں گے
اصحاب الحدیث وائمة المسلمين	اور باقی اس کی تمام روایات لیں گے۔۔۔۔۔
كالحسن البصري وابی اسحاق	اور اس قسم میں بڑے بڑے محدثین اور ائمہ المسلمین
السبيعي وقتاده بن عامر وعمر	شامل ہیں جیسے حسن بصریؒ ابواسحاق السبیعیؒ
بن دينار وسليمان بن عمار وابی	قتادہ بن عامر، عمرو بن دينار، سليمان بن اعمش،



الزبیر وسفیان الثوری وسفیان بن عیینہ  
ابو الزبیر سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ  
عیینہ۔ (کتاب الاحکام فی

اصول الاحکام ج ۲ ص ۱۲۱ لابن

حزم وتوجیه النظر ص ۲۵۱ للجزائری)

۱۔ اہل علم جانتے ہیں کہ بیشتر صحیح احادیث کے روایت یہی حضرات ہیں اس عبارت سے یہ ضابطہ معلوم ہوا کہ ان مذکور حضرات کی جن میں ابو الزبیر رحمہ بھی شامل ہیں معنعن احادیث مطلقاً قابل قبول ہیں اور ان کی صحت میں کوئی کلام نہیں اور امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ چوٹی کے محدثین نے ان حضرات کی معنعن روایات سے استدلال کیا ہے چنانچہ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ

وفي الصحيح قطعة من الاحتجاج

باعتناء المدلس كإبي الزبير عن جابر

وسفیان عن عمرو بن دينار ونظائر

كثيرة لذا لك - (تہذیب سنن ابی داؤد،

جلد ۷ ص ۹۸)

امام بخاری نے ابو الزبیر کی مقرون بعظم کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ جلد ۱ ص ۲۹۱ اور

جلد ۱ ص ۹۸ و جلد ۱ ص ۲۳۳ میں ابو الزبیر عن جابر رضی کو متابعات میں پیش کیا ہے اور اسی طرح جلد

ص ۱۷۴ میں بھی لیکن کتابت کی غلطی سے ابو الزبیر کی جگہ ابو زید لکھا گیا ہے۔

(دیکھیے مصری نسخہ بخاری مع شرح فتح الباری جلد ۳ ص ۲۳۳ و عمدة القاری جلد ۸ ص ۱۲)

بلکہ امام بخاری رحمہ نے ابو الزبیر رحمہ عن جابر رضی کی سند سے احتجاج بھی کیا ہے۔ اہل علم بخوبی جانتے

ہیں کہ امام بخاری رحمہ فقہی مسائل بیان کرنے کے لیے باب ترجمہ اور عنوان قائم کرتے ہیں اور علماء

کا مشہور مقولہ ہے فقہ البخاری فی الابواب والتراجم۔ پھر اس دعوے کے اثبات کے لیے

کبھی تو وہ مسند اور مرفوع روایت پیش کرتے ہیں اور کبھی معلق روایت اور کوئی اثر

نقل کرتے ہیں اور اس طریقے سے وہ اپنے دعوے کو مدلل اور مبرہن کرتے ہیں۔ امام بخاری



نے جلد ۲۲۴ میں یہ عنوان قائم کیا ہے۔ باب الاہلال من البطحاء وغیرہا  
للحکمۃ الخ یعنی مکہ مکرمہ میں رہنے والے کا بطحی وغیرہا سے احرام باندھنے کا باب۔  
(منی کے قریب ایک جگہ ہے جس میں بکثرت سنگریزے ہیں اس کو بطحی و، ابطح، محصب،  
حصہ اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں۔ اس وقت اس کے قریب کلثیم عبدالعزیز بن جعفر عبدالعزیز  
کا لچ ہے) اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس دعوے کے اثبات کے لئے وقال ابو الزبیر عن جابر بن عبد اللہ  
من البطحاء کے اثر سے احتجاج کیا ہے باب میں پیش کردہ اس دعویٰ کے اثبات کے لیے اور کوئی دلیل  
انہوں نے پیش نہیں کی انصاف شرط ہے کہ احتجاج اور استدلال اور کیا ہوتا ہے؟ اگر امام بخاری رحمہ اللہ  
اس دعوے کے اثبات کے لیے کوئی اور سند اور مرفوع حدیث پیش کی ہوتی اور ساتھ یہ اثر بھی پیش کیا ہوتا تو  
ہم سمجھتے کہ ابو الزبیر رحمہ اللہ کا اثر صرف متابعت میں پیش ہوا ہے مگر ایسا نہیں ہے اور حافظ ابن حجر  
فرماتے ہیں کہ

واحتج الجمهور بحديث ابی الزبیر  
عن جابر بن عبد اللہ وهو الذی علقہ المصنف  
فی ہذا الباب..... الخ  
جمہور نے ابو الزبیر رحمہ اللہ عن جابر رضی کی روایت سے  
احتجاج کیا ہے اور وہ یہی حدیث ہے جس کو امام بخاری  
نے اس باب میں معلق بیان کیا ہے۔

(فتح الباری جلد ۲ ص ۲۵۲)

الغرض جمہور محدثین کرام رحمہم ابو الزبیر عن جابر رضی کی سند سے احتجاج کرتے اور اس کو بالکل صحیح  
سمجھتے ہیں۔

دوئم اس لیے کہ اگر صرف لیث رحمہ اللہ عن ابی الزبیر رحمہ اللہ کی سند سے ہی ابو الزبیر کی معنعن حدیثیں  
صحیح ہیں اور باقی نہیں تو پھر مسلم شریف کی ان تمام روایات کی صحت کا انکار کر دیا جائے، جو  
ابو الزبیر رحمہ اللہ سے من غیر طریق لیث معنعن مروی ہیں۔ مثلاً جلد ۲ ص ۲۲۲ و ص ۲۲۳ و ص ۲۲۴ و  
ص ۲۲۵ و جلد ۲ ص ۲۲۶ و ص ۲۲۷ و ص ۲۲۸ و ص ۲۲۹ و ص ۲۳۰ و ص ۲۳۱ و ص ۲۳۲ و ص ۲۳۳ و ص ۲۳۴ و ص ۲۳۵ و ص ۲۳۶ و ص ۲۳۷ و ص ۲۳۸ و ص ۲۳۹ و ص ۲۴۰ و ص ۲۴۱ و ص ۲۴۲ و ص ۲۴۳ و ص ۲۴۴ و ص ۲۴۵ و ص ۲۴۶ و ص ۲۴۷ و ص ۲۴۸ و ص ۲۴۹ و ص ۲۵۰ و ص ۲۵۱ و ص ۲۵۲ و ص ۲۵۳ و ص ۲۵۴ و ص ۲۵۵ و ص ۲۵۶ و ص ۲۵۷ و ص ۲۵۸ و ص ۲۵۹ و ص ۲۶۰ و ص ۲۶۱ و ص ۲۶۲ و ص ۲۶۳ و ص ۲۶۴ و ص ۲۶۵ و ص ۲۶۶ و ص ۲۶۷ و ص ۲۶۸ و ص ۲۶۹ و ص ۲۷۰ و ص ۲۷۱ و ص ۲۷۲ و ص ۲۷۳ و ص ۲۷۴ و ص ۲۷۵ و ص ۲۷۶ و ص ۲۷۷ و ص ۲۷۸ و ص ۲۷۹ و ص ۲۸۰ و ص ۲۸۱ و ص ۲۸۲ و ص ۲۸۳ و ص ۲۸۴ و ص ۲۸۵ و ص ۲۸۶ و ص ۲۸۷ و ص ۲۸۸ و ص ۲۸۹ و ص ۲۹۰ و ص ۲۹۱ و ص ۲۹۲ و ص ۲۹۳ و ص ۲۹۴ و ص ۲۹۵ و ص ۲۹۶ و ص ۲۹۷ و ص ۲۹۸ و ص ۲۹۹ و ص ۳۰۰ و ص ۳۰۱ و ص ۳۰۲ و ص ۳۰۳ و ص ۳۰۴ و ص ۳۰۵ و ص ۳۰۶ و ص ۳۰۷ و ص ۳۰۸ و ص ۳۰۹ و ص ۳۱۰ و ص ۳۱۱ و ص ۳۱۲ و ص ۳۱۳ و ص ۳۱۴ و ص ۳۱۵ و ص ۳۱۶ و ص ۳۱۷ و ص ۳۱۸ و ص ۳۱۹ و ص ۳۲۰ و ص ۳۲۱ و ص ۳۲۲ و ص ۳۲۳ و ص ۳۲۴ و ص ۳۲۵ و ص ۳۲۶ و ص ۳۲۷ و ص ۳۲۸ و ص ۳۲۹ و ص ۳۳۰ و ص ۳۳۱ و ص ۳۳۲ و ص ۳۳۳ و ص ۳۳۴ و ص ۳۳۵ و ص ۳۳۶ و ص ۳۳۷ و ص ۳۳۸ و ص ۳۳۹ و ص ۳۴۰ و ص ۳۴۱ و ص ۳۴۲ و ص ۳۴۳ و ص ۳۴۴ و ص ۳۴۵ و ص ۳۴۶ و ص ۳۴۷ و ص ۳۴۸ و ص ۳۴۹ و ص ۳۵۰ و ص ۳۵۱ و ص ۳۵۲ و ص ۳۵۳ و ص ۳۵۴ و ص ۳۵۵ و ص ۳۵۶ و ص ۳۵۷ و ص ۳۵۸ و ص ۳۵۹ و ص ۳۶۰ و ص ۳۶۱ و ص ۳۶۲ و ص ۳۶۳ و ص ۳۶۴ و ص ۳۶۵ و ص ۳۶۶ و ص ۳۶۷ و ص ۳۶۸ و ص ۳۶۹ و ص ۳۷۰ و ص ۳۷۱ و ص ۳۷۲ و ص ۳۷۳ و ص ۳۷۴ و ص ۳۷۵ و ص ۳۷۶ و ص ۳۷۷ و ص ۳۷۸ و ص ۳۷۹ و ص ۳۸۰ و ص ۳۸۱ و ص ۳۸۲ و ص ۳۸۳ و ص ۳۸۴ و ص ۳۸۵ و ص ۳۸۶ و ص ۳۸۷ و ص ۳۸۸ و ص ۳۸۹ و ص ۳۹۰ و ص ۳۹۱ و ص ۳۹۲ و ص ۳۹۳ و ص ۳۹۴ و ص ۳۹۵ و ص ۳۹۶ و ص ۳۹۷ و ص ۳۹۸ و ص ۳۹۹ و ص ۴۰۰ و ص ۴۰۱ و ص ۴۰۲ و ص ۴۰۳ و ص ۴۰۴ و ص ۴۰۵ و ص ۴۰۶ و ص ۴۰۷ و ص ۴۰۸ و ص ۴۰۹ و ص ۴۱۰ و ص ۴۱۱ و ص ۴۱۲ و ص ۴۱۳ و ص ۴۱۴ و ص ۴۱۵ و ص ۴۱۶ و ص ۴۱۷ و ص ۴۱۸ و ص ۴۱۹ و ص ۴۲۰ و ص ۴۲۱ و ص ۴۲۲ و ص ۴۲۳ و ص ۴۲۴ و ص ۴۲۵ و ص ۴۲۶ و ص ۴۲۷ و ص ۴۲۸ و ص ۴۲۹ و ص ۴۳۰ و ص ۴۳۱ و ص ۴۳۲ و ص ۴۳۳ و ص ۴۳۴ و ص ۴۳۵ و ص ۴۳۶ و ص ۴۳۷ و ص ۴۳۸ و ص ۴۳۹ و ص ۴۴۰ و ص ۴۴۱ و ص ۴۴۲ و ص ۴۴۳ و ص ۴۴۴ و ص ۴۴۵ و ص ۴۴۶ و ص ۴۴۷ و ص ۴۴۸ و ص ۴۴۹ و ص ۴۵۰ و ص ۴۵۱ و ص ۴۵۲ و ص ۴۵۳ و ص ۴۵۴ و ص ۴۵۵ و ص ۴۵۶ و ص ۴۵۷ و ص ۴۵۸ و ص ۴۵۹ و ص ۴۶۰ و ص ۴۶۱ و ص ۴۶۲ و ص ۴۶۳ و ص ۴۶۴ و ص ۴۶۵ و ص ۴۶۶ و ص ۴۶۷ و ص ۴۶۸ و ص ۴۶۹ و ص ۴۷۰ و ص ۴۷۱ و ص ۴۷۲ و ص ۴۷۳ و ص ۴۷۴ و ص ۴۷۵ و ص ۴۷۶ و ص ۴۷۷ و ص ۴۷۸ و ص ۴۷۹ و ص ۴۸۰ و ص ۴۸۱ و ص ۴۸۲ و ص ۴۸۳ و ص ۴۸۴ و ص ۴۸۵ و ص ۴۸۶ و ص ۴۸۷ و ص ۴۸۸ و ص ۴۸۹ و ص ۴۹۰ و ص ۴۹۱ و ص ۴۹۲ و ص ۴۹۳ و ص ۴۹۴ و ص ۴۹۵ و ص ۴۹۶ و ص ۴۹۷ و ص ۴۹۸ و ص ۴۹۹ و ص ۵۰۰ و ص ۵۰۱ و ص ۵۰۲ و ص ۵۰۳ و ص ۵۰۴ و ص ۵۰۵ و ص ۵۰۶ و ص ۵۰۷ و ص ۵۰۸ و ص ۵۰۹ و ص ۵۱۰ و ص ۵۱۱ و ص ۵۱۲ و ص ۵۱۳ و ص ۵۱۴ و ص ۵۱۵ و ص ۵۱۶ و ص ۵۱۷ و ص ۵۱۸ و ص ۵۱۹ و ص ۵۲۰ و ص ۵۲۱ و ص ۵۲۲ و ص ۵۲۳ و ص ۵۲۴ و ص ۵۲۵ و ص ۵۲۶ و ص ۵۲۷ و ص ۵۲۸ و ص ۵۲۹ و ص ۵۳۰ و ص ۵۳۱ و ص ۵۳۲ و ص ۵۳۳ و ص ۵۳۴ و ص ۵۳۵ و ص ۵۳۶ و ص ۵۳۷ و ص ۵۳۸ و ص ۵۳۹ و ص ۵۴۰ و ص ۵۴۱ و ص ۵۴۲ و ص ۵۴۳ و ص ۵۴۴ و ص ۵۴۵ و ص ۵۴۶ و ص ۵۴۷ و ص ۵۴۸ و ص ۵۴۹ و ص ۵۵۰ و ص ۵۵۱ و ص ۵۵۲ و ص ۵۵۳ و ص ۵۵۴ و ص ۵۵۵ و ص ۵۵۶ و ص ۵۵۷ و ص ۵۵۸ و ص ۵۵۹ و ص ۵۶۰ و ص ۵۶۱ و ص ۵۶۲ و ص ۵۶۳ و ص ۵۶۴ و ص ۵۶۵ و ص ۵۶۶ و ص ۵۶۷ و ص ۵۶۸ و ص ۵۶۹ و ص ۵۷۰ و ص ۵۷۱ و ص ۵۷۲ و ص ۵۷۳ و ص ۵۷۴ و ص ۵۷۵ و ص ۵۷۶ و ص ۵۷۷ و ص ۵۷۸ و ص ۵۷۹ و ص ۵۸۰ و ص ۵۸۱ و ص ۵۸۲ و ص ۵۸۳ و ص ۵۸۴ و ص ۵۸۵ و ص ۵۸۶ و ص ۵۸۷ و ص ۵۸۸ و ص ۵۸۹ و ص ۵۹۰ و ص ۵۹۱ و ص ۵۹۲ و ص ۵۹۳ و ص ۵۹۴ و ص ۵۹۵ و ص ۵۹۶ و ص ۵۹۷ و ص ۵۹۸ و ص ۵۹۹ و ص ۶۰۰ و ص ۶۰۱ و ص ۶۰۲ و ص ۶۰۳ و ص ۶۰۴ و ص ۶۰۵ و ص ۶۰۶ و ص ۶۰۷ و ص ۶۰۸ و ص ۶۰۹ و ص ۶۱۰ و ص ۶۱۱ و ص ۶۱۲ و ص ۶۱۳ و ص ۶۱۴ و ص ۶۱۵ و ص ۶۱۶ و ص ۶۱۷ و ص ۶۱۸ و ص ۶۱۹ و ص ۶۲۰ و ص ۶۲۱ و ص ۶۲۲ و ص ۶۲۳ و ص ۶۲۴ و ص ۶۲۵ و ص ۶۲۶ و ص ۶۲۷ و ص ۶۲۸ و ص ۶۲۹ و ص ۶۳۰ و ص ۶۳۱ و ص ۶۳۲ و ص ۶۳۳ و ص ۶۳۴ و ص ۶۳۵ و ص ۶۳۶ و ص ۶۳۷ و ص ۶۳۸ و ص ۶۳۹ و ص ۶۴۰ و ص ۶۴۱ و ص ۶۴۲ و ص ۶۴۳ و ص ۶۴۴ و ص ۶۴۵ و ص ۶۴۶ و ص ۶۴۷ و ص ۶۴۸ و ص ۶۴۹ و ص ۶۵۰ و ص ۶۵۱ و ص ۶۵۲ و ص ۶۵۳ و ص ۶۵۴ و ص ۶۵۵ و ص ۶۵۶ و ص ۶۵۷ و ص ۶۵۸ و ص ۶۵۹ و ص ۶۶۰ و ص ۶۶۱ و ص ۶۶۲ و ص ۶۶۳ و ص ۶۶۴ و ص ۶۶۵ و ص ۶۶۶ و ص ۶۶۷ و ص ۶۶۸ و ص ۶۶۹ و ص ۶۷۰ و ص ۶۷۱ و ص ۶۷۲ و ص ۶۷۳ و ص ۶۷۴ و ص ۶۷۵ و ص ۶۷۶ و ص ۶۷۷ و ص ۶۷۸ و ص ۶۷۹ و ص ۶۸۰ و ص ۶۸۱ و ص ۶۸۲ و ص ۶۸۳ و ص ۶۸۴ و ص ۶۸۵ و ص ۶۸۶ و ص ۶۸۷ و ص ۶۸۸ و ص ۶۸۹ و ص ۶۹۰ و ص ۶۹۱ و ص ۶۹۲ و ص ۶۹۳ و ص ۶۹۴ و ص ۶۹۵ و ص ۶۹۶ و ص ۶۹۷ و ص ۶۹۸ و ص ۶۹۹ و ص ۷۰۰ و ص ۷۰۱ و ص ۷۰۲ و ص ۷۰۳ و ص ۷۰۴ و ص ۷۰۵ و ص ۷۰۶ و ص ۷۰۷ و ص ۷۰۸ و ص ۷۰۹ و ص ۷۱۰ و ص ۷۱۱ و ص ۷۱۲ و ص ۷۱۳ و ص ۷۱۴ و ص ۷۱۵ و ص ۷۱۶ و ص ۷۱۷ و ص ۷۱۸ و ص ۷۱۹ و ص ۷۲۰ و ص ۷۲۱ و ص ۷۲۲ و ص ۷۲۳ و ص ۷۲۴ و ص ۷۲۵ و ص ۷۲۶ و ص ۷۲۷ و ص ۷۲۸ و ص ۷۲۹ و ص ۷۳۰ و ص ۷۳۱ و ص ۷۳۲ و ص ۷۳۳ و ص ۷۳۴ و ص ۷۳۵ و ص ۷۳۶ و ص ۷۳۷ و ص ۷۳۸ و ص ۷۳۹ و ص ۷۴۰ و ص ۷۴۱ و ص ۷۴۲ و ص ۷۴۳ و ص ۷۴۴ و ص ۷۴۵ و ص ۷۴۶ و ص ۷۴۷ و ص ۷۴۸ و ص ۷۴۹ و ص ۷۵۰ و ص ۷۵۱ و ص ۷۵۲ و ص ۷۵۳ و ص ۷۵۴ و ص ۷۵۵ و ص ۷۵۶ و ص ۷۵۷ و ص ۷۵۸ و ص ۷۵۹ و ص ۷۶۰ و ص ۷۶۱ و ص ۷۶۲ و ص ۷۶۳ و ص ۷۶۴ و ص ۷۶۵ و ص ۷۶۶ و ص ۷۶۷ و ص ۷۶۸ و ص ۷۶۹ و ص ۷۷۰ و ص ۷۷۱ و ص ۷۷۲ و ص ۷۷۳ و ص ۷۷۴ و ص ۷۷۵ و ص ۷۷۶ و ص ۷۷۷ و ص ۷۷۸ و ص ۷۷۹ و ص ۷۸۰ و ص ۷۸۱ و ص ۷۸۲ و ص ۷۸۳ و ص ۷۸۴ و ص ۷۸۵ و ص ۷۸۶ و ص ۷۸۷ و ص ۷۸۸ و ص ۷۸۹ و ص ۷۹۰ و ص ۷۹۱ و ص ۷۹۲ و ص ۷۹۳ و ص ۷۹۴ و ص ۷۹۵ و ص ۷۹۶ و ص ۷۹۷ و ص ۷۹۸ و ص ۷۹۹ و ص ۸۰۰ و ص ۸۰۱ و ص ۸۰۲ و ص ۸۰۳ و ص ۸۰۴ و ص ۸۰۵ و ص ۸۰۶ و ص ۸۰۷ و ص ۸۰۸ و ص ۸۰۹ و ص ۸۱۰ و ص ۸۱۱ و ص ۸۱۲ و ص ۸۱۳ و ص ۸۱۴ و ص ۸۱۵ و ص ۸۱۶ و ص ۸۱۷ و ص ۸۱۸ و ص ۸۱۹ و ص ۸۲۰ و ص ۸۲۱ و ص ۸۲۲ و ص ۸۲۳ و ص ۸۲۴ و ص ۸۲۵ و ص ۸۲۶ و ص ۸۲۷ و ص ۸۲۸ و ص ۸۲۹ و ص ۸۳۰ و ص ۸۳۱ و ص ۸۳۲ و ص ۸۳۳ و ص ۸۳۴ و ص ۸۳۵ و ص ۸۳۶ و ص ۸۳۷ و ص ۸۳۸ و ص ۸۳۹ و ص ۸۴۰ و ص ۸۴۱ و ص ۸۴۲ و ص ۸۴۳ و ص ۸۴۴ و ص ۸۴۵ و ص ۸۴۶ و ص ۸۴۷ و ص ۸۴۸ و ص ۸۴۹ و ص ۸۵۰ و ص ۸۵۱ و ص ۸۵۲ و ص ۸۵۳ و ص ۸۵۴ و ص ۸۵۵ و ص ۸۵۶ و ص ۸۵۷ و ص ۸۵۸ و ص ۸۵۹ و ص ۸۶۰ و ص ۸۶۱ و ص ۸۶۲ و ص ۸۶۳ و ص ۸۶۴ و ص ۸۶۵ و ص ۸۶۶ و ص ۸۶۷ و ص ۸۶۸ و ص ۸۶۹ و ص ۸۷۰ و ص ۸۷۱ و ص ۸۷۲ و ص ۸۷۳ و ص ۸۷۴ و ص ۸۷۵ و ص ۸۷۶ و ص ۸۷۷ و ص ۸۷۸ و ص ۸۷۹ و ص ۸۸۰ و ص ۸۸۱ و ص ۸۸۲ و ص ۸۸۳ و ص ۸۸۴ و ص ۸۸۵ و ص ۸۸۶ و ص ۸۸۷ و ص ۸۸۸ و ص ۸۸۹ و ص ۸۹۰ و ص ۸۹۱ و ص ۸۹۲ و ص ۸۹۳ و ص ۸۹۴ و ص ۸۹۵ و ص ۸۹۶ و ص ۸۹۷ و ص ۸۹۸ و ص ۸۹۹ و ص ۹۰۰ و ص ۹۰۱ و ص ۹۰۲ و ص ۹۰۳ و ص ۹۰۴ و ص ۹۰۵ و ص ۹۰۶ و ص ۹۰۷ و ص ۹۰۸ و ص ۹۰۹ و ص ۹۱۰ و ص ۹۱۱ و ص ۹۱۲ و ص ۹۱۳ و ص ۹۱۴ و ص ۹۱۵ و ص ۹۱۶ و ص ۹۱۷ و ص ۹۱۸ و ص ۹۱۹ و ص ۹۲۰ و ص ۹۲۱ و ص ۹۲۲ و ص ۹۲۳ و ص ۹۲۴ و ص ۹۲۵ و ص ۹۲۶ و ص ۹۲۷ و ص ۹۲۸ و ص ۹۲۹ و ص ۹۳۰ و ص ۹۳۱ و ص ۹۳۲ و ص ۹۳۳ و ص ۹۳۴ و ص ۹۳۵ و ص ۹۳۶ و ص ۹۳۷ و ص ۹۳۸ و ص ۹۳۹ و ص ۹۴۰ و ص ۹۴۱ و ص ۹۴۲ و ص ۹۴۳ و ص ۹۴۴ و ص ۹۴۵ و ص ۹۴۶ و ص ۹۴۷ و ص ۹۴۸ و ص ۹۴۹ و ص ۹۵۰ و ص ۹۵۱ و ص ۹۵۲ و ص ۹۵۳ و ص ۹۵۴ و ص ۹۵۵ و ص ۹۵۶ و ص ۹۵۷ و ص ۹۵۸ و ص ۹۵۹ و ص ۹۶۰ و ص ۹۶۱ و ص ۹۶۲ و ص ۹۶۳ و ص ۹۶۴ و ص ۹۶۵ و ص ۹۶۶ و ص ۹۶۷ و ص ۹۶۸ و ص ۹۶۹ و ص ۹۷۰ و ص ۹۷۱ و ص ۹۷۲ و ص ۹۷۳ و ص ۹۷۴ و ص ۹۷۵ و ص ۹۷۶ و ص ۹۷۷ و ص ۹۷۸ و ص ۹۷۹ و ص ۹۸۰ و ص ۹۸۱ و ص ۹۸۲ و ص ۹۸۳ و ص ۹۸۴ و ص ۹۸۵ و ص ۹۸۶ و ص ۹۸۷ و ص ۹۸۸ و ص ۹۸۹ و ص ۹۹۰ و ص ۹۹۱ و ص ۹۹۲ و ص ۹۹۳ و ص ۹۹۴ و ص ۹۹۵ و ص ۹۹۶ و ص ۹۹۷ و ص ۹۹۸ و ص ۹۹۹ و ص ۱۰۰۰



احتجاج کیا ہے کیا ان میں سے ہر ہر روایت کسی اور صحابی سے بھی امام مسلمؒ نے روایت کی ہے تاکہ ان کی معنعن روایات پر حرف نہ آئے ؟ اگر معترض صاحب صحیح مسلم میں سے انھیں مضامین کی روایت جو ابوالزہیر رحمہ عن جابر رضی کے طریق سے مروی ہیں دیگر حضرات صحابہ کرام رضی کی روایات سے باحوالہ بتادیں تو ہم علمی اور تحقیقی طور پر ان کے احسان مند ہوں گے۔ دو چار روایتوں میں ایسا کر دکھانا کوئی کمال نہ ہوگا۔ ہر ہر روایت اور مضمون میں یہ مطلوب ہے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے اور یقین جانے کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے تو اس سے لازماً یہی سمجھا جائے گا کہ مسلم شریف کی بے شمار حدیثیں ان کے اس غلط نظریہ سے غیر صحیح قرار پائیں گی اور صحیحین کی صحت کے بارے میں ان حضرات کا دعویٰ محض زبانی جمع خیر تصور ہو گا جیسا کہ مخفی نہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی سطحی قسم کے اعتراضات اور بزعم خود جوابات ترجمان الحدیث میں موجود اور مذکور ہیں لیکن ہمارا دین تائید یہ نظریہ ہے کہ ان سے کسی اہل علم اور صاحب بصیرت آدمی کو کوئی شبہ پیدا نہیں ہو سکتا لہذا ہم ان کو نقل کر کے قارئین کرام کے اذہان کو بلاوجہ اور بے ضرورت پریشان نہیں کرنا چاہتے۔ وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه واتباعه  
الى يوم الدين وبارك وسلم۔

احقر الناس

ابوالزاہد محمد سر فراز

۱۶ صفر ۱۴۰۰ھ

۵ جنوری ۱۹۸۰ء



## دیباچہ طبع دوم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَّمَ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی

(۱) بعض غیر مقلدین حضرات نے یہ بے جان دعویٰ کیا تھا کہ جس شخص نے ہر رکعت میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز بے کار، باطل اور کالعدم ہے اور اس پر تمام دنیا کے احناف کو کھلا چیلنج بھی کیا تھا۔ راقم اشیم نے ان کے اس غلو کے رد میں ٹھوس دلائل کے ساتھ دو جلدوں میں مبسوط کتاب احسن الکلام لکھی جس کو نہ صرف یہ کہ عام تعلیم یافتہ حضرات اچانے پسند کیا بلکہ ہندو پاک کے شجر اور نامور علماء کرام نے اس کی بجا تعریف کی اور اپنی زرین اور قیمتی آرا اور تصدیقات سے راقم کی عزت افزائی کی اور کتاب کی اغلاط کی طرف بھی توجہ دلائی جو بمقتضائے بشریت کچھ تو راقم سے اوکچھ کتابت کی وجہ سے اور بعض کاپیروں اور پروفوں کی کما حقہ تصحیح نہ ہو سکنے کی وجہ سے باقی رہ گئی تھیں جن حضرات نے نمایاں غلطیوں کی نشاندہی کی ان میں علی الخصوص سند العلماء رئیس المحققین حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا ابو عبد اللہ غلام سرور صاحب دام مجید (چمن ضلع گجرات) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور راقم تہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

(۲) جہاں ان حضرات نے اس کتاب کے مضبوط دلائل اور براہین اور حسن ترتیب کی شاندار تحسین کی وہاں غیر مقلدین حضرات نے اس پر ضرورت سے زیادہ غم و غصہ کا اظہار فرمایا چنانچہ



ان کی جماعت کے چوٹی کے مدرس عالم اور سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد نے ایک مستقل کتاب خیر الکلام تحریر فرمائی جس میں جوابات کا بیشتر حصہ محض سینہ زاد جوابات اور صدی نسخوں پر مشتمل ہے۔ اس کا یہ احتمال ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب یوں لینا چاہیے۔ اور اس کا مطلب یوں بھی لیا جاسکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر بات ہے کہ احسن الکلام کے ٹھوس اور معنی خیز حوالوں کا جواب محض احتمالات اور سینہ زاد باتوں سے نہیں ہو سکتا یہاں ٹھوس حوالہ جات درکار تھے اور یہی ان کے بس کا روگ نہ تھا اور روایات کے بارے میں وہ ساری کتاب میں ایک ہی ضابطہ سے کام لیتے رہے ہیں وہ یہ کہ جرح مفسر کو بھی جرح مبہم گردان کر اور ایک دو حوالے راوی کی توثیق کے نقل کر کے یہ فیصلہ صادر فرماتے سمجھتے ہیں کہ لہذا جو جرح مؤلف احسن الکلام نے کی ہے وہ مبہم ہے اور توثیق کے بعد اس کا کوئی اعتبار نہیں اور کہیں تعطیل کا سہارا لیکر حدیث کو حسن بنا ڈالا ہے۔ خیر ہم نے بقدر وسعت طبع ثانی میں اس کا خوب جائزہ لیا ہے۔ مؤلف خیر الکلام نے احسن الکلام کو لوگوں کی نظروں سے گرانے کیلئے اور اپنی جماعت کے جذباتی حضرات کے جذبات کو ابھانے کیلئے آخر میں سترہ عدد مناقشہ بھی درج فرمائے ہیں جن کا ذکر کتاب میں پہلے بھی ہوا ہے خیال میں مناسب مقامات پر کر چکے ہیں اور یہ حیران کے پیش نظر یہی ہے کہ احسن الکلام کی اغلاط ان کے حوالہ یوں کے ذہن میں نقش فی الحجر ہو جائیں اور اس کتاب سے اور اس کے مصنف سے بدظنی پیدا ہو جائے۔ مثلاً ایک جگہ یہ تھا کہ حضرت امام عبداللہ بن المبارکؒ حضرت امام بخاریؒ کے استاد استاد تھے۔ الاستاد کا لفظ کتابت سے چھوٹ گیا تو اس پر مناقشہ کھڑا کر لیا گیا کہ اس مؤلف کو یہ بھی معلوم نہیں کہ امام ابن مبارکؒ، امام بخاریؒ کے استاد نہیں ہیں۔ اور ایک مقام پر فقراً امامۃ کا جملہ غلطی سے رہ گیا تو اس پر بھی خوب مصالحہ لگا کر مناقشہ کی عبارت کھڑی کر دی گئی اور ایک جگہ قتادہ کا نام سند سے چھوٹ گیا تو اس کو کئی مقامات پر انھوں نے اُجاگر کیا اور یہ لکھا کہ چونکہ یہ تیسرے درجہ کے مدلس تھے۔ تب ان کو گرا دیا گیا ہے۔ حالانکہ راقم نے خود احسن الکلام میں باحوالہ یہ لکھا ہے کہ قتادہ کی تدلیس سرے سے مضری نہیں تو پھر اس کو حذف کرنے کا راقم کو کیا فائدہ تھا؟ و علیٰ ہذا القیاس۔ اکثر مناقشے اسی نہج کے ہیں اور جہاں بعض عبارتیں مجمل اور مختصر تھیں۔



اب ان کی تشریح کر دی گئی ہے اور جہاں اغلاط معقول نظر آئیں۔ ان کی اصلاح کر لی گئی ہے۔ ہم نے جب ان کی کتاب میں اسی نہج کے بلکہ ان سے سنگین تر مناقشات کا تتبع کیا تو تقریباً ساٹھ سے زیادہ نظر آئے۔ اگر ضرورت پڑی اور ہم مجبور کر دیے گئے تو الگ ان کو شائع کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ورنہ علمی اور تحقیقی میدان میں ہم اس طعنہ باری کو پسند نہیں کرتے اور نہ اس کا اثر اچھا رہتا ہے۔ ان مناقشات کو انھوں نے فہرست کتاب میں غلط بیانیوں، تحریفیات اور مغالطات وغیرہ سے تعبیر کر کے اپنے دل کی خوب بھڑاس نکالی ہے۔ سچ ہے کُلُّ اِنْدَاعٍ يَتَرَكُّ شَعْرًا بِمَا فِيهِ۔

(۳) غیر مقلدین حضرات جب بخوبی یہ محسوس کر لیا کہ خیر الکلام تو احسن الکلام کا معقول جواب نہیں اور علماء تو کیا جذباتی مزاج جماعتی کارکن بھی اس سے مطمئن نہیں ہو سکتے تو ایک صاحب نے الاعتصام میں قسط وار احسن الکلام کی تردید شروع کر دی جس میں انھوں نے علمی اور تحقیقی سطح سے بہت ہی نیچے اتر کر محض تعصب مذہبی کا مظاہرہ کیا ہے اور اس میں بیشتر وہی باتیں دہرائی ہیں جو پہلے حضرات مسئلہ خلف الامام کے سلسلہ میں لکھ اور کہ چکے ہیں۔ ہاں البتہ یہ سب کچھ انھوں نے صرف جذبات اور تعلق کی صورت میں ادا کیا ہے ان کی قابل جواب باتوں کا ذکر ہم نے کتاب میں کر دیا ہے۔ باقی لایعنی باتوں کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کی۔ البتہ انھوں نے الاعتصام اور مغالطات احسن الکلام میں جو باتیں خوب کھل کر چیلنج باری کی شکل میں کہی ہیں وہ اصولاً و اختصاراً یہ ہیں:

(۱) مؤلف احسن الکلام نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت سے دھوکا دیا ہے،

..... الخ

اس کا جواب اور حضرت شاہ صاحب کی پوری عبارت ہم نے طبع دوم میں ذکر کر دی ہے اور واضح کیا ہے کہ غلطی کس کی ہے؟

(۲) کہ مؤلف احسن الکلام نے محمد بن خازم کی امام ابن حبان سے یہ توثیق تو نقل کر دی ہے کہ وہ ثقہ اور متقن تھا مگر آخر کا یہ قول نقل نہیں کیا کہ وہ خبیث مرجئی تھا اور یہ بددیانتی ہے۔ (محصلہ)



مگر یہ بیچارے اصول حدیث سے بالکل کورے ہیں۔ محمد بن غازی بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں اور اصول حدیث کے رو سے ثقہ راوی کا خارجی یا بھی معتزلی یا مرجئی وغیرہ ہونا اس کی ثقاہت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا اور صحیحین میں ایسے راوی بکثرت موجود ہیں۔ تدریب الراوی اور ہدایت السائل میں ان کی کچھ نشاندہی کی گئی ہے اور خود مؤلف خیر الکلام ص ۲۹۰ میں لکھتے ہیں: کہ ارجار وغیرہ بدعات کے اعتراضات سے ثقہ ہونے میں خلل پیدا نہیں ہوتا.... الخ

یہ قاعدہ ہمارے پیش نظر تھا اور اس لیے ہم نے یہ جملہ نقل نہیں کیا اور خود جناب قاضی مقبول احمد صاحب کا یہ عالم ہے (اور حیرت ہے کہ الاعتصام کے ذمہ داروں نے بھی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کی) کہ عبدالرحمن بن محمد بن زیاد جو صحاح ستہ کے راوی ہیں ان سے متعلق لکھا ہے کہ انتہا درجہ کے ضعیف ہیں۔ (الاعتصام ۸ ستمبر ۱۹۶۲ء ص ۸ کالم ۳) (۳) کہ مؤلف احسن الکلام نے راویوں کے بارے میں توثیق و تضعیف نقل کرنے میں خیانت اور بددیانتی سے کام لیا ہے۔ مثلاً فلاں ضعیف راوی کے بارے میں فلاں امام نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے مگر اس قول کو وہ نقل نہیں کرتا اور فلاں ثقہ راوی کو فلاں امام نے ضعیف یا دہمی وغیرہ کہا ہے۔ اس کو بھی وہ پی گیا ہے۔ (محصلاً)

اور الاعتصام میں ان صاحب کا بیشتر مضمون اسی عمارت پر کھڑا ہے اور خوب جذباتی رنگ میں صفحہ صفحہ پر اس کو نمایاں کیا گیا ہے مگر صد افسوس ہے کہ احسن الکلام کی اس عبارت کا ذکر تک نہیں کیا۔ حالانکہ ان کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اس کا حوالہ دیتے۔ چنانچہ عبارت یوں ہے: ”ہم نے بعض مقامات پر ثقہ راویوں سے متعلق ثقاہت اور عدالت کے اقوال تو نقل کر دیے ہیں، لیکن اگر بعض ائمہ کا کوئی جرحی کلمہ ملا ہے تو وہ نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ضعیف اور کمزور راوی کے بارے میں کسی امام کا کوئی توثیق کا جملہ ملا ہے تو اس کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا کیونکہ فن رجال سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والے حضرات بھی بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ ایسا کوئی بھی ثقہ جس پر جرح کا کوئی کلمہ منقول نہ ہو یا ایسا ضعیف جس کو کسی ایک شخص نے بھی ثقہ نہ کہا ہو کبریت اجر کے مترادف ہے۔ حضرات



صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس سے مخفی ہے ؟ اور الصحابة کلہم عدول کے جملہ سے کون اہل علم و اوقاف ہے ؟ مگر خوارج و روافض کا نظریہ بھی ان کے بارے میں پوشیدہ نہیں ہے۔ بایں ہمہ ہم نے توثیق و تضعیف میں جمہور ائمہ جرح و تعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا مشہور ہے کہ : ع زبان خلق کو نفاق رہ خدا سمجھو انتہی بلفظہم

(احسن الکلام جلد اول، طبع اول ص)

یہ عبارت بار بار پڑھیے اور دیکھیے قاضی مقبول احمد صاحب کے وارید لکھی کہ مؤلف احسن الکلام نے روایت کے بارے میں بددیانتی کی ہے فلاں راوی کے بارے میں فلاں کا قول ترک کر دیا ہے اور فلاں راوی کے بارے میں فلاں امام کا حوالہ چھوڑ دیا ہے اور الاعتصام میں قاضی صاحب کا زیادہ زور اسی پر صرف ہوا ہے۔ ان کو یہ تو حق تھا کہ اس قاعدہ کو دلائل سے غلط ثابت کرتے۔ لیکن اس واضح عبارت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مؤلف احسن الکلام کو بددیانت ثابت کرنا خالص تعصب کا مظاہرہ یا اپنے ناخواندہ حواریوں کو خوش کرنے کا ایک مذموم ڈھنگ ہے۔ بھرا اللہ تعالیٰ مؤلف احسن الکلام کو کاملین سے خوشہ چینی کا موقع ملا ہے اور اصول و ضوابط کو سمجھنے کی اللہ تعالیٰ نے اس کو اہلیت مرحمت فرمائی ہے۔ (۴) عبد اللہ بن نافع بن عمار کے متعلق جو توثیق کے الفاظ مؤلف احسن الکلام نے نقل کیے ہیں اس میں دھوکہ اور بددیانتی سے کام لیا ہے۔ (محصلاً)

اجواب۔ اصل بات یہ ہے کہ تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۵۰ اور ۵ میں (نمبر ۹ اور ۹۸) دو راوی ہیں۔ ایک کا نام عبد اللہ بن نافع بن عمار ہے اور دوسرے کا نام عبد اللہ بن نافع بن ابی نافع الصائغ المخزومی ہے غلطی سے ثانی کا ترجمہ پہلے کے ترجمہ میں نقل ہو گیا ہے۔ اور اب طبع دوم میں اس کو بالکل کاٹ دیا گیا ہے۔ ایسے ہم نام راویوں کے بارے میں بڑے بڑے اکابر محدثین سے غلطیاں چلی آرہی ہیں۔ نہ تو ان کو کسی نے دعوت مبارزت دی اور نہ بددیانت کہا ہے اور ان کی بات ہی چھوڑیے خود مؤلف خیر الکلام بعض مقامات میں اس غلطی کا شکار ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ خیر الکلام ص ۲۲۴ میں لکھتے ہیں : کہ دو راوی اس میں علی بن احمد الحامی مقرر ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں ابن ابی الفوارس لکھتے



ہیں۔ ضعیف جدا سخت ضعیف ہے۔“

(میزان جلد ۲، ص ۲۱۷، لسان المیزان جلد ۲، ص ۱۹۲)

لیکن یہ مؤلف خیر الکلام کی غلطی اور نرا وہم ہے۔ کیونکہ ابن ابی الفوارس نے جس کی تضعیف کی ہے وہ علی بن احمد بن ابی القیس المقرئ الرفاعی ہے جس کی وفات ۳۵۲ھ میں ہوئی ہے۔ دیکھیے (لسان المیزان جلد ۲، ص ۱۹۲) اور ہماری پیش کردہ سند میں علی بن احمد بن عمر بن حفص ابوالحسن المقرئ المعروف بابن الحامی ہیں جن کی وفات ۴۱۷ھ میں ہوئی ہے۔

(ملاحظہ ہو۔ بغدادی جلد ۱۱، ص ۳۰۳۰)

الغرض ہم نام راویوں کے بارے میں ایسے اوہام کا پیش آجانا کوئی مستبعد بات نہیں ہے اور نہ کسی دیانت دار عالم نے آج تک ایسے امور میں کسی کو چیلنج کیا ہے۔

(۵) بایں ہمہ ہم نے الاعتصام میں پیش کیے گئے اعتراضات میں سے جو قابل جواب تھے ان کی قدرے وضاحت کر دی ہے اور ہم ان غیر مقلدین حضرات کے ممنون ہیں کہ انھوں نے احسن الکلام پر ناقدانہ نگاہ ڈالی گو ان کا نظریہ ان کا مذہبی تعصب ہے تاہم وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔

(۶) مؤلف خیر الکلام سے ہم بجا توقع رکھ سکتے تھے کہ وہ اپنی جماعت کے مدرس عالم اور شیخ الحدیث ہیں کہ وہ اپنی جماعت کے ان غالی لوگوں کو ناصحانہ طور پر ترک غلو کا کوئی مفید مشورہ دے دیتے اور چند سطریں اس پر بھی تحریر فرما دیتے کہ جو لوگ ترک قرآنہ خلف الامام کی صورت میں لوگوں کی نمازوں کو باطل، بے کلام اور کالعدم کہتے ہیں وہ اعتدال کی راہ اختیار کریں۔ اختلافی مسائل میں یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے لیکن یقین جانیے کہ انھوں نے صحیح طور پر آج کل کی عدالتی و کالت کا حق ادا کر دیا ہے کہ ہر طرح سے اپنے موکل کو خواہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو سچا ثابت کیا جائے یہ الگ بات ہے کہ عدالت اس کی رائے سے متفق نہ ہو اور اس کو مجرم گردان کر قرار واقعی سزا دے۔ اپنی جماعت کے تمام علیوں پر پردہ ڈال کر اس کو برحق قرار دینے پر بلاوجہ ایٹری چرٹی کا زور لگانا کوئی مستحسن امر نہیں ہے۔ ان سے تو خیر الکلام کے صاحب مقدم ہی قدرے اچھے رہے کہ انھوں نے ص ۷۷ میں کچھ اشارہ



کیا ہے اگرچہ اپنی جماعت کے چیلنج کو مدافعت کہ کر حق پوشی کی گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجھے اعتراف ہے کہ اس سلسلے میں ہمارے بھائیوں کے حملوں کی مدافعت میں رد کے طور پر جماعت اہل حدیث کے ایک قلیل طبقے کا ایسا رویہ ضرور رہا کیا جو غیر معتدل ہونے کے علاوہ مسک اہل حدیث کے شایان شان نہ تھا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ غلو کے مقابلہ میں غلو ایک نفسیاتی حقیقت ہے۔“ ۱۷

اگر تو کسی حنفی نے تمام روئے زمین کے غیر مقلدین حضرات کو ایسا کوئی چیلنج کیا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے۔ اس کی نماز باطل ہے، بیکار ہے، کالعدم ہے۔ تو وہ بلا شک اس کو مدافعت سے تعبیر کر سکتے ہیں اور اگر ایسا نہیں کیا تو یہ خالص جماعتی ملی بھگت ہی ہے کہ سیدھی سادھی بات میں تاویل کا پیوند لگا کر اس کو حق ثابت کیا جائے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا۔

(۷) اگرچہ اپنی دانست کے مطابق ہم نے اب کتاب کو اغلاط سے پاک کر دیا ہے۔ تاہم ان حضرات کا (خواہ ان کا نقطہ نظر کچھ ہی ہو) شکریہ ادا کریں گے جو ہمیں ہمارے ہی کوتاہیوں کا آگاہ کریں گے۔ اور ہمیں معقول اغلاط کی درستی میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ ط

ابوالنزاہد

۲۴ شوال ۱۳۸۲ھ

۲۸ فروری ۱۹۶۵ء



# دیباچہ طبع اول

کتاب احسن الکلام جلد اول و دوم کی تالیف و ترتیب میں گوڑی محنت اور کوشش سے کام لیا گیا تھا مگر اس کا وہ ہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس کو صفت اول کے محقق اور جید علماء کرام بھی بے حد پسند فرمائیں گے جیسا کہ تصدیقات اور تقاریط سے بھی ظاہر ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اُس نے اس حقیر سے یہ خدمت لی ہے۔ ورنہ من آنم کہ من داتم۔

میں اپنی اس کتاب کا حضرت الاستاذ المحقق، المدقق، الفقیہ، المحدث، شیخ المعقول، والمنقول مولانا عبد القدیر صاحب کیمبل پوری دامت برکاتہم (حال ادکارہ) کے نام گرامی سے انتساب کرتا ہوں کیونکہ اس حقیر کا دینی کتب کے ساتھ تھوڑا بہت تعلق حضرت موصوف کی خالص توجہ اور نوازش کار میں منت ہے اور اکثر بڑی اور دقیق کتابیں راقم نے حضرت سے ہی پڑھی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو تادیر سلامت رکھے اور دین کی خدمت کا مزید موقع دے۔ ع

”وَبِرَحْمَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ آمِينَ“

احقر

ابوالزاهد

۱۸ رذوالقعدہ ۱۳۷۲ھ

۹ جولائی ۱۹۵۵ء



# سخن ہائے گفتنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ - وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ  
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

عالم انسانی میں ہر چیز کا وجود اسباب و علل اور محرکات و دواعی کے وجود پر موقوف ہے۔ جب تک علت وجود اپنے تمام لوازم کے ساتھ معرض وجود میں نہ آجائے کسی چیز کا عالم وجود میں آنا ممکن نہیں یہ ایک عقلی اور فطری قاعدہ ہے۔ اور انسانی افعال و اغراض کا ناگزیر محور جس کے گرد انسان کے سب افعال چکر لگاتے اور گھومتے رہتے ہیں۔

## سبب تالیف

علی اور علیؑ، فتنی اور تحقیقی لحاظ سے قرآۃ الفاتحہ خلف الامام کا مسئلہ اپنے مثبت اور منفی پہلو کے اعتبار سے قرن اول سے تاہنوز بحث و تمحیص اور تطبیق و ترجیح کا محتاج رہا ہے۔ حضرات ائمہ میں محققین علماء نے مختلف زمانوں اور متعدد زبانوں میں اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ محرم اور مہینہ پہلو اور رائج و مرجوح گوشہ کی تلاش اور جستجو میں انھوں نے انتہائی کوشش اور کاوش کی ہے۔ اور سینکڑوں کتابیں اور رسالے اس پر لکھے گئے ہیں۔ مگر اس خاص شکل و صورت



اور ترتیب کے ساتھ نہایت سہل اور آسان طریقہ پر اس کتاب کو پیش کرنے کا بڑا سبب  
 فریق ثانی کی حد سے زیادہ تجاوز اور گرم گفتاری ہے۔ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ جو شخص  
 امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا۔ اس کی نماز بالکل نہیں ہوتی۔ اور بعض نے تو یہاں  
 تک غلو سے کام لیا کہ جملہ احناف کو بے نماز اور مفسدین صلوٰۃ کے خطاب سے نوازا ہے۔  
 اور بعض نے قسم اور حلف اٹھا کر کہا کہ حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی۔ اور ہم نے ان میں سے بعض کو  
 سلسلہ تقریر و درس حدیث اور بنی مجلسوں میں منطق یونان سے بھی استعانت کرتے دیکھا ہے  
 اور یوں صغریٰ و کبریٰ جوڑ کر نتیجہ نکالتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں  
 پڑھتا۔ قرأت سورۃ فاتحہ نہیں کرتا۔ اس کی نماز نہیں ہوتی اور من ترک الصلوٰۃ متعمداً  
 فقد کفر کہ جس شخص نے ویدہ و دانستہ نماز ترک کی وہ کافر ہو گیا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ امام کے  
 پیچھے سورۃ فاتحہ ترک کرنے والا کافر ہے۔ (گو بعض بڑے محتاط اور منصف مزاج حضرات کے نزدیک  
 عملی طور پر ہی وہ کافر ہو گیا۔ مگر یہ ضرور) اور ہمارے زمانے کے ایک صاحب نے جو اپنی جماعت

لے حضرت مولانا رشید احمد صاحب لکھنؤی (المتوفی ۱۳۲۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں بعض مدعیان عمل  
 بالحدیث نے یہ غوغا مچایا کہ حنفیہ مفسدین صلوٰۃ اور بے نماز ہیں؟ (ہدایت المہتدی ص ۲)

۱۱ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب (المتوفی ۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں: کہ بالخصوص قسم کھا کر کہہ کہ حنفیوں  
 کی نماز نہیں ہوتی۔ ان کی بیبیوں سے غیر مقلدین کو بلا طلاق نکاح جائز ہے۔۔۔ الخ (تنقیح التفسیر ص ۳۸)  
 ۱۲ ایک غیر مقلد مگر منصف مزاج عالم ایسے ہی ایک عالی اور بے باک مفتی کا حوالہ دیتے ہوئے یوں رقم طراز  
 ہیں: "اول تحریر ایک ہمارے ہی علماء اہل حدیث کی پرچہ تنظیم میں طبع ہوئی تھی جس میں مولانا موصوف نے مدرک  
 رکوع کے اعتقاد والوں کو فخلد فی النار تک کا حکم صادر فرمادیا تھا۔ نتیجہ اس طرح نکالا تھا کہ مدرک رکوع سے  
 فاتحہ مفقود ہوتی ہے۔ لہذا اس کی نماز نہیں۔ جس کی غائز نہیں وہ بے نماز ہے۔ بے نماز کافر ہے اور وہ فخلد فی  
 النار ہے۔" (بلفظہ) تمام رکوع فی ادراک رکوع ص ۱، طبع کردہ منہج رسالہ صحیفہ المدینہ (صدر مہلی) مؤلف  
 خیر الکلام نے بزعم خود چند دلائل پیش کیے ہیں پھر لکھتے ہیں: لہذا فاتحہ ہر نمازی پر خواہ امام ہو یا منفر دیا مقتدی  
 فرض ہوگی۔ (ص ۵۱۲)۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ اس فرض کے منکر اور تارک پر فتویٰ کیا صادر ہوگا؟ آیا وہ مسلم  
 رہے گا یا نا مسلم؟ (العیاذ باللہ) کیونکہ اصول کے لحاظ سے فرض کا منکر مسلمان نہیں بننا چاہیے۔ دیکھیے کیا فتویٰ صادر  
 ہوتا ہے؟



کے روح رواں اور چوٹی کے مناظر و مبلغ سمجھے جاتے ہیں۔ پنجاب کے ایک مشہور قصبہ میں دورانِ تقریر یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز ہرگز نہیں ہوتی۔ آؤ ہمارے ساتھ اس مسئلہ پر مباہلہ کر لو۔

آپ اس کتاب میں پوری تفصیل سے پڑھیں گے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ ترک کرنے کے قائل کون کون ہیں؟ نہ معلوم مباہلہ کس کس سے ہو گا؟ اور تاسف بالائے تاسف یہ کہ مباہلہ بھی فَجَعَلَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ط کے الفاظ کے ساتھ اور لطف یہ ہے کہ وہ صاحب نہ بیوی رکھتے ہیں اور نہ بیٹے۔ گویا آیت مباہلہ میں نَذَّ عُوا أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَ كَهْرُ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَ كَمْ کا ان کے نزدیک کوئی مفہوم ہی نہیں۔ اور اب کراچی سے ایک کتابچہ کو شائع ہوا جس کا نام ہے ”فصل الخطاب فی قرآۃ فاتحۃ الكتاب“ جو کتب خانہ اہلحدیث، ۱۱۹- نیو کلا تھ مارکیٹ، کراچی (پاکستان) کی طرف سے شائع ہوا ہے، جس میں انھوں نے انتہائی فراخ دلی کے ساتھ تمام روئے زمین کے احناف کو انعامی چیلنج کیا ہے۔ اور روئے زمین کی چیدہ چیدہ ہستیوں کو نام بہ نام لکھا ہے۔ اصل الفاظ میں ان کا اعلان یہ ہے :

**انعامی چیلنج :** تمام دنیا کے حنفی حضرات کو کھلا اور انعامی چیلنج دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم اہل حدیث امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا خاص لفظ حدیث مرفوع صریح صحیح حسن سے (بحوالہ کتب صحاح ستہ وما وافق بہا) دکھاتے ہیں۔ ایسا ہی وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے نہ پڑھنے کا خاص لفظ حدیث مرفوع صریح صحیح حسن سے (بحوالہ کتب صحاح ستہ وما وافق بہا) میلان مناظرہ میں دکھا دیں تو ہم ان کو اس حق عنیت، داد ہمت، تمغہ صداقت کے صلہ میں فاتحہ کے ہر حرف کے بدلے میں مبلغ ایک سو روپے دینے کو تیار ہیں۔ (الشام اللہ تعالیٰ)

کیا ہے روئے زمین پر کوئی زندہ دل حنفی جو میدانِ مناظرہ میں اور امام کے پیچھے خاص لفظ فاتحہ کے نہ پڑھنے کا دکھا کر مبلغ پانچ سو روپیہ انعام حاصل کرے (دیدہ یابد) اس انعامی چیلنج کو شائع کیے ہوئے آج تیرہ سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے اور تقریباً یہ چیلنج بارہ ہزار کی تعداد میں طبع کر کے علماء اور جہلاء کے ہاتھوں میں پہنچا چکے ہیں۔ دیوبند، ڈابھیل، ہندوستان پاکستان کے احناف کے بڑے بڑے مدارس میں بھی پہنچ چکا ہے۔ احناف کے مقتدر علماء



مفتی کفایت اللہ صاحب (المتوفی ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۵۳ء) مولانا حسین احمد صاحب  
ملکی (المتوفی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ) اور مولانا شبیر احمد عثمانی رح (المتوفی ۱۲ صفر ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۳ اکتوبر  
۱۹۴۹ء) کی خدمت میں پیش ہو چکا ہے۔ لیکن اس وقت تک کسی حنفی کو یہ جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی  
آئندہ ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ کہ وہ دنیا کی کسی کتاب سے ایک حدیث ہی بموجب شرائط مندرجہ در  
چیلنج پیش کر کے انعام حاصل کرنے کے علاوہ مذہب حنفی پر احسان کرتا۔ لیکن کرتا کہاں سے۔ جب کہ اس  
طرح کی ایک حدیث کسی دنیا کی اسلامی کتب میں موجود نہ ہو اور یقیناً نہ ہو۔ (انتہی بلفظہ فصل الخطاب ص ۱۲)  
اس شاہی اور فراخ دلانہ انعامی چیلنج کے بعد اسی کتابچے کے آخری صفحہ پر یہ اعلان ان الفاظ سے  
دیہرایا گیا ہے۔

تمام دنیا کے علماء و احناف کو کھلا چیلنج ہم تمام علماء احناف ہند، سندھ، پنجاب،  
بنگال، خراسان، عربستان، چین، جاپان، افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا، یورپ، مصر، عراق وغیرہ کو بذریعہ  
چیلنج و اشتہار ہذا کے دعوت دیتے ہیں کہ ان مسائل مندرجہ ذیل کو کسی آیت یا حدیث صحیح مرفوع متصل  
سے اور وہ حدیث جس مسئلہ کے ثبوت میں پیش کریں۔ نص صریح ہو صحاح و ماوافی بہا سے ثابت فرمادیں  
تو ہم ان کو اس حق محنت، داد و ہمت، تمغہ صداقت کے صلہ میں ہر آیت اور حدیث کے بدلہ میں پچیس  
روپے انعام دیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

(۱) آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقتدیوں کو سورۃ فاتحہ کے پڑھنے سے منع کرنا۔  
(پھر نو عدد مسائل اور کچھ کرا اور تلك عشرة کاملۃ تحریر فرما کر بحث کو اس اعلان پر ختم کیا ہے)  
هَلْ مِنْ شُبَّانٍ زُنِّيَ بِهِمْ كَيْسَ رَوَّعَ زَمِينٍ بِرُكُوفِي زَنْدَه دِل اور خوش نصیب حنفی بھائی  
جو میدان میں کودے اور ہم سے سینکڑوں روپے کا انعام حاصل کرے۔ (ویدہ باید)  
(انتہی بلفظہ فصل الخطاب ص ۱۲)

اور اب فصل الخطاب ص ۱۲ کے جدید ایڈیشن میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ جو شخص امام کے  
پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل  
ہے۔ (بلفظہ)



ان تمام اقتباسات کو پیش نظر رکھ کر پڑھے لکھے آدمی کو ضرور یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے کافر اور گمراہ ہیں اور نماز پڑھتے ہوئے بھی وہ بے نماز اور اقل درجہ یہ ہے کہ وہ بلا دلیل ہیں حتیٰ کہ ان کے ساتھ لعنة الله على الكاذبین کے الفاظ سے مباہلہ کرنا بھی کارِ ثواب اور جائز ہے اور عوام پر اشتہار ہی عصب ڈالنے کے لیے انعام چیلنج بھی دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ راقم الحروف کو بھی خالی الذہن ہو کر محض اپنی قلبی تسکین اور سفتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کی خاطر سینکڑوں کتابوں کے ہزاروں اوراق اٹھنے پڑے ہیں اور صد ہا رسائل اور کتابچوں کی ورق گردانی کرنا پڑی ہے تاکہ دلائل کی صحت اور سقم کا موازنہ کر کے نجاتِ اخروی کی فکر کی جائے۔ لیکن میں نے فریقِ ثانی کے جملہ دعویوں کو بالکل بے حقیقت، مبالغہ آمیز اور انتہائی غلو پر مبنی پایا ہے۔ گو مسئلہ زیر بحث میں ائمہ دین کا اختلاف رہا ہے مگر جو بے اصل دعاوی فریقِ ثانی کے اہل علم حضرات نے کیے ہیں وہ بالکل بے اصل ہیں اور ان حضرات کی ان کارستانیوں پر مطلع ہونے کے بعد قرین انصاف تو یہ تھا کہ ہم بھی اپنی لمن ترانیوں کو آجاتے اور ان کی سراسر حقیقت کو اہل علم شرح کرتے ہوئے کہہ دیتے۔

محتسب خم شکست من مراد

السن بالسن والجرع قصاص

لیکن قرآن کریم کی تعلیم اور حدیث نبوی کے صریح ارشادات اور جن اکابر سے ہمیں لگاؤ اور تعلق ہے ان سے ربط و نسبت ہمیں ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس قسم کی لچر پوچ اور فتنہ انگیز باتیں کہتے پھریں۔ ہمیں تو اصلیت اور حقیقت کو بے نقاب اور آشکارا کرنا ہے اور بس۔ اور اس کتاب کی تالیف و ترتیب سے جو ناراضگی فریقِ ثانی کو پیدا ہوگی اس کے متعلق صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ ع :

”اے بادِ صبا! میں ہمہ آوردہ ٹسٹ“

یہ بات تو پوری تفصیل کے ساتھ اپنے موقع پر بیان ہوگی کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ ترک کرنے والے صرف ہم احناف ہی نہیں، بلکہ جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رحہمہم اجمعین اور اکثر سلف و خلف کی مصیبت سے ہمارا دامن تحقیق وابستہ ہے۔ اور جمہور اپنے اس محقق نظریہ پر نص



قرآنی اور بے شمار حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ اور ایسے اختلافی مسائل میں (خصوصاً جن میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ورنہ دین کا اختلاف ہو) ہمارا یہ منصفانہ عندیہ ہے کہ جو بات ظاہر قرآن کریم و حدیث اور جمہور کے عمل کے مطابق ہوتی ہے۔ ہم نہ صرف یہ کہ اس کے سامنے تسلیم خم کر دیتے ہیں بلکہ اس کو اپنا دینی سرمایہ اور باعث صداقت قرار سمجھتے ہیں اور جن مسائل میں طرفین کے پاس قرآن و حدیث کے دلائل ہوں۔ ہم اس پہلو کو جو قرآن و سنت کے قریب تر ہوتا ہے۔ اختیار کرتے ہیں۔ اور اپنے مسک کی تائید میں تطبیق اور ترجیح کے ٹھوس دلائل پیش کرتے ہیں اور فریق ثانی کے حق میں غلط موشگافی اور غیر محتاط لفظ زبان سے نکالنا ہرگز جائز نہیں سمجھتے اور تمام مسائل اختلافیہ اور اجتہادیہ میں ہمارا یہی نظریہ ہے جس کی مزید تحقیق آپ کو راقم الحروف کی کتاب الکلام المفید فی اثبات النقلہ میں ملے گی۔ مع نذر معصوم ہونے کا دعویٰ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ والعصۃ بید اللہ تعالیٰ وحدہ۔

ہم حیران ہیں کہ مسئلہ زیر بحث میں تکفیر اور تفصیل کس کی ہوگی؟ اور تحقیق و تمحیل کس کی؟ بے سند اور بے دلیل ہونے کا الزام کس پر عائد ہوگا؟ اور لعنتہ اللہ علی الکاذبین کے الفاظ سے مباہلہ کس سے ہوگا؟ کیونکہ مسئلہ کے اختلافی ہونے میں فریق ثانی کا بھی اتفاق ہے۔ چنانچہ حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ المتوفی ۴۵۶ھ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب (کتاب القراءة) لکھی ہے۔ اس میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس وقت تک باقاعدہ اس مسئلہ میں اختلاف چلا آتا ہے۔

(کتاب القراءة ص ۱۲۶)

اور مولانا مبارک پوری صاحب المتوفی ۱۳۵۳ھ جن کی کتاب تحقیق الکلام پر فریق ثانی کے مسئلہ زیر بحث پر مناظرہ کا دار و مدار ہے امام خطابی رحمہ اللہ المتوفی ۳۸۸ھ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

سألفظہ: فی مسئلۃ معروفۃ مشہورۃ بما فیہا من الاختلاف منذ عصر الصحابۃ رضی اللہ عنہم اذ اسے یعنی یہ مسئلہ معروف و مشہور ہے۔ اس میں اختلاف حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے تا ہنوز چلا آتا ہے۔ (کتاب القراءة ص ۱۲۶)

یہ بحث امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ میں کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ علمائے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے امام کے پیچھے قراۃ کرنے کو واجب کہا ہے اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ امام کے قراۃ نہیں کیا کرتے تھے اور فقہائے تین قول ہیں:

(باقی ص پر)



”کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف تھا۔ ایک گروہ وجوب قرآنہ خلف الامام کا قائل تھا تو دوسرا منکر۔ اس لیے فقہاء اور ائمہ کا بھی اس میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ مطلقاً وجوب کا قائل ہے اور دوسرا مطلقاً مناعت کا۔ تیسرا گروہ ستری نمازوں میں قائل ہے اور چہری نمازوں میں قائل نہیں ہے۔“

(تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۷)

اندریں حالات انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ فریق ثانی جس پہلو کو حق اور صحیح سمجھتا۔ شدت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوتا۔ لیکن تکفیر اور تفسیق وغیرہ اور تعدی و تجاوز کے الفاظ سے گریز کرتا نہ تو مباہلہ کا چیلنج دیتا اور نہ حلفیہ طور پر دوسرے فریق کو بے نماز اور مفسدین صلوٰۃ کا خطاب دیتا اور ایسے اختلافی مسئلہ میں سنجیدگی اور متانت سے کام لیتے ہوئے تعصب، عناد غلو اور زبان درازی سے اجتناب کرتا، مگر کاش کہ اس نے ایسا نہ کیا۔

ہمارا ہر چاہتا ہے کہ عامۃ المسلمین کو مسئلہ زیر بحث سے شناسا کرنا ہے۔ اس لیے ہم نے عوام کی رعایت کرتے ہوئے نہایت سہل اور حتی الوسع سلیس زبان استعمال کی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر عربی عبارات پیش نہیں کی گئیں بلکہ ان کے حوالہ درج کر دینے پر اکتفا کی گئی ہے۔ ہاں البتہ جہاں کسی خاص مصلحت سے اصل عربی عبارت پیش کرنا ضروری معلوم ہو اسے تو وہاں اصل عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی ساتھ ہی لکھ دیا ہے تاکہ خواص اور عوام دونوں برابر استفادہ کر سکیں۔

ہم نے بعض مقامات پر حتی الوسع متانت اور سنجیدگی کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض علمی چوٹیں بھی کی ہیں جن سے ان اکابر کے طرز استدلال کی خامی اور اس کا نقص واضح کرنا مقصود ہے اور جن سے بڑے بڑے اکابر کے خیالات اور نفسی میلانات کی پردہ در پی ضروری ہوگی لیکن پردہ در پی کے بغیر درون پردہ کا نظارہ کس نے کیا ہے؟ ورنہ عا شاؤ کلا ہمارے اس علمی اور تحقیقی طرز سے نہ سلف صالحین سے بدظنی ہے اور نہ تسخر اور نہ زمانہ حال کے حضرات کی دل آزاری۔ واللہ علیٰ ما نقول شہید۔

(بقیہ صفحہ ۱) امام مכול، اوزاعی، شافعی اور ابو ثور فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے چہری اور ستری سب نمازوں میں قراۃ کرنا ضروری ہے اور امام نہ چہری، مالک، عبد اللہ بن المبارک، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ مقتدی ستری نمازوں میں امام کے پیچھے قراۃ کرے لیکن چہری نمازوں میں قراۃ نہ کرے۔ اور امام سفیان ثوری اور اصحاب الزہری یہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے کوئی شخص قراۃ نہ کرے۔ امام چہرے سے قراۃ کر رہا ہو یا آہستہ۔ ۱ھ

(معالم السنن جلد ۲ ص ۱۳۹ طبع مصر)



ہم نے اپنے استدلال میں جملہ پیش کردہ احادیث اور آثار کی اسانید نقل کر کے ہر روایت اور اثر کے جملہ راویوں کی کتب اسماء الرجال سے توثیق نقل کر دی ہے تاکہ پڑھنے والوں کو ہر قسم کی گمراہی نہ رہے اور دشواری پیش نہ آئے۔ البتہ متابعات اور شواہد میں نیز ضمنی اور استطراد میں اباحت میں روایت کی توثیق کا التزام نہیں کیا گیا اور فریق ثانی کی طرف سے جملہ نقل کردہ روایات و آثار میں جو ضعف و کمزور اور مجروح و متکلم فیہ راوی ہیں۔ ان پر کتب رجال سے جرحی کلام نقل کر دیا ہے تاکہ بلند و بالا دعاوی کرنے والوں کو اپنے دلائل کا معیار بھی معلوم ہو جائے اور جن حضرات صحابہ کرام رض و تابعین اور ائمہ دین کی مسئلہ زیر بحث میں معیت جمہور کو حاصل ہے۔ ان کی ثقاہت اور بعض صفات عالیہ کا تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے تاکہ عوام کو بھی یہ بات بخوبی معلوم ہو جائے کہ ان اکابر کا اسلام اور مسلمانوں میں کیا رتبہ ہے؟

ہم نے بعض مقامات پر ائمہ جرح و تعدیل اور جمہور محدثین کرام کے مسئلہ اور طے شدہ اصول و ضوابط کے عین مطابق تقریر راویوں سے متعلق ثقاہت اور عدالت کے اقوال تو نقل کر دیے ہیں لیکن اگر بعض ائمہ کا کوئی جرحی کلمہ ملا ہے تو وہ نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ضعیف اور کمزور راوی کے بارے میں کسی امام کا کوئی توثیق کا جملہ ملا ہے تو اس کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ کیونکہ فن رجال سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والے حضرات بھی بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ کوئی بھی ایسا تقریر جس پر جرح کا کوئی کلمہ منقول نہ ہو یا ایسا ضعیف جس کو کسی ایک نے بھی ثقبہ نہ کہا ہو کبریت ائمہ کے مترادف ہے۔ حضرات صحابہ کرام کا رتبہ کس سے مخفی ہے؟ اور الصحابة کلہم عدول کے جملہ سے کون اہل علم ناواقف ہے؟ مگر خوارج اور روافض کا نظریہ بھی ان کے بارے میں پوشیدہ نہیں ہے۔ بایں ہمہ ہم نے توثیق و تضعیف میں جمہور ائمہ جرح و تعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ ابد و امن نہیں چھوڑا۔

زبان خلق کو نقارۃ خدا سمجھو

تاحہ ممکن اسانید کو پورا پورا نقل کیا گیا ہے اور ترجمہ میں خبرنا، خبرنی، حدشنا، حدثنی، قال فلاں عن فلاں، روى فلاں اور روى عن فلاں وغیرہ اصطلاحات کی پوری رعایت رکھی گئی ہے تاکہ ایک طرف نقل سند کے سلسلہ میں کسی قسم کی غیانت واقع نہ ہو۔ اور دوسری طرف سندات کو دیکھ کر صحیح و ضعیف، متصل اور منقطع وغیرہ کا فرق سمجھنے کی اہلیت رکھنے



دانوں کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر حقیقی کتابیں دستیاب ہو سکی ہیں۔ ان کے حوالے درج کر دیے گئے ہیں۔ بعض متن میں اور بعض حاشیہ میں (تاکہ اصل عبارت کی ترتیب اور تسلسل میں گنجلک اور اضطراب پیدا نہ ہو) اور یہ حوالے اس لیے درج کیے گئے ہیں تاکہ جو کتاب بھی آسانی کے ساتھ کسی صاحب کو میسر اور دستیاب ہو سکے۔ اس کی طرف مراجعت کر کے اصل عبارت یا اس کا ترجمہ بنظر انصاف دیکھ لیا جائے اور اکثر تاریخی واقعات اور ضمنی ابجاث کو حاشیہ پر درج کر دیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والے حضرات اصل مضمون کو مرتب اور مربوط طور پر یکساں رکھ سکیں۔ اور مزید تفصیل اور تشریح کے لیے حاشیہ دیکھ لیں۔ بہت ساری توضیح بیان، دفعہ شبہ، رفع ابہام، توشیح رجال، جرح روایات اور دیگر نہایت ضروری امور کے لیے بہت سے تشریحی حواشی بڑھادیے گئے ہیں تاکہ خواص کے علاوہ عوام کے لیے بھی یہ کتاب چراغِ راہ کا کام دے۔

حضرات سلف صالحین کی عبارات کے پہلو بہ پہلو ہم نے فریق ثانی کی عبارات اور تحریرات سے بھی استفادہ کیا ہے اور ان کی عبارتیں اپنی تائید میں نقل کی ہیں۔ مگر ان کی عبارات سے احتجاج کرنے میں سبب ضروری سے کام نہیں لیا گیا بلکہ ان سے جو منطوق اور مفہوم کے لحاظ سے ہمارا سمجھ میں آیا ہے وہ لکھ دیا ہے۔ ہاں اگر کسی موقع پر مناظرانہ رنگ میں ان کی عبارت کی تشریح میں طنز اور ظرافت کے طور پر کچھ لکھا گیا ہے تو اس کا انکار نہیں، لیکن بھلا اللہ تعالیٰ انصاف کا دامن حتی الوسع ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ والعصمۃ بید اللہ تعالیٰ وحدہ۔

ع: یہ اپنی حد نظر ہے کسی کی مید کہاں

جہاں تک انسانی اور امکانی کوشش کا تعلق ہے۔ حوالہ جات کی تصحیح کا پورا التزام کیا گیا ہے۔ معہذا اگر جلد اور صفحہ کا نمبر اور ہندسہ کسی وجہ سے بدل جائے تو غوغا آرائی کے بجائے اس کی تصحیح کر لی جائے۔ دل میں پورا احترام موجود ہے اور ارادہ بھی تھا کہ محدثین کرام، فقہائے عظام اور باب جرح و تعدیل کے ناموں کے پہلے امام علامہ حافظ اور شیخ و حضرت وغیرہ کے توصیفی الفاظ لکھے جائیں، مگر ان کے ناموں کے بار بار آنے سے ہر جگہ ایسا لکھنا ایک دشوار امر ہے۔ لہذا اس فعل کو گستاخی پر حمل نہ کیا جائے، بلکہ ایک مجبوری امر سمجھا جائے اور جہاں ہم نے راویوں



کے ناموں میں تصحیف اور غلطی کو درست کیا ہے اور اس پر تاریخی اور ٹھوس واقعات اور شہادتیں نقل کی ہیں۔ ان کو بنظر انصاف دیکھا جائے اور جلد بازی سے ہرگز کام نہ لیا جائے۔ اور اگر کسی مقام پر طرز استدلال میں کوئی خامی یا کمزوری نظر آئے تو قصور اور لغزش کو نجد سے منسوب کیے نہ کہ جہور سلف و خلف سے۔ کیونکہ یہ

میرے ساتی نے عطا کی ہے مئے بے درد و وفا  
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیانے کا ہے

اس کے علاوہ کہیں کہیں میرے اپنے استنباطات اور اجتہادات بھی ہوں گے۔ ان میں غلطی کا واقع ہونا بہت اعلیٰ ہے۔ اور ان کو یوں سمجھنا چاہیے کہ ع :  
”چراغِ راہ ہیں مستدل نہیں ہیں“

مسئلہ زیر بحث کی اہمیت کے پیش نظر اس کے کسی گوشہ کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا میرے لیے اپنی تہی مائیگی اور بے بضاعتی کے باعث چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس مسئلہ پر ایسے حضرات خامہ فرسائی کرتے جو خود بھی کچھ ہوتے۔ یہاں اپنا حال یہ ہے کہ اس پر کچھ لکھنا ہی اس بڑے اہم اور مبارک کام کی توہین ہے لیکن جب میں نے اس مسئلہ کے جمع و ترتیب اور تحقیق و تمحیص کے لیے قدم اٹھایا تو صورت حال کا یہ نقشہ دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ کوئی اور طاقت ہے جو بے اختیار یہ کام لے رہی ہے۔

مری طلب بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے  
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھانے جاتے ہیں

ضروری التماس : حتیٰ الوسع میں نے اس مسئلہ کے ہر پہلو کو مکمل اور واضح کرنے میں انتہائی کوشش کی ہے لیکن باوجود اس کے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتاب اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے آخری کتاب ہے۔ یا باوجود اتنی محنت اور کاوش اٹھانے کے یہ کتاب غلطیوں سے بالکل میسر ہے کیونکہ اقل تو انسان کا کوئی کام لغزش اور خطا سے یوں بھی خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ خطا اور نسیان انسان کا خیر ہے۔ اور پھر کام بھی اس بندۂ عاجز کا جو سراپا تقصیر و خطا ہو۔ اس کی نسبت بالکل صحت کا دعویٰ کس طرح ہو سکتا ہے ؟ لہذا التماس ہے کہ



مجھ کو ہدفِ ملامت بنانے کے بجائے منصفانہ تنقید کے اصول پر میری راہنمائی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو غلط بات کی تلافی کرنے اور حق کے تسلیم کرنے میں مجھے کوئی تامل نہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔  
افرض کتاب کی معنوی صورت ہو یا صوری، بہر حال نگاہ مقصود پر دیکھیے اور میری کوتاہیوں پر مجھے مطلع کیجیے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست

سوئے قطاری کشم ناقتہ بے زمام را

دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ قلب میں اپنی محبت، ارادہ میں قوت، جسم میں صحت اور عمر میں درازی عطا فرمائے اور کتاب و سنت کی پیروی اور حضرات سلف صالحین کی اتباع اور اطاعت کا صحیح جذبہ مرحمت فرمائے اور ہر نیک عمل میں اخلاص و احسان کی توفیق دے۔ اگر یہ مقصد حاصل ہو جائے تو کتاب کا ہر عیب حسن ہے اور اگر یہ نہ ہو تو تمام خوریایں بے معنی ہیں اور اس فقیر بے زاد اور ماہی بے آب اور تہی دست علم و عمل کی خدا سے برتر و بزرگ سے نہایت اخلاص سے یہ دعا ہے کہ جب تک دنیا میں زندہ رکھنا ہے تو اپنی رضا اور خوشنودی کی توفیق دے۔ اور جب دنیا سے اٹھانا منظور ہو تو خاتمہ بالخیر ہو۔

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اسے اکبر

یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ط

ابوالزاہد محمد سر فراز خاں صفدر

خطیب جامع گکھر، ضلع گوجرانوالہ

۲۰ رجب ۱۴۳۷ھ

۱۵ مارچ ۱۹۵۵ء



## مقدمہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمُهَلِّينَ وَعَلَى جَمِيعِ أُمَّتِهِ  
وَالْوَثَمَةِ الْمُقَرَّبِينَ الَّذِينَ بَلَّغُوا كَلَامَ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَأَحَادِيثَ  
رَحْمَةِ الْعَالَمِينَ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِيَدْخُلُوا بِهَا جَنَّاتِ الْخُلْدِ وَالْإِسْطَاتِ

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصول موضوعہ کے طور پر محل نزاع کو اور اس کے اہم اجزائے بحث کو متعین کر لیا جائے۔ تاکہ مسئلہ زیر بحث کی تہ تک پہنچنے میں وقت پیش نہ آئے۔ سو ہماری تحقیق یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش ہے۔ اور نہ ستر نمازوں میں۔ مقتدی کا وظیفہ تمام نمازوں میں یہ ہے کہ پوری و جمعی اور نہایت خاموشی کے ساتھ امام کی قرآۃ کی طرف توجہ کرے، سنے یا نہ سنے، ہمارے اس دعویٰ پر نص قرآنی موجود ہے جس کا معنی اجماع اور اتفاق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرآۃ سے منع کیا گیا ہے۔ اور صحیح و صریح اور مرفوع قولی اور فعلی حدیثیں بھی اس پر موجود ہیں اور حضرات خلفائے راشدینؓ اور ان کے علاوہ جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رحمہم و اتباع تابعین رحمہم اور محدثین رحمہم و فقہاء رحمہم کی اکثریت بھی ہمارے ساتھ ہے۔ خصوصاً جہری نمازوں میں۔ ان میں ہر ایک امر کی پوری تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔



## حضرات صحابہ کرام رض

وہ حضرات صحابہ کرام رض جو امام کے پیچھے تمام نمازوں میں قرآن کے قائل نہ تھے،  
حضرات خلفائے راشدین رض، حضرت عبداللہ بن عمر رض، حضرت جابر بن عبداللہ رض، حضرت  
زید بن ثابت رض، حضرت عبداللہ بن مسعود رض، حضرت ابوالدرداء رض اور حضرت عبداللہ بن  
عباس رض وغیرہ۔

اور وہ حضرات جو بھری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کے قائل نہ تھے۔ ان میں  
حضرت عائشہ رض اور حضرت ابوہریرہ رض وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غرض کہ امام  
کے ساتھ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا حضرات صحابہ کرام رض میں شایع نہ تھا۔  
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ لکھتے ہیں کہ

زیر کہ خواندن فاتحہ یا امام در صحابہ رض چنانچہ امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا  
شایع نبود۔ (مصطفیٰ جلد ۱ ص ۱۳۱ طبع جمعیۃ ملی) حضرات صحابہ کرام رض میں شایع نہ تھا۔

## حضرات تابعین رحم

جو تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کے قائل نہ تھے۔ ان میں سے حضرت سید رحم بن غفلہ رض،  
سعید بن جبیر رحم، سعید بن المسیب رحم، محمد بن سیرین رحم، اسود بن یزید رحم، علقمہ بن قیس رحم اور حضرت  
ابراہیم نخعی رحم وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

اور جو اکابر بھری نمازوں میں قائل نہ تھے۔ ان میں حضرت عروہ بن زبیر رض، قاسم بن محمد رض،  
امام زہری رحم، نافع بن جبیر رض، حسن بھری رحم، مجاہد بن جبیر رحم، محمد بن کعب القرظی رحم، ابوہالیہ  
ریاحی رحم اور امام شعبی رحم وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

## حضرات اتباع تابعین رحم

جو حضرات مطلقاً امام کے پیچھے قرآن کے قائل نہ تھے۔ ان میں حضرت سفیان بن عیینہ رحم،  
سفیان ثوری رحم اور امام اوزاعی رحم وغیرہ مشہور و معروف ہیں۔ و علیٰ ہذا القیاس۔ امام  
لیث بن سعد رحم اور حمید اللہ بن وہب رحم مشہور ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور قرأت  
خلف الامام کے قائل نہیں ہیں۔ اور امام بخاری رحم کے استاد و استاد حضرت عبداللہ بن مبارک رحم



جہری ٹائزوں میں قرآنہ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار تابعین ہیں جن کا احصار اور احاطہ اگر محال نہیں تو آسانی کے ساتھ ممکن بھی نہیں ہے۔ ان تمام اکابر کے اقوال و مسالک پورے حوالہ جات کے ساتھ اور ایک ایک سند مع توثیق و است اور دفع شبہات و تصحیح کے ساتھ اپنے موقع پر پوری بسط کے ساتھ بیان ہوں گے۔  
انشاء اللہ العزیز۔

### حضرات ائمہ اربعہ رحمہ

چونکہ ائمہ اربعہ کے پیروکار ہر دور میں اکثریت کے ساتھ رہے ہیں اور آج بھی اکثریت مقلدین حضرات ائمہ اربعہ رحمہ کی ہے۔ اس لیے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم ان حضرات کا مسلک بھی عرض کر دیں۔ اور ان کے بعد ان جلیل القدر ہستیوں کا نظریہ بھی تحریر کر دیں جن کے بارے میں فریق ثانی کو خاص طور پر غلط فہمی ہوئی ہے اور ان ائمہ کرام رحمہ میں سے علی الخصوص حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کا ذکر پہلے مناسب ہے، جو علم، عمر، تقویٰ و روح اور شرف تابعیت کے حاصل کرنے میں دوسرے جملہ ائمہ سے خاص درجہ اور فضیلت کے مالک تھے۔

### حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ (المتوفی ۱۵۰ھ)

امام کیپچے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے مطلقاً قائل نہ تھے۔ نہ جہری ٹائزوں میں اور نہ ستری میں۔ چنانچہ مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکہ پڑھی رح تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ موطا میں لکھتے ہیں: ”کہ امام کیپچے قرآنہ نہ کرنی چاہیے خواہ امام ہر سے قرآنہ کرتا ہو یا آپستہ، اسی پر عام اتفاق و دلالت کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ کا مسلک اور مذہب بھی یہی ہے۔“

۱۔ تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص: ۲۵۸۔ یہ عبارت موطا امام محمد رحمہ ص ۱۴۵۔ جامع المسانید جلد ۱ ص ۳۳۶۔

فتح القدیر جلد ۲ ص ۲۴۱۔ اور روح المعانی جلد ۵ ص ۱۳۵ وغیرہ میں بھی نقل کی گئی ہے۔

۲۔ امام موصوف سے متعلق بھی نہ جانتے والوں اور متعصب لوگوں نے کیا الزام نہیں لگائے؟

کسی نے ان کو ضعیف کہا اور کسی نے یتیم فی الحدیث کے خطاب سے نوازنا نہیں کیا کیونکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ علامہ ذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ”کہ وہ الامام الاعظم“

(باقی اگلے صفحہ پر)



(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) فقیہ العراق، امام مشورع، عالم، عامل، متقی اور کیرا نشان تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵۸)۔ حافظ ابن عبد البر (المتوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام فکیع رحمہ نے ان سے بہت سی حدیثیں سنی ہیں۔ (کتاب الانتقام ۲ ص ۱۵) اور لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام موصوف سے روایتیں کیں اور ان کی توثیق و تعریف کی۔ وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جنہوں نے (بلا وجہ) ان میں کلام کیا ہے۔ (مختصر کتاب العلم ص ۱۹۲) امام ابن معین رحمہ (المتوفی ۲۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام موصوف ثقہ تھے۔ وہ صرف اسی حدیث کو بیان کرتے تھے جو ان کو اچھی طرح یاد ہوتی تھی۔ امام عبد اللہ بن المبارک رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم نے فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ کوئی اور نہیں دیکھا۔ امام الحجرج والتعیل، یحییٰ بن سید القطان (المتوفی ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں ہم خدائے قدوس کی تکذیب نہیں کرتے، ہم نے امام موصوف سے بہت راستے اور بات کسی کی نہیں سنی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲۹)۔ امام شافعی رحمہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ کے خیال اور خوش چیں ہیں۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۳۴۶) و تہذیب جلد ۱ ص ۲۲۹)۔ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ (المتوفی ۷۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی فقہ بڑی مشکل اور دقیق ہے (طبقات کبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۲)۔ شاید اسی وجہ سے نا اہل اور سطحی قسم کے لوگ ان کی فقہ سے نفرت کرتے ہیں۔ علامہ عطیہ بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) باوجود امام موصوف پر انتہائی جرح نقل کرنے کے ان کی ذاتی خوبیوں اور علمی قابلیتوں کا انکار نہیں کر سکے اور صاف لکھتے ہیں کہ علم عقائد اور کلام میں لوگ ابو حنیفہ رحمہ کے خیال اور خوش چیں ہیں۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۱۹۱)۔ مشہور محدث اسرائیل (المتوفی ۱۹۲ھ) کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ کیا پی خوب مرد تھے جنہوں نے ہر ایسی حدیث کو اچھی طرح سے یاد کیا جس سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے۔ اور وہ بڑی احتیاط کرنے والے اور فقہی مسائل پر عبور کرنے والے تھے (بغدادی جلد ۱ ص ۳۴۹) امام ابن معین رحمہ فرماتے تھے کہ علماء تو صرف چار ہیں۔ سفیان ثوری، ابو حنیفہ رحمہ، مالک اور اوزاعی (البدایہ والنہایہ، جلد ۱ ص ۱۱۶) حافظ ابن کثیر رحمہ (المتوفی ۷۴۴ھ)۔ امام موصوف کی ان الفاظ سے تعریف کرتے ہیں۔ الامام، فقیہ العراق، احمد ائمہ الاسلام والسادۃ الاعلام، احرار کان العلماء احد الائمة الاربع اصحاب المذاهب المتبعۃ امام عبد اللہ بن داود الخریزی (المتوفی ۵۱۳ھ) کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے لیے مناسب ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ کے لیے نمازیں دعا کیا کریں کیونکہ انہوں نے فقہ اور سنت کو محفوظ رکھا جو لوگوں تک پہنچی۔ امام سفیان ثوری اور عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں



فائل لا: اس عبارت سے امام محمدؒ (المتوفی ۱۸۹ھ) کا مسلک بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ

(نقیہ حاشیہ) سب روئے زمین پر بسنے والوں سے بڑھ کر فقہ جانتے والے امام ابو حنیفہؒ تھے۔ امام مکی بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ رحمہ اللہ اہل الارض تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۰) علامہ ابن خلدونؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں کہ امام موصوف علم حدیث کے بڑے مجتہدین میں سے تھے (مقدمہ ص ۲۲۵) اور لکھتے ہیں کہ فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند تھا کہ کوئی دوسرا ان کی نظیر نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے تمام ہم عصر علمائے ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے۔ خاص طور پر امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے۔ (مقدمہ ص ۲۲۲) علامہ محمد طاہر رحمہ (المتوفی ۹۸۶ھ) لکھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام موصوف کی مقبولیت کا کوئی خاص راز اور بھید نہ ہوتا۔ تو امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) کا ایک نصف حصہ کبھی ان کی تقلید پر مجتمع نہ ہوتا (مکملہ مجمع البحار جلد ۳ ص ۵۲۴) مولانا مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن معین رحمہ، امام شعبہؒ اور سفیان ثوری رحمہ سب ان کی توثیق کرتے ہیں۔ (تحقیق الکلام ص ۱۲) نیز تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث (کی قیود اور شرائط) کے بارے میں جتنی تشدد پیدائندی اور احتیاط امام ابو حنیفہؒ نے کیا ہے اور کسی نے اس کا ثبوت نہیں دیا۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۱۵) ہم نے اپنی کتاب مقام ابی حنیفہؒ میں امام صاحبؒ کے امام حدیث وفقہ ہونے پر باحوالہ سیر حاصل بحث کی ہے اور عناد و تعصب کی وجہ سے جن لوگوں نے ان پر اعتراضات کیے ہیں ان کے ٹھوس جوابات بھی ہم نے اسی کتاب میں عرض کر دیے ہیں۔

نواب عبدالحق حسن خاں صاحبؒ (المتوفی ۱۲۰۰ھ) رقم طراز ہیں:

امام اعظم ابو حنیفہؒ کو فی دی چنانکہ در علم دین منصب امامت دارد۔ ہم چنان در زہد و عبادت امام سالکان است۔ (تقصار جمود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۹۳)۔

حضرت اگر امام موصوف میں کوئی خوبی نہ ہوتی۔ تو امت کی اکثریت کے علاوہ امام یحییٰ بن سعیدؒ

امام وکیع بن الجراح رحمہ، امام ابن معین یحییٰ بن زکریا وغیرہ ایسے امام حدیث کبھی ان کی تقلید نہ کرتے۔ (دیکھیے

طائفہ منصورہ) شاید غراب صاحبؒ نے بھی امام اعظم کا خطاب متعصب لوگوں کے کوشش کو کم کرنے کے لیے

اختیار فرمایا ہے اور علامہ ذہبیؒ بھی ان کی تعریف الامام الاعظم سے شروع کرتے ہیں۔ ع وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ

شہ بعض قاصر اور غیر بالغ نظروں نے امام محمدؒ کی شخصیت کو بھی پہچانا نہیں۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے

(باقی اگلے صفحہ پر)



بھی کسی نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہ تھے۔ اور یہی مضمون ان کی کتاب الآثار ص ۱۲ میں بھی منقول ہے جن لوگوں نے امام محمدؒ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ وہ سترے نماز میں مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو مستحسن سمجھتے تھے۔ وہ غلطی پر ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن ہمام رحم (المتوفی ۷۸۸ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ جو لوگ امام محمدؒ کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں کہ وہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کو جائز اور مستحسن سمجھتے ہیں وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔

(فقیر حاشیہ پچھلا صفحہ) والد نے تیس ہزار درہم چھوڑے تھے، پندرہ ہزار میں نے خرچ، شعر اور ادب کی تعلیم پر صرف کیے اور پندرہ ہزار حدیث اور فقہ کی تعلیم پر (بغدادی جلد ۲ ص ۱۷۳) امام شافعی رحم فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا ہے۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو مجھ پر علم کی اتنی راہیں نہ کھلتیں جتنی اب کھلی ہیں۔ اور میں نے امام محمدؒ سے بڑا کوئی شخص کتاب اللہ کا عالم نہیں دیکھا۔ (شذرات الذہب جلد ۱ ص ۱۲۲) امام ابو عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے بڑا کوئی کتاب اللہ کا عالم نہیں دیکھا (بغدادی جلد ۲ ص ۱۷۳) امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس سے کوئی مشکل مسئلہ پوچھا جائے اور اس کے تیوروں پر بل نہ پڑے ہوں۔ البتہ ہاں محمدؒ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (ابن خلکان جلد ۲ ص ۴۵) امام شافعیؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے امام مالکؒ اور امام محمدؒ..... دونوں کی رفاقت کی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فقیہ کون ہے؟ فرمایا امام محمدؒ باعتبار نفس کے امام مالکؒ سے بڑے فقیہ ہیں۔ (شذرات الذہب جلد ۲ ص ۱۲۲) اس سے ملتے جلتے الفاظ کھچی بن صالح رحم سے بھی منقول ہیں (بغدادی جلد ۲ ص ۱۷۳) امام دارقطنیؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) باوجود متعصب ہونے کے امام محمدؒ کو ثقات اور حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بیس عدد وثقات اور حفاظ حدیث نے بیان کی ہے جن میں امام محمدؒ بن الحسن الشیبانی، یحییٰ بن سعید بن القطان، عبد اللہ بن المبارک، عبد الرحمن بن مہدیؒ، اور ابن وہبؒ وغیرہ شامل ہیں (بحوالہ نصب الرأیہ جلد ۱ ص ۴۰۹) امام دارقطنیؒ ان کو ثقات اور حفاظ میں پہلے نمبر پر بیان کرتے ہیں۔۔۔

تیرے نام سے ابستا کر رہا ہوں

میری انتہائے نگارش یہی ہے

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں دیکھا (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۰۹) امام ابن عبد البرؒ

فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ بن الحسن فقیہ اور عالم تھے۔ انھوں نے امام مالکؒ سے بہت حدیثیں لکھی ہیں اور اسی طرح نویریؒ وغیرہ نے بھی۔

(الانتقار ص ۱۷۴)

لے صاحب درختار نے لکھا ہے کہ امام محمدؒ کی طرف یہ نسبت کہ وہ امام کے پیچھے (باقی اگلے صفحہ پر)



ان کا قول حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام ابو یوسف رحمہ کی طرح ممانعت کا ہے۔ (بحوالہ فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۸)  
 امام ابو یوسف (المتوفی ۱۵۰ھ) کا مسلک بھی اس سے واشگاف اور آشکار ہو گیا ہے کہ وہ بھی جملہ  
 نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے قائل نہ تھے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) قرآن کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ضعیف ہے اور علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ امام محمدؒ  
 نے کتاب الآثار میں تصریح کی ہے کہ ہم جہری اور ستری..... کسی نماز میں امام کے پیچھے قرآن کے قائل نہیں ہیں۔

ودعوی الاحتیاط ممنوعہ بل  
 الاحتیاط ہے تو یہ دعویٰ ممنوع ہے بلکہ احتیاط ترک  
 باقوی الدلیلین ۱ھ۔ قرآن میں ہے کیونکہ یہاں دو دلیلوں میں سے قوی

(رد المحتار جلد ۱ ص ۳۶۶) دلیل پر عمل ہو رہا ہے۔

۱۔ امام ابو یوسفؒ کے بارے میں فریق ثانی بعض محدثین کا ترک کوہ کا جملہ لیے لیے پھرتا ہے۔ حالانکہ بات  
 یہ نہیں ہے۔ امام نسائی رحمہ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (ضعفاء صغیر ص ۵)۔ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں: وہ  
 ثقہ تھے (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۲۴۲) حافظ عبدالقادر القزہیؒ (المتوفی ۷۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ امام حجاز اور امام  
 ابن معینؒ اور امام علی بن المدینیؒ رحمہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ (الجواهر المضية جلد ۲ ص ۲۲۱)

علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن معین رحمہ اور امام احمد بن حنبلؒ اور علی بن مدینیؒ سب کا اس بات  
 پر اتفاق ہے کہ امام ابو یوسفؒ ثقہ تھے۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۲۳۳) علامہ ذہبیؒ ان کو امام العلماء اور فقیہ العراقین  
 لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۶۹) امام مزیؒ رحمہ کا بیان ہے کہ فقہاء اور اصحاب الرسکے میں وہ سب سے  
 زیادہ حدیث کی اتباع کرنے والے تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۸) امام ابن قتیبہؒ (المتوفی ۲۷۶ھ)۔

ان کو صاحب سنت اور حافظ لکھتے ہیں۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۱۱۱) امام ابن معینؒ ان کو صاحب حدیث اور  
 صاحب سنت کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۶۹) اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اصحاب رسکے میں وہ سب سے  
 زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے اور اثبت فی الحدیث تھے۔ (ایضاً) علامہ ابن خلکانؒ (المتوفی ۴۸۸ھ) لکھتے  
 ہیں کہ امام ابو یوسفؒ حافظ اور کثیر الحدیث تھے (ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۰۶) علامہ عبدالقادرؒ (المتوفی ۴۹۱ھ) لکھتے

کہ مشرق سے مغرب تک قضاۃ کی تقرری ان کے سپرد تھی (الجواهر المضية جلد ۲ ص ۲۲۱) امام ابن جریرؒ ابن جوزیؒ اور  
 ابن جبانؒ ان کو عالم حافظ اور فقیہ لکھتے ہیں (مقدمہ زیلعی ص ۱۴) اور امام یحییٰ بن معینؒ سے امام ابو یوسفؒ کے



حضرت امام مالکؒ (المتوفی ۱۷۹ھ) بھی امام کے پیچھے چہری نمازوں میں مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے حق میں نہ تھے۔ اور ستری نمازوں میں گو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی مقتدی کو اجازت دیتے ہیں۔ لیکن مع نذر وجوب کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ مولانا مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ ستری نمازوں میں وجوب قرآنہ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔  
(تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۷)

(بقیہ حاشیہ) بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا ثقہ تصدوق (مناقب کردری جلد ۱ ص ۲۲ و مناقب موفی ۱۹۱) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے جب طلب حدیث کا شوق حاصل ہوا تو سب سے پہلے میں قاضی ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا (بغدادی جلد ۱ ص ۱۲۵) امام ابن جبارؒ فرماتے ہیں کہ وہ شیخ اور متقن تھے۔ (لسان المیزان جلد ۱ ص ۳۰) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ حسن الحدیث ہیں (تلخیص المستدرک جلد ۱ ص ۳۷) امام ابن عبدالبرؒ امام طبرانی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ فقیہ عالم اور حافظ تھے پچاس اور ساٹھ تک حدیثیں وہ ایک مجلس میں یاد کر لیا کرتے تھے اور وہ کثیر الحدیث تھے۔

### (الانتقاء ص ۱۷۲)

امام مالکؒ کا یہ مذہب و مسلک ان کی مشہور کتاب موطا ص ۲۹ اور تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۵۰ و معالم التنزیل جلد ۳ ص ۶۲۲ و روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۵ و فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۴ اور تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۵ وغیرہ میں منقول ہے۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الامام، الحافظ، فقیہ الامت، شیخ الاسلام اور امام دار ہجرت تھے۔  
(تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ اگر امام مالکؒ اور ابن عیینہؒ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا امام ابن وہبؒ فرماتے ہیں اگر امام مالکؒ اور امام لیثؒ نہ ہوتے تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ (تذکرہ ص ۱۹۴)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں۔ میں نے امام اسحاق بن ابراہیم کو کہتے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالکؒ، امام ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو وہی مسئلہ حق اور سنت ہوگا۔ اگرچہ اس میں نص موجود نہ بھی ہو۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۵)  
واقم السطور کہتا ہے کہ امام ثوریؒ اور اوزاعیؒ سب نمازوں میں اور امام مالکؒ چہری نمازوں میں ہمارے ساتھ ہیں اور ستری نمازوں میں بھی وجوب کے قائل نہیں ہیں۔ لہذا اس مسئلہ میں یہی مسئلہ حق اور سنت ہے اور نص قرآنی اور احادیث صحیحہ کے صریح حوالے اس کی مستزاد ہیں جو سونے پر سہاگہ ہے۔



حضرت امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) امام موصوف کا مسئلہ زیر بحث میں صحیح مسلک کیا تھا؟ اس کے سمجھنے اور نقل کرنے میں بڑے بڑے ائمہ فن نے بیچ در بیچ غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے اور اس کو ایک معمر اور عقیدہ لائیکل بنا دیا ہے۔ کسی نے یہ کہہ دیا کہ امام موصوف سب نمازوں میں قراءۃ الفاتحہ خلف الامام کے وجوب کے قائل تھے۔ اور کسی نے کہہ دیا کہ ان کا قدیم قول یہ ہے کہ جسری (بقیہ حاشیہ) امام عبدالرحمن بن ہمدانی، امام مالکؒ پر کسی کو ترجیح نہ دیتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۱۰۷) علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ ثقہ، مامون، شہید، مہر، فقیہ، عالم اور مجتہد تھے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۱۰۷)

حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ وہ احد الائمة الاربعۃ، اصحاب المذہب المتبعہ تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۰۷) امام ابن عبدالبرؒ نے کتاب الانتصار میں کم و بیش ۴۶ صفحات میں ان کے فضائل بیان کیے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ فرماتے ہیں۔ امام دار یحیرت و امامیہ انرا ائمہ مذاہب (تقصیر ص ۹) علامہ فہمی ان کی ان الفاظ سے تعریف کرتے ہیں۔ الامام العلم، جبر الامت اور ناصر السنۃ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۲۹) امام سہابی بن داہویہؒ فرماتے ہیں۔ مجھ سے امام احمدؒ نے فرمایا۔ آؤ تمہیں ایسا شخص بتاؤں جس کا نظیر اور ثقیل تم نے نہیں دیکھا ہوگا۔ پھر مجھے امام موصوف کے پاس لے گئے۔ (بغدادی جلد ۲ ص ۹) امام ابو ثورؒ فرماتے ہیں کہ ان کا نظیر نہیں دیکھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ خود انھوں نے بھی اپنا نظیر نہیں دیکھا ہوگا۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۲۹) امام ابن عبدالحکمؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ ہر بات میں مجتہد ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۰۷)

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ احد العلماء ثقہ اور مامون تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۰۷) حافظ ابن کثیرؒ نے ان کی ایسے شاندار الفاظ اور عبارات سے تعریف کی اور عقیدت کے پھول برسائے ہیں جن کے واقعی امام موصوف اہل اور مستحق ہیں۔ (دیکھیے البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۵) علامہ ابن عبدالبرؒ نے ابن عبدالحکمؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ صاحب سنت و اثر اہل فضل و فصاحت اور مضبوط عقل کے مالک تھے۔

(الانتصار ص ۱۰۷)

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ ہم افضل وقت و ہم اعلم عہد و ہم حجتہ الامم و ہم مقدم الامم۔ (تقصیر ص ۹) یہ قول علامہ بدر الدین عینیؒ نے عمدة القاری جلد ۲ ص ۶۱ میں اور اسی طرح دوسرے ائمہ نے بھی نقل کیا ہے۔



نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔ اور قول جہر یہ ہے کہ جہری ہوں یا ستری، تمام نمازوں میں قرأت واجب ہے۔ اور کسی نے یہ کہہ دیا کہ امام موصوف کے دو قول ہیں۔ ایک جہری نمازوں میں ممانعت کا اور دوسرا اجازت کا۔ لیکن حقیقت ان تمام باتوں کے بالکل عکس ہے۔

امام موفق الدین ابن قدامہ الحنبلیؒ (المتوفی ۷۵۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

وجملة ذلك ان القراءة غير واجبة  
على المأموم فيما جهر به الامام ولا فيها  
استربه نص عليه احمد في رواية  
الجماعة وبذلك قال الزهري والثوري  
وابن عيينه ومالك وابو حنيفة واسحق  
اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی پر قرأت واجب  
نہیں نہ جہری نمازوں میں اور نہ ستری میں امام احمد  
بن حنبلؒ نے صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا ہے جیسا کہ  
علماء کی ایک جماعت نے ان سے نقل کیا ہے اور امام  
زہریؒ، ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور

۱۰۰ یہ قول امام بیہقیؒ نے (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۲) میں اور دوسرے اکابر نے بھی نقل کیا ہے جن میں حافظ  
ابن کثیر بھی ہیں۔ (تفسیر جلد ۲ ص ۲۸۳)

۱۰۱ یہ قول امام مزنیؒ (المتوفی ۷۶۲ھ) نے مختصر منی جلد ۱ ص ۱۰۰ میں امام بیہقیؒ نے (کتاب القراءة ص ۱) میں  
اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے (تنوع العبادات ص ۱۸) میں نقل کیا ہے۔

۱۰۲ آپ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک پر تھے اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے تلامذہ میں تھے۔  
حدیث، فقہ، تفسیر اور طبقات روایات کے متبحر اور بے مثل عالم تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔  
عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ الدمشقی جو الفقیہ، الزاہد، الامام، شیخ الاسلام اور ابدالاعلام تھے۔ علامہ  
ابن نجار کا بیان ہے کہ وہ امام الحنابلہ، ثقہ، محبت، نبیل، عزیز الفضل، کامل العقل اور شدید القیث تھے۔  
امام ابو شامہؒ کہتے ہیں کہ وہ شیخ الحنابلہ، امام من ائمة المسلمين، عظم من اعلام الدين في العلم والعمل تھے۔ محدث  
ضرا۔ لکھتے ہیں کہ وہ علوم قرآن و حدیث، فقہ و علم خلافت کے امام اور بیکتا تھے روزگار تھے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ  
لکھتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ کے بعد ملک شام میں ان سے بڑا کوئی امام داخل نہیں ہوا۔ علامہ ذہبیؒ نے ان کے اوصاف  
حمیدہ پر دو مستقل جلدیں لکھی ہیں۔ (ترجمہ الشیخ فی بدر المنی ص ۲، ۳، ۴) علامہ عز الدین بن عبدالسلامؒ (المتوفی  
۷۶۰ھ) فرماتے ہیں۔ میں نے اسلام میں دو کتابوں کی مثال نہیں دیکھی۔ ایک محلی (علامہ ابن حزمؒ (المتوفی ۴۵۸ھ))



وقال الشافعي وداؤد لعده ومروله عليه  
السلامه صلوٰۃ لمن لا يقرأ بفاتحة الكتاب  
غير انه يخص في حال الجهل بالاداء  
بالانصات فبما عده يبقى على العموم -  
(انتهى بلفظهم) (معنى ابن قدامه جلد ۱ ص ۱۲۱)  
اسحاق اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ اور داؤد فرماتے  
ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کہ جس شخص  
نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی۔ عام ہے مگر  
جہری نمازیں اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان میں  
خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور جہری نمازوں کے علاوہ

یہ حدیث اپنے عموم پر باقی رہے گی۔

اس عبارت سے یہ امر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک جہری نمازوں میں امام کے  
پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نص قرآنی اور حدیث صحیحہ انصتوا کے خلاف ہے۔  
فائدہ ۱۔ اس عبارت سے جس طرح امام شافعیؒ کا مسلک واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے  
اسی طرح امام داؤد و ظاہری کا مسلک بھی نمایاں ہو جاتا ہے کہ وہ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے  
سورۃ فاتحہ کی قرآنہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ الکتاب  
کا پڑھنا انصتات مامور بہ کے منافی ہے۔ ممکن ہے کسی صاحب کو یہ شبہ پیدا ہو کہ ہو سکتا ہے  
امام ابن قدامہ ہی کو امام شافعیؒ کے مسلک کے سمجھنے اور نقل کرنے میں غلطی واقع ہوئی ہو۔  
اس لیے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم خود امام شافعیؒ کی تحریروں سے اس مسئلہ کو حل

بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) اور دوسری معنی ابن قدامہ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۳۲۵ و لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۸۲) حافظ  
تقی الدین علی بن عبد الرکافیؒ (المتوفی ۷۵۹ھ) لکھتے ہیں کہ معنی ابن قدامہ حنبلی کی بلند پایہ اور معتد کتاب ہے  
(شفاء السقام ۲ ص ۱۲۹) اور حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ وہ شیخ الاسلام تھے۔ جہمیہ اور معتدلہ کے بغیر  
باقی تمام فرقے ان کی مقبولیت، تعظیم اور امامت پر متفق ہیں (اجتماع الجیوش الاسلامیہ ص ۶۹ طبع امرتسر)  
۱۔ امام داؤد بن علیؒ (المتوفی ۲۴۰ھ) علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ اصحاب ظاہر کے امام، متورع، عابد  
اور زاهد تھے (بغدادی جلد ۲ ص ۳۶۹)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی ان الفاظ سے تعریف کرتے ہیں۔ المحافظ، الفقیہ، المجتہد اور

فقیہ اہل الظاہر۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۳۶)



کرویں۔ امام موصوف تحریر فرماتے ہیں:

والحمد لله في ترك القراءة بامر القرآن  
والخطأ سواء في ان لا تجزئ ركعة  
الاربعا او بشئ معها الا ما يذکر  
من المأموم انشاء الله تعالى۔

(کتاب الامم جلد ۱ ص ۸۹)

سورۃ فاتحہ کا ویدہ دانستہ ترک کرنا اور بھول کر  
ترک کرنا دونوں کا حکم ایک ہے کہ کوئی رکعت سورۃ  
فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنے کے  
بغیر جائز نہیں ہو سکتی۔ ہاں مگر مقتدی کا حکم آگے  
ذکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

امام موصوف کی اس عبارت کو بار بار پڑھئے اور ملاحظہ کیجئے کہ مقتدی کے لیے سورۃ  
فاتحہ کے پڑھنے کو کیوں مستثنیٰ قرار دیتے ہیں؟ اگر مقتدی کے لیے بھی سورۃ فاتحہ کا پڑھنا  
ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ امام اور منفرد کے لیے تو ان کی اس تفریق کا کیا مطلب ہے پھر آگے  
تحریر فرماتے ہیں:

فواجب علی من صلی منفردا او  
اماما ان یقرأ بام القرآن فی کل رکعة  
لا یجوز له غیرها و احب ان یقرأ  
معها شیئا آیه او اکثر و ساد ذکر  
المأموم انشاء الله تعالى۔

(کتاب الامم جلد ۱ ص ۹۰)

منفرد اور امام پر واجب ہے کہ وہ ہر رکعت  
میں سورۃ فاتحہ پڑھیں اس کے علاوہ کوئی اور سورۃ  
کفایت نہیں کر سکتی اور میں اس کو بھی زیادہ  
پسند کرتا ہوں کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور بھی  
پڑھیں ایک آیت ہو یا اس سے زیادہ۔ اور میں  
مقتدی کا حکم آگے بیان کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس عبارت میں بھی امام موصوف، امام اور منفرد کی تصریح کرتے ہوئے ان کا یہ فریضہ اور  
وظیفہ بتلاتے ہیں کہ ان کو نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے۔ مگر یہ بھی تصریح  
کرتے ہیں کہ مقتدی کا وظیفہ اور ڈیوٹی کچھ اور ہے۔ جس پر ہر نماز اور ہر رکعت میں سورۃ  
فاتحہ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ میں انشاء اللہ العزیز خود اس حکم  
بیان کروں گا۔ وہ کونسا حکم ہے جس کا دوسرا مرتبہ وعدہ کیا ہے؟ تحریر فرماتے ہیں۔

اور ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی  
جائے اور امام ایسی قرآن کر تا ہو جو سنی نہ جاتی ہو

و نحن نقول کل صلوٰۃ صلیت  
خلف الامام والامام یقرأ قرآنہ لا



یسمع فیہا قرآن فیہا۔ تو مقتدی ایسی نماز میں قرآن کرے۔

(کتاب الامم جلد ۱، ص ۱۵۳)

امام شافعیؒ کی یہ عبارت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ مقتدی کو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا درست نہیں ہے اور نہ واجب ہے۔ بلکہ مقتدی صرف ان نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ سکتا ہے جن میں امام کی قرآن نہ سنی جاسکتی ہو اور وہ ستری نماز ہے۔ اسی لیے انھوں نے قرآن لا یسمع ارشاد فرما کر جہری اور ستری نمازوں میں مقتدی کا وظیفہ متعین کر دیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس کا دعویٰ کرے کہ حضرت امام شافعیؒ تمام نمازوں میں مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کے وجوب کے قائل ہیں تو وہ نہ صرف یہ کہ خوش فہمی اور غلطی کا شکار ہے بلکہ اس کو تعدیل مزاج کی کوشش بھی کرنی چاہیے۔

فائدہ: راقم الحروف کہتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی تعیین میں جو غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اور قول قدیم و جدید کا جو جھگڑا چل نکلا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہی کچھ اور ہے۔ وہ یہ کہ امام الحرمینؒ (المتوفی ۲۷۸ھ) وغیرہ نے غلطی سے کتاب الامم کو امام شافعیؒ کی کتب قدیمہ میں شامل سمجھ لیا ہے۔ اور دوسرے ائمہ نے بھی اس امام عالی مقام کی جلالت شان کی وجہ سے اس بات پر بھروسہ اور اعتماد کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے اور یہ سارا جھگڑا ہی اس مفروض پر مبنی ہے۔ ہم اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی اس تاریخی غلطی پر دو تاریخی شہادتیں نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم انقل منها الى مصر فاقام بها الى ان مات في هذه السنة (سنہ ۳۲۸ھ) ودفن	پھر حضرت امام شافعیؒ بغداد سے مصر کی طرف روانہ ہوئے اور وہیں اقامت پذیر ہوئے حتیٰ کہ سنہ ۳۲۸ھ میں
کتاب الامم وهو من کتب الجدیدۃ کرہا	اسی جگہ ان کی وفات ہوئی اور مصر میں ہی انھوں نے کتاب الامم
من روایۃ الربیع بن سلیمان وهو مصری	تصنیف کی ہے اور وہ ان کی جدید کتابوں میں سے ہے۔

لہٰذا ان کا نام عبد الملک، ابو المعالی کنیت، اور البحر بنی (ان کے والد ابو محمد عبد اللہ البحر بنیؒ کی طرف) نسبت ہے۔ یہ امام غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) کے استاد تھے۔ حدیث، فقہ اور اصول اور دیگر علوم اور فنون میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ میں علماء شوافع کے سربراہ تھے۔ حرم مکہ اور حرم مدینہ میں عرصہ دراز تک علوم اسلامیہ کی تعلیم دیتے رہے۔ اس لیے امام الحرمین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ (البحر المصنیع جلد ۲ ص ۳۱۷-۳۱۸) وفات البیہ ۲۳۶ھ طبع مصر



وقد زعم امام الحرمين وغيره  
انها من القديرو هذا بعيد وعجيب  
من مثله -

کیونکہ اس کے راوی ربیع بن سلیمان (المتوفی ۲۷۰ھ)

ہیں جو مصری تھے اور امام الحرمین وغیرہ نے یہ خیال کیا

ہے کہ کتاب الام کتب قدیمہ میں ہے لیکن یہ امام

(البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۲۵۲)

الحرمین ایسے امام سے بڑی ہی بعید اور نرالی بات ہے۔

حافظ موصوف کی یہ عبارت بڑی واضح اور صاف ہے کہ امام الحرمین وغیرہ کا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ کتاب یعنی کتاب لام، امام شافعیؒ کی قدیم کتابوں میں شامل ہے نہ صرف تاریخی لحاظ سے باطل اور مردود ہے بلکہ اس کے مدعی صواب سے بڑے دور اور بڑی عجیب بات کے مرکب ہوئے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بنا براس مفروض کے اجازت کا قول امام شافعیؒ کا قول جدید قرار دیا ہے لیکن چونکہ البدایہ والنہایہ تفسیر کے بعد کی تصنیف ہے جیسا کہ خود انہوں نے البدایہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اس لیے ان کی اس جدید تاریخی تحقیق کے بعد تفسیر کا حوالہ قابل التفات نہیں ہے۔

دوسری شہادت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۹۱۱ھ) کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ثم خرج الى مصر وصنف بها كتابه  
پھر حضرت امام شافعیؒ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

الجدیدۃ کا اہم الخ (حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۱۲۶)

اور وہاں کتب جدیدہ تصنیف کیں جن میں کتاب الام بھی ہے

ان تاریخی شہادتوں سے ثابت ہو گیا کہ کتاب لام حضرت امام شافعیؒ کی کتب جدیدہ میں ہے۔ اور امام کے پیچھے مقتدی کا سورۃ فاتحہ کو ہری نمازوں میں ترک کرنا ان کا قول جدید ہے نہ کہ قول قدیم۔

مصنف خیر الکلام نے ان ٹھوس حوالہ جات سے اپنے جواب کے سلسلہ میں جو خلص تلاش کیا

۵۹ یہ ہے:

(۱) کہ امام شافعیؒ مصر میں پانچ سال رہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے مصر جا کر پہلے ہی فتویٰ دیا ہو مگر

بعد میں اس سے رجوع کیا ہو جیسا کہ ہم نے انور شاہ صاحبؒ عبارت میں نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے وفات سے دو سال قبل مقتدی کو ہری نماز میں قرآن کے روکنے سے رجوع کیا ہے بس محض اس

عبارت کا مصری کتاب میں ہونا آخری قول ہونے کی کیسے دلیل بن سکتا ہے بلکہ اس جگہ تصریح کی

ضرورت ہے۔ (خیر الکلام ص ۲۲)

(۲) مختصر مرنی امام شافعیؒ کے ان مسائل کا مجموعہ ہے جو مصر میں بیان فرمائے اور اختیار کیے ہیں۔



(ضعیف الاسلام جلد ۲ ص ۹) بلکہ مزنی رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مصری شاگردوں سے ہے۔ (ضعیف الاسلام جلد ۲ ص ۲۲۲)  
(خیر الکلام ص ۲)

(۳) امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح قول یہی ہے کہ قرأت واجب ہے امام جہر کرے یا نہ کرے۔ (خیر الکلام ص ۲۱)

(۴) امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز کسی کام کی نہیں رہتی اکیلا ہوا امام کے پیچھے ہوا امام شافعی رحمہ اللہ اور امام اسحاق رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ اور علماء کا یہی مسلک ہے۔ (خیر الکلام ص ۲۲)

(۵) امام ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام کے واجب ہونے کے مندرجہ ذیل ائمہ قائل ہیں امام اوزاعی رحمہ اللہ، امام لیث رحمہ اللہ، امام سعد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ جب مصر میں گئے اور یہی ان کے اکثر شاگردوں کا مذہب ہے۔ ان سے امام مزنی رحمہ اللہ اور امام بوہیظی رحمہ اللہ ہیں امام ابو ثور رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔  
(تمہید ابن عبد البر - تحقیق) (خیر الکلام ص ۲۳)

(۶) کتاب الامم کی پہلی اور دوسری عبارت میں تصریح نہیں کہ مقتدی پر جہری نمازوں میں فاتحہ واجب نہیں منفرد اور امام کے متعلق دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ان پر صرف فاتحہ واجب ہو۔ دوسرا یہ کہ ان پر فاتحہ اور باراد دونوں واجب ہوں مگر مقتدی کے بارے میں دو احتمال نہیں صرف ایک ہی احتمال ہے۔ (محصلاً خیر الکلام ص ۲۵، ۲۶)  
(۷) کتاب الامم کی تیسری عبارت میں فاتحہ کا ذکر نہیں مطلق قرأت کا ذکر ہے۔ (محصلاً خیر الکلام ص ۲۷)  
(۸) البدایہ والنہایہ تفسیر سے پہلے کی کتاب ہے۔ کیونکہ تفسیر میں دو جگہ اس کا حوالہ دیا ہے۔

(محصلاً خیر الکلام ص ۲۷، ۲۸)

(۹) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مقتدی جہری نماز میں کھڑے اسی طرح امام لیث رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ، امام ابن عیون رحمہ اللہ، امام کھول رحمہ اللہ اور امام ابو ثور رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔  
(جلد ۱ حق ۶) (خیر الکلام ص ۲۸)

(۱۰) معالم التنزیل میں ہے کہ ایک جماعت کے نزدیک قرأت واجب ہے خواہ امام قرأت بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا آہستہ یہ قول حضرت عمر رحمہ اللہ، حضرت عثمان رحمہ اللہ، حضرت علی رحمہ اللہ، حضرت ابن عباس رحمہ اللہ اور

معاذ رحمہ اللہ سے مروی ہے امام اوزاعی رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ (خیر الکلام ص ۲۸، ۲۹)  
(۱۱) علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ ایک جگہ یہ نقل فرماتے ہیں کہ امام کے لیے فاتحہ کے بعد سکتہ کرنا مستحب ہے تاکہ اس



میں آرام کرے اور مقتدی فاتحہ پڑھ لے تاکہ مقتدی کی طرف سے امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے سے منازعہ واقع نہ ہو۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ (خیر الکلام ص ۲۸)

اجواب : ہم بفضلہ تعالیٰ خیر الکلام کے ترتیب وار جوابات عرض کرتے ہیں غور فرمائیں۔  
(۱) ٹھوس تاریخی حوالوں اور شہادتوں کو رد کرنے کے لیے صرف ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ الخ

کوئی جواب نہیں۔ مصنف خیر الکلام پر اخلاقی طور پر لازم تھا کہ وہ صراحت کے ساتھ دو تاریخی اور ٹھوس حوالوں کے ساتھ یہ نقل فرماتے کہ فلاں کتاب حضرت امام شافعیؒ نے کتاب الام کے بعد لکھی ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ یا قرآن کا پڑھنا واجب ہے اور عبارت یہ ہے۔ جب وہ ایسا نہیں کر سکے تو یقیناً کامل رکھیں کہ کتاب الام کی صریح عبارتوں کا جواب تاہنوزہ کوئی نہیں ہوا۔ رہا حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کا حوالہ تو وہ مؤلف

خیر الکلام کو چننا مفید نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف اس قدر ہے کہ امام شافعیؒ نے وفات سے دو سال پہلے مقتدی کے لیے جہری نمازوں میں ترک قرآن سے رجوع کیا ہے۔ اس سے وجوب کیسے ثابت ہوا؟ چنانچہ خود مؤلف خیر الکلام حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ پھر مجھے علم نہیں کہ امام شافعیؒ نے جہری میں وجوب پسند کیا جیسے کہ شافعیہؒ کا مسلک ہے یا صرف استحباب کو۔ (فیض الباری جلد ۲ ص ۲۷۱) اور فصل الخطاب میں فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں امام شافعیؒ بھی جہری نمازوں میں صرف پڑھنے کو پسند کرتے ہیں فرض نہیں سمجھتے۔ (خیر الکلام ص ۲) باقی رہا فیض الباری جلد ۱ ص ۳۵۳) کا حوالہ جس میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ وفات سے دو سال پہلے مقتدی پر قرآن کے وجوب کے قائل ہو گئے تھے۔ (مختصرہ) تو ظن غالب یہ ہے کہ یہ مترجم صاحب کی غلطی ہے جنہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کی اطلاقی تقریر کو اپنی صوابدید کے مطابق عربی کا جامہ پہنایا ہے ورنہ یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ جلد اول میں وجوب کا حکم بیان فرمائیں اور جلد ثانی میں فرمائیں کہ مجھے کوئی علم نہیں کہ آیا وہ وجوب کے قائل تھے یا استحباب کے؟ اور فصل الخطاب میں یہ فیصلہ صادر فرمائیں کہ امام شافعیؒ جہری نمازوں میں صرف پڑھنے کو پسند کرتے تھے فرض نہیں سمجھتے تھے۔ غور فرمائیے کہ تحقیقی طور پر اس سے زیادہ اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ اور خود مولانا سید انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:



ونقل ابن تیمیہ الاجماع عنہ کہ حافظ ابن تیمیہ نے امام احمد بن حنبل سے  
 يدل علی ان وجوب القراءة فی اجماع نقل کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا  
 اجماعیہ خلاف الاجماع اولم یدہا ہے کہ جہری نمازوں میں وجوب قرآنہ خلاف  
 الیہ احد من اهل الاسلام۔ اھ اجماع ہے یا اہل اسلام میں سے اس کا ایک شخص  
 (فیض الباری جلد ۲ ص ۲۷۲) بھی قائل نہیں ہے۔

پھر کیونکر سمجھ لیا جائے کہ ان کے نزدیک امام شافعی جہری نمازوں میں وجوب قرآنہ کے قائل  
 ہیں اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ واقعی امام شافعی وفات سے دو سال پہلے مقتدی کے لیے وجوب  
 قرآنہ کے قائل ہو گئے تھے تب بھی ایک بات نہایت ہی قابل توجہ ہے وہ یہ کہ تقریباً پچاس سال  
 تک جو نمازیں حضرت امام شافعیؒ نے پڑھی ہیں جن میں وہ جہری نمازوں میں قرآنہ خلف الامام کے  
 قائل نہ تھے کیا ان کی وہ نمازیں درست اور صحیح ہیں یا نہیں؟ اور کیا صرف دوسرے حضرات کی  
 نمازیں ہی جن میں قرآنہ فاتحہ نہ کی گئی ہو باطل کا لعدم اور بیکار ہیں یا حضرت امام شافعیؒ کی ان نمازوں  
 کا بھی یہی حشر ہے؟ اگر کسی اور کی تحقیق بھی دیا نہ ہو تو وفات سے دو سال قبل تک حضرت امام  
 شافعیؒ کی بھی تو فرمائے کہ اس کی نماز کیوں کا لعدم، بیکار اور باطل ہوگی؟ یا یہ چورن اور  
 امرت دھار صرف حنفیوں کے لیے رہنرو اور وقف ہے۔ کیا خوب؟

ابھی کیا ہے ابھی تو ابتداء ہے دیکھتے جاؤ

ہمارے حال پر یاروں کے احسان اور بھی ہو گئے

(۲) چونکہ باقر صاحب خیر الکلام حضرت امام شافعیؒ مصر میں پانچ سال رہے تھے اس  
 لیے اگر مختصر مزنی ان کے مصری مسائل کا مجموعہ بھی ہو اور مزنی ان کے مصری شاگرد بھی ہوں تب  
 بھی اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ مجموعہ کتاب الام سے بھی بعد کا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ یہ  
 پہلے کا ہو اور کتاب الام ان کی صحیح طور سے کتب جدیدہ میں ہو اور امام مزنیؒ نے باوجود مصری  
 ہونے کے مختصر مزنی کی تدوین کتاب الام سے پہلے کی ہو۔ یہ جواب صحیح ہونے کے علاوہ مصنف  
 خیر الکلام کی اپنی پسند کا بھی ہے۔ علاوہ ان میں ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ اگرچہ  
 امام مزنیؒ اور امام بولیطیؒ صاحب شافعیؒ رح اور پڑے پائے کے محدث اور فقیہ تھے۔



لیکن ربیع بن سلیمان المرادی رحمہ (المتوفی ۷۰۰ھ) کو ان دونوں پر ترجیح ہے۔ چنانچہ امام خلیلی فرماتے ہیں کہ

تقدمتفق علیہ والمزنی مع جلالتہ  
 ربیع بن سلیمان ثقہ اور متفق علیہ ہیں اور  
 استعان علی ما فاتہ عن الشافعی بکتاب  
 امام مزنی رحمہ باوجود جلالت شان کے جو مسائل  
 الربیع وقال مسلمة من كبار اصحاب  
 امام شافعی کے ان سے چھوٹ گئے تھے ان میں  
 الشافعی رح - (۵۱)  
 (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۴۶)  
 ربیع کی کتاب سے استعانت کی ہے اور مسلمہ  
 فرماتے ہیں کہ ربیع امام شافعی کے بڑے اصحاب میں  
 شمار ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام مزنی کو حضرت امام شافعی کے تمام مسائل معلوم نہ تھے بلکہ ان سے کچھ چھوٹ بھی گئے تھے اور امام شافعی رحمہ کے مسائل میں وہ ربیع بن سلیمان رحمہ کے خوشہ چیں تھے۔ پھر کیوں نہ ہو کہ حضرت امام شافعی رحمہ کے مسائل میں امام ربیع بن سلیمان پر اعتماد کیا جائے جن پر خود امام مزنی نے اعتماد کیا ہے۔ اور مولیٰ احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبریٰ زادہ رحمہ (المتوفی ۱۹۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ

الربیع بن سلیمان — الثقة الثبت  
 ربیع بن سلیمان — جو کچھ بھی روایت کرتے  
 فیما یرویہ حتی رجحوا روایتہ عند تعارض  
 ہیں اس میں وہ ثقہ اور ثبت ہیں حتیٰ کہ محدثین رحمہ  
 المزنی مع علوقدر المزنی علماً ودینار  
 نے ان کی روایت کو مزنی کی روایت پر جب کہ دونوں  
 جلالة - ۵۱  
 کی روایت کا تعارض ہو ترجیح دی ہے۔ حالانکہ امام  
 (مفتاح السعادة ومصباح السيادة جلد ۲)  
 مزنی علم اور دین اور جلالت میں بلند مرتبہ تھے۔  
 ص ۱۶۲ طبع حیدرآباد دکن

اس سے بھی ثابت ہوا کہ جب امام ربیع اور امام مزنی رحمہ کی روایت میں تعارض ہو تو محدثین کرام کے نزدیک امام ربیع بن سلیمان کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور امام ابو الحسین رحمہ فرماتے ہیں کہ

البویطی کان یقول الربیع اثبت فی  
 امام بویطی فرماتے تھے کہ امام شافعی سے روایت



الشافعی رحمہ منی ۱۵ (تمہید التہذیب کرنے میں ربیع مجھ سے بھی زیادہ اثبات ہیں۔)

جلد ۳ ص ۲۳۶)

قطع نظر کتاب الام اور مختصر مزنی اور مختصر بوطی کے تقدم و تاخر کے خود امام بوطیؒ اور محدثین کے فیصلے کی رو سے امام ربیع بن سلیمانؒ کی روایت کو تاریخی اور صریح حوالوں کے پیش نظر ترجیح ہے۔ اس لیے اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کتاب الام پہلے کی ہے اور مختصر مزنیؒ اور مختصر بوطیؒ بعد کی ہیں تب بھی ترجیح امام ربیع بن سلیمانؒ ہی کی روایت کو ہوگی جو کتاب الام کے اور امام شافعیؒ کے مسائل کے راوی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بقول حافظ ابن تیمیہؒ خذاق اصحاب الشافعیؒ مثلاً امام رازیؒ اور ابن عبدالسلامؒ وغیرہ نے اسی پر عمل کیا ہے کہ جہری نمازیوں میں قرآن خلف الامام درست نہیں۔ (عبارت آگے آ رہی ہے)

(۵۳ و ۵۴) کا جواب یہ ہے کہ یہ سب حوالے اس امر پر مبنی ہیں کہ مختصر مزنیؒ اور مختصر بوطیؒ (جو امام یوسف بن یحییٰ البوطیؒ (المتوفی ۲۳۱ھ) کی تالیف ہے) کے حوالوں کو غلطی سے ربیع بن سلیمانؒ کی روایت پر ترجیح دی گئی ہے اور اسی غلطی کے نتیجہ میں حضرت امام شافعیؒ کو وجوب قرآن خلف الامام کا قائل گردانا گیا ہے اور مصنف خیر الکلام نے تحقیق الکلام کے حوالہ سے بحوالہ تمہید ابن عبدالبرؒ امام شافعیؒ سے وجوب کا جو قول نقل کیا ہے اس میں خصوصیت سے یہ درج ہے کہ امام شافعیؒ کے اکثر شاگردوں کا یہی مذہب ہے جن میں امام مزنیؒ رحمہ اور بوطیؒ بھی ہیں۔ بس یہیں سے اس غلطی کی بنیاد قائم ہوتی ہے کہ امام مزنیؒ اور امام بوطیؒ کے آئینہ میں حضرت امام شافعیؒ کا مذہب اور مسلک متعین کرنے کی شدید غلطی کی گئی ہے۔

اور اسی پہنچ پہنچ دیچ غلطیاں مرتب ہوتی ہیں:

سخن شناس نہ دلبر اخطا میں جا است

(۶) حضرت امام شافعیؒ توصاف طور پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا جان بوجھ کر ترک کرنا یا خطا ترک کرنا دونوں اس حکم میں برابر ہیں کہ کوئی رکعت سورہ فاتحہ یا سورہ فاتحہ اور کچھ دیگر حصہ قرآن کے بغیر جائز نہیں۔ ہاں مگر مقتدی کا حکم الگ ہے جو آگے بیان ہوگا اور دوسری عبارت میں تصریح کرتے ہیں کہ امام و منفرد دونوں پر ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ



واجب ہے اس کے بغیر کوئی اور سورت جائز نہیں اور اس سے زیادہ ایک آیت یا اکثر پڑھیں تو مجھے پسند ہے۔ ہاں مگر مقتدی کا حکم کچھ اور ہے اور میں خود اس کو بیان کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ان عبارتوں میں تو وہ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ امام اور منفرد دونوں پر واجب ہے۔ اور اس سے مازاد واجب نہیں بلکہ بہتر ہے جب سورۃ فاتحہ اور مازاد کا الگ الگ حکم بیان فرما رہے ہیں کہ ایک واجب ہے اور دوسرا مستحب (واجب) تو پھر یہ احتمال حضرت امام شافعیؒ کی عبارت میں کہاں سے پیدا ہوا۔ دوسرا یہ کہ ان پر فاتحہ اور مازاد دونوں واجب ہوں۔

۱۔ (خبر الکلام: ص ۲۵) اسی کو کہتے ہیں توجیہ القول بالایضی بدقائمه۔ اور پھر مصنف خیر الکلام کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ کتاب الام سے حضرت امام شافعیؒ کا وہ حوالہ جس کا دو دفعہ انھوں نے وعدہ فرمایا ہے نکال کر بقید حروف بتاتے کہ یہ تو امام شافعیؒ کی معہود عبارت یہ ہے جس میں ہماری خانہ ساز توجیہ کی تصدیق ہو رہی ہے۔ مصنف خیر الکلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ خواہ مخواہ کچھ لکھ دینے سے جواب نہیں ہو جایا کرتا۔ حضرت امام شافعیؒ کی یہ دونوں عبارتیں سورۃ فاتحہ اور ہر رکعت اور امام و منفرد کے واضح الفاظ کے ساتھ بالکل صریح ہیں اور مقتدی اور ماموم کی امتیاز اور وعدہ بھی۔ ان میں عاف طور پر موجود ہے جس کا ایک ایک حرف پکار پکار کر رہا ہے کہ صاحب خبر الکلام کی تاویل بالکل سببہ زور پر محمول ہے اور قطعاً باطل اور مردود ہے۔ علمی دنیا میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

(۷) بلا شک کتاب الام کی تیسری عبارت میں مطلق قرآۃ کا ذکر ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ نے جن پہلی دو عبارتوں میں وعدہ فرمایا ہے۔ ان میں اُم القرآن کی تصریح موجود ہے اور ونحن نقول سے اسی وعدہ کو انھوں نے پورا کیا ہے۔ مصنف خبر الکلام اور ان کی جماعت کا اخلاقی فرض ہے کہ اگر یہ عبارت ان کے دومرتبہ وعدہ کے ایقان کے لیے نہیں تو بتلائیں کہ کتاب الام میں وہ کونسی عبارت ہے جس کے ساتھ حضرت امام شافعیؒ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا ہے؟ (دیدہ باید)

(۸) البدایہ والنہایہ اور تفسیر ابن کثیرؒ کی ان عبارت سے قدر مشترک یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو کلیتہ البدایہ تفسیر ابن کثیرؒ سے مقدم ہے اور نہ مکمل طور پر تفسیر اس سے پہلے کی ہے۔ کچھ



اجزاء اس کے پہلے لکھے گئے اور کچھ حصص اس کے پہلے تصنیف ہوئے اور مناسب مواقع پر ایک کے حوالے دوسری کتاب میں ذکر کر دیے گئے لیکن بایں ہمہ اس سے کتاب الام کے صریح حوالوں اور امام ربیع بن سلیمان کی راجح روایت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ جیسا کہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ کتاب الام ٹھوس تاریخی شہادتوں کی بنا پر امام موصوف کی کتب جدیدہ میں سے ہے اور امام ربیع کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۹، ۱۰) کا جواب یہ ہے کہ یہ ساری تحقیق اس بات پر مبنی ہے کہ امام منزلی اور امام یوطی کی روایت کو ترجیح دی گئی ہے اور ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ اصل غلطی کا سبب ہی یہ غلط نظریہ ہے۔ سچ ہے کہ ۵

نخست اول چوں نہ معیار کج

تا اثر یا میرود دیوار کج

(۱۱) کا جواب یہ ہے کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام شافعیؒ جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے قرآن کے قائل نہ تھے بلکہ امام کے سورۃ فاتحہ ختم کر چکنے کے بعد سکتہ میں سورۃ فاتحہ کے قائل تھے کیونکہ بحالت جہر امام مقتدی کی قرآن خلافت اجماع اور شاذ ہے۔ یہ عبارت تو مؤلف خیر الکلام کے مدعی کے مطابق نہیں۔ وہ تو جہر میں بھی قرآن فرض قرار دیتے ہیں۔ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وقال فی الجدید یقرأ الفاتحة فقط فی سکنات الامام۔ امام شافعیؒ کا قول جدید یہ ہے کہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے لیکن سکنات امام میں۔

(تفسیر جلد ۲، ص ۲۸۰)

اس سے معلوم ہوا کہ بحالت جہر امام شافعیؒ بھی مقتدی کے لیے قرآن کے قائل نہ تھے اور ہم نے اسی کتاب میں باحوالہ مبسوط بحث کر دی ہے کہ سکنات امام کا جن میں مقتدی قرآن کر سکیں شریعت سے کوئی ثبوت نہیں جس کا کوئی معقول جواب مؤلف مذکور نے نہیں دیا۔ الغرض امام شافعیؒ کی کتاب الام کی احسن الکلام میں پیش کردہ عبارات اپنے مدلول پر بالکل نص صریح ہیں اور تاویلات بارہ کو بالکل قریب نہیں آنے دیتیں۔ یوں تعصب و عناد اور انکار وجود کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے جب تک نگاہ تعصب نہ بدلے گی نظریات میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہو سکتی: ۵



نہ تم بد سے نہ دل بد لا نہ دل کی آرزو بد لی !  
میں کیسے استبار انقلاب آسماں کر لوں !

امام احمد بن حنبلؒ : (المبتوئی ۲/۴۱۱) کا مسلک یہ ہے کہ وہ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرآنہ کے قائل نہ تھے۔ بلکہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآنہ کرنے کو مشاذ اور خلاف اجماع فرماتے تھے۔ اور سترہ نمازوں میں وجوب کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ مولانا مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ تمام نمازوں میں مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرآنہ کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔  
(تحفۃ الاحوذی، جلد ۱ ص ۲۵۷)

۱۔ علامہ ذہبیؒ ان کی ان الفاظ سے تعریف کرتے ہیں: شیخ الاسلام سید المسلمین، المحافظ اور المجتہد (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۷۱) محدث ابراہیم حمیریؒ کہا کرتے تھے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے اولین اور آخرین کے علوم جمع کر دیے ہیں (ایضاً، امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: میں نے بغداد میں امام احمدؒ سے بڑا فقیہ و عالم اور افضل کوئی نہیں دیکھا۔) (بغدادی جلد ۲ ص ۳۱۹، تذکرہ جلد ۲ ص ۱۸۷، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۳۳۵) اور نیز فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد سے نکلا تو میں نے امام احمدؒ سے بڑا فقیہ، زامد اور متوسع اور عالم کوئی وہاں نہیں چھوڑا (تہذیب التہذیب ص ۷۳) علامہ خطیبؒ ان کی تعریف یوں کرتے ہیں: امام المحدثین، الناصر للدين، المناضل (یعنی مدافعت کرنے والے) عن السنۃ اور الصابر فی المحنة (بغدادی جلد ۴ ص ۴۱۲) نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں: امام احمدؒ امام سنت و مقتداۃ ملت است (تقصیر ص ۹۲)

۲۔ امام احمدؒ کا یہ مسلک معنی ابن قدامہ جلد ۱ ص ۶۰۶، تنوع العبادات ص ۸۶، روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۵۔ اور تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۷ وغیرہ میں مذکور ہے۔

۳۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۲۹ و تنوع العبادات ص ۸۷ میں اس کی تصریح ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

بخلاف وجوبها فی حال البحر فانہ  
یعنی سورۃ فاتحہ کا جہری نمازوں میں امام کے پیچھے  
شاذ حتیٰ نقل احمد الاجماع علی  
بطور وجوب پڑھنا مشاذ ہے۔ حتیٰ کہ امام احمدؒ نے اس  
مخلو فہ۔ (فتاویٰ ۲ ص ۱۲۹)  
کے خلاف اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے۔  
(نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھیے)



ائمہ اربعہ کے مسلک کی تشریح کے بعد ضرورت تو باقی نہیں رہتی کہ ہم دوسرے ائمہ، محدثین اور فقہاء کے حوالے پیش کریں۔ بھلا حضرات ائمہ اربعہ کے اقوال کی موجودگی میں اور کس کے قول کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ان میں اکثریت ان ائمہ کی ہے جو حضرات ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کے مقلد اور ان کی علمی تحقیق کے خوشہ چیں تھے۔ مگر چونکہ فریق ثانی کی طرف سے بعض ائمہ کے مسلک نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اس لیے ہم بعض ائمہ کے اقوال عرض کرتے ہیں۔

ان میں وہ ائمہ کرام بھی شامل ہیں جو خود مستقل طور پر امام تھے اور انہوں نے کسی کی تقلید نہیں کی، بلکہ عرصہ دراز تک ان کی تقلید ہوتی رہی ہے۔

**امام ابراہیم النخعی:** (المتوفی ۲۴۱ھ) کسی نماز میں امام کے پیچھے قرآن سورہ فاتحہ کے قائل نہ تھے۔ (معنی ابن قدامہ: ۱ ص ۹۰۶، البحر النقی جلد ۲ ص ۱۶۹، شرح مقنع جلد ۲ ص ۱۱) ان کی پوری عبارت مع تشریح کے باب سوم میں ذکر کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

(نوٹ پچھلا صفحہ) مصنف خیر الکلام (دیکھو ص ۳۱) کا یہ کہنا کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ نہ پڑھے بلکہ سکنات میں پڑھے (محصلہ) قطعاً باطل اور مردود ہے کیونکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ سکنات کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ ان کے حوالہ سے آگے اپنے مقام پر بحث آئیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر ان کی مرضی کے خلاف ان کی عبارت کا مطلب لیتا کہاں کا انصاف ہے؟ اور شیخ منصور علی ناصف لکھتے ہیں:

فلو فاتحة على المأموم وعليه الجهم ورو  
مالك وابو حنيفة واحمد (فتاویٰ المأمول جلد ۱ ص ۱۸۳، شرح التاج الجامع للاصول)

اور مذہب ہے۔

۱۔ امام نووی (المتوفی ۷۴۷ھ) لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق۔ جلالت شان اور فقیہی کمال پر سب کا اتفاق ہے۔ امام شعبی نے اہل وفات کے وقت کہا کہ ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور فقیہ کوئی نہیں چھوڑا۔ لوگوں نے کہا کہ کیا حسن بصری اور ابن سیرین بھی نہیں؟ تو شعبی نے کہا کہ نہ صرف حسن بصری اور ابن سیرین بلکہ اہل بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام میں کوئی بھی نہیں۔ (تہذیب الاسرار واللغات جلد ۱ ص ۴۸) علم حدیث میں ان کے اس قدر وسیع معلومات تھے کہ مشہور حدیث اعمش رح کا بیان ہے کہ میں نے جب کبھی ابراہیم رح کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)



امام زہریؒ: (المتوفی ۲۴۰ھ) ہماری نائروں میں امام کے پیچھے قرآن سورۃ فاتحہ کے قائل نہ تھے۔  
(کتاب القراءۃ ص ۷۵، معنی ابن قدامہ جلد ۱ ص ۴۰۹، شرح منہج جلد ۱ ص ۱)

(بقیہ کچلا صفحہ) سامنے کوئی حدیث پیش کی تو انھوں نے اس میں میرے معلومات اور بڑھائے۔ بڑے  
بڑے فقہاء فقہی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ سعید بن جبیرؒ کے پاس جب کوئی فتویٰ پوچھنے  
کے لیے آتا تو اس سے کہتے، ابراہیمؒ کی موجودگی میں مجھ سے پوچھتے ہو؟

ابو دائلؒ کے پاس جب کوئی مستفتی آتا تو اس کو ابراہیمؒ کے پاس بھیج دیتے۔ اور اس سے کہ  
دیتے۔ جب وہ جواب دیں مجھے بتانا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۸۹) وہ اتنے محتاط تھے کہ  
اکثر یہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب لوگ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ڈرتے تھے اور اب  
یہ زمانہ ہے کہ جس کا دل چاہتا ہے مفسر بن بیٹھتا ہے۔ مجھے زیادہ پسند ہے کہ علم کے متعلق ایک  
کلمہ بھی سننے سے نہ نکالوں، جس زمانہ میں میں فقیہ ہوا وہ بہت ہی انحطاط کا زمانہ ہے۔ (طبقات الکبریٰ شعرا  
جلد ۱ ص ۳۶) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ العراق اور صاحب اخلاص بلند پایہ علماء میں تھے اور احادیث  
کے پرکھنے میں وہ عہد اور نقاد تھے۔ اور گننامی کی زندگی کو بہت پسند کرتے تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۶۹)

امام زہریؒ، امام ابن مدینیؒ کا بیان ہے کہ حجاز میں ثقات کا سارا علم زہریؒ اور عمرو بن دینارؒ کے درمیان تقسیم  
تھا۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۶۹) عمر بن عبد العزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ اب زہریؒ سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا  
کوئی نہیں رہا (ایضاً) عمرو بن دینارؒ جو خود بھی بہت بڑے محدث تھے فرماتے تھے کہ میں نے زہریؒ سے زیادہ  
حدیث میں کسی کو انصاف نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲۸) فقہ میں وہ بہت بلند مقام رکھتے تھے۔

مدینہ کے ساتوں مشہور فقہاء کا علم ان کے سینہ میں محفوظ تھا۔ (ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۵۱) اسی فقہی کمال کی وجہ سے وہ

مدینہ کی مجلس افتائے مسند نشین تھے۔ ان کے فتاویٰ کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ محمد بن نوحؒ نے فقہی ترتیب سے ان کو  
تین ضخیم جلدوں میں جمع کیا تھا۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۶۶) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ امام زہریؒ کے زمانہ  
میں ان سے بڑھ کر بڑا حافظ حدیث، عالم اور احادیث کی جمع و ترتیب کرنے والا اور کوئی نہ تھا (کتاب القراءۃ

ص ۷۵) حافظ ابن کثیرؒ ان کو احدا لا علم من ائمتہ الاسلام اور تابعی جلیل واعلم الناس لکھتے ہیں۔ (البدایہ

النہایہ جلد ۱ ص ۳۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زہریؒ ہمارے نزدیک حدیث تفسیر اور رجال کی توثیق کرنے  
کے امام ہیں۔ (الرسالہ للامام الشافعیؒ ص ۶۲) اور حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امام زہریؒ (بقیہ اگلے صفحہ پر)



اور اسی طرح امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۶۱ھ)۔

## امام لیث بن سعد (المتوفی ۱۷۵ھ) امام عبداللہ بن المبارک (المتوفی ۱۸۱ھ)

(بقیہ پچھلا صفحہ) اپنے وقت میں سنت اور حدیث کے بہت بڑے امام تھے۔ (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۳۵)۔  
 امام سفیان ثوری، علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، شیخ الاسلام، سید الحفاظ اور الفقیہ کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۱۹ ص ۱۹۰)۔  
 امام شعبہؒ وابن مہینہؒ اور ایک بہت بڑی جماعت یہ کہتی ہے کہ سفیانؒ فن حدیث میں امیر المؤمنین تھے۔  
 ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے گیارہ سو شیوخ سے احادیث کی سماعت کی ہے جن میں سفیان ثوریؒ سے افضل کوئی بھی نہ تھا۔ ان کی تعریف و توصیف کے لیے یہ الفاظ کیا کم ہیں؟ شعبہؒ فرماتے ہیں۔ سفیانؒ مجھ سے بڑے حافظ ہیں۔ درقلہ فرماتے ہیں: سفیانؒ نے اپنا نظیر خود بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ امام احمدؒ فرماتے تھے میرے نزدیک سفیانؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اس سرزمین پر کوئی ایسا نہیں رہا جس کے تمام امت متفق ہو۔ ہاں مگر وہ صرف سفیان ثوری ہی ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۱)۔

امام قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ سے سب چیزوں میں بڑھ کر ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۱)۔  
 علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ ائمہ مسلمین کے بہت بڑے امام اور اعلام دین کے بہت بڑے علم تھے۔ سب ان کی امامت پر اتفاق ہے۔ (بغدادی جلد ۹ ص ۱۵۲، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۱۴) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ احمد ائمہ الاسلام اور عابد متقی اور بے شمار تابعینؒ سے روایتیں کرنے والے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۳۲)۔  
 نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام سفیان ثوریؒ از اصحاب مذاہب متبوعہ بود و محدث جلیل و عارف نبیل علم را باسلوک یکجا داشت۔ (تقصیر ص ۲۷)۔

امام لیث بن سعدؒ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ امام احمدؒ ان کو کثیر العلم اور صحیح الحدیث کہتے تھے۔ ابن ندیمؒ ان کو ثقہ اور ثبت کہتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۶۱) ابن وہبؒ کا بیان ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم نے لیثؒ سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ (ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۲۵)۔  
 امام نوویؒ کا بیان ہے کہ لیثؒ کی ہمارے فقہ پر علماء کا اجماع ہے۔ اس کمال تفقہ کے باعث اپنے زمانہ میں مصر کے سب سے بڑے مفتی ہی تھے۔ (تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۲۰۷) علامہ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ وہ الامام، الحفاظ اور دیار مصر کے علماء کے شیخ اور رئیس تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۰۷) یحییٰ بن بکیرؒ کا بیان ہے کہ لیثؒ سے زیادہ کامل اور فقیہ البدن (باقی اگلے صفحہ پر نمبر ۲۰ بھی)



## امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۷ھ)

(بقیہ اور نمبر پچھلے صفحہ) میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ سعید بن ابی سبک کہتے ہیں اگر امام مالک اور لیث کسی موقع پر مجتمع ہوتے تو مالک کو ان کے سامنے لب کشائی کی ہمت نہ ہوتی۔ (بغدادی جلد ۱۳ ص ۶) امام شافعی کا بیان ہے کہ لیث امام مالک سے زیادہ احادیث اور آثار کا اتباع کرتے تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲) حافظ ابن کثیر ان کو امام فی الفقہ والحديث والقرآن سے یاد کرتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۶۶) امام احمد فرماتے ہیں کہ لیث کثیر العلم اور صحیح الحدیث تھے۔ اور نیز فرمایا کہ اہل مصر میں ان سے زیادہ اصح الحدیث اور کوئی نہ تھا (بغدادی جلد ۱۳ ص ۱۲)

۳ امام عبد اللہ بن المبارک علامہ ذہبی ان کو امام العلماء الحافظ، شیخ الاسلام، فخر المجاہدین اور قدوة الزاہدین لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۵۳) امام ابن جبار کا بیان ہے کہ ان میں اہل علم کے اتنے خصائل جمع ہو گئے تھے کہ ان کے زمانہ میں تمام روئے زمین پر کسی میں مجتمع نہ ہوئے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۸۶) امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی امامت اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ تمام چیزوں میں امام تھے ان کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے اور ان کی محبت کی وجہ سے بخشش کی توقع کی جاتی ہے۔ علامہ ابن سعد ان کو مقتدار محبت اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۸۵) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ حفظ فقہ، عربیت، زہد، شجاعت اور شعر کے مسلم امام تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۶۶)۔ علامہ خطیب فرماتے ہیں کہ وہ علم میں حق پرستوں کے گروہ میں تھے۔ اور حفظ و زہد کے ساتھ متصف تھے۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۱۵۲) مولانا مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۲۰)

۴ امام اوزاعی: علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ شیخ الاسلام اور حافظ تھے۔ اور وہ اس قابل تھے کہ ان کو وقت کا خلیفہ بنایا جاتا۔ امام ابواسحاق فزارعی کا بیان ہے کہ اگر تمام امت کا خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار مجھے دیا جائے تو میں امام اوزاعی کا انتخاب کر دوں گا۔ اہل شام اور اندلس میں ایک عرصہ تک ان کی تقلید ہوتی رہی۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۶۸) امام ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی سے فقہ اور دین کی بہت سی روایتیں منقول ہیں۔ اسی علمی قابلیت کی وجہ سے وہ اہل شام کے مفتی اعظم تھے۔ امام ابن ہدی کا بیان ہے۔ حدیث کے مرکزی امام صرف چار ہیں۔ امام اوزاعی (۲)، امام مالک (۳)، امام ثوری (۴)، امام حماد بن زید۔ نیز ان کا بیان ہے کہ اہل شام میں ان سے بڑا کوئی سنت کا عالم نہ تھا۔ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۳۹) حافظ ابن کثیر ان کو امام الجلیل علامۃ الوقت اور فقیہ اہل شام لکھتے ہیں۔ امام عبید اللہ بن عبد الکریم فرماتے ہیں: (بقیہ اگلے صفحہ پر)



امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۴۰ھ) اور امام سفیان بن عیینہ (المتوفی ۲۴۵ھ) وغیرہ جہری نمازوں میں مطلقاً اور سترے میں وجوب کے قائل نہ تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اختصاراً اپنے اس دعوے کی دلیل بھی عرض کر دیں۔ چنانچہ امام موفق الدین ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

(بقیہ پچھلا صفحہ) میں نے امام اوزاعی سے بڑا عقلمند، پرہیزگار، عالم، فصیح، باوقار، حلیم اور خاموش طبع کوئی اور نہیں دیکھا۔ (ابدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۱۵) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ وہ امام الشام فی وقتہ اور احد ائمۃ الدنیاء تھے۔ (اجتماع الجیوش الاسلامیہ ص ۸۰)

امام اسحاق بن راہویہؒ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ حافظ کبیر عالم نیشاپور۔ بلکہ جملہ اہل مشرق کے شیخ تھے۔ محدث ابو زرعہ کا بیان ہے کہ ان سے بڑا کوئی حافظ دیکھنے میں نہیں آیا۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ ان کے اتقان اور اصابت راستے پر آفرین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑا حافظ عطا فرمایا تھا۔ (تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹)

امام ابن خزیمہؒ کا بیان ہے کہ اگر وہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو وہ یقیناً ان کے علم اور فقہ کا اقرار کرتے۔ امام احمد ان کو امام من ائمۃ المسلمین کہتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۶ ص ۳۵۰) ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ اپنے زمانے میں فقہ، علم اور حفظ میں یکتا تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۱۴) سعید بن ذریبؒ کا بیان ہے کہ وہ عظیم النظر تھے۔ (بغدادی جلد ۶ ص ۳۵۰)

امام سفیان بن عیینہؒ: امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ اگر امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۹) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی امامت جلالت شان اور عظمت پر سب کا اتفاق ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہؒ سے بڑا کوئی عالم سنن نہیں دیکھا۔ (تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۲۲۳)

ابن حنبلؒ انہیں شیخ الحدیث اور احد الاعلام لکھتے ہیں: ابن ناصر الدینؒ لکھتے ہیں: سفیان بن عیینہؒ امام عالی مقام اور حرم محترم کے محدث تھے۔ (شذرات الذہب جلد ۱ ص ۳۵۴) ابن وہبؒ لکھتے تھے۔ میں نے سفیان بن عیینہؒ سے بڑا کوئی شخص قرآن مجید کا عالم نہیں دیکھا۔ (بغدادی جلد ۹ ص ۱۵۲)

علامہ ذہبیؒ ان کو علامہ، الحافظ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ امام، حافظ، محنت، وسیع العلم اور بلند قدر تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہؒ سے بڑا کوئی شخص دیکھا کہ فتویٰ دینے میں احتیاط کرتا ہو اور حدیث کی تفسیر میں بھی ان سے بہتر کوئی نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۴۲)



وجملة ذلك ان القراءة غير واجبة  
على العموم فيما جهر به الامام ولا فيما استر  
به نقص عليه احمد في رواية الجماعة و  
بذلك قال الزهري والثوري وابن عيينة  
ومالك وابو حنيفة واسحاق بن راهويه.

(معنى جلد ۱ ص ۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا  
نہ جہری نمازوں میں واجب ہے، نہ سری میں، ایک  
بڑی جماعت نے امام احمد سے اس کی تصریح نقل کی ہے  
اور یہی امام زہری، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ،  
مالک، ابو حنیفہ اور اسحاق بن راہویہ کا مسلک اور  
مذہب ہے۔

## امام شمس الدین ابن قدامہ الحنبلی:

(المتوفی ۷۱۱ھ) جن کا نام عبد الرحمن بن ابی عمر محمد بن  
احمد بن محمد بن قدامہ ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ الامام اور شیخ الاسلام تھے (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۴۳)  
فرماتے ہیں کہ

ولا تجب القراءة على المأموم هذا قول اكثر  
اهل العلم ومن كان لا يرى القراءة خلف  
الامام علي وابن عباس وابن مسعود وابو سعيد  
وزيد بن ثابت وعقبة بن عامر وجابر وابن  
عمر وحذيفة بن اليمان وبه يقول الشافعي و  
ابن عيينة واصحاب الرأي ومالك والزهري والاسود  
وابراهيم وسعيد بن جبيل قال ابن سيرين  
لا اعلم من السنة القراءة خلف الامام  
ا هـ (شرح مقنع جلد ۲ ص ۱ طبع مصر)

اور مقتدی پر قرآن واجب نہیں ہے اور یہی اکثر  
اہل علم کا قول ہے اور جو حضرات قرآن خلف الامام کے  
قابل نہ تھے ان میں خصوصیت سے حضرت علیؓ حضرت  
ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ ابو سعیدؓ زید بن ثابتؓ  
عقبة بن عامرؓ جابر بن عمرؓ حذیفہ بن الیمانؓ قابل  
ذکر ہیں اور یہی قول امام سفیان ثوریؒ سفیان بن  
عیینہؒ فقہار حنفیہ امام مالکؒ زہریؒ،  
اسود ابراہیمؒ وسعید بن جبیرؒ کا ہے اور محمد بن سیرینؒ  
فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ قرآن خلف الامام سنت ہے۔

یہ حوالہ بھی اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک مقتدی پر قرأت  
واجب نہیں ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ واتباع تابعینؒ میں مذکورین حضرات قرآن  
خلف الامام کے قابل نہ تھے اور امام محمد بن سیرینؒ قرآن خلف الامام کو خلاف سنت قرار دیتے  
ہیں اور ہم پہلے معنی کے حوالہ سے عرض کر چکے ہیں کہ امام احمدؒ امام زہریؒ، امام سفیان بن عیینہؒ



امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ سب حضرات کے نزدیک مقتدی پر جہری اور ستری کسی نماز میں قرآن واجب نہیں ہے۔ اور قاضی شوکانی نے تصریح کی ہے کہ امام اسحاق بن راہویہؒ امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ وغیرہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کے قائل نہ تھے۔  
(نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۲۳)

مولانا مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں:

وقال الزهري ومالك وابن المبارك  
واحمد واسحاق يقرأ فيما استوفيه  
الامام ولا يقرأ فيما جهر به۔  
امام زہریؒ، امام مالکؒ، ابن المبارکؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جن نمازوں میں امام آہستہ قرأت کرتا ہو، ان میں مقتدی قرآن کر سکتا ہے اور جہری نمازوں

(تحفة الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵) میں مقتدی کے لیے اس کی گنجائش نہیں ہے۔

امام ابن قدامہؒ کے حوالہ سے ابھی نقل کیا جا چکا ہے اور مبارک پوری صاحبؒ کے حوالہ سے عنقریب آئے گا کہ یہ آئمہ باوجودیکہ ستری نمازوں میں قرآن خلف الامام کے قائل تھے۔ لیکن وجوہ کے قائل نہ تھے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ: (مق ۱۵۹ ص) بھی مقتدی کے لیے قرأت کو درست نہیں سمجھتے

تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

ان كان مأموما ينصت الى قراءة  
الامام ويفهمها۔  
اگر نماز پڑھنے والا مقتدی ہے تو اس کو امام کی قرأت کے لیے خاموش رہنا چاہیے اور اس کی قرأت

(غنیۃ الطالبین، طبع مصر، ص ۶۴۲) کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگر ظاہری الفاظ پر نگاہ ڈالی جائے تو ان سے یہی قیاد رہ سکتا ہے کہ موصوف مقتدی کا تمام نمازوں میں یہ وظیفہ تیار ہے کہ وہ نہایت توجہ اور دلجمعی کے ساتھ امام کی قرآن کو سنے اور خود خاموش رہے اور اگر اس امر پر بھی وہ بیان رکھا جائے کہ صاحب موصوف امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد تھے۔ تو اس عبارت

علامہ ذہبیؒ ان کو الشیخ اور القدوة لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۴۲) علامہ سیوطیؒ ان کو الشیخ لکھتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۰۵) اور حافظ ابن القیمؒ ان کو الشیخ الامام العارف اور قدوة العارفين لکھتے ہیں (اجتماع البحوش

الاسلامیہ ص ۱۱) نواب صاحبؒ ان کو امام الصوفیہ لکھتے ہیں۔ (الجنة فی الاموة الجنة بالسنة ص ۳۱)

۵۲ اگلے صفحہ پر دیکھئے



سے جہری نمازوں میں ممانعت ثابت ہوگی۔ اور چونکہ امام احمد ستری نمازوں میں وجوب قرآن کے قائل نہیں تھے۔ اس لیے صاحب موصوف کا مسکب بھی یہی ہوگا۔

**شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (المتوفی ۷۲۸ھ)** مسئلہ خلف الامام پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ امام کے جہر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ پڑھے اور مقتدی سنیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام جہری نمازوں میں جب **وَلَا الضَّالِّينَ** پڑھتا ہے تو مقتدی بھی آمین کہتے ہیں اور ستری نمازوں میں چونکہ مقتدی سنتے نہیں۔ اس لیے وہ آمین بھی نہیں کہتے۔ اگر امام بھی قرأت کر رہا ہو اور مقتدی بھی پڑھتے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو سناؤ جو اس کے لیے آمادہ نہیں اور ایسی قوم کو خطبہ اور وعظ کہو جو توجہ نہیں کرتی۔ اور یہ ایسی کھلی حماقت ہے جس سے شریعت منظرہ کا دامن بالکل پاک ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص خطبہ امام کے وقت باتیں کر رہا ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لاد گیا ہو۔ ایسا ہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتا ہو۔“

(فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، جلد ۲ ص ۱۴۷)

یعنی نہ گدھا کتابوں سے فائدہ ہو سکتا ہے اور نہ مقتدی قرأت امام سے۔ غور کیجئے کہ کتنی نازک تشبیہ ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں کو گدھے سے مثال دی گئی ہے۔

(نمبر پچیس صفحہ کا) نواب صاحب فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کہ در طبقات صوفیہ سرخیل طوائف اولیاء سنت انجام کار در مذہب احمد بن حنبلؒ انتقال بر حمت الہی فرمود اور انیز در مجتہدین شمرده اند جم غفیر از حنفیہ قدیماء و حدیثاً مریدان خانوادہ و آخذ طریق ادست“ (ہدایۃ السائل ص ۲۸۲)

لے علامہ ذہبیؒ ان کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام، علامہ، الحافظ، الناقد، المفسر، المجتہد، عالی قدر رئیس الزہاد، یگانہ دریاں، بحر العلوم، الذکی، الشجاع، السخی اور لکھتے ہیں کہ مخالف اور موافق سب ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔“ (مذکرہ جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں: ”کہ وہ شیخ الاسلام، امام الائمہ اور مجتہد مطلق تھے۔ علامہ

ابن حزم کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ہم پایہ کوئی امام پیدا نہیں ہوا۔“ (تقصیر ص ۷۶)

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں: ”شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ علامہ اسلام میں بلحاظ جامعیت علوم و فنون خصوصیت سے ممتاز ہیں۔“ (تفسیر واضح البیان ص ۳)



قارئین کرام! اگرچہ ہر نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کرنے کی کچھ بھی اجازت ہوتی یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خزانہ معلومات میں ممانعت پر کوئی وزنی دلیل اور امت کی اکثریت کی معیت نہ ہوتی تو یقیناً وہ کبھی ایسی نازک تشبیہ نہ نقل کرتے اور یہی شیخ الاسلام ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں :

والا مرباستماع قرآن الامام و  
الانصاف لمدکوفی القرآن و فی  
السنة الصحيحة و هو اجماع الامة  
فما زاد علی الفاتحة و هو قول جمیع  
السلف من الصحابة فی الفاتحة و غیرها  
و هو احد قولی الشافعی و اختارہ طائفة  
من حذائق اصحابہ کالرازی و ابی  
محمد بن عبد السلام فان القراءة مع  
جهل الامام منکر مخالف القرآن و  
السنة و ما کان علیہ عامة الصحابة  
(تنوع العبادات ص ۸)

امام کی قرآن سننے اور اس کے لیے چپ ہونے  
کا حکم قرآن کریم اور صحیح حدیث میں مذکور ہے اور  
اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ مقتدی پر سورۃ  
فاتحہ کے بعد اور کوئی قرأت نہیں ہے اور یہی جمہور  
اور اکثر حضرات صحابہ کرام کا مسلک ہے کہ مقتدی  
پر نہ سورۃ فاتحہ کی قرأت ضروری ہے اور نہ کوئی اور  
سورۃ۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور ان  
کے پیروکاروں کے گروہ میں جو بڑے ماہر تھے۔ مثلاً  
امام رازی اور امام ابن عبد السلام ان کا بھی یہی قول  
ہے اور اسی کو انھوں نے پسند کیا ہے۔ کیونکہ جہر  
امام کے وقت مقتدی کا پڑھنا قرآن کریم اور سنت

کے خلاف بھی ہے۔ اور فی نفسہ بڑا بھی ہے اور اکثر حضرات صحابہ کرام کے تعامل کے بھی سراسر خلاف ہے۔  
حضرت امام شافعی وغیرہ کا مسلک پوری تفصیل کے ساتھ پہلے نقل کیا جا چکا ہے، عا عا دہ  
کی ضرورت نہیں ہے۔ اور شیخ الاسلام کی عبارت بھی بڑی صاف اور واضح ہے۔ مزید تشریح  
کی محتاج نہیں ہے اور ہم شیخ الاسلام کے حوالہ سے پہلے نقل کر آئے ہیں کہ امام احمد سے وہ  
نقل کرتے ہیں کہ جہری نمازوں میں مقتدی کا امام کے پیچھے قرآن کرنا شاذ بھی ہے اور خلاف  
اجماع بھی۔ اور لکھتے ہیں کہ امام احمد کے نزدیک نہ جہری نمازوں میں مقتدی پر قرأت  
واجب ہے اور نہ ستر نمازوں میں۔  
(تنوع العبادات ص ۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ستر نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کرنے کے قائل تھے جیسا کہ



انھوں نے اپنے فتاویٰ (جلد ۲ ص ۱۲۹) میں اس کی تصریح کی ہے، لیکن چونکہ وہ حنبلی تھے اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ ان کا مسلک بھی امام احمد بن حنبلؒ کی طرح صرف استحباب کا ہونا چاہیے، نہ کہ وجوب کا۔ اور امام ابن قدامہ کی عبارت ستری نمازوں میں عدم وجوب کی پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ مؤلف خیر الکلام ص ۳۱ و ۳۲ پر لکھتے ہیں کہ ان کے ہاں سکنات امام میں پڑھنے سے بھی فرض ادا ہو جاتا ہے (محصلاً) لیکن اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ آئے گا کہ شیخ الاسلام سکنات کے قائل نہیں ہیں اس لیے یہ توجیہ مردو ہے۔ رہا شیخ الاسلام کا حنبلی ہونا؛ تو اس پر سینکڑوں حوالے نقل کیے جاسکتے ہیں مگر ہم صرف نواب صدیقی حسن خاں صاحب کے ایک حوالے پر اکتفا کرتے ہیں کہ شیخ الاسلام کو شیخ الخانبہ لکھتے ہیں۔ (الجنة في الاسوة الحسنة بالسنة ص ۳۸)

حافظ ابن القيمؒ: (المتوفى ۷۵۱ھ) مسئلہ خلف الامام کی تحقیق میں ارشاد فرماتے ہیں: کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتدی پر سے سجدہ سہو ساقط کر دیا ہے۔ بایں طور کہ امام کے پیچھے مقتدی کے بھولنے سے مقتدی پر سہو لازم نہ ہوگا۔ یعنی جب امام کی نماز صحیح ہو گئی تو مقتدی کی نماز بھی صحیح ہوگی۔ اسی طرح آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی ساقط کر دیا ہے، کیونکہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔ آگے لکھتے ہیں:

فقراء الامام وسترته قراءة لمن خلفه یعنی امام کی قرآن مقتدیوں کی قرآن ہے اور امام وسترتہ لہ۔ (کتاب الروح لابن القيم ص ۱۶۶)

کاسترہ مقتدیوں کا سترہ ہے (ذان کو الگ قرآن کی ضرورت ہے اور نہ سترہ کی) لہ امام سیوطی لکھتے ہیں کہ انھوں نے تصنیف کتب، مناظرہ اور مسائل کے استنباط میں بڑی جدت کی اور محنت اٹھائی ہے۔ حتیٰ کہ علم حدیث، تفسیر اور فقہ میں وہ کبار ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ (بغیۃ الوعاة ص ۲۵)

ملا علی قاری حنفی المتوفى ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القيمؒ کا بطلان السنۃ والجماعت میں تھے۔ اور اس امت کے ادلیار میں ان دونوں کا شمار ہوتا ہے۔ (جمع الوسائل شرح شامل طبع مصر، جلد ۱ ص ۲۸)

نواب صدیقی حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ وہ المتکلم الحافظ اور الامام تھے۔ (دلیل الطالب ص ۹)

اور دوسرے مقام پر یوں بھول برساتے ہیں۔ علامہ کبیر مجتہد مطلق تمام علوم و فنون میں اپنے معاصرین پر تفوق رکھنے والے اور مذاہب کے جانتے میں تمام آفاق میں مشہور اور علوم کے سمندر تھے۔ (نقصار ص ۱۵)



یہ مضمون بھی نہایت روشن ہے اور غیر مبہم۔ مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) ان کو بھی بعض حضرات نے (جن میں مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوریؒ بھی شامل ہیں۔ دیکھیے (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۵ وغیرہ) مجوزین قرآن خلف الامام میں شامل کر لیا ہے۔ حالانکہ معاملہ یوں نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

فان جہل الامام لم یقرأ الا عند الرسکات  
وان خافت فله الخیرۃ۔  
اگر امام جہر سے قرأت کرتا ہو تو مقتدی کو اس کے پیچھے قرآن نہیں کر فی چاہیے، ہاں مگر سکتا امام میں اور

(حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۹ طبع مصر) ستری نمازوں میں مقتدی کو اختیار ہے چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اور دوسرے مقام پر اسے لکھا ہے کہ سکتا امام کا کیا کہاں اور کتنا ثبوت ہے؟ اور یہ بھی کہ آیت مذکورہ ستری نمازوں کو بھی شامل ہے نہ کہ فقط جہری نمازوں کو۔ لیکن یہ بات بالکل عجیب ہو جاتی ہے۔ کہ شاہ صاحب قرآن خلف الامام کے جہری نمازوں میں مطلقاً اور ستری نمازوں میں وجوب کے قائل نہ تھے۔

قاضی مقبول احمد صاحب نے مقالات احسن الکلام ص ۱۷ اور الاعتصام اسرار اگست ۱۹۹۲ء، ص ۵۵ کالم ۲ میں خاصا وادیا کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصنف احسن الکلام نے حضرت شاہ ولی صاحبؒ کی عبارت کے نقل کرتے ہیں خیانت کی ہے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی غلط ترجمانی کی بخلاف اس کے مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوریؒ نے صحیح ترجمانی کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ کی یہ عبارت مضمون کہی گئی ہے اور اگر پڑھے تو سورہ فاتحہ کو اس طرح پڑھے کہ امام کو غلبان میں ڈال دے۔ اور میرے نزدیک یہ بہتر قول ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۷ مقالات احسن الکلام)

لہٰذا اب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وہ المحدث اور المشہور تھے۔ (اکسیرؒ) نیز لکھتے ہیں کہ وہ الشیخ الاجل اور المحدث تھے۔ (الجنة ص ۳۸) مولانا میر سیاکوٹیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بعد اس وقت تک ہندوستان میں تو ایسا شخص نہیں ہوا کہ اسے امام کہہ سکیں اور دوسرے ممالک کا حال خدا جانے۔



اور الاعتصام میں لکھتے ہیں کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکپوری کی یہ عبارت بھی نقل کر دی جائے تاکہ قارئین اچھی طرح اندازہ فرما سکیں کہ شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ کا مسلک بیان کرنے میں کس نے غلطی کی ہے۔ مولانا مبارک پوری نے یا مولانا سرخس نے؟

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی باوجود خفی المذہب ہونے کے امام کے پیچھے الجھ پڑھنے کو اولی الاقوال بتایا ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۵) آپ دونوں عبارتیں ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کہ کیا مولانا عبد الرحمن مبارک پوری نے شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی غلط ترجمانی کی ہے یا مولوی سرخس نے؟

الجواب: قاضی صاحب غصہ جانے دیجئے احسن الکلام کے ٹھوس دلائل اور محکم براہین نے آپ کے اور آپ کی جماعت کے دماغ کو ضرور ماثوت کر دیا ہے اور دل کی بھڑاس نکالنے کے اور اپنے متعصب حواریوں کو یہ باور کرانے کے لیے کہ مغالطات احسن الکلام ہماری طرف سے مکمل جواب ہے یا الاعتصام میں سوچے سمجھے چند مضامین درج کر کے احسن الکلام کا جواب تصور کر لینا علمی و نسب میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ہاں اپنے جذباتی حواریوں کو جماعت میں مسلک رکھنے کے لیے قدرے سنبھالا ہو سکتا ہے۔ مگر تاہم کہ یہ لوگ دلائل دیکھا کرتے ہیں۔ ہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی مکمل عبارت نقل کرتے ہیں اور قارئین کرام سے التماس کرتے ہیں کہ وہ انصاف سے فرمائیں کہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں خیانت کس نے کی ہے؟ آیا مولانا مبارک پوری صاحب اور ان کے وکیل قاضی مقبول احمد صاحب نے یا سرخس نے؟ حضرت شاہ صاحب کی عبارت مع ترجمہ یہ ہے:

وان کان مأموراً بوجوب علیہ الانصات

اور اگر وہ مقتدی ہو تو اس پر خاموش رہنا اور سننے

کے لیے توجہ کرنا واجب ہے۔ پس اگر امام جہ سے پڑھے تو

والاستماع فان جہرا الامام لم یقرأ الا

مقتدی قرآن نہ کرے مگر سکتے ہیں اور اگر امام آہستہ پڑھے

عند الاستسکات وان خافت فله الخیر فان

تو مقتدی کو اختیار ہے پس اگر مقتدی پڑھے تو فاتحہ پڑھے

قرا علیہم الفاتحة قرآن لا یشوش علی الامام

اس طرح کہ امام کو خلل میں نہ ڈالے اور یہ میرے نزدیک سب سے

وهذا ولی الاقوال عندی وبہ یجمع بین

بہتر قول ہے اور نہ ہی اس باب کی حدیثیں باہم جمع کی جاسکتی

احادیث الباب والسترفیہ ما نص علیہ من

ہیں اور راز اس میں یہ ہے کہ مشارع نے صراحت کی سادہ

ان القرآن مع الامام تشوش علیہ وتفتوت



التدبر وتخالف تعظیم القرآن ولحمہم

علیہم ان یقرؤا سرائر ان العامة متی

ارادوا ان یصححوا الحروف باجمعہم

کانت لہم لجة مشوشة فسجل فی

النہی عن التشویش ولم یحزم علیہم مایود

الی المنہی وابقی خیرة لمن استطاع و

ذلک غایتہ الرحمة بالامة انتھی۔

(حجة الله البالغة جلد ۲ ص ۷ طبع مصر)

بتایا ہے کہ امام کے ساتھ قرآن کرنا اس کو خلل میں ڈالتا ہے

اور تدبر کو فوت کر دیتا ہے اور تعظیم قرآن کے مخالف ہے۔

اور تاکید ان کو نہیں فرمایا کہ وہ ضرور آہستہ پڑھیں کیونکہ

عام لوگ جب مل کر تصحیح حروف کا ارادہ کریں گے تو ان کی

آواز بلند ہوگی جو باعث تشویش ہوگی جو اس تشویش کی

نہی میں تو تاکید کی ہے مگر آہستہ پڑھنے کی تاکید نہیں کی

جو اس بہنوے خیر تہا ان کو پہنچائے اور اختیار دیا گیا ہے کہ جو

پڑھ سکتا ہے پڑھے اور یرامت کے ساتھ انتہائی رحمت ہے۔

یہ تمام خط کشیدہ عبارت قاضی مقبول احمد صاحب شیر مادر سمجھ کر پی گئے ہیں جس سے ستری نمازوں

میں قرآن کرنے اور نہ کرنے کے اختیار کا راز نکلتا ہے۔ اور فان قرأ فلیقل الخ کا (جو دل خافت

قلہ الخیرة کی تفسیر ہے) معنی اور اگر پڑھے الخ کر کے اپنی لیاقت کا ثبوت دیا ہے اور غصہ ہم

پر آ رہا ہے کہ غلط ترجمانی ہم نے کی ہے۔ یہ ہے فریق ثانی کے علماء کا علم اور لیاقت سبحان اللہ تعالیٰ

قاضی صاحب! حضرت شاہ صاحب حروف فلک کے ساتھ (جو تفریع اور ترتیب کے لیے ہوتا ہے)

یہ فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی نے ستری نمازوں میں پڑھنے کی شق کو اختیار کیا تو اس طرح فاتحہ پڑھے کہ

امام کے لیے باعث تشویش نہ ہو حرف واؤ کے ساتھ بیان نہیں کر رہے جس کا معنی اور اگر پڑھے

الخ اور المستفیہ سے آہستہ پڑھنے کا اور الخیرة کا راز بیان فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب

نے تمام ستری اور بھری نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کو اولی الاقوال نہیں فرمایا جیسا کہ مبارکپوری صاحب

دھوکہ کھایا ہے اور قاضی صاحب موصوف دھوکہ دہی پر کمر بستہ ہیں کسی عربی کے ماہر ثالث سے فیصلہ

کرالیں کہ اس کا مطلب سرفراز ٹھیک بیان کر رہا ہے؟ یا مبارکپوری صاحب جو فرماتے ہیں وہ درست ہے؟

جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں ہوتی

خدا نے مجھ کو دیا ہے دل خبیر و بصیر!

قارئین کرام! آپ کو اس مابین بحث سے یہ اندازہ یہ خوبی ہو گیا ہو گا کہ حضرات صحابہ

کرام اور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ اربعہ اور ان کے علاوہ امت کی اکثریت کے نزدیک



جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرآن کو جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ وہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا شاذ، مخالف قرآن و سنت اور مخالف اجماع سمجھتے تھے اور سہری نمازوں میں بھی اُمت کی اکثریت وجوب قرآن کی قائل نہ تھی۔ اس بحث کے پیش نظر فریق ثانی کے یہ باطل اور بے بنیاد دعاوی کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے بے نماز مفسدین صلوٰۃ اور تارکِ سنت ہیں اور ان کے ساتھ مُباہلہ تک کیا بھی صحیح ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ کہاں تک صحیح ہیں؟ اور ان کے غلو آمیز اور شرانگیز گستاخانہ کلمات سے کون امام بچ سکتا ہے؟ ہم نے محض نمونہ کے طور پر بعض حضرات ائمہ کی عبارتِ مقدمہ میں درج کی ہیں۔ ان کے علاوہ باب اول میں آیت کی تفسیر میں حضرات تابعین و اتباع تابعین کے جو آثار بیان ہوں گے۔ نیز باب سوم میں آثار حضرات صحابہ و تابعین کے تحت جو آثار ذکر کیے جائیں گے۔ وہ ان کے علاوہ ہیں اور اگر آپ کی نزاکت طبع و قلبت فرصت کا خیال دل کی گہرائیوں میں دب دب کرنے ابھرنا تو ہم ان کو بھی مقدمہ میں جگہ دیتے۔ کیونکہ

رہ رواں راستگی راہ نیست  
عشق ہم راہ ہست ہم خود منزل است

اب ہم مقدمہ میں انہی اقتباسات پر اکتفا کرتے ہوئے صرف حضرت امام احمد بن حنبل کی ایک جامع و مانع عبارت نقل کرتے ہیں۔ بغور پڑھیے۔ امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

قال احمد ما سمعنا احدا من اهل	امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ہم نے اہل اسلام میں کسی
الاسلام يقول ان الامام اذا اجلس	سے نہیں سنا۔ جو یہ کہتا ہو کہ جب امام جہر سے قرآن کرتا ہو
بالقراءة لا يجزئ صلوٰۃ من صلت	اور مقتدی اس کے پیچھے قرآن نہ کرے تو مقتدی کی
خلفه اذا الحريق وقال هذه النبی	نماز باطل اور فاسد ہو جاتی ہے اور فرمایا یہ آنحضرت صلی
صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ والتابعون	اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اور یہ آپ کے صحابہ اور تابعین ہیں
وهذا ما لک فی اهل الحجاز وھذا الثوری	اور یہ امام مالک ہیں اہل حجاز میں اور یہ امام ثوری ہیں

لے اور نواب صدیقی حسن خان صاحب دارقطنی کے حوالے سے ایک روایت رجالہ کلم ثقات کے الفاظ سے نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ حدیث دلیل است بر عدم قرآنہ چیزیں درپس امام در حالت جہرام و لہذا احمد

گفتہ ما سمعنا احدا يقول ان الامام اذا اجلس بالقراءة لا يجزئ صلوٰۃ من لم يقراء۔ اھ  
(ہدایۃ السائل ص ۱۹۳)



اہل عراق میں اور یہ امام اوزاعی ہیں اہل شام میں اور یہ  
امام لیث بن سعد ہیں اہل مصر میں ان میں سے کسی نے  
یہ نہیں کہا کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے اور اس کا امام  
قرآن کرے اور مقتدی خود قرآن نہ کرے تو اس کی نماز  
باطل اور فاسد ہو جاتی ہے۔

فی اهل العراق وهذا الزاعی فی اهل الشام  
وهذا الليث فی اهل مصر ما قال الرجل  
صلی وقرأ امامه ولم یقرأ هو صلواته  
باطلة۔ (مغنی ابن قد اصبح اھن بعینہا  
یہ عبارت شرح منقح جلد ۲ ص ۱۱۱ میں بھی ہے)

### درماندگی:

مصنف خیر الکلام نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی اس واضح اور صریح عبارت کا جو جو  
دیا ہے اس کو پڑھ کر ان کی علمی حالت پر بے ساختہ ترس آتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ  
(۱) اس کا مطلب بھی یہی لینا چاہیے کہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنا کسی کے نزدیک ضروری نہیں  
بلکہ قرآن کا فرض ہے (جن کے ہاں قرآن فرض ہے) سکتا ہے میں ادا ہو سکتا ہے۔ (الخ) (خیر الکلام ص ۳۲)  
(۲) یا امام احمد بن حنبلؒ کی عبارت کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اس لیے کسی کی تحقیق  
میں فاتحہ فرض نہ ہو تو وہ جہری نمازوں میں نہ پڑھے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے باقی رہا یہ سوال کہ امام  
صاحب نے جہر کی قید کیوں لگائی ہے اس اختلافی مسئلہ میں تو جہر اور مستر برابر ہے اس کی وجہ یہ ہے  
کہ مستری نمازوں میں منع کی چونکہ کوئی دلیل نہیں اس واسطے بعض علماء نے اس کو اختلافی مسئلہ  
قرار نہیں دیا بلکہ اتفاق سمجھ کر یہ فتویٰ لگایا کہ مستری نمازوں میں جو شخص نہ پڑھے اس کی نماز باطل  
ہے۔ الخ (صل خیر الکلام)

(۳) بعض حنفیہ (احسن الکلام ص ۲۴) نے علامہ کی عبارت سے قرآن امامہ امام پڑھ رہا ہو گا  
جملہ حذف کر دیا ہے پھر امام احمد بن حنبلؒ سے یہاں اوزاعی اور لیث کا نام بھی نقل کر دیا ہے حالانکہ  
امام ابن عبد البرؒ نے ان دونوں سے فاتحہ کی فرضیت نقل کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ  
کو ان کے اس قول کا علم نہیں۔ الخ (ص ۳۳ و ۳۴)

الجواب: یہ ہے فریق ثانی کے رئیس الحدیث قدوة السالکین اور استاذ الاساتذہ کا

جواب جس میں ایک رتی جان بھی نہیں ہے۔ ترتیب وار سنئے:

۱۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سکتا کا مسئلہ نہیں بیان فرما رہے بلکہ تصریح کرتے ہیں جہری



نمازوں میں امام کے پیچھے مطلق قرآن نہ کرنے والے کی نماز تمام اہل اسلام کے نزدیک جائز ہے اور اس کا ایک شخص بھی منکر اور مخالف نہیں ہے۔ اگر امام احمد بن حنبلؒ کے علم میں یہ ہو تا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (یا کوئی اور) اس کا مخالف ہے تو باوجود قرب زمانے کے بلکہ امام شافعیؒ کا شاگرد ہونے کے (دیکھیے تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۷۷) کبھی یہ دعویٰ نہ کرتے کہ اہل اسلام میں اس کا کوئی قائل نہیں۔ چودھویں صدی کے مجتہدین کا تو انھیں کوئی علم نہ تھا تا کہ ان کے لیے کوئی گنجائش چھوڑ دیتے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا یہ ارشاد امام شافعیؒ کے مسلک کی وضاحت کے لیے ایک مستقل دلیل ہے اور اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ امام کے پیچھے قرأت ترک کر نیوالے کی نماز بالکل صحیح ہے۔

ع ۲۔ امام احمد بن حنبلؒ تو ہماری نمازوں میں تمام اہل اسلام کا اتفاق نقل فرماتے ہیں۔ پھر ان کی عبارت کا مطلب چونکہ یہ مسئلہ اختلافی ہے انہیں کس طرح صحیح ہوا۔ رہا سہری نمازوں کے بارے میں مصنف خیر الکلام کا یہ فرمانا کہ چونکہ دلیل نہیں .... انہی (محصلاً) ممکن ہے اس چونکہ سے ان کے حواری تو شاید مطمئن ہو جائیں مگر علمی دنیا کبھی اس چونکہ سے مطمئن نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سہری نمازوں میں بھی عدم قرأت کی دلیل ایک نہیں کئی ٹھوس دلائل ہیں اور صرف ایک برہان نہیں بلکہ متعدد براہین موجود ہیں۔ اور یہ مسئلہ بھی خاصا اختلافی ہے اور جو حضرات پڑھنے کے قائل ہیں۔ مثلاً، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ تو وہ بھی سہری نمازوں میں وجوب کے قائل نہیں ہیں سوائے گئے چھ پختہ حضرات کے کوئی امام سہری نمازوں میں قرآن نہ کرنے والے کی نماز کے بطلان کا ہرگز قائل نہیں اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

ع ۳۔ قدوة السالکین کا تعصب ملاحظہ ہو کہ یہ حسن ظنی ان کے قلب مبارک میں پیدا ہی نہیں ہوتی کہ یہ لفظ چھوٹ گیا ہے بلکہ فرماتے ہیں حذف کر دیا ہے اور خیر الکلام ص ۵۵ مناقشہ ۹ میں لکھا ہے کہ اس عبارت میں سے جملہ و قرأ احامہ اور اس کا امام پڑھتا ہو چھوڑ دیا ہے تاکہ جہری و سہری سب نمازوں کو یہ فتویٰ شامل ہو۔ انتہی بلفظہ۔ فریق ثانی کے رئیس الحدیث کو معلوم ہوتا چاہیے کہ احسن الکلام جلد ۱ ص ۲۴ پر جہاں یہ عبارت نقل کی گئی ہے اس کے ترجمہ میں یہ لفظ موجود ہیں کہ جب امام جہر سے قرآن کرتا ہو انہی اس کی موجودگی میں یہ احتمال کہاں سے اور کیونکہ پیدا ہوا کہ سہری نمازیں بھی اس میں شامل ہوں جب کہ راقم کے نزدیک سہری کو یہ شامل ہی نہیں تو سب کو شامل



ہونے کا کیا معنی؟ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ چار سو صفحات کی کتاب میں کسی ایک آدھ جملہ کا چھوٹ جانا یا کتابت میں غلطی کا واقع ہونا غیر اغلب نہیں ہوتا۔ آپ کے ذہن مبارک سے ان بعض الظن اثم کیوں نکل گیا؟ باقی امام عبدالبر سے بدرجہا زیادہ امام احمد بن حنبل امام اوزاعی اور امام لیث کے مسلک کو جانتے ہیں۔ مجتہد مطلق بھی ہیں اور قرب زمانہ بھی ہے اور یہ حوالہ علامہ ابن قدامہ کے علاوہ اور دیگر ثقہ اور ثبت حضرات محدثین عظام نے بھی نقل فرمایا ہے۔ اس لیے اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کا علم بالکل صحیح ہے اور مؤلف خیر الکلام کی بات پر گاہ کی حقیقت بھی نہیں رکھتی۔

### اقرار کے ساتھ انکار کی دم:

مصنف خیر الکلام نے جب بخوبی یہ محسوس کر لیا کہ حضرت امام احمد بن حنبل کی اس ٹھوس اور واضح عبارت کے جواب میں میری کہی ہوئی سینہ زادیاتیں ناکام ہیں تو آخر میں اقرار بھی کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے قول کا مطلب وہی ہے جو ناقل (سرفراز) نے سمجھا ہے تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ امام احمد بن حنبل نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تاویل کی ہے اور صحابہ کرام کے اقوال ان کو بسند صحیح نہیں پہنچے۔ مگر امام بخاری اور دیگر محدثین کو وہ اقوال بسند صحیح پہنچ گئے اس لیے انھوں نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے۔ اس کی تاویل نہیں کی جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے تاویل کی ہے۔ اسی ان قال بہر صورت اس اختلافی مسئلہ میں ایک امام کی رائے ہے جو دوسرے ائمہ حدیث خصوصاً امام بخاری (جو بتقل حافظ ابن حجر امام احمد سے فقہ اور حدیث میں بیگانہ سے زیادہ ہیں۔ مقدمہ فتح الباری ص ۵۷) کی رائے کے خلاف ہے پس کسی صورت میں یہ قابل التفات نہیں۔ (خیر الکلام ص ۳۵۳ و ۳۵۴)

الجواب: حضرت امام احمد بن حنبل اس مقام پر اہل اسلام کا متفقہ فیصلہ اور ائمہ مذکورین کا اجماع نقل کر رہے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے والے کی نماز فاسد اور باطل ہونے کا کوئی قائل نہیں۔ حدیث کی تاویل اور عدم تاویل کا ذکر وہ یہاں نہیں فرما رہے وہ تو اہل اسلام کا متفقہ فیصلہ نقل فرما رہے ہیں اور حضرات صحابہ کرام کے اقوال اگر امام احمد بن حنبل کو بسند صحیح نہیں پہنچے تو



اور کس کو پہنچے ہیں؟ اور جو اقوال حضرت امام بخاریؒ کو بقول مصنف خیر الکلام بسند صحیح پہنچے ہیں ان کا حال بھی اپنے مقام پر احسن الکلام جلد دوم میں واضح کر دیا گیا ہے جن کو مؤلف مذکور نے تنکوں کا سہارا دے کر تھامنے کی بے جا سعی کی ہے مگر سب سے بڑا پھر بھی نہیں۔ رہا یہ کہ امام بخاریؒ امام احمد بن حنبلؒ سے بیس گنا فقہ و حدیث میں زیادہ ہیں۔ صرف عقیدت کی نقل سے کچھ نہیں بنتا۔ اس کا قائل اور اس کا درجہ معلوم ہونا چاہیے اور اس کی علمی شہرت اور اکثر امت کا اعتقاد باحوالہ درکار ہے۔ محض نقل کی حیثیت کیا ہے؟ اور اگر وہ کوئی معتبر امام ہے تو یہ صرف ان کی غلو فی العقیدت کا اظہار ہے۔ حضرت امام بخاریؒ کا جو مقام حدیث و فقہ میں ہے اس کا کون منکر ہے یا ہو سکتا ہے؟ لیکن حدیث و فقہ میں جو مقام حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ہے وہ حضرت امام بخاریؒ کا نہیں ہے اس لیے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ بالاتفاق ائمہ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں اور حضرت امام بخاریؒ کے متعلق مختلف آراء ہیں کوئی ان کو مجتہد مطلق کہتا ہے اور کوئی مجتہد فی المذہب کہتا ہے۔ اور امام شکیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ان کو شافعی بتاتے ہیں ہم نے بقدر ضرورت طائفہ منصورہ میں اس پر باحوالہ بحث کی ہے اور امام بخاریؒ بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فقہی مسائل میں امام شافعیؒ اور امام ابو عیینہؒ کے خوشہ چین اور ان کی کتب سے استمداد کرتے ہیں۔ اس لیے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہمارے لیے دونوں دل کا نور اور آنکھوں کا سرور ہیں مگر فرق مراتب ضرور ہے لہذا حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے اس واضح اور روشن حوالہ کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور نہ علمی دنیا میں اس کو باور کرنے کے لیے کوئی تیار رہے۔ اور یہ صرف امام حضرت احمد بن حنبلؒ ہی کی رائے نہیں بلکہ جہور حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؓ تابعین اور ائمہ دینؓ کی رائے ہے اور اتنی بڑی دینی رائے ہے جس نے فریق ثانی کے اس غلو اور بے جا تعصب کا بھیجا نکال دیا ہے کہ قرآن خلف الامام نہ کرنے والوں کی نماز بے کار، باطل اور کالعدم ہے۔ اس لیے امام احمد بن حنبلؒ کی اس مسئلہ میں لاعلمی کا دعویٰ (جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے کیا ہے) بالکل بے بنیاد اور سراسر مردود ہے۔ عجب نہیں کہ مؤلف مذکور یہ کہہ دیں: مگر میں نے تو اپنا فتوہ انکار میں دیکھا

آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؓ اور بعض دیگر ائمہؓ جن سے آپ مابقی خواہشی میں اچھی طرح روشناس ہو چکے ہیں) کا یہ فیصلہ دیکھ لیجئے۔



اور فریق ثانی کے مفسدین صلوٰۃ اور بے نماز ہونے کے خالص متعصبانہ فتوے اور مباہلہ کے اعلان اور فراخ دلی سے انعامی چیلنج ملاحظہ کریجیے اور پھر فرمائیے کہ تکفیر کس کی ہوگی؟ اور بے نماز کون ہوگا؟ مفسد صلوٰۃ کون ہوگا؟ اور مباہلہ کس سے ہوگا؟ تارک سنت کون ہوگا اور انعامی شاہی چیلنج کا مستحق کون ہوگا؟ افسوس ہے کہ فریق ثانی نے تعصب اور کم فہمی کی وجہ سے ایسا ایٹم بم ایجاد کر لیا کہ اس کی زد سے نہ بڑے بڑے ائمہ بچ سکتے ہیں اور نہ حضرات تابعین بلکہ حضرات صحابہ کرامؓ اور حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی ان کے لایعنی فتووں سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ ثم العیاذ باللہ تعالیٰ) دیکھئے اس ناروا فتوے کی زد سے کون بچ سکتا ہے؟ ۵

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی  
یہ کس کا فردا کا غمزہ خوں ریز ہے ساقی !

باوجود اس کے کہ حق جمہور کے ساتھ ہے اور سو فیصدی ان کی رائے درست اور صحیح ہے۔ مگر وہ فریق ثانی کی طرح اس مسئلہ میں (بلکہ دیگر تمام اختلافی مسائل میں) نہ تو مخیرین قرآنہ خلف الامام کی تکفیر کرتے ہیں اور نہ قسم اٹھا کر ان کو بے نماز اور مفسدین صلوٰۃ کہتے ہیں اور نہ ان کو مباہلہ کا چیلنج دیتے ہیں۔ بلکہ جن اکابر (مثلاً امام بخاریؒ و امام بیہقیؒ وغیرہ) نے اپنی انتہائی وسعت اور کوشش صرف کر کے جموں کی راتے کے ساتھ اختلاف راتے کیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ ان کو معذور تصور کرتے ہیں بلکہ ناجور بھی سمجھتے ہیں اور ائمہ دین اور دیگر حضرات سلف صالحینؒ کی نسبت بدظنی اور سوء اعتقاد کو کسی طرح بھی روا نہیں سمجھتے : ۵

وفاؤں کے ہزاروں دے چکے ہیں امتحان تک  
مگر وہ ہیں اس بچ بھی ہیں ہم سے ہدگماں اب تک

اگر یہ نظر انصاف دیکھا جائے تو فریق ثانی کے بے بنیاد اور پادر ہوادعووں اور فتوؤں کا جواب تو اس مقدمہ ہی سے پورا ہو جاتا ہے اور مزید کوئی چیز پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مگر چونکہ ہم تہیہ کر چکے ہیں کہ مسئلہ زیر بحث کو پوری طرح بے نقاب کرنا ہے۔ اس لیے ہم مقدمہ کے بعد اصل بحث اور اس کے دلائل عرض کرتے ہیں۔ لیکن باب اول شروع کرنے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم امام ترمذیؒ (المتوفی ۳۲۰ھ) اور علامہ بدر الدین عینیؒ



(المتوفی ۸۵۵) کی بعض عبارتوں کو یہیں حل کرتے جاتیں، جن سے بہت ممکن ہے کہ بعض اہل علم کو مغالطہ لگ جائے اور طالب علموں کا غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا تو بہت اغلب ہے، رہے وہ حضرات جو غلط فہمی اور مغالطہ کو متاعِ عزیز سمجھ کر سیلہ سے لگاتے پھرتے ہیں۔ ان کے لیے ہمارے پاس کوئی علاج اور دوا موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی صرف اسی کو ہدایت دیتا ہے جو دل میں اس کی ترپ اور جذبہ پیدا کرے۔ اور عملاً اس کی طرف پیش قدمی کرے ورنہ اس دربارِ عالی سے بھی محرومی کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا:۔

یہ بزمِ نئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی

جو بڑھ کر خود اٹھائے ہاتھ میں لینا اسی کا ہے

امام ترمذی تحریر فرماتے ہیں: اکثر اہل علم جن میں حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ شامل ہیں اور خاص طور پر امام مالکؒ، عبد اللہ بن مبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہ مسلک ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قراۃ کرنی چاہیے (ترمذی جلد ۱ ص ۱۰۰) ہم پہلے امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام عبد اللہ بن مبارکؒ امام اسحاقؒ (پچھلے صفحے کے حاشیے) نے امام ترمذیؒ، علامہ ذہبیؒ ان کو امام اور حافظ لکھتے ہیں۔ صحاح ستہ میں جو مشہور کتاب الجامع ہے۔ وہ انہی کی تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ کتاب العللؒ بھی انھوں نے لکھی ہے۔ حافظہ میں وہ ضرب المثل تھے۔ (تذکرہ ۲۵ ص ۱۲) مگر افسوس یہ امام عالی مقام بھی جرح سے محفوظ نہ رہ سکے۔ چنانچہ علامہ ابن حزمؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ترمذی صاحب الجامع مجہول ہیں (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۰۰) اگر امام ترمذی مجہول ہیں تو دنیا میں معروف کون ہو گا؟

۱۰ علامہ بدر الدین عینیؒ، مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں کہ وہ امام، عالم، علامہ عالم بالعرفیۃ والتصرف اور حافظ لغت تھے۔ نیز لکھتے ہیں کہ اگر ان میں مذہبی تعصب نہ ہوتا تو کیا خوب ہوتا (فوائد البیہ) ص ۱۰۰ بعض غیر مقلد حضرات علامہ عینیؒ کے تعصب پر مولانا لکھنویؒ کی یہ عبارت لیے لیے پھرتے ہیں۔ لیکن یہ تو فراموش کہ ذہبی تعصب کون امام بچ سکتا ہے۔ علامہ ذہبیؒ جن کے بعد آج تک کوئی ناقد رجال پیدا نہیں ہوا۔ اور حافظ الدین ابن حجرؒ بھی ان کے ناقد روایات ہونے پر نہ صرف اعتماد کرتے ہیں بلکہ ان کے خوشہ چیں بھی ہیں۔ (شرح نجمۃ الفکر ص ۱۰) معاذ اللہ شیخ الاسلام تاج الدین بسکیؒ لکھتے ہیں کہ ذہبیؒ بڑے متعصب ہیں وہ ہمارے استاد ہیں اور ہم پر ان کا حق ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا حق ان پر مقدم ہے ہم جو کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ کسی حنفی یا شافعی کے حق میں مذہبی



بن راہویہ کا مسلک پوری وضاحت سے نقل کرتے ہیں کہ ہری نمازوں میں ان میں کوئی بھی قرآنہ خلف  
الامام کا قائل نہ تھا اور سب سب ہی نمازوں میں امام مالکؒ، امام احمدؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ وغیرہ وجوب  
قرآنہ کے قائل نہ تھے۔ اور خود امام ترمذیؒ نے امام عبد اللہ بن مبارکؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے  
ہیں: بعض لوگوں نے تشدد سے کام لیا ہے لیکن میرے نزدیک جس شخص نے امام کے پیچھے قرآنہ نہ  
کی اس کی نماز صحیح ہے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۴۲)

اندریں حالات اگر کسی کو امام ترمذیؒ کی اس عبارت سے کوئی شک اور شبہ پیدا ہو۔ تو ہرگز  
صحیح نہیں۔ المعصوم من عصمة اللہ تعالیٰ۔ لیجیہ ہم آپ کو ترمذیؒ کی اسی عبارت کی شرح مولانا  
مبارک پوری صاحبؒ کے حوالہ سے سناتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

فیہ اجمال ومقصودہ ان ھو لاء  
الاثمة کلہم یرون القرآۃ خلف الامام  
اما فی جمیع الصلوٰۃ او فی الصلوٰۃ السنیۃ  
مقط واما علی مبیل الوجوب او علی سبیل  
الاستحباب والاستحسان۔  
کہ امام ترمذیؒ کا یہ قول محمل ہے۔ ان کی مراد  
یہ ہے کہ یہ ائمہ مذکورین امام کے پیچھے قرآنہ کے قائل تھے۔  
بعض سب نمازوں میں اور بعض صرف سب نمازوں  
میں۔ بعض وجوب کے قائل تھے اور بعض صرف  
استحباب اور استحسان کے۔

(تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۳)

اور تصریح کرتے ہیں کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قرآنہ کے وجوب کے قائل نہ  
تھے۔ (ایضاً ص ۲۵۷) اور لکھتے ہیں کہ امام عبد اللہ بن مبارکؒ بھی امام کے پیچھے وجوب قرآنہ کے قائل نہ  
تھے۔ (ایضاً ج ۱ ص ۲۵۷)

ربا یہ کہ تمام نمازوں میں قرآنہ خلف الامام کا قائل کون تھا؟ اور پھر خاص طور پر وجوب کا جہاں تک  
راقم الحروف کے حدود مطالعہ کا تعلق ہے۔ ان ائمہ میں سے جن کا تذکرہ امام ترمذیؒ نے کیا ہے۔  
ایک بھی ایسا نہیں جو تمام نمازوں میں قرآنہ خلف الامام کا قائل ہو اور خاص طور پر وجوب۔ اگر  
مولانا مبارک پوری صاحبؒ کو امام شافعیؒ کے مسلک میں غلط فہمی ہوئی ہو۔ تو ہم پوری وضاحت اور  
(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) کا قول مسموع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ شافعیوں اور حنفیوں کے حق میں اکثر تعصب  
سے کام لیتے ہیں۔ (طبقات الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۹۱) والعصمة بید اللہ تعالیٰ وحده۔



اور صراحت کے ساتھ امام شافعیؒ کا مسلک عرض کر چکے ہیں۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ

واستدل بهذا الحديث عبد الله  
بن المبارك والوزاعي ومالك والشافعي  
ولحماد واسحق وابوثور ودأود على وجوب  
قراءة الفاتحة خلف الامام في جميع الصلوات  
انتہی بلفظہ۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۶۲)  
یعنی حضرت عبادۃ کی (لا صلوة لمن لم یقرأ  
بما قرأ القرآن) کی روایت سے امام ابن مبارکؒ، امام  
اوزاعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام ابو ثورؒ  
اور امام داؤد ظاہریؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تمام  
نمازوں میں قرأت فاتحہ خلف الامام واجب ہے۔

اس عبارت سے غلط فہمی پیدا نہ ہونی چاہیے۔

اولاً اس لیے کہ ہم ان حضرات ائمہ کرامؒ کی عبارتیں پوری تشریح کے ساتھ اور خود فریق  
ثانی کے محدث جلیل اور وکیل اعظم مولانا مبارک پوری صاحبؒ کے اقرار کے ساتھ نقل کر آئے ہیں کہ یہ ائمہ  
تمام نمازوں میں وجوب قراءۃ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ امام ابو ثورؒ کے علاوہ باقی ائمہ کرامؒ  
کی عبارتیں پہلے نقل کی جا چکی ہیں اور ان کا مسئلہ زیر بحث کے متعلق محقق مسلک بھی عرض کیا جا  
چکا ہے۔ امام ابو ثورؒ کا صحیح مسلک علی التبعین معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی  
پیش کردہ سابق عبارتوں سے بظاہر یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ چہری نمازوں میں وہ بھی امام کے پیچھے قراءۃ  
کو شاذ اور خلاف اجماع ہی سمجھتے ہوئے اور اسی صفحہ کے حاشیہ سے انکا مسلک یہ معلوم ہوتا ہے  
کہ اس مسئلہ میں ان کی رائے اور تحقیق وہی تھی جو حضرت امام شافعیؒ کی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔  
وثانیاً علامہ عینیؒ کی اسی عبارت پر گرفت کرتے ہوئے مولانا مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں:

امام ابو ثورؒ (المتوفی ۲۴۰ھ) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں: کہ وہ الامام، المجتہد اور الحافظ تھے۔ امام نسائیؒ ان کو ثقہ  
اور مامون اور احد الفقہاء کہتے ہیں۔ امام ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ فقیہ، عالم، ورع، فضیلت، تصنیف کتب  
اور تشریح سنت میں دنیا کے اماموں میں ایک تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۸۶) علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ احد  
الثقاة المؤمنین ومن الائمة الاعلام فی الدین تھے۔ (بغدادی جلد ۶ ص ۶۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ پہلے  
اپنی رائے اور فقہ پر کاربند تھے۔ جب حضرت امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لے گئے تو امام  
موصوف نے اپنے مسلک سے رجوع کر لیا اور امام شافعیؒ کے پاس آتے جاتے رہے۔ (تہذیب جلد ۱ ص ۱۱)  
اس سے بظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



قلت هذا وهم من العیثی فان  
 عبد الله بن المبارك لم یکن من القائلین  
 بوجوب القراءة خلف الامام كما عرفت  
 وكذلك الامام مالک والامام احمد  
 لم یکنوا قائلین بوجوب قراءة الفاتحة  
 خلف الامام فی جمیع الصلوات۔ انتہی  
 میں کہتا ہوں کہ یہ امام بدر الدین عینی کا وہم ہے کیونکہ  
 عبد اللہ بن مبارک امام کے پیچھے وجوب قراءۃ کے قائلین میں  
 نہ تھے جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے اور اسی طرح حضرت  
 امام مالکؒ اور امام احمدؒ بھی تمام نمازوں میں سورۃ فاتحہ  
 کے امام کے پیچھے پڑھنے کے وجوب کے قائل نہ  
 تھے۔

(تحفۃ الاحوذ جلد ۱ ص ۲۵)

مولانا مبارکپوری صاحبؒ کا یہ ارشاد فرمانا بالکل صحیح ہے۔ یہ یقیناً علامہ عینی کا وہم اور ان کے سر  
 قلم کا نتیجہ ہے۔ ورنہ دلائل اور براہین کے رو سے ان آئمہ کا جن کا ذکر علامہ موصوف نے کیا ہے مسلک  
 بادل دلائل نہایت شرح و بسط کے ساتھ اپنے موقع پر بیان ہو گا اور اجمالی طور پر بقدر کفایت مقدمہ  
 میں ذکر ہو چکا ہے۔

ہمیں اچھی طرح اس امر کا احساس ہے کہ سلسلہ کلام دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا ہے اور شاید کہ آپ مقدمہ  
 کی طوالت سے ہی گھبرا جائیں۔ حالانکہ ہم نے ابھی بہت کچھ عرض کرنا ہے۔ اس لیے ہم مقدمہ کو انہی اقتباسات  
 پر ختم کرتے ہیں اور فریق ثانی کی خدمت میں نہایت اخلاص سے عرض کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایسا غیر مختلط لفظ  
 زبان سے نہ نکالے جس کی زد میں اکثر امت اور جمہور سلف صالحین آجائیں۔ کیونکہ ہم لوگوں تک حدیث  
 کے پہنچانے کا واحد ذریعہ ہی یہی لوگ ہیں اور ان پر برسنے والا گویا بالواسطہ حدیث پر برس رہا ہے۔  
 اور ان کی گستاخی کرنے والا کبھی حدیث رسول کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا :۔  
 تا دامن آ کے چاک گریباں نے دم لیا  
 ہے دامن اور جیب میں رشتہ قریب کا

نوٹ: قرآن کریم کی ضروری تشریح حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کے فوائد سے ماخوذ  
 ہے اور طبقات ابن سعد، تذاریع الذہب، تہذیب الاسماء اور ابن خلکان وغیرہ میرے پیش نظر نہیں ہیں۔ ان  
 کتابوں کے حوالے تابعین اور خلا مان اسلام سے ماخوذ ہیں۔ باقی جملہ کتابوں سے میں نے براہ راست استفادہ کیا ہے۔  
 اللہ ما شاء اللہ تعالیٰ اور حوالہ جات میں صحت کی ہر ممکن کوشش مد نظر رکھی گئی ہے۔  
 ابو الزاہد



# باب اول

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن  
پس حدیث مصطفیٰ بر جاں سلم داشتن

اہل اسلام سے یہ بات ہرگز مخفی نہیں کہ جو مرتبہ، درجہ اور قطعیت اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی کتاب کو حاصل ہے۔ وہ یقیناً دنیا میں کسی اور کلام اور کتاب کو حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دلائل اور براہین کے موقع پر مسلمانوں کے ہاں سب سے پہلا نمبر صرف قرآن کریم کو حاصل ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم کا ایک ایک حرف اور ایک ایک جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس میں کسی انسان کی دماغی محنت اور کاوش کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بخلاف احادیث کے کیونکہ پہلے ہر حدیث کو نقل بالتواتر کا درجہ حاصل نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم کو حاصل ہے اور پھر احادیث میں نقل بالمعنی کا بھی کافی دخل ہے جیسا کہ فن حدیث سے تعلق رکھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ لہذا یہ امر یقینی ہے کہ جس گروہ کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ثبوت ہوگا۔ اس کا مسلک حق اور صحیح ہوگا اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ امام کے پیچھے قرآن لے بلکہ امام سیوطی وغیرہ نے تو یہاں تک دعوائے کیا ہے فان اکثر الاحادیث مروی بالمعنی۔ (الاقتراف) یعنی اکثر احادیث جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بقید الفاظ مروی نہیں ہیں۔ بلکہ راویوں نے احادیث کے معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔



ترک کرنے پر مجبور کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب سے قطعی اور محکم دلیل موجود ہے۔

## قرآن کریم کے آداب :

اس سے قبل کہ ہم قرآن کریم کی وہ آیت اور اس کی تفسیر اور تشریح نقل کریں جس سے ہم استدلال کرتے ہیں یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کے عمومی آداب پر غور اور فکر کر لیں کہ جس وقت اور جس مقام پر قرآن کریم کی قرات اور تعلیم و تدریس اور تلاوت ہوتی ہو وہاں سامعین کو کیا کرنا چاہیے؟ اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا ادب سکھایا ہے؟ اگر اسی ایک پہلو پر سرسری غور کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ کافی حد تک بحث اسی سے حل اور طے ہو جائے۔ ہم قرآن کریم کی چند آیات اور احادیث اور علماء کرام کی بعض عبارتیں اور نقول عرض کرتے ہیں جن سے سامعین کے آداب پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ اور قرآن کریم کے آداب کا قابلِ تعظیم پہلو بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

(۱) شروع شروع میں جس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم لاتے۔ ان کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی دل میں پڑھتے جاتے تھے تاکہ جلد اسے یاد کر لیں اور سیکھ لیں۔ مبادا حضرت جبرائیلؑ چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہو سکے۔ ظاہر بات ہے کہ اس صورت میں پوری طرح سننے اور سمجھنے میں دقت ہوتی تھی۔ ارشاد ہوا کہ آپ ہمہ تن متوجہ ہو کر سنیں۔ جس وقت حضرت جبرائیلؑ پڑھیں۔ آپ اس وقت خاموش ہو کر توجہ کریں اور سنیں اور زبان مبارک کو حرکت نہ دیں۔ قرآن کریم کا حرف بحرف جمع کرنا اور آپ کی ذات سے پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ آیات ملاحظہ کریں :

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝  
إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قُرَأَ لَهُ  
فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝  
(پ ۲۹ - قیمۃ ۱)

نہ حرکت دیجیے قرآن کے پڑھنے میں اپنی زبان کو تاکہ  
آپ جلدی اس کو سیکھ لیں۔ اس کا جمع کرنا اور اس کا  
(آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے اور جب ہم (زبان  
فرشتہ) پڑھیں تو آپ ان کے پڑھنے کی اتباع کریں۔ پھر

ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا

ان آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم و تدریس اور تلاوت کے وقت سامعین کو خاموش رہ کر پوری



دلجمعی اور توجہ کے ساتھ قاری اور تالی کی قرآنہ سفنی چاہیے۔ کیونکہ قرآن کریم کے آداب اور اتباع اور اس کی تعظیم و تکریم کا یہی واضح پہلو ہے۔

مصنف خیر الکلام نے اپنی عادت کے مطابق کہ چپ نہ رہ سکوں یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کا قرآن کریم کی تعظیم و احترام سے کوئی تعلق نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ آپ کو اس سے پہلے قرآنی آداب کا علم نہ تھا۔ اور یہ بات سراسر غلط ہے اور نیز لازم آئے گا کہ استاد جب تک سبق ختم نہ کر لے شاگرد کا پڑھنا سبب ادبی ہو تو پھر پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ ہی چھوڑ دیا جائے بلکہ اس کا مطلب جیسا کہ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یہ ہے کہ قرآن کے آمانے سے آپ کو سخت تکلیف برداشت کرنی پڑتی تھی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۳۱۱) (مجموعہ خیر الکلام ص ۳۱۱)

### الجواب:

یہ جو کچھ کہا ہے محض دفع الوقتی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ

ہذا تعلیم من اللہ عز وجل لرسولہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم فی کیفیتہ تلقیہ الوحی  
 من الملک فانہ کان یبادر الی اخذہ ویسابق  
 الملک فی قرآنہ فامرہ اللہ عز وجل اذا جاءہ  
 الملک بالوحی ان یستمع لہ وتکفل اللہ ان  
 یجمعہ فی صدرہ .... الخ

اس میں آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی گئی ہے کہ فرشتہ سے وحی کس کیفیت سے حاصل کرنی ہے کیونکہ آپ وحی کے لینے میں جلدی کرتے اور فرشتہ سے اس کی قرآنہ میں مسابقت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب فرشتہ وحی لائے تو آپ توجہ فرمائیں اور قرآن پاک کو آپ کے سینہ میں محفوظ کر دینے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھا لیا ہے۔

(تفسیر جلد ۲ ص ۲۲۹)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ اس آیت کے نزول سے پہلے اس طرح پڑھنے کو خلاف ادب نہ سمجھتے تھے لیکن آپ پر واضح کر دیا گیا ہے کہ آپ کا کام استماع ہے ساتھ ساتھ پڑھنا نہیں ہے باقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہمارے مطلب کے خلاف نہیں ہے کیونکہ آپ اسی خیال سے پڑھتے تھے کہ مبادا بھول نہ جاؤں سو آپ پر منکشف کر دیا گیا کہ آپ بھولیں گے بھی نہیں اور اس طرح قرآن کریم کا ادب بھی ملحوظ رہے گا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مصنف خیر الکلام



الف باتا پڑھنے والے ابجد خوانوں کو ذہن مبارک میں جگہ دیے ہوتے ہیں جیسی تو فرماتے ہیں کہ پڑھنا پڑھنا ختم ہو جائے گا۔ بات اُن کی ہو رہی ہے جو سن کر تدبیر اور قرآن کریم کے مضمون پر غور و خوض کر سکیں اور ان کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ پہلے سن لیں پھر لب کشائی کریں۔ بچوں کی بات نہیں ہو رہی۔

(۲) ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے خطاب

فرمایا ہے :

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (پ ۱۶ طہ رکوع ۷)

اور آپ جلد ہی نہ کریں قرآن کے لینے میں جب تک پورا نہ ہو جایا کرے اس کا اترنا۔ اور کہیے اے میرے رب زیادہ کر علم میرا اور سمجھ۔

یہ آیت بھی اس امر کو صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ تلاوت اور قرأت قرآن کریم کے وقت سامعین کو پورے تدبیر اور انہماک کے ساتھ قرآن سننا چاہیے اور خود ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش اور کاوش نہیں کرنی چاہیے۔

(۳) بعثت محمدی سے پہلے جنوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی آنا شروع ہوئی تو وہ سلسلہ بند ہو گیا اور بہت کثرت سے شہب کی مار پڑنے لگی۔ جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر بہت زیادہ سخت پہرے بٹھلائے گئے ہیں۔ اسی کی تلاش و جستجو کے لیے جنوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے۔ ان میں سے ایک جماعت بطنِ نخلہ (مکہ مکرمہ کے پاس ایک مقام کا نام ہے) کی طرف سے گذری۔ وہاں اتفاق سے اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ نمازِ فجر ادا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کی اس ٹکڑی کا رخ قرآن کریم سننے کے لیے ادھر پھیر دیا۔ قرآن کریم کی آوازاں کو بہت عجیب اور مؤثر و دلکش معلوم ہوئی اور اس کی عظمت اور عظمتِ دلوں پر چھا گئی۔ آپس میں کھنکھاتے کہ چپ رہو اور خاموشی کے ساتھ یہ کلام پاک سنو۔ آخر قرآن کریم نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہی نئی چیز ہے جس نے جنوں کو آسمانی خبروں سے روکا ہے۔ بہر حال جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کریم پڑھ کر فارغ ہوئے تو یہ لوگ



اپنے دلوں میں ایمان و ایقان کا موجزن سمندر لے کر واپس ہوئے اور اپنی قوم کو نصیحت کی جس کی پوری تفصیل سورہ جن میں کی گئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اسی سورت کے ذریعہ سے ان کا پورا قصہ اور واقعہ بتلایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ  
يَسْمَعُونَ الْقُرْآنَ أَن طَفَلًا خَصِرُوهُ  
قَالُوا أَانصِتُوا هَذَا فَلَمَّا قضَىٰ وَلَوْ إِلَىٰ  
قَوْمِهِمْ مُّنتَذِرِينَ

اور جب متوجہ کر دیا۔ ہم نے جنوں کا ایک گروہ آپ کی طرف وہ سننے لگے قرآن، پھر جب وہ وہاں پہنچے، تو لے چُپ اور خاموش رہے۔ پھر جب قرآن ختم ہوا تو اپنی قوم کی طرف چلے گئے تاکہ ان کو خدا تعالیٰ کی مخالفت

(پان ۲۶، احقاف ۴) اور عذاب سے ڈرائیں

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون میں جنوں کے اس گروہ کی تعریف بیان کی ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ پوری توجہ کے ساتھ خاموش رہ کر قرآن کریم کی قرأت سنی بلکہ اس کا خیر پر دوسروں کو بھی آمادہ کیا اور مرد مومن کی بھی یہی عادت اور حاصلت ہونی چاہیے کہ قرأت قرآن کے وقت خود چپ رہے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرے۔ مؤلف خیر الکلام کہتے ہیں کہ یہ خاموشی ادب و احترام کے لیے نہ تھی، تحقیق حال کے لیے تھی کیونکہ دوسری جگہ ثابت ہے کہ جب آپ نے سورہ رحمن پڑھی تو جنات جواب دیتے تھے۔ (محصلہ ص ۳۶۴)

### الجواب:

جنوں کا خاموش رہنا خالص ادب اور احترام کے لیے تھا اگرچہ وہ اس وقت تک مسلمان نہ تھے مگر بات سمجھنے کی اور خدائی کلام کی تعظیم کی اہلیت ان میں تھی۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کے مضامین پر مطلع ہونا اور اس سے آگاہی حاصل کرنا آپ کو کیوں ناگوار ہے! آپ بھی استماع و انصات سے کام لیں۔ رہا سورہ رحمن میں جنوں کا جواب تو یقین نہ رکھیے کہ وہ ساتھ ساتھ سورہ رحمن ہرگز نہ پڑھتے تھے۔ جب آپ قیامی آواز دیتے، الایہ کی قرأت مکمل کر چکے تو اس کے بعد جنات تائید میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرتے تھے جیسا کہ مقتدی جہری نمازوں میں آمین کہہ کر تائید کرتے ہیں کیونکہ ساتھ ساتھ پڑھنا تو خلاف اجماع اور شاذ ہے۔ حکما حق اور سکنا کا صحیح احادیث میں کہیں وجود نہیں ہے۔



(۴) اللہ تعالیٰ کافروں اور مشرکوں کے ایک بُرے منصوبے کا تذکرہ یوں کرتا ہے اور اس کے

بعد ان کو سزا کا مستوجب قرار دیتا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا

اور کافروں اور مشرکوں نے کہا۔ اس قرآن کے صفحے

الْقُرْآنِ وَالْخَوَافِ عَلَيْكُمْ تَخْلِبُونَ۔

کے لیے کان مت دھرو اور قرآن کے وقت شور

(پارہ ۲۴، حمد السجدہ ۴)

غل مچا دو تاکہ تم غالب ہو جاؤ۔

اگرچہ مشرکین کا قرآن کریم کو نہ سننا اور قرأت کے وقت شور و غل مچانا، معاندانہ اور مخالفانہ طور

پر تھا اور حضرات مجتہدین قرآنہ خلف الامام کو قرآن کریم سے یقیناً عداوت اور عناد نہیں ہوتا اور نہ

اُن کا پڑھنا من کل الوجوہ ان کافروں کے شور و غل کے برابر ہے۔ اور گو وہ اندر دہتے ویانت پڑھتے

ہیں لیکن دیکھنا صرف یہ پہلو ہے کہ قرآن کریم کی قرآنہ اور تلاوت کے وقت خود پڑھنا کی باعث مخالفت و

منازعت اور تشویش و ہاتھ پائی کا سبب ہے یا نہیں؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ہے تو ایسے موقع پر

خود قرآن کریم کا پڑھنا آداب قرآن کریم کے خلاف اور موجب تشویش افکار ہوگا، لہذا حق اور صواب

یہی ہے کہ تلاوت قرآن کریم کے وقت خاموش رہ کر اس کا ادب و احترام ملحوظ رکھنا چاہیے۔ مؤلف

خیر الکلام کا یہ کہنا کہ جن باتوں کی شریعت نے اجازت دی ہے وہ کیونکر بے ادبی ہیں۔ (محصلاً ص ۳۹۳)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نمازوں میں امام کے ساتھ ساتھ قرأت کرنے کا کسی شرعی دلیل سے ثبوت

نہیں ہے اور یہ خلاف اجماع ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

هَذَا حَالُ هَؤُلَاءِ الْجَاهِلَةِ مِنَ الْكُفَّارِ

ان جاہل کافروں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں

وَمِنْ سَلَكِ سَبِيلَهُمْ عِنْدَ سَمَاعِ الْقُرْآنِ وَقَدْ

کا یہ حال ہے کہ وہ قرآن کی قرآنہ کے وقت خاموشی اور

امراً لله عبادہ المؤمنین بخلات ذلك فقال

سکوت اختیار نہیں کرتے اور شور و غل مچاتے ہیں اور مونوں

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا

کو اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف حکم دیا ہے کہ جب قرآن

لعلکم ترحمون۔

مجید پڑھا جائے تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۸۹ مع المعالم)

تاکہ تم پر رحمت نازل کی جائے۔

حافظ صاحب کی عبارت سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآنہ قرآن کے وقت مومنوں کا کام



دلچسپی کے ساتھ اس کو سننا ہے اور جاہل کافر اور ان کے پیروکار اس ضابطہ کو ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

”اے ابن مسعود! مجھے قرآن کریم پڑھ کر سناؤ۔ ابن مسعود فرماتے ہیں: میں نے کہا حضرت! کیا میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں؟ حالانکہ آپ پر قرآن کریم نازل ہوا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ انی اشتہی ان اسمعه من غیری۔ میرا دل چاہتا ہے کہ کسی دوسرے سے قرآن سنوں؟“ (مسلم جلد ۱ ص ۲۷۰)

یہ روایت بخاری جلد ۲ ص ۴۵۹ اور ترمذی جلد ۲ ص ۱۲۷ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود نے سورۃ نساء کا کافی حصہ پڑھ کر سنایا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پورے ذوق و شوق سے سنا۔ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں اس سے جو احکام اور فوائد اخذ ہو سکتے ہیں۔ ان کی تفصیل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

منہا استحباب استماع القراءة و الاصفاء لها والبقاء عندھا وتدبرھا و استحباب طلب القراءة من غیرہ لیستمع لہ وھو ابلغ فی الفہم والتدبر من قراءتہ بنفسہ۔ (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۷۰) ہے۔

ان فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن کریم کا بغور سننا اور توجہ کرنا اور رد و نا اور تدبر کرنا پسندیدہ بات ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ دوسرے سے قرآن کریم سنے اور دوسرے سے سنا کر پڑھنے سے فہم و تدبر میں زیادہ مدد و معاون ہے۔

یعنی اگرچہ قرآن کریم کا پڑھنا کارِ ثواب ہے لیکن جس طرح دوسرے سے سننے میں فہم و تدبر اور غور و فکر کا موقع ملتا ہے۔ وہ یقیناً خود پڑھنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے خود پڑھنے کے بجائے بعض اوقات دوسرے سے سننا افضل اور اعلیٰ ہے۔

مؤلف خیر الکلام کہتے ہیں کہ یہ نماز میں نہ تھا اور آپ نے کمال توجہ سے سنا آخر میں آپ نے رونا شروع کیا اور فرمایا بس اتنا ہی کافی ہے معلوم ہوا کہ مناسب کلمہ کتابی ادبی نہیں ورنہ بحیرہ تحریر کا پڑھنا خلاف ادب ہوگا۔ (محصلہ ص ۳۴۵)



## الجواب:

ہم نے کب کہا ہے کہ وہ نماز میں تھے۔ بتلانا تو صرف قرآن کریم کی تعظیم کا پہلو ہے۔ دیکھیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باقرار ثنا کس غور سے آخر تک سنا اور رونا شروع کر دیا۔ یہی اس کے تدبیر اور استماع کا لازمی نتیجہ تھا اور آپ نے حَسْبُكَ کہ بس اتنا ہی کافی ہے آخر میں فرمایا ہے۔ درمیان میں اور ساتھ ساتھ نہیں فرمایا۔ باقی تکبیر تحریمہ فرض ہے۔ اس کو واجب لغیرہ کے لیے (یعنی خاموشی جو قرآن کے استماع کے لیے ہے) نہیں چھوڑا جاسکتا اور ساتھ ساتھ پڑھنا تو منکر اور شاذ ہے۔ حکما مٹ۔

قرآن کریم کے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلًا — کہ جس نے ایک نیکی کی اس کو دس گنا ثواب ملے گا۔ قاعدہ سے عموماً اور اس صحیح حدیث سے خصوصاً کہ جو شخص قرآن کریم کا ایک حرف پڑھے گا۔ اس کو دس نیکیاں عطا ہوں گی (ترمذی جلد ۲ ص ۱۱۵) یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ خود پڑھنے والا دس نیکیوں کا مستحق ہے لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے سے قرآن سننے والے کو بیس نیکیاں ملتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

مَنْ اسْتَمَعَ اِلٰى اَيَّةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ  
بِوَاوَدِّ قُرْآنٍ كَذِيْعٍ كِي اَيَّةٍ سَمِعَ اس  
كُتِبَ لَهٗ حَسَنَةٌ مِّمَّا عَفَا (الحديث) کے لیے دوہرا اجر لکھا جاتا ہے۔

(رواہ احمد فی مسند ۵ - ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۸۱)

چونکہ مقتدی پر انصاف واجب ہے اس لیے اس حدیث کے رُوسے اس کو دوہرا اجر ملیگا اور غیر حافظ جب حافظ کی قرآن سننے کے لیے توجہ کرے تو اس حدیث کے رُوسے وہ بھی دہرے اجر کا مستحق ہے۔ خدا تعالیٰ کے ہاں کیا کمی ہے؟

مؤلف خیر الکلام کا طنز اِیہ کہنا کہ غیر حافظوں کے لیے یہ نسخہ اکسیر ہے۔۔۔ الخ (ص ۳۸۰)  
محض تسکین قلب کا سامان ہے اور بس۔ ملاحظہ کیجیے کس طرح صرف اپنی فاسد رائے سے حدیث کو رد کیا جا رہا ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) صرف بطور تائید ایک روایت اور ملاحظہ کریں: آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ



ان الله يحب الصمت عند تلاوة القرآن (۳۱۶) تین مقامات پر اللہ تعالیٰ خاموشی کو پسند کرتا ہے۔ ان میں سے ایک قرآن کریم کی قرآۃ کا، دوسرا لڑائی کا اور تیسرا جنازہ کا وقت ہے۔

احسن الکلام طبع اول میں وعنده تلاوة القرآن (الحديث) کر دیا گیا تھا جس پر مؤلف خیر الکلام نے اعتراض کیا کہ مؤلف احسن الکلام نے چالاکی کر کے وعنده النصف... الخ کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ لڑائی کے وقت ذکر اللہ قرآن سے ثابت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انصابت اور ذکر جمع ہو سکتے ہیں چونکہ یہ ہماری تائید میں ہے۔ لہذا احسن الکلام والا اس کو کھا گیا ہے۔ (محصلاً ص ۵۵)

الجواب:

وعنده النصف کا جملہ ہمارے ہرگز خلاف نہیں ہے کیونکہ لڑائی کے موقع پر مختلف اوقات ہوتے ہیں کبھی ذکر کا حکم ہے اور کبھی انصابت کا اور کبھی ذکر قلبی اور استعانت وغیرہ کا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ پس جب تم کافروں سے ملو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو یاد کرو اور جب وہ شور و غل کریں تو تم خاموش رہو۔

(تفسیر جلد ۲ ص ۳۱۶)

اور ایک دوسری حدیث میں یذا کہنی کا معنی یوں کرتے ہیں: ای لا يشغله ذلك الحال عن ذكری ودعائی واستعانتی (ایضاً) یعنی لڑائی میں وہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس سے مانگنے اور استعانت سے بے پروا نہ ہو تو اس میں ذکر اور انصابت دونوں جمع نہیں ہونگے بلکہ دونوں اپنے اپنے موقع پر ہیں اور حیرت ہے کہ ان کو الحدیث کی اصطلاح بھی معلوم نہیں جیسی تو کہتے ہیں کہ حذف کر دیا ہے جس کا مطلب ہے کہ آخر تک حدیث پڑھو اور اس کو ملحوظ رکھو۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ

دل الكتاب والسنة والجماع  
کتاب وسنت اور اجماع امت سے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کی قرأت کو سننا خود پڑھنے سے زیادہ اعلیٰ اور افضل ہے۔

(فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۴۳)

الحاصل قرآن کریم وحدیث اور اقوال ائمہ سے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ قرآن کریم کی



تلاوت اور قرأت کے وقت سامعین کو ہمہ تن گوش ہو کر اس کی طرف توجہ اور تدبیر کرنا چاہیے۔ اور صرف یہی پہلو قرآن کریم کی توقیر و تعظیم پر علی وجہ الائمہ دلالت کرتا ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ وہ قرآن کریم کے عمومی آداب پر مشتمل ہے۔ اور اس سے عام قاعدہ اور ضابطہ بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اب ہم تخصیص کے ساتھ امام کے پیچھے قرأت کی مانعت پر قرآن کریم کی آیت پیش کرتے ہیں۔ پھر اس کی تفسیر و تشریح اور شان نزول حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؓ اور معتبر مفسرینؓ سے نقل کریں گے۔ اور فریق ثانی کی طرف اس پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں۔ ان کو نقل کر کے ان کی حقیقت کو بقدر وسعت الم نشرح کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

### قرآۃ خلف الامام اور قرآن کریم؛

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے؛

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَكُمْ تُرْحَمُونَ۔  
اور جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو۔ تاکہ تم پر رحم ہو۔

(پارہ ۹، اعراف ۴)

جمہور اہل اسلام کا بیان ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ خلف الامام پر روشنی ڈالی ہے کہ جب امام قرآن کریم کی قرآۃ کر رہا ہو تو اس وقت مقتدیوں کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ نہایت توجہ کے ساتھ اس کی طرف کان لگائے رہیں اور خود خاموش رہیں۔ امام کا وظیفہ قرأت کرنا اور مقتدیوں کا وظیفہ خاموشی کے ساتھ توجہ کرنا ہے اور ان کو استماع اور انصات کے علاوہ قرأت کی مطلقاً گنجائش نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ الحمد سے لے کر والناس تک سب قرآن ہے۔ لیکن قرآن کریم صحیح احادیث، حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؓ کے اقوال کی روشنی میں دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کا خاص اطلاق کس سور پر ہوا ہے؟ اور قرآن کا اولین اور بالذات مصداق کونسا حصہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

وَلَقَدْ أَتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمُنَافِيٰ  
اور البتہ دی ہیں ہم نے آپ کو سات آیتیں جو

وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (پاء الحجرات ۴) بار بار پڑھی جاتی ہیں اور دیا قرآن بڑے درجہ کا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی سے مروی ہے کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛



ام القرآن ہی السبع المثانی والقرآن

کہ ان سات آیتوں اور قرآن عظیم کا مصداق

العظیم۔

سورۃ فاتحہ ہے۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۸۳ اور اسی کے قریب الفاظ دارمی ص ۲۲۶ طبع دمشق میں ہیں)

اس کے علاوہ حضرت ابوسعید بن المعلیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بخاری و موطا، امام مالک وغیرہ میں مرفوعاً صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن عظیم کا پہلے نمبر پر مصداق ام الكتاب ام القرآن اور سورۃ فاتحہ ہے۔ اور یہی حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ابراہیم نخعیؓ، عبد اللہ بن حبیبؓ بن عمرؓ ابن ابی ملیکہ شہر بن حوشبؓ، حسن بصریؓ، مجاہد اور قتادہؓ وغیرہ اکابر سے مروی ہے اور اسی کو امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ ترجیح دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

فہذا نص فی ان الفاتحة ہی السبع

کہ یہ روایات اور اقوال مفسرین اس بات پر

المثنی والقرآن العظیم۔

نص ہیں کہ سبع مثنی اور قرآن عظیم کا اولین مصداق سورۃ فاتحہ ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، جلد ۲ ص ۵۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ قرآن کریم کی سب سورتوں سے افضل ہے

اور یہی وجہ ہے کہ اس کا پڑھنا ہر نماز میں لازم قرار دیا گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے (جو احادیث سے ثابت ہے) کہ تورات انجیل اور زبور بلکہ قرآن کریم میں اس جیسی عزیت اور فضیلت والی اور

کوئی سورت نازل نہیں کی گئی اور یہ بالکل منتع ہے کہ استماع اور انصات کا حکم سورۃ فاتحہ کو شامل نہ ہو۔ حالانکہ استماع اور انصات کی آیت اس کو کئی طور سے شامل ہے کہ یہ آیت مطلق

ہے اور سورۃ فاتحہ اس کا ایک حصہ ہے اور یہ کہ آیت عام ہے اور یہ اس کا فرد ہے (اور یہ کہ آیت مجمل ہے اور حدیث اس کی تفسیر ہے کہ اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔ (صفہ)

علاوہ بریں اس کی قرآۃ اکثر اور مشہور ہے اور یہ تمام سورتوں سے افضل ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں:

فان قوله واذا قرئ القرآن یتناوہا یعنی واذا قرئ القرآن کی آیت جس طرح اپنی لفظی

ولا یتناول غیرھا اظہر لفظاً ومعناً۔ اور معنوی حیثیت سے سورۃ فاتحہ کو شامل ہے اس

(فتاویٰ جلد ۱ ص ۱۲۳) طرح وہ قرآن کی کسی دوسری سورت کو شامل نہیں ہے۔

اس تحقیق سے یہ امر بالکل واضح و آشکار ہو رہا ہے کہ واذا قرئ القرآن



کا صحیح، اصلی اور بالذات مصداق صرف سورۃ فاتحہ ہے۔ لہذا یہ حکم سورۃ فاتحہ پر خصوصاً اور دیگر سورتوں پر عموماً حاوی ہے۔ اور اس لحاظ سے مقتدیوں کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا ترک کرنا اصل ہوگا۔ اور باقی سورتوں کو ترک کر اس کی فروع، امام نسائی نے (جلد ۱ ص ۱۰۶) جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث (جس کی پوری تفصیل اپنے مقام پر آئے گی) انشاء اللہ العزیزم اذا قرأ فانصتوا کو (کہ جب امام قرآن کرے تو تم مقتدی خاموش رہو) قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر اور تاویل میں نقل کر کے یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچا دی ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی قرآن کی اس آیت کو نماز اور نمازیوں کے حق میں ہی سمجھتے تھے۔ اب آپ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور معتد مفسرین کرام سے اس آیت کی تفسیر سن لیجیے کہ وہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

اس سے قبل کہ ہم اس آیت کی تفسیر حضرات صحابہ کرام سے نقل کریں۔ یہ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کی تفسیر کا رتبہ، درجہ اور حیثیت کیا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کہ امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک صحابی کی تفسیر مسند اور مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتی ہے۔ (مستدرک ج ۱ ص ۲۳۱) اور یہی امام حاکم رحمہ اللہ کی اپنی تحقیق ہے۔ (معرفت علوم الحدیث ص ۲) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اکثر علمائے نزدیک صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۳۳) حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وتفسیر الصحابی حجة۔ (زاد المعاد جلد ۱ ص ۵۲) علامہ سیوطی لکھتے ہیں وتفسیر الصحابی مرفوع۔ (تدوین الراوی ص ۶۵) علامہ جزائری لکھتے ہیں جس صحابی نے نزول وحی کا زمانہ پایا ہو۔ اس کا کسی آیت سے متعلق یہ کہنا کہ یہ فلاں اور فلاں حکم میں نازل ہوئی۔ یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ (توجیہ النظر ص ۱۶۵)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں:

وكذا احكم اقوالهم في التفسير فانها  
اصوب من اقوال من بعدهم وقد ذهب  
بعض اهل العلم الى ان تفسيرهم في حكم  
المرفوع۔  
یعنی حضرات صحابہ کرام کی تفسیر بعد کے آلہ والے  
مفسرین سے بہت زیادہ صحیح اور صواب ہے حتیٰ کہ بعض  
(بلکہ اکثر) علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضرات صحابہ کی تفسیر  
مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔



## حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتمنی ص ۲۷۷)

سے قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیروں منقول ہے:

لے یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آفتاب نبوت سے اکتساب نور کرنے کے بعد تمام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نجوم ہدایت تھے۔ مگر بعض کو ایسے جزوی فضائل حاصل تھے کہ دوسرے کوئی ان میں ان کا ہم پایہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ان میں ایک شخصیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضا کی ہے۔ آپ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مہلبین قرآن میں سب سے پہلا نمبر ان کا بیان کیا ہے (بخاری جلد ۱ ص ۵۱۱ و مسلم جلد ۲ ص ۲۹۱) اور فرمایا ہے جس چیز کو تمہارے لیے ابن مسعود رضا پسند کرتے ہیں میں اس پر راضی ہوں۔ (مستدرک جلد ۲ ص ۱۱۹ صحیح) نیز فرمایا اگر بغیر مشورہ کے تمہارے لیے میں خلیفہ کا انتخاب کروں تو وہ صرف ابن مسعود ہی ہوں گے اور جس چیز کو ابن مسعود تمہارے لیے پسند نہ کرے میں بھی اس کو تمہارے لیے پسند نہیں کروں گا۔ (الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۵۹) اور فرمایا ابن مسعود کے عہد اور تحقیق کو مضبوطی سے قائم رکھو۔ (ایضاً) حضرت عقیل بن عمرو فرماتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد میں نے خدا نزل اللہ (یعنی جو کچھ خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے) کا ابن مسعود رضا سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرمایا کیوں نہ ہو۔ وہ ہر وقت حضور کے پاس رہتے تھے اور حضورؐ ان سے کسی وقت حجاب نہیں کرتے تھے۔ (مسلم ۲ ص ۲۹۳) مشہور تابعی شقیق رو کا بیان ہے کہ میں ابن مسعودؓ پر کسی صحابی کو ترجیح نہیں دیتا۔ (مستدرک جلد ۲ ص ۱۲۱) یہی وجہ ہے کہ ابن مسعود رضا علی رؤس الاشہاد فرمایا کرتے تھے۔ اس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی دوسرا اللہ نہیں۔ قرآن کریم کی کوئی سورت اور کوئی آیت ایسی نہیں جس کا شان نزول مجھے معلوم نہ ہو کہ کس موقع اور کس حالت میں نازل ہوئی ہے اور میں کتاب اللہ کا اپنے سے بڑا عالم کسی کو نہیں پاتا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۲۲۸ و مسلم ۲ ص ۲۹۳) اور فرمایا تمام صحابہؓ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ان سب سے کتاب اللہ کا بڑا عالم ہوں۔ (ایضاً) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضا حضرات خلفائے راشدینؓ سے بھی کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں۔ (شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۳) اور اہل علم میں ان پر وہ حضرات کسی کو فضیلت نہ دیتے تھے۔ (مفتاح السعادة جلد ۱ ص ۱۵۳) حضرت عمرؓ نے ان کو علم کا اشارہ کیا۔ اور اہل کوفہ کی طرف تعلیم قرآن کے لیے ارسال کیا۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۱۴۴) بعض حضرات نے مسئلہ رفع یدین کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعود رضا پر متعدد مسائل میں نسیان کا الزام عائد کیا ہے۔ لیکن نسیان تو انسان کی فطرت اور خمیر میں ودیعت کیا گیا ہے۔ جو اولاد آدم کو باپ سے بطور ورثہ ملا ہے۔ اگر نسیان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

سے محض نسیان ہی مراد ہے تو دوسروں کا ذکر بعد میں ہو گا۔ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: انہما انا بشی افشی کما تنسون اور اگر نسیان سے مراد بعض مسائل اور احادیث سے لاعلمی ہے تو یہ قصور صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ دوسرے بھی اس بات میں ان کے شریک ہیں۔ کب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وراثت جدہ کی بابت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم طاعون سے متعلق بلکہ رفع یدین کے مرکزی راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مسیح علی الخفین کے مسئلہ سے ناواقف اور لاعلمی نہ تھی؟ اور کیا یہ اکابر عموماً اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خاصاً اس لیے قابل اعتماد نہ رہے۔ کہ انھوں نے مسیح علی الخفین (دیکھیے موطا ص ۱۷) جیسے مسئلہ سے جس کا ثبوت متواتر احادیث اور تعامل امت سے ثابت ہے۔ لاعلمی ظاہر کی بلکہ انکار کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما انکرم المسیح علی الخفین مع قدیم صحبتہ و کثرۃ روایتہ (فتح الباری جلد ۱ ص ۲۴۵ طبع مصر) کہ بے بیشک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مسیح علی الخفین کا انکار کیا حالانکہ وہ پرانے صحابی اور کثیر الراوی تھے۔ باقی باتوں کا ذکر تو روایات اور احادیث سے متعلق ہے اور یہ تفصیل کا مقام نہیں۔ لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر جو یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ معوذتین کو قرآن کریم کی سورتیں نہیں سمجھتے تھے۔ یہ خالص افتراء اور بہتان ہے۔ علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ

کل ما روی عن ابن مسعود عن ان  
مضمون کی نقل کی گئی ہیں کہ معوذتین اور ام القرآن  
ان کے مصحف میں نہ تھیں تو وہ خالص جھوٹی اور جعلی  
ہیں جو کسی طرح صحیح نہیں ہیں۔

(محلّی ابن حزم جلد ۱ ص ۱۱۱)

امام نووی رحمہ اور علامہ سیوطی رحمہ لکھتے ہیں:

وما نقل عن ابن مسعود باطل  
معوذتین کے قرآن میں نہ ہونے کی جتنی روایتیں  
ابن مسعود کی طرف منسوب ہیں وہ سب باطل اور غیبر  
لیس بصحیح۔

(شرح المہذب جلد ۱ ص ۱۱۱ و اتقان ج ۱ ص ۱۱۱)

امام سبکی فرماتے ہیں کہ دلیل قاطع اس پر قائم ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر جھوٹ باندھا گیا ہے اور وہ

اس سے بالکل بری ہیں۔ (طبقات جلد ۲ ص ۲۰۷)



پہلی روایت : امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ ہم سے ابو کریبؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے محارب بنی نے بیان کیا۔ وہ واقد بن ابی ہند سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ یسیر بن جابر سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا :

ان کا ترجمہ عنقریب آ رہا ہے۔

ابو کریب کا نام محمد بن العلاءؒ ہے۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ، الثقة اور محدث کو فہم لکھتے ہیں۔

(تذکرہ جلد ۲ ص ۲۷۷) امام نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں۔ ابو عمرو

الحفّافؒ کا بیان ہے کہ میں نے اسحاقؒ بن ابراہیمؒ کے بعد ان سے بڑا کوئی حافظ نہیں دیکھا۔

محدث مسلمہؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۶)

ابو محاربؒ کا نام یحییٰ بن یعلیٰؒ ہے۔ امام ابو حاتمؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقافت میں لکھتے

ہیں۔ (ایضاً جلد ۱ ص ۳۰۳) اور کسی کی جرح ان پر منقول نہیں ہے۔ قاضی مقبول احمد صاحب نے اس

روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ محاربؒ دو ہیں۔ ایک یعلیٰ بن یعلیٰ جن کی توثیق مولانا سر فرار صاحبؒ نے

فرمائی ہے اور دوسرے عبدالرحمن بن محمد بن زیاد جو انتہا درجہ کے ضعیف ہیں اور قوی احتمال ہے کہ مولانا

نے ضعیف محاربؒ کی توثیق کر کے اپنا مطلب نکال لیا ہو۔ (محصلہ الاعتصام ۲۸ ستمبر ۱۹۶۲ء ص ۳۷۸)

الجواب : راقم نے یعلیٰ بن یعلیٰؒ کی توثیق نہیں نقل کی بلکہ یحییٰ بن یعلیٰؒ محاربؒ کی توثیق نقل کی ہے

اور اس سند میں یہی محاربؒ ہیں۔ ہم محض قاضی صاحب کی تسلی کے لیے عبدالرحمن بن محمد بن زیاد محاربؒ

کے متعلق بھی یہ عرض کیے دیتے ہیں کہ وہ انتہائی درجہ کے ضعیف نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں۔

اولاً۔ اس لیے کہ یہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ کے مرکزی راوی ہیں کیا فریق

ثانی کے نزدیک صحیح سند کے مرکزی راوی بھی انتہا درجہ کے ضعیف ہوتے ہیں؟ یہ ہے غیر مقلدین حضرات

کا علم و دیانت۔ سبحان اللہ تعالیٰ۔ اگرچہ ان کے بارے میں بعض نے مضطرب کثیر الغلط اور ہم وغیرہ کے الفاظ

کہے ہیں لیکن امام ابن معینؒ، نسائیؒ اور ابو حاتمؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ طویل احادیث کے وہ

بڑے حافظ تھے۔ ابن حبانؒ ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن شاذانؒ ان کو ثقافت میں

لکھتے ہیں۔ عثمان بن ابی شیبہؒ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ محدث بزارؒ اور دارقطنیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ عجلؒ ان کو لا

بأس بہ کہتے ہیں اور ساجیؒ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ (ملقطاً تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۹۹)۔

(باقی صفحہ ۱۲۳)



صلیٰ ابن مسعود فسمع انا سابقاً دن کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے نماز پڑھی اور چند  
مع الامام فلما انصرف قال اما ان لکم آدمیوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے سنا جب آپ نماز  
ان تفہموا اما ان لکم ان تعقلوا و اذا سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا وہ وقت ابھی نہیں  
قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کما آیا کہ تم سمجھو اور عقل سے کام لو اور جب قرآن کریم کی قرأت  
امرکم اللہ تعالیٰ۔ ہوتی ہو تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو جیسا  
(تفسیر ابن جریر جلد ۱ ص ۱۱۳) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

یہ روایت وضاحت سے یہ بات ثابت کرتی ہے کہ پڑھنے والے امام کے پیچھے قرأت کر رہے تھے اور حضرت  
ابن مسعود نے ان کو فہم و عقل سے کام نہ لینے پر تنبیہ کرتے ہوئے قرأت سے منع کیا اور یہ بات بھی عیاں کر دی  
کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو استماع اور انصات کا حکم دیا ہے۔ جو امام کے ساتھ اس کی  
اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہوں اور یہ وہی ابن مسعود ہیں جو کتاب اللہ کے عالم ہونے میں تمام حضرات صحابہ  
(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) قاضی صاحب مؤلف احسن الکلام سے بے شک اختلاف رکھتے، مگر صحاح ستہ کے ثقہ راوی کو تو  
اشہاد و رجحان ضعیف نہ قرار دیکھے۔

۱۔ واقد بن ابی ہندؓ کو امام احمدؒ، سفیان ثوریؒ، ابن معینؒ، ابو صالحؒ اور نسائیؒ ثقہ کہتے ہیں۔ یعقوب بن ابی شیبہؒ ان کو  
ثقلہ اور ثبت کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو متقین میں شمار کرتے ہیں۔ ابن خراشؒ ان کو ثقہ اور ابن سعدؒ ثقہ اور کثیر الحدیث  
کہتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۳ ص ۲۱۲) وہابیؒ ان کو امام اور الثبت کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۳۸)۔  
۲۔ یسیر بن جابرؒ، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام عینیؒ ان کو من ثقات اصحاب  
عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ عوام بن حوشبؒ ان کو صحابی بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلسلہ میں ان کی ولادت ہوئی تھی۔  
(تمہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۶۹) حافظ ابو عمرؒ بن عبدالبرؒ بھی ان کو صحابی بتلاتے ہیں۔

(الاستیعاب جلد ۲ ص ۹۱)

نوٹ: تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر کے بعض نسخوں میں کاتب کی غلطی سے یسیر بن جابر لکھا گیا ہے  
جو قطعاً غلط ہے مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۳ اور مسند طحاوی ص ۵ اور صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۹ میں ایک  
دوسری حدیث کی سند میں یسیر بن جابر ہی آیا ہے جو صحیح ہے مزید تشریح کے لیے نووی جلد ۱ ص ۳۹۔  
اور تجرید اصحاب الصحابہؓ جلد ۲ ص ۱۵ وغیرہ کی طرف مراجعت کیجیے۔



کرام حتی کہ حضرات خلفائے راشدینؓ سے بھی بڑھے ہوئے تھے اور جن کو ہر سورت اور ہر آیت کا شان نزول بخوبی معلوم تھا۔ مؤلف خیر الکلام نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ شان نزول میں بیان کر رہے بلکہ استدلال کر رہے ہیں اور استدلال بھی ان کی بے جا حرکت پر تھا کیونکہ وہ امام کے ساتھ ساتھ جہر کے ساتھ پڑھتے تھے جیسا کہ لفظ استماع سے معلوم ہوتا ہے..... الخ (محصلاً ص ۳۵)۔

### الجواب:

حضرت ابن مسعودؓ تو کہا امر کہ اللہ سے اس کا شان نزول بیان فرما رہے اور اگر استدلال بھی مان لیا جائے تو ماوشما کا استدلال تو نہیں بلکہ حضرت ابن مسعودؓ صحابی کا استدلال ہے جو پہلے درجہ کے مفسر ہیں۔ اور مقتدیوں کی بیجا حرکت امام کے ساتھ قرآن تھی نہ کہ ہر۔ جیسا کہ یقرؤن کے الفاظ اس پر دال ہیں اور حضرت ابن مسعودؓ کے ارشاد میں لفظ انصات اس کی واضح دلیل ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے قرآن کی اس بیجا حرکت سے انہیں منع فرمایا ہے اور مطلق قرآن پر جہر کا اطلاق محض مجازی طور پر ہوتا ہے جس کے لیے قرینہ صارفہ درکار ہے اور وہ یہاں مفقود ہے۔  
دوسری روایت۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔ ہم سے ابو الحسن، محمد بن الحسین بن داؤد علویؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے ابو الحسن علی بن محمد بن حماد العدلؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں۔ مجھ سے محمد بن حسین انماطی بغدادیؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے یحییٰ بن ایوبؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے عبد الوہاب ثقفیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے

۱۔ امام ابو بکر احمد بن الحسین البیہقیؒ علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، الحافظ، العلامة اور شیخ خراسان لکھتے ہیں (تذکرہ ص ۳۰۹)۔  
۲۔ جلیل القدر عالم اور بڑے پایہ کے صوفی تھے۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۲۲۸) علامہ ذہبیؒ ان کو امام بیہقی کے مشائخ اور رمرہ محدثین میں بیان کرتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۰۹)۔

۳۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الکبیر لکھتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۹۹)۔

۴۔ ثقہ تھے۔ (بغدادی جلد ۲ ص ۲۲۸)۔

۵۔ علی بن مدینیؒ اور ابو حاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ اور حسین بن فہمؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن قانعؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۸۸)۔

۶۔ الحافظ الامام اور ثقہ تھے۔ (تذکرہ ص ۲۹۵) آخر عمر میں ان کے دماغ میں کچھ فتور آ گیا تھا۔ (تقریباً ص ۲۳۹)۔  
(باقی اگلے صفحہ پر)



ایوبؑ نے بیان کیا۔ وہ منصورؑ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابو وائلؑ سے روایت کرتے ہیں:

قال عبد الله في القراءة خلف الإمام  
انصت للقرآن كما احصت فان في القراءة  
نشغلا وسيكفيك ذلك الامام -  
کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ امام کے  
پیچھے خاموشی اختیار کرو۔ جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔  
کیونکہ خود پڑھنے کی وجہ سے امام کی قرآن سننے سے آدمی  
رہ جاتا ہے اور امام کا پڑھنا ہی تمہیں کافی ہے۔ (الکتاب  
(كتاب القراءة ص ۷۳)

قراءة کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔)

حضرت ابن مسعودؓ کی یہ روایت صحیح ہے جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں اور خطاب ان لوگوں کو  
تھا جو امام کے پیچھے اس کی اقتدا کر رہے تھے۔ جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے اور یہ سری و جہری تمام  
نمازوں کو شامل اور فاتحہ وغیرہ سب کو حاوی ہے اس میں قرأت کو مانا دے علی الفاتحہ پر  
پر حمل کرنا جیسا کہ قاضی مقبول احمد صاحبؒ نے کیا ہے سراسر باطل ہے اور اس روایت میں گو  
اُمرت ہے لیکن پہلی روایت میں تصریح ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور امر بھی واذا قرئ القرآن۔  
الایۃ سے واضح ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اسی مضمون کی روایتیں مختلف اسانید سے اور بھی مروی  
ہیں مگر ہمارا مقصد استیعاب نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی ۳۷ھ) سے اس آیت کی تفسیر  
میں متعدد روایات مروی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف دو روایتیں نقل کرتے ہیں۔

(بقیہ پچھلے صفحہ) لیکن اس فتور کے زمانہ میں انھوں نے کوئی روایت بیان نہیں کی۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۶۱)  
۱۔ ثقہ، ثبت اور محبت تھے۔ (تقریب ص ۳۶)

۲۔ الامام الحافظ اور الحجۃ تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۳۴) ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ بڑے متقن تھے تدلیس  
نہیں کرتے تھے۔ عجلؒ ان کو ثقہ، ثبت اور محبت کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۱۰ ص ۱۵۱)

۳۔ ابو وائلؒ ان کا نام شقیق بن سلمہؒ ہے۔ ابن معینؒ کہتے ہیں وہ ایسے ثقہ تھے کہ ان کے مثل سے متعلق  
سوال نہیں ہو سکتا۔ امام وکیعؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ ابن

حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ان کی یہ خوبی تھی کہ تدلیس نہیں کرتے تھے۔ (ایضاً ص ۳۶)

۴۔ تمام حضرات صحابہ کرامؓ میں فن تفسیر میں حضرت ابن مسعودؓ کے بعد نمبر حضرت عباسؓ کا آتا ہے۔ اور کئیوں نے  
(بقیہ اگلے صفحہ پر)



پہلی روایت : امام بیہقی فرماتے ہیں ہم سے ابو زکریا بن ابی اسحاق مزی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ابو الحسن  
 محمد بن عبدوس نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے عثمان بن سعید نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے عبد اللہ بن صالح نے بیان کیا

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ  
 اس کو دین کی سمجھ اور قرآن کریم کی تفسیر اور تاویل کی مہارت عطا فرما۔ (مسند احمد جلد ۳ ص ۳۲) قال الہیثمی رحمہ

رحالہ رجال الصحيح مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۶۷ و صحیح ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۹ حضرت ابن عمر رضی  
 فرماتے ہیں کہ وہ اعلام الناس بہما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ (ایضاً البدایہ جلد ۸ ص ۳)۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ دین کے امام علم کا سمندر اور بہت بڑے عالم تھے۔ (تذکرہ ۱ ص ۳) یہی وجہ تھی کہ حضرت  
 عمرؓ ایسے محقق اور صاحب بصیرت بھی قرآن کریم کی تفسیر میں ان کی طرف مراجعت کرتے تھے۔ (بخاری ۲ ص ۴۳)۔

۱۔ علامہ ذہبیؒ انکو مستند نیشاپور لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۳۵) علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ ادیب مورخ کثیر العلوم تھے اور علاقہ نیشاپور میں علم  
 حدیث کا درس دیتے تھے (بغدادی جلد ۲ ص ۲۳۹) علامہ سبکیؒ نے طبقات جلد ۲ ص ۹۸ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور علامہ ذہبیؒ ان کو مستند  
 نیشاپور لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۳۹) علامہ ذہبیؒ ان کو امام اور المجتہد لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۳۹)۔

۲۔ امام ابن معینؒ انکو ثقہ اور ابو حاتم صدوق کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو مستقیم الحدیث لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۳۹) عبد الملک بن شعبہؒ

ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ ابو زر عہد انکو حسن الحدیث اور ابن عدیؒ مستقیم الحدیث کہتے ہیں۔ مسلم بن قاسمؒ ان کو بائیں بہ کہتے ہوئے ان کی توثیق

کرتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۵۹) امام ابن معینؒ نے ان کو ثبت فی کتاب کہا ہے (تہذیب جلد ۲ ص ۲۵۹) یعقوب بن سفیانؒ انکو الرجل الصالح کہتے

ہیں (تہذیب جلد ۲ ص ۲۵۹) ابو ہارون الخریزیؒ فرماتے ہیں کہ میں ابو صالحؒ سے اُتیت اور کوئی نہیں دیکھا اور ابن القطانؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدوق ہیں۔

ان پر ایسا کوئی الزام ثابت نہیں ہو سکا جسکی وجہ سے انکی حدیث ساقط الاعتبار ہو۔ ہاں وہ مختلف فیہ ہیں (تہذیب جلد ۲ ص ۲۵۹) انکی حدیث حسن ہے۔

(ایضاً ص ۲۵۹) حافظ ابن حجرؒ نے اس کی نشان دہی کی ہے کہ یہ صحیح بخاری کے راوی ہیں (ایضاً) اور صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۴ میں انکی روایت موجود

ہے اور ابن خضرات محدثین کرام نے ان میں کلام کیا ہے تو اسکی اصل وجہ ان کا ایک شریہ ٹروسی تھا جس کا نام خالد بن سلج تھا، ابو صالح عہد اللہ

بن صالح کا کوئی قصہ نہیں ہے۔ تہذیب التہذیب (جلد ۲ ص ۲۵۹) وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے اور امام بخاریؒ نے ابوبکر المفرد اور جزء القراءۃ

وغیرہ میں ان سے باقائدہ حجاج کیا ہے فرقی ثانی کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہ محض تعصب کی وجہ سے ایسے مسلم راویوں کو بھی مجروح اور ضعیف گردانتے

کے دیے ہے۔ امام حاکمؒ انکی سند سے ایک حدیث کو صحیح الاسناد اور قویٰ صحیح کہتے ہیں (مستدرک ۲ ص ۱۹۹) اور انکی سند سے ایک روایت

کو علامہ ذہبیؒ سند قویٰ کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۳۵۴) اور حافظ ابن کثیرؒ انکی سند ایک حدیث کو اسناد حید سے تعبیر کرتے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۳۹) قاضی مقبول احمدؒ صاحب لکھتے ہیں کہ ابن عدیؒ نے ان کو مستقیم الحدیث کہا



وہ کہتے ہیں مجھ سے معاویہ بن صالحؓ نے بیان کیا۔ وہ علی بن ابی طلحہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ

عن ابن عباسؓ فی قوله تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحموا  
حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اذا قرئ القرآن آتوہ  
فرضی نماز کے بارے میں نازل ہوتی ہے۔

(کتاب القراءة ص ۳۷)

یعنی فی الصلوۃ المفروضۃ

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اس آیت میں اجتماع اور انصات کا جو حکم آیا ہے وہ شان نزول کے لحاظ سے صرف فرضی نماز کو شامل ہے اور یہی اس کا شان نزول ہے۔ گو غیر فرضی نمازوں (مثلاً نماز عید و تراویح وغیرہ) اور خطبہ کو بھی عموم الفاظ کے لحاظ سے شامل ہے۔ تنبیہ: علی ابن ابی طلحہ ہاشمیؓ کی براہ راست حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سماعت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ حضرت مجاہد بن جبرؓ اور سعید بن جبیرؓ کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ثقہ ہیں (جیسا کہ اپنے موقع پر ذکر ہوگا) اس لیے یہ روایت بلا شک و شبہ

(پچھلے صفحہ کا باقی) ہے مگر ساتھ ہی کہا ہے کہ سند اور متن میں غلطی کر جاتا ہے۔ عمدۃ جہوٹ نہیں کہتے۔

(تہذیب جلد ۵ ص ۲۵۶) اس لیے عبداللہ بن صالحؓ پر شدید جرح موجود ہے۔ احد بحصلہ الاعتصام ۱۲ ستمبر

۱۹۶۲ء ص ۱۰۱ کالم ۲) مگر جہور محدثین کی تعدیل کے مقابلہ میں صرف ابن عدیؒ کا یہ بیان ادنیٰ جرح بھی نہیں

چہ جائیکہ شدید جرح ہو۔

۱۰ علامہ خطیبؒ ان کو ثقات میں بیان کرتے ہیں (بغدادی جلد ۱ ص ۳۲) امام احمدؒ ان کو ثقہ اور ابن عدیؒ

ان کو صدوق کہتے ہیں۔ ابو زرؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۰۹) علامہ ذہبیؒ ان کو

الامام الفقید اور قاضی اندلس لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۶۶) حاکمؒ ان کی سند سے ایک روایت کو صحیح سے

(مستدرک ص ۱۰۹) اور ذہبیؒ حسن الاسناد، اور صالح الاسناد سے تعبیر کرتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱

ص ۳۵۳، ۳۵۴) بلکہ ذہبیؒ بھی ان کی ایک سند کو صحیح کہتے ہیں (تخصیص المستدرک جلد ۴ ص ۵۱) اور سیوطیؒ

ان کی سند سے ایک روایت کو اسناد صحیح سے تعبیر کرتے ہیں (تاریخ الخلفاء ص ۱۱) اور مستدرک جلد ۳ ص ۱۱۱

ہیں ایک روایت کی سندوں سے۔ عبد اللہ بن صالح عن معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ

عن ابن عباسؓ..... الخ امام حاکمؒ اور ذہبیؒ دونوں فرماتے ہیں صحیح۔

۱۱ امام نسائیؒ ان کی بیس بہ بائیس سے توثیق کرتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۲۲۶) ابو داؤدؒ ان کو مستقیم الحدیث کہتے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)



صحیح اور معتبر ہے۔ (دیکھیے مزید تحقیق کے لیے میزان الاعتدال ۲ ص ۲۲۸ فتح الباری ۸ ص ۳۳۲) ،  
تہذیب التہذیب ۷ ص ۳۳۹، اور تفسیر اتقان ج ۱ ص ۱۸۸)  
علی بن ابی طلحہ کے اس تفسیری صحیفہ کو صحیح اور معتبر سمجھتے ہوئے امام ابو جعفر نخاس نے اپنی کتاب  
النسخ والمنسوخ میں استفادہ کیا ہے (اتقان جلد ۱ ص ۱۸۸) اور اسی صحیفہ سے امام بخاری نے  
صحیح میں اور امام ابن جریر و ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر وغیرہ نے تفاسیر میں خوشہ چینی کی  
ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۳۳۸)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں: امار وایت از ابن عباس بطریق مختلفہ آمدہ ابود  
آئنا طریق معاویہ بن صالح از علی بن ابی طلحہ از ابن عباس است، بخاری در صحیح خود اعتماد بر ہمیں  
طریق کردہ پس پس۔ اکسیر فی اصول التفسیر ص ۱۱)

مصنف خیر الکلام نے اس سے جو مخلص تلاش کیا وہ یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ کی ابن عباس  
سے باقرار مصنف احسن الکلام سماعت نہیں۔ لہذا یہ منقطع ہے اور مجاہد اور سعید بن جبیر  
کا واسطہ تفسیری صحیفہ میں ہے جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ یہ اسی صحیفہ کی روایت ہے۔  
تو اتصال ثابت نہیں ہو سکتا۔ پھر امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ لہ اشياء منکرات۔

(میزان جلد ۲ ص ۲۲۸) اس کے لیے کچھ منکر چیزیں بھی ہیں اور متن کے لحاظ سے اس میں کوئی ذکر  
نہیں کہ مقتدی کو آیا جہر سے روکا گیا ہے یا کلام کرنے یا شور ڈالنے سے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آیت  
فرضی نماز جمعہ اور عید سب کو شامل ہو۔ اس صورت میں نماز کو دوسرے مقامات پر ترجیح نہ ہوگی۔  
(محصلہ خیر الکلام ص ۳۲۷ و ۳۲۸)

## الجواب:

ہم نے باحوالہ ثابت کیا ہے کہ علی بن ابی طلحہ صحیح مسلم کا راوی وثقہ ہے اور اس نے مجاہد اور  
سعید بن جبیر کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے تفسیر حاصل کی ہے اور اسی کو امام حاکم اور  
ناقدین رجال علامہ ذہبی وغیرہ صحیح کہتے ہیں جیسا کہ باحوالہ گذر چکا ہے اور ہم نے باحوالہ نواب  
(بقیہ پچھلا صفحہ) ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ محدث بخاری ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۳۹)  
اور صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۶۵ میں ان کی روایت موجود ہے۔



صاحب سے یہ ذکر کیا ہے کہ ابن عباسؓ کی روایت کے طرق تو متعدد ہیں مگر اچھوت ترین طریقہ معاویہ بن صالحؓ از علی بن ابی طلحہؓ از ابن عباسؓ ہے اور اسی طریق پر امام بخاریؒ نے اعتماد کیا ہے۔ صحیفہ کی قید مؤلف خیر الکلام کی محض سینہ زاد ہے۔ جس کی پرکاش بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ روایت اصول حدیث کے رُوسے بالکل صحیح اور متصل ہے۔ رہا امام احمد کا یہ فرمانا کہ لہ اشياء منکرات تو بجا ہے لیکن اس کی وجہ ان کا روایت میں ضعف نہیں بلکہ اس لیے کہ

ولکن لا رأی سوء کان یری السیف  
(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۲۷)  
ان کی رائے اچھی نہ تھی کیونکہ وہ خلیفہ کے مقابلہ  
خروج کو جائز سمجھتے تھے۔

اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

ونقل البخاری من تفسیرہ روایت  
معاویہ بن صالح عن ابن عباسؓ شیئا  
کثیرا فی التراجم وغیرہا ولکن لا یمیہ  
یقول قال ابن عباسؓ اویذ کر عن ابن عباسؓ  
وقد وقفت علی السبب الذی قال فیہ  
ابوداؤد یری السیف اھ  
(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۲۷)  
امام بخاریؒ نے اپنی تفسیر میں معاویہ بن صالحؓ عن  
علی بن ابی طلحہؓ عن ابن عباسؓ کے طریق سے اپنے ابواب کے  
تراجم وغیرہ میں بہت زیادہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن وہ  
ان کا نام نہیں لیتے بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا  
یا ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے اور میں اس کی وجہ پر مطلع  
ہم چکا ہوں وہ یہ ہے کہ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ وہ بادشاہ  
کے خلاف تلوار کے استعمال کی اجازت دیتے تھے۔

ان کے ایسے خیالات اشیا منکرات کی مد میں ہیں اور ایسے راوی جو شیعہ مہرجی اور قدری وغیرہ ہیں  
صحیحین میں ان کی بے شمار روایتیں موجود ہیں۔ یہ ان کی ضعف کی وجہ نہیں ہے اہل علم سے یہ امر  
مخفی نہیں ہے اگر ضرورت پڑی تو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل عرض کریں گے اور اس ارشاد  
سے مقتدی کو قرآن سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ وَاذْکُرْ عِیْ... اللہ تعالیٰ اس کا واضح قرینہ ہے۔ باقی جہر  
اور شور و غل وغیرہ حضرات صحابہ کرامؓ سے جماعتی رنگ میں حضورؐ کے پیچھے نہ ہوتا تھا افراد کا  
معاملہ الگ ہے اور نماز میں قرأت سے منع کرنا اس آیت کا اولین مصداق ہے کیونکہ جمعہ اور  
غیرہ وغیرہ کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے اور آیت مکی ہے۔ ہاں ضمنی طور پر وہ بھی اس میں  
داخل ہیں کیونکہ بقول مؤلف خیر الکلام شان نزول کے حکم میں اس قسم کی وسعت ہوتی ہے۔



دوسری روایت: امام بیہقی فرماتے ہیں۔ ہم سے ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ بن بشران نے بغداد میں بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں۔ ہم سے ابو جعفر محمد بن عمرو الرزاز نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے سعدان بن نصر نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے مسکین بن بکیر الحرفی نے بیان کیا۔ وہ ثابت بن عجلان سے روایت کرتے ہیں۔ وہ سعید بن جبیر سے اور وہ عبد اللہ بن عباس سے انھوں نے فرمایا:

المؤمن في سعة من الاستماع اليه  
الاف في صلوة مفروضة او المكتوبة او يوم  
جمعة او يوم فطر او يوم اضحى يعني واذا  
قرأ القرآن .... الآية  
کہ آیت واذا قرأ القرآن کے پیش نظر میں  
پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس کو گنجائش ہے کہ سنے  
یا نہ سنے مگر مفروضہ نماز جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ  
کے موقع پر اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔  
(کتاب القراءة ص ۷)

(ان حالات میں اس کو بہر حال خاموش رہنا اور استماع و انصات کرنا ضروری ہے)

۱۔ امام خطیب ان کو ثقہ، صدوق، ثبت، حسن الاخلاق اور تمام المروءہ لکھتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۱۲ ص ۹۹)  
۲۔ علامہ بغدادی ان کو ثقہ اور ثبت لکھتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۳ ص ۱۳۲)  
۳۔ امام ابو حاتم ان کو صدوق اور دارقطنی ان کو ثقہ اور مأمون لکھتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۹ ص ۲۵۵)  
۴۔ امام احمد اور ابن معین ان کی لا بائس کہتے ہوئے توثیق کرتے ہیں۔ ابن حبان اور ابن شاپہ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ابن عمار ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ ابو حاتم ان کو صالح الحدیث اور لا بائس بہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ حدیث کے حافظ تھے۔ قاضی مقبول احمد حاکم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ تقریب میں اس کو خطا کار کہا ہے اور امام احمد اور ابو احمد نے اس کو بہت دہمی اور کثیر الخطا کہا ہے۔ (مختصر الاعتصام ۲۸ ستمبر ۱۹۶۲ء ص ۷۸ کالم ۱) لہذا اس حدیث پر کسی طرح اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ (ایضاً)

الجواب۔ ان کا وہم اور خطا وغیرہ جو کچھ ہے مطلق نہیں ہے بلکہ صرف سعید بن عبد العزیز کی روایت میں ہے۔ چنانچہ خود ابو احمد نے تصریح کی ہے ومن این کان مسکین یضبط عن سعید ۱۵۔ (تہذیب جلد ۱ ص ۱۳۱) کہ مسکین کو سعید کی روایت میں ضبط کیوں سے نصیب ہوا؟ اور اس سند میں روایت ثابت بن عجلان سے ہے نہ کہ سعید سے۔  
۵۔ امام احمد اور ابن معین ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ حرم اور نسائی لیس بدیاس سے ان کی توثیق کرتے ہیں۔ ابو حاتم ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں، ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۵) ان کا ذکر عفریہ کے گاہ انشاء اللہ تعالیٰ۔



حضرت ابن عباسؓ کی سابق روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول فرضی ہے۔ اور اس روایت میں وہ عموم الفاظ کے پیش نظر جمعہ اور عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ کا حکم بھی استماع و انصات بیان کرتے ہیں اور اس کی پوری تحقیق اپنے مقام پر آئے گی کہ نصوص میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے۔ نہ کہ خصوص اسباب کا۔ اور یہ کہ کوئی آیت شان نزول پر مقید نہیں ہوتی۔ اسی طرح کے مضمون کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ اس آیت کا حکم امام کے پیچھے اقتداء کرنے والا کو ہے۔ مگر حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے بعد کچھ کہنے کی مطلقاً حاجت باقی نہیں رہتی، کیونکہ قرآن کریم کی تفسیر کے متعلق ان کا مقام تمام حضرات صحابہ کرامؓ سے علی الاطلاق بہت اونچا اور بلند ہے اور سند کے لحاظ سے بھی یہ روایتیں سو فی صدی صحیح ہیں جیسا کہ آپ پوری تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ مصنف خیر الکلام سے نہ تو جواب بن سکا ہے اور نہ خاموشی گوارا فرما سکے ہیں کیونکہ ”ملا ان“ باشد کہ چپ نشود۔ وہ لکھتے ہیں کہ بعض حنفیہ نے آیت کے شان نزول میں صحابہ کرامؓ سے صرف دو قول نقل کیے ہیں۔ ایک عبداللہ بن مسعود کا قول ہے۔ دوسرا عبداللہ بن عباسؓ کا ہے حالانکہ ابن عباسؓ سے بسند صحیح اور ابن مسعودؓ سے پانچ اسانید کے ساتھ اگرچہ بعض اسانید میں انفرادی طور پر کچھ کلام ہے مگر مجموعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرأت خلف الامام کے قائل تھے پس ان دو صحابہؓ سے صرف اس قدر مروی ہونے سے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ آیت نمازی کو قرأت سے روکنے کے لیے ہے۔ (مصلح خیر الکلام ص ۳۳۳، ص ۳۳۴)

### الجواب :

روایت تو صرف ایک صحابی کی بھی کافی ہوتی ہے جب کہ سند صحیح ہو آپ کو دو صحابہؓ کی روایت سے کیوں تسلی نہیں ہوتی؟ اور یہ روایتیں صحیح اسانید کے ساتھ ہیں اور ہیں حضرت ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے جو فن تفسیر میں پہلا درجہ رکھتے ہیں اگر ان کی روایتیں معتبر نہیں تو نہ معلوم آپ کے نزدیک کس کی مروی روایتیں معتبر ہوں گی؟ یقین رکھیے کہ یہ کوئی جواب نہیں ہے ممکن ہے کہ آپ کے حواری اس قدرے مطمئن ہو جائیں مگر ایک رتی جان بھی اس میں نہیں ہے باقی حضرت ابن مسعودؓ سے ایک روایت بھی قرأت خلف الامام کے جواز کی ثابت نہیں تفصیل اپنے مقام پر مذکور ہے اور



حضرت ابن عباسؓ کی روایتیں متعارض ہیں۔ صحیح روایت ترکِ قرآنہ کی ہے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا اور اپنے مقام پر آگے بھی آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد ہم بعض تابعین کی چند روایات اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر میں قرآن، حدیث اور صحابہؓ کے بعد تابعین کی تفسیر قابلِ حجت ہے اور یہی اکثر ائمہ سے منقول ہے۔ خصوصاً مجاہد بن جبرؒ کی تفسیر کیونکہ وہ فنِ تفسیر کے امام تھے۔ سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے۔ جب مجاہدؒ کی تفسیر تمھارے پاس پہنچ جائے تو پھر کسی کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ اور ان کے بعد سعید بن جبیرؒ، عکرمہؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، حسن بصریؒ، مسروقؒ، سعید بن المسیبؒ، ابوالحکمہ ربیع بن انسؒ، قتادہؒ اور ضحاکؒ بن مزاحم وغیرہ کا درجہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۵ ص ۵۱۵)

نواب صدیقی حسن خاں صاحب لکھتے ہیں: وھکذا تفسیر التابعی حجة (الجدد ص ۹۶) صحابی کی طرح تابعی کی تفسیر بھی حجت ہے۔

حضرت مجاہد بن جبرؒ: (المتوفی ۱۰۲ھ) سے

پہلی روایت: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ائمہ علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ، عالم، ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ (طبقات ابن سعد ۵ ص ۲۲) امام ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ علم کا طرفہ تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۸) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی امامت اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ خصیفؒ کا بیان ہے کہ مجاہدؒ تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۸) جبرالامت حفرة ابن عمرؓ ان کے حفظ کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے کہ کاش نافع کا حفظ تمھاری ہی طرح ہوتا (شذراتؒ جلد ۱ ص ۱۲۵) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ اجدالائمتہ التابعین والمفسرین تھے اور حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد تلامذہ میں تھے اور اپنے زمانہ میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۲۲) اور ان کے فقہی کمال کے لیے یہ سند کافی ہے۔ کہ مخزنِ علوم مکہ کی جماعت افتار کے ایک معزز رکن تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۳) نواب صاحب لکھتے ہیں: ابن تیمیہؒ گفتہ اعلم الناس بالتفسیر اہل مکہ لانہم اصحاب عبد اللہ بن عباسؓ کہ جاہد۔ آگے لکھتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ اور دیگر اہل علم نے ان کی تفسیر پر کلی اعتماد کیا ہے (اکسیر ص ۱۱)

۱۱ یہ وہی امام ہیں جن کو الحاکم کہتے ہیں اور جن کی کتاب مستدرک شائع ہو چکی ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)



ہم سے حافظ ابو علی حسین بن علی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو علی موصلی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن ابوبکر مقدمی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن سعید نے بیان کیا۔ وہ سفیان سے روایت کرتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوالشیم اسماعیل بن کثیر نے بیان کیا۔ وہ مجاہد بن جبر سے روایت کرتے ہیں کہ اذ اقرئی القرآن فاستمعوا له قال فی الصلوۃ۔ (کتاب القراءۃ ص ۴۳) و اذ اقرئی القرآن..... الاۃ

## دوسری روایت:

۱ امام بیہقی سے لے کر محمد بن ابوبکر مقدمی تک وہی سند ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے اشعث بن عبد اللہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے (بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ وہ الحافظ الکبیر اور امام الحدیث تھے۔ (تذکرہ جلد ۳ ص ۲۲۴) ۲ خطیبؒ کہتے ہیں کہ وہ حفظ اتقان، ورع، مذاکرۃ ائمہ اور کثرت تصنیف میں گورے سبقت لے گئے تھے (بغدادی جلد ۸ ص ۷۱) ذہبیؒ ان کو الامام، الحافظ اور محدث اسلام کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۳ ص ۱۱)۔ ۳ ذہبیؒ ان کو الحافظ، الثقه اور محدث جزیرہ کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۳۶) ۴ امام یحییٰ بن سعید بن القطان اور ابو زرعہؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ ان کو صاحب الحدیث اور ابن قانعؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۷۹) ۵ امام الجرح والتعمیل ذہبیؒ ان کو الامام، العلم اور سید الحفاظ کہتے ہیں۔ نسائیؒ فرماتے ہیں کہ مالک، شعبہ اور یحییٰ بن سعید حدیث رسول کے امین تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۷۷) علامہ ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ، ثبت، محبت، بلند مرتبہ اور مامون تھے خلیفہ کہتے ہیں وہ بلا کسی اختلاف کے مسلم امام تھے (تہذیب ۱۱ ص ۲۱۹) ۶ امام سفیان ثوریؒ کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

۷ امام احمدؒ، نسائیؒ، یعقوب بن شیبہؒ، یعقوب بن سفیانؒ اور عجلؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ ان کو صاحب الحدیث کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۲۴)

۸ امام ابن معینؒ اور ابو داؤدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام نسائیؒ لا باس بہ سے ان کی توثیق کرتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۵۴)



شعبہ نے بیان کیا وہ حمید اعرجؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت مجاہدؒ سے واذا قرئ القرآن فاستمعوا قال فی الصلوۃ (کتاب القراءة ص ۴۲) انھوں نے فرمایا کہ واذا قرئ القرآن کا شان نزول نماز ہے۔

### تیسری روایت :

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے قاضی عبد الرحمن بن حسنؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے آدم بن ابی ایاسؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے ورقانہؒ نے بیان کیا۔ وہ ابن ابی نجیحؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت مجاہدؒ سے

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوۃ فسمع قرأۃ فتی من الانصار فزل و اذا قرئ القرآن (الایۃ)

وہ فرماتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں قرأت کر رہے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک انصاری بھی پڑھتا رہا۔ اس پر اذا قرئ القرآن (الایۃ) نازل ہوئی۔

### (کتاب القراءة ص ۲)

۱۔ ذہبیؒ ان کو الحجۃ، الحافظ اور شیخ الاسلام کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۸) سفیان ثوریؒ ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے تھے۔ (کتاب العلل امام ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۸)

۲۔ امام ابن معینؒ، ابو زرعہؒ، ابو داؤدؒ، ابن خیرؒ، عجلؒ اور بخاریؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ نسائیؒ ان کو بائس کہتے ہیں۔ ابن سعدؒ ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۴۶)

۳۔ امام حاکمؒ نے اس سند سے (مستدرک جلد ۲ ص ۴۵، ۴۶، ۴۵۹، ۴۶۰، ۵۲۱، ۳۵۳، ۲۷۶۔

و جلد ۳ ص ۱۱۲، جلد ۴ ص ۷ وغیرہ میں چند حدیثیں نقل کی ہیں اور ہر مقام پر امام حاکمؒ اور ذہبیؒ ان کو صحیح کہتے ہیں اور ایک مقام پر حاکمؒ اور ذہبیؒ دونوں علی شرط الشیخین تصحیح کرتے ہیں۔

۴۔ ورقانہؒ امام احمد بن معینؒ اور ویسؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ اور ابن شاپورؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ ورقانہؒ کی تفسیر شیبانؒ اور سعیدؒ سے زیادہ معتبر ہے کیونکہ ورقانہؒ ابن ابی نجیحؒ سے اور وہ مجاہدؒ سے تفسیر روایت کرتے ہیں اور وہ فی تفسیر کے امام تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۱۱)

(نمبر ۵ اگلے صفحہ پر دیکھئے)



اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے قرآن کرنا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں معمول نہ تھا۔ ورنہ صرف ایک ہی انصاری کے پڑھنے کا کیا مطلب ہے اور جب حکم نازل ہوا تو نہ پڑھنے والوں کو کچھ نہ کہا۔ بلکہ منع کیا تو پڑھنے والے ہی کو منع کیا اور آیت کا شان نزول بھی حضرت مجاہد نے وضاحت سے بیان فرما دیا ہے اور اسی مضمون کی ایک روایت امام زہری سے بھی منقول ہے۔ (کتاب القراءات ص ۷۷)

حضرت امام بیہقی اور مبارک پوری صاحب وغیرہ نے اس اثر کو منقطع کہہ کر غلط فہمی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جو بے سود ہے۔ اولاً اس لیے امام ابن مدینی فرماتے ہیں: کہ مجاہد کا مرسل عطار کے مرسل سے مجھے کہیں زیادہ پسند ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۰۲) امام بیہقی بن سعید بن القطان کہتے ہیں: مجاہد کا مرسل مجھے طاؤس کے مرسل سے زیادہ پسند ہے۔ (تدریب الراوی ص ۷۷ و کتاب العلل ترمذی ص ۳۲۹) جب ائمہ جرح و تعدیل ان کے مرسل پر کامل اعتماد کرتے ہیں۔ تو ثقات خانہ میں طوطی کی کون سنتا ہے؟

وثانیاً علماء اخلاف کے نزدیک اور جمہور اہل اسلام اور دوسری صدی سے قبل تمام محدثین کرام کے نزدیک تنہا مرسل قابل حجت ہوتا ہے جیسا کہ اپنے مقام پر آئے گا۔ اور جب دوسری روایات سے (گو مرسل ہی کیوں نہ ہوں) وہ معتقد اور قوی ہو جاتے تو فریق ثانی کے نزدیک بھی وہ حجت ہے۔ اور مبارک پوری صاحب کو اس کا اقرار ہے (دیکھیے تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۹۱) اور اگر حضرت ابن مسعود و ابن عباس وغیرہ کی صحیح روایات سے بھی انقطاع کا یہ بہانہ رفع

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ ۵) ابن ابی نجیح رحمہ اللہ، امام احمد ابو زرعہ، ابن معین اور نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن سعدان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ امام سفیان اور ابو حاتم ان کی تفسیر کی بڑی قدر کرتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۵۳)

اے جو پہلے شان نزول کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں جن کا استدلالی رنگ نہیں جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے لکھا ہے (پہلے ناکام بہانہ کیا ہے۔ حضرت مجاہد اور ان دونوں حضرات صحابہ کے اثر میں شان نزول ہونے کے بارے میں کوئی فرق نہیں ہے اور جمہور حضرات صحابہ ان کے ساتھ ہیں جیسا کہ ان کا مرسل حجت ہے اس طرح ان کی تفسیر بھی حجت ہے اور کسی صحیح روایت ان کا قرآن خلف الامام کرنا ثابت نہیں ہے۔ جزیرہ القراءۃ ص ۷۷ کا حوالہ بالکل بے سند ہے۔ اس لیے اس کو اس صحیح اور مستند روایات کا جواب تصور کرنا بے سود ہے۔



نہ ہو۔ تو کسی دوسرے جہان اور دوسری جون کی انتظار کیجیے۔

وَالثَّالِثُ <sup>بیش</sup> امام شافعیؒ، بخاریؒ، ابن تیمیہؒ وغیرہ کلی طور پر مجاہد کی تفسیر پر اعتماد کرتے ہیں اور نواب صاحبؒ کا حوالہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ لہذا ان کا یہ عذر بار بار اور رکیک تاویل قابل سماعت نہیں ہے حضرت مجاہد کی اور بھی متعدد روایات باسانید صحیحہ مروی ہیں مگر ہم صرف ان پر ہی اکتفا کرتے ہیں: وفیہا کفایت لمن ھد ھدایۃ۔

### حضرت سعید بن المسیبؒ (المتوفی ۹۴ھ)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے ابو یعلیٰ موصیؒ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے محمد بن ابوبکر مقدمیؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے عبد الرحمن بن ہندؒ ملہ امام نوویؒ لکھتے ہیں۔ ان کی امامت اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن حبانؒ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے سردار تھے۔ (تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۲۲)۔ حافظ ذہبیؒ ان کو امام شیخ الاسلام اور اجلہ تابعین میں لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲۷) ابن حنظل لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں حدیث، فقہ، زہد و ورع اور عبادت اور جملہ علمی و عملی کمالات جمع تھیں۔ (تذرات الذہب جلد ۱ ص ۱۲۳) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ علی الاطلاق وہ سید التابعین تھے اور حضرت ابن عمرؓ ان کو احدث المتقین کہتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۹۹) امام بخاریؒ بن سعید فرمایا کرتے تھے۔ ہم قرآن کی تفسیر میں رائے کو دخل نہیں دیتے صرف وہی کہہ سکتے ہیں۔ جس کا ہمیں علم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۸۱) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان کے تمام مراسیل صحیح ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۸۱) امام حاکمؒ لکھتے ہیں کہ تمام مراسیل میں صحیح تر مراسیل ان کے ہیں۔ (معرفت علوم الحدیث ص ۲۵) امام بیہقیؒ ان کے مراسیل کو اصح المراسیل کہتے ہیں۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۲۲۱) علامہ جزائریؒ لکھتے ہیں کہ مراسیل میں سے صحیح ترین مرسل سعید بن المسیبؒ کا ہے (توجیہ النظر ص ۱۹۷) امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ ان کے مراسیل صحیح ترین ہیں۔ (مقدمۃ فتح الملہم ص ۱۳۷) امام شافعیؒ باوجودیکہ وہ دیگر تابعین کے مراسیل میں کلام کرتے ہیں مگر حضرات صحابہ کرامؓ کے مراسیل کی طرح وہ سعید بن المسیبؒ کے مرسل کو حجت اور صحیح مانتے ہیں۔ (مقدمۃ فتح الملہم ص ۲۲۱) لے ذہبیؒ ان کو حافظ الکبیر امام العلم اور الشہیر لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۸۱) علی بن المدینیؒ کا بیان ہے کہ ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا۔ اگر میں رکن حطیم اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر قسم کھاؤں تب بھی یہی کہوں گا کہ میں نے ان جیسا یا ان سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (تذرات ص ۲۵۵ و تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۱۲۳) علامہ سمعانیؒ لکھتے ہیں کہ پختہ کار حافظ صاحب تقویٰ اور جامع حدیث تھے۔ (کتاب الانساب ص ۱۹۹)



نے بیان کیا۔ وہ حماد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ قتادہ سے اور وہ سعید بن المسیب سے وہ فرماتے ہیں واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قال فی الصلوٰۃ (کتاب القراءۃ ص ۷۵) کہ آیت واذا قرئ القرآن الآیۃ کا شان نزول نماز ہے۔

### حضرت حسن بصریؒ (المتوفی ۱۱۰ھ)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ہم سے حافظ ابو عبد اللہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے حافظ ابو علی نے بیان کیا وہ بیان کرتے ہیں ہم سے ابو یعلیٰ موصلی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے محمد بن ابوبکر مقدسی نے بیان کیا علامہ ذہبیؒ ان کو امام، الحافظ، المحدث اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۸۹) آخر میں ان کے حافظہ میں معمولی فتور آ گیا تھا۔ (تقریب ص ۱۸) لیکن اس سے ان کی حدیث اور روایت پر مطلقاً اثر نہیں پڑتا۔ اس کی مزید تحقیق اپنے مقام پر آئے گی، امام احمد فرماتے ہیں جب کسی شخص کو دیکھو کہ وہ حماد بن سلمہ کے حق میں کچھ کہتا ہے تو اس کو منافق سمجھنا (فائزہ علی الاسلام) تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹) یہی الفاظ امام ابن معین سے بھی منقول ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۷) نواب صاحب لکھتے ہیں: گویم حماد بن سلمہ امام است تفروشن مادام کہ در مردیش مافع از اصول نبود مضر نیست۔ (بدور الابلہ ص ۳۳)

۴۔ حضرت قتادہ کا ترجمہ جلد ۲ ص ۲۲۵ میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ کریں۔

۳۔ علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ وہ جامع کمالات عالم بلند مرتبت رفیع المنزلت، فقیہ مامون عابد زاہد وسیع العلم فصیح و بلیغ، حسین اور جلیل تھے۔ (طبقات جلد ۱ ص ۱۱) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ علم کا سمندر فقیہ النفس کبیر الشیخ عظیم النظر اور بلیغ التذکیر تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۲) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے۔ (تہذیب الاسما جلد ۱ ص ۱۹) ابوبکر الہندی کا بیان ہے کہ جب تک وہ ایک شورت کی تفسیر اور شان نزول وغیرہ سے پوری طرح واقفیت حاصل نہ کر لیتے تھے۔ اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے۔ (شذرات جلد ۱ ص ۱۳) فقہ کے بہت بڑے امام تھے اور بصرہ کے مفتی اعظم تھے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ حسن بصریؒ حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۸۸ قسم اول) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ الامام الفقیہ المشہور احد ابن ابی بنی الاچلار اور علم و عمل اور اخلاص میں یکتا تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۲۶۸) نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں۔ حسن بصریؒ و محمد بن کعب القرظیؒ والیو العالیہ الریاضی وغیرہ میں ہما قدما و مفسرین الہ و غالب اقول ایشاں متلفی از صحابہ بودہ است۔ (الکیر ص ۱۱)



کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے یوسف بن یعقوب نے بیان کیا وہ شعبہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ منصور سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت حسن بصری سے۔ انھوں نے فرمایا: واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا فی الصلوٰۃ۔ (کتاب القراءۃ ص ۵۷) کہ واذا قرئ القرآن کا شان نزول نماز ہے۔

### حضرت ابو العالیہ الریاحی (نام رفیع بن مہران تھا۔ المتوفی ۱۷۹ھ)

امام بیہقی فرماتے ہیں ہم سے حافظ ابو عبد اللہ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم سے حافظ ابو علی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے ابو یعلیٰ (موصلی) نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے محمد بن ابوبکر مقدمی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے عبد الوہاب نے بیان کیا۔ وہ ہاجرہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو العالیہ الریاحی سے، انھوں نے فرمایا:

لے امام ابن معین، ابو داؤد، یعقوب بن شعبہ اور خلیل سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتم ان کو شیخ کہتے ہیں اور ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۴۲) باقی جملہ روایات کی توثیق چلے نقل کی جا چکی ہے۔

لے امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں تھے۔ ابو القاسم طبرانی کا بیان ہے کہ ان کی توثیق پر مسند ائق ہے۔ (تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۲۵۱) ابوبکر بن ابی داؤد کا بیان ہے کہ حضرات صحابہ کے بعد ابو العالیہ سے بڑھ کر عالم قرآن کوئی نہ تھا۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۵۸) ابن حماڈ ان کو مفسر قرآن لکھتے ہیں (شدات جلد ۱ ص ۱۰۲)

علامہ ابن سعد ان کو کثیر الحدیث لکھتے ہیں (طبقات جلد ۱ ص ۸۵) خود امام بیہقی ان کی تمقہ فی الصلوٰۃ کی حدیث کے علاوہ باقی تمام احادیث کو صحیح اور مستقیم تسلیم کرتے ہیں۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۲۷) امام عجمی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کبار تابعین میں تھے۔ امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف فی الصلوٰۃ کے علاوہ ابو العالیہ کی باقی تمام احادیث مستقیم اور صحیح ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۸۵) مولیٰ

طاش کبریٰ زادہ لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں تھے، آل حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے صرف دو سال بعد مسلمان ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر کے پاس گئے تھے اور حضرت عمر کے چچے نماز پڑھتی تھی اور قرآن کریم حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس سے پڑھاتا تھا اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ یقیناً مرتبہ انھوں نے قرآن کریم حضرت عمرؓ پر پیش کیا تھا۔ (مفصل الساعۃ جلد ۱ ص ۳۹۲) اور اسی کے قریب تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۸۵ میں ہے۔ (نمبر ۳۱ اور نمبر ۴۱ کے صفحہ پر دیکھیے)



کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا

صلی قرأ فقراً اصحابہ فنزلت

فاستمعوا له الآية فسكت القوم و

قرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(کتاب القراءة ص ۲)

کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے

تو ساتھ ساتھ آپ کے حضرات صحابہ بھی قرأت کرتے تھے۔

جب واذا قرأ القرآن (الایہ) نازل ہوئی تو حضرات

صحابہ کرام نے خاموشی اختیار کر لی اور خباب رسول خدا صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأت کیا کرتے تھے۔

امام بیہقیؒ علامہ حازمیؒ (المتوفی ۷۵۰ھ) اور مبارک پوری صاحبؒ وغیرہ نے اس روایت کے

منقطع ہونے کا ناکام بہانہ کیا ہے اور یہی کچھ مؤلف خیر الکلام نے ص ۵۵ پر کہا ہے لیکن یہ

صحیح نہیں ہے۔ اولاً: اس لیے کہ مرسل حجت ہے اور مرسل معتضد بلا اختلاف حجت ہے جیسا

کہ بیان ہو چکا ہے۔

وثانیاً: اگر اس کو ابوالعالیہ کی تفسیر بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں جس کی تائید

کئی محقق مفسرین کرام سے آگے آ رہی ہے۔ خود مؤلف خیر الکلام ص ۵۵ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

مگر معترض کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی آیت کی تفسیر اگر کسی تابعی سے ثابت ہو اور ایک بڑے

مفسر نے بھی اس کی تصدیق کی ہو اور کسی صحابی اور تابعی سے اس کی تردید وارد نہ ہوتی ہو

تو اس کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ اور اسی صفحہ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ایک تفسیر کے

مقابلہ میں محض اشکل سچو بات بنانا درست نہیں۔ لہذا ان کو اپنے تجویز کردہ نسخہ پر عمل کرنا چاہیے

کہ ہینگ لگے نہ پھٹکری۔

حضرت امام زہریؒ:

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ہم سے حافظ ابو عبد اللہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے

تھان کا ترجمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی ذیل میں نقل کر دیا گیا ہے۔

تھان مجاہد بن مخلد کو امام ابن معینؒ صالح کہتے ہیں۔ محدث ساجی ان کو صدوق کہتے ہیں۔ اور نیز کہتے ہیں کہ وہ مقرب

و مشہور تھے۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۲۳) باقی روایت کا حال اور توثیق

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

امام زہریؒ اور امام عبد اللہ بن مبارکؒ کا ترجمہ مقدمہ میں عرض کیا جا چکا ہے اور بقیہ روایت کا عنقریب گزر چکا۔

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)



حافظ ابو علی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے حسن بن سفیان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے حبان بن موسیٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے یونس نے بیان کیا وہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ

قال لا یقرأ من وراء الامام فیہا  
یجہر بہ الامام یکفیلہم قرأۃ الامام  
وان لم یسمعہم صوتہ ولکنہم یقرؤون  
فیہا لا یجہر بہ سراً فی النفسہم ولا یصلح  
لواحد خلفہ ان یقرأ معہ فیما جہر بہ سراً  
ولا علانۃ قال اللہ واذا قرئ القرآن  
فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون

امام کے پیچھے جہری نمازوں میں مقتدیوں کو قرات کر کے کی  
مطلقاً گنجائش نہیں ہے۔ امام کا پڑھنا ہی مقتدیوں کو کافی  
ہے۔ چاہے وہ مقتدیوں کو کچھ بھی نہ سنا تا ہوا ان کو نہ تو جہر سے  
پڑھنا جائز ہے اور نہ آہستہ۔ ہاں ستری نمازوں میں وہ اپنے  
دل میں قرات کر سکتے ہیں اور جہری نمازوں میں اس لیے منع  
ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب قرآن پڑھا جاتا ہو تو تم  
خاموش رہو کہ اس کی طرف توجہ کرنا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(کتاب القراءۃ ص ۵)

ستری اور جہری نمازوں کا بیان اپنی جگہ یہ ہوگا۔ لیکن بہر حال امام زہری بھی آیت مذکورہ کا شان نزول  
مسئلہ قراءۃ خلف الامام بتاتے ہیں۔ سککات میں پڑھنے کا کسی صحیح حدیث سے ثبوت نہیں اور یہ  
اشد لا لی رنگ نہیں بلکہ شان نزول ذکر ہو رہا ہے۔ مرسل زہری اگرچہ تنہا حجت نہیں ہوتا مگر اس سے  
دیگر مراسیل کی تائید مطلوب ہے اور دوسرے مراسیل کے ساتھ مل کر یہ مرسل مسئلہ زیر بحث پر صراحت  
سے روشنی ڈالتا ہے۔

(پچھلے صفحہ کا باقی) صرف تین راوی باقی ہیں۔ ان کی توثیق سن لیجئے۔ حسن بن سفیان علامہ ذہبی ان کو الحافظ الامام ابو  
شیخ خراسان لکھتے ہیں۔ امام حاکم کا بیان ہے کہ وہ خراسان کے محدث اور اپنے تمام معاصرین پر ثبوت، کثرت روایت  
فہم، فقہ، ادب اور دیگر علوم میں فائق تھے۔ (تذکرہ ۲ ص ۲۴۵)۔ حبان بن موسیٰ، ابراہیم بن الجعد ان کی لا باس  
بہ سے توثیق کرتے ہیں۔ ابن حبان ثقافت میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۷۵) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں  
کہ وہ ثقہ تھے۔ (تقریب ص ۵۷) یونس بن یزید علامہ ذہبی ان کو الحافظ اور الثبوت لکھتے ہیں۔ اور احمد بن  
صالح کا بیان ہے کہ ہم امام زہری کے تلامذہ ہیں یونس کو ترجیح نہیں دیتے۔ امام احمد فرماتے تھے کہ وہ ثقہ ہیں۔  
(تذکرہ جلد ۱ ص ۱۵۳)



عبد بن عمیر (المتوفی ۱۲۵ھ) اور عطاء بن ابی رباح (المتوفی ۱۲۵ھ) :

امام ابن جریر فرماتے ہیں ہم سے حمید بن مسعد نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے بشر بن الفضل نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے جریر بن عقیل نے بیان کیا۔ وہ طلحہ بن عبد بن کریم سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے عبد بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا۔ حالانکہ ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ آپ ذکر کیوں نہیں سنتے اور کیوں وعید کے مستوجب ہو رہے ہیں؟ لیکن ان دونوں نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ میں نے پھر کہا۔ انھوں نے پھر میری طرف دیکھا اور باتوں میں مشغول ہو گئے میں نے سہ بارہ ان سے کہا۔ مگر ان دونوں نے کہا :

انما ذلك في الصلوة يعني واذا قرئ القرآن فاستمعوا له  
قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا  
یعنی جو آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له  
وانصتوا تمہارے پیش نظر ہے۔ اس کا شان نزول  
(تفسیر ابن جریر جلد ۹ ص ۱۰۱ و ابن کثیر ج ۳ ص ۹۲) نماز ہے نہ کہ وعظ وعام تلاوت۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے باتیں کرنا اور قرأت کرنا ممنوع ہے کیونکہ یہ استماع وانصات کے خلاف ہے اور اس آیت کریمہ کا شان نزول ہی نماز ہے۔ خارج از نماز باتوں کو یہ شامل نہیں ہے۔

۱۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ عالم، واعظ اور کبیر القدر تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲) امام ابن معینؒ اور ابو زرؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں۔ عجلانؒ ان کو ثقہ من کبار التابعینؒ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے اور ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۷)

۲۔ ذہبیؒ ان کو مفتی اہل مکہ اور محدث، القدودہ اور العلم لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۹۲) ابن حبانؒ ان کو علم فقہ وریع اور فضیلت میں تابعینؒ کے سردار لکھتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کو ثبت، حجة، امام اور کبیر الثقات لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۷) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ کبار اور ثقات و بلند پایہ تابعینؒ میں تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۷) ان کی ملاقات ہوئی ہے۔ نیز ابن سعدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ثقہ، فقیہ عالم اور کثیر الحدیث تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۳۰۶)

۳۔ ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور نسانی ثقہ لکھتے ہیں اور ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۷)

۴۔ امام ذہبیؒ ان کو امام، الشقر، الحافظ اور العابد لکھتے ہیں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں ثبت ان پر ختم تھا۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۸۷) (باقی نمبر ۵ و ۶ اگلے صفحہ پر دیکھئے)



## حضرت محمد بن کعب القرظی (المتوفی ۱۸۸ھ)؛

امام بیہقی فرماتے ہیں ہم سے ابو نصر عمر بن عبدالعزیز بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے ابو منصور عباس بن فضل نصر وی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے احمد بن محمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے سعید بن منصور نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو معشر نے بیان کیا۔ وہ محمد بن کعب (القرظی) سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرامؓ ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔ جب آپ قرأت کرتے تھے تو وہ بھی ساتھ ساتھ قرأت

(نمبر ۵ دیکھئے صفحہ کے حاشیے) ۱۸ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الحجۃ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲۶)

۱۹ امام احمد اور نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۵۲) ۲۰ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ علم و فقر میں مدینہ کے فاضل ترین علما میں (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۲) امام نوویؒ لکھتے ہیں۔ وہ بڑے اور ائمہ تابعین میں تھے (تہذیب الاسما جلد ۱ قسم اول ص ۹) حافظ عجلؒ ان کو ثقہ، رجل صالح اور عالم قرآن کہتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان کو ثقہ، عالم اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ عوف بن عبد اللہؒ کا بیان ہے کہ میں نے تفسیر قرآن کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۲) تہذیب التہذیب، جلد ۹ ص ۳۲)۔ علامہ ذہبیؒ ان کو مفسر قرآن لکھتے ہیں۔ (دول الاسلام جلد ۱ ص ۵۲) حافظ ابن کثیرؒ ان کو عالم تفسیر قرآن، صالح اور عابد لکھتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۲۵) جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیش گوئی فرمائی تھی کہ بنو قریظہ میں ایک شخص پیدا ہوگا جو قرآن تفسیر میں اپنا نظیر نہ رکھتا ہوگا۔ ائمہ کا خیال ہے کہ یہ محمد بن کعب قرظیؒ کے حق میں تھی۔ (البدایہ جلد ۱ ص ۲۲)۔ مولانا مبارک پوریؒ ص ۲۲ لکھتے ہیں: مدینہ طیبہ میں محمد بن کعبؒ کے بعد زید بن اسلمؒ جیسا مفسر قرآن کوئی اور نہ تھا۔ (تحفۃ الاحوذ جلد ۱ ص ۱۲۱)

۲۱ امام بیہقیؒ کے شیخ ہیں۔ ان کی سند سے ایک حدیث کی امام بیہقیؒ تصحیح کرتے ہیں (دیکھئے سنن الکبیریؒ ص ۱۲۹) ۲۲ ثقہ اور مشہور تھے (تقریب ص ۱۹۱) ۲۳ امام دارقطنیؒ ان کی توثیق کرتے ہیں اور ان پر کسی کی جرح منقول نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۵۰) ۲۴ ابو حاتمؒ ان کو ثقہ من المبتدین الزیادات کہتے ہیں۔ ابن نمیرؒ اور ابن خراشؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن قانعؒ ان کو ثقہ اور ثبت کہتے ہیں۔ خلیلیؒ کہتے ہیں ان کے ثقہ ہونے پر سب اتفاق ہے (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۹۰-۸۹) ۲۵ ابو معشرؒ کو بعض محدثینؒ روایت حدیث (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)



کرتے جاتے۔ اس پر سورۃ اعراف کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ

کہ جب قرآن کریم کی قرأت کی جاتی ہو تو تم توجہ

وانصتوا (الایت) (کتاب القراءة ص ۷۷)

کرو اور خاموش رہو۔

### حدیث مرسل:

مرسل حدیث سے احتجاج اور عدم احتجاج کی بحث اسی کتاب میں آگے اپنے مقام پر آ رہی ہے (انشاء اللہ تعالیٰ) یہاں بقدر ضرورت تھوڑی سی بحث مناسب معلوم ہوتی ہے تاکہ بات ذرا واضح ہو جائے اور یہ حوالے آگے ذکر نہ کیے جائیں گے تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔ امام سیوطی علامہ قاسم بن قطلوبغا محدث جزائری اور مولانا عثمانی نقل کرتے ہیں:

کمزور سمجھتے تھے۔ مگر امام احمد ان کو صالح محدث الصدوق کہتے تھے۔ ابن معین کہتے ہیں۔ ان سے حدیثیں لکھی جاسکتی

ہیں۔ ابو زرعمہ ان کو صدوق فی الحدیث کہتے ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں ان سے بڑے بڑے ثقات نے روایات کی

ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۲۹ و تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۲) امام نعیم ان کو کہیں اور حافظ کہتے ہیں

(تہذیب ص ۲۷) علامہ فریبی ان کو علم کا طرف لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام نسائی نے ان سے احتجاج کیا ہے

(تذکرہ جلد ۲ ص ۲۱۶) حافظ ابن حجر ان کو ابو داؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ کا راوی بتاتے ہیں (تہذیب ص ۲۱۹)

ان کے متعلق یہ اختلاف صرف روایت حدیث کے بارے میں ہے فن تفسیر میں وہ بلا اختلاف اور بلا مدافعت

مسلم امام تھے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، امام علی بن المدینی اور عمرو بن علی

الافلاس وغیرہ ائمہ کہتے ہیں کہ ابو معشر کی وہ روایات جو تفسیر کے سلسلہ میں ہیں اور خاص طور پر وہ جو محمد بن

عبس اور محمد بن کعب سے نقل کرتے ہیں۔ وہ بلا چون و چرا صحیح، معتبر اور قابل حجت ہیں۔ (تہذیب التہذیب

جلد ۱۰ ص ۲۲۱ و ص ۲۲۱ مضمون) مبارک پوری صاحب نے ان کی جو تضعیف نقل کی ہے وہ ان کے لیے چنداں

مفید نہیں۔ کیونکہ محدثین جب ان کو کمزور کہتے ہیں تو صرف روایت حدیث کے بارے میں اور نہ ہمارے جو روایت

نقل کی ہے وہ تفسیر کے بارے میں ہے اور خاص طور پر محمد بن کعب قرظی سے ہے اور ان کی روایت کو اس نے

میں بلا قیل وقال محدثین تسلیم کرتے ہیں۔ مؤلف خیر الکلام نے اپنی عادت کے مطابق محدثین کی جرح تو نقل کر دی

ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۲۵۹) مگر تفسیر کے بارے میں ان کی روایت کے قابل اعتبار ہونے کا کوئی معقول جواب

نہیں دے سکے اور لکھتے ہیں کہ جس حدیث کو محدثین کی شرائط کے مطابق محمد بن کعب سے بیان کریں ان سے چند



وقال ابن جریر اجمع التابعون  
 بأسرهم علی قبول المرسل ولریات عنہم  
 انکارہ ولا عن احد من الائمة بعدهم الی  
 رأس المائتین قال ابن عید البرکاتہ یعنی  
 الشافعی اول من ردہ اھ (تدریب التلخیص  
 ص ۲۳۵ منیة الاملی ص ۲۰ توجیہ النخل ص ۲۳۵)  
 ومقدمہ فتح الملہم ص ۳۲)

امام ابن جریر نے فرمایا کہ تابعین سب کے سب اس  
 امر پر متفق تھے کہ مرسل قابل احتجاج ہے تابعین سے  
 لے کر دوسری صدی کے آخر تک ائمہ میں سے کسی نے  
 مرسل کے قبول کرنے کا انکار نہیں کیا۔ امام ابن عبد البر  
 فرماتے ہیں کہ گویا امام شافعی ہی پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں  
 نے مرسل کے ساتھ احتجاج کا انکار کیا ہے۔

اس سے صاف طور پر یہ بات واضح ہو گئی کہ دوسری صدی کے آخر تک تابعین اور ائمہ دین میں  
 سے کوئی بھی مرسل حدیث سے احتجاج کا منکر نہ تھا۔ تعجب ہے کہ فریق ثانی کے نزدیک یہ اجماع و حجت  
 نہیں لیکن دوسری صدی کے بعد کا نظریہ قابل قبول ہے اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اور امت کی  
 اکثریت کا لحاظ قرن اول میں لیا جائے گا..... الخ ص ۵۳)

الحمد للہ تعالیٰ کہ قرن اول والے مرسل کو بلا قیل وقال تسلیم کرتے تھے۔ اور اس پر ان کا اجماع ہے۔  
 نواب صدیق حسن خاں صاحب اور علامہ جزائری لکھتے ہیں:

حدیثیں صالح پائی گئی ہیں..... الخ مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ محدثین کرامؒ ہی ان کی محمد بن کعب سے  
 روایتوں کو صالح کہتے ہیں اور یہ بھی انہیں میں سے ہے اور بالکل صالح ہے اور امام کے پیچھے قرأت ترک  
 کرنے کے سلسلے میں ہے قرأت ہو یا کلام ہو ہر دو آہستہ اور اس کا شان نزول ہی یہ بتاتے ہیں۔ قاضی  
 مقبول احمد صاحب کو بلا وجہ غصہ آگیا ہے کہ اس کو امام بخاریؒ منکر الحدیث کہتے ہیں اور مصنف احسن الکلام  
 خود لکھتا ہے کہ جس کو امام بخاریؒ منکر الحدیث کہیں اس سے روایت نہیں لی جاسکتی۔ (محصلہ الاعتصام ،  
 ۸ ستمبر ۱۹۶۲ء) لیکن محدثینؒ نے ان کی تفسیر کی روایت کو اور اسی طرح تاریخی روایت کو حجت مانا ہے۔  
 تفسیر کے بارے میں تو حوالہ گزر چکا ہے تاریخ کے متعلق سنئے۔ امام خلیلؒ فرماتے ہیں:

وتاریخہ اجتہب بہ الاثمتہ وضعفہ فی الحدیث اھ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۲)

اور ان سے تاریخ میں ائمہ نے احتجاج کیا ہے اور حدیث میں اس کو اس کو ضعیف سمجھا ہے جیسا کہ محدثین اسحاقؒ  
 کہ حدیث احکام میں ضعیف ہے مگر غازی کا امام ہے۔ اس کے احادیث احکام میں ضعیف ہونے سے اس کے تاریخ  
 میں معتبر ہونے پر کیا زور پڑتی ہے؟ فکذا ہذا۔



واما المراسیل فقد کان یجتنب بها  
العلماء فیما مضی مثل سفیان الثوری  
ومالك والذاعی حتی جاء الشافعی فکلم  
فیه اه

۲۳۵  
المحط فی ذکر الصحاح الستہ من وتوجیہ النظر

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ

فاذا لم یکن مسنداً ضد المرسل  
ولم یوجد مسنداً فالمرسل یجتنب یہ  
ولیس ہو مثل المتصل فی القوة۔  
(رسالہ ابو داؤد، ص ۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مراسیل سے احتجاج اور عدم احتجاج کے بارے میں بحث کرتے  
ہوتے لکھتے ہیں کہ

واما المراسیل قد تنازع الناس  
فی قبولها و ردّها و اصحّ الاقوال ان  
منها المقبول والمردود ومنها الموقوف  
فمن علم من حالہ انه لا یرسل الا  
عن ثقۃ قبل مرسلہ ومن عرف انه  
یرسل عن الثقتہ و غیر الثقتہ کان ارسالہ  
روایۃ عن من لا یعرف حالہ فہذا امر قوی  
وما کان من المراسیل مخالفاً لما رواہ  
الثقات کان مردوداً و اذا کان المرسل  
من وجہین کل من الراویین اخذ العلم  
عن شیوخ اخر فہذا یدل علی صدقہ

بہر حال مراسیل کے قبول اور رد کرنے میں لوگوں  
نے اختلاف کیا ہے اور صحیح تر قول یہ ہے کہ مراسیل  
میں مقبول و مردود اور موقوف سبھی اقسام ہیں سو  
جس کے حال سے یہ معلوم ہوا کہ وہ ثقہ ہی سے  
ارسال کرتا ہے تو اس کا مرسل قبول کیا جائے گا اور  
جو ثقہ اور غیر ثقہ سب سے ارسال کرتا ہے اور  
جس سے اس نے حدیث مرسل روایت کی ہے۔  
اس کا علم نہیں تو ایسی مرسل حدیث موقوف ہوگی  
اور جو مراسیل ثقات کی روایت کے خلاف ہوں تو  
وہ مردود ہوں گے اور جب مرسل دو طریقوں سے  
مردی ہو ایک مرسل الگ شیوخ سے اور دوسرا الگ

مراسیل کے ساتھ گذشتہ زمانہ میں علماء احتجاج  
کیا کرتے تھے۔ مثلاً امام سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ  
اور امام ابو داؤدؒ جب امام شافعیؒ آئے تو انھوں نے  
مرسل کی حجیت میں کلام کیا۔

جب مرسل کے خلاف کوئی مسند حدیث موجود  
نہ ہو اور مسند اس باب میں نہ پائی جائے تو مرسل  
حجت ہوگی مگر متصل کی طرح قوی نہ ہوگی۔



فان مثل ذلك لا يتصور في العادة تماثل  
الخطأ فيه وتعتمد الكذب اهـ  
(منهاج السنن جلد ۲ ص ۱۱)  
تو یہ اس کے صدق پر دلالت کرتا ہے کیونکہ عادتاً اس  
میں خطا اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کا تصور نہیں کیا  
جاسکتا۔

امام نووی پہلے ان حضرات کا ذکر کرتے ہیں جو مرسل کو قابل استدلال نہیں گردانتے۔ آگے ارشاد  
فرماتے ہیں کہ

ومذهب مالك وابي حنيفة واحده  
واكثر الفقهاء انه يحتج به ومذهب الشافعي  
انه اذا انضم الى المرسل ما يحضره  
احتج به وذلك بان يروى مسنداً  
او مرسلًا من جهة اخراى او يعمل  
به بعض الصحابة واكثر العلماء اهـ  
(مقدمہ نووی بر شرح مسلم ص ۱)  
امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور اکثر  
فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مرسل قابل احتجاج ہے اور  
امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ  
کوئی تقویت کی چیز مل جاتے تو وہ حجت ہوگا مثلاً  
یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہو یا دوسرے طریق سے  
وہ مرسل روایت کیا گیا ہو یا بعض حضرات صحابہ کرام رض  
یا اکثر علماء نے اس پر عمل کیا ہو

حضرت امام شافعیؒ نے یہ بحث اپنی کتاب الرسالۃ فی اصول الفقہ ص ۱ طبع بولاق میں  
کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرسل معتضد کے حجت ہونے کے امام موصوف بھی قائل ہیں  
اور اس کی ان کے نزدیک چند شرطیں ہیں جن کا اختصار کے ساتھ امام نوویؒ نے تذکرہ فرمایا ہے  
ایک شرط یہ ہے کہ

وزاد في الاعتضاد ان يوافق قول  
صحابي او يفتي اكثر العلماء بمقتضاه  
... (تدريب الراوى ص ۱۱)  
امام شافعیؒ نے اعتضاد کے لیے یہ شرط زائد کیا  
کی ہے کہ وہ کسی صحابی کے قول کے موافق ہو یا اکثر علماء  
نے اس کے مقتضی پر فتویٰ دیا ہو۔

امام ابن الجوزیؒ اپنی کتاب التحقیق میں اور محدث خطیب بغدادیؒ اپنی تالیف  
الجامع فی ادب الراوی والسماع میں امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کرتے ہیں۔  
ربما كان المرسل اقوى من  
المسند (شرح نقایہ جلد ۱ ص ۱ طبع ہند)  
بسا اوقات حدیث مرسل مسند سے قوی تر  
ہوتی ہے۔



اور عہد حاضر کے محقق علامہ ذہب الکوثری (المتوفی ۱۰۸۵ھ) لکھتے ہیں کہ

والاحتجاج بالمرسل كان سنة  
متوارثة جرت عليه الامنة في القرون  
الفاصلة حتى قال ابن جرير والمرسل  
مطلقاً بدعتاً ثبت في رأس المائتين  
كما ذكره الباقر في اصوله وابن عبد البر  
في التمهيد وابن رجب في شرح علل الترمذی  
مرسل کے ساتھ احتجاج کرنا ایک ایسا متوارث طریق  
تھا جس پر قرون فاصلہ ہیں امت عمل پر امر ہے امام ابن  
جریر نے تو یہاں تک کہا ہے کہ: "مطلقاً مرسل کو رد کر دینا بدعت  
ہے جو دوسری صدی کے آخر میں ایجاد ہوئی جیسا کہ علامہ  
باقری نے اپنے اصول میں اور ابن عبد البر نے تمہید میں اور  
ابن رجب نے شرح علل ترمذی میں ذکر کیا ہے۔

(تانیب الخطیب ص ۱۵ طبع مصر)

تقلید شخصی تو بقول فریق ثانی جو تھی صدی کے بعد کی بدعت ہے مگر مطلقاً مرسل کو رد کرنا دوسری  
صدی کے بعد کی بدعت نکلی ان تمام اقتباسات سے یہ بات بالکل مبرہن ہو چکی ہے کہ مرسل حدیث  
کے حجت ہونے نہ ہونے کا جھگڑا تو دوسری صدی کے بعد سے تا پہنوز چلا آ رہا ہے مگر دوسری صدی  
تک ساری امت مرسل کو حجت سمجھتی تھی۔ لہذا محض مرسل مرسل کہہ کر ہستی گلو خلاصی چاہنا جیسا کہ فریق ثانی  
کر رہا ہے آساں نہیں ہے حتیٰ بات یہ ہے کہ مرسل جبکہ اس کی سند صحیح ہو اور کسی مرفوع متصل روایت  
کے خلاف بھی نہ ہو تو وہ بالکل حجت ہے۔

### بعض حضرات تابعین اور تبع تابعین کے مراسیل:

علمی اور تحقیقی طور پر بعض حضرات تابعین اور اشباع تابعین ایسے بھی ہیں جن کے مراسیل کو امت  
مسلمہ نے بخوشی قبول کیا ہے حتیٰ کہ خود حضرت امام شافعیؒ نے بھی ان کو تسلیم کیا ہے اور وہی اس  
کے رد کرنے میں پیش پیش ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ بتایا گیا ہے کہ وہ حضرت  
سعید بن المسیبؒ کے مرسل کو حجت مانتے ہیں۔ (تدریب الراوی ص ۱۲۰)

اور امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیبؒ کے مراسیل اصح ترین ہیں۔

(تدریب ص ۱۲۳)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیبؒ کے مراسیل صحیح ترین ہیں اور ابوبکر بن سلیم نخعیؒ کے

(ایضاً ص ۱۲۳ و ص ۱۲۴)

مراسیل لا بأس بہا ہیں۔



اور امام ابن معینؒ نے فرمایا کہ مراسیل ابراہیم نخعیؒ مجھے شعبیؒ کے مراسیل سے زیادہ محبوب ہیں۔  
 (ایضاً ص ۱۲۲) اور امام المحضین علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ کے مراسیل جن کو ان سے ثقہ  
 راوی نقل کریں بالکل صحیح ہوتے ہیں۔ (ایضاً) اور علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے مجاہد کے مراسیل،  
 عطاء کے مراسیل سے کئی درجہ زیادہ پسند ہیں (ایضاً ص ۱۲۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مراسیل  
 ایک دوسرے کی نسبت سے صحیح تر ہوتے ہیں مگر بعض ایسے بھی ہیں جو فی نفسہ صحیح بلکہ اصح ہیں۔  
 لہذا مؤلف خیر الکلام کا یہ بہانہ کہ ترجیح سے اعتقاد سمجھ لیا حالانکہ ضعیف پر ضعیف کو بھی ترجیح ہوتی  
 ہے۔ الی ان قال یا درکھنا چاہیے کہ مرسل کو مرسل سے اس وقت قوت ہوتی ہے جب دونوں کبار تابعینؒ  
 سے ہوں۔ (۲۵۵ ص) محض اپنے قلب کی تسکین کا سامان ہے اور ناخواندہ حواریوں کو طفل تسلی  
 دینا ہے اور بس کیونکہ ان مراسیل میں مطلقاً بعض مراسیل فی نفسہا صحیح ہیں اور اعتضاد کے لیے  
 کبار تابعینؒ کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہ محض مؤلف مذکور کی اختراع ہے کیونکہ حضرات ائمہ ثلاثہؒ اور  
 دوسری صدی تک کی ساری امت تو ویسے ہی مرسل کو حجت مانتی ہے اور امام شافعیؒ مرسل  
 مقتضہ کو (جو بعض حضرات صحابہ کرامؓ یا اکثر علماء کے عمل کے موافق ہو) حجت سمجھتے ہیں اور امام کے  
 پیچھے قرأت کا ترک کرنا خصوصاً جہری نمازوں میں نہ صرف یہ کہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ کے عمل سے  
 مؤید ہے بلکہ جمہور صحابہ کرامؓ کا یہی معمول تھا اور بقول حافظ ابن تیمیہؒ جہری نمازوں میں ترک قرأت پر  
 اجماع امت ہے لہذا ہر حیثیت سے یہ مراسیل حجت ہیں لا شک فیہا۔

فائدہ۔ اگرچہ بعض محدثینؒ نے مرسل اور منقطع میں اصطلاحی طور پر کچھ فرق کیا ہے لیکن علامہ  
 جزائریؒ لکھتے ہیں:

وقد اطلق المرسل علی المنقطع من  
 ائمة الحديث ابو زرعة وابو حاتم  
 والدارقطني۔ اھ (توجیہ ص ۲۲)  
 حدیث منقطع پر مرسل کا اطلاق ان ائمہ حدیث  
 نے کیا ہے امام ابو زرعةؒ، امام ابو حاتمؒ اور امام دارقطنیؒ

مؤلف خیر الکلام نے حضرت مجاہد کے اثر کے بارے میں امام بیہقیؒ کی کتاب القراءۃ ص ۷۲ کے  
 حوالہ سے جو یہ لکھا ہے کہ یہ منقطع ہے اور منقطع ضعیف کی قسم ہوتی ہے (محصلہ ص ۳۵۳)  
 محض طفل تسلی ہے کیونکہ مرسل فی نفسہ صحیح قول کی بنا پر حجت ہے اور حکم منقطع و مرسل ایک



وغیر الامام کتاب القراءۃ ص ۶۸ جزا المقرۃ ص ۶۸) امام کے پیچھے ہو یا اکیلا۔

جواب: اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد جصاص ہے امام ابن معینؒ اور ابن مدینیؒ اس کو نہیں  
 بشیؒ کہتے ہیں نسائیؒ اور دارقطنیؒ اس کو متروک کہتے ہیں البزرجیؒ اس کو وہابی کہتے ہیں علامہ ذہبیؒ  
 فرماتے ہیں کہ اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے (میزان جلد ۱ ص ۳۵۶ و تہذیب  
 جلد ۲ ص ۳۶۸) مولف خیر الکلام نے بھی علامہ ذہبیؒ کا حوالہ نقل کیا ہے (مکمل ۲) یہ روایت بھی نہایت  
 کمزور اور ضعیف ہے اور ان کی ایک روایت یوں ہے لا تجوز صلاۃ الا بقراءة الکتاب و آیتان  
 فصاعداً (کتاب القراءۃ ص ۶۸) کہ نماز سورۃ فاتحہ اور دو آیتوں اور اس سے کچھ زیادہ کے بغیر صحیح  
 نہیں ہوتی۔ لیکن اس میں ایک تو خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے اور دوسرا اس میں و آیتین  
 فصاعداً کی زیادت موجود ہے۔

لطیفہ: حضرت عمران بن حصینؒ سے مرفوعاً ایک روایت مروی ہے کہ ظہر کی نماز میں ایک  
 شخص نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد  
 آپؐ نے فرمایا کس نے میرے ساتھ نماز عت اور پڑھا پائی کی ہے؟ غرضیکہ آپؐ نے امام کے پیچھے قرأت  
 کرنے سے منع کر دیا (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲) اس روایت پر فریق ثانی کی طرف سے جن میں امام دارقطنیؒ  
 بھی ہیں یہ اعتراض ہوا ہے کہ سند میں حجاج بن ارطاةؒ ہے اور وہ ضعیف ہے ہم نے حجاج بن  
 ارطاةؒ سے کوئی روایت نہیں لی۔ لیکن فریق ثانی کی ستم ظریفی ملاحظہ کیجئے کہ حجاج بن ارطاةؒ، ابو داؤدؒ،  
 ترمذیؒ، نسائیؒ اور مسلمؒ وغیرہ کے روایت میں ہیں (ازالہ ستر ص ۱۴۱) علامہ ذہبیؒ ان کے احوال اعلام اور علم کا  
 ظرف لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۵) البزرجیؒ اور ترمذیؒ ان کی توثیق کرتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۱۹۶)۔  
 امام نوویؒ کہتے ہیں کان بارعانی الحفظ والعلم کہ حفظ اور علم میں وہ بلند پایہ رکھتے تھے۔  
 (تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۱۵۳) امام ترمذیؒ ان کی ایک حدیث کو حسن کہتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۱۵۳)  
 بلکہ ایک حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں (جلد ۱ ص ۱۱۲) افسوس ہے کہ ان کی روایت تو فریق ثانی کے  
 نزدیک حجت نہیں ہے لیکن زیادؒ کی روایت حجت ہے جو لیس بشیؒ ہے اور اس کی تضعیف  
 پر اجماع ہے ان کی ایک روایت یوں ہے کہ ظہر کی نماز میں ایک شخص نے سبح اسم ربك الاعلیٰ  
 کی سورت آپؐ کے پیچھے پڑھی تھی (مسلم جلد ۱ ص ۱۴۲، نسائی جلد ۱ ص ۱۰۶، ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۲۴) چوتھی لغت



توفیقی ہے اس لیے قرآن کو جہم کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا اور پڑھنے والا بھی صرف ایک شخص تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس نے قرآن کی تلاوت میں کی تھی جو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو بھی گوارا نہیں کیا اور پوری تحقیق گندہ چکی ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور منازعت و مخالفت میں قرأت سورۃ فاتحہ اور دوسری تمام سورتیں یکساں ہیں کیونکہ علت ایک ہے اور ما زاد علی الفاتحۃ کو منازعت کے لیے متعین کر دینا اور سورۃ فاتحہ کو اس سے خارج تصور کرنا وغوی بلا دلیل ہے جو بہر حال مردود ہے۔

حضرت ہشام بن عامر کا اثر: حمید بن ہلال سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔  
 ان ہشام بن عامر قرا فقیل لہ القراءۃ کہ ہشام بن عامر نے قرأت کی ان سے پوچھا گیا کہ  
 خلف الامام قال انا کنت فعل کتاب القراءۃ آپ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں ہم  
 مکہ والسنة الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۷۱ یوں ہی کرتے ہیں۔

جواب: یہ اثر بھی قابل التفات نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں ابو بکر برہاریؒ ہے اور عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ کذاب تھا و ثانیاً اس بات میں اختلاف ہے کہ حمید بن ہلال کی ہشام بن عامر سے ملاقات ثابت ہے یا نہیں؟ امام ابو حاتم کہتے ہیں ملاقات ثابت نہیں ہے اور ان کی روایت مرسل ہے (دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۷۱ و جلد ۱۱ ص ۱۱۱ و ثالثاً اس اثر میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرأت کا ذکر ہے فرق ثانی کا وغوی صرف سورۃ فاتحہ کی قرأت کا ہے نہ کہ مطلق قرأت کا۔

حضرت معاذ بن جبل کا اثر: ایک سائل نے حضرت معاذ سے قرآن خلف الامام کے متعلق سوال کیا۔

قال اذا قرا فاتحاً بقائتہ الکتاب وقل  
 هو اللہ احد واذالہ تسمع قارئاً  
 نفسک ولا تؤذ من عن یمنک ولا من  
 عن شمالک (السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹)  
 انہوں نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم بھی سورۃ  
 فاتحہ اور قل هو اللہ احد پڑھا کرو اور جب اس  
 کی قرآن سنو تو دل میں پڑھا کرو وائیں اور بائیں پہلو  
 والوں کو اذیت نہ دیا کرو۔

جواب: یہ اثر بھی قابل استدلال نہیں ہو سکتا اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں احمد بن محمدؒ



واقع ہے حافظ ابن حجر ایک سند کے متعلق جس میں احمد بن محمد واقع ہے لکھتے ہیں کہ سند باطل ہے اور اس سند کے راوی ضعیف ہیں دارقطنی کہتے ہیں کہ مجہول ہیں (لسان المیزان جلد ۶ ص ۱۱۷) وثالثاً اس کی سند میں ابو شیبہ مہری ہے علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر بلج مہری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں ابی بکر بن داود من شیخہ بلج مہری اور اس کا استاد ابو شیبہ مہری پتہ نہیں یہ دونوں کون تھے؟ امام بخاری فرماتے ہیں اس کی سند مجہول ہے (میزان جلد ۱ ص ۱۶۲ و لسان جلد ۲ ص ۱۱۷) وثالثاً اس سند میں علی بن یونس واقع ہے اگر یہ علی بن یونس بلخی ہے تب بھی کمزور ہے (میزان جلد ۲ ص ۱۱۷ و لسان ص ۱۶۲) اور اگر علی بن یونس مہینی ہے تب بھی ضعیف ہے (الایضہ والایضہ ص ۲۶۹) اگر کوئی اور ہے تو اس کی توثیق درکار ہے و رابعاً اس اثر سے ظہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ نے صرف ستری نمازوں میں اجازت دی ہے و خامساً اس میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ قل هو اللہ احد کی قرأت کا بھی ذکر ہے اور فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر :- حضرت سالم سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ان ابن عمرؓ کان ینصت للامام فیما ھو فیہ ولا یقل احد مَعہ (کتاب القراءۃ ص ۱۶۱) کہ حضرت ابن عمرؓ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے خاموش رہا کرتے تھے اور قرأت نہیں کرتے تھے، فریق ثانی کا کہنا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستری نمازوں میں وہ امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے۔

جواب :- یہ اثر بھی فریق ثانی کو مفید نہیں اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں ابن جریرؒ ہیں، امام دارقطنی علامہ ذہبی اور مبارکپوری صاحب وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ مدلس تھے (تہذیب جلد ۶ ص ۱۰۴، میزان جلد ۱ ص ۱۱۷، ابکار ص ۲۳۷) اور یہاں وہ عنقہ سے روایت کرتے ہیں اور عنقہ مدلس کا مقبول نہیں وثالثاً اس میں زہریؒ ہیں اور مبارکپوری صاحب ان کی مدلس روایت کو بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے اور یہاں بھی وہ عنقہ سے روایت کرتے ہیں وثالثاً یہ اثر عبارتہ النقص کے طور پر ہماری دلیل ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جہری نمازوں میں قرأت کے قائل نہ تھے رہا ستری نمازوں میں اس سے قرأت کا اثبات کرنا تو مفہوم مخالف پر مبنی ہے اور ہمارے نزدیک مفہوم مخالفت محبت نہیں ہے (تعلیق المجہد ص ۹۳ و اعلاء السنن جلد ۴ ص ۱۷۷) و رابعاً اگر مفہوم مخالف کو بعض فقہاء



کے قول کے مطابق صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس سے اتنا ہی ثابت ہوگا کہ حضرت ابن عمرؓ  
 سہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے اور فریق ثانی کا دعویٰ اس سے خاص ہے کیونکہ  
 ان کا دعویٰ صرف سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ہے وخامساً موطا امام مالکؒ وغیرہ کے حوالہ سے بسند صحیح ان  
 کا یہ اثر نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت کے قائل نہ تھے اور ان کا یہ  
 مسلک ایک مسلم حقیقت ہے اور ان سے ایک روایت یوں ہے انہ کان ینہی عن القراءة  
 خلف الامام (الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۳) کہ حضرت ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع  
 کیا کرتے تھے۔ مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) جو فریق ثانی کے مقتدر اور  
 پیشوا ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کی علماء احناف کے نزدیک اجازت نہیں ہے  
 اور ان کا استدلال ان صحابہ کرامؓ کی روایات سے ہے اور یہ قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔  
 حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت  
 ابو سعیدؓ، الخدریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت زید بن ثابتؓ،  
 حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ وغیرہم (منع قرأت خلف الامام۔ بحوالہ  
 ایضاً الأدلة ص ۸) اور صحیح اسانید کے ساتھ علیہ قول میں ان اکابر کے آثار نقل کئے جا چکے ہیں کہ یہ  
 جملہ حضرات امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے اور یہی بات مولانا نذیر حسین صاحب فرماتے ہیں  
 حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ایک اثر کتاب القراءة ص ۱۲۹ و ص ۱۳۰ میں ہے لیکن اس میں محول مدلس میں  
 اور عنہ سے روایت کرتے ہیں علاوہ انہیں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ عبد اللہ بن عمرؓ نہیں بلکہ  
 عبد اللہ بن عمرؓ بن العاص ہیں (ص ۱۲۹) اور مستزاد بہاں اس میں خلف الامام کا جملہ بھی مذکور نہیں ہے  
 لہذا یہ روایت منفرد کے حق میں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ابو العالیہؒ نے مکہ مکرمہ میں  
 دریافت کیا کہ کیا میں نماز میں قرأت کیا کروں؟ فرمایا میں بیت اللہ کے رب کے حیا کرتا ہوں کہ نماز  
 میں قرأت نہ کروں ولو بام الکتاب اگرچہ ام القرآن ہی ہو (جزء القراءة ص ۱۱) لیکن اس میں  
 بھی خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علاوہ بریں کتاب القراءة ص ۶۵ میں اسی اثر کے آخر میں  
 فاتحہ الکتاب کے بعد ہاتھ کی زیادت بھی موجود ہے اور یہ زیادت اس بات کو متعین کر  
 کر دیتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ اثر مقتدی کے حق میں نہیں ہے کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک



بھی اس کو ما زاد علی الفاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے اور کتاب القراءۃ ص ۶۴ میں ان کی اسی روایت میں بام الکتاب کے بعد فزائدًا یا فصاعدًا کی زیادت بھی مروی ہے حضرت ابن عمرؓ سے ایک اثر ان الفاظ سے مروی ہے۔

سئل ابن عمرؓ عن القراءۃ خلف الامام فقال ما کانوا یرون بأساً ان یقرأ بفاتحۃ الکتاب فی نفسه (جزء القراءۃ ص ۱۲) کہ اپنے دل میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔

لیکن اس کی سند میں ایک تو ابو جعفر رازیؒ ہے جس کا نام عیسیٰ بن ماہان ہے جس کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی اس سند کا یحییٰ البکاء ہے امام احمدؒ، ابو داؤدؒ، ابو یوسفؒ اور ابن عدیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں اور قطنیؒ اس کو ضعیف اور علی بن الجندیؒ اس کو مختلط کہتے ہیں، ازویؒ کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے ابن جہانؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے (التذیب جلد ۱ ص ۲۴۹) امام نسائیؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں (ضعفاً صغیراً ص ۵۵) حافظ ابن حجرؒ اس کو ضعیف الحدیث لکھتے ہیں (تقریب ص ۲۹۵) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن ماہان متکلم فیہ ہے مگر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ صدوق ہے اس کا حافظہ اچھا نہیں (تقریب ص ۳۲۳) اور یحییٰ البکاء کو ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ ثقہ ہے الشارح للدرجب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے (محصلاً ص ۳۲۳) الجواب ہاں پس ایسے ہی راویوں کی ایسی ہی حسن قسم کی حدیثوں پر آپ کے مذہب کی بنیاد ہے اور مسلمانوں کی اکثریت کی نمازوں کو باطل اور کالعدم ٹھہرانے والوں کی وکالت فرما رہے ہیں۔ سبحان اللہ تعالیٰ اور آگے لکھتے ہیں کہ تطبیق کی یہی صورت ہے کہ نفی سے مراد جہری نماز میں فاتحہ سے ما زاد کی نفی مراد لی جائے اور فاتحہ کو اس نفی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے انتہا ص ۳۲۵ الجواب نہ معلوم یہ حضرت کس روایت کی کس تطبیق سے ہے؟ صحیح اور ضعیف کی تطبیق کا کیا معنی؟ الحاصل حضرت ابن عمرؓ ہوں یا کوئی اور صحابی ہو ان میں کسی سے پسند صحیح یہ ثابت نہیں کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری اور واجب ہے۔

حضرت عبادۃ بن الصامت کا اثر۔

حضرت محمود بن ربیع فرماتے ہیں کہ۔



سمعت عبادۃ بن الصامت یقرأ خلف

الامام فقلت له تقرأ خلف الامام فقال عبا

لا صلوة الا بقراءة (سنن الکبریٰ جلد ۱۶)

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ان کی ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جس میں امام کے پیچھے آہر

قرأت کرنے کی اجازت ہے اور پھر لکھا ہے۔

ومذهب عبادۃ فی ذلك مشہور (ص ۱۶۸)

جواب :- سند کے لحاظ سے گو کلام کرنے کی کافی گنجائش ہے مگر ہم سند کے لحاظ سے اس

پر کوئی کلام نہیں کرتے حضرت عبادۃ بن الصامت نے صحیح سمجھایا غلط بہر حال یہ بالکل صحیح بات

ہے کہ حضرت عبادۃ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و

مذہب تھا مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے خصوصاً قرآن کریم، صحیح احادیث اور جمہور

حضرات صحابہ کرامؓ کے آثار کے مقابلہ میں لیکن یہ روایت خود اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ حضرت

صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور یہ

مسئلہ ان میں رائج بھی نہ تھا ورنہ محمود بن ریح جو خود صحابہؓ میں تھے حضرت عبادۃ بن الصامت

کی امام کے پیچھے قرأت سے کبھی تعجب نہ کرتے اور نہ یہ پوچھنے کی نوبت ہی آتی کہ حضرت آپ امام

کے پیچھے کیوں قرأت کرتے ہیں؟ یقینی امر ہے کہ حضرت عبادۃ بن الصامت نے نماز میں تکبیر،

قیام، رکوع، سجود، تشهد، اور سلام وغیرہ جملہ امور ادا کئے ہوں گے مگر ان میں سے کسی چیز کے بارے

میں پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ حضرت آپ نے رکوع کیوں کیا ہے؟ سجدہ کیوں کیا ہے؟

وغیرہ وغیرہ اگر سوال کیا ہے تو اس چیز کے بارے میں آپ کے امام کے پیچھے قرأت کیوں کرتے

ہیں؟ یہ بھی مت بھولیں کہ حضرت عبادۃ بن الصامت نے محمود بن ریح کو یہ نہیں فرمایا کہ پروردگار

تمہاری تمام سابق نمازیں بے کار کا لعدم اور باطل ہیں کیونکہ تم نے قرأت نہیں کی اور تمام نمازیں واجب

الاعادہ ہیں اور نہ سہی تو یہی نماز جو تم نے ابھی ابھی میرے ساتھ بغیر قرأت کے ادا کی ہے وہی دوبارہ

پڑھ لو اور لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت محمود بن ریح حضرت عبادۃ کے داماد تھے رہنمائی

التنزیہ جلد ۱ ص ۶۲) انہوں نے ان کو یہ بھی نہ فرمایا کہ تم امام کے پیچھے ترک قرأت کے مرتکب



ہوئے ہوا اور تارکِ قرأت کی نماز باطل اور کالعدم ہے اور من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر  
 لہذا میری نحت جگر کو میرے گھر پہنچا دو اور خود منے اڑاتے پھر وہ حضرت عبادہؓ وہی جلیل القدر صحابی  
 ہیں جو فرماتے ہیں کہ ہم نے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر اس شرط سے  
 بیعت کی ہے کہ ان لا تخاف فی اللہ لومۃ لکم (مستدرک وقال صحیح جلد ۳ ص ۳۵۶) اللہ  
 تعالیٰ کے معاملہ میں کسی طاعت کرنے والے کی طاعت سے ہرگز نہ گھبرائیں گے اور ایک معمولی قسم  
 کے مسئلہ میں حضرت امیر معاویہؓ سے اُنچھ کر ملک شام ترک کر دیا تھا اور یہ فرمایا کہ ہمارا اجتماع ناممکن ہے  
 لیکن حضرت عمرؓ کی زبردست مداخلت سے اپنے ارادہ سے باز آئے (دیکھئے مستدرک جلد ۳ ص ۳۵۵)  
 مستدرک ص ۹۳ اور ابن ماجہ ص ۱۰ وغیرہ) مگر جب قرأت خلف الامام کے مسئلہ کی باری آتی ہے تو اپنے  
 پڑھنے کی وجہ تو بتلاتے ہیں لیکن اس اہم مسئلہ کے اظہار پر کاھتہ وہ جوش و خروش ظاہر نہیں کرتے جو  
 اس کے رکن اور ضروری ہونے پر کرنا چاہیے تھا اگر حضرت عبادہؓ کے نزدیک قرأت خلف الامام واجب  
 فرض اور رکن ہوتی تو اس کے اظہار میں پوری قوت اور طاقت صرف کرتے اور اس میں کسی قسم کی کوئی  
 کوتاہی نہ کرتے اس بحث کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات بخوبی سمجھ آ سکتی ہے کہ حضرت محمود بن ربیع  
 مطلقاً اہم کے پیچھے قرأت فاتحہ کے قائل نہ تھے اور حضرت عبادہؓ کو قائل تو تھے لیکن محض استحباب کے  
 طور پر اور اگر کسی کو حکم بھی کیا ہے تو صرف استحبابی امر سمجھ کر۔ اگر اس کو رکن اور فرض سمجھتے تو کتمان حق سے  
 بچتے ہوئے حضرت امین سوہد کی طرح (جسٹوں نے قرآن کریم کی دو سورتوں کے تقدم و تأخر فی النزول  
 کے بارے میں اعلان کیا تھا) یہ اعلان فرماتے من شاء باہلتہ جس کا جی چاہے میں اس کے ساتھ  
 مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں جب حضرت عبادہؓ نے ایسا نہیں کیا تو قطعی بات ہے کہ وہ اہم کے پیچھے  
 بلا شک سورۃ فاتحہ پڑھتے تو تھے (اور جہری نمازوں میں پڑھتے بھی صرف تنہا اور اکیلے تھے دوسرے  
 حضرات صحابہؓ کا ان سے اتفاق نہ تھا) مگر صرف مستحب سمجھ کر ہم نے جو یہ کہا ہے کہ دوسرے صحابہؓ کرام  
 حضرت عبادہؓ بن الصامت سے جہری نمازوں میں قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں اتفاق رائے  
 نہیں رکھتے تھے، سینہ زوری نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ چنانچہ اہم بیہقی لکھتے ہیں کہ۔

وانما تعجب من تعجب من قرأت عبادۃ بن الصامت  
 خلف الامام فیما یحرم فیہ بالقرآن لہذا  
 جو لوگ اہم کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت کے قائل  
 نہ تھے انہوں نے حضرت عبادہؓ کی جہری نمازوں میں قرأت



من ذهب الى ترك القراءة خلف الامام فيما

يجهر الامام فيه بالقراءة حين قال النبي

صلى الله عليه وسلم مالي انازع القرآن

ولم يسمع استثناء النبي صلى الله عليه

وسلم قراءة فاتحة الكتاب سرا وقوله

صلى الله عليه وسلم فانه لا صلوة لمن

لم يقرأ بها وسمعه عباد بن الصامت

واقبته واداه واظهره فوجب الرجوع

اليه في ذلك (انتهى بلفظه كتاب القراءة ص ۴۴)

پر تعجب کا اظہار کیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ میرے ساتھ قرآن

میں منازعت کیوں کی جا رہی ہے؟ اور اس کے بعد آپ نے

آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا اور اسی طرح آپ نے یہ

فرمایا کہ جس آدمی نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز

نہ ہوگی تو یہ استثناء صرف حضرت عباد بن الصامت نے

سُنی اور دیگر حضرات صحابہؓ نہ سُن سکے اور اس کو حضرت

عبادؓ نے خوب محفوظ رکھا اس کو ادا کیا اور ظاہر کیا سوانحی

بات کی طرف رجوع کرنا ضروری تھا۔

صحابی اور تارک نماز؟ یہ دو متضاد باتیں ہیں اور واقعہ صبح کی نماز کا ہے جس میں سینکڑوں حضرات

صحابہؓ شریک ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مالی انازع الخسۃ سے تنبیہ فرما کر سب

حضرات صحابہ کرامؓ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی اور یہ حکم بھی پیش نظر تھا۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ

بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ اور فَاصْلَحْ بِمَا قَوْمٌ (یعنی اے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کے حکموں کو کھول کر بیان کریں جن میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے) مگر بایں ہمہ جناب رسول

خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ حکم آہستہ (سُرا) بیان کرتے ہیں اور حضرت عبادؓ کے بغیر اس حکم کو کوئی

دوسرا سنتا ہی نہیں؟ پھر حضرت عبادؓ پر لوگ تعجب کیوں نہ ہوں کہ حضرات صحابہ کرامؓ جو آنحضرت صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ایک حکم اور ارشاد کو عزیز از جان سمجھتے تھے اور ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے

کوئی بات نہیں سمجھ آتی تو پھر استدعا کرتے تھے اور کوئی ضروری امر ہوتا تو آپ تین تین مرتبہ ایک ایک

جملہ کو دہراتے تھے لیکن جب امام کے پیچھے قرأت سورۃ فاتحہ کے حکم کے بیان کرنے کا نمبر آتا ہے تو

آپ آہستہ بیان کرتے ہیں؟ تین مرتبہ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے؟ اور یہ حکم صرف

حضرت عبادؓ سنتے ہیں کسی دوسرے کے پٹے کچھ نہیں پڑتا؟ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ آپ سے

دریافت کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے کہ حضرت آپؐ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ اگر امام کے پیچھے

سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا مسئلہ ضروری فرض، واجب اور رکُن ہوتا تو یقیناً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و



سلم ایک بار نہ فرماتے بلکہ کئی بار فرماتے ستر اند فرماتے بلکہ جہر افرماتے صرف حضرت عبادہؓ کو نہ سنتے بلکہ تمام حضرات صحابہؓ کو سنتے اور اگر حضرت عبادہؓ بھی اس حکم کو ضروری سمجھتے تو یقیناً بغیر خوفِ ہرج و مرج کے اس کی خوب نشر و اشاعت کرتے اور حضرات صحابہ کرامؓ کو اس بات کا قائل کر لیتے کہ وہ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے۔ یہ حکم تو ضروری نہ تھا اس لیے اس کی پوزر اشاعت کی ضرورت ہی انہوں نے نہ سمجھی، بخلاف اس کے ترک قرأت کا حکم ضروری تھا اس لیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے صرف ایک شخص نے قرأت کی تو آپ نے فرمایا میرے پیچھے کس نے قرأت کی ہے؟ کیوں میرے ساتھ نمازعت اور مخالفت ہوتی رہی ہے؟ حتیٰ کہ آپ نے بیابانک و ہل یہ ارشاد فرمایا مالی انا ذی القرآن نتیجہ ہوا کہ یہ ارشاد سب نے سنا اور یہ ارشاد سن کر تمام حضرات صحابہ کرامؓ نے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت ترک کر دی جیسا کہ مفصل پہلے گزر چکا ہے۔ باقی اگر حضرت عبادہؓ سے پسندِ صحیح یا کسی اور صحابی سے بلا قیاس و قال خلف الامم کی قید سے کوئی روایت صحیح ہوتی تو یقیناً اس کی طرف رجوع کیا جاتا مگر روایات کا حال آپ ملاحظہ کر ہی چکے ہیں اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حضرت عبادہؓ کے موقوف قول سے ہی غلطی در غلطی پیدا ہوئی ہے الغرض حضرت صحابہ کرامؓ کے یہ آثار پہلے تو سنداً ہی صحیح نہیں ہیں اور اگر کچھ صحیح بھی ہیں تو ان میں صرف سری نمازوں کا ذکر ہے کسی میں مطلق قرأت کا ذکر ہے اور اکثر میں مازاد، مائیسر اور فصاعداً وغیرہ کی زیاد بھی موجود ہے لہذا یہ آثار فریق ثانی کو ہرگز مفید نہیں ہو سکتے۔

## آثار حضرات تابعین و غیر ہم

فریق ثانی نے اپنے اس دعویٰ پر کہ امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے ورنہ نماز ناقص، بیکار، کالعدم اور باطل ہوگی، حضرات تابعین و اتباع تابعین و غیر ہم کے آثار اور اقوال بھی استدلال کیا ہے حالانکہ ان کے نزدیک درموقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد پھر آثار حضرات تابعین و غیر ہم سے استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جب کہ وہ سنداً اور روایتاً بھی صحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور دعویٰ اور دلائل کے پیش نظر بھی وہ ان کو چنناں مفید نہیں ہو سکتے مگر مشہور ہے ڈوبتے کو تینکے کا سہارا، حضرات تابعین و غیر ہم کے وہ آثار جو بحث سکتا



وغیرہ اور دیگر مواقع پر نقل کئے جا چکے ہیں اور جن پر کلام بھی کیا جا چکا ہے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اس موقع پر صرف وہ آثار پیش ہوں گے جو پہلے نقل نہیں ہوئے۔  
 حضرت محول کا اثر :- ان سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مغرب عشاء اور صبح کی نماز میں ہر رکعت میں آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے اور جہری نمازوں میں جب اہم سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سکوت اختیار کرے تو اس وقت آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے اور اگر اہم خاموش نہ ہو تو اس کے ساتھ یا اس کے بعد یا اس سے پہلے ہر حالت میں سورۃ فاتحہ پڑھو اور کسی حالت میں نہ چھوڑو (بیہقی جلد ۲ ص ۱۶۱)

جواب :- یہ اثر بھی قابل التفات نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اگر بالفرض یہ اثر صحیح بھی ہو تب بھی نص قرآنی، صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ کرامؓ کے صحیح آثار کے مقابلہ میں اس کو سننا کون ہے؟ وثانیاً قرأت سورۃ فاتحہ کے لیے سکتہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ بحث سکات اہم میں اس کی سیر حاصل تحقیق پیش ہو چکی ہے اور جہراہم کے ساتھ ساتھ پڑھتے جانا منازعت اور مخالفت کا موجب ہے جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے مردود ہے۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ کا اثر :- ان سے مروی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ  
 لَا تَتَمَصِّلُوا لِحَدَمِنَ النَّاسِ لَا يَقْرَأُهَا كَسَيِّئِ شَخْصٍ كِي كَوْنِي بِنَازِعَاہُ وَہُ فَرَضِي هُوَ يَنْقُلِي اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک اس میں سورۃ فاتحہ اور اس سے کچھ زیادہ کی قرأت نہ کی جائے۔  
 (کتاب القراءة ص ۶)

جواب :- یہ اثر بھی قابل استدلال نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں محمد بن العباسؓ ہے کتب اسماء الرجال سے اس کی تعیین نہیں ہو سکی کہ یہ کون اور کیا ہے؟ وثانیاً اس میں احمد بن سویدؓ ہے جس کا کتب رجال میں کوئی نام و نشان ہی نہیں ملتا، مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہوا ۵ ص ۳۳۹ الجواب :- یہ ٹھیک ہے مگر مؤلف مذکور کا یہ علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اس راوی کی نشاندہی کرتے اور کتب رجال سے اس کی توثیق نقل کرتے وثالثاً اس کی سند میں حماد بن سلمہؓ ہے ان کے اس اثر کا مقابلہ اس اثر سے نہیں ہو سکتا جو جلد اول میں بسند صحیح نقل کیا جا چکا ہے مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں۔ سورہ معارضہ بھی صحیح نہیں



علی وجوب الاستماع والانصات لقراءة  
الامام۔۔۔ الخ (احکام القرآن ج ۳ ص ۲۹)

علامہ سید محمود اوسوی (مفتی بغداد المتوفی ۱۲۷۷ھ)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

لانها تقتضي وجوب الاستماع  
عند قراءة القرآن في الصلاة وغيرها و  
قد قام الدليل في غيرها على جواز  
الاستماع وتركه فبقى فيها على حاله في  
الانصات للجهر وكذا في الانخفاض لعلنا  
بانه يقرأ ويؤيد ذلك اخبار جملة  
(روح المعاني جلد ۹ ص ۱۳۳)

آیت کا مقتضی یہ ہے کہ نماز میں یا خارج  
از نماز جب بھی قرآن کریم کی قرأت ہوتی ہو تو خاموش  
رہنا چاہیے۔ لیکن خارج از نماز سماع وعدم سماع  
دونوں کے جواز پر دلیل قائم ہو چکی ہے۔ لہذا جہر  
نمازوں میں انصات بہر حال ضروری ہے اور اسی  
طرح ستری نمازوں میں بھی کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ  
امام قرأت کرتا ہے اور متعدد حدیثیں بھی اس کی  
تائید کرتی ہیں۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے متعدد صحیح حدیثیں، عقلی و تریجی دلائل پیش کر کے بڑے  
دستی دلائل سے اپنا دعویٰ ثابت کیا ہے۔

قارئین کرام! آپ حقیقت کی تہ کو پہنچ چکے ہوں گے۔ ابھی بہت سے مفسرین کرام  
مثلاً علامہ خازن (المتوفی ۷۲۱ھ) اور شیخ احمد جوہر (المتوفی ۱۱۳۰ھ) وغیرہ وغیرہ  
کی عبارتیں باقی ہیں، مگر ہمارا مقصد صرف منصف مزاج لوگوں کے لیے معتبر مفسرین کے

۱۔ مولانا میر صاحب لکھتے ہیں کہ متاخرین حنفیہ میں بڑے پائے کے مفسرین (تفسیر واضح البیان ص ۴۴)  
۲۔ مشہور تفسیر ہے اور ۷۲۵ھ میں مصنف اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تھے۔ (اکسیر قل)  
آیت مذکورہ کی تفسیر انھوں نے جلد ۲ ص ۲۷۲ میں کی ہے۔

۳۔ یہ اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۸ھ) کے استاد تھے۔

(اکسیر ص ۳۴)

اور تفسیر احمدی ص ۲۸۰ میں انھوں نے آیت مذکورہ کی سیر حاصل تفسیر کی ہے۔



چند اقوال بطور نمونہ عرض کرنے تھے اگر استقصا کیا جائے تو تقریباً محال ہے اور ہمارا موضوع بھی یہ نہیں۔ اس لیے اب ہم بعض ضروری عبارتیں نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

امام بیہقی رحمہم کی کتاب القراءہ پر مسئلہ زیر بحث میں فریق ثانی کا مدار ہے۔ رقم طراز ہیں

انما لا ننکر نزول هذه الآية في

الصلوة او في الصلوة والخطبة كما

ذهب اليه من ذكرنا قوله من سلف

هذه الامة غير انهم اوبعض من

روى عنهم اختصوا بالحديث فقالوا

في الصلوة مطلقاً۔

(کتاب القراءة ح ۱)

(اور خطبہ وغیرہ کا ذکر تک نہیں کرتے۔)

امام بیہقیؒ کو اس کا اقرار ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول صرف نماز یا نماز اور خطبہ دونوں

میں اور جمہور امت کا بھی یہی قول ہے مگر ان کا اعتراض یہ ہے کہ آیت کو فقط نماز پر کیوں قصر کر دیا

ہے؟ اس میں خطبہ وغیرہ کا ذکر بھی آنا چاہیے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے لیکن امام موصوفؒ کا یہ اعتراض

محض دفع الوقتی اور تسکین قلب کا سامان ہے۔

اولاً: اس لیے کہ جمعہ اور عید کی فرضیت مدینہ طیبہ میں ہوتی ہے اور آیت مذکورہ مکی ہے جیسا

کہ علامہ لغویؒ کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے۔ پھر اس کا شان نزول خطبہ کیسے ہوا؟

وثانیاً: جس حدیث (بلکہ احادیث) کے اختصار کا الزام امام موصوفؒ نے عائد کیا ہے۔ ان میں

ایک بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ اپنے مقام پر عرض ہو گا۔ پھر ان سے استدلال و احتجاج کیسا؟

وثالثاً: آیت کا حکم خطبہ کو عموم الفاظ کے لحاظ سے شامل ہے نہ کہ شان نزول کے لحاظ سے۔

جیسا کہ آپ پوری وضاحت سے یہ پڑھ چکے ہیں۔ مگر یہ کس قدر حقیقت فراموشی ہے کہ جس نماز

کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس میں استماع والنصات تو ضروری نہ ہو اور خطبہ

(وغیرہ بالتبع امور) کو اثر بنا کر اصل حقیقت سے گریزاور پہلو تہی کی جائے؟



## قاضی شوکانیؒ (محدثین علی المتوفی ۱۲۵۵ھ)

اس مسئلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

لان عمومات القرآن والسنة قد

(امام جب قرأت قرآن کر رہا ہو تو مقتدی کو اس

دلت علی وجوب الانصات والاستماع

وقت اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ ... آیہ کی دعاء

والمتوجہ حال قرأة الامام للقراءان غیر

استفتاح نہیں پڑھنی چاہئے، کیونکہ قرآن کریم اور سنت

منصت ولا مستمع ... الخ

کے عمومات اور اکثر دلیلیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ

رسيل الاوطار جلد ۲ ص ۲۲۹ ونقله النواب

امام جب قرأت کر رہا ہو تو اس وقت مقتدی پر

فی ہدایۃ المسائل ص ۱۹۱)

انصات اور استماع واجب ہے۔ حالانکہ اس حالت

میں امام کے ساتھ پڑھنے والا استماع اور انصات پر

عامل نہیں ہے۔

قاضی صاحبؒ بھی جمہور اہل اسلام کی طرح جہرا امام کے وقت مقتدی کی قرأت کو قرآن کریم کی طرح مانع

قرآن سنت عمومی دلائل کے خلاف سمجھتے ہیں اور تصریح کرتے ہیں کہ اس کے خلاف کرنے والا عمومات قرآن اور

اور سنت کا مخالف ہے۔ قاضی صاحبؒ نے سکات امام میں مقتدی کے لیے قرأت فاتحہ کو احوط

کہا ہے، لیکن قرأت مقتدی کے لیے سکات کا شریعت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے جس کی پوری تشریح

اپنے مقام پر عرض ہوگی۔ انشا اللہ العزیز۔

مؤلف خیر الکلام کا مناقشہ نمبر ۳ میں یہ کہنا کہ اس میں فاتحہ کا ذکر نہیں اور قاضی شوکانیؒ ہر حالت

میں فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں اور استماع وانصات آہستہ پڑھنے کے منافی نہیں (مصلحہ خیر الکلام

ص ۵۲۷ و ۵۲۸) تو یہ محض لفاظی ہے۔ ہم نے کب فاتحہ کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے تو یہ حوالہ صرف اس لیے

پیش کیا ہے کہ جہرا امام کے وقت مقتدی کا پڑھنا استماع وانصات کے بالکل منافی ہے اور یہی کچھ

قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں حتیٰ کہ باقرار مؤلف خیر الکلام قاضی صاحبؒ مقتدی کے لیے فاتحہ کی

قرأت کو سکات میں احوط کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو خیر الکلام ص ۵۲۸) کہ قاضی صاحبؒ فرمایا کہ

لہ قاضی صاحبؒ موصوف اپنے وقت کے مستبحر اور وسیع المطالعہ محقق عالم تھے۔ نواب صدیقی صاحبؒ

لکھتے ہیں کہ وہ القاضی، العلائم، الابر، الافور، الزکی، المنور اور عز الاسلام تھے اور لکھتے ہیں کہ وہ کمال

عالم انسانی پر حاوی تھے۔ (اکسیر ص ۹)



اگر ممکن ہو تو فاتحہ کو امام کے سکناٹ میں پڑھنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ (نیل جلد ۲ ص ۲۳۳) اور فرماتے ہیں کہ قرآن و سنت کے عمومی دلائل مقتدی پر استماع و انصات کو واجب قرار دیتے ہیں۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر (یوسف بن عبد اللہ المتوفی ۳۵۶ھ) :

لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالک (وغیرہ) جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے امام کے پیچھے قرأت کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔

و حجتہ قولہ تعالیٰ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون لا خلوف انہ نزل فی ہذا المعنی دون غیرہ و معلوم انہ فی صلاۃ الجہول ان السیۃ یسمع فدل علی انہ اراد ان یسمع خاصۃ۔ (بخاری و جز المسائل جلد ۱ ص ۲۳۸)

اور ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ جب قرآن کریم کی قرأت ہو رہی ہو تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت کا شان نزول صرف یہی ہے۔ نہ کہ کوئی اور۔ اور یہ ظاہر ہے کہ استماع تو صرف جہری نمازوں میں ہو سکتا ہے۔ لہذا اس آیت سے

فقط جہری نمازیں مراد ہوں گی نہ کہ سری۔

انشاء اللہ العزیز یہ بات تو اپنے مقام پر آئے گی کہ آیت میں صرف استماع کا لفظ ہی نہیں جو بقول ان کے محض جہری نمازوں کو شامل ہے (اور نیز استماع اور سماع میں بھی فرق ہے)۔ بلکہ اس میں انصات کا لفظ بھی ہے جو سری نمازوں کو بھی شامل ہے لیکن حافظ المغرب قرآن کریم کی مذکورہ آیت کا شان نزول نماز اور خلف الامام کا مسئلہ بتلاتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ پوری ذمہ داری اور وضاحت سے تحریر فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ کا شان نزول صرف نماز اور خلف الامام کا مسئلہ ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف

نہ علامہ فہرستیؒ ان کو الامام، شیخ الاسلام اور حافظ المغرب لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۳ ص ۳۰۷) علامہ ابوالولید باجیؒ ان کو حافظ اہل المغرب لکھتے ہیں (ایضاً ص ۳۰۷) امام حیدریؒ لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ، حافظ کثیر التصنیف قرأت اور علم خلاف کے عالم اور علوم حدیث اور اسما الرجال کے مسلم امام تھے (ایضاً ص ۳۰۷) غرضیکہ وہ حفظ اثنان میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ علامہ ابن حزمؒ لکھتے تھے کہ میں نے فقہ احمدؒ

پر ابن عبد البرؒ کی کتاب التہدید کی مانند کوئی کتاب نہیں دیکھی چہ جائیکہ اس سے بہتر اور اعلیٰ اور کتاب الاسذکار اسی کا محض ہے (تذکرہ جلد ۳ ص ۳۰۷) حافظ ابن القیمؒ ان کو الامام الحافظ اور اپنے زمانہ میں امام اہل السنن لکھتے ہیں۔ (اجتاع الجیوش الاسلامیہ ص ۲۹)



نہیں ہے۔ انصاف شرط ہے کہ اس اجماع و اتفاق کے بعد اور کون سی تفسیر معتبر اور قابل اعتماد ہو سکتی ہے؟ جو حضرات صحابہ کرام سے لے کر قاضی شوکانی صاحب تک ہر دور، ہر طبقہ اور ہر مسلک کے فقہاء و محدثین، مؤرخین اور مفسرین کے ہاں طے شدہ حقیقت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (جن کے نام اور محاسن سے مقدمہ میں آپ اچھی طرح متعارف ہو چکے ہیں) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالنزاع من الطرفين لكن الذين يهتدون  
عن القراءة خلف الامام جمهور السلف  
والخلف ومعهم الكتاب والسنة الصحيحة  
والذين اوجبوها على المأمور فخذ يشهر  
ضعف الاثمة۔

مسئلہ زیر بحث میں نزاع تو طرفین سے ہے لیکن جو  
لوگ امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے ہیں۔ وہ جمہور سلف  
و خلف ہیں اور ان کے ہاتھ میں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ  
ہے اور جو لوگ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قرأت کو واجب  
قرار دیتے ہیں۔ ان کی حدیث کو ائمہ حدیث نے ضعیف

(تنوع العبادات ص ۸۶) قرار دیا ہے۔

مطلب ظاہر ہے کہ منکرین قرأت خلف الامام صرف چند نفوس نہیں، بلکہ جمہور سلف و خلف  
ہیں اور یہ نظریہ جمہور نے اجتہاد اور قیاس ہی سے قائم نہیں کر لیا۔ بلکہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے  
لیا ہے اور جو لوگ امام کے پیچھے قرأت تجویز کرتے ہیں۔ ان کا ہاتھ کتاب اللہ سے یکسر خالی ہے اور  
محض حدیث پر ان کے استدلال کی بنیاد قائم ہے اور حدیث بھی وہ ہے جس کی تضعیف ائمہ  
حدیث سے منقول ہے۔ (پوری تفصیل اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ العزیز۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

وقول الجمهور هو الصحيح فان الله  
سبحانه وتعالى قال واذا قرئ القرآن  
فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون  
قال احمد اجمع الناس على انها نزلت  
في الصلوة۔

جمہور کا مسلک اور قول ہی صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا  
حکم ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو تم اس کی طرف توجہ کرو  
اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ  
سب لوگوں کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ اس آیت  
کا شان نزول نماز ہے۔



شیخ الاسلام کی اس عبارت نے اس امر کی مزید تشریح کر دی ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول ہی نماز ہے اور اس پر تمام اہل اسلام اور ائمہ دین کا یعنی حضرات صحابہ کرام و تابعین و اتباع تابعین اور جمہور سلف و خلف کا اجماع و اتفاق ہے۔ یہی شیخ الاسلام ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

وذكر احمد بن حنبل الاجماع على  
انها نزلت في الصلوة وذكر الاجماع على  
انها لا تجب القراءة على المأموم حال الجهر  
امام احمد بن حنبل نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ  
آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ نیز اس پر  
بھی اتفاق نقل کیا ہے کہ جب امام جہر سے قرآن کرتا ہو تو  
(فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۲۳)

اور نواب صاحب اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

واین آیت دلالت نمی کند مگر بر منع قرأت در حال جہر امام بقرات لقول فاستمعوا  
واستماع نمی باشد مگر از برائے قرأت مجبور بہ اندر برائے قرأت مخافت

(دلیل الطالب صفحہ ۲۸)

قارئین کرام! آپ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود سے لے کر قاضی شوکانی اور نواب صاحب تک کی عبارات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس مذکورہ آیت کا شان نزول صرف نماز ہے خطیبہ (وغیرہ) عموم الفاظ کے لحاظ سے بالتبع اور ضمنی طور پر اس حکم میں شامل ہے۔ اور حافظ ابن عبداللہ اور شیخ الاسلام سے یہ بھی سن چکے ہیں کہ اس بات پر تمام اہل اسلام کا اجماع اور اتفاق ہے کہ اس کا شان نزول فقط نماز ہے۔ اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور اجماع کے نقل کرنے والے بھی امام اہل السنۃ اور مقتدائے ملت حضرت امام احمد بن حنبل ہیں اور آپ یہ بھی سن چکے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قرآن کرنا اجماع اور اتفاق کے سراسر خلاف ہے۔ اس تمام بحث کو پیش نظر رکھتے ہوئے فریق ثانی بے بنیاد دعاوی کو (جن کا ذکر سخن ہائے گفتنی میں ہو چکا ہے) دیکھیے کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کس کے ہاتھ میں ہے اور جمہور سلف و خلف کی معیت کس کو نصیب ہے؟



نواب صاحب لکھتے ہیں کہ

کوئی دعویٰ اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا۔ جب تک کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بیئہ عادلہ سے اس پر ثبوت نہ پیش کیا جائے۔ دلیل الطالب<sup>۳۹</sup> محمد اللہ تعالیٰ کہ قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جمہور سلف و خلف کی معیت بھی ہمیں حاصل ہے جو بھلائے حدیث کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی اور نہ ہوگی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس آیت کے سلسلہ میں فریق ثانی کی طرف سے قیداً و حدیثاً جو جو اعتراضات اور معارضات وارد کیے گئے ہیں ان پر بھی طائرانہ نگاہ ڈال لیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے ان کو ایک خاص ترتیب سے ہم نقل کرتے ہیں اور ہر ایک کا جواب ساتھ ساتھ عرض کرتے جائیں گے۔ انشا اللہ العزیز۔

### پہلا اعتراض:

مولانا مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ زیلعیؒ نے "فصل فی الرأیہ ص ۱۲" میں امام بیہقیؒ کے حوالہ سے امام احمد بن حنبلؒ کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت واذا قرأ القرآن کا شان نزول جماع اور اتفاق سے نماز ہے تو مجھے اس اتفاق نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے امام بیہقیؒ کی معرفت السنن و الآثار اور کتاب القراءة کا مطالعہ کیا ہے لیکن ان میں مجھے یہ قول نہیں مل سکا۔  
(تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۶۵، تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۹ و ابکار المنصہ ص ۱)

### جواب:

مبارک پوری صاحب کا یہ اعتراض چند وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً۔ اس لیے کہ علامہ جمال الدین زیلعیؒ (المتوفی ۸۶۲ھ) نقل میں بڑے محتاط اور ثقہ ہیں اور پھر انھوں نے امام بیہقیؒ کی کسی خاص کتاب کا نام بھی نہیں لیا۔ اور امام بیہقیؒ کثیر التصانیف تھے۔ لہذا مبارک پوری صاحب کا ان کی صرف دو یا تین کتابیں دیکھ کر یہ نظریہ قائم کرنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟  
ثانی۔ جو شیخ الامام، الحافظ اور المجتہد تھے۔ مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ من اعلام العلماء اور فقیہ حدیث اور اسماہ الرجال کے مسلم امام تھے۔ قواعد البیہدہ ص ۲۲



وثانیاً۔ نواب صاحبؒ نے تو جہوں کیساتھ اس امر پر اتفاق کیا ہی تھا کہ و عدم علم ا و علم بعدم نیست۔ (بدور الاولہ ص ۳۷۹) مگر مبارک پوری صاحبؒ کو بھی اس کا اقرار ہے کہ عدم نقل عدم وقوع کو مستلزم نہیں۔ (تحقیق الکلام ص ۱۳) اگر مبارک پوری صاحبؒ کو اس کا علم نہیں ہو سکا تو اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ یہ جملہ اور قول ہی کتابوں سے نکل کر بھاگ گیا ہے ؟

وثالثاً۔ تنہا علامہ زیلعیؒ ہی اس قول کے ناقل نہیں بلکہ علامہ موفی الدین ابن قدامہؒ (معنی جلد ۱ ص ۶۰ میں) اور علامہ شمس الدین بن قدامہؒ (شرح مقنع بلکیر جلد ۲ ص ۱۱۱ میں) اور حافظ ابن ہمامؒ (فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۲۱ میں) اور ملا علی القاریؒ (شرح نقایہ جلد ۱ ص ۸۳ میں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (اپنے فتاویٰ میں جیسا کہ گزر چکا ہے) وغیرہ سب اس کو نقل کرتے ہیں۔ مبارک پوری صاحبؒ کو ان کتابوں کی طرف مراجعت کرنی چاہیے تھی تاکہ علامہ زیلعیؒ کے قول کی صداقت معلوم ہو جاتی۔

ورابعاً۔ لیجیے ہم مبارک پوری صاحبؒ کے ہم مسلک اور ہم مشرب عالم سے یہ منوا دیتے ہیں مولانا عبدالصمد صاحب پشاورؒ کی غیر مقلد نقل کرتے ہیں کہ

والا صرح كونها في الصلوة لما روى  
 صحيح ترین بات یہ ہے کہ آیت واذا قرئ القرآن  
 اليه فقل عن الامام احمد قال اجمعوا  
 کا شان نزول ہی نماز ہے جیسا کہ امام بیہقیؒ نے امام احمد  
 علی انہا فی الصلوة۔  
 سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نماز کے بارے میں ناقل  
 (اعلام الاعلام فی قرأة خلف الامام من) ہونے پر اجماع و اتفاق ہے۔

۱۔ بعض ائمہ نے حدیث قلین کی تصحیح کی نسبت امام طحاویؒ کی طرف کی تھی۔ مولانا شوق نیووی نے لکھا کہ مجھے شرح معانی الآثار میں تصحیح نہیں مل سکی۔ اس پر مبارک پوری صاحبؒ یوں گرفت کرتے ہیں کہ تصحیح کی نسبت کرنے والوں نے امام طحاویؒ کی کسی خاص کتاب کا نام نہیں لیا۔ لہذا نیووی صاحبؒ کو ان کی دوسری کتابیں دیکھنی چاہیے تھیں۔ (نہ معلوم یہ مفید مشورہ یہاں کیوں بھول گئے ہیں۔) مگر کیا کیا جائے: حج تمہیں عادت ہے بھول جانے کی۔

۲۔ المتوفی ۶۸۲ھ جو الامام الفقیہ الزہاوی الخلیف اور قاضی القضاة تھے۔ (مقدمہ معنی ص ۱۲)

۳۔ المتوفی ۸۶۱ھ اپنے وقت کے امام محدث اور فقیہ تھے اور ان کا شمار اہل ترجیح میں ہے۔ (فوائد البہیہ ص ۱۸)

۴۔ المتوفی ۱۱۱۲ھ علم و تحقیق کے یگانہ اور محدث و فقیہ تھے۔ (تعلیقات ص ۸)



نوٹ: یہ کتاب نواب صاحب کی مشہور کتاب "لقطۃ العجلون" کے ساتھ منضم ہے۔  
اور دونوں یکجا طبع ہوئی ہیں۔ اس سے بڑھ کر ہم مبارک پوری صاحب کو اور کیا ثبوت دے سکتے

ہیں؟

## دوسرا اعتراض

مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ اس آیت کا خطاب مومنوں کو نہیں بلکہ کافروں کو ہے۔ جو تبلیغ کے وقت شور و غل مچا کر تے تھے اور یہ کہتے تھے کہ قرآن نہ سنا جیسا کہ امام رازمی نے اپنی تفسیر (الکبیر جلد ۲ ص ۵۰۲) میں لکھا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اگر واقعی خطاب مومنوں کو ہوتا تو لَعَلَّكُمْ کے لفظ کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ یہ لفظ ترجی کے لیے آتا ہے اور مومن بہر حال رحمت خداوندی کا مورد اور مستحق ہیں۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۵ و تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۹) اور مولانا میر صاحب لکھتے ہیں اور نہ اس کا خطاب مومنوں سے ہے جس نے اس کا خطاب مومنوں سے سمجھا اس نے سلسلۂ عبارت اور سیاق مضمون پر غور نہیں کیا۔ (تفسیر واضح البیان ص ۵۰۲) اور یہی مضمون کم و بیش مولانا عبد الصمد صاحب پشاور می لکھتے ہیں۔ (اعلام الاعلام ص ۱۹۰) اور یہی عذر رنگ مؤلف خیر الکلام نے کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۳۲۳)

## جواب

یہ اعتراض بھی بالکل بے جان اور بے بنیاد ہے۔ اس لیے کہ آپ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے لے کر قاضی شوکانی تک اکثر حضرات مفسرین کا بلکہ تمام امت کا اجماع و اتفاق سن چکے ہیں کہ اس آیت کا خطاب نہ صرف مومنوں سے ہے بلکہ اس کا شان نزول ہی نماز ہے۔ اس اجماع کے مقابلہ میں ایسے لغو اور پادرہوا نظریہ اور رائے کو کون سنتا ہے؟ ہم سہولت کے لیے اس اعتراض کا یوں تجزیہ کر سکتے ہیں یہ تجزیہ اس لیے ضروری ہے کہ بات سمجھ آ سکے، کہ ان حضرات کے اعتراض کے یا بزعم خود استدلال کے تین مرکزی نقطے ہیں۔ ہم ان کو الگ الگ بیان کر کے ان کا جائزہ لیتے ہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ یہ آیت کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ مومن اس کے مخاطب



نہیں ہیں۔ دلائل یہ ہیں :

۱۔ امام رازیؒ نے یوں کہا ہے۔

۲۔ لَعَلَّكُمْ کا لفظ اس کی تائید کرتا ہے۔

۳۔ سیاق و سباق کا تقاضا یہی ہے۔

### پہلی جزو کا جواب

یہ ٹھیک ہے کہ حضرت امام رازیؒ (المتوفی ۴۱۰ھ) منطق و فلسفہ اور عقلیات وغیرہ

کے مسلم امام تھے۔ لیکن فنِ روایت اور نقلیات میں ان کا پایہ نہایت کمزور تھا۔ حافظ ابن

حجرؒ لکھتے ہیں امام رازیؒ عقلیات کے مسلم امام ہیں، لیکن احادیث و آثار میں ان کا پایہ کمزور

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر میں رطب و یابس سمجھی کچھ موجود ہے۔ (لسان المیزان جلد ۴ ص ۴۲۶)

امام سیوطیؒ نقل کرتے ہیں کہ تفسیر کبیر میں سمجھی کچھ ہے مگر اس میں تفسیر نہیں۔ (درمثور جلد ۳ ص ۱۵۵)

اتقان جلد ۴ ص ۱۸۹۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ مؤلف نے از علم حدیث

بے خبر است و در علوم کلام و فنون رسمید امام اہل زمان بعضی از اہل معرفت بعلم کتاب

وسنت گفتہ اند۔ فیہ کل شیء الا التفسیر۔ (اکسیر ص ۱۱۲)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ رازیؒ از علم حدیث خبر ندارد (اکسیر ص ۱۱۳) فریق ثانی

ہی از راہ انصاف فرماتے کہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت کی تفسیر جو حضرات صحابہ کرام رض و

تابعینؒ اور جمہور سلف و خلف سے صحیح اسانید سے نقل کی جا چکی ہے (بلکہ اسی پر ائمت

کا اجماع ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے) وہ قابلِ محبت ہے یا امام رازیؒ کی

تفسیر :۔

من نہ گویم کہ ایس ممکن آن کن !

مصلحت بہین و کار آساں کن !

### دوسری جزو کا جواب

امام رازیؒ کا لفظ لَعَلَّ سے یہ استدلال کرنا کئی وجوہ سے غلط ہے :

اولاً، لفظ لَعَلَّ اگرچہ ترجی کے معنی میں ہے۔ لیکن حضرات مفسرین کرامؒ اور ائمہ نحاس



امر کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجوہ کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، علامہ خازنؒ لکھتے ہیں: **لَعَلَّ وَعَسَىٰ مِنْ اللَّهِ وَاجِبٌ** (جلد ۲ ص ۲۲۳) اور صاحب مدارک علامہ عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی ۳۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ

**وَلَعَلَّ لِلتَّجَرُّجِ وَالْإِطْمَاعِ وَلَكِنَّ مِنْ كَذِبِ فِجْجِيٍّ مُجْجِيٍّ وَعَدَهُ الْمُحْتَمِلُ وَفَاتَهُ وَبِهِ قَالَ سَيَمُوتُ بِهِ**۔  
**لَعَلَّ** کا لفظ ترجی اور طمع دلانے کے لیے آتا ہے۔ لیکن ذات باری سے یہ جتنی اور ضروری وعدہ کے طور پر آتا ہے اور سیوئیہ اسی کا قائل ہے۔

(مدارک جلد ۱ ص ۵۱)

علامہ جارا اللہؒ لکھتے ہیں کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب کسی چیز کا وعدہ کرتے ہیں تو اپنی شانِ استغنا کو ملحوظ رکھ کر **لَعَلَّ** و **عَسَىٰ** استعمال کرتے ہیں۔ (کشاف جلد ۱ ص ۹۲)  
 اور مولانا تھانویؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں: شاہی محاورہ میں **لَعَلَّ** کے معنی عجب نہیں آتے ہیں۔ (بیان القرآن جلد ۱ ص ۱۸۱) لہذا اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ بے نیازی کے مطابق **لَعَلَّ** کے لفظ کے ساتھ مومنوں سے خطاب کیا ہے تو اس میں خرابی کیا ہے؟  
 ثانیاً۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مومنوں کے لیے **لَعَلَّ** کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ نہ معلوم وہاں یہ منطق کیسے چلے گی؟ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ**۔ (پ۔ بقرہ) تاکہ تم پر ہیز گار بن جاؤ۔

اور ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف اے مومنو سب کے سب **لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ**۔ (پ۔ فود ۴) تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اس آیت میں خطاب بھی تمام مومنوں کو ہے جب مومن ہیں تو ان کی کامیابی یقینی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ**۔ (پ۔ المؤمنون رکوع ۱) تحقیق مومن فلاح پا چکے ہیں۔ اگر **لَعَلَّ** کے خطاب سے مومن مراد نہیں ہو سکتے تو قرآن کریم کی ان آیات کا کیا مطلب ہوگا؟

اور ایک مقام پر یہ فرمایا ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان کہی جائے تو تم جلدی پہنچو۔ آگے ارشاد ہوتا ہے **لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ**۔ (پ۔ جمعہ) تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔



وقالشا۔ اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے تو کیا قرآن کریم اور صحیح احادیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ بعض مومن اپنی ناشائستہ حرکات کی بنا پر خدا تعالیٰ کی رحمت کے مستحق نہیں رہتے؟ کیا قاتل، چور، شرابی، زانی، راشی اور سود خور وغیرہ کے لیے لعنت اور غضب وغیرہ کے الفاظ قرآن کریم اور حدیث میں وارد نہیں ہوئے؟ اور کیا وہ خدا تعالیٰ کی رحمت کے حق دار اور محتاج نہیں؟ یا ان کے لیے یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی رحمت کے دروازے کھلے اور رحمت واجب ہے؟ اور کیا رحمت کا مستحق صرف کافر ہی ہو سکتا ہے؟

وآجاً۔ تمام علمائے اسلام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن کریم تمام اقوام عالم کے لیے ایک ستارہ العمل اور ضابطہ حیات ہے اور قرآن کے کسی حکم اور آیت کو اس کے شان نزول اور خاص سبب پر منحصر کر دینا بالکل بے کار اور بے حقیقت ہے۔ اگرچہ اکثر احکام کے نزول کا کوئی نہ کوئی سبب اپنی جگہ ضرور ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ آیات کے اسباب و شان نزول کچھ ہی ہوں۔ مگر احکام کی دار و مدار الفاظ پر ہے۔ (کتاب الاثم جلد ۵ ص ۲۴۱)

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے عمومی احکام کو اسباب نزول پر مقید کر دینا باطل ہے۔ (المصارف المسلول ص ۵۰) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ جمہور علماء اصول و فروع کے نزدیک اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۹) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ جن اسباب کی وجہ سے عبادات کی مشروعیت ہوئی ہے۔ ان کا دوام شرط نہیں ہے، جیسا کہ طواف میں رمل اور صفا و مروہ پر سعی کا سبب مشرکین کا اعتراض تھا، لیکن باوجود ان مشرکوں کے ختم ہونے کے اس کا حکم قیامت تک باقی رہے گا۔ (بدائع الفوائد جلد ۳ ص ۱۶۱) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا (فتح الباری جلد ۸ ص ۱۴۱) امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ اعتبار تعمیم الفاظ کا ہوگا نہ کہ خصوص سبب کا (اتقان جلد ۱ ص ۷۲) قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ عام کو سبب پر بند کر دینا مرجوح اور کمزور مذہب ہے۔ (نیل الاوطار جلد ۲ ص ۱۲۹)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ خصوص سبب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوگا۔ (دلیل الطالب ص ۴۱۳) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: و عبرت



بعموم لفظ است نہ بخصوص سبب، چنانکہ در اصول متقرر است (بدور الاولہ ص ۲۰۹)  
مولانا عبدالصمد پشاوری لکھتے ہیں کہ والحق ان المقدر اعتبار عموم الملبی و

لوخص سببہ (اعلام الاعلام ص ۱۹۰) اور اس قاعدہ کو مبارک پوری صاحب بھی  
صاف لفظوں میں تسلیم کرتے ہیں (دیکھئے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۶۳) مؤلف خیر الکلام  
نے پہلے تو جواب ہو کر ادھر ادھر کی بے کار باتیں کی ہیں پھر اقرار پر بھی مجبور ہو گئے ہیں۔  
چنانچہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت نماز کو بھی شامل ہے خواہ اس طرح شامل ہو کہ اس آیت میں  
مقتدیوں کو خطاب ہو یا سب مسلمانوں کو جس میں مقتدی بھی داخل ہیں یا اس طرح شامل ہو کہ  
خطاب تو کفار کو ہو مگر نازی اور سب مسلمان عموم علت کی بنا پر داخل ہوں۔ (اصح ص ۳۲۸)  
اگر بالفرض آیت مذکورہ کا شان نزول صحیح روایات اور آثار سے نماز نہ بھی ثابت ہوتا۔ بلکہ  
یہ آیت کافروں کے حق میں ہی نازل ہوتی۔ تب بھی اس کو کافروں پر منحصر سمجھنا اور مسلمانوں  
اور مومنین کو اس سے خارج کر دینا باطل ہے۔ حالانکہ اس کا شان نزول ہی (مومنین اور)  
نماز ہے۔ مگر افسوس ہے کہ فریق ثانی یہ کہتا ہے کہ اس آیت کا جو اولین سبب اور  
مصادیق تھا۔ اس کو یہ آیت شامل نہیں ہے۔ یہ تو صرف کافروں کو شامل ہے۔ حیرت  
اور تعجب ہے اس غلط نظریہ پر۔

و خامساً۔ اگر فریق ثانی کی یہی منطق صحیح تسلیم کر لی جائے تو نہ معلوم ان کا قرآن کریم  
کے ان عمومی احکام کے بارے میں کیا ارشاد ہو گا جو بظاہر ایک کافر اور مشرک قوم کے  
بارے میں نازل ہوئے تھے۔ مثلاً ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے نبی آپ  
ان کافروں سے کہہ دیجیے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں، جو تمہارے رب نے تم  
پر حرام کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ قتل اولاد کا ارتکاب نہ کرو۔  
فواحشات کے قریب نہ جاؤ۔ خون ناحق نہ کرو۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ وغیرہ وغیرہ۔ (پارہ ۸،  
سورۃ انعام) کیا یہ کہنا سجا اور صحیح ہو گا کہ یہ احکام تو کافروں اور مشرکوں کے حق میں نازل  
ہوئے ہیں۔ لہذا مومنین کے لیے شرک کرنا، قتل کرنا اور یتیم کا مال ہرپ کر لینا بالکل جائز  
ہے؟ فریق ثانی نے یہ عجیب قاعدہ نکالا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ فرما دیں کہ ہم تو گروہ بندی کا



شکار ہو کر قاعدہ سے بے نیاز نہیں ہے

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتادو قاعدہ

اے اسیرانِ قفص میں تو گرفتاروں میں تھیں

### تیسری جزو کا جواب

ہو سکتا ہے کہ تمیر صاحب کا سیاق و سباق کے بارے میں قاعدہ ہی کوئی نرا لالا اور ماوراء  
الادراک ہوا وہ ہم اس کو نہ سمجھ سکیں۔ لیکن بھلا اللہ تعالیٰ اس آیت کا سیاق اور سباق ہم بیان  
کر سکتے ہیں اور تمیر صاحب کو فکر و غور کی دعوت دیتے ہیں اور مخلصانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ  
ارشاد فرمائیں کہ غور کس نے نہیں کیا؟

اہل ایمان کے تین درجے ہو سکتے ہیں۔ اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ۔ جو لوگ توحید و معرفت  
کے تمام زینوں کو طے کر کے اس مقام پر فائز ہو جاتے ہیں کہ کارخانہ زمین و آسمان کی علوی  
اور سفلی چیزیں مشاہدہ کے طور پر ان کے سامنے آجاتی ہیں اور وہ عین الیقین تک پہنچ  
جاتے ہیں تو ایسے لوگ اصحاب بصیرت کہلاتے ہیں اور جو لوگ نظر و استدلال سے کسی  
حقیقت تک پہنچنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور وہ علم الیقین کے درجہ تک پہنچ کر خود ان  
کا قدم ہدایت سے ایک انچ نہیں ہٹتا اور لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں تو وہ ہادی  
اور مہدی کہلاتے ہیں اور جن کو نہ پہلا درجہ حاصل ہوتا ہے اور نہ دوسرا، صرف یہی جانتے  
ہیں کہ حق تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے وہ گروہ عامۃ المؤمنین کا ہے،  
جن کو حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق رحمت  
کے امیدوار ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

ہَذِهِ ابْصَارٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهَدًى وَرَحْمَةً  
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ وَلَا ذَا قُرْبَى الْقُرْآنُ  
فَاسْمِعُو لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔  
یہ سمجھ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور  
ہدایت و رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو مومن ہیں اور  
جس وقت قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگا  
رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔

(پ ۹، اعراف ۲۲)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے تین طبقوں کی خوبیوں کو علی الترتیب ہذا ابصار من ربکم و  
ہدی ورحمۃ کے ارشاد سے بیان فرما کر لقوم یؤمنون کہہ کر سب کو مومن کا خطاب



اور لقب عطا فرمایا ہے اور آگے قرآن کریم کی طرف توجہ کرنے اور خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔  
اس سے زیادہ صحیح اور مضبوط ربط اور کیا ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت لقوم یؤمنون۔

پر ختم ہوتی ہے اور دوسری واذا قرئ القرآن الاۃ سے شروع ہوتی ہے۔ پہلی آیت میں  
مومنوں کے تین طبقوں کی غیبیوں کا ذکر ہوتا ہے اور دوسری آیت میں بصیرت، ہدایت اور  
رحمت کے سرچشمے قرآن کریم کا ذکر ہوتا ہے۔ پہلی آیت میں اللہ کی رحمت کا ذکر ہے اور دوسری  
میں لعلکم ترجموں سے مستحقین رحمت کا تذکرہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اس مضمون کا اپنے سیاق  
سباق سے اور کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اور تمام اہل اسلام اور جملہ معتبر مفسرین کرام اس کا یہی ربط  
اور تعلق سمجھے ہیں۔ خوف طوالت سے صرف دو شہادتیں ہی نقل کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

علامہ خازن لکھتے ہیں کہ

واذا قرئ علیکم ایہا المؤمنون القرآن  
فاستمعوا لہ یعنی اصغوا الیہ باسماعکم  
لتفہموا معانیہ وتذہبوا موعظہ وانصتوا  
یعنی عند قرائتہ۔  
اسے مومنو! جب تم پر قرآن کریم پڑھا جائے تو  
تم اس کی طرف توجہ کرو یعنی بگوشش ہوش اس کی  
طرف مائل ہو جاؤ تاکہ تم اس کے معانی سمجھو اور اس کی  
نصائح سے تدبیر اور غور کر کے فائدہ حاصل کرو اور

(تفسیر خازن جلد ۲ ص ۲۸۷) اس کی قرات کے وقت خاموش رہو۔

اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کافر لوگ قرات قرآن کے وقت شور و غل مچا کرتے تھے۔

وقد امر اللہ عبادہ المؤمنون  
بخلوف ذلک فقال واذا قرئ القرآن فاستمعوا  
لہ وانصتوا لعلکم ترجموں (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۹)  
لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس کے  
خلاف حکم دیا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جاتا ہو تو تم  
اس کو سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔

اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کے سردار سید الانبیاء و امام المرسلین و خاتم  
النبیین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کیا ہے کہ آپ اپنے رب کو دل میں عاجزی  
اور زاری کرتے ہوئے صبح و شام یاد کرتے رہیں گو خطاب آپ کو ہے لیکن گفتہ آید در حدیث  
دیگران کے قاعدہ کے مطابق حکم سب کو دیا گیا ہے۔

بہر حال اس آیت سے قبل بھی مومنوں کا ذکر ہے اور بعد بھی اکمل ترین مومن سے خطاب



ہے۔ تیسرے صاحب کو اس سے بہتر سیاق و سباق کہاں سے ملیگا مگر ہاں یہ بات الگ ہے کہ  
وہ مسلم کا کوئی جواب نہیں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ہم نے توحیح و فاداکر دیا ہے شاید آپ  
فرمادیں۔

پلک کر کہ رہا ہے جانے کیا کیا تیکے گوشے میں  
عجب انداز ہے اس کا یہ کوئی دل جلا ہوگا۔

تیسرا اعتراض :

مبارک پوری صاحب (وغیرہ) لکھتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول خطبہ ہے جیسا کہ امام  
بیہقی نے (کتاب القراءۃ ص ۷۵ میں) لکھا ہے۔ لہذا اس آیت سے قرأت خلف الامام کے  
عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ (ابکار المنہ ص ۱۲۵)

جواب

یہ اعتراض بھی بے حقیقت اور بے کار ہے : اولاً : اس لیے کہ دلائل اور براہین سے  
یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا شان نزول ہی نماز ہے خطبہ وغیرہ اس کے عمومی اور  
ضمنی حکم میں شامل ہے۔

وثانیاً : خطبہ سے اگر جمعہ کا خطبہ مراد ہو تو امام بغوی کے حوالہ سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ  
جمعہ کی فرضیت مدینہ میں ہوتی ہے اور آیت مکی ہے۔ اور امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت  
سہ جمعہ میں ہوتی ہے حالانکہ آیت مذکورہ بالاتفاق مکی ہے اور مولانا عبد الصمد لکھتے ہیں کہ جو لوگ  
اس آیت کا شان نزول خطبہ بتلاتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور خطبہ کا  
حکم مدینہ میں ہوا ہے۔ (اعلام الاعلام ص ۱۸۹) اور اگر خطبہ سے مراد عید کا خطبہ ہے تو وہ بھی صحیح  
نہیں کیونکہ عید کی نماز کا حکم بھی مدینہ طیبہ میں ہوا تھا۔ (طبری ص ۱۲۸۱)

وثالثاً : اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس آیت کا شان نزول جمعہ یا عید کا خطبہ ہے  
تو اس سے نماز کو بالیقین خارج کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جب کہ امت کا ایک معتد بہ طبقہ  
اس کا قائل ہے کہ اسباب نزول میں تعدد بھی جائز ہے جیسا کہ شیخ عبد الرحمن بن حسن نے اس  
کی تصریح کی ہے۔ (فتح البجید شرح کتاب التوحید ص ۵۱)



اور صحیح احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ لہذا اگر اس کا شانِ نزول خطبہ بھی ہو اور  
نذر بھی ہو تو اس میں کیا قباحت ہے؟ اور یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اعتبارِ عموم الفاظ کا ہو گا نہ کہ خصوص  
سبب کا۔ الحاصل یہ اعتراض نقلاً و عقلاً ہر لحاظ سے مردود ہے اور ایک بھی صحیح روایت اس  
کی تائید نہیں کرتی کہ آیت مذکورہ کا شانِ نزول خطبہ ہے۔ روایات پر بحث اپنے مقام پر آئے گی۔  
یہی یہ بات کہ یہ نظریہ امام بیہقیؒ ایسے مشہور امام کا ہے تو یہ کوئی وزنی دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ  
مبارکپوری صاحبؒ ایک مقام پر تحریر کرتے ہیں کہ امام بیہقیؒ اگرچہ ایک مشہور محدث ہیں۔ مگر  
ان کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا۔ (بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۲، ص ۳۲)

۱۷ مثلاً بخاری جلد ۲ ص ۴۸۶ و مسلم جلد ۱ ص ۱۸۳ اور ابو عوانہ جلد ۲ ص ۱۲۳ و نسائی جلد ۱ ص ۱۱۴ اور مسند احمد جلد ۱ ص ۲۱۵ وغیرہ میں آیت لا تجهر بصلواتك ولا تخافت بها... الا یہ کہ شان نزول نمازیوں کی کیا گیا ہے۔ اور بخاری جلد ۲ ص ۴۸۶ و مسلم جلد ۱ ص ۱۸۳ اور ابو عوانہ جلد ۲ ص ۱۲۳ میں اسی آیت کا شان نزول دعا بتلائی گئی ہے اور محققین کی تصریح ہے کہ یہ تعدد اسباب نزول کا واضح ثبوت ہے۔

فائدہ : یہ تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ آیت مذکورہ کا صحیح اور حقیقی شان نزول نماز اور صرف نماز ہے۔ اور جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا شان نزول خطبہ ہے تو وہ صرف اس مفہوم کے اعتبار سے کہ اس آیت کا مضمون عموم الفاظ کے لحاظ سے خطبہ کو بھی شامل ہے۔ گویا یہ بھی اس کا شان نزول ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ (تفسیر اتقان جلد ۱ ص ۳۱) اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ (الفوز الکبیر ص ۲۶) اور نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں : ”وقسمے آنست کہ معنی آیت خود نام است بغیر احتیاج دانستن حادثہ کہ سبب نزول شدہ است و حکم عموم لفظ راست نہ خصوص سبب را قدر ماننے مفسرین بقصد احاطہ ثانی مناسبہ بآن آیت یا بقصد بیان ماصدق آن عموم آن قصہ را ذکر کردہ اند“ اس قسم را ذکر کردن ضروریست۔ و صحابہ و تابعینؓ بسیار بود کہ نزول فی کذا و کذا می گفتند و غرض ایشان تصویر ماصدق آن آیت بود و ذکر بعض حوادث کہ آیت آن را بہ عموم خود شامل شدہ است خواه این قصہ متقدم باشد یا متاخر و خواہ اسرا نبلی باشد..... یا جاہلی یا اسلامی تمام قیود آیت را در گرفتہ باشد یا بعض آن را و ازین جا دانستہ شد کہ اجتہاد را درین قسم و خلی ہست و قصص متعددہ را آن جا گنجایش پس ہر کہ اس بحثہ مستحضر دارد حل مختلفات سبب نزول با دقتی عنایت میتوان نمود۔ (اکسیر ص ۱۹) بہر حال شان نزول اس آیت میں گونا گونا گے ہیں لیکن خطبہ بھی ماصدق آن آیت کا مصداق ہے۔



## چوتھا اعتراض

مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ آیت واذا قرى القرآن... الآية قرآن کریم کی دوسری آیت فاقروا ما تيسرون القرآن... الآية سے منسوخ ہے۔ لہذا اس سے مسئلہ خلف الامام کیسے ثابت ہوگا اور اس دعویٰ کے دلائل یہ ہیں:

- ۱۔ امام ابو نصر مروزمی (المتوفی ۲۹۴ھ) لکھتے ہیں کہ آیت فاقروا... الآية مدینہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس آیت میں جہاد اور قتال کا حکم ہے اور جہاد کی فرضیت مدینہ میں ہوئی ہے۔ (قیام القیامہ)
- ۲۔ امام سیوطی نقل کرتے ہیں کہ باقی تمام سورۃ منزل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ مگر فاقروا اما تيسرون... الآية (تفسیر اتقان جلد ۱ ص ۱۳)

۳۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ روزے بالاتفاق مدینہ فرض ہوئے ہیں اور حضرت قیسؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے قبل ہمیں صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم تھا۔ جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو نہ ہمیں فطرانہ ادا کرنے کا تاکید دی گئی اور نہ اس سے منع کیا گیا۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۱) اور اس آیت فاقروا اما تيسرون... الآية میں زکوٰۃ کا حکم بھی ہے۔ اور زکوٰۃ صدقہ فطر کے بعد فرض ہوئی اور صدقہ فطر صوم رمضان کا تمہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت فاقروا اما تيسرون... الآية مدنی ہے۔ لہذا یہ ناسخ اور آیت واذا قرى القرآن... الآية منسوخ ٹھہری اور منسوخ آیت سے استدلال اور احتجاج باطل ہے۔ (اوکما قال تحقيق الكلام ۲ ص ۳۴)

**جواب :** یہ دعویٰ بھی قطعاً باطل اور بے بنیاد ہے۔ ترتیب وار ہر ایک شق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

**پہلی شق کا جواب :** حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو نصرؒ کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ اس لیے کہ تمام اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ سورۃ منزل کی آخری آیت بھی مکی ہے۔ امام ابو نصرؒ کو قتال اور جہاد کے حکم سے جو شبہ ہوا ہے۔ وہ مردود ہے۔ کیونکہ اس میں ارشاد دلیل ہوتا ہے۔

۱۔ ان کی یہ روایت نسائی جلد ۱ ص ۲۴۹، ابن ماجہ ص ۱۳۲، طیالسی ص ۱۶۸ اور مستدرک جلد ۱ ص ۱۴ وغیرہ میں مروی ہے۔



عَلِمَ أَنَّ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مُرْضِي وَآخِرُونَ  
 اللَّهُ تَعَالَى کو علم ہے کہ عنقریب تم میں بعض آدمی  
 بیمار ہوں گے اور بعض دیگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں  
 نکلیں گے۔

اور بیماری و سفر میں پابندی کے ساتھ تہجد کی نماز ادا نہیں ہو سکے گی۔ اس کی تاکید اللہ تعالیٰ  
 نے ساقط کر دی ہے اور اس آیت میں سَيَكُونُ (حرف سین جو استقبال کے لیے آتا ہے) سے  
 خوشخبری سن کر وجود مشقت سے پہلے ہی تہجد کی نماز کی فرضیت ساقط کر دی گئی ہے۔ اس سے  
 یہ کیونکر ثابت ہوا کہ جہاد اور قتال کا حکم اس وقت نازل ہو چکا تھا؟ بہر حال آیت مکہ مکرمہ میں  
 نازل ہوئی ہے اور اس میں زمانہ مستقبل میں جہاد اور قتال کے حکم کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ اگر  
 امام ابو نصر سیکون میں حرف سین پر ہی نگاہ ڈال لیتے جو استقبال کے لیے آتا ہے تو ایسی فاحش غلطی  
 کا ارتکاب نہ کرتے اور نہ اس آیت کو مدنی کہتے پر مجبور ہوتے۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۳۹۳)

دوسری شق کا جواب: امام سیوطی نے یہ قول نقل کیا ہے لیکن پورے زور کے ساتھ اس کی تردید  
 بھی کی ہے اور لکھتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سورۃ منزل کی آخری آیت مدینہ میں نازل ہوئی  
 ہے تو وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سورۃ منزل  
 کا آخری حصہ پہلے حصہ کے نزول کے پورے ایک سال بعد نازل ہوا ہے۔ (تفسیر اتقان جلد ۱ ص ۳۸)  
 اور سورۃ منزل قرآن کریم کی ابتدائی سورتوں میں سے ایک ہے۔ چنانچہ مبارک پوری صاحب لکھتے  
 سب سے پہلے سورۃ قلم نازل ہوئی اور اس کے بعد سورۃ منزل۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۸)

اے اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وجود مشقت سے قبل تفسیح صحیح نہیں یا اس میں تردید ہو تو اس کو معراج کی وہ  
 طویل حدیث پڑھنی چاہیے جس میں چپاس نمازوں کی فرضیت کے بعد وجود مشقت سے قبل ہی باقی سب  
 نمازیں معاف کر کے صرف پانچ ہی باقی رکھی گئیں ہیں۔

۱۔ ان کی یہ روایت مسلم جلد ۱ ص ۲۵۶، نسائی جلد ۱ ص ۱۸۲، ابوعوانہ جلد ۲ ص ۳۲۲ اور مستدرک  
 جلد ۱ ص ۵۵ وغیرہ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے اور اسی مضمون کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے  
 بھی مروی ہے۔ مستدرک جلد ۲ ص ۵۰۵ و سنن الکبیری جلد ۲ ص ۵۰۵۔ الغرض یہ صحیح روایتیں ابن عباسؓ  
 کی اس روایت سے جس میں یونس بن حبیب وغیرہ راوی موجود ہیں جن کا اتنا پتا کتبہ جال سے نہیں ملتا۔ بدرجہا  
 زیادہ قابل اعتماد ہیں۔



جب صحیح روایت سے یہ ثابت ہو گیا کہ سورۃ منزل من وعن سب کی ہے تو اس کو مدنی کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ؟

تیسری شق کا جواب : یہ دعویٰ کرنا کہ زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس زکوٰۃ کا حکم مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکا تھا۔ کیونکہ سورۃ مومن، سورۃ جم سجدہ اور سورۃ لقمان وغیرہ تمام مکی سورتوں میں زکوٰۃ کا حکم موجود ہے پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ مکہ میں نہیں ہوئی تھی۔ باقی یٰٰقوتون الزکوٰۃ کو تزکیۃ نفس پر حمل کرنا تاویل بعید اور توجیہ رکیک کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور حضرت جعفر طیارؓ نے دربار نجاشی میں جو تقریر کی تھی اس میں زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے حالانکہ مہاجرین حبشہ شہادت میں ہجرت کر گئے تھے۔ (طبری ص ۱۱۸، زاد المعاد جلد ۲ ص ۶۱)

امام الانعم ابن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکی تھی۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۱۱) امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ مکہ میں فرض ہو چکی تھی۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۲۳۵) سید آوسیؒ لکھتے ہیں کہ اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ زکوٰۃ مکہ میں فرض ہو چکی تھی۔ (روح المعانی جلد ۱۹ ص ۱۴۱) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ سورۃ منزل کی آخری آیت ان لوگوں کی تائید کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نفس زکوٰۃ تو مکہ میں فرض ہو چکی تھی لیکن اس کے نصاب اور مقدار کی تعیین مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۲۳۹)

حضرت ابن عمرؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار اور تعیین نصاب سے پہلے اپنی ضرورت سے زائد سب مال صرف کر دینے کا حکم تھا۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۱۶) اس تحقیق کو پیش نظر رکھنے کے بعد حضرت قیس بن سعد کی روایت کا مطلب یہ ہو گا کہ زکوٰۃ کے نصاب اور مقدار کی تعیین سے قبل صدقہ فطر کی اس لیے تاکید کی جاتی تھی تاکہ فقراء اور مساکین کی امداد اور اعانت

لے یہ روایت ابو داؤد جلد ۱ میں مختصراً اور مسند احمد جلد ۵ ص ۲۹۱ اور مستدرک جلد ۲ ص ۳۱۰ وغیرہ میں مفصلاً موجود ہے۔ قال العاکف والذہبی علی شرطہما۔

لے یہ بات بھی نہ بھولیے کہ صی یہ کراہم کی مکی زندگی اور مدینہ طیبہ کا ابتدائی دور غربت اور افلاس کا دور تھا اس میں زکوٰۃ کے نصاب اور مقدار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا صدقہ فطر کے تاکید کا حکم سے اس کی تلافی کر دی گئی تھی۔



بجھتی ہو سکے اور جب شمع کے لگ بھگ زکوٰۃ کا نصاب اور مقدار مقرر ہوتی تو صدقہ فطر کا وہ تاکید اور فرضی حکم باقی نہ رہا۔ گو روزہ و صدقہ فطر کا حکم اور زکوٰۃ کا نصاب اور مقدار کی تعیین مدینہ طیبہ میں ہوتی اور صدقہ فطر بعض ائمہ کی تحقیق میں اب بھی واجب ہے مگر فرض نہیں۔

اس بحث کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے مبارک پوری صاحب کی ستم ظریفی دیکھیے کہ وہ کس بے باکی سے یہ لکھتے ہیں کہ اندرونی اور بیرونی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فاقروا ما تيسر... الآية مدنی ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۳۶) فوا اسفا آپ دلائل واضحہ کے ساتھ یہ معلوم کر چکے ہیں کہ اندرونی اور بیرونی عقلی اور نقلی شہادتوں سے فاقروا ما تيسر... الآية کا ملکی ہونا ثابت ہو چکا۔

### پانچواں اعتراض

مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ فاقروا ما تيسر... الآية سے واذا قرئ القرآن... الآية منسوخ نہیں۔ لیکن اس میں نسخ کا احتمال تو موجود ہے۔ جب اس میں یہ احتمال موجود ہے تو اس سے استدلال کیسے؟ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۳۶)

جواب : یہ اعتراض بھی مردود ہے۔

اقلہ۔ اس لیے کہ نسخ کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ وہ محض بے بنیاد احتمالات سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے اثبات کے لیے قطعی، محکم اور اٹل دلائل کی ضرورت ہے اور صرف ظن اور تخمین سے قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہو سکتی۔

وثانیاً۔ یہ احتمال صرف مبارک پوری صاحب کے خیال مبارک میں ہی آیا ہے یا امام احمد بن حنبلؒ، حافظ ابن عبد البرؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ بلکہ جہور سلف و خلفؒ کو بھی یہ نکتہ ہاتھ آیا ہے؟

اگر یہ احتمال کسی دلیل و برہان پر مبنی ہوتا تو جہور اہل اسلام کا اس آیت سے استدلال کیسے صحیح ہوتا؟ اور باوجود ان حضرات کے علم کی گہرائی کے اس احتمال کی طرف ان کا ذہن کیوں نہ گیا؟

وثالثاً۔ خود مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ آیت فاقروا ما تيسر سے قرأت کی فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۰۴) تو اس آیت سے ہر ہر مقتدی کی قرأت کے

وجوب پر استدلال کیونکر درست ہوا؟ اور آیت واذا قرئ القرآن... الآية اس سے منسوخ کیسے ٹھہری؟ کیونکہ اس میں استماع اور انصات کا حکم سب مقتدیوں پر ہر حال واجب اور



لازم ہے اور فاقروا سے فرضیت ہی ثابت نہیں ہے۔

ورابعا۔ مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ سورۃ منزل پہلے نازل ہوئی ہے۔ (جس میں فاقروا مائیسر کی آیت ہے) اور سورۃ اعراف بعد کو نازل ہوئی ہے (جس میں واذا قرئ القرآن ... الایہ ہے۔) (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۹) اور پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ منزل کا آخری حصہ بھی مکی ہے اور اول و آخر میں صرف ایک سال کا وقفہ ہے۔ پھر محض خیال سے متاخر سورہ کو منسوخ کرنے کا کیا مطلب ؟

وخامسا۔ نواب صاحب سورہ اعراف کے متعلق لکھتے ہیں کہ دروے یک آیت یادو آیت منسوخ است باقی ہمہ محکم۔ اول۔ نخذ العفو وأمر بالعرف۔ دوم۔ واعرض عن الجہلین (افادۃ الشیوخ ص ۶۵) تو محکم آیات کے منسوخ ہونے کا کیا معنی ؟

چھٹا اعتراض : مولانا تیر صاحب سیالکوٹی رح لکھتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں احناف کے نزدیک تعارض ہے۔ جیسا کہ ملا جیون اور صاحب تلویح نے لکھا ہے۔ لہذا اس تعارض کے ہوتے ہوئے استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر واضح البیان ص ۳۳۸) مبارک پوری صاحب نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۳۸، ابکار المنین ص ۱۳۸ و تحفۃ الاحوذی

جلد ۱ ص ۲۵۸)

جواب :

بلاشبک ملا جیون خفی تھے لیکن مدار صرف دلائل پر ہے۔ شخصیتوں پر نہیں ہے اور تلویح کے مصنف علامہ سعد الدین قفازانی (المتوفی ۴۹۱ھ) حسب تصریح علامہ حسن علی (المتوفی ۹۹۸ھ) و علامہ سیوطی رح (المتوفی ۹۱۱ھ) و علامہ محمود الکفوی رح (المتوفی ۹۹۰ھ) و علامہ کاتب چلبی رح (المتوفی ۱۰۶۷ھ صاحب کشف الظنون) شافعی المسلک تھے۔ احناف میں ان کا شمار غلط ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تعارض کے لیے شرائط کیا ہیں ؟ حافظ ابن حجر رح (شرح منجۃ الفکر ص ۴۷ میں) بیان کرتے ہیں کہ تعارض کی شرطیں یہ ہیں :

۱۔ دونوں حکموں کا محل ایک ہو۔

۲۔ تقدم اور تاخر معلوم نہ ہو سکے۔



۱۳۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جاسکے۔

۱۴۔ دونوں میں تطبیق نہ ہو سکے۔ مگر ان دونوں آیتوں میں تعارض کی ایک شرط بھی موجود نہیں ہے۔

دونوں کا محل جُدا جُدا ہے: ہم عرض کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لِقَوْلِ الْكَافِرِ نَزْلُ فَرْضِ نَازِل ہے اور آیت فَاذْكُرُوا مَا تَلَّيْتُمْ کا محل نماز تہجد ہے جیسا کہ ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۹۲ اور عون المعبود جلد ۱ ص ۵۰۳ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَهَذَا مَعْرُوفٌ مَشْهُورٌ فِيمَا بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ۔ (کتاب القراءۃ ص ۱۵۳) اور یہ امر اہل علم میں مشہور و معروف ہے اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت صلاۃ تہجد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۳۷۸) خطیب شربینی جو بڑے پایہ کے مفتسر تھے لکھتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول تہجد کی نماز ہے۔ (السراج المنیر جلد ۲ ص ۲۴۸) علاء الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ یہ صلاۃ تہجد کے بارے میں ہے۔ (تفسیر ابوالسعود برکات جلد ۸ ص ۳۸۵) مبارک پوری صاحب بھی صاحب روح المعانی سے یہ مضمون نقل کرتے ہیں (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۰۷)۔ قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ نزلت فی قیام اللیل فلیست مما نحن فیہ (نیل جلد ۲ ص ۲۱۸) یعنی یہ آیت نماز تہجد کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور چارے اس مسئلہ سے (کہ سورۃ فاتحہ رکن ہے یا جہاں سے بھی پڑھ لیا جائے صحیح ہے) اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود مولانا میر صاحب لکھتے ہیں کہ سورہ منزل کا یہ رکوع نماز تہجد میں تحفیف کے لیے اترتا ہے۔ (تفسیر واضح البیان ص ۲۲۳) جب ایک آیت کا محل فرضی نماز ہے اور دوسری کا تہجد کی نماز ہے تو پھر تعارض کیسے؟ کیونکہ تعارض کے لیے وحدت محل شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔

دونوں کا تقدیم اور تاخر: پہلے پوری تحقیق گذر چکی ہے کہ ان کے تقدیم اور تاخر کا علم اور تو اور خود مبارک پوری صاحب کو بھی اقرار ہے کہ سورہ منزل پہلے اور سورہ اعراف بعد کو نازل ہوئی ہے۔ سو تعارض کی یہ شرط بھی نہ پائی گئی۔



## وجہ ترجیح :

اگر بالفرض دونوں کا محل بھی ایک ہوتا اور تقدم و تاخر بھی معلوم نہ ہوتا تب بھی واذ قرئ القرآن... الآية کے حکم کو ترجیح ہوتی۔ کیونکہ صحیح روایات اور آثار اور جمہور سلف خلف کی اکثریت سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت میں مقتدی کو قرأت خلف الامام سے منع کیا گیا ہے ترجیح کے لیے یہ دلیل کیا کم وزنی ہے ؟

جمع و تطبیق : علاوہ بریں ان دونوں آیتوں میں جمع و تطبیق بھی چٹاں دشوار اور مشکل نہیں ہے کیونکہ واذ قرئ... الآية مقتدی کے حق میں ہے جو باجماعت فرض نماز پڑھتا ہو اور فاقروا ماتیسر تہجد کی نماز کے بارے میں ہے جو انفرادی طور پر پڑھی جاتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی آیت صرف سورۃ فاتحہ کو شامل ہو کیونکہ قرآن العظیم کا اطلاق اسی پر ہوا ہے اور فاقروا ماتیسر سے مازاد علی الفاتحہ مراد ہو۔ چنانچہ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں : کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح یہ روایت مروی ہے کہ فاقروا ماتیسر سے مازاد علی الفاتحہ مراد ہے۔ (کتاب القراءة ص ۶، ص ۱۵۳، ۱۵۴) اور امام دارقطنیؒ حضرت ابن عباسؓ سے باسناد حسن اسی مضمون کی روایت نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کے لیے حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فاقروا ماتیسر مازاد علی الفاتحہ پر محمول ہے۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۹) اور میر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ الغرض آیت فاقروا ماتیسر میں اگر قرأت سے مراد قرأت القرآن فی الصلوۃ مراد لی جائے تو اس سے مراد فاتحہ کے بعد کی قرأت ہے۔ (واضح البیان ص ۲۲۵)

اور چونکہ فریق ثانی کے نزدیک بھی مازاد علی الفاتحہ کی قرأت مقتدی کے لیے ممنوع ہے۔ لہذا اس سے مراد صرف منفرد ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ فاقروا ماتیسر کا حکم امام کے لیے ہو۔ اور واذ قرئ القرآن صرف مقتدی کے لیے۔ اندر میں حالات جب جمع و تطبیق کی صحیح صورتیں بھی سامنے موجود ہیں تو تعارض کا دعویٰ بالکل باطل ہو گیا۔

## ساتواں اعتراض :

مولانا مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آیت واذ قرئ القرآن... الآية پہلا



جواب خود حنفی دیوبندی کے قلم سے کہ جو شخص اس آیت سے خلف الامام کے منسوخ ہونے پر استدلال کرتا ہے اسے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ آیت افتراض صلوات خمسہ کے بعد نازل ہوتی ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۵)

### جواب

کیا قرأت خلف الامام کی ممانعت اور افتراض صلوات خمسہ میں کوئی علت اور معلول کا تلامذہ یا عرفی اور عادی تعلق ہے؟ کیا قرآن کریم کی تعظیم کے پیش نظر قرأت خلف الامام کی ممانعت صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ پانچ نمازیں ہی فرض ہوں۔ پانچ سے کم نمازوں میں یہ ممکن نہیں ہے؟ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ دار و مدار دلائل پر ہوتا ہے نہ کہ شخصیتوں پر۔ شخصیتیں قابل صدا احترام ہیں مگر صحت و سقم کا مبنی دلائل ہیں۔

### آٹھواں اعتراض

مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آیت و اذا قرأ القرآن فليس له صلوة ولا دعاء من قبلہ اور امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم مدینہ طیبہ میں ہوا ہے۔ لہذا مقدم حکم سے متاخر حکم کے خلاف استدلال درست نہیں ہو سکتا۔ اور مدینہ میں قرأت خلف الامام کے جواز پر یہ دلیلیں موعود ہیں؛

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی (موطا امام مالک ص ۲۹)

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی اور جب فارغ ہوئے تو فرمایا۔ میرے پیچھے کس نے قرأت کی ہے؟ اس حدیث کے آخر میں فرمایا: امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے بغیر اور کچھ بھی نہ پڑھا کرو۔ (کتاب القراءت ص ۵)

اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ میں مسلمان ہوتے تھے۔ (تلخیص المجیر ص ۱۱۲)

۳۔ یہ مضمون انھوں نے اپنی مشہور کتاب الفرقان ص ۸۹ میں لکھا ہے اور اس کے مولف مولانا ناظر حسن صاحب دیوبندی تلمیذ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔



۱۔ حضرت عبادہ بن الصامت <sup>رضی اللہ عنہ</sup> مدنی ہیں اور انھوں نے قرأت خلف الامام کا ذکر کیا ہے۔

(تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۸)

میر صاحب سیالکوٹی <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> لکھتے ہیں کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ احادیث مثبتہ قرآنہ خلف الامام آیت و اذا قرئ القرآن کے بعد فرمائی گئی تھیں۔ کیونکہ عبادہ <sup>رضی اللہ عنہ</sup> مدنی ہیں اور حضرت ابو ہریرہ <sup>رضی اللہ عنہ</sup> میں مسلمان ہوئے تھے۔ (تفسیر واضح البیان ص ۲۵)

جواب۔ یہ اعتراض بھی محض بے کار ہے: اولاً۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی کسی آیت اور حکم منسوخ ٹھہرانے کے لیے کسی محکم قطعی اور اٹل حکم کی ضرورت ہے۔ حضرت عبادہ <sup>رضی اللہ عنہ</sup> اور

لہ مبارک پوری صاحب نے بزعم خود بڑی دوراندیشی کا ثبوت دیا ہے اور لکھتے ہیں: اولاً۔ کہ اگرچہ حضرت عبادہ بن الصامت بیعت عقبہ اولی (جو سلمہ نبوت میں ہوئی تھی) اور بیعت عقبہ ثانیہ میں (جو سلمہ نبوت میں ہوئی تھی) حاضر ہوئے تھے۔ لیکن ان کی حاضری سے (یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لانے کیلئے حاضر تھے) سورۃ اعراف پہلے نازل ہو چکی تھی کیونکہ مجمع البحار جلد ۲ ص ۵۳۰ میں لکھا ہے کہ سلمہ نبوت میں پہلے سورۃ جن نازل ہوئی اور پھر سورۃ اعراف۔

ثانیاً۔ یہ کہ عقبہ اولیٰ سے قبل نماز باجماعت مشروع ہی نہ تھی۔ اس لیے بہر حال حضرت عبادہ کی حدیث کا یہ حکم آیت کے بعد ہی ہوگا۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۸ محصلہ) مگر یہ تمام مقدمات مخدوش ہیں۔ اولاً۔ اس لیے حضرت عبادہ <sup>رضی اللہ عنہ</sup> کی خلف الامام کی قید کے ساتھ کوئی مرفوع روایت صحیح نہیں ہے۔ لہذا وہ مکی ہوں یا مدنی فرق کیا ہوگا؟

ثانیاً۔ حافظ ابن کثیر <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> لکھتے ہیں کہ بیعت عقبہ اولیٰ جب سلمہ نبوت میں اور بیعت عقبہ ثانیہ سلمہ نبوت میں ہوئی تھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۳۵۹)

ثالثاً۔ امام نووی <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> لکھتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز ابتدائے نبوت سے مشروع تھی۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۲) حافظ ابن حجر <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> لکھتے ہیں کہ نماز باجماعت ابتدائے اسلام سے مشروع تھا۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۹۰) مسلم جلد ۲ ص ۲۹۶ اور مستدرک جلد ۳ ص ۵۹۶ میں روایت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری <sup>رضی اللہ عنہ</sup> مسلمان ہو کر جب اپنی قوم کے پاس گئے تو حضرت ایما <sup>رضی اللہ عنہ</sup> بن رضدان کو جماعت سے نماز پڑھایا کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت ابوذر غفاری <sup>رضی اللہ عنہ</sup> سے قبل مردوں میں حضرت ابوبکر <sup>رضی اللہ عنہ</sup> اور حضرت بلال <sup>رضی اللہ عنہ</sup> (باقی اگلے صفحہ پر)



حضرت ابو ہریرہ رضی کی اخبار احاد سے قرآن کریم کی آیت کیسے منسوخ ہو سکتی ہے۔

وثالثاً۔ حضرت عبادہ رضی کی خلف الامام کی قید کے ساتھ کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر بیان ہو گا۔ پھر ایسی بے حقیقت، ضعیف کمزور اور معلول روایتوں نص قطعی کیونکر منسوخ ہو گئی؟ اور حضرت ابو ہریرہ رضی سے موطا امام مالک ص ۲۹ میں کوئی روایت ایسی نہیں جس کا مفہوم یہ ہو کہ اگر مقتدی فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی ناز باطل ہے یہی اُن کی مرفوع روایت خداج والی تو وہ موجود ہے اور ان کا قول اقراً بھائی نفسک یا فارسی بھی موجود ہے مگر اس کا مطلب بطلان صلوٰۃ نہیں ہے جس کی بحث جلد ثانی میں آ رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔  
وثالثاً۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کسی متاخر الاسلام صحابی کی روایت سے متقدم الاسلام صحابی کی روایت کو بلا دلیل محض تقدم و تاخر کی وجہ سے منسوخ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ (شرح منجۃ الفکر ص ۲۷) نہ معلوم متاخر الاسلام صحابی کی روایت سے نص قرآنی کیسے منسوخ ٹھہرائی جاسکتی ہے؟

والبعث۔ کیا صرف حضرت عبادہ رضی اور حضرت ابو ہریرہ رضی ہی مدنی تھے یا حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی، حضرت ابوالدرداء رضی، حضرت انس بن مالک، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن سحینہ رضی اور حضرت ابوبکرہ رضی وغیرہ بلکہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی بھی جن سے قرأت خلف الامام کی ممانعت کی روایتیں مروی ہیں مدنی تھے؟

(بقیہ پچھلا صفحہ) اور یہیوں میں صرف حضرت خدیجہ رضی مسلمان ہوئی تھیں۔ (تذکرہ جلد اول و کمال ص ۵۹۲) مگر اس ابتدائی دور میں بھی جماعت ہوتی تھی۔

۱۔ نواب صاحب لکھتے ہیں کہ نسخہ مثل منسوخ باشد و قوت بلکہ اقویٰ از ان چہ در صورت ضعف منزل قوی نہ تواند شد و این حکم عقل است و اجماع بر آن دلالت کردہ چہ صحابہ رضی نص قرآن را بدخیر واحد منسوخ نہ کردہ اند۔ (افادۃ الشیوخ بمقدار النسخ و المنسوخ ص ۵)

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ علماء حنفیہ کا ضابطہ یہ بیان کرتے ہیں۔ ان تخصیص العام القطعی بنحو اہل احادیث جائز..... الخ (غیث الغمام ص ۲۲۵) کہ عام قطعی کی تخصیص خبر واحد سے جائز نہیں ہے۔



وخاصاً۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے موقف اور غیر صریح قول سے نص قرآنی کس طرح منسوخ ہو سکتی ہے۔ جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ مرفوع حدیث کے مقابلے میں امت میں سے کسی کا قول قابل قبول نہیں ہو سکتا چنانچہ امام شافعی رحمہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلے میں ماوشما کے قول کی کیا وقعت ہے؟ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۲۵۳)

امام ابن خزمیہ کا بیان ہے کہ حدیث کے مقابلہ میں کسی کی بات حجت نہیں ہو سکتی۔ یحییٰ بن اویسؒ فرماتے تھے کہ مرفوع حدیث صحیح کے مقابلہ میں کسی کا قول معتبر نہیں ہے۔ (معرفت علوم الحدیث ص ۸۲) امام بخاری رحمہ لکھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب حدیث ثابت ہو جائے تو پھر کسی امتی کا قول قابل اعتما نہیں ہے (جزء القراءة ص ۱۱) امام بیہقی رحمہ لکھتے ہیں کہ حضورؐ کی حدیث کے مقابلہ میں کسی امتی کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۴۳) محدث ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کی موجودگی میں کسی کی بات قابل قبول نہیں ہے (محل جلد ۱ ص ۱۴۰) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو پھر کسی کی بات حجت نہیں ہے۔ (رفع الملام عن ائمة الاعلام ص ۶۲) نواب صاحبؒ لکھتے ہیں: زیرا کہ حجت در روایت صحابی است نہ در راستے فعل و سے (بدور الایہ ص ۵۷) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ علامہ شوکانی رحمہ در مؤلفات خود ہزار بار می نویسند کہ در موقوفات صحابہ حجت نیست (دلیل الطالب ص ۶۱) عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو فریق ثانی کے نزدیک موقوفات صحابہ حجت نہیں ہیں اور دوسری طرف ان سے واذا قرئ القرآن کی آیت قرآنی منسوخ قرار دی جاتی ہے۔ فاسف فاع: میں وہ حوائج میں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں۔

وسناداً۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو روایت امام بیہقیؒ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے وہ کمزور اور ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی داہر بن نوحؒ ہے۔ امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں وہ قوی نہیں۔ ابن حبان رحمہ لکھتے ہیں۔ اس کی روایتوں میں خطا ہوتی ہے۔ ابن قسطلکاءؒ لکھتے ہیں کہ وہ مجهول ہے۔ (لسان المیزان جلد ۲ ص ۴۱۳)

دوسرا راوی اس سند میں ربیع بن بدرؒ ہے۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن قتیبہؒ اسکو ضعیف



کہتے تھے (ضعفاء صغیر ص ۱۲) امام نسائی رحمہ اللہ اس کو متروک کہتے ہیں۔ (ضعفاء صغیر نسائی ص ۲۲) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ وہ متروک تھا۔ (تقریب ص ۱۲۱) امام ابن معین رحمہ اللہ، ابو داؤد رحمہ اللہ اور ابن عدی وغیرہ اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۳۳۳) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ (کتاب القراءة ص ۱۳۸) یعقوب بن سفیانؒ اور ابن خراشؒ اسے متروک کہتے ہیں۔ جوزقانی رحمہ اللہ اس کو واہی الحدیث اور ابو حاتمؒ اس کو ذاہب الحدیث اور ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ عجلؒ محمد بن عثمانؒ اور عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ سب اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ضعیف اور کمزور لوگوں سے موضوع اور جعلی روایتیں بیان کرتا تھا ابن حبانؒ، دارقطنی رحمہ اللہ اور ازہریؒ سب اسے متروک کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۲۳۹)

حضرات! آپ مبارک پوری صاحبؒ کی کرامت ملاحظہ کیجئے کہ اس روایت سے وہ واذا قرئ القرآن... الآية کو منسوخ قرار دینے پر اُدھار کھاتے بیٹھے ہیں۔ تعجب اور حیرت ہے ایسے علم پر۔  
وَسَابِقًا۔ کیا جمہور کی طرف سے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ اولیٰ یا ثانیہ کے موقع پر قرأت خلف الامام کا حکم سنا ہو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح اور مرفوع حدیث واذا قرأ فانصتوا اور مانی اتان مع القرآن المحدث سے وہ حکم منسوخ ہو گیا ہو۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر الاسلام ہیں اور شیعہ کو مسلمان ہوتے تھے۔ حدیث، حدیث کے مقابل میں آگئی اور نص قرآنی محفوظ رہ گئی۔

وَتَأْمَنَّا۔ اگر محض احتمال کا نام ہی استدلال ہے تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت عقبہ اولیٰ یا ثانیہ میں یہ حکم سنا ہو اور آیت واذا قرئ القرآن مدینہ میں نازل ہوئی ہو۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر جلد ۲ ص ۲۵۲ میں اور نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ اپنی تفسیر فتح البیان جلد ۳ ص ۱۳۹ میں لکھتے ہیں کہ سورہ اعراف مدنی ہے۔ کیونکہ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اُمت یہود کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ یہود کا مرکز مدینہ طیبہ تھا نہ کہ مکہ مکرمہ، لہذا ثابت ہوا کہ یہ ساری سورت ہی مدنی ہے۔ ع  
ہے یہ گبنڈ کی صدا جیسی کہو ویسی سنو



## نواں اعتراض

امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن کا شان نزول یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ اقتدار کی حالت میں بلند آواز سے نماز میں تکلم کیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے:

۱۔ محمد بن دینارؒ کہتے ہیں ہم سے ابراہیم ہجری نے بیان کیا۔ وہ ابو عیاضؓ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرامؓ نماز میں تکلم کیا کرتے تھے حتیٰ کہ واذا قرئ القرآن .... الآية نازل ہوئی۔

۲۔ مؤمل بن اسمعیلؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہی مضمون نقل کرتے ہیں۔

۳۔ عبد اللہ بن عامرؒ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ بلند آواز سے نماز میں گفتگو اور تکلم کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

۴۔ عاصم بن عمرؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ نماز میں تکلم کیا کرتے تھے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے ممانعت قرأت سے نہیں بلکہ تکلم اور رفع اصوات سے ہے اور تکلم فی الصلوٰۃ و رفع اصوات اور چیز ہے اور قرأت فی الصلوٰۃ الگ امر ہے۔ (کتاب القراءة ص ۷)

جواب۔ امام موصوفؒ کا یہ بیان باطل ہے۔

اولاً۔ اس لیے کہ صحیح اساتید سے پہلے یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا شان نزول قرأت خلف الامام کا منفی پہلو ہے۔ عام تکلم اور رفع اصوات اس کا شان نزول نہیں ہے۔

وثانیاً۔ امام موصوفؒ نے جتنی روایتوں سے احتجاج کیا ہے۔ وہ سب ضعیف کمزور اور معلول ہیں۔ پہلی روایت میں ایک راوی محمد بن دینارؒ ہے۔ امام ابن معینؒ، دارقطنیؒ اور نسائیؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ عقیلیؒ کا بیان ہے کہ اس کی حدیث میں وہم ہوتا ہے۔ ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ ان کا حافظہ آخر میں متغیر ہو چکا تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۵۵)

دوسرا راوی اس کڑھی کا ابراہیم ہجریؒ ہے۔ امام ابن معینؒ، نسائیؒ، ابو زرہؒ، ترمذیؒ، احمدؒ، سعدیؒ، حرابیؒ اور ابو حاتمؒ سب اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ اور ابو حاتمؒ اس کو منکر



الحديث كتمتہ ہیں۔ ابن عدی کا بیان ہے کہ وہ قابل احتجاج نہیں۔ علی بن الحسن بن الجندی  
 کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے۔ (میزان جلد ۳۱، تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۶۵)

دوسری روایت میں مول بن اسماعیل ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے۔  
 ابو حاتم رحمہ اللہ اس کو کثیر الخطا کہتے ہیں۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ ان کی روایت میں کثرت سے خطا ہوتی  
 ہے۔ یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں کہ اہل علم کو ان کی روایات سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ وہ  
 منکر روایتیں بیان کرتے ہیں۔ ساجی اس کو کثیر الخطا کہتے ہیں۔ دارقطنی اور ابن سعد اس کو کثیر الخطا  
 اور کثیر الغلط کہتے ہیں۔ ابن قانع اس کو بخطی سے تعبیر کرتے ہیں۔ محمد بن نصر مروزی اس کو سنی الخلف  
 اور کثیر الخطا کہتے ہیں۔ امام ابو زرعمہ کہتے ہیں کہ وہ کثیر الخطا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۲۱،  
 تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۸۰)

تیسری سند میں عبد اللہ بن عامر ہے۔ امام احمد، ابو زرعمہ، ابو عاصم، نسائی، ابو داؤد، دارقطنی  
 محدث سعدی سب اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ امام ابن معین ان کو لیس شیخ اور ابو احمد الحاکم رحمہ  
 اللہ بالقبول کہتے ہیں۔ ابن مدینی اس کی ڈبل تضعیف کرتے ہیں (ضعیف ضعیف) ابو حاتم اس  
 کو متروک کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ محدثین ان کے حافظہ کی شکایت کرتے ہیں۔ (میزان  
 جلد ۲ ص ۱۵۵ و لسان جلد ۳ ص ۳۰۳، تہذیب جلد ۵ ص ۲۶۵)

چوتھی روایت میں عاصم بن عمر ہے۔ امام احمد، ابن معین اور جوزقانی اس کو ضعیف کہتے ہیں۔  
 علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جس راوی سے متعلق امام بخاریؒ منکر الحدیث کہتے ہیں۔ اس کی  
 حدیث روایت کرنا جائز نہیں۔ (میزان جلد ۵ ص ۲۶۵) اور اسی طرح طبقات سبکی جلد ۲ ص ۹۱ اور  
 تدریس الراوی ص ۲۳۵ میں ہے کہ امام بخاریؒ جس کو منکر الحدیث فرمائیں، لا تحل الروایۃ عنہ۔  
 ایسے راوی سے روایت بیان کرنا جائز اور حلال نہیں ہے۔

لطیفہ: فریق ثانی صحیح ابن خزیمہ کے حوالہ سے فوق الصدق کی جو روایت پیش کیا کرتا ہے اس کی سند  
 میں بھی یہی مول بن اسماعیل واقع ہے (دیکھئے اعلام التوحید جلد ۳ ص ۹۱ اور بدائع الفوائد جلد ۳ ص ۹۱) کیا  
 بعید ہے کہ اصل روایت تحت السره ہو اور مول بن اسماعیل کی کثرت خطا کا نشانہ بن کر روایت فوق الصدق  
 ہو گئی ہو۔  
 نہ تم صدے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے،  
 نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں



امام بخاریؒ اس کو منکر الحدیث اور ترندی متروک کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۴۴، تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۵۱) یہ ہیں وہ روایات اور آثار جن پر امام بیہقی رحمہ اپنے استدلال کی بنیاد رکھتے ہیں۔  
 قال اللہ المشتکی۔

وثالثاً۔ امام بیہقی رحمہ کی یہ غلطی ہے کہ وہ تکلم فی الصلوٰۃ سے صرف عام انسانی تکلم اور گفتگو مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ تکلم کا مفہوم عام ہے جس میں قرأت قرآن، تسبیح، تہلیل، تہمید، تکبیر، نماز، خطبہ اور جملہ ادعیہ آجاتی ہیں۔ لہذا نہی عن التکلم فی الصلوٰۃ میں سورہ فاتحہ کی نہی بھی آجائے گی۔ کیونکہ عام کی نفی سے خاص کی نفی عین عقلی اور منطقی قاعدہ ہے۔ تکلم کا مادہ کلام اور کلمہ ہے۔ اور قرآن کریم میں متعدد مقامات اور مختلف مواضع میں کلام اللہ، کلمات ربی اور کلمات ربک وغیرہ کا قرآن کریم اور اس کی آیتوں پر اطلاق ہوا ہے۔ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جمعہ کے وقت امام کے منبر پر تشریف لانے سے قبل جتنی نماز کوئی پڑھنا چاہے پڑھ لے۔ ثم ینصت اذا تکلم الایمام (بخاری جلد ۱ ص ۱۲۱) پھر جب امام آجائے اور تکلم کرے تو اس وقت وہ نمازی خاموش ہو جائے۔ اس حدیث میں جمعہ کے خطبہ پر تکلم الایمام کا اطلاق ہوا ہے۔ خطبہ کیا ہے؟ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وانما الخطبة هی قراءة القرآن (الحیث مستطیسی ص ۶۵) خطبہ تو قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی قرأت ہے۔ حضرت ام ہشام رضی فرماتی ہیں کہ میں نے سورۃ ق والقرآن المجید جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُن کر یاد کی ہے۔ آپ اسے ہر جمعہ کے خطبہ میں پڑھا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۲۳۱ و مسلم جلد ۱ ص ۲۸۶) آخری تشہد میں درود شریف کے بعد کوئی متعین دعا شریعت نے نہیں بتائی۔ لیکن ادعیہ ماثورہ میں ربنا اقمنا... الایہ ربنا جعلنی مقیم الصلوٰۃ... الایہ۔ ربنا لا تدغ قلوبنا... الایہ ربنا ظلمنا انفسنا... الایہ وغیرہ وغیرہ بھی ادعیہ ثابت ہیں اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آخری تشہد سے فارغ ہونے کے بعد تحریر لیتے ہیں بعد من الکلام ما شاء (بخاری جلد ۲ ص ۹۲) جو کلام بھی دل چاہے نمازی انتخاب کر لے۔ ایک شخص نے رکوع کی حالت میں الحمد للہ حمد اکثیراً طیباً مبارکاً فیہ پڑھا تھا اور آپ نے فرمایا: من المتکلم (بخاری جلد ۱ ص ۱۲۱) و مسند احمد جلد ۱ ص ۱۲۱) متکلم کون تھا؟ ایک شخص نے یہ دعا کی تھی: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَحَمَلَةً اَوْلَادِ رَحِمَ



مَعَنَا أَحَدًا ۱۔ امام نسائی اس پر ایک باب قائم کرتے ہیں۔ باب الكلام في الصلوة  
(جلد ۱ ص ۱۱۰) امام بخاری رح ایک باب باین عنوان قائم کرتے ہیں:

اِذَا قَالَ وَاللّٰهُ لَا اَتَكَلَّمُ الْيَوْمَ فَصَلِّ  
اَوْ قَرَأْ اَوْ سَبِّحْ اَوْ كَبِّرْ اَوْ حَمِّدْ اَوْ  
هَتَلْ فَهُوَ عَلَى نَيْتِهِ۔ (بخاری ص ۹۸۸)  
اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں کلام نہیں  
کروں گا تو اگر اس نے نماز پڑھی یا قرآن کی تلاوت  
کی یا سبحان اللہ یا اللہ اکبر یا الحمد لله الا  
اللہ پڑھا تو یہ اس کی نیت پر موقوف ہے۔

یعنی اگر وہ تکلم سے قرأت قرآن وغیرہ مراد لے اور اس کی نیت کرے تو تکلم کا  
اطلاق اس پر صحیح ہے اور وہ حائث ہو جائے گا۔ قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں:

فَلَا يَجُوزُ مِنَ الْكَلَامِ اِلَّا مَا خَصَّ بِهِ  
حَبَّ اِمَامٍ خَطْبِهِ پڑھ رہا ہو تو اس وقت کلام  
دلیل كصلوة التحية۔  
صحیح نہیں ہے۔ مگر جس کو شرعی دلیل نے خاص کر دیا  
نیل الاطراف جلد ۳ ص ۱۵۶  
ہو جیسے صلوۃ تحیہ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قاضی صاحب موصوف صلوۃ تحیہ پر کلام کا اطلاق صحیح  
تسلیم کرتے ہیں۔ جب یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ نہی عن التكلم قرأت قرآن وغیرہ پر  
مشمول ہے تو امام بیہقی کا یہ استدلال کہ نہی تو تکلم سے ہے۔ تلاوت اور قرأت  
قرآن سے نہیں بالکل بے بنیاد ہے اور جیسے ہر کے ساتھ پڑھنے سے منازعت  
اور مخالفت ہوتی ہے۔ اسی طرح آہستہ پڑھنے سے بھی ہوتی ہے۔ جس کی تحقیق  
آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ورابعا۔ امام بیہقی رح نہی عن التكلم في الصلوة ان ضعیف اور کمزور روایتوں سے  
ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ عام تکلم في الصلوة کی نیت

لے محدثین و مؤرخین کا اس بات میں شدید اختلاف ہے کہ نہی عن التكلم في الصلوة مکہ مکرمہ میں  
نازل ہوئی یا مدینہ طیبہ میں؟ حافظ ابن قیم رح (زاد المعاد جلد ۲ ص ۶۱ میں) حافظ ابن کثیر رح

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۹۵ میں) اور قاضی ابوالطیب الطبرمی (المستوفی فیہ ص ۱۰۰) دیکھئے

بذل المجہود جلد ۲ ص ۹۵) اس کے مدعی ہیں کہ یہ نہی مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی۔ اور دلیل  
باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے۔



آیت قوموا لله قانتین سے ہوتی ہے جیسا کہ بخاری جلد ۱ ص ۱۰۱ و مسلم جلد ۱ ص ۲۰۴ میں حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے اور اس کی پوری تحقیق پہلے گزر چکی ہے کہ آیت واذا قرئ القرآن کا شان نزول ہی خاص قرأت خلف الامام کا مسئلہ ہے۔

### دسواں اعتراض

حضرت امام بخاری رحمہ فرماتے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن ... الا یہ میں استماع اور انصات کا حکم ہے اور استماع کا تحقق صرف ان نمازوں میں ہو سکتا ہے جن میں قرأت سنی جاسکتی ہو اور ستر میں نمازوں میں چونکہ قرأت سنی نہیں جاسکتی۔ اس لیے ان میں مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنی جائز ہوگی۔ لہذا آیت اپنے عموم پر باقی نہ رہی اور منکرین قرأت خلف الامام کا علی الاطلاق استدلال اس آیت سے صحیح نہ ہوا (اوکما قال جزء القراءة ص ۱۹ اور ہی سوال امام بیہقی رحمہ نے کتاب القراءة ص ۷۷ میں اور نواب صاحب نے دلیل الطالب ص ۲۸۰ میں اور مبارک پوری صاحب نے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۵۱ اور ابکار المنن ص ۱۳۸ میں کیا ہے)۔

جواب۔ ان اکابر کے سوال یا استدلال کے مرکزی نقطے اصولی طور پر صرف دو ہیں۔ ان کا تجزیہ یوں کیا جاسکتا ہے:

۱۔ استماع کا معنی سنتا ہے۔

۲۔ ستر میں نمازوں میں آہستہ آہستہ امام کے پیچھے قرأت کرنا استماع اور انصات کے منافی نہیں ہے علی الترتیب دونوں شقوں کا جواب ملاحظہ کریں:

استماع کا معنی۔ استماع کا معنی سنتا نہیں بلکہ کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے، قرأت سنی جاسکتی ہو یا نہ۔

(بقیہ پچھلا صفحہ) میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ صحیح روایت پیش کرتے ہیں جو صحاح ستہ میں موجود ہے کہ حبشہ سے لوٹنے کے بعد انھوں نے بحالت نماز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کہا۔ مگر جواب نہ ملا۔ کیونکہ نہی عن المتکلم فی الصلوٰۃ نازل ہو چکی تھی۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت چونکہ بالاتفاق مدنی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عام تکلم فی الصلوٰۃ کی نہی مدینہ ہی میں نازل ہوئی ہے (فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۵۹۵) اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ بعض مہاجرین حبشہ مکہ مکرمہ بھی آئے اور بعض مدینہ منورہ میں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ رجوع مدینہ طیبہ میں ہوا تھا۔



۱۔ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جب بسلسلہ جہاد کسی قصبہ یا شہر پر حملہ کرنا چاہتے تھے تو

وکان یستمع الاذان فان سمع..... پہلے توجہ کرتے۔ اگر اذان کی آواز سن لیتے تو حملہ سے باز رہتے۔ ورنہ ہلہ بول دیتے تھے۔

(مسلم ص ۱۹۶، ابوعوانہ جلد ۱ ص ۳۳۵، دارمی ص ۳۲۳، طحاوی ص ۲۷۱)

قطبی پڑھنے والا طالب علم بھی بخوبی اس امر سے واقف ہوگا کہ تقسیم الشیء الی نفسہ والی غیرہ محال ہے۔ اگر استماع اور سماع کا ایک ہی معنی ہو تو اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اذان سنتے تھے۔ سو اگر آپ سن لیتے تو حملہ نہ کرتے والا حملہ کر دیتے تھے۔ جب پہلے اذان سن لی ہوتی تھی تو پھر اگر اذان سن لیتے گا کیا مطلب؟ استماع کا معنی کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے۔ مطلب واضح ہے کہ آپ پہلے کان دھرتے اور توجہ کرتے۔ توجہ کے بعد اگر اذان سن لیتے تو فیہا والا حملہ کر دیتے تھے۔ مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ استماع سے مراد ارادۃ استماع ہے۔ ص ۳۸۱۔ ایک بے کار بہانہ ہے۔ اس لیے کہ مجازی معنی کے لیے قرینہ و کار ہے اور اس جگہ قرینہ مفقود ہے۔ فان سمع... الخ کے واضح الفاظ اس کا بار کرتے ہیں کیونکہ حرف فا سے سماع کا ترتیب امر باطنی یعنی ارادہ پر چسپاں نہیں ہوتا بخلاف کان دھرنے کے جو ظاہری امر ہے۔

۲۔ صراح ص ۳۱۱ میں لکھا ہے۔ استماع گوش داشتن۔ کان دھرنا اور توجہ کرنا۔

۳۔ لغت کے امام ثعلب سے روایت ہے واذ قرئ القرآن... الا یہ کا یہ مطلب نقل کیا گیا ہے کہ قال ثعلب معناه اذا قرء الامام فاستمعوا الی قرآنہ ولا تتکلموا (تاج الخروس ج ۱ ص ۵۹۱) ثعلب کہتے ہیں کہ استماع کا معنی یہ ہے کہ جب امام قرآن کرے تو اس کی قرأت کی طرف توجہ کرو اور بولو مست۔ ۴۔ اور امام راغب فرماتے ہیں کہ والاستماع الاصغاء۔ استماع کا مطلب کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے۔ (مفردات ص ۲۳۶)

۵۔ اور مختار الصحاح میں ہے: واستمع له ای اصغی۔ کہ استمع لہ کا یہ معنی ہے کہ اس نے توجہ کی اور کان دھرے۔

۶۔ منجد اور قاموس میں ہے: استمع له والیہ اصغی۔ استمع لہ اور الیہ کا ایک ہی مطلب



ہے کہ اس نے توجہ کی اور کان دھرے۔ (منجد صفحہ ۳۹۲، قاموس جلد ۳ ص ۳۱۱)

۷۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

الاستماع الاصغاء۔ (شرح مسلم کہ استماع کا معنی توجہ کرنا اور کان دھرنا ہے۔

جلد ۱ ص ۱۸۲)

۸۔ امام رازمیؒ لکھتے ہیں:

لأن السماع غير والاستماع غير۔ سماع اور چیز ہے اور استماع اور ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۵۰۲)

۹۔ قاضی شوکانی صاحب قرأت خلف الامام کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

يدل على النهي عن القراءة عند مجرد

الجهل من الامام وليس فيرولا في غيره

ما يشهد باعتبار السماع۔

(نیل الاوطار جلد ۲ ص ۱۱۲)

اس پر دلالت نہیں کرتی کہ مقتدی کو قرأت سے اس

لیے منع کیا گیا ہے کہ وہ قرأت سن رہا ہے۔

اس عبارت میں قاضی صاحب واشکاف الفاظ میں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ترک قرأت

خلف الامام کی علت سماع نہیں ہے۔ موصوف جہر امام کو اس کی علت ٹھہراتے ہیں اور جہور

اہل اسلام بڑے وسیع النظر ہیں۔ وہ صرف قرأت امام کو ترک القرات خلف الامام کی علت

سمجھتے ہیں۔

۱۰۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

ومعتبر استماع است نہ سماع پس ہر کہ بانتهار وقوف واقف شد و نہی شنود یا اصم است یا

صوت خطیب خفی است وے ہچو سماع است۔ (بدور الابلہ ص ۷۷)

ان تمام پیش کردہ اقتباسات سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ استماع اور سماع دو

الگ الگ چیزیں ہیں اور استماع کا معنی کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے۔ اس میں سننے کا

معنی ملحوظ نہیں ہے۔ لہذا اس آیت کو صرف جہری نمازوں کے ساتھ مخصوص کر دینا



باطل ہے بلکہ یہ آیت ستری اور جہری ہر قسم کی نمازوں کو شامل ہے اور سماع قرأت ، ترک قرأت کی علت نہیں۔ جیسا کہ قاضی شوکانی صاحب کو بھی مسلم ہے۔

### انصات کا معنی

۱ انصات کا معنی ہے خاموشی بدون (صرح ص ۹۹) قاموس جلد ۱ ص ۹۲ میں ہے۔  
انصت ، سکنت یعنی انصات کا معنی خاموشی ہونا ہے اور یہی معنی مغرب ۲ ص ۲۱۲ اور منجد ص ۸۸۳ وغیرہ کتب لغت میں آئے ہیں۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں: الانصات السکوت کہ انصات کا معنی سکوت کرنا اور خاموش رہنا ہے۔ (شرح مسلم جلد ۳ ص ۲۸۳) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں: اذ لا فرق بین السکوت والانصات عند العرب (کتاب القرائت ص ۸) اہل عرب کے نزدیک سکوت اور انصات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور مختار الصحاح میں ہے کہ الانصات السکوت والاستماع انصتہ وانصت لہ (ص ۵۸)۔ انصات کا معنی خاموش رہنا اور کان دھرنا ہے لام کے ساتھ ہو یا بدون لام دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

اور منجد میں ہے کہ انصت وانصت لہ سکت مستمعاً لحدیثہ (ص ۸۸۳) انصت اور انصت لہ کا معنی یہ ہے کہ اس کی بات کے لیے توجہ کرتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ اور تاج العروس میں ہے کہ

وانصتہ وانصت لہ اذا سکت  
لہ مثل نصحه ونصح لہ وانصتہ و  
انصت لہ مثل نصحتہ ونصحت  
لہ والانصات هو السکوت والاستماع  
للحدیث يقال انصتہ وانصت لہ۔  
انصتہ اور انصت لہ کا معنی ایک ہی ہے  
کہ اس کے لیے خاموش ہو گیا جیسے نصحتہ اور  
نصح لہ کا ایک ہی مطلب ہے اور انصات کا  
معنی سکوت اور بات کی طرف توجہ کرنا ہے۔ کہا  
جاتا ہے انصتہ وانصت لہ۔

(جلد ۱ ص ۵۹۱)

امام ابو بکر الرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

قد بینا دلالة الآية علی وجوب الانصات ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت وجوب انصات



پر دلالت کرتی ہے جب کہ امام قرأت کر رہا ہو جہر سے قرأت کرے یا آہستہ اور اہل لغت کہتے ہیں کہ انصابت کا معنی کلام سے ترک جانا اور قرأت کی توجہ کے لیے خاموشی رہنا ہے اور پڑھنے والا کسی صورت میں مُنصِت اور ساکت نہیں ہو سکتا کیونکہ سکوت کلام کی ضد ہے اور سکوت کا یہ معنی ہے کہ زبان کو کلام کے لیے حرکت نہ دی جائے۔

عند قراءة الامام في حال جهر الامام والاختفاء وقال اهل اللغة الانصابت الامساك عن الكلام والسكوت لا يحتاج القراءة ولا يكون القاري منصتاً ولو ساكتاً بحال وذلك لان السكوت ضد الكلام وهو تسكين الالة عن التحريك بالكلام۔  
- ۱ھ (احکام القرآن جلد ۳ ص ۲۹)

## سکوت کا معنی

امام اللغت والادب ابو عبد اللہ الحسین بن احمد المعروف بابن خالونہ (المتوفی ۳۵۸ھ) لکھتے ہیں: نزل الرجل اذا انقطعت حجته عند المناظرة وسکت وامسکت مثله۔  
(اعراب ثلاثين سورة من القرآن ۳)  
یعنی مناظرہ کرتے وقت جب کوئی آدمی بالکل لاجواب ہو کر خاموشی اختیار کر لیتا ہے تو اس پر نزل کا لفظ اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی اپنے کلام کو منقطع کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی اپنے کلام کو منقطع کر دیتا ہے تو اس پر سکت اور امسکت بولا جاتا ہے۔  
منجد ص ۲۵۵ اور قاموس جلد ۹ ص ۹۲ میں لکھا ہے: اسکت انقطع كلامه فلم يتكلم کہ سکوت کا معنی یہ ہے کلام بالکل ترک کر دیا اور کوئی بات نہ کی۔ مجمع البحار جلد ۲ ص ۲۵ میں اس کی تصریح یوں کی ہے۔ جرى الوادي ثلاثا ثم سكت اي انقطع يعني تبين دن تک سیلاب چلتا رہا پھر بالکل ٹرک گیا۔

امام راغب اصفہانی (المتوفی ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں: السكوت منقطع بترك الكلام۔ (مفردات ص ۲۲۵) سکوت ترک کلام کے ساتھ مختص ہے۔

امام رازی تحریر فرماتے ہیں:

لان السكوت علمي معناه انه

سکوت علمی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس



لم یقل شیئاً ولم یقل اهداً ولم  
یتصرف فی قول ولا فعل ولا شک  
ان هذا المعنی عدمی محض۔  
نے کچھ بھی نہیں کہا نہ کوئی بات نقل کی ہے  
اور نہ کسی قول اور فعل میں تصرف کیا ہے اور  
اس کے عدمی محض ہونے میں کیا شک اور شبہ

(مناظرات امام راضی ص ۳۵) ہو سکتا ہے؟

ان منقولہ حوالوں سے یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے کہ بغیر مکمل خاموشی  
کے انصات اور سکوت اور اسکات کا مفہوم کسی طرح بھی محقق نہیں ہو سکتا اور جو لوگ  
جہری یا ستری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قرأت تجویز کرتے ہیں۔ وہ  
کسی طرح انصات پر عامل نہیں تصور کیے جا سکتے اور یہ بھی وضاحت کے ساتھ  
عرض کیا جا چکا ہے کہ استماع کا معنی کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے، سننا اس کے مفہوم میں  
شامل نہیں ہے۔ اس لیے ستری اور جہری کا سوال اٹھانا محض بے جا اور دور از کار  
بحث ہے۔

آہستہ پڑھنا بھی انصات اور استماع کے سراسر منافی ہے:

جو حضرات بحالت اقتدار امام کے پیچھے آہستہ قرأت تجویز کرتے ہیں اور اس کو انصات  
اور استماع کے منافی نہیں سمجھتے وہ غلطی پر ہیں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جب حضرت جبرائیل  
علیہ السلام وحی لے کر آتے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کریم پڑھاتے تو آپ بھی  
آہستہ آہستہ ساتھ پڑھتے جاتے کہ مبارک حضرت جبرائیل علیہ السلام کے تشریف لے جانے  
کے بعد میں مجھول نہ جاؤں اور کان پھرنے کی شقیہ آپ آہستہ آہستہ ہونٹ مبارک ہلاتے  
جاتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہ آیا کہ آپ قرأت قرآن کے وقت اپنے ہونٹوں کو  
حرکت دیں اور یہ حکم نازل ہوا۔ لا تمحرکوا لسانکم کہ آپ اپنی زبان تک کو حرکت نہ دیں۔  
فاستمعوا وانصتوا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۳۴۱) اور مکمل خاموشی اختیار کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آہستہ پڑھنا، زبان کو حرکت دینا اور ہونٹ ہلاتا استماع اور انصات  
کے بالکل منافی ہے۔ اسی لیے تو آپ کو تحریک لسان اور تحریک شفتین سے بھی منع کیا گیا۔



حالانکہ آپ آہستہ ہی پڑھتے تھے۔ بعض علمائے وا ذکر بک فی نفسک .... الایۃ سے آہستہ قرأت کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ حاکم ابن کثیر علیہ الرحمہ ان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ  
 وهذا بعيد مناف لانصات المأمور  
 یہ معنی حق اور انصات سے بعید اور انصات  
 بہ۔ (تفسیر ابن کثیر مع المعالم ص ۲۷) وغیرہ مامور بہ کے قطعاً اور سراسر منافی اور مخالف ہے۔

جلد ۲ ص ۲۸۱

حضرات آفتاب نیم روز کی طرح یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مقتدی کے لیے سہری اور جہری کسی بھی نماز میں قرأت کرنا استماع، انصات اور سکوت کے منافی ہے۔

گیارہواں اعتراض: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان جو اسکات اور خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ اس وقت آپ کیا پڑھا کرتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ دعا پڑھا کرتا ہوں۔ اللھم باعد بینی وبين خطایا می۔ (الحديث - بخاری جلد ۱ ص ۱۵۱)

امام بیہقیؒ اس روایت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ آہستہ آہستہ پڑھنے پر اسکات کا اطلاق صحیح ہے لہذا جو شخص امام کے پیچھے آہستہ قرأت کرتا ہے تو وہ آیت استماع و انصات کی مخالفت نہیں کر رہا۔ (کتاب المقرآت ص ۷۵) یہی بات مبارک پوری صاحب وغیرہ نے بھی نقل کی ہے۔ (دیکھیے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۵۱)

جواب: یہ اعتراض یا استدلال بھی مخدوش ہے۔

اولاً۔ اس لیے کہ ہمارا استدلال نص قرآنی سے ہے جس میں لفظ استماع اور انصات آیا ہے۔ اسکات اور سکوت کا لفظ صراحت کے ساتھ اس آیت میں مذکور نہیں ہے۔ استماع اور اسکات و سکوت کے درمیان فرق نمایاں ہے۔ امام بیہقی رحمہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ان میں فرق نہیں ہے صحیح نہیں ہے اور اسی سے قاضی مقبول احمد صاحب کو مغالطہ ہوا ہے۔ (دیکھیے الاعتصام) اس میں اہل علم کے لیے اشکال کی کوئی وجہ نہیں اور انصات اور سکوت میں جو فرق ہے وہ مبارک پوری صاحب کو بھی مسلم ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ انصات اور سکوت کا معنی ایک نہیں ہیں بلکہ انصات کا معنی سکوت مع الاستماع ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۵۱ و



تحفۃ الاحوذی جلد ۳۵ (۳۵) لہذا حدیث اشکاتہ سے استماع اور انصاف کی تفسیر کرنا اور اس پر استدلال کی بنیاد رکھنا باطل ہے۔

دُعا ثانیہ۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حضرت زبید بن ارقم کی امداداً بالسکوت کی روایت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں نماز میں مطلقاً سکوت کا حکم دیا گیا کہ نہ تو تم ثناء و آمین پڑھو اور نہ تسمیع، تحمید، تشہید اور درود وغیرہ پڑھو۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ حکم سابق سے سکوت کا حکم دیا گیا کہ سلام و کلام وغیرہ سے سکوت اختیار کرو تو اس روایت میں سکوت عن الکلام المتقدم مراد ہے۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۴۰ محصلہ) گویا جس چیز سے سکوت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے حقیقتاً سکوت ہی مراد ہے۔ اس بیان کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب (المتوفی ۱۳۵۲ھ) حدیث اشکاتہ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں اشکات عن التکبیر مراد ہے یعنی تکبیر تحریر سے اشکات اور سکوت کرنا (فصل الخطاب) خلاصہ یہ ہوا کہ اشکات کا معنی آہستہ پڑھنا نہیں جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ کو دھوکا ہوا ہے بلکہ اشکات کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں۔ وہ یہ کہ جس چیز سے خاموش رہنے کا حکم تھا اس کو حقیقتاً ترک کر دینا اور اس سے خاموش ہونا ہے۔ علاوہ ازیں اگر اس سے صرف نظر بھی کر لیا جائے تو یہ ایک مجازی معنی ہے اور آیت زیر بحث میں جمہور سلف و خلف نص صحیح احادیث اور لغت کی روشنی میں حقیقی معنی مراد لیتے ہیں۔ لہذا مجازی معنی کو حقیقی معنی کے ترک کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ امام ابوبکر الرازیؒ اسی حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: **انما سئلناہ ساکتا عجا زاون من نو یسمعه یظنہ ساکتا** (احکام القرآن جلد ۳ ص ۴۹) یعنی اس کو ہم نے مجازی طور پر ساکت کہا ہے کیونکہ جو شخص اس کی قرأت کو نہیں سُن رہا وہ اس کو ساکت ہی خیال کرتا ہے۔ مجازی معنی خود قرینہ کا محتاج ہوتا ہے اور فرقی ثانی اس سے حقیقت کو ترک کرنے پر تکیہ ہوا ہے۔

بارہواں اعتراض۔ مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ صاحب مجمع البحار نے (جلد ۱ میں) حدیث قرأ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما امد وسکت فیما امد کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ قرآن کے معنی جہر کے ہیں اور سکت کے معنی آہستہ کے ہیں یعنی آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہر سے بھی قرأت کی اور آہستہ بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معنی جہر بھی آتے ہیں۔ اس



معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے آیت واذا قرأ القرآن کا مطلب یہ ہوگا کہ جب قرآن چہرے سے پڑھا جائے تو تم خاموش رہو۔ لہذا یہ آیت صرف چہری نمازوں کو شامل ہوگی۔ نہ کہ سب سے نمازوں کو۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۵۵ محصلہ)

**جواب۔** مبارک پوری صاحب کا یہ بیان بھی قابل التفات نہیں ہے۔  
اولاً۔ اس لیے کہ آیت کا شان نزول صحیح روایات سے ترک قرأت ثابت ہو چکا ہے۔ اس میں قیاس کی ضرورت ہی نہیں ہے  
وثانیاً۔ اہل عرب کے نزدیک قرأ اور جہل میں نمایاں فرق ہے اور حقیقت کو بلا کسی قوی اور صارف قرینہ کے ترک کرنا کئی وجوہ سے باطل ہے۔

وثالثاً۔ اگر اس حدیث کا معنی ہی بیان کرنا مقصود ہے تو اس کی صحیح صورتیں بھی عرض کی جاسکتی ہیں۔ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امامت کی حالت میں قرأت کرتے تھے۔ (قرأ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما أمر) اور اقتدار کی حالت میں آپ نے سکوت اور خاموشی اختیار کی (وسکت فیما أمر) اور یہ بھی ممکن ہے کہ مطلب یہ لیا جائے کہ آپ نے پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد قرأت کی اور کوئی نہ کوئی سورت یا قرآن کا کچھ حصہ پڑھا (قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما أمر) اور پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد اور کوئی سورت نہ پڑھی۔ اور حقیقتاً سکوت اختیار کیا (وسکت فیما أمر) اور صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۰۷ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ پچھلی دو رکعتوں میں

لے بیت اللہ کے پاس دو مرتبہ آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اقتدار میں نماز پڑھی ہے۔ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۵۷ ترمذی جلد ۱ ص ۲۱) سفر تبوک سے واپسی پر آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اقتدار میں ہے۔ (مسلم جلد ۱ ص ۱۳۷) ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۱) اہل قبا کے درمیان مصالحت کرنے کے بعد واپسی پر آپ نے عصر کی نماز میں حضرت ابوبکر کی اقتدار میں ہے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۶۶) اور نزل جبرائیل فامنی۔ الحدیث بخاری جلد ۱ ص ۲۵ و مسلم جلد ۱ ص ۲۱) اور موطا امام مالک ص ۷ وغیرہ میں موجود ہے۔ جس سے حضرت جبرائیل کی اقتدار میں آپ کا نماز پڑھنا ثابت ہے اور آخری نماز میں آپ نے حضرت ابوبکر کی اقتدار میں جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ آپ کی نفس اقتدار کے ثبوت کے لیے یہ دلائل کافی ہیں۔



آپ صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ جب سکوت کے اور قرآن کے معنی کے لیے صحیح احادیث سے اور احتمالات کا بھی ثبوت مل سکتا ہے جن سے حقیقی معنی درست ہو سکتے ہیں تو پھر مجاز مراد لینے کی کون سی مجبوری ہے، جس کے لیے ایسی رکیک اور باروتاویل اختیار کی جائے؟ اور ہمارا بیان کردہ مطلب ہی سابق اور آئندہ دلائل کا ساتھ دیتا ہے، جس کو صحیح ہونے کے ساتھ جہود کی تائید کا شرف بھی حاصل ہے۔

ورابعا۔ کیا مبارک پوری صاحبؒ فَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ اور اُمِرَتْ بِالسَّكُوتِ اور سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرُّوحِ فَسَكَتَ (بخاری جلد ۱ ص ۲۴) وغیرہ کا یہ معنی کریں گے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کا غصہ آہستہ آہستہ بولتا رہا۔ ہمیں نماز میں آہستہ آہستہ سلام و کلام کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ سائلین کے سوال کے بعد آپ آہستہ بولتے رہے؟ اور کیا یہ فَاَصْدَعَ بَعَاثُوهُ مَنْ کے خلاف نہ ہو گا؟ اور دل میں آہستہ آہستہ بولنے سے سائلین کو کیا فائدہ تھا؟ لہذا اس استدلال میں بھی کوئی جان نہیں ہے۔

تیسرے سوال اعتراض۔

حافظ ابن ہمامؒ نے آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ فاستمعوا میں اللہ تعالیٰ نے جہری نمازوں میں قرأت سے مقتدیوں کو منع کیا ہے اور انصاف میں ستری نمازوں میں ان کو قرأت سے روکا ہے۔ مبارک پوری صاحب ان پر گرفت کرتے لکھتے ہیں کہ ابن ہمامؒ کے کلام میں ہمیں فساد ہیں:

۱۔ ابن ہمامؒ انصاف کا معنی سکوت سمجھے ہیں۔ حالانکہ انصاف کا معنی مطلق سکوت کے نہیں ہیں بلکہ سکوت مع الاستماع کے ہیں۔

۲۔ ابن ہمامؒ کی تفسیر بالرائے ہے۔ (جس کا حرام ہونا مبرہن ہے)

۳۔ ستری نمازوں میں سماع قرأت کے بغیر تدبیر کیسے متصور ہو سکتا ہے؟ (تحقیق الکلام ص ۲۶)

جواب۔ مبارک پوری صاحبؒ کی تینوں شقیں مردود ہیں:

پہلی اس لیے کہ مبارک پوری صاحبؒ خود غلطی کا شکار ہیں۔ وہ سماع اور استماع کو ایک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ سماع اور استماع میں زمین آسمان کا فرق ہے اور متعدد دعوائل کی قطعاً یہ امر ثابت



کیا جا چکا ہے۔ اگر واقعی استماع کا معنی سننا ہوتا تو حافظ ابن ہمام پر اعتراض کی گنجائش تھی۔ اور دوسری شق اس لیے مخدوش ہے کہ حافظ ابن ہمام کی تفسیر بعینہ قرآن کریم، صحیح احادیث لغت اور چھوڑ مفسرین کی تفسیر ہے۔ لہذا اس کو تفسیر بالرائے سے تعبیر کرنا ان دلائل سے غفلت اور بے خبری پر مبنی ہے۔ اور بلا تحقیق یہ الزام لگانا کھلی جھڑپ ہے۔ اور

تیسری شق اس لیے باطل ہے کہ اگر مبارکپوری ضا<sup>ح</sup> اس دھوکہ میں مبتلا ہیں کہ استماع کا مطلب سماع ہے (اور جہی تو وہ سماع قرأت کی آڑ لیتے ہیں) تو اس کی پوری تفصیل پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ سماع اور استماع میں فرق ہے۔ اور اگر وہ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ انصات کا سماع کے بغیر تحقق نہیں ہو سکتا تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ انصات کے مفہوم میں من وجہ استماع اور توجہ تو شامل ہے لیکن اس میں سماع پر گز شامل نہیں ہے۔ ایک حدیث بایں الفاظ آتی ہے۔

وان نأی وجلس حیث لا یسمع فانصت  
اگر کوئی شخص جمعہ کے خطبہ کے وقت امام سے  
ولیع یلغ کان لہ کفل من الاجر (الحديث)  
دور بیٹھ گیا جہاں سے امام کی آواز نہ سن سکتا اور  
(ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۵۱)  
خاموش رہا تو اس کو ایک درجہ ثواب حاصل ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انصات کے لیے سماع شرط نہیں ہے۔ انصات وہاں بھی ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے جہاں خطبہ وغیرہ کچھ بھی نہ سنا جاسکتا ہو۔ اگر انصات کے تحقق کے لیے سماع شرط ہوتا تو بغیر سماع کے انصات نہ پایا جاسکتا۔ اور یہ بھی مت بھولے کہ انصات میں گو فی الجملہ استماع ملحوظ ہے لیکن من کل الوجوہ استماع بھی اس میں ضروری نہیں ہے۔ انصات کا معنی خاموش ہونا ہے اور یہ معنی بغیر استماع اور توجہ کے بھی متحقق ہو سکتا ہے اور استماع کے ساتھ بھی متحقق ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر<sup>رحمہ اللہ</sup> لکھتے ہیں:

فالانصات هو السکوت وهو یحصل  
انصات کا معنی سکوت کرنا اور خاموش رہنا  
من یتعم وممن لا یتسمع کان  
ہے اور انصات ایسے شخص سے بھی ہو سکتا ہے جو  
یکون مفکرانی امر آخر۔  
استماع اور توجہ کرے اور انصات اس شخص سے بھی  
(فتح الباری جلد ۱ ص ۲۰۴) بجا و فتح الملکم (۲)  
ہو سکتا ہے جو استماع اور توجہ نہیں کرتا، بلکہ کسی اور  
امر کی فکر میں ڈوب کر خاموش ہے۔



بہر حال مبارکپوری صاحب کی پیش کردہ تینوں شقیں باطل ہیں اور اس کے مصداق ہیں کہ..... ع : میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکال یا

مؤلف خیر الکلام نے (اور انھیں کی پیروی میں قاضی مقبول احمد صاحب نے خطہ ہو الاغتصاصم ۵ اکتوبر ۱۹۶۲ء) اس سلسلہ میں جو نخلص تلاش کیا ہے وہ بھی بڑا ہی عجیب ہے۔ انھوں نے ص ۳۶۰ سے ص ۳۹۶ تک کئی صفحات اس پر سیاہ کر ڈالے ہیں مگر بعض باتوں کو شاید وہ خود بھی نہ سمجھے ہوں کہ میں کیا کہ رہا ہوں صرف کچھ کہنے اور لکھنے کا نام جواب نہیں ہوتا۔ ذیل کے امور کو ملحوظ رکھیں۔

۱۔ ہم نے کتب لغت سے باحوالہ یہ ثابت کیا ہے کہ انصات کے معنی بالکل خاموشی اور استماع کے معنی کان دھرنا اور توجہ کرنا ہے، مؤلف مذکور کا یہ فریضہ تھا کہ وہ باحوالہ کتب لغت یہ ثابت کرتے کہ انصات مطلق خاموشی نہیں بلکہ اس میں کلام کرنا درست ہے اور استماع کا معنی کان دھرنا اور توجہ کرنا نہیں بلکہ اس کا معنی سُننا اور آہستہ آہستہ بولنا ہے لیکن جب وہ اس سے بالکل لاجواب رہے تو یہ کہہ کر جان چھڑا لی ہے کہ پھر ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سکوت اور انصات لغت کے لحاظ سے آہستہ پڑھنے کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بلکہ ہمارے لیے اس قدر کافی ہے کہ ہم ثابت کر دیں کہ قرآن مجید کی آیت زیر بحث میں جو استماع اور انصات آیا اس سے بالکل خاموشی مراد نہیں۔ (ص ۱۷۱) مگر یقین جانیے کہ اس سے بالکل خاموشی مراد ہے۔ حضرات ائمہ لغت اور جہور مفسرین کی روشنی عبارتیں اس کا بین ثبوت ہے۔ جن کے حوالے گذر چکے ہیں چونکہ لغت سے ایسی ایک ایسا فن ہے جو بلا کسی فریق کے لحاظ کے صحیح بات بتاتا ہے۔ اس لیے مؤلف خیر الکلام لغت سے اپنی تائید پیش کرنے سے بالکل قاصر رہے ہیں۔

۲۔ جن روایات سے انھوں نے استدلال کیا ہے کہ سکوت قرآن کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے ان میں ایک روایت بخاری کی اور ایک مستدرک وغیرہ کی ہے کہ اسکا تَكْ مَا بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ... النِّمَّ وَيَسْكُتُ بَعْدَ الْقِرَاءَةِ هُنِي تَرْسَالُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ تو ہم نے احسن الکلام میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ نص قرآنی میں انصات و استماع



کالفظ ہے اور باقرار مبارکپوری صاحب انصات اور سکوت میں فرق ہے اس لیے یہ جملہ حوالے ہمارے خلاف نہیں ہیں کیونکہ ہمارا استدلال تو انصات و استماع کے لفظ سے ہے اور اور انصات و سکوت میں فرق ہے۔

۳۔ فتح الباری جلد ۱ ص ۲۰۲ کے حوالہ سے ابن جریر سے جو روایت نقل کی گئی ہے کہ لوگ مؤذن کی اذان کے لیے خاموش رہتے تھے بایں ہمہ وہ اذان کے کلمات دہراتے تھے جس سے مؤلف خیر الکلام نے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ انصات میں تکلم درست ہے۔ (محضہ خیر الکلام ص ۱۷۶) تو یہ اثر بالکل ضعیف ہے کیونکہ اس میں حدیث ہے اور یہ معلوم نہیں کہ بیان کرنے والا کون ہے؟ اور ہے بھی موقوف اس میں مرفوع روایات کے مقابلہ میں کیا حجت ہے؟ علاوہ ازیں اذان پر قیاس باطل ہے کیونکہ اذان میں ہر کلمہ کے بعد وقف ہوتا ہے جس میں اجابت مؤذن ہو سکتی ہے۔ بخلاف امام کے پیچھے قرأت کے کہ سکات کا تو صحیح احادیث سے ثبوت نہیں اور مقتدی کو بڑھانا منع ہے۔

۴۔ مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۲۳ سے جو روایت نقل کی ہے کہ من صام رمضان فی انصات و سکون... الخ اس کی سند درکار ہے کہ آیا صحیح بھی ہے یا نہیں؟ ضعیف قسم کی روایتوں قرآن و احادیث صحاح اور جامع امت اور لغت کو کس طرح رو کیا جاسکتا ہے؟ علامہ حشر فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں الولید بن الولید ہے۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ اس کی توشیح کرتے ہیں۔ وضعفہ جماعة اور دیگر حضرات محدثین کرام اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۲۳) علاوہ ازیں اس سے جھوٹ، گالی گلوچ اور غیبت وغیرہ سے صحیح معنی میں انصات مراد ہے جیسا کہ مقتدی کے لیے انصات عن القراءة مراد ہے۔ کیونکہ باقی باتوں کا تو نماز میں احتمال ہے ہی نہیں اور جن حضرات سے اس کے علاوہ کچھ اور منقول ہے تو وہ لاعلمی پر مبنی ہے۔

۵۔ جو آیات مؤلف خیر الکلام ص ۱۷۶ پر پیش کی ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت کچھ کلمات کہہ سکتے ہیں تو انھوں نے یقولون اور قالوا کے الفاظ پر غور نہیں کیا کیونکہ یہ زبان کے ساتھ پڑھنے پر نص نہیں ہیں دل میں کہنے پر بھی قال اور یقول کا اطلاق صحیح ہے۔



حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک خاص موقع پر اپنے بھائیوں سے کہا: قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا.....  
 الآیہ۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ قَالَ هَذَا فِي نَفْسِهِ (ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۸۶) یہ  
 قول انھوں نے دل میں کہا تھا، مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ نزاع قرآن اور یقرآن کے الفاظ  
 میں ہے قال اور یقول میں نہیں ہے اور نہ ان کی پیش کردہ آیات سے انصاف اور استماع  
 کے وقت قرأت ثابت ہوتی ہے۔

۴۔ مؤلف خیر الکلام نے جو قرآن پیش کیے ہیں کہ انصاف و سکوت وغیرہ کے ساتھ قرأت ہو  
 سکتی ہے تو اگر ان کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی مجاز ہے اور انصاف و استماع کا جو معنی ہم نے کیا  
 ہے وہ حقیقت ہے جو صحیح احادیث کے علاوہ اجماع اُمت اور لغت سے قوی طور پر مؤید ہے  
 اس لیے اس کو ترک کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اور نہ اس کو کوئی سننے کے لیے تیار ہے چنانچہ  
 خود مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ کیونکہ ہم کو اس امر کی ضرورت ہے کہ معلوم کریں کہ آیت میں  
 استماع اور انصاف کا کیا درجہ ہے خواہ وہ اطلاق حقیقی ہو یا مجازی۔ جب یہ ثابت ہو جائے تو  
 مدعی حاصل ہو جاتا ہے باقی بحث زائد ہے (ص ۱۷۷) آپ پر کیا مصیبت وارد ہوئی ہے کہ آپ  
 اطلاق مجازی کے پیچھے کمر بستہ ہو کر نصوص صحیحہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں جو کچھ ائمہ لغت اور  
 جمہور اُمت نے کہا ہے اسے تسلیم کر لیں۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جن حضرات سے انصاف و  
 استماع اور سکوت وغیرہ کے حوالے مؤلف خیر الکلام نے نقل کیے ہیں چنانکہ وہ اس مسئلہ میں فریق کی  
 حیثیت رکھتے ہیں جن کی تفسیر میں ان کا اپنا ذہن بھی کار فرما ہے اور ان کی تفسیر خود محل نزاع ہے  
 اس لیے صحیح احادیث اور کتب لغت ہی سے ان کے معانی حل ہو سکتے ہیں۔ مؤلف خیر الکلام ص  
 ۲۸۶ میں لکھتے ہیں کہ پس ضروری ہے کہ جو آیت میں بالکل خاموشی کا معنی لیتا ہے وہ دو باتیں  
 ثابت کرے۔ ایک یہ کہ انصاف لغت میں بالکل خاموشی کے معنی میں آتا ہے۔ دوم یہ کہ  
 اس کے خلاف جو قرآن پیش کیے جاتے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔

بجرا اللہ تعالیٰ ہم کتب لغت سے ثابت کر چکے ہیں کہ انصاف کے معنی لغت میں بالکل خاموشی  
 کے آتے ہیں اور جو قرآن اس کے خلاف پیش کیے گئے ہیں وہ سب مجازی ہیں۔ اس لیے حقیقت  
 کو ترک کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اور نہ شاذ اور خلاف اجماع قول کو لے کر جمہور کا مسک رو



کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ مؤلف خیر الکلام نے ص ۳۷ میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر انصت بدون لام کے ذکر ہو تو سکوت کے معنی میں ہے اور جب اس کے ساتھ لام ہو تو اس میں استماع بھی ہے۔ اور قاموس جلد ۱ ص ۵۹ کا حوالہ انصتہ ولہ سکت لہ واستمع لحديث نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ چونکہ اس کا عطف فاستمعوالہ پر ہے لہذا یہاں بھی لام ہے یا مقدر مافی جائیگی۔ (مُحْصَلہ) تو یہ محض لفظوں کا کرب ہے محض لفظوں کی شعبہ بازی سے کیا بنتا ہے۔ قاموس میں انصتہ ولہ لام کے ساتھ ساتھ ہو یا بدون لام کے دونوں کے معنی سکت کیا ہے اور قرآن کریم میں انصات اور استماع دو الگ الگ حکم ہیں۔ ایک کی لام دوسرے کو دے کر کام نکالنا اور اس طرح کی خانہ پری سے کچھ نہیں بنتا۔

۸۔ ہم نے قاموس کا حوالہ دیا ہے۔ اس پر مؤلف خیر الکلام ص ۳۹۳ میں لکھتے ہیں کہ قاموس میں اس سے آگے لکھا ہے کہ وَجَلَّ سَكْتُ قَلِيلُ الْكَلَامِ فَاذْكَرُوا حَسَنَ (قاموس جلد ۱ ص ۹۳) یہ آدمی سکت ہے یعنی کم باتیں کرتا ہے جب کلام کرتا ہے تو اچھا کلام کرتا ہے۔ .... ۱۷ مگر اس حوالہ سے مؤلف کو کیا فائدہ؟ وجَلَّ سَكْتُ کا معنی تو یہ ہے کہ خاموشی طبع کم گو ہے مگر جب کلام کرتا ہے تو اچھا کلام کرتا ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ خاموشی اور انصات کے وقت کلام کرتا ہے جو مؤلف مذکور کا مدعی ہے۔ انصات اور خاموشی اپنے وقت پر ہے اور کلام اپنے وقت پر ہے۔ دونوں کا وقت ایک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کو سمجھ عطا فرمائے ان کو ثابت تو یہ کرنا ہے کہ انصات کے وقت کلام ہو رہا ہے۔ اور اس حوالہ میں اس کا ذکر کوئی نہیں۔ خاموشی اپنے وقت پر ہے اور کلام اپنے وقت پر ہے۔ اور اس بات کو ایک عام آدمی بھی بخوبی سمجھتا اور سمجھ سکتا ہے۔ مگر یہ، اک دل ہے جو ہر لحظہ الجھتا ہے خود سے

چودھواں اعتراض

حضرت امام بخاری رحمہ، امام ترمذی رحمہ، امام بیہقی رحمہ، مولانا شمس الحق رحمہ، مولانا ابو عبد الرحمن

کتاب القراءة ص ۱۷ و ۲۹

جزء القراءة ص ۵ و ۸

التعاقب المتعق جلد ۱ ص ۱۲۵

ترمذی جلد ۱ ص ۳۲



محمد عبد اللہ، مولانا عبد الصمد اور مبارک پوری صاحب وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ آیت استماع اور انصات کا مطلب یہی ہے کہ مقتدی کو سجالت قرأت امام توجہ کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرنی چاہیے اور جب امام قرأت کر رہا ہو تو اس وقت مقتدی کو کچھ بھی نہیں پڑھنا چاہیے اور مکمل خاموشی اختیار کرنی چاہیے لیکن مقتدی کو سکناات امام میں قرأت کرنی چاہیے اور سکناات میں قرأت کرنا آیت مذکورہ کے منافی نہیں ہے اور سکناات کا ثبوت یہ ہے۔

۱۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امام جس وقت سکتہ کرے تو اس وقت مقتدی کو قرأت کرنی چاہیے کیونکہ جس شخص نے قرأت نہ کی۔ اس کی نماز میں خلل اور نقصان واقع ہوگا۔ (کنز العمال جلد ۴ ص ۹۹)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام کے ساتھ فرض نماز میں شریک ہو۔ اس کو امام کے سکناات میں سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ (کتاب القراءة ص ۵۲، مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۸)

۳۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جده سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انصات اور سکتہ کرتے تھے تو اس وقت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کے پیچھے قرأت کر لیا کرتے تھے۔ (کتاب القراءة ص ۶۹، ۸۴)

۴۔ عیشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اسے فرزند جب امام سکتہ کرے تو تم اس وقت قرأت کر لیا کرو۔ اور جب امام قرأت کرے تو اس وقت تم خاموش ہو جاؤ۔ کیونکہ فرض نماز ہو یا نفل۔ اگر اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز ادا نہیں ہوتی۔ (جزء القراءة ص ۵۸، کتاب القراءة ص ۸۷)

۵۔ حضرت ابو سلمہؓ یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام کے لیے دو سکتے ہوتے ہیں۔ ان کو سورۃ فاتحہ کی قرأت کے لیے غنیمت سمجھو۔ (جزء القراءة ص ۵۸، کتاب القراءة ص ۸۷)



۴۔ حضرت سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کو کوئی نماز پڑھاتا اور امامت کا فریضہ بجالاتا تو نماز میں ضرور سکتہ کیا کرتا تھا تاکہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔  
(جزء القراءة ص ۵)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سکتات امام کا وجود اور ثبوت بھی ہے۔ لہذا اس صورت میں قرآن کریم اور حدیث دونوں پر عمل ہو جائے گا۔

جواب۔ ان حضرات کا یہ استدلال نہایت ضعیف اور کمزور ہے۔ کیونکہ یہ اکثر و بیشتر روایات حضرات صحابہ و تابعین پر موقوف ہیں اور پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ فریق ثانی کے نزدیک در موقوفات صحابہ حجت نیست۔ جب حضرات صحابہ کرام کا یہ حال رہا تو تابعین اور اتباع تابعین وغیرہم کی کیا پوزیشن باقی رہ جاتی ہے۔ اور یہ جتنے آثار و روایات نقل کی گئی ہیں۔ ان میں ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ ترتیب وار جوابات ملاحظہ کریں :

اثر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اولاً۔ یہ اثر موقوف ہونے کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نہیں۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا نام لینا راویوں میں سے کسی کی غفلت اور غلطی کا نتیجہ ہے۔ (دیکھیے کتاب القراءة ص ۴۵)

وثانیاً۔ اس میں سورۃ فاتحہ کی تصریح موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ اثر مجمل ہے۔

وثالثاً۔ اس کی سند میں ثنی بن صباح راوی کمزور ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے

وماخ میں فتور آگیا تھا۔ (ضعفاً ص ۱۰) امام نسائی رحمہ اللہ اس کو متروک کہتے ہیں۔ (ضعفاً ص ۱۰)

نسائی ص ۵۳) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (تقریب ص ۱۲۴) امام بیہقی القطان

اور ابن ہدی رحمہ اللہ اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ محض

ہیج ہے۔ ابن معین اس کو لیس بذاک اور ابن عدی ضعیف کہتے ہیں (میزان الاعتدال جلد ۱

ص ۷)۔ امام ترمذی رحمہ اللہ، ابن سعد رحمہ اللہ، علی بن الجندی رحمہ اللہ، دارقطنی رحمہ اللہ، ابن حبان، ساجی رحمہ

ابو احمد الحاکم رحمہ اللہ، سحنون رحمہ اللہ اور امام عقیلی رحمہ اللہ وغیرہ سب اس کی تضعیف کرتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۱۳۴)

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس روایت کی سند میں محمد بن عبداللہ بن



غیر موجود ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف تھا (ضعفاء ص ۲۸) امام مسلم کہتے ہیں کہ امام یحییٰ القطان اس کی تضعیف کرتے تھے۔ (مسلم جلد ۱ ص ۲۰) امام نسائی اس کو متروک کہتے ہیں۔ (ضعفاء ص ۲۵) امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ قابل احتجاج نہیں۔ (کتاب القراءة ص ۵۴) امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۱) امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں (ترمذی جلد ۲ ص ۱) امام یحییٰ رحمہ اللہ بن معین رحمہ اللہ اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۷۷ و لسان المیزان جلد ۵ ص ۲۱۴) علاوہ انہیں اس روایت میں صلوٰۃ مکتوبہ کی قید ہے۔ حالانکہ فریق ثانی کے نزدیک صلوٰۃ تراویح..... صلوٰۃ عید اور صلوٰۃ و تروغیرہ میں بھی امام کے پیچھے قرأت فاتحہ ضروری ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف اثر بھی مروی ہے۔ کہ سکتہ امام میں قرأت فاتحہ کے بغیر نماز مکمل نہیں ہو سکتی (کتاب القراءة ص ۴۴) لیکن اس کی سند میں اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ نہایت ضعیف اور کمزور راوی موجود ہے جس کی پوری بحث اپنے مقام پر آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز

روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ..... الخ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے روایتی سلسلہ میں محدثین کا کلام معروف و مشہور ہے۔ امام یحییٰ القطان فرماتے ہیں کہ اس کی سند ہمارے نزدیک ضعیف اور کمزور ہے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۴۳۳، ص ۸۲) امام ابو داؤد رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ وہ آدمی حجت بھی نہیں۔ امام ابو زرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محدثین اس لیے ان پر کڑی جرح کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے باپ سے چند روایتیں سنیں ہیں اور وہ باپ دادا کی تمام غیر مسموع روایات کو بلا تشاہید بیان کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۸۹) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے کچھ بھی نہیں سنا۔ وہ کتاب سے نقل کر کے محض تالیس سے کام لیتے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۱۱) امام طحاوی بھی ان کی سند کو منقطع سمجھتے ہوئے اس کو ضعیف کہتے ہیں (طحاوی جلد ۱ ص ۲۵)

۱۔ حضرات محدثین کرام کا یہ ضابطہ ہے۔ اگر استاد اپنی کتاب اور بیاض سے روایت کرنے کی شاگرد کو اجازت نہ دے۔ تو وہ اس کتاب اور بیاض سے روایات بیان کرنے کا مجاز نہیں اور اس کی ایسی روایتیں قابل حجت نہیں ہو سکتیں۔ (شرح نجمۃ الفکر ص ۱۰۰)



امام حاکم کہتے ہیں کہ ان کی روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف سمجھی جاتی ہے۔  
 (مستدرک جلد ۱ ص ۱۵۷) محدث ابن حزم کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کتاب سے روایت  
 نقل کرتے ہیں جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے اما حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ  
 فصیفة (۱) تصحیح۔ (محلّی ابن حزم جلد ۱ ص ۲۳۲)

امام علی بن المذہبی فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیب جب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت  
 نقل کرے تو وہ کتاب سے (جو انھوں نے پائی تھی) نقل کرتا ہے فہو ضعیف لہذا وہ ضعیف  
 ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ فی نفسہ ثقہ ہے مگر عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مرسل ہے  
 ابن حبان فرماتے ہیں کہ جب وہ طاؤس اور سعید بن المسیب وغیرہ ثقات سے روایت  
 نقل کرے تو حجت ہے۔ اور جب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت کرے تو اگر  
 جدہ سے عبد اللہ مراد ہیں تو حدیث منقطع ہوگی اور اگر محمد مراد ہوں تو مرسل ہوگی (تہذیب  
 التہذیب جلد ۸ ص ۵۳۴) اور محدث ساجی فرماتے ہیں کہ

قال ابن معین ہو ثقہ فی نفسہ و  
 امام ابن معین نے فرمایا کہ وہ فی نفسہ ثقہ ہے  
 ماروی عن ابیہ عن جدہ لا حجة  
 لیکن جب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کرے تو  
 فیہ ولین بمتمصل و هو ضعیف... الخ  
 حجت نہیں اور اس کی سند متصل نہیں بلکہ ضعیف ہے۔  
 (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۸)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا:

يقول له اشياء منا كبروا انما يكتب  
 انھوں نے فرمایا کہ اس سے بہت سی منکر اشیا  
 حديثه يعتبر به فاما ان يكون حجة فلا  
 بھی ہیں اس کی حدیث اعتبار کے لیے تو لکھی  
 (ایضاً ص ۲۹)

اور امام اثرم فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ میں اس کی حدیثیں لکھ لیتا ہوں کبھی  
 تو اس سے احتجاج کرتا ہوں۔

وربما وجس فی القلب منہ شیء (ایضاً ص ۳۹)  
 اور کبھی اس سے دل میں کھٹکا گذرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مؤلف تہذیب الکلام نے (۱۹۳۱ و ۱۹۳۲) میں بحوالہ تحفۃ الاحوذی جلد ۱  
 ۲۹۶



امام احمد اور امام علی بن المدینی کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ عمرو بن شعیب کی روایت کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں صحیح نہیں ہے اور علامہ ذہبی نے عمرو بن شعیب کی روایت کو جو حسن کہا ہے تو اس سے اس کی دوسرے طرق سے روایت مراد ہے نہ کہ عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے کیونکہ اس پر امام ابی جرح والتعدیل امام یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین وغیرہ کی مفصل جرح موجود ہے۔

امام ابن حبان اپنا فیصلہ یہ بیان کرتے ہیں کہ فی روایت عن ابیہ عن جدہ مناکیر كثيرة لا يجوز عندی الاحتجاج بشیء منها۔ (اسعاف المبطا ب رجال المؤطا ص ۱۱۱) عمرو بن شعیب کی عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے میرے نزدیک کوئی روایت قابل احتجاج نہیں ہے کیونکہ ان میں کثرت سے نکارت ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: بعض محدثین ان کی مطلقاً تضعیف کرتے ہیں اور جمہور ان کی توثیق کرتے ہیں اور بعض دیگر ان کی بعض روایتوں کو ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں اور اپنا فیصلہ یوں ارقام فرماتے ہیں:

ومن ضعفه مطلقاً فمحمول علی روایتہ  
عن ابیہ عن جدہ (تہذیب التہذیب ص ۵۱)  
جو حضرات ان کی مطلقاً تضعیف کرتے ہیں۔  
سوان کی یہ تضعیف صرف عن ابیہ عن جدہ  
کے طریق پر محمول ہوگی۔

علامہ سید سلیمان ندوی (المتوفی ۱۳۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ اور یہ سچا پارے اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ ان کو کتاب علی گئی تھی جس سے حدیثیں نقل کرتے وقت وہ تدلیس سے کام لیتے تھے۔ (خطبات مدراس ص ۵۳) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے ایک اور روایت بھی مروی ہے کہ جس نے سکنات امام میں سورۃ فاتحہ کی قرأت نہ کی تو اس کی نماز کامل ادا نہ ہوگی۔ (کتاب القراءۃ ص ۵۵-۵۴)

لیکن اس کی سند میں علاوہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر واقع ہے جس کا حال ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں۔

ہشام بن عروہ رحمہ کی روایت: ان کی روایت موقوف ہونے کے علاوہ ضعیف بھی



ہے اس کی سند میں موسیٰ بن مسعود ایک راوی ہے۔ امام احمد اس میں کلام کرتے ہیں۔ ترمذی ان کی تضعیف کرتے ہیں۔ امام ابن خزمیہ کا بیان ہے کہ اس سے احتجاج درست نہیں۔ بغداد اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۸۱) ابو حاتم رحمتے ہیں کہ مؤمل بن اسماعیل اور ابو حذیفہ (موسیٰ) دونوں کی کتابوں میں بہت غلطیاں ہیں۔ عمر بن علی الفلاس کہتے ہیں کہ کوئی صاحب بصیرت محدث اس سے احتجاج نہیں کر سکتا۔ ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ وہ قوی نہ تھا۔ ابن قانع کہتے ہیں کہ اس میں ضعف ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ وہ کثیر الوہم اور سخی الخفظ تھا۔ ساجی اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ دارقطنی اس کو کثیر الوہم بتاتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۷۱)

علاوہ ازیں اس روایت میں فصاعدا کی زیادت بھی موجود ہے۔ کیا فریق ثانی سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا مقتدی کے لیے جواز سمجھتا ہے؟

اثر ابو سلمہ یا ابو ہریرہؓ۔ یہ اثر بھی موقوف ہونے کے علاوہ ضعیف ہے۔ اس کی سند میں موسیٰ بن مسعود واقع ہے جس کی حقیقت آپ کو معلوم ہو چکی ہے۔ مزید برآں روایت کو اس کا پورا یقین بھی نہیں کہ یہ روایت حضرت ابو سلمہؓ تابعی سے ہے یا حضرت ابو ہریرہؓ سے مؤلف خیر الکلام کا اس کو مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے حدیث حسن کہنا (ملاحظہ ہو خیر الکلام ص ۳۳۷) غلط ہے۔ کیونکہ یہ راوی برا مختلف فیہ ہی نہیں بلکہ جمہور محدثین کرام کی اس پر کڑی جرح منقول ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اثر سعید بن جبیرؓ۔ یہ اثر بھی موقوف ہونے کے علاوہ ضعیف اور کمزور ہے۔ اس کی سند کا ایک راوی عبداللہ بن رجاہؓ مکی ہے۔ امام احمد اور ازہدی رحمہما کہتے ہیں کہ اس کی روایت میں نکارت ہوتی ہے۔ (میزان جلد ۱ ص ۱۷۱) ساجی کا بیان ہے عندہ مناکیر (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۱) کہ وہ صاحب مناکیر ہے۔ اس سند کی کڑی کا دوسرا ضعیف راوی عبداللہ بن عثمان بن خثیم ہے اسکے بارے حضرت محدثین کرام کے متضاد اقوال منقول ہیں امام ابن عیینہؓ اس کو ثقہ حجتہ کہتے ہوئے بھی یہ فرماتے ہیں احادیثہ لیست بالقویۃ۔ امام ابو حاتم مابہ بأس صالح الحدیث کہنے کے باوجود فرماتے ہیں وکان یخطئ (اور نیز فرمایا لا یحتج بہ میزان الاعتدال ص ۱۵۶) امام نسائی نے ایک مرتبہ ثقہ اور ایک مرتبہ لیس بالقوی کہا اور امام علی بن المدینی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۱۵)



امام دارقطنی رحمہ کا بیان ہے۔ ضعیف لیثویہ وہ ضعیف ہے اور محدثین اس کو ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں۔ (نصب الرأی جلد ۱ ص ۳۵۳) مبارکپوری صاحب کی ستم ظریفی دیکھیے کہ وہ مولانا عبدالحی کے رسالہ امام الکلام ص ۷۳ کی آڑ لیتے ہوئے اس ضعیف اور کمزور اور ضعیف اثر کو صحیح کہتے ہیں۔ (دیکھیے ابکار المنن ص ۱۶۷) فواہ اسفا۔

سعد بن جبیر کا بعینہ اس مضمون کا اثر کتاب القراءة ص ۸۷، ۹۹ میں بھی مذکور ہے، لیکن سند میں وہی عبد اللہ بن عثمان بن خثیم ہے۔

یہ ہیں وہ روایات و آثار جن سے یہ حضرات سکناات امام میں مقتدی کے لیے قرأت سورۃ فاتحہ تجویز کرتے ہیں۔ ابھی تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ سکناات امام کا روایتی پہلو تھا۔ اب آپ روایتی پہلو بھی سن لیجئے۔ جہاں تک سکناات امام کا ثبوت مل سکتا ہے وہ صرف دو سکتے ہیں، پہلا سکتہ تجزیہ تحریمیہ کے بعد کا سکتہ ہے اور فریق ثانی کو اس امر میں اتفاق ہو گا کہ نہ تو اس میں قرأت سورۃ فاتحہ کا ثبوت ہے اور نہ گنجائش اور دوسرا سکتہ سورۃ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہونے کے بعد امام اس لیے کرتا ہے تاکہ امام

حتی یتراء الیہ نفسہ۔ (نسائی جلد ۱ ص ۱۱۱) قرأت سے فارغ ہونے کے صرف سانس لے سکے۔

ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۱، ترمذی جلد ۱ ص ۳۴، داعمی ص ۱۲۶

اور صرف اس سکتہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کیسے ممکن ہے؟ اور پھر ایک سکتہ کے سکناات کیسے بن گئے؟ خود مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں:

بل السکتہ الثانیۃ کانت لاون یتراء الیہ نفسہ۔ بلکہ دوسرا سکتہ تو صرف اس لیے ہوتا تھا کہ امام قرأت سے فراغت کے بعد سانس لے سکے۔ جیسا کہ حفرہ

کما صرح بفتادہ۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۰۹) قناد نے اس کی تصریح کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ امام احمد، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور چھوڑا اہل اسلام اس کے ہرگز قائل نہ تھے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد امام اس لیے سکتہ کرے تاکہ مقتدی اس میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں اور نہ یہ حضرات سکتہ کے وجوب کے قائل تھے اور نہ استحباب کے۔

(تنوع العبادات ص ۸۵)



اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :

ولم نعلم نزا عابدين العلماء انه

لا يجب على الامام ان يسكت ليقراء

المأموم بالفاصلة ولا غيرها الى ان

قال - ولا يستحب للامام السكوت

ليقرأ المأموم عند جهاه من العلماء

وهذا مذهب مالك والبي حنيفة و

احمد بن حنبل وغيرهم - (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۲۹)

قاضی محمد بن عبداللہ ابوبکر ابن العربی المالکی الاندلسی (المتوفی ۵۴۳ھ) مجاز سکنات سے

یوں خطاب کرتے ہیں کہ

عجباً لك كيف يقدر المأموم في المحبة

على القراءة اينازع القرآن الامام امر

يعرض عن استماعه امر يقراء اذا

سكت قيل له فان لم يسكت وقد

اجمعت الامة على ان سكوت الامام

غير واجب فمتى يقراء ؟

(عارضة الامو ذی جلد ص - بحوالہ اوجز المسائل جلد ۱ ص ۲۴۸)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی صحیح حدیث سے

یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ آپ نے محض اس لیے سکت اختیار کیا ہو تاکہ مقتدی سورۃ

فاتحہ پڑھ لیں۔

(بحوالہ غیث النعمان ص ۱۷۵)

یعنی جہاں تک ہمیں معلوم ہے علماء کا اس بات

پر اتفاق ہے کہ امام پڑھ سکتے واجب نہیں ہے تاکہ مقتدی

سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور

امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ جمہور اہل اسلام اس پر بھی متفق

ہیں۔ کہ امام کے لیے یہ بات مستحب بھی نہیں ہے کہ وہ

سکتہ کرے تاکہ مقتدی قرأت کر سکیں۔

تعجب ہے تم پر مقتدی کو جہری نازوں میں قرأت

پر کیسے قادر تصور کیا جائے ؟ کیا وہ قرأت قرآن پر امام

سے متاثر عمت کرتا ہے ؟ یا استماع سے اعراض کرے ؟

یا جب امام سکتہ اختیار کرے تو اس وقت وہ قرأت کرے ؟

اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی کب پڑھے ؟ کیونکہ تمام

امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام پڑھ سکتے واجب نہیں

لے موصوف بہت بڑی قدر و منزلت کے مالک تھے۔ متبحر علمی ذہانت اور خصائل و عادات میں بے نظیر

تھے۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ، العلامة اور القاضی لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۸۶)



محمد بن اسماعیل بن الصلاح امیر بیانی (المتوفی ۱۲۶۷ھ) لکھتے ہیں کہ

ثم اختلف القائلون بوجوب القراءة  
فقل في محل سككات الامام وقيل  
في سكوتہ بعد تمام القراءة ولا دليل  
لهذين القولين في الحديث -

(سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد ۱)  
وقت مقتدی کو قرأت کرنی چاہیے لیکن ان دونوں  
باتوں کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

ان اقتباسات سے یہ بات آفتاب نیروز کی طرح ثابت ہو گئی ہے کہ سککات امام کا کسی حدیث  
سے ثبوت نہیں ملتا۔ اور امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ نہ تو امام پر سکنت واجب ہے اور  
نہ مستحب اور یہ بات بعید از قیاس اور انصاف ہے کہ شریعت حقہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت  
سورۃ فاتحہ کا مکلف تو بنائے لیکن اس کو قرأت کا موقع اور محل نہ بتلائے، یہ تو ایسا ہی ہوا  
جیسا کسی نے کہا ہے۔

در میان قعد دریا تختہ بندم کردہ

باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

یہ ایسی خرافات ہے، جس سے شریعت حقہ کا دامن انصاف بالکل میرا اور پاک ہے امام  
ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں کہ مقتدی کا کام تو یہ ہے کہ وہ امام کی پیروی کرے اور جائز نہیں  
کہ امام مقتدی کا تابع ہو۔ تو اس قائل کا قول کہ امام سکنت کرے تاکہ مقتدی قرأت کرے۔ آن حضرت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے خلاف ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر  
کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے اور پھر باوجود اس کے یہ معاملہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے مخالف ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اور جب امام قرأت کرے  
تو اب صاحب کہتے ہیں کہ امام صناعہ و علامہ نبین و شاعر مجید و مجتہد مفید و محدث کامل و عارف و اصل  
است، عامل بود بکتاب و سنت بحسب اجتهاد نفس خود تعہد بہ تقلید احد سے از اہل علم نہ داشت۔

(تقصار جمود الاحرار من تذکار خود والا برابہ ص ۸۰)



تو تم خاموش رہو اس حدیث میں آپ نے مقتدی کو امام کی قرأت کے لیے خاموشی کا حکم دیا ہے اور سکتات کا قائل امام کو مقتدی کے لیے انصات کا حکم دے رہا ہے۔ اور امام کو مقتدی کا تابع بنانا ہے اور یہ قول بالکل اگٹ ہے۔  
اور اس پر بحث کرتے ہوئے مزید ارقام فرماتے ہیں:

وقوله انما جعل الامام ليؤتيه فاذقوا  
فانصتوا اخبار من ان من الائمة تمام بالامام  
الانصات لقرآنه وهذا يدل على انه غير جائز  
ان ينصت الامام لقرآن المأموم لانه لو كان  
مأموراً بالانصات له لكان مأموراً بالائمة  
بمقتضى الامام مأموراً والمأموم اماماً في  
حالة واحدة وهذا فاسد... الخ  
(احكام القرآن جلد ۳ ص ۵۱)

آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ  
امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتدائی جلسے پس  
جب وہ پڑھے تو تم خاموش رہو اس میں آپ نے خبر دی ہے  
کہ امام کی اقتدائیں یہ امر شامل ہے کہ اس کی قرأت کے  
لیے خاموشی اختیار کی جائے اور یہ ارشاد صاف بتاتا ہے کہ  
جائز نہیں کہ امام مقتدی کی قرأت کے لیے انصات کرے کیونکہ  
اگر وہ اس کا مامور ہوتا تو وہ اقتدائے مامور ہوتا تو ایک ہی  
حالت میں امام مقتدی ہو جاتا اور مقتدی امام اور یہ بالکل

فاسد ہے۔

پندرہواں اعتراض۔ حضرت امام بخاریؒ، امام بیہقیؒ اور مبارک پوری صاحب وغیرہ  
فرماتے ہیں کہ خطبہ جمعہ کے وقت اتنی توجہ اور خاموشی کا حکم اور تاکید آتی ہے کہ اگر کوئی شخص  
شورو غل مچاتا ہو تو اس کو یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ خاموش ہو جاؤ جیسا کہ صحیح حدیث میں آتا ہے۔  
اذ قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت  
فقد لغوت۔ (بخاری جلد ۱ ص ۱۲۸)  
یعنی جب تم کسی کو جمعہ کے خطبہ کے وقت یہ کہو کہ  
خاموش ہو جاؤ تو تم نے ایک بیجا اور بے ہودہ حرکت کی۔  
(مسلم ص ۲۸۱)

اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ جمعہ کے وقت ایسی توجہ اور خاموشی مطلوب ہے کہ امر بالمعروف اور

۱۔ جزع القراءة ص ۳۵

۲۔ کتاب القراءة ص ۸۲

۳۔ تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۵۸ وغیرہ

۴۔ یہ روایت نسائی جلد ۱ ص ۲۰۶، ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۵۸، ترمذی جلد ۱ ص ۴۷، ابن ماجہ ص ۷۹ اور طحاوی جلد ۱ ص ۲۱۵ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔



نہی عن المنکر بھی اس وقت ساقط ہے لیکن مع ہذا آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اذا جاء احدکم يوم الجمعة فليدع خطيب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما (مسلم جلد ۱ ص ۲۸۷) — جب تم میں سے کوئی شخص اس حالت میں آئے کہ امام جمعہ کا خطبہ پڑھ رہا ہو تو اس آئے والے کو مختصر طریق سے دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہیے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت نماز پڑھنا جائز ہے، جس میں بہر حال تلاوت قرآن کریم کی جاتی ہے اور یہ انصاف کے منافی نہیں۔ لہذا اگر کوئی شخص امام کے پیچھے بجا اقتدار قرأت کرتا ہے تو وہ بھی آیت استماع اور انصاف کی مخالفت نہیں کر رہا۔

جواب۔ جہور اہل اسلام خطبہ کے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ امام مالک، امام لیث بن سعد، امام ابو حنیفہ اور جہور حضرات صحابہ و تابعین اور سلف کا مسلک یہ ہے کہ خطبہ کے وقت نماز صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک ہے۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۸۷)

علامہ عراقی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما، عروہ بن زبیر، مجاہد، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، محمد بن سیرین، امام زہری، قتادہ، ابراہیم نخعی اور قاضی شریح کا بھی یہی مذہب ہے۔ (فتح الملہم جلد ۲ ص ۳۱۵)

امام ترمذی لکھتے ہیں کہ کوفے کے فقہاء اور محدثین کا یہی مسلک تھا۔ (جلد ۱ ص ۶۷) جب جہور اہل اسلام کے نزدیک خطبہ کے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں۔ تو اس پر مقتدی کی قرأت خلف الامام کو قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا اور جس طرح خطبہ کے وقت نماز استماع اور انصاف کے منافی ہے اسی طرح قرأت خلف الامام بھی منافی ہے، جہور کا کہنا ہے کہ گو آیت واذا قرأ القرآن... الاوتیہ کا شان نزول صرف نماز ہے لیکن یہ آیت اپنے عموم الفاظ کے اعتبار سے خطبہ کو بھی شامل ہے۔ اس لیے خطبہ کی حالت میں بھی ہر ایسے قول و فعل سے اجتناب ضروری ہے جو استماع و انصاف کے منافی ہو اور ظاہر ہے کہ نماز قولاً و فعلاً استماع و انصاف کے منافی ہے۔ لہذا نماز بھی صحیح

۱۔ یہ روایت ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۵۹، نسائی جلد ۱ ص ۱۵۷، ترمذی جلد ۱ ص ۶۷، ابن ماجہ ص ۹۷ اور طحاوی

جلد ۱ ص ۱۷۹ وغیرہ میں بھی موجود ہے بعض میں مختصر اور بعض میں قدرے تفصیل سے۔



نہ ہوگی اور آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

یصلی ما کتب لہ ثم یصمت اذا تکلم الامام امام کے آنے سے پہلے جتنی نماز کوئی پڑھنا چاہے پڑھ لے

(بخاری جلد ۱ ص ۱۴۱، مسلم جلد ۱ ص ۲۸۳ اور پھر جب امام خطبہ شروع کرے تو اس وقت نماز

طیالیسی ص ۶۵) ترک کر کے خاموش ہو جائے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کے خطبہ پڑھنے سے قبل نماز پڑھنا جائز ہے لیکن خطبہ شروع

ہونے کے بعد گنجائش نہیں نکلتی اور بغیر خاموشی اور انصات کے کوئی چارہ نہیں اور طیالیسی کے یہ

الفاظ بھی بد نظر رکھیے فاذا تکلم الامام استمع وانصت۔ جب امام خطبہ پڑھے تو مقتدی اس

وقت توجہ کرے اور خاموش رہے اور حضرت نبیشتہ الہدیٰ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

فان لو یجد الامام خرج صلی ما بدالہ اگر امام ابھی خطبہ کے لیے نہ آیا ہو تو جتنی نماز پڑھی

وان وجد الامام قد خرج مجلس فاستمع جاسکتی ہے پڑھنی چاہیے اور جب امام خطبہ کے لیے

وانصت الحدیث (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۷۱) آچکا ہو تو اس وقت ہر شخص کو بیٹھ کر توجہ اور خاموشی

وقال رواہ احمد ورجالہ رجال الصالحین خلا اختیار کرنی چاہیے۔ علامہ میثمیؒ کہتے ہیں کہ اس روایت

کے سبب راوی بخاری کے راوی ہیں۔ ہاں مگر امام احمد کے

اشاد لیکن ہیں وہ بھی ثقہ۔

لہ ان کا نام علی بن اسحاق ہے۔ (فتح الملہم جلد ۲ ص ۴۱۵) ابن معین ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں۔ ابن سعد ثقی رہ

اور محدث محمد بن حمدویہ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبان رہ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۸۲)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تقریب ص ۲۶۹) حافظ ابن حجرؒ مقدمہ فتح الباری ص ۴ میں لکھتے

ہیں کہ ہم فتح الباری میں جو حدیث بغیر گرفت کے نقل کریں گے۔ وہ صحیح یا حسن ہوگی۔ اور یہ روایت حافظ موصوفیؒ

نے فتح الباری جلد ۲ ص ۲۹۷ میں نقل کی ہے اور اس پر کوئی گرفت نہیں کی۔ مؤلف خیر الکلام نے (ص ۵۶۳) ۵۶۴

میں) یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں عطار خراسانی ہے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ارسال

تدلیس اور کثرت وہم کا شکار تھے۔ اور بخاری نے ان کی کوئی حدیث نہیں لی۔ (تقریب ص ۱۷۹) اور مقدمہ فتح الباری

ص ۴۳۶ میں لکھتے ہیں کہ وہ بخاری کی شرط پر نہیں ہے۔ یہ علامہ میثمیؒ کا وہم ہے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)



اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ نماز کی گنجائش صرف اس وقت ہے۔ جب امام خطبہ کے لیے ابھی نہ آیا ہو۔ لیکن جب امام خطبہ کے لیے آچکا ہو تو پھر نماز کی گنجائش ہے اور نہ سلام و کلام کی اور خطبہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی حدیث کا جواب جہور نے یہ دیا ہے کہ یہ ایک مخصوص واقعہ ہے۔ بعض روایات نے نقل بالمعنی کے پیش نظر اس کو تعمیم کا جامہ پہنا دیا ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلیم غطفانی رضی اللہ عنہ فقر و فاقہ کا شکار تھے۔ ان کی خستہ حالی اور پریشانی کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے چندہ کرنے کا قصد فرمایا اور اس کا حکم دیا کہ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھ لیں تاکہ لوگ ان کی پرگندہ صورت اور بے بسی کو دیکھ لیں اور دل کھول کر اس کی اعانت اور امداد کریں۔ چنانچہ روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:

بجاء رجل يوم الجمعة والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب بلیثاء بذرة فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلیت قال لا قال حمل رکعتین وحث الناس علی الصدقة ان حدیث۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص نہایت خستہ حالی میں آیا۔ آپ نے فرمایا: تم نے نماز پڑھی ہے؟ کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھو۔ اور لوگوں کو اپنے صدقہ اور خیرات کی تلقین فرمائی تاکہ اس کی امداد

واعانت ہو سکے۔

(نسائی جلد ۱ ص ۱۵۸)

(بقیہ پچھلا صفحہ) کہ اس کو صحیح کی شرط پر مانتے ہیں۔ (محصلہ) مگر یہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا وہم ہے کیونکہ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۲۲ اور ص ۴۹۶ میں عطاء کی روایت موجود ہے۔ محدث ابو مسعود دمشقی اور ابن کثیر و کار اور علامہ قسطلانی وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ عطاء زخما سانی ہے۔ لہذا یہ علامہ ہاشمی رحمہ اللہ کا وہم نہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا وہم ہے اور جس بنا پر مؤلف مذکور انکار کرتے ہیں کہ چونکہ یہ کذب و سب ہے لہذا بخاری کی شرط پر نہیں اُتر سکتا۔ نہایت کمزور ہے۔ کیونکہ اس سے ضعیف تر راوی صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ عرض کر سکتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۱۲ میں نشان دہی کی ہے کہ یہ مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ کا راوی ہے۔ اس لحاظ سے بھی وہ صحیح مسلم کا راوی ہے اور یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ اور اصول حدیث کی روش سے اس کے حسن ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ البتہ نہ ماننے کا کوئی علاج نہیں۔



اور مسند احمد کی روایت کے الفاظ یوں ہیں۔ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ان هذا الرجل دخل المسجد في هيئة  
بہ شخص مسجد میں داخل ہوا اور یہ بہت شکستہ  
بذرة فامرتہ ان یصلی رکعتین وانا  
حال تھا۔ میں نے اس کو اس امید سے دو رکعتیں  
ارجوان یفطن له رجل فیتصدق  
نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے تاکہ کوئی صاحب دل اس  
علیہ۔ (فتح الباری ۲ ص ۳۲۶)  
کو دیکھ لے اور اس پر صدقہ کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک مخصوص واقعہ تھا۔ اور روایات میں سے بعض نے اس کو عمری  
رنگ میں پیش کر دیا ہے اور ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے جو محض بطور تائید پیش کی جاتی  
ہے، جس کی مزید تائید معتمر کامرسل کرتا ہے۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۶۹)

وامسك عن الخطبة حتى فرغ من  
کہ جب تک وہ شخص نماز سے فارغ نہ ہو  
صلواتہ۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۶۹ و زیلعی جلد ۲ ص ۲۰۳)  
گیا۔ آپ نے خطبہ بند کر دیا تھا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں جو محض تائید پیش کی جا رہی ہے نہ کہ استدلالاً  
ارکع رکعتین ولا تعد لمثل هذا۔  
اب دو رکعتیں پڑھ لے لیکن پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔

(دارقطنی جلد ۱ ص ۱۶۹ و زیلعی جلد ۱ ص ۱۶۹)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

واما قصة سلیك رضى الله تعالى عنه  
امام ترمذی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اس باب  
فقد ذكر الترمذی انها اصح شئی  
میں سلیك رضى اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ سب سے زیادہ  
روی فی هذا الباب واقوی۔  
صحیح اور قوی تر ہے۔

(فتح الباری جلد ۲ ص ۲۲۵)

چونکہ یہ شخص نہایت ہی غریب تھا اس لیے آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس  
کے لیے دس سواری سے چندہ کیا اور جب دوسرے اور تیسرے جمعہ چڑ آیا تو پھر بیٹھ گیا  
آپ نے فرمایا اٹھ اور نماز پڑھ۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۳۴۹) اور چارے خیال میں یہ  
بھی اس کی طرف لوگوں کو توجہ دلانے کے لیے تھا تاکہ لوگ اس مفلوک الحال کو مل کھو کر



چندہ دیں بلکہ امام بخاریؒ روایت نقل کرتے ہیں کہ جب وہ دوسرے جمعہ پر آیا تو اس وقت  
 آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ان یصدقوا  
 علیہ وان یصلی رکعتین۔ (جزء القراءة ص ۳۷) کہ اس پر صدقہ کریں۔ اور اس کو دو رکعتیں  
 پڑھنے کا حکم دیا اور بقول مؤلف خیر الکلام حافظ ابن حجر رحمہ نے اس کے لیے چندہ مانگنے کو  
 جزو علت کہا ہے۔ (خیر الکلام ص ۵۶۵) مگر یہ جزو علت نہیں پوری علت ہے کیونکہ اس کے  
 دو تین جمعے متواتر صرف اسی خستہ حال شخص کو نماز کا حکم دیا ہے رہا امام نوویؒ اور حافظ  
 ابن حجر رحمہ کا مسلم کی روایت کے پیش نظر یہ کہنا کہ یہ نص ہے اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔  
 (محصلاً خیر الکلام ص ۵۶۵ والا عتصام ص ۱۲۷ اکتوبر ۱۹۶۲ء) درست نہیں۔

اولاً۔ اس لیے کہ روایت بالمعنی کا یہ جواب نہیں ہے۔

ثانیاً۔ اگر الفاظ یہی ہوتے تو کم از کم حضرات خلفاء ثلاثہ رضاکمھی اس کے خلاف نہ کرتے  
 ان کا عمل ہی اس کے غیر نص ہونے کی دلیل ہے اور جمہور اہل اسلام کی تائید اس پر مستزاد ہے  
 امام نسائی سنن الکبریٰ میں اس حدیث کا یہ باب قائم کرتے ہیں: باب الصلوة قبل الخطبة  
 زیلعی جلد ۲ ص ۲۰۳) گویا امام نسائی رحمہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ (نماز پڑھنے کا) خطبہ شروع ہونے  
 سے پہلے پیش آیا تھا اور امام نسائی کا ایسا سمجھنا محض بے وجہ نہیں ہے کیونکہ یخطب مضارع کا  
 صیغہ ہے اور زمانہ حال مستقبل دونوں کا اس میں احتمال موجود ہے۔ اور زمانہ استقبال مراد

لہ اسی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض محققین نے یخطب کا معنی یرید الخطبة کیا ہے۔ دیکھئے  
 فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۱۷، فیض الباری جلد ۲ ص ۳۳۳۔ امام نووی رحمہ اذا اتمن الامام فامتنوا کی شرح  
 میں لکھے ہیں۔ قالوا معناه اذا اراد التامین۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۷۳) علامہ کا بیان ہے کہ  
 جب امام آئین کہنے کا ارادہ کرے تو تم بھی آمین کہو۔ جب اتمن ماضی میں اراد التامین کی گنجائش نکل  
 سکتی ہے تو یخطب میں یرید الخطبة کا احتمال کیوں بعید ہے؟ علاوہ بریں بخاری جلد ۱ ص ۱۵۶

میں (وقال الحافظ فی الفتح جلد ۲ ص ۳۳۸ متفق علیہ) اصل الفاظ میں تردد ہے۔ والامام یخطب  
 او قد خرج کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو یا خطبہ کے لیے آ رہا ہو او قد خرج جملہ ہوتے ہوئے فریق ثانی کا دعویٰ  
 اور کمزور ہو جاتا ہے۔ دیکھئے مزید تحقیق کے لیے عارضہ الاحوذی جلد ۲ ص ۳۰۲۔ (باقی اگلے صفحہ پر)



لینے کی صورت میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے۔ جب تم میں کوئی شخص آئے۔ درآن حالیکہ امام خطبہ پڑھنا چاہتا ہو اور اس کا ارادہ کرتا ہو (جو قرآن سے معلوم ہو سکتا ہے) تو خطبہ سے قبل ہی تم نماز پڑھ لیا کرو۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں صرف دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے ہی فارغ ہو کر استماع اور انصات پر صحیح طور پر عامل ہو سکے۔

(بقیہ پچھلا صفحہ) مؤلف خیر الکلام نے دو باتیں ایسی کہی ہیں جن پر بے ساختہ ہنسی آتی ہے پہلی بات یہ کہ والہما یخطب او قد خرج میں تردّد صرف سعید کے بعض شاگردوں کو ہے۔ روح بن قاسم اور سفیان بن عیینہ کی روایت میں تردّد نہیں اسی طرح شعبہ کے بعض شاگرد نصر بن شمیل ابو زید ہروزی و ہب بن خویمر بغیر تردّد کے بیان کرتے ہیں۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۶۸) اور انہیں یہاں تنویع کے لیے ہے (مصلحہ ص ۵۶۷)۔ مگر ہم نے بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۵۷ کا حوالہ دیا ہے جس کی سند یوں ہے بعد ثنا آدم اخبرنا شعبہ قال حدثنا عمرو بن دینار قال سمعت جابر بن عبد اللہ... الخ نہ تو اس سند میں سعید ہے اور نہ اس کے وہ مذکور شاگرد ہیں جن کا ذکر مؤلف نے کوہنے کیا ہے۔ اس لیے حرف او کے ساتھ ہی اصل روایت ہے جو برائے شک ہے اور اگر حرف او تنویع کے لیے ہوتا اور خطبہ اور غیر خطبہ کی حالت اجابت نماز کے لیے برابر ہوتی تو جمہور اور خصوصاً حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف نہ کرتے بلکہ وہ دونوں حالتوں کو برابر سمجھتے رہا مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ جمہوریت حدیث کے معاملہ میں کوئی حجت نہیں (۵۶۳) تو یہ شکست فاش کی واضح علامت ہے۔ حق جانتے کے ساتھ ہوتا ہے اور امت کی اکثریت کبھی غلط بات پر جمع نہیں ہو سکتی اور یہاں جمہور کے پاس صحیح روایات ہیں محض جمہوریت ہی نہیں ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام اپنے ناخواندہ حواریوں کو سمجھا رہے ہیں۔ دوسری بات مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ پھر یہ کہنا کہ خطب مضارع کا صیغہ ہے اور زمانہ حال مستقبل دونوں کا اس میں احتمال ہے۔ قواعد نحو یہ سے بے خبری پر مبنی ہے کیونکہ عامل حال اور حال کا زمانہ ایک ہونا چاہیے / پس خطبہ کا زمانہ وہی ہونا چاہیے جو آنے کا ہے... (۵۶۶) بے شک یہ قواعد نحو سے بے خبری پر مبنی ہے اور ساری عمر پڑھا پڑھا کر بھی مؤلف خیر الکلام کو نحو کے بالکل ابتدائی گرامر بھی معلوم نہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جن حال اور عامل حال کا زمانہ ایک ہوتا ہے وہ ایسا حال ہے جو ترکیب میں حال واقع ہو اور یہاں خطب مضارع کا صیغہ ہے جو خود عامل ہے اور اس میں حال و استقبال کا معنی پایا جاتا ہے یہ راکیا کی طرح حال نہیں ہے جس کا عامل اور ہوتا ہے۔ اور اس میں عامل حال اور حال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ بات اور حال کی ہے اور وہ بے خبری ہیں چسپاں دوسرے حال پر گہرے ہیں۔



الحاصل خطبہ کے وقت نماز پڑھنا جہور کے نزدیک صحیح حدیث کی روشنی میں ممنوع ہے۔ اور جس حدیث سے اجازت ثابت ہوتی ہے اس کا صحیح محل بھی آپ جہور کی طرف سے سن چکے ہیں۔ دریں حالات خطبہ کی حالت میں نماز کو جائز تصور کرتے ہوئے اس پر قرأت خلف الامام کے جواز کو قیاس کرنا ایک بے حقیقت اور بے اصل بات ہے، خصوصاً جب کہ مسئلہ مذکورہ منصوص ہے۔

سولہواں اعتراض۔ امام بخاری رحمہ مبارک پوری رحمہ اور مفتی کلا نوری صاحب خیرہ لکھتے ہیں کہ جب امام قرأت کر رہا ہو اور کوئی شخص آکر اس کی اقتدار کرنا چاہتا ہے۔ تو لامحالہ اس کو تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہی اقتدار نصیب ہو سکتی ہے اور اس کا تکبیر تحریمہ کہنا آیت استماع وانصات کے منافی ہے۔ لہذا مانعین قرأت خلف الامام کا عمل بھی آیت مذکورہ پر نہ ہوا۔ (جزء القراءة ص ۵۵ تحقیق الکلام جلد اول وغیرہ)

جواب۔ پہلے پوری تفصیل کے ساتھ یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ آیت کا مخاطب ہر ایسا شخص ہے جو امام کی اقتدار کر چکا ہو اور امام ابن جریر وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے کہ

قالونصات خلفه لقرأته واجب علی  
جو آدمی امام کی اقتدار کر چکا ہو۔ امام کی قرأت کے  
من کاف مؤتمایہ۔ لیے خاموش ہونا اس پر واجب ہے۔

رہا وہ شخص جس نے مطلقاً امام کی اقتدار نہ کی ہو یا ابھی اقتدار کرنے کا ارادہ ہی کر رہا ہو تو وہ شخص اس آیت کا مخاطب نہیں ہے اور تکبیر تحریمہ علمائے اخلاف کی تحقیق میں شرط ہے۔ (دیکھیے خانیہ جلد ۱ ص ۲۰ و سراجیہ ص ۱۰ و ہدایہ جلد ۱ ص ۸۲ اور شرح وقایہ جلد ۱ ص ۱۶۰ وغیرہ) اور شرط خارج ہوتی ہے۔ (و شرط الشئ خارج عنه هامش کنز ص ۳۰) لہذا قرأت امام کے وقت مقتدی کا تکبیر تحریمہ کہنا آیت استماع وانصات کے کسی طرح مخالف اور منافی نہیں ہے۔ ہاں اس کا قرأت کرنا یقیناً منافی ہے۔ قاضی مقبول احمد صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہاں آیت کو اپنے عموم پر کیوں نہیں رکھا گیا؟ اور جو شخص نماز میں شریک نہ ہوا ہو وہ شور و غل مچاتا ہے (محصلہ الاعتصام ص ۱۰، ۵، اکتوبر ۱۹۶۲ء) لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس شخص نے اقتداء



نہ کی ہو اس کے لیے انصاف و استماع مستحب ہے، اس کو شور و غل کا حق کس نے دیا ہے؟  
اور آیت استجاب کے حکم میں اپنے عوم پر ہے ہاں وجوب صرف مقتدی کے لیے ہے۔  
کیونکہ شان نزول ہی خلف الامام کا مسئلہ ہے۔ کما م۔

سترہواں اعتراض۔ حضرت امام بخاریؒ، امام بیہقی رحمہ اور مبارکپوری صاحبؒ  
وغیرہ کہتے ہیں کہ جو لوگ امام کے پیچھے قرأت کر لے کے منکر ہیں۔ ان کا بھی آیت استماع و انصاف  
پر عمل نہیں ہے کیونکہ وہ بھی امام کے پیچھے ثناء وغیرہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ اگر امام کے پیچھے قرأت  
کرنا صحیح نہیں تو ثناء وغیرہ کی قرأت کیسے صحیح ہوتی؟ لہذا ثناء وغیرہ کی قرأت کر نیوالے  
بھی آیت استماع و انصاف پر عامل نہ ہوتے۔

(جزء القراءة ص ۱۰، کتاب القراءة ص ۱۵، تحقیق الکلام ج ۲ ص ۱۱)

جواب۔ ان اکابر کا یہ اعتراض بھی سطحی قسم کا ہے اور قابل التفات نہیں ہے۔  
اولاً۔ اس لیے کہ اگر صورت مذکورہ میں مقتدی سے مدرک مراد ہے تو ظاہر ہے کہ اس  
کے لیے صرف ثناء کی قرأت کرنا ہے۔ اور امام کو ثناء، تقویٰ اور تسمیہ بھی پڑھنا ہے۔ اگر  
مدرک امام سے پہلے قرأت ثناء سے فارغ نہ ہوا۔ تو امام کے ساتھ تو بہر حال فارغ ہو ہی  
جائے گا۔ اور جب امام قرأت قرآن (سورۃ فاتحہ) شروع کرے گا تو مدرک ثناء کے پڑھنے  
سے فارغ ہو چکا ہوگا۔ لہذا مدرک باوجود ثناء پڑھنے کے آیت مذکورہ کا مخالف نہ ہوگا۔

وثانیاً۔ اگر صورت مذکورہ میں مقتدی سے ملبسوق مراد ہے تو تحقیق فقہائے  
احناف کی تصریح سے یہ بات ثابت ہے کہ جب امام جہر سے قرأت کر رہا ہو تو مقتدی  
کو اس وقت ثناء پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں جلد ۱ ص ۴۲، فتاویٰ سراجیہ ص  
اور فتح القدیر جلد ۱ ص ۴۵ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے، بلکہ علامہ حلبی المحتفی رحمہ اللہ  
علیہ (المتوفی ۱۰۵۹ھ) نے اس کی تصریح کی ہے کہ ولایاتی الثناء مطلقاً۔ (کیبی ص ۳۴)  
کہ جب امام قرأت شروع کر چکا ہو تو مقتدی کو کسی بھی نماز میں ثناء نہیں پڑھنی چاہیے۔ جہری  
نمازوں میں قرأت امام کا علم مقتدی کو آسانی سے ہو سکتا ہے اور سری نمازوں میں قرأت  
اور شواہد سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔



مؤلف خیر الکلام نے ص ۵۶۹ میں امام ابو جعفر رحمہ اللہ سے جو یہ نقل کیا ہے کہ مقتدی  
جب امام کو سورۃ فاتحہ میں پائے تو بالاتفاق شمار پڑھے۔ (بیۃ المصلیٰ ص ۶۵ جلد ۱)  
اس میں بالاتفاق سے تمام فقہاء احناف کا اتفاق مراد نہیں ہے بلکہ صرف امام ابو یوسف رحمہ  
اور امام محمد کا اتفاق مراد ہے۔ (مختصر ص ۱۲۸ اور کبیری ص ۳۲۹)  
وثالثاً۔ قاضی شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

وظاہر التقیید بقولہ من القرآن يدل  
اور من القرآن کی ظاہری قیاس پر دلالت  
علیٰ انه لو یأمن بالاستفتاح حال قراءة  
کرتی ہے کہ امام کی قرأت کے وقت شمار اور تعوذ  
الامام بما لیس بقرآن والتعوذ والدعاء (ام) اور دعاء وغیرہ جو قرآن نہیں، پڑھنے میں کوئی  
(نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۲۶) ہرج نہیں ہے۔

اور نواب صاحب لکھتے ہیں:

وایں روایات (یعنی فلا تقراء و ابشی من القرآن وغیرہ) و نحو آن دلالت وائزہ  
برآنکہ منہی عنہ نزد قرأت امام ہماں قرآن کریم ست فقط و اما قراۃ توجہ و استعاذہ و نحو آن  
(یعنی شمار وغیرہ) پس لا یأمن بہ است۔ و نہی تناول آن بحیث و نہ بوجہ از وجوہ برآن  
دلالت وارد۔ (دلیل الطالب ص ۲۹۴) مگر سورۃ فاتحہ کو نواب صاحب نے مستثنیٰ قرار  
دیا ہے اور یہی مضمون مولانا عبد الصمد صاحب نے بیان کیا ہے۔ (اعلام الاعلام ص ۱۹۲)  
اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو صرف قرأت قرآن سے منع کیا گیا ہے۔ شمار و تعوذ  
تسبیح اور تشہد وغیرہ سے اس کو منع نہیں کیا گیا۔ اور آیت و اذا قرئ القرآن... الایہ  
اور حدیث فلا تقراء و ابشی من القرآن اس کی تائید کرتی ہے۔ اس بحث کو پیش نظر  
رکھنے سے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ، امام بیہقی رحمہ اللہ اور مبارکپوری صاحب وغیرہ کا یہ مغالطہ بھی دور  
ہو جاتا ہے کہ تمہارے نزدیک فرض (یعنی قرأت) سے غیر فرض (یعنی شمار وغیرہ) کی اہمیت  
زیادہ ہے کہ ان دیگر امور میں امام کفایت نہیں کر سکتا۔ مگر قرأت میں کفایت کر سکتا ہے۔  
(جزیر القراءۃ ص ۷، کتاب القراءۃ ص ۱۵۷، تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۴۲)  
یہ بات تو جانے دیجئے کہ ان اکابر کے نزدیک صرف سورۃ فاتحہ کی قرأت کی اہمیت کیوں







حالانکہ تمہارے نزدیک جب خطیب یا ائہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔  
 پڑھتا ہو تو سامعین کو آہستہ آہستہ درود شریف پڑھنا جائز ہے۔ (کفایہ جلد ۱ ص ۶۸ اور  
 شرح وقایہ جلد ۱ ص ۱۷۵) لہذا آیت استماع وانصات پر تمہارا عمل بھی نہ ہوا۔

(تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۳۳)

جواب — یہ تحقیق نقل کی جا چکی ہے کہ آیت کا شان نزول صرف نماز ہے۔ نزول آیت  
 کے وقت خطبہ کا وجود بھی نہ تھا۔ ہاں عموم الفاظ میں خطبہ بھی شامل ہے۔ اس لیے بالطبع اول  
 ثانوی حکم کی ظاہری مخالفت سے مقصود اولین اور بالذات حکم کی مخالفت کرنی کیسے جائز اور  
 صحیح ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں اگرچہ بعض علمائے احناف نے خطبہ کے وقت دل میں درود  
 شریف پڑھنے کی اجازت دی ہے بلکہ اس کو صواب اور صحیح کہا ہے۔ لیکن محققین آہستہ  
 پڑھنے سے بھی منع کرتے ہیں۔ چنانچہ امام قاضی خان رحمہ (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ایک گروہ کہتا ہے کہ پاس ہی پڑھ لی جائیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے موقوف اور روایتیں  
 آتی ہیں۔ علامہ مہتممیؒ ایک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ روایت، ثقات اور دوسری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ  
 رجالہ موثقون (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۷۵) دوسرا گروہ کہتا ہے کہ جماعت کے بعد پڑھ لی جائیں جیسا کہ  
 بعض احادیث میں آتا ہے لیکن اس مضمون کی بیشتر حدیثیں ضعیف ہیں۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر صبح کی سنتیں  
 رہ جائیں تو ان کی قضا نہیں ہے۔ لیکن یہ قول مخدوش ہے۔ چوتھا گروہ کہتا ہے کہ سورج نکلنے کے بعد پڑھی  
 جائیں (یہ ضروری نہیں کہ وہی جگہ اور وہی وضو ہو) جیسا کہ صحیح اور مرفوع حدیث میں آتا ہے۔ (ترمذی جلد ۱  
 ص ۵۷، مستدرک جلد ۱ ص ۲۷۴، سنن اکبریہ جلد ۱ ص ۲۸۴) چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے  
 بیماری اور تندرستی، اقامت اور کسی حالت میں صبح کی سنتیں ترک نہیں کیں۔ (طیالسی ص ۲۲۰، زاد المعاد  
 جلد ۱ ص ۱۸۵) لہذا یہی آخری مسلک قوی تر ہے۔

ابن حجر بن منصور، امام کبیر اور بحر عمیق تھے، بڑے زیرک اور نکتہ رس تھے، بڑے عابد اور فقیہ النفس تھے۔ ان کا  
 شمار محدثین فی المسائل میں ہوتا ہے۔ (فوائد بیہ ص ۶۴، ۶۵) صاحب جواہر المضیہ (علامہ ابو محمد عبدالقادر ۷۵۰ھ)  
 ان کو امام اکبریہ سے یاد کرتے ہیں۔

(جواہر المضیہ جلد ۱ ص ۲۰۵)



وہ شائع کیا یا نہ لا یصلی علی النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم بل یستمع وینصت  
لہ ان استماع فرض والصلوة علی  
النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجوز  
بعد هذه الحالة۔ (خانیہ جلد احث)

ہمارے مشائخ کا بیان ہے کہ خطبہ کی حالت  
میں درود شریف پڑھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ  
استماع اور انصاف ضروری اور فرض ہے اور  
سامع کو خطبہ کے لیے نہایت خاموشی سے توجہ  
کرنی چاہیے اور درود شریف کا پڑھنا اس کے  
بعد بھی ممکن ہے۔

فتاویٰ سر اجیہ ص ۱۷ میں لکھا ہے کہ فقیہ حسام الدین نے آہستہ پڑھنے کی اجازت دی  
ہے لیکن شمس الائمہ سرخسی (المتوفی ۷۴۳ھ) آہستہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔  
اور مسبوٹ سرخسی جلد ۲ ص ۲۹ میں آہستہ پڑھنے کی بھی صراحت کے ساتھ ممانعت بیان کی گئی  
ہے، حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ محققین کا بیان ہے کہ چونکہ استماع اور انصاف فرض اور  
ضروری ہے۔ اس لیے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خطبہ کے وقت آہستہ درود شریف  
پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ (فتح القدیر جلد ۲ ص ۳۲۱، طبع مصر) اور یہی مسلک علامہ  
ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) کا ہے۔ (بحوالہ فتح الملوک جلد ۲ ص ۳۲) لہذا مبارک  
پوری صاحب کا یہ اعتراض بھی بے بنیاد ہے۔

بیسواں اعتراض۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ستری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ  
فاتحہ پڑھنے کے استحباب پر استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ذکر قرأت اور  
دعا کے بغیر سکوت اختیار کرنا نہ مامور بہ ہے اور نہ عبادت ہے بلکہ وساوس کا دروازہ  
کھولنے کا ایک سبب ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونا سکوت سے افضل  
ہوگا۔ اور قرأت قرآن سے بہتر ذکر اور کیا ہو سکتا ہے۔ لہذا ستری نمازوں میں امام کے پیچھے

لہ علامہ سراج الدین اودوی رحمہ اللہ (المتوفی فی حدود سنہ ۱۰۰۰ھ)۔

۱۔ امام، علامہ، حجت، مکلم، مناظر، اصولی اور مجتہد تھے، مسبوٹ کی پندرہ جلدیں (باب الشروط تک)  
بغیر مراجعہ کتب کے نہ باقی انھوں نے اطلاق کی تھیں۔ جب کہ حق گوئی کی پاداش میں حکومت وقت نے پرانے  
دستور کے مطابق ایک تاریخ کنوین میں ان کو جیلوس کر رکھا تھا۔ (فوائد بہیہ ص ۱۸۸)



سورۃ فاتحہ کا پڑھنا مستحب ہوگا۔ (محصلہ فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۵۰)

جواب۔ شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کا یہ استدلال بھی درست نہیں ہے۔

اولاً۔ اس لیے کہ مقتدی کا فریضہ اجتماع و انصاف ہے نہ کہ قرآن اور اجتماع و سماع کا فرق پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔

ثانیاً۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ظہر اور عصر کی نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد کم و بیش پچیس تیس آیتیں پڑھنی مسنون ہیں اور مقتدی کے لیے دیگر حضرات سلف و خلف کی طرح شیخ الاسلام رحمہ کے نزدیک بھی ما زاد علی الفاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کم و بیش تیس آیتوں کے طویل وقفہ میں مقتدی پر دس گنا دروازہ نہیں کھلتا تو امید واثق ہے کہ سورۃ فاتحہ کے مختصر سی سات آیتوں کے وقفہ میں بھی باب و سوسہ مسدود رہی رہے گا۔

ثالثاً۔ خود شیخ الاسلام رحمہ کے قائل ہیں کہ مقتدی کے لیے ما زاد علی الفاتحہ میں قرأت کی بجائے اجتماع افضل ہے۔ نہ معلوم یہاں ذکر قرأت اور دعا کے بغیر سکوت کیوں اعلیٰ اور افضل ہو گیا ہے؟ اس لیے سورۃ فاتحہ کی قرأت کے وقفہ میں بھی اجتماع افضل رہے گا کیونکہ بقول شیخ الاسلام رحمہ آیت و اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم تتقون اور اولین مصداق صرف سورۃ فاتحہ ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اور سب سے پہلے میں بھی قرآن یقیناً ہوتی ہے۔ ہاں اگر واذ اجہر بالقآن کا ارشاد ہوتا تو بات الگ تھی۔ ہم نے شیخ الاسلام رحمہ کے جواب میں جو باتیں عرض کی ہیں وہ ہماری اپنی اختراع نہیں بلکہ خود موصوف نے بیان کی ہیں۔

وايضاً ففي اجتماع المسلمين على انه فيما يناد على الفاتحة يومئذ لا سماع دون القراءة دليل على ان اجتماعاً لقراءة الامام خير له من قرأتهم مع رجل على انه مأمور بالاجتماع دون القراءة مع الامام۔

نیز مسلمانوں کے اس اجماع میں کہ ما زاد علی الفاتحہ میں مقتدی کو قرآن کے بجائے اجتماع کا حکم ہے اس امر پر دلیل ہے کہ مقتدی کو اجتماع کا حکم ہے اس امر پر دلیل ہے کہ مقتدی کا اجتماع اس کے پڑھنے سے بہتر اور افضل ہے بلکہ اس کو صرف حکم ہی یہ ہے کہ وہ قرأت نہ کرے۔



اور استماع کرے۔

(فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۳۵)

اور لکھتے ہیں کہ

فان الكتاب والسنة امرت بالمعتمد بالاستماع  
دون القراءة والامه متفقون على ان  
استماعه لما زاد على الفاتحة افضل  
من قراءة ما زاد عليها۔ (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۳۳)  
کتاب اور سنت نے مقتدی کو یہ حکم دیا ہے  
کہ وہ قرأت نہ کرے بلکہ سننے اور امت اس پر  
متفق ہے کہ "ما زاد علی الفاتحہ" میں استماع  
قرأت سے بہتر اور افضل ہے۔

موصوف کی ان عبارتوں کو پیش نظر رکھ کر بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے نقل  
کردہ جملہ جوابات خود شیخ الاسلام کی عبارت سے ماخوذ ہیں۔ باقی استماع کا معنی اور مطلب  
پوری تشریح کے ساتھ پہلے نقل کیا چکا ہے۔ اس میں الجھ کر جادۂ مستقیم سے پہلو تہی کرنا  
ارباب تحقیق کو زیب نہیں دیتا۔

قاریین کرام! ہم نے آیت کے سلسلے میں کافی وقت لیا ہے۔ اگرچہ فریق ثانی کی جانب  
سے اس سلسلے میں بعض لچر پوچ اور لایعنی اعتراضات یا استدلالات اور بھی کیے گئے ہیں  
لیکن یہیں بھی آپ سے بہت کچھ عرض کرنا ہے اس لیے ہم ان کو نقل کرنے اور جواب عرض  
کرنے میں مزید آپ کے دماغ کو پریشان نہیں کرتے اور باب اول کو یہیں ختم کرتے ہیں۔



# باب دوم

پہلے باب میں قرآن کریم کی آیت اور حضرات صحابہ کرام و تابعین اور دیگر جمہور سلف و خلف سے اس کی تفسیر نقل کی گئی ہے کہ واذا قرئ القرآن... الاٰیۃ کا شان نزول صرف نماز ہے۔ اور مقتدی کو امام کے پیچھے کسی نماز میں قرآن کرنا جائز نہیں ہے اور یہ کہ آیت کی یہ تفسیر مؤید بالا جماع ہے۔ اور آیت کی تفسیر پر جتنے اہم سوالات کیے گئے تھے ان کے تفصیلی جوابات بھی عرض کیے جا چکے ہیں۔ اب باب دوم میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح صریح اور مرفوع قولی اور فعلی حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔ جن سے بخوبی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام کا وظیفہ پڑھنا اور مقتدی کا خاموش رہنا ہے۔ فریق ثانی کی طرف سے ان پر جو سوالات کیے گئے ہیں ان کو نقل کر کے ان کے مسکت جوابات بھی عرض کر دے گئے ہیں :۔

باقول نبی چون وچہ را نہ شناسیم  
قانون اشارات و شفا را نہ شناسیم

داریم بہ اخلاص سرے بر خط تسلیم  
قرآن و حدیث است شفا ئے دل رنجور

پہلی حدیث :

امام مسلم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسحاق بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے

۱۔ امام مسلم رحمہ (المتوفی ۲۶۱ھ) صحیح مسلم شریف کے مؤلف ہیں جو بخاری شریف کے بعد تمام حدیث کی کتابوں میں پہلے درجہ پر (حاشیہ ۱۰ کا اور حاشیہ ۱۱ کے صفحہ پر دیکھئے)



جبریلؑ نے بیان کیا۔ وہ سلیمانؑ بھی رح سے روایت کرتے ہیں۔ وہ قتادہؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ یونسؑ بن جبر سے اور وہ حطانؑ بن عبد اللہ الرقاشی رح سے روایت کرتے ہیں۔ وہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ سے (المتوفی ۱۵۲ھ) روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے ایک طویل حدیث میں فرمایا:

(بتقدیر نوٹ نمبر ۱۲) صحیح تسلیم کی جاتی ہے اور امت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے۔ کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روایتیں صحیح ہیں۔ علامہ ذہبی رح ان کو الامام، الحافظ اور حجت الاسلام کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۵۰) علامہ بیہقی مشہور امام ہیں جو ابن راہویہ سے مشہور ہیں۔ مقدمہ میں ان کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے۔

علامہ ابو القاسم لاکانی رح کا بیان ہے کہ جبریل رح ابن عبد الحمید رح کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے اور ان کی بڑی خوبی یہ تھی کہ تدلیس نہیں کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۶۷) علامہ ذہبی رح ان کو الحافظ اور الحجت کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵۰)

علامہ امام مسلم نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ کیا تم سلیمانؑ سے بڑا حافظ حدیث چاہتے ہو؟ (مسلم جلد ۱ ص ۱۴۲) وریہ ص ۹۲) علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں (طبقات جلد ۲، قسم دوم ص ۱۸) ابن حجاج عسلی ان کو امام اور شیخ الاسلام کہتے ہیں۔ (شذرات الذہب جلد ۱ ص ۲۱۲) امام ابن معین، امام احمد، نسائی اور عسلی سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ثوریؒ کا بیان ہے کہ وہ حفاظ بصرہ میں تھے۔ امام شعبہؒ فرماتے تھے کہ سلیمانؒ خالص اور مجہم ثقیل تھے۔ امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ مجھے کسی ایسے شخص کی صحبت کبھی نصیب نہیں ہوئی جس کے دل میں سلیمانؒ یمی سے زیادہ خوف خدا موجود ہو۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ، متقن، حافظ، صاحب سنت اور بصرہ کے عبادت گزاروں میں تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۷۰۲) علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ، الامام اور شیخ الاسلام کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۲۲)

سے محدث ابن ناصر الدینؒ کا بیان ہے کہ وہ مفسر قرآن آیت فی الحفظ اور نسب انی کے امام تھے۔ (شذرات الذہب جلد ۱ ص ۱۵۳) ابن سعد ان کو ثقہ، مامون اور حجت کہتے ہیں۔ (طبقات جلد ۲، قسم دوم ص ۱) عبد الرحمن بن ہدیٰ کا بیان ہے کہ قتادہؒ حبیہ کے جیسے پچاس آدمیوں سے زیادہ بڑے حافظ تھے۔ (تہذیب الاسما جلد ۱، قسم اول ص ۵۴) حافظ ابن القیمؒ کہتے ہیں کہ وہ بصرہ کی جامعہ افتار کے ایک معزز رکن تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۲۳۸) ابن سیرینؒ کا بیان ہے کہ قتادہؒ سب لوگوں سے زیادہ بڑے حافظ تھے (کتاب العلل ترمذی ص ۲۳۸) اور (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)



ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا  
 فبین لنا سنتنا وعلما صلوٰتنا فقال  
 اذا صلیتم فاقیموا صلوٰتکم ثم لیؤمکم  
 احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فأنصتوا  
 واذا قال غیر المَغضوب علیہم ولا الضالین  
 فقولوا آمین۔ الحدیث  
 (مسلم جلد ۱ ص ۱۷۴)

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب  
 فرمایا اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین  
 فرمائی اور نماز کا طریقہ بتلایا اور یہ فرمایا کہ نماز پڑھنے  
 سے قبل اپنی صفوں کو درست کر لو۔ پھر تم میں سے  
 ایک تمہارا امام بنے۔ جب وہ تکبیر کے تو تم بھی تکبیر  
 کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور  
 جب وہ غیر المَغضوب علیہم ولا الضالین کہے  
 تو تم آمین کہو۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ قرأت کرنا امام کا فریضہ اور ڈیوٹی ہے۔ مقتدیوں کا وظیفہ  
 صرف خاموش رہنا اور انصاات کرنا ہے اور ان کے لیے بغیر انصاات کے اور کوئی گنجائش  
 نہیں ہے اور چونکہ یہ روایت مطلق ہے۔ لہذا سب سے زیادہ ہری تمام نمازوں کو شامل ہے۔  
 اور مقتدیوں کو کسی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت اور گنجائش نہیں ہے۔  
 یہ روایت صحیح مسلم کے علاوہ حدیث وغیرہ کی دیگر معتبر اور مستند کتابوں میں بھی موجود ہے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۷۵)۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور العلماء  
 کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۱۵) حافظ ابن کثیر رحمہ ان کو احد علماء النبا بعین والاکرمۃ العالمین لکھتے ہیں  
 (البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۹ ص ۱۳۳) امام بیہقی رحمہ ان کو حافظ حدیث لکھتے ہیں (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۰۹)  
 رحمہم میں ان کی وفات ہوئی ہے۔

ابو یونس بن جابرؒ امام مسلم کا بیان ہے کہ وہ حدیث کے بیان کرنے میں سختہ کا رِ حَدَث تھے۔ (مسلم جلد ۱ ص ۱۷۴)  
 امام ابن معینؒ علیؒ اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ نسائیؒ ان کو ثقہ اور ثبت کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو  
 ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۳۹)

ابو حنبلہؒ ابن عبد اللہ الرقاشیؒ امام علیؒ اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ محدث ابن مدینیؒ ان کو ثبت  
 کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۷۹) حضرت ابو موسیٰ  
 الاشعریؒ جلیل القدر اور صاحب مناقب صحابی ہیں۔



جس طرح کہ حاشیہ سے بخوبی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حافظ ابو عوانہ رحمہ کی بعض سندیں ملاحظہ فرمائیں :

امام ابو عوانہ رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الصائغ رحمہ نے مکہ مکرمہ میں بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن عبد اللہ رحمہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے جریر نے بیان کیا۔ وہ سلیمان بن یثیم سے اور وہ قتادہ سے اور وہ ابو غلاب یونس بن جابر سے اور وہ حطان بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

۱۔ یہ روایت ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۲۰، مسند احمد جلد ۲ ص ۳۱۵، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۵، بیہقی جلد ۲ ص ۱۵۵  
ابن ماجہ ص ۶۱، محلی ابن حزم جلد ۳ ص ۲۲۰۔ مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۸۱۔ جامع صغیر سیوطی ص ۳۰۔ معنی ابن قتادہ جلد ۱ ص ۶۰۲۔ قتادری ابن تیمیہ جلد ۲ ص ۱۲۲، نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۴۹۔ نصب الرایہ جلد ۲ ص ۱۴۰۔  
توحید النظر ص ۲۲۰۔ شرح بلوغ المرام جلد ۱ ص ۲۲۵۔ فتح الباری جلد ۲ ص ۲۰۱۔ نہ ہر البی جلد ۱ ص ۱۲۶۔  
درایہ ص ۹۹۔ ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۸۰۔ اعلیٰ السنن جلد ۲ ص ۲۲۰۔ کتاب القراءة ص ۸۴۔ امام الکلام  
ص ۱۱۱۔ کنز العمال جلد ۲ ص ۶۹، ۱۸۶۔ فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۳۱۔ شرح نقایہ ص ۸۳۔ عون الباری  
جلد ۲ ص ۳۶۲۔ عون المعبود جلد ۱ ص ۳۲۵۔ تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص ۱۵۲۔ عمدۃ القاری جلد ۳ ص ۲۵۹۔  
فصل الخطاب ص ۲۴۔ آثار السنن جلد ۱ ص ۸۵۔ جوہر النقی جلد ۱ ص ۱۵۳۔ تحفۃ الخواری جلد ۱ ص ۲۵۹۔  
کتاب العطل جلد ۱ ص ۱۶۲۔ شرح المنقح لکبیر جلد ۱ ص ۱۳۲۔ تنقیح الاخبار جلد ۲ ص ۱۳۲۔ تعلیق المعنی جلد ۱ ص ۱۲۲۔  
فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۲۔ جزاء القراءة ص ۵۶۔ تنویر العبادات ص ۸۶۔ انزالہ السیر ص ۵۱۔ خاتمۃ الخطاب  
ص ۱۶۔ بدل الجہود جلد ۱ ص ۵۵۔ برہان العجائب ص ۱۰۲۔ اور عقیدۃ الحمدیہ جلد ۲ ص ۱۹۳ وغیرہ  
حدیث، تفسیر، شرح حدیث اور کتب فقہ میں نقل کی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اس طرح لکھتے ہیں :  
کہا رواہ مسلم فی صحیحہ من حدیث ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انما جعل الزماہر لیوثم بہ فاذا کبر فکبروا  
واذا قرأ فانصتوا۔ ۱۔ (تفسیر جلد ۲ ص ۲۸۰) اور قاضی شوکانی رحمہ نے روایت اسی طرح  
نقل کی ہے۔ اور فرماتے ہیں رواہ احمد و مسلم۔ الخ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۵۰) اور امام احمد نے  
کتاب الصلوٰۃ ص ۵۲ میں اسی طرح نقل کی ہے۔  
(باقی نوٹ نمبر ۲ و ۳ و ۴ اگلے صفحہ پر دیکھئے)



خطبتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فعلینا سنتنا و بین لنا حصولنا فقال

اذا کبر الامام فکبروا و اذا قرأ فانصتوا

(صحیح ابوعوانہ جلد ۲ ص ۱۳۳)

کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے

خطاب کیا اور سنت کی تعلیم دی اور نماز کا طریقہ

بتلایا اور فرمایا کہ جب امام تکبیر کے تو تم بھی تکبیر کرو

اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

امام ابوعوانہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سلیمان بن اشعث سجستانی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے

ہیں کہ ہم سے عاصم بن نصرہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے معمر بن سنان نے بیان کیا۔ وہ

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سلیمان تیمی سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں (حدثنا قتادة) ہم سے

قتادہ نے بیان کیا۔ وہ ابوغلاب یونس بن جبر سے اور وہ حطان بن عبد اللہ الرقاشی سے

روایت کرتے ہیں۔ وہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

انھوں نے فرمایا:

(بغیر نوٹ پچھلا صفحہ) ۱۰ امام ابوعوانہ کا نام یعقوب بن اسحاق ہے (المتوفی ۲۱۴ھ) علامہ ذہبی ان کو

الحافظ اور الثقة الکبیر کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۳ ص ۲)

۱۱ الصائغ کا نام محمد بن اسماعیل بن سالم تھا۔ (المتوفی ۲۷۴ھ) محدث ابو حاتم نے ان کو صدوق کہتے ہیں۔

ابن خراش ان کو اہل فہم و اہل امانت کہتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۳ ص ۳۵)

تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۵۸

۱۲ علی بن عبد اللہ بن ماریہ۔ (المتوفی ۲۳۴ھ) علامہ ذہبی ان کو حافظ العصر قدوہ اور مناز باب هذا

الشان لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۵) امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ مامون اور احدا لائمہ فی

الحديث تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۳۵۶)

۱۳ صحاح ستہ میں مشہور کتاب سنن ابو داؤد کے مصنف ہیں۔ علامہ ذہبی ان کو الامام الثبت اور سید

الحفاظ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۵۲) ۱۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔

۱۴ محدث ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۵۸) حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ

ان کو صدوق لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۸۵) کسی کی جرح ان پر منقول نہیں ہے۔

۱۵ علامہ ذہبی ان کو الامام، الحافظ اور الثقة لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۷ ص ۲۳۶)



ان اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا فکان  
ما بین لنا من صلواتنا وعلما سنتنا  
قال اقیمو الصلوات ثم لیومکواحدکم  
فاذا کبر الہام فکبروا واذا قرأ فانصتوا  
(صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۳۱، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۱)

کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں خطاب فرمایا اور  
ہماری طرف سے صلوات کی تعلیم دی اور فرمایا کہ  
صلوات پڑھو اور سنت کیا کرو۔ تم میں ایک امامت کا فریضہ انجام  
دے جب امام تکبیر کرے تو تم بھی تکبیر کرو اور جب امام قرأت  
کرتے ہو تو تم خاموش رہو۔

امام ابوعوانہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سہل بن بکر جندسابوری نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے  
عبداللہ بن رشید نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوجبیدہ رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ وہ قتادہ سے روایت  
کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا  
قرأ الہام فانصتوا واذا قال غیر المغضوب  
علیہم ورا الضالین فقولوا آمین۔  
(ابوعوانہ جلد ۲ ص ۱۳۱)

آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام  
قرأت کرتے ہو تو خاموش رہو اور جب امام غیر  
المغضوب علیہم ورا الضالین پڑھے تو تم آمین  
کہو۔

ابو عبداللہ رشید اور ابوجبیدہ کو علامہ سمعانی مستقیم الحدیث لکھتے ہیں۔ (کتاب الانساب ص ۱۳۶)۔  
مولانا ظفر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ سہل بن بکر کا ترجمہ مجھے نہیں مل سکا۔ لیکن کنز العمال جلد ۱ ص ۱ میں لکھا ہے کہ صحیح  
ابوعوانہ کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ (اعلام السنن جلد ۲ ص ۴۹) اور تدریب الراوی ص ۵۵ میں ابوعوانہ کو صحیح کہا ہے  
میں شمار کیا ہے اور علامہ فہرستی نے ابوعوانہ کو صحیح و حسن کے الفاظ سے بیان کیا ہے (تذکرہ جلد ۲ ص ۱) راقم الحروف  
کہتا ہے کہ مبارک پوری صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے۔ چنانچہ وہ ایک سند کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ اور حافظ ابو  
عوانہ کی سند کا بھی صحیح ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے صحیح میں صحت کا التزام کیا ہے۔ (بلفظہ تحقیق الکلام  
جلد ۲ ص ۱۱۸) محقق نیموی نے اس کو متابعت میں پیش کیا تھا (تحلیق الحسن جلد ۱ ص ۸۵) اور مبارک پوری صاحب  
نے تصحیح طلب کی تھی۔ (ابکار المنہ ص ۱۵۲) مگر یہ عبارت خود ہی ان کا جواب ہے۔ خود اپنی پسند کے جواب سے  
بہتر جواب اور کیا ہو سکتا ہے؟ وکفی بنفسک الیوم علیک حسیا۔ مولانا عبداللہ صاحب روپڑی مرحوم  
نے الکتاب المستطاب ص ۸۶ میں اور مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۱۶ اور ص ۲۱۷ میں ابوجبیدہ اور سہل بن بکر  
کے بارے میں ادھر ادھر کے راویوں کا نام لسان المیزان اور کتاب الکافی دو لابی سے نقل کر کے ان کی جو تضعیف  
(بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)



ان تمام صحیح روایات سے معلوم ہوا کہ قرأت کرنا امام کا کام ہے اور مقتدیوں کا کام صرف خاموش رہنا اور انصاف کرنا ہے اور آپ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ جب امام ہر کرے تو تم خاموش رہو بلکہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور یہ مفہوم عبارتہ النص کے طور پر ہماری اور سب نمازوں کو شامل ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث پر فریق ثانی کی طرف سے جو اعتراضات وارد کیے گئے ہیں۔ ان کو نقل کر کے ان کے جوابات بھی ہدیہ ناظرین کر دیے جائیں۔ تاکہ فن روایت اور درایت کے لحاظ سے اس حدیث کی حقیقت بھی آشکارا ہو جائے اور اعتراضات کی پوزیشن بھی واضح ہو جائے۔

### پہلا اعتراض

حضرت امام بخاریؒ اور مبارک پوری صاحبؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں سلیمان ثمالی مدلس ہیں اور وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس لیے حسب قاعدہ محدثین یہ روایت قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔ (جزء القراءة ص ۵۶، تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۸۴ وغیرہ) جواب۔ یہ سوال بالکل سطحی قسم کا ہے۔

اولاً۔ اس لیے کہ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدلس راوی جب حدثنا وغیرہ الفاظ سے تحدیث کرے تو تدلیس کا الزام اس پر سے رفع ہو جاتا ہے اور ہم پہلے ابو عوانہ اور ابو داؤد کی صحیح سند کے ساتھ ان کی تحدیث (سلیمان ثمالی قال حدثنا قتادة) نقل کر چکے ہیں اور معتمر بن سلیمانؒ پر بھی مدلس ہونے کا الزام ہے۔ مگر ابو عوانہ اور ابو داؤد کی سند روایت ہیں وہ بھی سہولت فرماتے ہوئے تحدیث کرتے ہیں۔

(پچھلا صفحہ۔ حاشیہ) کی ہے وہ بالکل غلط ہے۔ بھلا صحیح ابو عوانہ کے یہ ضعیف راوی کیسے ہو سکتے ہیں جو تصریح محدثین صحیح ہے۔ ابو عوانہ کی سند میں جو راوی ہیں وہ بالکل ثقیل ہیں اور جن راویوں کی انھوں نے نشانہ ہی کی ہے وہ راوی ابو عوانہ کے ہرگز نہیں ہیں۔

۱۔ شرح شجرۃ الفکر ص ۵۳، تعلیق المعنی جلد ۱ ص ۱۲۰، اور تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۴۲ وغیرہ میں محدثین کا یہ قاعدہ نقل کیا گیا ہے۔



وثائقیاً۔ جملہ محدثین کا یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ اگر مدلس راوی کا کوئی متابع موجود ہو تو مدلس کا عیب اور طعن اس سے اٹھ جاتا ہے۔ چنانچہ مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ مدلس کا طعن متابعت سے اٹھ جاتا ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۶۲) اور صحیح ابو عوانہ کی روایت میں ابو عبیدہ سلیمان تیمی کے متابع ہیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ مولانا محمد حسن صاحب محدث فیض پوری فرماتے ہیں کہ صحیح ابو عوانہ کی مستقل سند میں ابو عبیدہ الحداد سلیمان تیمی کے متابع ہیں اور اس کی سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ (فی غایت الصحة) (الدلیل المبین) علاوہ انہیں دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۵ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۶ میں ان کے دو اور متابع موجود ہیں۔ عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ جب سلیمان تیمی خود تخریث کرتے ہیں اور ان کے تین ثقہ راوی متابع موجود ہیں تو یہ اعتراض کی کیا وقعت رہ جاتی ہے؟

دوسرا اعتراض:

حضرت امام بخاری، امام دارقطنی اور امام ابوداؤد وغیرہ فرماتے ہیں کہ واذا قلنا فانصتوا کی زیادت محفوظ نہیں ہے۔

لعمریٰ بہ الاسلام النبی فی  
هذا الحديث۔ (جزء القراءة ص ۵۶)

و کتاب الکنی ص ۱، دارقطنی جلد ۱

ص ۱۲۵ و ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۰

۱۔ عمر بن عامر۔ یہ مسلم کے روایات اور رجال میں تھے۔ امام ابن معین اور محدث عجمی ان کو ثقہ کہتے ہیں

اور امام احمد ان کو ثقہ اور ثبت فی الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۶۶)

۲۔ علامہ ذہبی ان کو الامام، الحافظ اور ابدالاعلام لکھتے ہیں۔ امام ابن معین اور نسائی ان کو ثقہ

کہتے ہیں۔ (مذکرہ جلد ۱ ص ۱۶۶) امام دارقطنی (المتوفی ۱۷۸۵ھ) اور امام بیہقی نے اس پر یہ اعتراض

کیا ہے کہ عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ کی سند میں سالم بن نوح واقع ہے۔ جو قوی نہیں ہے

اس لیے یہ روایت متابعت کے قابل نہیں ہے۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۵ و سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۶)

لیکن یہ اعتراض چنداں وزنی نہیں ہے۔ کیونکہ سالم بن نوح سے امام مسلم (مثلاً جلد ۱ ص ۲۳۶،



جواب۔۔ ان اکابر کا یہ عذر قابل سماعت نہیں ہے۔

اولاً اس لیے کہ سلیمان تیمیؒ بلا اختلاف ثقہ اور ثبت، متقن اور حافظ تھے۔ (جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں) اور تمام محدثین کا اس امر میں اتفاق ہے کہ ثقہ کی زیادت قابل قبول ہے۔ چنانچہ نقول ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ قسطلانیؒ (المتوفی ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ ثقات کی زیادت مطلقاً قابل قبول ہے۔ (قسطلانی جلد ۱ ص ۸) علامہ حارثیؒ (الشافعی المتوفی ۵۸۴ھ) لکھتے ہیں کہ ثقہ راوی کی زیادت مقبول ہے۔ (کتاب الاعتبار ص ۲) امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ ثقہ اور حافظ راوی کی زیادت قابل قبول ہوتی ہے۔ (کتاب العلیل ۲ ص ۲۴) امام حاکمؒ کا بیان ہے کہ فقہائے اسلام کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ متون اور اسانید میں ثقات کی زیادت مقبول ہوگی۔ (مستدرک جلد ۱ ص ۳) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ محدث ابن خزیمہؒ کا بیان ہے کہ حافظ متقن اور مشہور راوی کی زیادت کا انکار ہرگز نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کی زیادت بہر حال قابل قبول ہوگی۔ لیکن اگر کوئی ایسا راوی جو اس کے ہم پایہ نہ ہو اور متواتر حدیث میں ایک جگہ زائد کرے تو وہ زیادت قابل قبول نہیں ہے۔ (محصلاً کتاب القراءة ص ۹۵) لیکن سلیمان تیمیؒ تو دوسرے راویوں سے بڑے حافظ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) ص ۲۹۹، ص ۳۵۶، جلد ۲ ص ۱۸۷، ص ۲۲۳، ص ۲۹۵، ص ۳۴۴، ص ۳۹۶، ص ۳۹۸ (غیر میں) اور ابن خزیمہؒ اور ابن حبانؒ نے اپنے اپنے صحیح میں احتجاج کیا ہے۔ (حدیث النقی جلد ۱ ص ۱۵۲) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ما بعدیثہ بائیں ان کی حدیث میں کوئی خرابی نہیں۔ ابو زرؒ نے ان کو لا بائیں بہ اور صدقہؒ کہتے ہیں۔ امام یحییٰؒ کہتے ہیں ما بائیں بذلك ان میں کوئی خرابی نہیں۔ ابن عدیؒ ان کی حدیثوں کو اقرب الی الصواب کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ساجیؒ ان کو صدوق اور ثقہ کہتے ہیں۔ ابن شاپینؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ابن قانعؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۴۴۴) فریق ثانی ان کا موازنہ فرما محمد بن اسحاقؒ سے کر دیکھے جن کی روایت سے ان کا احتجاج ہے۔

و بعضہا متبیین الزشیاء

لہذا امام دارقطنیؒ نے تشہد کے باب میں وحدۃ الزشیاءؒ کی زیادت کو جس میں سلیمان تیمیؒ متفقہ ہیں صحیح تسلیم

کیا ہے۔ دیکھو دارقطنیؒ جلد ۱ ص ۱۳۴



امام نووی کہتے ہیں کہ جمہور محدثین اور علمائے فقہ و اصول اس بات پر متفق

ہیں کہ ثقہ راوی کی زیادت اور تفرد مقبول ہے۔ (تلخیص المستدرک جلد ۱ ص ۳۱) علامہ ماردینی<sup>۲۷</sup> کہتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔ (البحر ہر النقی جلد ۱ ص ۱۵۵) علامہ زیلعی کا بیان ہے کہ ثقہ متقن اور حافظ راوی کی زیادت قابل قبول ہوتی ہے۔ (زیلعی جلد ۱ ص ۳۳۴) حافظ ابن حجر بھی اس کی تصریح کرتے ہیں۔ (شرح منہج الفکر ص ۳) علامہ جزائری<sup>۲۸</sup> کہتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔ (توجیہ النظر ص ۲۶۳) مولانا شمس الحق عظیم آبادی<sup>۲۹</sup> کہتے ہیں کہ ثقہ راوی جب تنہا کوئی زیادت نقل کرے تو وہ صحیح ہے اور اگر کوئی دوسرا بھی اس کے ساتھ اس زیادت کو بیان کرتا ہو تو اس کے صحیح ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ (تعلیق المغنی جلد ۲ ص ۳۸) نواب صاحب<sup>۳۰</sup> کہتے ہیں کہ وثاک بیست کہ زیادت ثقہ مقبول است۔ (بدایہ النہج ص ۵۶) مبارک پوری<sup>۳۱</sup> صاحب کہتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت مقبول ہے (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۰۵) مولانا گنگوہی<sup>۳۲</sup> تحریر فرماتے ہیں کہ اور زیادت ثقہ کی باتفاق جملہ محدثین قدیم و جدید کہ جن میں خود بخاری علیہ الرحمۃ بھی ہیں صحیح و معتبر ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (ہدایۃ المقتدی ص ۵) ان تمام اقتباسات سے یہ بات یقیناً اور حتماً ثابت ہو جاتی ہے کہ سلیمان تیمی<sup>۳۳</sup> (جو لا نکیر الامام، الحافظ ثقہ، ثبت اور شیخ الاسلام تھے) کی واذا قرأ فانصتوا کی زیادت بالکل صحیح اور معتبر ہے۔ اس کا انکار کرنا فن حدیث کے طے شدہ اصول سے انحراف کرنا ہے جو یقیناً مردود ہے۔ امام بخاری<sup>۳۴</sup> فرماتے ہیں کہ

لہ یہ سب بحث روایتی حیثیت سے تھی اور روایتی لحاظ سے بھی یہ زیادت بالکل صحیح ہے مبارک پوری صاحب<sup>۳۵</sup> کہتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت اس وقت شاذ اور ناقابل قبول ہوتی ہے جب اصل روایت کے منافی ہو اگر اصل اور ماقبل کے منافی نہ ہو تو جمہور محققین کے نزدیک وہ زیادت قابل قبول ہوتی ہے۔ (ابکار المنیر ص ۴۳) اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ<sup>۳۶</sup> کہتے ہیں کہ واذا قرأ فانصتوا کی زیادت ماقبل (وانما جعل الزاماً لمیریتہم بد) کے ہرگز منافی نہیں ہے بلکہ اس کے عین مطابق ہے کیونکہ انصت کرنا اور خاموش رہنا احکام اور اقتداء کے ہرگز منافی نہیں ہے بلکہ جو لوگ امام کے پیچھے قرأت کے وقت خاموشی اختیار نہیں کرتے وہ درحقیقت مؤثم اور مقتدی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں اس لیے کہ ان کی امام کے پیچھے قرأت کرنا سراسر



والزيادة مقبولة والمفسر يقضي على المبهم  
اذا رواه اهل الثبوت... اه (بخاری ج ۲)

امام خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ

قال الجمهور من الفقهاء واصحاب

الحديث زيادة الثقة مقبولة اذا انفرد

بها... اه (کفاية ص ۲۲۳)

اور مختلف اقوال و آراء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

ان اقوال میں سے جو قول ہم اختیار کرتے ہیں

والذي نتخذه من هذه الاقوال ان

وہ یہ ہے کہ زیادت جہاں بھی وارد ہو وہ بہر صورت

الزيادة الواردة مقبولة على كل الوجه

مقبول اور قابل عمل ہے جب کہ اس کا راوی عادل

ومعقول بها اذا كان راويها عادلاً

حافظ اور متقن ضابطہ ہو۔

حافظاً ومتقناً ضابطاً... اه (کفاية ص ۲۲۵)

اور ثواب صاحب فرماتے ہیں کہ ونیز زیادت ثقة مقبول است مطلقاً نزد جماہیر از

اہل حدیث وفقہ واصول قالہ النووی... اه (ہدایۃ السائل ص ۱۹۱) اور علامہ محدث حسین

بن محسن انصاری نے شاذ اور معطل پر بڑی نفیس بحث کی ہے اور لکھتے ہیں کہ جب ثقة راوی

زیادت نقل کرے تو وہ مستقل حدیث کے حکم میں ہے اس کو رد کرنے کا کیا معنی ہے (البيان المکمل

ص ۶، المنظم مع الدارقطني) اور امام نووی لکھتے ہیں کہ

جمهور فقہاء اور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ

ومذهب الجمهور من الفقهاء والمحدثين

زیادت ثقة مطلقاً مقبول ہے۔

قبولها مطلقاً (تقریب النووی مع تدریب

الراوی ص ۱۵۶)

اور علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ

اور ابن طاہر نے دعویٰ کیا ہے کہ اس قول پر

وقد ادعى ابن الطاهر اتفاق على

سبک اتفاق ہے۔

هذا القول... اه (تدریب الراوی ص ۱۵۶)

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) اقتدار کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۲۲)



مؤلف خیر الکلام ص ۲۸۸ میں ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جب ان کا فقر ہونا ثابت ہوا تو اس صورت میں ان کا فقر کوئی مضر نہیں ہوگا۔۔۔ احمد

حافظ ابن حجر ایک مقام پر لکھتے ہیں :

وعلى تقدير تفرد الراوى بذكرها  
لا يستلزم ذلك تخطئته (اذا نهاك كون  
زيادة من ثقة حافظ غير منافية  
لرواية رفقة فتقبل ولا تكون شاذة  
وله معنى لرد الروايات الصحيحة بهذه  
التعليقات الواهية - (فتح الباری جلد ۱ ص ۲۲۷ طبع مصر -)  
اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس زیادت کے ذکر  
کرنے میں او زاعی متفرد ہے تب بھی اس سے یہ  
ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ان کی خطا ہے کیونکہ یہ ثقہ اور  
حافظ کی زیادت ہے اور یہ اس کے باقی رفقا کی روایت  
کے متافی نہیں ہے سو یہ قابل قبول ہے اور شاذ نہیں ہے  
اور صحیح روایات کو ان ریکہ ہانوں سے (کہ یہ شاذ ہیں)  
ٹھکرانے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

اور قاضی شوکانی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۱۸۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :  
ولا يلتفت الى تعليل الحديث به اذا كانت  
الرافعة ثقة۔ (نیل جلد ۱ ص ۲۰۲)  
اور شاذ کہہ کر روایت کو مطول قرار دینے کی طرف  
کوئی توجہ نہیں کی جاسکتی جب کہ رافع ثقہ ہے۔

حضرات محدثین کرام، فقہار عظام اور ارباب اصول کا یہ اتفاقی اجماعی اور طے شدہ قاعدہ  
ہے کہ جب راوی ثقہ اور حافظ ہو اور وہ زیادت نقل کرے تو مطلقاً اس کی روایت مقبول ہے  
اور بحمد اللہ تعالیٰ سلیمان تیمی ثقہ اور حافظ ہیں لہذا ان کی زیادت واذا اقرأ فانصتوا بہر حال مقبول  
ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا (ص ۳۱۵، ص ۳۱۶ میں) اور اسی طرح قاضی  
قاضی مقبول احمد صاحب کا (ملاحظہ ہو الاعتصام ص ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

امام بیہقی کی تقلید میں اس کو شاذ کہنا بالکل غلط اور قطعاً باطل ہے اور تمام اصول کے خلاف ہے۔  
جس کی حیثیت ایک پرکاش کی بھی نہیں ہے اور اصول حدیث کے پیش نظر اس کو کوئی سننے کے لیے  
تیار نہیں ہے۔ اپنے جی کو خوش کرنے یا اپنے حواریوں کا غم ہلکا کرنے کے لیے وہ بڑے شوق سے  
اس کو شاذ کہتے پھریں۔

وثانیاً۔ اس زیادت کے نقل کرنے میں سلیمان تیمی متفرد نہیں، بلکہ صحیح ابو عوانہ کی روایت



میں ابو عبیدہ بھی اس زیادت کو نقل میں سلیمان تیمی کے ساتھ ہیں اور ابو عوانہ کی سند کا صحیح ہونا خود  
مبارک پوری صاحب کو بھی مسلم ہے۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ نیز عمر بن عامر اور سعید بن  
ابی عروہ بھی اس زیادت کو بیان کرتے ہیں اور دونوں ثقہ ہیں اور ان کی سند علی شرط مسلم صحیح  
ہے کما مثل الغرض فریق ثانی کا یہ اعتراض سراسر باطل ہے اور یہ اس حدیث کی صحت پر کسی  
طرح اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ

وما اعله البخاری فليس بقادح في صحته  
امام بخاری (وغیرہ) نے اس حدیث کو معلول بھرا  
(تنوع المبادات) کی جو کوشش کی ہے تو اس سے اس کی صحت پر  
کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

الحاصل سلیمان تیمی کی یہ روایت بلا شک و شبہ بالکل صحیح ہے اور اس میں ان کی غلطی  
بتلایان پر بہتان باندھنا ہے۔ امام احمد سے کسی نے سوال کیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ سلیمان تیمی  
نے خطا کی ہے تو امام احمد نے جواب دیا: جس شخص نے سلیمان تیمی کی طرف خطا کی نہایت کی ہے  
وہ ان پر بہتان باندھتا ہے (الجوہر النقی جلد ۲ ص ۵۵) اس روایت میں اصل قصور اور خطا  
ان روایت کی ہے جنہوں نے یہ صحیح زیادت تک کر دی ہے۔ فسا علمہم اللہ تعالیٰ بعموم فضله۔  
مؤلف خیر الکلام نے اپنے پیشرو حضرات کے نقش قدم پر چل کر وادقراً فانصتوا کی  
زیادت کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دھینگا دھینگا غیر مقبول اور شاذ بنانے کی کوشش ناکام  
کی ہے۔ اور شاذ کی تعریف پر مطلقاً غور نہیں کیا اور غور کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ پھر  
تو قلعی کھل جاتی تھی اگرچہ انہوں نے ص ۱۸۰ میں شرح شعبہ اور مقتضب بن الصلاح وغیرہ سے  
شاذ کی تعریف نقل کی ہے لیکن لفظ مخالف فیہ انماں پر غور نہیں کیا شاذ کی تعریف نیچے  
حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ

قال الشافعی ليس الشاذ من  
الحديث ان يروى الثقة ماله يرويه  
غيره هذا ليس بشاذ وانما الشاذ  
ان يروى الثقة بخلاف فيه الناس  
شاذ وہ حدیث نہیں ہے جس کو ثقہ روایت  
کرے اور دوسرے روایت نہ کرتے ہوں بلکہ  
شاذ وہ روایت ہے جس کو ثقہ روایت کرتا ہو  
مگر اس میں دوسرے لوگوں کی مخالفت کرے



یہ ہے مشاد۔

هَذَا الشَّاذُّ مِنَ الْحَدِيثِ

(معرفة علوم الحديث ص ۱۱۹)

امام مسلم فرماتے ہیں کہ

وعلمنا من المنكر في حديث المحدث

اذا ما عرضت رواية للحديث على رواية

غيره من اهل الحفظ والرضي مخالفت روايته

روايتهم اولم تكد توافقها فاذا كانت

از غلب من حديثك كذا لك كان مهجور

الحديث غير مقبول ولا مستعمل۔

۱۰۰ (مسلم جلد ۱ ص ۵)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ

لان الزيادة اما ان تكون لا تنافي

بينها وبين رواية من لم يذكرها

فهذه تقبل مطلقا لانها في حكم التحدث

المستقل الذي يتفرد به الشقة ولا يرد

عن شيخه غيره واما ان تكون منافية

بحيث يلزم من قبولها رد الرواية

الآخرى فهذه هي التي يقع الترجيح

بينها وبين معارضتها فيقبل الراجح

ويرد المرجوح ۱۰۰

(شرح نخبه الفكر ص ۳۷)

اور تدریب الراوی میں ہے۔

اور محدث کی قابل انکار حدیث کی علامت

یہ ہے کہ جب اس کی روایت دوسرے اہل حفظ

اور پندیدہ راویوں کی روایت پر پیش کی جائے تو

اس کی روایت ان کی روایت کے مخالف ہو یا ممکن

ہی نہیں کہ اس کے موافق ہو پس جب اس کی حدیث

پر غلب یہ ہو تو اس کی حدیث متروک اور غیر مقبول

ہوگی اور قابل عمل نہ ہوگی۔

کیونکہ زیادت یا تو ایسی ہوگی کہ اس میں اور

دوسرے راویوں کی روایت میں جھوٹ اس کو

ذکر نہیں کیا منافاة نہ ہوگی تو ایسی زیادت مطلقا

مقبول ہے کیونکہ یہ مستقل حدیث کے حکم میں ہے

جس کے بیان میں ثقہ راوی متفرد ہوا اور اس کے

شیخ سے اور کوئی روایت نہ کرتا ہوا اور یا وہ زیاد

ایسی ہوگی کہ وہ دوسرے راویوں کی روایت

کے منافی ہوگی اس حیثیت سے کہ اس کے قبول

کر لینے سے دوسری روایت کا رد لازم آتا ہو تو

اس میں اور اس کی معارض میں ترجیح کا سوال ہوگا

راجح کو قبول کیا جائے گا اور مرجوح کو رد کیا جائے گا۔



ثم يفسرون الشذوذ بمنخالفة  
الثقة من هو وثق منه والمنقول عن  
ائمة الحديث المتقدمة من كتاب  
مهدي ويحيى القطان واحمد وابن  
معين وابن المديني والبخاري وابي  
زرعة وابي حاتم والنسائي والدارقطني  
وغيرهم اعتبار الترجيح فيما يتعلق  
بالزيادة المنافية بحديث يلزم من  
قبولها رد الرواية الاخرى ... اه  
(تدريپ الراوى ص ۱۵۷)

اور ترجيح النظر میں ہے۔

وزيادة راوى الصحيح والحسن  
تقبل مطلقاً ان لم تكن منافية لرواية  
من لم يذكرها لانها حينئذ كالحدیث  
المستقل الذى يتفرد به الثقة ولا  
يرويه عن شيخهم غيره فان  
كانت منافية لها بحديث يلزم من  
قبولها رد الرواية الاخرى بحديث  
عن الراجح منها فان كان الراجح  
منها رواية من لم يذكر تلك الزيادة  
لمزيد ضبطه او كثرة عدله او  
غير ذلك من موجبات الترجيح ان  
ردت تلك الزيادة وان كان الراجح

پھر حضرات محدثین شذوذ کی تعریف یہ  
کرتے ہیں کہ ثقہ راوی ثقہ تر راوی کی مخالفت  
کرے اور متقدمین ائمہ حدیث مثلاً ابن ہمدانی  
یحیی القطان، احمد، ابن معین، ابن المديني  
بخاری، ابو زرعة، ابو حاتم، نسائی اور دارقطني  
وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ اعتبار ترجیح کا اس منافی  
زیادت سے متعلق ہے جس کا قبول کر لینا  
دوسری روایت کے رد کو مستلزم ہو۔

صحيح اور حسن کے راوى کی زیادت مطلقاً  
مقبول ہے اگر وہ ان راویوں کی روایت کے  
مخالف نہ ہو جنہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ  
وہ اس وقت مستقل حدیث کے حکم میں ہے  
جس کو ثقہ راوی انفرادی طور پر بیان کرتا ہے  
اور اس کے شیخ سے کوئی اور اس کا راوی  
نہیں ہے۔ پس اگر وہ زیادت دوسری روایت  
کے جس میں زیادت نہیں ہے بایں طور منافی  
ہو کہ اس زیادت کے قبول کر لینے سے اس  
روایت کا رد لازم آتا ہو تو یہاں راجح و مرجح  
کی بحث چلے گی۔ اگر راجح ان راویوں کی روایت  
ہے جنہوں نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ مزید ضبط



منہاروایتہ من ذکر تلک الزیادۃ یا کثرۃ عدد یا ترجیح کے اور اسباب میں سے  
قبلت ..... ۱ھ کوئی سبب ہو تو اس زیادت کو رد کر دیا جائے گا

(توجیہ النظر ص ۲۱۹ و ۲۲۰) اور اگر راجح اس کی روایت ہے جس نے اس

کو ذکر کیا ہے تو زیادت قبول کر لی جائے گی۔

ان تمام اقتباسات سے روز روشن کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ شاذ اور غیر  
مقبول روایت میں حضرات محدثین کرام کے نزدیک ایک بنیادی شرط ہے وہ یہ کہ  
اس کی روایت باقی ثقات کی روایت کے مخالف اور منافی ہو اور مخالفت اور منافات  
بھی بایں طور کہ اس کے تسلیم کر لینے سے ان باقی ثقات کی روایت (جس کو وہ اپنے شیخ  
سے صحیح اور متصل سند کیساتھ روایت کرتے ہیں اور ان میں وجہ ترجیح بھی موجود ہیں جن کو نظر انداز نہیں  
کیا جاسکتا۔) کا رد لازم آتا ہو اور اس زیادت کی اصل حدیث کے ساتھ موافقت  
کی مطلقاً کوئی راہ نہ پیدا ہوتی ہو (اولہو تکد توافقہا) لیکن یہاں و اذا قرأ فانصتوا کی  
زیادت کا معاملہ ہرگز ایسا نہیں ہے کیونکہ اس کی اصل روایت سے قطعاً کوئی مخالفت  
اور منافات نہیں ہے بلکہ یہ تو حدیث کے اول حصہ کی مؤید ہے جیسا کہ ہم نے شیخ الاسلام  
ابن تیمیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس کا کوئی جواب مؤلف خیر الکلام نے نہیں دیا بلکہ حارثیوں  
کو مغالطہ دینے کے لیے یہ لکھ مارا ہے کہ قبول کرنے والوں نے شذوذ کا کوئی جواب نہیں دیا  
(ص ۴۲۲) ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ و اذا قرأ فانصتوا کی زیادت انما جعل الزمما  
لیؤتو بہ کی عین مؤید ہے۔ اس کے منافی اور مخالف ہرگز نہیں اس لیے یہ کسی صورت  
میں شاذ اور غیر مقبول نہیں ہے۔ رہا مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ جو لوگ اس زیادتی کو بقیہ  
حدیث کے منافی قرار دیتے ہیں۔ ان کی تقریر یہ ہے کہ شروع حدیث میں یہ جملہ ہے انما  
جعل الزمما لیؤتم بہ کہ امام کی پیروی کرو اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں یہ لفظ بھی  
ہے فلا تختلفوا علیہ سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۷ اس کے ساتھ مخالفت نہ کر و یعنی جس طرح  
امام کرے اسی طرح کرو اس جملہ کا تقاضا یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے پڑھے (محصلہ  
ص ۴۳۳) تو یہ سب ان کی غفلت کا نتیجہ ہے :



اولاً۔ اس لیے کہ حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت میں انما جعل الامام لیؤتم بہ کا حصہ عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ کے طریق سے آتا ہے اور مؤلف خیر الکلام تو ضحاک میں ان کی حدیث کو شافذ کہتے ہیں۔ پھر بقول ان کے اس شافذ پر بنیاد رکھنا کیونکر صحیح ہے؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس روایت کا راوی سالم بن نوح ہے جو مؤلف خیر الکلام کے نزدیک ضعیف ہے۔

وثانیاً۔ فلا تختلفوا علیہ کا جملہ محمد بن عجلان کی روایت میں ہے اور وہ ان کے نزدیک وہی ہیں پھر اس کا کیا اعتبار؟

وثالثاً۔ اگر امام کی مخالفت کا یہی معنی ہے تو مقتدی نہ صرف یہ کہ سورۃ فاتحہ ہی پڑھیں بلکہ مازاد بھی پڑھیں اور جہر کے ساتھ پڑھیں اور ہر ایک امام کی طرح مصلیٰ پر کھڑا ہو۔ کیونکہ جو امام کرتا ہے سو مقتدی بھی کریں فلا تختلفوا علیہ پر پورا عمل ہونا چاہیے۔ الغرض ان رکیتے جہت سے اس صحیح زیادت کا انکار اور اس کو شافذ کہتا سر اسر باطل ہے۔

### تیسرا اعتراض

مبارک پوری صاحب (وغیرہ) لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں قتادہ مدلس ہے اور عنعنہ سے روایت کرتا ہے اور مدلس کی معنی روایت قابل اتفات نہیں ہوتی۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۸۱ و ابکار المنین ص ۵۸ وغیرہ)

جواب: یہ اعتراض بھی باطل ہے:

اولاً۔ اس لیے کہ یہ روایت مسلم کی ہے اور بخاری و مسلم کی ثقہ روایت سے مروی جملہ روایات کے صحیح ہونے پر اُمت کا اجماع و اتفاق ہے۔ اگر صحیحین کی معنی حدیثیں صحیح نہیں تو اُمت کا اتفاق اور اجماع کس چیز پر واقع ہوا ہے جبکہ راوی بہ سب ثقہ ہیں۔

وثانیاً۔ یہ روایت ابو عوانہ کی ہے اور باقر مبارک پوری صاحب انھوں نے اپنے صحیح میں صحت کا التزام کیا ہے۔ لہذا قتادہ کی اس سند کا صحیح ہونا ظاہر ہے۔

وثالثاً۔ محدثین کا اتفاق ہے کہ مدلس راوی کی تدلیس صحیحین میں کسی طرح بھی مضر نہیں ہے

۱۔ صحیحین کی تدلیس کے مضر نہ ہونے کا یہ قاعدہ امام نووی و قسطلانی کے علاوہ علامہ بخاری (المتوفی ۴۵۵ھ) (باقی نوٹ اگلے صفحہ پر ۲)



چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں کہ

وما فی الصحیحین من التذلیس فمحمول

صحیح بخاری و مسلم میں جو تذلیس واقع ہو تو وہ دوسرے

علی السماع من جملۃ آخری۔

دلائل سے سماعت پر محمول ہے۔

(مقدمہ ص ۱۸ و شرح مسلم جلد اول)

یعنی اگر صحیحین میں کوئی مدلس راوی عنعنہ سے روایت کرتا ہے تو محدثین کرام کے نزدیک

وہ ایسی ہے جیسے اس راوی نے حد ثنا اور اخبارنا وغیرہ سے تحدیث کی ہو اور علامہ قسطلانیؒ

لکھتے ہیں کہ امام اعمشؒ، قتادہؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ سے بخاری و مسلم میں جو روایتیں عنعنہ سے مروی

ہیں وہ سماع پر محمول ہیں۔ اگرچہ ہمیں ان کی تحدیث پر اطلاع نہ ہو سکے۔ کیونکہ امام بخاری و مسلم سے

متعلق ہم یہی اچھا اور نیک گمان قائم کر سکتے ہیں۔ (قسطلانی جلد ۱ ص ۹) امام سبکیؒ نے علامہ

مزنیؒ سے سوال کیا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جو روایتیں عنعنہ کے ساتھ نقل کی ہیں کیا ان میں

صراحت کے ساتھ تحدیث بھی ثابت ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اکثر روایات میں اس کا

ثبوت موجود نہیں ہے مگر ہمیں تحسین ظن کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ (تدریب الراوی ص ۵۹)

مؤلف خیر الکلام نے ص ۴۶۰ میں یہ لکھ کر اپنا دل خوش کر لیا ہے کہ مگر یہ قاعدہ ان احادیث

میں چلتا ہے جہاں تنقید نہ ہوتی ہو۔ یہ قاعدہ ہر جگہ جاری نہیں ہوتا۔ الخ مؤلف مذکور کو معلوم ہوتا

چاہیے کہ قاعدہ مذکورہ بخاری و مسلم کی تمام مدلس ایوں کے متعلق ہے صحیحین کی کوئی مدلس روایت اس قاعدہ

سے مستثنیٰ نہیں اور ایسی کوئی تنقید ان پر نہیں ہو سکی جس کی مدلس روایت ضعیف ہو سکے

لہذا صحیحین کے روایات کی تدلیس کی اڑ لے کر صحیح حدیث کا انکار کرنا قانون روایت اور فن حدیث کے

بالکل خلاف ہے جو ہر صورت مردود ہے ہاں اگر کوئی راوی ضعیف ہو تا تو معاملہ جدا ہوتا۔

و رابعاً۔ قتادہؒ کا شمار طبقہ اولیٰ کے ان مدلسین میں ہوتا ہے جن کی تدلیس کسی کتاب میں مضر

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) نے فتح المغیث ص ۷۷ میں اور امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی ص ۱۴۴ میں اور

محدث عبد القادر القرشیؒ (المتوفی ۷۷۵ھ) نے الجواہر المضیہ جلد ۲ ص ۴۲۹ میں اور نواب صاحبؒ نے

ہدایۃ السائل ص ۱۹ میں پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔



نہیں ہے۔ چنانچہ امام حاکمؒ لکھتے ہیں کہ مدلسین کا ایک گروہ وہ ہے جو اپنے جیسے یا اپنے سے بڑھ کر یا اپنے سے کچھ کم ثقہ راویوں سے روایت کرتا ہے، مگر وہ اس زمرہ سے خارج نہیں جس کی روایتیں قابل قبول ہوتی ہیں سو ایسے مدلسین میں ابوسفیانؒ، طلحہ بن نافعؒ اور قتادہ بن دعائمہؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ (معرفت علوم الحدیث ص ۱۰۳) علامہ ابن حزمؒ سے محدثین کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ان مدلسین کی فہرست بتاتے ہیں جن کی روایتیں باوجود تدلیس کے صحیح ہیں اور ان کی تدلیس سے صحت حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

منہم کان جلة اصحاب الحديث واثمة  
ان مدلسین میں جلیل القدر محدث اور مسلمانوں کے امام  
المسلمین کا الحسن البصریؒ و ابی اسحاق السبعیؒ  
شامل ہیں جیسے حسن بصریؒ، ابواسحاق السبعیؒ قتادہؒ  
وقتادہ بن دعائمہ و عمر بن دینار و سلیمان  
بن دعائمہ، عمرو بن دینار، سلیمان بن عمار، ابوالزبیر، سفیان  
الاعمش و ابی الزبیر و سفیان الثوری  
ثوریؒ اور سفیان علیہ السلام وغیرہ۔  
وسفیان بن عیینہ۔ (توجیہ النظر ص ۲۵۱)

معلوم ہوا کہ پہلے تو صحیحین میں کسی راوی کی تدلیس مضر نہیں۔ قتادہ کی ہوا کسی اور راوی کی اور پھر قتادہ کا شمار محدثین کے نزدیک ان مدلسین میں ہوتا ہے جن کی تدلیس کسی محل اور کسی موقع پر مضر نہیں ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام دارقطنیؒ نے جو یہ کہا ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ مدلس ہیں۔ لہذا یہ روایت متصل نہیں مردود ہے اس لیے کہ ولا شك عندنا ان مسلماً رحمه الله تعالى يعلم هذه القاعدة ويعلم انه ليس قتادة قلوباً وثبوت سماعه عنه لم يحتاج به الى ان قال و نسبة الى مثل قتادة الذي محله من العدالة والحفظ والعلم والغاية العالية۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۹) — اور ہمارے نزدیک اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ یہ قاعدہ جانتے ہیں کہ مدلس کا عہدہ قبول نہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ قتادہ رحمہ اللہ مدلس ہیں۔ اگر امام مسلمؒ کے نزدیک قتادہ کا سماع ثابت نہ ہو تو وہ اس سے احتجاج نہ کرتے۔ (پھر آگے فرمایا) اور امام دارقطنیؒ نے قتادہ جیسی شخصیت کی طرف ایسی بات منسوب کی ہے جن کا مقام عدالت اور حفظ اور علم اور کمال کے انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا ہے۔ — یہ حضرات محدثین کرامؒ کا طے شدہ ضابطہ ہے۔ علامہ ابن حزمؒ کی ظاہریت نہیں جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے کہا ہے اور امام حاکمؒ نے بھی







مسلم کی سب روایتیں صحیح نہیں کیونکہ انکی بعض روایتوں پر تنقید ہو چکی ہے تو پھر پوپ صاحب اور مودودی صاحب کا کیا قصور ہے؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں بخاری و مسلم کی سب روایتیں صحیح نہیں ہیں اور یہی فریق ثانی کے شیخ الحدیث صاحب کہہ رہے ہیں مگر کسی غیر مقلد کو اس پر ادب لایا جانے کی توفیق نہیں ہوتی؟ آخر کیوں؟ اگر انکی رائے کے مطابق کوئی اور بھی صحیحین کی بعض روایتوں پر تنقید کرے تو انکو چین چین نہیں ہوتا چاہیے۔ بلا شک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبقات المدلسین میں فتاویٰ رد کو تیسرے طبقہ کا مدرس کہا ہے مگر آخر میں اس سے رجوع کر لیا ہے۔

چنانچہ قاضی شوکانی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ونقل عنه انه قال لست راضياً عن شيء  
من تصانیفی لانها عملتها في ابتداء الامر  
ثم لم يتهلأ لي من يحمد رهامي سوى شرح  
البخاري ومقدمته والمشتبه والتهذيب  
ولسان الميزان ودودي عند في موضع  
آخر انه اثنى على شرح البخاري والتعليق  
والنخبه... اهـ (البدار الطالع ص ۹ طبع اول  
۱۳۲۸ھ)

حافظ ابن حجر سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے  
فرمایا کہ میں اپنی کسی تصنیف پر راضی نہیں ہوں کیونکہ  
وہ میں نے ابتدائی دور میں لکھی ہیں اور تحریر کرنا والا  
رفیق بھی مجھے میسر نہ ہو سکا (اس لیے ان تصانیف  
میں سقم رہ گیا ہے) ہاں فتح الباری اس کا مقدمہ  
مشتبہ تہذیب اور لسان المیزان پر میں خوش  
ہوں اور ان سے دوسری جگہ مروی ہے کہ انھوں  
نے فتح الباری، تعلق اور نخبہ کی بڑی تعریف کی ہے

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ موصوف بغیر ان چند کتابوں کے جن میں فتح الباری بھی ہے اپنی اور کسی  
تصنیف پر نہ راضی ہیں اور نہ اعتماد کرتے ہیں کیونکہ زندگی کے ابتدائی دور میں وہ کتابیں لکھی ہیں جن  
میں علم و عقل خام ہوتے ہیں اور قابل اعتماد رفیق بھی ان کو نصیب نہیں ہو سکا۔ تاکہ اس کی امداد  
شامل ہو جاتی اور ان کی ابتدائی کتابوں میں طبقات المدلسین بھی ہے۔ بخلاف اس کے فتح الباری  
اور دیگر چند کتابوں پر جن کے نام اوپر بیان ہو چکے ہیں وہ بڑے راضی ہیں اور فتح الباری  
(مثلاً جلد ۱ ص ۲۰۲ وغیرہ) میں فتاویٰ کی معنوں روایت کو صحیح کہہ رہے ہیں۔ لہذا انھوں نے  
اپنے سابق نظریہ سے رجوع کر لیا ہے۔ اور مؤلف خیر الکلام ص ۲۰۶ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں  
کہ اس کی سند میں فتاویٰ ہے جو تیسرے طبقہ کے مدلسین سے ہے اور یہاں عن کے ساتھ روا  
کرتا ہے مگر بعض علماء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ الخ مؤلف مذکور نے اس روایت







لطیفہ : اس حدیث میں سلیمانؑ کی وحدہ لا شریک لہ کی زیادت نقل کرنے میں متفرد ہیں اور امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ خالفہ ہشام و سعید و ابان و ابو عوانہ و غیرہم عن قتادہ... اھ کہ یہ سب راوی سلیمانؑ کی مخالفت ہیں۔ بایں ہمہ یہ روایت نہ معطل ہے اور نہ شاذ بلکہ متصل اور حسن ہے مگر افسوس کہ یہی سلیمانؑ تھی وجب و اذا قرأ فانصتوا کی زیادت نقل کریں اور ان کے ثقہ متابع بھی موجود ہوں تو روایت فوراً شاذ ہو جائے آخر کیوں؟

وایعاً۔۔۔ تحدیث کبھی یوں ہوتی ہے کہ خود راوی کہتا ہے حدثنی فلاں یا سمعت فلاں یا اسی قسم کے اور الفاظ استعمال کرتا ہے اور کبھی لفظ عن ہوتا ہے لیکن اوپر کاراوی حدث یا یحدث کہتا ہے یہ بھی تحدیث ہی ہوتی ہے اور و اذا قرأ فانصتوا کی روایت میں قتادہ کی تحدیث موجود ہے لہذا ان کو بدلس کہہ کر ان کی روایت کو رد کرنا قطعاً باطل اور یقیناً مردود ہے۔ چنانچہ ابوداؤد اور ابوعوانہ میں یوں ہے کہ

المعتمر قال سمعت ابا ثناء قتادہ عن ابی غلاب یحدثہ عن حطان بن عبد اللہ الرقاشی... اھ  
(ابوداؤد جلد ۱۲، ابوعوانہ ج ۲ ص ۱۳۲)  
معتمر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ (سلیمانؑ) سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قتادہ نے بیان کیا وہ ابوغلاب سے روایت کرتے ہیں انھوں نے قتادہ سے بطریق حطان بن عبد اللہ الرقاشی حدیث بیان کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابوغلاب نے قتادہ سے حدیث بیان کی ہے۔ تحدیث اور کیا ہوتی ہے؟ اور مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:  
یحدثہ ای یحدث ابوغلاب قتادہ یعنی ابوغلاب نے قتادہ سے حطان بن عبد اللہ عن حطان بن عبد اللہ الرقاشی کے طریق سے حدیث بیان کی ہے۔  
(بذل المنجھود جلد ۲ ص ۱۱۱)

اس لیے قتادہ کی تدلیس کا بہانہ بھی سراسر باطل ہے کیونکہ اس روایت میں تحدیث موجود ہے صرف غیر بالغ نظر لوگوں نے لفظ عن سے دھوکا کھایا اور دیا ہے۔ امام نوویؒ



لکھتے ہیں کہ

وكذا قال وحديث وذكر وشبهه فكله  
محمول على الاتصال والسماع -

اور اسی طرح لفظ قال اور حدیث اور ذکر اور  
ان کی مانند اور الفاظ اتصال اور سماع پر محمول  
ہیں۔

(شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۱)

لہذا اصول حدیث کے رُوسے قنادہ کی یہ روایت متصل اور صحیح ہے باقی خواتے بدلا  
بہانہ ہائے بسیار مؤرخ اسلام علامہ عبدالرحمن بن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) بخاری اور مسلم کی  
صحت اور مزینت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ومن اجل هذا قيل في الصحيحين  
بالاجماع على قبولهما من جهة الاجماع  
على صحة ما فيهما من الشروط المتفق  
عليها فلا تأخذك ريبه في ذلك فالقوم  
احق الناس بالظن الجميل بهم -

اور اسی واسطے کہا گیا کہ بخاری اور مسلم کی روایات  
کے قبول کرنے پر اجماع ہے اس لیے کہ جو صحت  
کی متفق علیہا شرطیں ان میں موجود ہیں ان پر اجماع ہو  
چکا ہے لہذا اس بارے میں ذرہ بھر شک نہ کر کیونکہ  
وہ حضرات تمام لوگوں میں ظن جمیل کے زیادہ مستحق ہیں

اور صحیح مسلم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

ثم جاء الزمام مسلم بن الحجاج القشيري  
رحمه الله تعالى فالف مسنده الصحيح  
حذا فيه حد والبخاري في نقل المجيع  
عليه... (مقدمة ص ۴۴۵)

پھر امام مسلم بن الحجاج القشیریؒ آئے اور انھوں نے  
اپنا مسند صحیح تالیف کیا جس میں وہ امام بخاریؒ کے  
نقل قرم پر چلتے رہے اور مجمع علیہا روایتیں نقل  
کرتے رہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

ولكن الشيطان لا يذكر ان الحديث قد تناخلا  
فيه مشائخنا واجمعوا على القول به  
والصحيح له (حجة الله البالغة ج ۱ ص ۱۳)

اور لیکن امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ صرف وہی حدیث  
ذکر کرتے ہیں جس میں انھوں نے اپنے اساتذہ سے  
بحث و مناظرہ کیا ہوتا ہے اور جس کے بیان کرنے اور  
تصحیح پر ان سب کا اجماع ہو چکا ہے

اور علامہ حسین بن محسنؒ لکھتے ہیں کہ



وقد حصل الاتفاق على الحكم بصحة  
ما في الصحيحين غير المستثنى... ۵۱  
بے شک اس بات پر اتفاق حاصل ہو چکا ہے کہ بخاری  
اور مسلم میں تمام روایتیں بغیر استثناء کے صحیح ہیں۔

(البيان المكمل ص ۲)

حضرات محدثین کرام کا یہ فیصلہ ہے لیکن غیر مقلدین حضرات کے شیخ الحدیث صاحب بخاری  
اور مسلم کی صحیح روایات کو بھی دودی صاحب اور پرویز صاحب کی طرح تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔  
فوا اسفاء۔۔۔ ترجمان الحدیث ماہ نومبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۳۱ میں جوابات ہمارے سے حق میں لکھی ہے وہ  
خود ان حضرات پر سو فیصد فٹ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

”ہم ناظرین کرام سے ایمان اور دیانت داری کا واسطہ دیکر رہتے ہیں کہ اگر محدثین اور  
رواقہ حدیث کے متعلق یہ راستے صحیح ہے جس کا اظہار یہ حضرات کر رہے ہیں تو انرا راہ انصاف  
بتلا یا جائے کہ کیا محدثین کی امانت و دیانت محفوظ رہی؟ منکرین حدیث نے آخر کو نسا  
تیر مارا جس کے زخموں سے ہم پریشان ہیں؟“

چوتھا اعتراض۔ مبارکپوری صاحب (وغیرہ) لکھتے ہیں کہ واذا قرأ فانصتوا کی زیادت  
کو امام بخاری، ابو داؤد، ابو حاتم، ابن معین، حاکم، دارقطنی، ابن خزیمہ، ذہبی، ابو علی نیشاپوری اور  
امام بیہقی وغیرہ تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے یہ زیادت صحیح نہیں ہو سکتی۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۸۳)  
جواب۔ ان حضرات کا اس زیادت کو صحیح نہ تسلیم نہ کرنا اس بات پر مبنی تھا کہ اس زیادت  
کے بیان کرنے میں سلیمان بن مسعود ہیں، نیز قتادہ کی طرح وہ مدلس بھی ہیں اور ان باتوں کے  
تسلیم و بخش اور مسکت جوابات آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ لہذا اس زیادت کے صحیح ہونے میں کوئی  
کلام نہیں ہو سکتا۔ اور مبارکپوری صاحب اور ان کے اتباع مردم شماری کے لحاظ سے حق و  
باطل، صحیح و غلط میں تمیز قائم رکھنا ضروری سمجھتے ہیں تو وہ بھی سن لیں:

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادت  
کو صحیح سمجھنے والے یہ حضرات ہیں:

۱۔ امام احمد بن حنبل (مسند احمد ۲ ص ۸۹، تعلیق الحسن جلد ۲ ص ۸۹، فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۲)

۲۔ امام مسلم (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۷، درایہ ص ۹)



۱۰۔ امام نسائی (بحوالہ فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۲)

۱۱۔ امام ابن جریر (تفسیر جلد ۹ ص ۱۱)

۱۲۔ علامہ ابن حزم (بحوالہ فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۲)

۱۳۔ امام منذری (معون المعبود جلد ۱ ص ۲۳)

تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۴، تحقیق الکلام

ص ۸۳، نفحة العنبر ص ۷۹

۱۴۔ حافظ ابن کثیر (تفسیر جلد ۲ ص ۲۸)

۱۵۔ امام اسحاق بن راہویہ (جوہر النقی جلد ۲ ص ۱۵۷)

تنوع العبادات ص ۸۶

۱۶۔ امام ابو بکر بن اثرم (فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۲)

۱۷۔ حافظ ابن حجر (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۱۰)

۱۸۔ امام ابو زرعہ رازمی (مقدمہ فتح الباری ص ۳۲۵)

قسطانی و تدرب الراوی ص ۳۱، مقدمہ مسلم

ص ۱۳، وازالہ ستر ص ۵۲

۱۹۔ امام موفق الدین ابن قدامہ (مغنی جلد ۱ ص ۴)

۲۰۔ امام شمس الدین ابن قدامہ (شرح مقنع للکیر

جلد ۲ ص ۱۳)

۲۱۔ امام ابن خزیمہ (برہان العجائب ص ۱۰۲)

نفحة العنبر ص ۷۹

۲۲۔ امام ابو عمر بن عبد البر (نفحة العنبر ص ۷۹)

۲۳۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (فتاویٰ جلد ۱ ص ۳۱۲)

و تنوع العبادات ص ۸۶

۲۴۔ امام ابو عوانہ (کیونکہ باقر ارباب کپوری صاحب

انہوں نے اپنے صحیح میں صحت کا التزام کیا

ہے اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری کی روایت

متعدد اسانید سے انہوں نے صحیح میں

درج کی ہے۔

۲۵۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب

(معون الباری جلد ۱ ص ۳۲۳)

۲۶۔ علامہ مارونی (الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۵۷)

۲۷۔ علامہ عینی (عمدة القاری جلد ۳

ص ۵۶)

۲۸۔ امام ابن مہین (۱۵

۱۔ امام مسلم سے ایک سائل نے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کی سند

کیوں بیان نہیں کی جب کہ وہ بھی آپ کے نزدیک صحیح ہے تو امام موصوف نے جواب ارشاد فرمایا کہ

میں نے ہر اس حدیث کو جو میرے نزدیک صحیح ہے۔

اپنے صحیح میں درج کرنے کا التزام نہیں کیا بلکہ میں نے

تصرف وہ روایتیں درج کی ہیں جن پر محدثین کا اجماع

واقع ہوا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

لیس کل شیء عندی صحیح و ضعیف

ما هنا انما وضعت ما هنا ما اجمعوا

علیہ۔ (مسلم جلد ۱ ص ۱۷۲)



۲۲۔ امام عثمانؓ بن ابی شیبہؓ

۲۳۔ امام علیؓ بن المہدیؓ رحمہ

۲۴۔ امام سعید بن منصورؓ خراسانیؓ رحمہ

۲۵۔ امام ابن صلاحؓ وغیرہ وغیرہ محدثین و

فقہاء اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں۔ جب سو فیصدی حقیقی و مالکی اور حنبلی اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں اور حنبلی شوافع اور غیر مقلدین حضرات کا ذمہ دار منصف مزاج اور معتد بہ گروہ و اذقانہ فائستوا کی زیادت کو صحیح سمجھتا ہے تو اس کے صحیح ہونے میں کیا شک ہے؟ اور یہ بھی طے شدہ قاعدہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ تو پھر نہ معلوم اس زیادت کی صحت کا انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر محض مردم شماری سے مبارک پوری صاحب میدان جیتنا چاہتے ہیں تو اس میں بھی ان کی شکست یقینی ہے۔ رہا مبارک پوری صاحب کا امام ابن خزیمہؒ کو اس زیادت کی صحت کے منکرین میں شمار کرنا تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ بریلان العجائب کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ امام

(بقیہ حاشیہ بچھا صفحہ) حافظ ابن صلاحؓ نے مقدمہ صفحہ ۲۴ میں اور امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی صفحہ ۴۴ میں اور علامہ جزائریؒ نے توجیہ النظر ص ۲۴۰ میں اس کی تصریح کی ہے کہ امام مسلمؒ کی مرواۃ اجماعاً علیہ کے جملہ سے یہ محدث ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام عثمان بن ابی شیبہؓ، امام سعید بن منصورؓ خراسانیؓ اور حافظ ابن حجرؒ ان میں امام علی بن المہدیؓ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۲۱۳) اور امام ابن صلاحؓ فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو امام مسلمؒ اپنے صحیح میں صحیح سمجھتے ہیں اس کا صحیح ہونا نفس الامر میں یقینی ہے۔ (غایت المأمول جلد ۱ ص ۴) اس کا ظہر سے گویا یہ تمام ائمہ حدیث حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی اس زیادت والی روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

۱۔ اثبات کا نفی پر مقدم ہونا محدثین کا طے شدہ مسئلہ ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اثبات کا نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔ (شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۰)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ المہذبت اولیٰ من النافی۔ (شرح نخبہ الفکر ص ۹۳) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ المہذبت اولیٰ من النافی (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۱) امیر بیانیؒ لکھتے ہیں: والاثبات مقدم (سبل السلا جلد ۲ ص ۲۴۲) نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اثبات مقدم است بر نفی (بدور الابلہ ص ۳۷۹) مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ من اثبت مقدم علی من نفی۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۱۶۱) مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ یہاں جرح ہی اثبات ہے۔ تصحیح اثبات نہیں ہے کیونکہ تصحیح ظاہر سبذ کے اعتبار سے ہے۔ اور (حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)



موصوف اس زیادت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح امام ابن معینؒ کو بھی منکر بن صحت میں شمار کرنا غلط ہے۔ کیونکہ نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ مسلم کی تمام مسند روایتوں کو صحیح سمجھتے تھے جن میں حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واذا قرأ فانصتوا کی زیادت والی روایت بھی شامل ہے۔ علاوہ بریں امام ابن معینؒ اور امام ابو حاتمؒ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادت پر کلام نہیں کیا بلکہ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اس زیادت پر کلام کیا ہے جس کا ذکر عنقریب ہو گا۔ (دیکھیے کتاب العطل ابن ابی حاتم جلد ۱ ص ۱۴۳ و سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۵۹ و بغیۃ الملعون جلد ۱ ص ۱۶) اس لیے حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اس زیادت کے انکار کرنے والوں میں ان کا شمار کرنا چہالت اور غفلت پر مبنی ہے۔

و وثول کی دنیا میں بھی دیکھ لیجیے کہ اس زیادت کے صحیح تسلیم کرنے والے زیادہ ہیں یا اس کے غلط قرار دینے والے: ع — چلی تھی برہمچی کسی پر کسی کے آن لگی

### پانچواں اعتراض

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ اور حافظ ابو علیؒ کہتے ہیں کہ حضرت قتادہؒ کے جملہ تلامذہ میں سے سلیمان تیمیؒ واذا قرأ فانصتوا کی زیادت کو نقل کرنے میں متفرد ہیں اور ائمہ حفاظ کی تضعیف (یقید حاشیہ پھیلا صفحہ) تضعیف شدہ و پر مطلع ہونے کی بنا پر اس جرح ہی اثبات ہے۔ (ص ۳۲۶) محض جی بدلانے کا ایک بہانہ ہے اور ایکٹے بہانہ ہے، اس شعبہ بازی سے اثبات کو نفی اور نفی کو اثبات بنا دینا کون تسلیم کرتا ہے؟ تصحیح صرف ظاہر سند کے لحاظ نہیں بلکہ ٹھوس اصول کے اعتبار سے ہے اور عرج کا مفہوم یہاں یہ ہے کہ روایت صحیح نہیں اور نفی کیا ہوتی ہے؟

ابو یزید العجائب مولانا محمد بشیر مہسوانیؒ (المتوفی ۱۳۲۹ھ) غیر مقلد کی تالیف ہے۔

ابو امام مسلم کی ایک عبارت ملاحظہ کیجیے جس سے امام بیہقیؒ نے اصل مضمون کا حلیہ بگاڑ دیا ہے:

وفي حديث جرير بن سليمان التيمي عن	جرير بن سليمان التيمي عن طريقه قتادة عن
قتادة عن الزيادة واذا قرأ فانصتوا وليس	في اور اس میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادت بھی
في حديث احد منهم فان الله عز وجل	موجود ہے اور کسی کی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)	



امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح پر مقدم ہے۔

دقیقہ حاشیہ پھیلا صفحہ) قال علی لسان نبیہ  
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان پر سب سے اللہ لیس  
صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اللہ لیس حدیث  
الافی روایت ابی کامل وحدہ عن ابی عوانہ  
روایت میں ہے جس کو وہ ابو عوانہ سے روایت کرتے  
(مسلم جلد ص ۱۷۲) ہیں۔

اس عبارت کو آپ اچھی طرح دیکھ لیں اور پھر امام بیہقی رحمہ اللہ کے اس ادعا کی داد دیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ  
واذا قرأ فانصتوا لیس فی حدیث احد منهم (کتاب القراءة ص ۸۷) واذا قرأ فانصتوا کی زیادت  
ان میں سے کسی کی روایت میں نہیں ہے۔ امام مسلم کے قول و لیس فی حدیث احد منهم کا تعلق قبل  
واذا قرأ فانصتوا سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ما بعد فان اللہ قال علی لسان نبیہ کے ساتھ ہے۔ اور  
یہ مضمون صرف ابو کامل کی روایت میں ہے اور کسی نے اس کو نقل نہیں کیا۔ مگر امام بیہقی رحمہ اللہ و لیس فی  
حدیث احد منهم کا تعلق ما قبل واذا قرأ فانصتوا کے ساتھ جوڑ کر خود غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں اور  
دوسروں کو مغالطہ دے رہے ہیں فسا حجة اللہ تعالیٰ بعموم فضلہ والعصمة بید اللہ تعالیٰ۔  
امام بیہقی رحمہ اللہ ایک مقام پر تحریر کرتے ہیں کہ بعض علماء نے آیت کی تفسیر میں زمین اسلام کا قول نقل کیا ہے لیکن اس نے  
پوری عبارت نقل نہیں کی اور اس کا یہی وتیرہ ہے کہ عبارات میں سے وہ صرف اس حصہ کو نقل کر دیتا ہے جو اس کے  
مفید مطلب ہو سکتا ہے اور باقی عبارت چھوڑ دیتا ہے تاکہ دیکھنے والا غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ یہ نقل کی دلیل ہے  
اور وہ اپنے دل میں یہ نہیں سوچتا کہ علیہذا الصلہ اور اس کے اس فعل سے واقف ہے اور بسا اوقات اس کی کتاب  
کو پڑھنے والا اس کی تلبیس پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ساتھ ایسی مغالطہ آفرینی سے محفوظ رکھے۔  
(کتاب القراءة ص ۹۴) مگر امام بیہقی رحمہ اللہ دوسروں کی شکایت کرتے کرتے خود اس کے مرکب ہو گئے ہیں۔ والمعصم  
من عصمة اللہ تعالیٰ۔

آپ ہی خود اپنے چہرہ خطا کو دیکھیں

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی۔

مؤلف خیر الکلام نے ص ۴۲۸ میں غلط فہمی کے عنوان سے یہ بے مغز بات کہی ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی غلطی نہیں  
معارض کی غلطی ہے اور پھر آگے لکھا ہے کہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ عبارت امام مسلم کی ہو اور کچھ امام بیہقی رحمہ اللہ کی  
طرف سے کہ دی ہو۔ (محصلاً) مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیے کہ ادھر ادھر کی باتیں حقیقت پر پردہ نہیں ڈال  
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)



ولہذا ما ولم یروھا مسندۃ فی صحیحہ (فوقی شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۵۵) خصوصاً جب کہ اس روایت کو امام مسلمؒ نے اپنے صحیح میں باسند پیش بھی نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت مسلمؒ کی مسند روایتوں میں شامل نہیں ہے۔

جواب۔ یہ بات جانے دیجئے کہ اس زیادت کے نقل کرنے میں سلیمان تیمی متفرد ہیں یا کوئی اور بھی اس کو بیان کرتا ہے؟ اور یہ بات بھی جانے دیجئے کہ حفاظ حدیث اس کی تصحیح پر متفق ہیں یا تضعیف پر؟ دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ حدیث جو حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور جس میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادت ہے۔ امام مسلمؒ کی مسند روایتوں میں ہے یا غیر مسند ہیں؟ امام نوویؒ کا یہ خیال کہ یہ مسند نہیں باطل اور مردود ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اور قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ وہو حدیث صحیح انخرجہ مسلم من حدیث ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فتح الباری جلد ۲ ص ۱۹۲ و نیل الاوطان جلد ۲ ص ۱۰۴) حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت صحیح ہے اور امام مسلمؒ نے اس کی تخریج کی ہے۔ فریق ثانی اصول حدیث کی کتابوں کی طرف مراجعت کر کے دیکھ لے کہ محدثین کی اصطلاح میں تخریج کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اور کوئی محدث جب کسی سند کے ساتھ روایت بیان کرتا ہے اور اسی سند کے روایت میں سے کسی کی زیادت کو بیان کرتا ہے تو اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ مسند ہوتی ہے یا غیر مسند؟

حلا وہ بریں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ روایت امام مسلمؒ نے باسند پیش نہیں کی تو کیا ابو حورانہؓ اور ابو داؤد وغیرہ نے بھی اس کو مسند روایت نہیں کیا؟ اور کیا کسی حدیث کی تصحیح اس میں ہی منحصر ہے کہ امام مسلمؒ اسے باسند نقل کریں تو صحیح ہوگی ورنہ ضعیف ہوگی؟ ان فرض حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت امام مسلمؒ کی مسند روایتوں میں شامل ہے۔ اور امام نوویؒ کا یہ کھلا قصور ہے۔

کہ اس کو غیر مسند قرار دیتے ہیں۔ یہی وہ عبارت ہے جس سے مولانا شار اللہ صاحب مرحوم (بقیۃ حاشیہ پچھلا صفحہ) سکتیں۔ بفضلہ تعالیٰ عربی دان کثرت سے موجود ہیں کسی ثالث عربیؒ سے دریافت کر لیں کہ غلطی امام بیہقیؒ کی ہے یا بقول مؤلف مذکور معترض کی خواہ مخواہ کا تعصب اور جرات نہ بن سکتی ہو اس کو بھی بنا ڈالنا علماء کی شان کے خلاف ہے۔



امرتسری کو غلط فہمی ہوتی۔ اور علی رؤس الاشہاد ان کو شکست فاش ہوتی تھی۔ اس زیادت کے صحیح ہونے میں ذرا برابر شک و شبہ نہیں۔ البتہ۔ ع

تسرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

### چھٹا اعتراض:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امیر بیانی رحمہ اللہ اور مبارکپوری صاحب وغیرہ لکھتے ہیں۔ کہ واذا قرأ فانصتوا کی زیادت صحیح ہے مگر اس سے مراد مازاد علی الفاتحہ کی قرأت ہے۔ یعنی جب امام اور تم (مقتدی) سورۃ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہو جاؤ تو امام قرأت کرے اور تم خاموش رہو کیونکہ واذا قرأ فانصتوا عام ہے اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سورۃ فاتحہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۲۶، فتح الباری جلد ۲ ص ۱۹۲، سبل السلام جلد ۱ ص ۲۲۵)

جواب: ان حضرات کی یہ توجیہ اور تاویل قطعاً باطل ہے۔ اس لیے کہ مسلم اور ابو عوانہ وغیرہ کے حوالہ سے صحیح روایت ان الفاظ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی جا چکی ہے۔

واذا قرأ فانصتوا واذا قال غیر المفضوب علیہم کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو ولا الضالکین۔ فقولوا۔ آمین اور جب امام غیر المفضوب علیہم ولا الضالکین کہے تو تم آمین کہو۔

یہ عقدہ تو فریق ثانی ہی حل کرے گا کہ غیر المفضوب علیہم ولا الضالکین سے قبل وہ کون سی قرأت ہے جس میں امام کا فریضہ قرآۃ کرنا اور مقتدیوں کا وظیفہ خاموش رہنا بتلایا گیا ہے؟ شاید ان کے نزدیک اس اثنام میں سورۃ یسین کی قرأت سنت ہو جس کی امام قرأت کرتا رہے اور اس وقت مقتدی خاموش رہیں؟ اس صحیح حدیث کو پیش نظر رکھ کر بخوبی یہ

۱۔ مؤلف خیر الکلام لفظ قرأت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اثر اگرچہ مطلق ہے مگر قرأت بالاجماع چونکہ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے اس واسطے اس اثر سے فاتحہ خلف الامام کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ (صفحہ ۵۲۱) اس اعتبار سے مقتدی کو سورۃ فاتحہ کی قرآۃ کے وقت اولاً وبالذات خاموش رہنا ضروری ہے کیونکہ بالاجماع قرأت یہاں ہی سے شروع ہوتی ہے۔



اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ تاویل قطعی طور پر باطل اور مردود ہے کیونکہ واذا قرأ فأنصتوا کے حکم میں مقتدیوں کے لیے سورۃ فاتحہ کی قرأت کی ممانعت اولاً اور بالذات ہے اور قرآن کریم کی بقیہ سورتوں کی ممانعت ثانیاً اور بالنتیجہ ہے۔ فریق ثانی کے سطحی قسم کے لوگ عموماً یہ مطالبہ کیا کرتے ہیں کہ ہمیں ایسی صحیح روایت بتلاؤ جس میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کی مقتدیوں کے لیے ممانعت آئی ہو۔ سو طلبہ کرام کو مسلم اور ابو عوانہ کی یہ صحیح حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے اور حدیث نمبر وغیرہ ملاحظہ کریں اور اگر بالفرض اس حدیث میں واذا قرأ فأنصتوا کی زیادت نہ بھی نہ کوئی عیب بھی یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قرأت کرنا امام کا کام ہے نہ کہ مقتدیوں کا اس زیادت کے بغیر روایت کا مضمون یہ ہو گا جب تم نماز پڑھنا چاہو تو اپنی صفیں درست کر لو۔ اور ایک تم میں سے امام بنے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام غیر المغمضوب علیہم ولا الضالین پڑھے تو تم آمین کہو۔ اگر مقتدیوں پر بھی سورۃ فاتحہ کی قرأت لازم ہوتی تو اذا قال غیر المغمضوب علیہم ولا الضالین کے بجائے اذا قلت غیر المغمضوب ولا الضالین۔ ہوتا جیسا کہ فقہوا امین میں قولوا جمع کا صیغہ ہے حالانکہ غیر المغمضوب علیہم ولا الضالین۔ پڑھنے کی نسبت صرف امام کی طرف ہوتی ہے اور یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا صرف امام کا کام ہے۔ مقتدیوں کا کام صرف خاموش رہنا اور انصاف کرنا ہے۔ ہاں البتہ آمین کہنے میں مقتدی برابر کے شریک ہیں اور صحیح مسلم جلد ۱ ص ۷۹ کی ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ اذا قال القاری غیر المغمضوب علیہم ولا الضالین فقال من خلفه آمین الحدیث کہ جب پڑھنے والا غیر المغمضوب علیہم ولا الضالین کہے تو جو اس کے پیچھے ہیں وہ آمین کہیں اس روایت میں شائع نے امام کو قاری اور پڑھنے والا کہا ہے اگر سب کے لیے قرأت لازم ہوتی تو صرف امام ہی قاری نہ ہوتا۔ (الدلیل المبین ص ۲۸۹) رہا حضرت عبادہ کی روایت کا حوالہ دینا تو اپنے مقام پر آئے گا کہ قرأت سورۃ فاتحہ برائے مقتدی کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ لہذا اس صحیح روایت سے اس کا تعارض قائم کرنا اور پھر اس کی تاویل اور توجیہ کرنا انصاف سے بعید تر ہے۔

۱۔ یہ روایت بخاری جلد ۱ ص ۱۰۸، نسائی جلد ۱ ص ۱۳۲ اور طحاوی ص ۳۶۳ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔



یہ کاوشیں سبب ہیں کیسی، کہ رتوں کی کچھ انتہا بھی

زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو، سوال کیا ہے؟

مؤلف خیر الکلام نے (ص ۲۲۳ و ص ۲۲۴ میں) یہ کہ کر جان چھڑانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ معترض نے یہ سمجھا ہے کہ دونوں جملوں میں ترتیب ہے حالانکہ واو ترتیب کے لیے نہیں ہوتی جیسے مرزائی لفظ متوفیک ورافیک میں ترتیب ثابت کرنے میں غلطی کرتے ہیں اسی طرح معترض نے بھی غلطی کی ہے اور وارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۵ میں فانصتوا کا جملہ واہ الضالین کے بعد ہے مگر سند میں محمد بن یونس ہے جو ضعیف ہے۔ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر اس سے انصاف کے محل کی تعیین ہوتی ہے (محصلاً) اور قاضی مقبول احمد صاحب نے الاعتصام ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۲ء ص ۸ میں بزعم خویش قرآن و حدیث کی چند مثالیں دے کر آخر میں یہ کہا ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ واو ہمیشہ ترتیب کے لیے نہیں ہوتی اور اس زیر بحث حدیث میں بھی ترتیب نہیں ہے تو مولانا موصوف کا طلبہ کو نصیحت کرنا محض طفل تسلی ہے اور اس فقرہ سے ماخذ علی الفاتحہ مراد لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اھ

الجواب: یہ جو کچھ کہا گیا ہے بالکل بے جان ہے:

اولاً۔ اس لیے کہ اگرچہ جمہور نحاة وغیرہ اس کے قائل ہیں کہ حرف واو ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا لیکن بعض اکابر ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ اس میں ترتیب ہوتی ہے چنانچہ علم نحو کی مشہور کتاب مفتی البیہب میں ہے کہ

وقول بعضهم ان معانها الجمع المطلق غير سديد لتقييد الجمع بقيد الاطلاق وانما هي للجمع لا بقيد وقول السیرانی ان التحويين واللغويين اجمعوا على انها لا تفيد الترتيب مردود بل قال بافادتها اياه قطرب والرجی والفراء وطلب

اور بعض کا یہ کہنا کہ حرف واو کا معنی جمع مطلق ہے درست نہیں ہے کیونکہ جمع کے ساتھ اطلاق کی قید لگ گئی ہے حالانکہ یہ بغیر قید کے جمع کے لیے ہے اور سیرانی کا یہ کہنا کہ جملہ نحوی اور لغوی اس امر پر متفق ہیں کہ واو ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی بالکل مردود ہے کیونکہ قطرب، رجی، فراء



والجوعمر والزاهد وهشام والشافعي  
ونقل الامام في البرهان عن بعض  
الحنفية انها للمحبة ... اهـ (جلد ۲ ص ۳۱)  
ثعلب، ابو عمر والزاهد، هشام اور امام شافعی فرماتے  
ہیں کہ ترتیب کا فائدہ دیتی ہے اور امام نے برہان میں  
بعض حنفیوں سے نقل کیا ہے کہ واو محبت کے لیے ہے۔  
اور علامہ رضی لکھتے ہیں کہ

ونقل بعضهم عن الفراء والكسائي  
وثعلب والرابعي وابن درستويه و به  
قال بعض الفقهاء انها للترتيب ... اهـ  
بعض نے فرمایا، کسائی، ثعلب، ربیع اور درستویہ  
سے نقل کیا ہے اور اسی کے بعض فقہاء قائل ہیں  
کہ حرف واو ترتیب کے لیے ہے۔  
(رضی جلد ۲ ص ۳۰۶)

امام نووی فرماتے ہیں کہ بہت سے فقہاء شافعیہ اور بعض نحویوں کا یہی مذہب ہے کہ حرف  
واو ترتیب کو چاہتا ہے (محصلہ شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ حرف واو کو ترتیب  
کے لیے ماننے والے بڑے بڑے ائمہ ہیں جن میں امام شافعی وغیرہ بھی ہیں۔ لہذا معترض کو  
استدلال میں مزیاتیوں سے تشبیہ دے کر اپنے دل ماؤف کی بھڑاس نکالنا اور حواریوں کو  
خوش کرنے کی بے جاسعی کرنا علمی دنیا میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔

وثانیاً۔ جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ حرف واو ترتیب کے لیے نہیں اس کا مطلب  
یہ ہے کہ ترتیب ضروری اور واجب نہیں یہ کب کہا ہے کہ ترتیب ناجائز اور حرام ہے؟ کسی  
سنی عالم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت پیش کی تھی کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وسلم بقیہ حیات تھے اور ہم یوں کہا کرتے تھے۔ ابو بکر و عمر و عثمان۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۲)  
قال حسن صحیح، یعنی اس ترتیب سے ہم ان کا تذکرہ کیا کرتے تھے تو اس پر ایک رافضی  
بدحواس ہو کر بولا کہ حرف واو ترتیب کے لیے نہیں ہوتا۔ سنی عالم بولا کہ ترتیب ناجائز  
اور حرام بھی تو نہیں ہے۔

وثالثاً۔ حدیث زیر بحث کے تین جملے ہیں: فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا  
واذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين تو مؤلف خیر الکلام وغیرہ  
لے اور ابن رشد نے سحابة کوفیہ کا یہی مسلک نقل کیا ہے کہ واو میں ترتیب ہوتی ہے۔ (بدایۃ المجتہد  
ج ۱ ص ۱۶)



کے ذہن کے مطابق واذا قرأ فأنصتوا اور واذا قال غیر المخصوص علیہم .... انہ جو حرف  
 واو کے ساتھ مذکور ہیں فاذا اکبر فکبروا سے پہلے بھی ہو سکتے ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ امام  
 کے تکبیر کہنے سے پہلے ہی تم خاموش رہا کرو اور غیر المخصوص .... انہ پڑھا کرو اس لحاظ سے  
 ماقبل التکبیر میں بھی انصات کی صورت نکل آئی جو فریق ثانی کو ٹہری مفید رہے گی اور امام  
 بھی تکبیر سے پہلے ہی غیر المخصوص علیہم .... انہ پڑھ لیا کرے گا اور مقتدی بھی آمین کہ لیا  
 کریں گے کیونکہ حرف واو ترتیب کو نہیں چاہتا اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ سب مسئلے حل  
 ہو جائیں گے۔

ورابعا۔ واقطنی کی روایت کے متعلق خود مؤلف خیر الکلام الضعیف ہونے کا اقرار کیا ہے  
 پھر اس سے تعین محل کا سہارا بالکل بیکار ہے انتہائی تعجب ہے کہ صحیح ابو حوانہ اور صحیح مسلم  
 کے ثقہ راویوں کی متابعت تو مؤلف کے نزدیک کالعدم ہے مگر محمد بن یونس (جس کے بارے  
 میں مولانا شمس الحق صاحب غیر متقلد لکھتے ہیں کہ ہوضعیف لا یجتہد بہ (تعلیق المغنی  
 جلد ۱ ص ۱۲۵) کی روایت سے تعین محل انصات ضرور ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ !  
 آپ نے ملاحظہ کیا کہ فریق ثانی کس طرح بے جان اور بے وزن دلیلوں کا سہارا لیتا ہے۔

دوسری حدیث :

امام نسائی فرماتے ہیں کہ ہم سے جابر و ذہب معاذ ترمذی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ  
 ہم سے ابو خالد الاثری نے بیان کیا۔ وہ محمد بن عجلان سے روایت کرتے ہیں اور وہ زید بن اسلم  
 سے امام نسائی (المتوفی ۳۰۳ھ) جن کی کتاب سنن نسائی صحاح ستہ میں تیسرے درجہ پر مانی جاتی ہے۔

علامہ ذہبی ان کو حافظ الامام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں (مذکرہ جلد ۲ ص ۲۴۱)

امام نسائی رحمہ اللہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقہ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مستقیم الحدیث

ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۵۳) حافظ ابن حجر ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تقریب ص ۶۲)

امام وکیع ابن معین اور ابن مدینی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام نسائی زہب اور ابو ہشام رفاعی

ثقة اور امین کہتے ہیں۔ ابو حاتم ان کو صدوق کہتے ہیں۔ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں

عجل کا بیان ہے کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ (بغدادی جلد ۹ ص ۲۲ و تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۸۱) علامہ

(باقی اگلے صفحہ پر)



سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو صالحؓ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل  
الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ  
فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده  
فقولوا اللهم ربنا ولك الحمد -  
کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد  
فرمایا ہے کہ امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی  
اقتدار کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور  
جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ  
سمع اللہ لمن حمد کہے تو تم اللہم ربنا لک الحمد کہو۔  
(نسائی ج ۱ ص ۱۰۷)

(باقی پچھلے صفحے کے حاشیے) ذہبیؒ ان کو الحافظ الصدوق اور مشہور محدث لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵)  
لکے امام ترمذیؒ ان کو ثقہ اور مامون فی الحدیث کہتے ہیں۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۲۳۷) کتاب العلل جلد ۲ ص ۲۳۷  
امام بیہقیؒ ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۲) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وہ امام فقیہ  
اور عابد تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۸۷) ابن حاد حبلیؒ کا بیان ہے کہ وہ عابد پابند شریعت  
اور صداقت شعار تھے۔ (شذرات الذہب جلد ۱ ص ۲۲۲) علامہ ذہبیؒ ان کو الامام اور القدوہ لکھتے  
ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۵) امام احمد سفیان بن عیینہؒ، ابی حاتمؒ، نسائیؒ اور ابو زرؒ عہد ان کو ثقہ  
کہتے ہیں۔ یعقوب بن شیبہؒ ان کو صدوق وسط کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔  
ساجیؒ ان کو اہل صدق میں شمار کرتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان کو عابد ناسک اور فقیہ بتاتے ہیں۔  
(تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۲۲) مولانا شمس الحقؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ (تحلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۲)  
عون المعبود جلد ۱ ص ۲۳۵ اور خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تاریخ جلد ۲ ص ۳۰۲)  
یہ زید بن اسلمؒ کو علامہ ذہبیؒ الامام اور الفقیہ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲۲) امام احمد ابو زرؒ عہد، ابو حاتمؒ  
محمد بن سعدؒ، نسائیؒ، ابن خراشؒ اور یعقوب بن شیبہؒ سب ان کو ثقہ لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب  
جلد ۳ ص ۹۲)

ابو صالحؒ کا نام ذکر کیا تھا امام احمدؒ ان کو ثقہ اجل الناس اور اوثق الناس کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۸۳)  
امام ابن معینؒ، ابو حاتمؒ، ابو زرؒ عہد، ابن سعدؒ، ساجیؒ اور عجلؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ محدث حیرتیؒ  
اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۱۹) حضرت ابو ہریرہؓ جنیل الثقہؒ  
(باقی اگلے صفحہ پر)



اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ تمام نمازوں میں امام کا وظیفہ قرآن کرنا اور مقتدیوں کا فریضہ خاموش رہنا ہے۔ اس حدیث پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ ملاحظہ کیجئے اور ساتھ ہی ان کے جوابات بھی دیکھ لیجئے۔

### پہلا اعتراض :

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ امام بیہقی اور مبارکپوری صاحب وغیرہ فرماتے ہیں کہ واذا قرأ فانصتوا کی زیادت نقل کرنے میں ابو خالد الاحمری متفرد ہیں لہذا یہ زیادت قابل قبول نہیں۔ (جزر القراءة ص ۵۶، کتاب القراءة ص ۹، ابکار المنن ص ۱۵۲ اور مؤلف حیدر الکلام نے صفحہ ۲۳۲ اور ۲۳۳ میں اس روایت کو شاذ کہہ کر خلاصی چاہی ہے اور قاضی مقبول احمد صاحب نے بھی اس کو شاذ کہہ کر اپنے دل کو تسکین دی ہے۔ (ملاحظہ ہو الاعتصام) ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۲ء کا مکتبہ جواب۔ اس زیادت کے رو کرنے کا یہ بہانہ محض بے کار ہے۔

(پچھلے صفحے کا باقی) صحابی ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب اس سند کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ رجال اسنادہ ثقات۔ (دلیل الطالب ص ۲۹۴)

یہ روایت ابن ماجہ ص ۱۱۰، ابوداؤد جلد ۱ ص ۸۹، سنن احمد ص ۳۱۵، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲، سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۶، مخلی جلد ۳ ص ۳۲۰، جزر القراءة ص ۵۶، کتاب القراءة ص ۹۱، ابن جریر جلد ۹ ص ۱۱۰، ابن کثیر جلد ۲ ص ۶۲۳، الجوزی الشی جلد ۲ ص ۱۵۶، تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۰، عون المعبود جلد ۵ ص ۲۳۵، درایہ ص ۹۲، زیلعی جلد ۲ ص ۱۶، مسلم جلد ۱ ص ۱۷۲، آثار السنن جلد ۲ ص ۸۰، ابکار المنن ص ۱۵۳، اعلیٰ السنن جلد ۲ ص ۵۵، دلیل الطالب ص ۲۸۴، روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۳، بذل الجہود جلد ۲ ص ۵۵ اور فتح الملہم ص ۲۲ وغیرہ میں مروی ہے۔

یہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ ودر حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ است واذا قرأ فانصتوا پس خطہ موقوفہ انصت و استماع قرآن امام است و انصت خاص بچہ یہ نیست بلکہ شامل ستر یہ ہم است پس واجب سکوت باشد

مطلقاً نہ وقرأت النعم (ہدایۃ السائل ص ۱۹۳)

رحمہ اللہ امام بخاری لکھتے ہیں کہ لعمریۃ علیہ مبارک پوری صاحب ایک سند کی تحقیق میں لکھتے (باقی اگلے صفحہ پر)



اولاً۔ اس لیے کہ حبیب ابو خالد بن الاحمرؒ اختلاف ثقہ اور ثبت ہیں تو پھر ان کی زیادتی کیوں قابل قبول نہ ہوگی؟

ثانیاً۔ اس زیادت کے بیان کرنے میں ابو خالد بن الاحمرؒ متقدم نہیں بلکہ محمد بن سعدؒ انصاریؒ اشلہلیؒ بھی اس زیادت کو نقل کرتے ہیں۔ اور اس روایت کے باقی وہی راوی ہیں جن کی توثیق عرض کر دی گئی ہے۔ البتہ محمد بن عبد اللہ بن مبارکؒ کا ذکر نہیں ہوا۔ اور یہی وہ بھی ثقہ، نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ابو خالد از ثقات اثبات است، بخاری و مسلم بوسے احتجاج کردہ اند۔ دریں صورت تفردش مضربست، و نیز بوسے نہ تنہا یاس زیادت متفرد است، بلکہ ابو سعید محمد بن سعد انصاریؒ نیز تابع او بریں زیادت بودہ است۔ (دلیل الطالب ص ۲۹۴)

غرضیکہ یہ زیادت بھی سابق کی طرح بالکل صحیح ہے اور اس کے غیر صحیح ہونے کا ادنیٰ احتمال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

### دوسرا اعتراض:

مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ محمد بن مجلانؒ میں کچھ کلام اور مقال ہے۔ نیز وہ مدلسی (پچھلے صفحہ کا تصدیق) ہیں کہ امام بخاریؒ کا محمد بن عبد اللہ بن الحسنؒ سے متعلق روایت تابع علیہ کتاب ہرگز مضرب نہیں کیونکہ محمد مذکور ثقہ تھے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۳۱) کیا ہم بھی مبارک پوری صاحبؒ اس انصاف کی امید رکھ سکتے ہیں۔

۱۔ یہ روایت نسائی جلد ۱ ص ۱۰۷، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲، عون المعبود جلد ۱ ص ۲۲۵، نصب الرایہ جلد ۲ ص ۱۱۱ اور تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۲ وغیرہ میں مذکور ہے۔

۲۔ امام نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (جلد ۱ ص ۱۰۷) دارقطنیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (جلد ۱ ص ۱۲۲) زیلعیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (جلد ۲ ص ۱۱۱) ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۸۴) مولانا شمس الحقؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (عون المعبود جلد ۱ ص ۲۳۵) و تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۲)

۳۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور حافظ تھے (تقریب ص ۱۳۲) الحاصل اس روایت کے بھی جلد راوی ثقہ ہیں۔ اور اصول حدیث کی رو سے یہ روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔



اس لیے یہ روایت صحیح نہیں ہو سکتی۔ (ابکار المنن ص ۱۵۲)

جواب۔ مبارک پوری صاحب ان میں مقال کا شاید مطلب ہی نہیں سمجھے۔ ہی

ان کی تدلیس تو وہ بھی مفروضہ ہے۔

اولاً۔ بقول بعض یہ مکحول کے درجہ کے مدلس تھے۔ مگر فریق ثانی مکحول کی تدلیس سے

صرف نظر کر جاتا ہے۔ ا

ثانیاً۔ اگر ان کی تدلیس مضر ہوتی تو امام بخاریؒ اور ابو داؤد وغیرہ ضرور اس کا تذکرہ کرتے

مگر وہ صرف ابو خالد الناحر کے تفرد کی شکایت کرتے ہیں۔

ثالثاً۔ دیگر محدثین کو عموماً اور علامہ ذہبیؒ کو خصوصاً یہ قاعدہ معلوم ہے لیکن وہ محمدؒ

بن عجلان کی متعدد معصن حدیثوں اور روایتوں کو صحیح کہتے ہوئے تصحیح کرتے ہیں۔ (مثلاً تلخیص

مستدرک جلد ۱ ص ۱۵ وغیرہ)

رابعاً۔ محدثین اور محققین کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن عجلان، قتادہ، سفیان

ثوری اور حسن بصری وغیرہ کی طرح ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس کسی صورت میں مضر نہیں

خامساً۔ محمد بن عجلان کے دو متابع بھی موجود ہیں۔ خارجہ بن مصعب اور یحییٰ بن علاء

(دیکھئے سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۵) اور گویہ کمزور اور ضعیف ہیں لیکن متابعت میں پیش کرنے پر

مبارک پوری صاحب کو بھی کوئی اعتراض نہیں بلکہ وہ اس کا اقرار کرتے ہیں۔

۱۔ بعض لوگوں نے ان میں یہ کلام کیا ہے کہ امام بخاریؒ و مسلمؒ نے ان سے احتجاج نہیں کیا۔ لیکن یہ اعتراض

باطل ہے۔ اولاً۔ اس لیے کہ ثقہ اور مثبت راوی کے لیے یہ شرط نہیں کہ ان سے امام بخاریؒ و مسلمؒ نے

ضرور احتجاج کیا ہو۔ ثانیاً۔ امام مسلمؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے (مستدرک جلد ۱ ص ۱۵۵، بدل المجہود جلد ۲ ص ۵۵)

اور مسلم جلد ۲ ص ۱۳۱ وغیرہ ملاحظہ کر لیجئے) محمد بن عجلان بطریق سعید مقبریؒ عن ابی ہریرہؓ کی بعض روایتوں پر

کچھ کلام کیا گیا ہے (کتاب العطل ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۲ و تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۱) لیکن وہ بھی صرف چند

روایتیں ہیں اور علامہ ذہبیؒ نے ان کا جواب بھی دے دیا ہے (میزان جلد ۳ ص ۱۰۲) مگر ہم نے جو سند پیش

کی پیش کی ہے وہ سعید مقبریؒ کے طریق سے نہیں بلکہ زید بن اسلم کے طریق سے ہے۔

۲۔ دیکھئے ابکار المنن ص ۱۵۱ اور دیگر محدثین بھی اس قاعدہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)



سادہ سنا۔ جرح کرنے والے جرح پر بھی متفق نہیں ہیں۔ بعض ابو خالد کا تفرو تباتے ہیں اور بعض محمد بن عجلان کی تدلیس اس سے بھی جرح کمزور ہو جاتی ہے۔ (اعلام السنن جلد ۴ ص ۵۶)  
 سابعاً۔ اگر محمد بن عجلان میں واقعی کوئی کلام ہوتا۔ یا ان کی تدلیس مضر ہوتی تو حضرات محدثین کرام کی ایک بہت بڑی جماعت اس حدیث کی ہرگز تصحیح نہ کرتی، حالانکہ اس حدیث کی ذیل کے آئمہ حدیث تصحیح کرتے ہیں:

۱۔ امام احمد بن حنبل (المجموع النقی جلد ۱ ص ۱۵۷) ۲۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (جلد ۱ ص ۱۶۴)

۳۔ علامہ ابن حزم (محل جلد ۳ ص ۳۴۳) ۴۔ امام نسائی (جلد ۱ ص ۱۰۱)

۵۔ دارقطنی (جلد ۱ ص ۱۲۲) ۶۔ ابن جریر (تفسیر جلد ۱ ص ۱۱)

۷۔ حافظ ابو ثور بن عبد البر (جوہر النقی جلد ۲ ص ۱۰۶) ۸۔ حافظ ابن کثیر (تفسیر جلد ۲ ص ۶۲۳)

۹۔ علامہ مار دینی (جوہر النقی جلد ۲ ص ۱۵۷) ۱۰۔ امام منذری (ذیل جلد ۲ ص ۱۶۱ و تعلیق المغنی)

۱۱۔ علامہ جمال الدین (نصب الرایہ جلد ۲ ص ۱۶۱) جلد ۱ ص ۱۲۲

۱۲۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (عون المعبود ۱۳۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب

جلد ۱ ص ۲۳۵، تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۲) (ذیل الطالب ص ۲۹۴)

بلکہ نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

وهذا الحديث مما ثبت عند أهل السنن

وصححه جماعة من الأئمة۔

یہ حدیث در باب سنن کے نزدیک ثابت اور محقق ہو چکی ہے اور آئمہ حدیث کی ایک بہت بڑی جماعت

(ذیل الطالب ص ۲۹۴)

نے اس کی تصحیح کی ہے۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا حوالہ باب اول میں نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ بڑی شد و مد سے

واذا قرأ فانصتوا کی روایت اور اس میں زیادت کو صحیح ثابت کرتے ہیں، علامہ ابن حزم ۷۱

(بقیہ پچھلا صفحہ) ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۳۰ و مستند نووی ص ۱۶ و کتاب القراءۃ

ص ۱۲۹ و تدریب الراوی ص ۲۸، اور اعلام السنن ص ۲۴، اور لکھا ہے و هذا مجمع

بین النعمہ شین مگر یہ یاد رکھیے کہ اصل راوی صرف مدلس ہو ضعیف اور کمزور نہ ہو۔

ور نہ متابعت سے سو و ہوگی۔



لکھتے ہیں کہ بعض کا خیال ہے کہ اس زیادت میں محمد بن عجلان نے خطا کی ہے۔ مگر ہم ثقہ راوی کے بارے میں کسی واضح برہان کے بغیر یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ بہر حال سند کے لحاظ سے یہ زیادت بالکل صحیح ہے (محلّی ابن حزم جلد ۳ ص ۲۲۲) انصاف سے فرمائیے کہ کسی حدیث کی تصحیح کے لیے اس سے بڑھ کر حضرات محدثین کرام کے پاس اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ مگر۔

آنکھیں اگر ہیں بست تو پھر دن بھی رات ہے  
اس میں بھلا قصور ہے کیا آفتاب کا۔

الحاصل حضرات ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت بھی اور اس کی پوری سند بالکل صحیح اور بے غبار ہے اور محض تعصب کی وجہ سے اس کو شاذ کہہ کر نابے سود ہے۔

تیسری حدیث: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے جعفر خلدی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الحسن بن علی بن شبیب المعمری نے امام بیہقی کا ترجمہ باب اول میں نقل کیا جا چکا ہے۔

حافظ ابو عبد اللہ الحاکم صاحب مستدرک کا ترجمہ بھی باب اول میں نقل کیا جا چکا ہے۔  
جعفر بن محمد بن نصیر الخلدی، علامہ خطیب ان کو ثقہ، صادق، دیندار اور فاضل لکھتے ہیں (تاریخ خطیب جلد ۲ ص ۲۲۶)

علامہ فہمی ان کو الحافظ، العلامة اور الباسح لکھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ وہ حفظ اور فہم سے بہرہ ور تھے۔ امام دارقطنی ان کو صدوق اور حافظ کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۱۵) ابن عجمی ان کو کثیر الحدیث اور امام ربانی کہتے ہیں۔ (ایضاً) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ تمام محدثین ان کے عادل ضابطہ اور صاحب فضیلت ہونے پر متفق ہو چکے ہیں۔ موسیٰ بن ہارون کا بیان ہے کہ وہ اوثق الناس اور اثبت الناس تھے اور ان کی یہ خوبی تھی کہ تدلیس نہیں کرتے تھے۔ محدث عبدان اپوانزی کا بیان ہے کہ میں نے معمری جیسا محدث تمام روئے زمین پر نہیں دیکھا۔ (لسان المیزان جلد ۱ ص ۲۲۱ تا ۲۲۵) اور علامہ خطیب لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف تھے فہم و حفظ سے متصف تھے۔ ان کی احادیث میں کچھ



نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن محمدؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے طفاویؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو بکرؒ نے بیان کیا۔ وہ زہریؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قرا الامام فانصتوا۔ (کتاب القراءۃ ص ۹۲) کہ جب امام قراءہ کرے تو تم خاموش رہو۔

اس روایت میں بھی مقتدی کا وظیفہ (تمام نمازوں میں) خاموشی اور امام کا فریضہ قراءہ بتلائی گئی ہے اور اگر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جاتے تو اس روایت پر بھی کوئی معقول اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ گو امام بیہقی نے یہ فرمایا ہے کہ واذا قرا فانصتوا کی زیادت بیان کرنے میں المعمری متفرد ہیں۔ لیکن جب معمری ثقہ ثبت اور الحافظ اور الامام ہیں تو ان کی یہ صحیح روایت اور زیادت بیان کس طرح روکی جاسکتی ہے؟ معمری کے طریق سے ایک روایت کی امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں علی شرط الشیخین تصحیح کرتے ہیں (مستدرک جلد ۸ ص ۳۵۸) مؤلف خیر الکلام نے ص ۳۳۵ اور ۳۳۶ میں یہ لکھا ہے کہ معمری

(بقیہ پچھلا صفحہ) غرائب اور افراد بھی تھے۔ دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ صدوق اور حافظ تھے، ان پر

جمع موسیٰ بن ہارونؒ نے ان کے عدالت کی ہے۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۳۷۰)

۱۔ امام ابو حاتمؒ ان کو صالح الحدیث اور صداقت شعار کہتے ہیں۔ محدث صالح جزیرہ، مسلم بن قاسم

ابن عبد البرؒ اور دیگر محدثین ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن خزیمہؒ ان کو دانا محدث کہتے ہیں۔ نسائی لا بأس بہ

اور ابن عدی صدوق کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۸۱) علامہ ذہبیؒ ان کو

المستدین کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۷۲)

۲۔ علامہ ذہبیؒ ان کو مشہور محدث اور ثقہ کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۳ ص ۸۹) امام ابن معینؒ ان کو لیس

بہ باس اور ابن مدینیؒ ثقہ کہتے ہیں اور ابوداؤدؒ اور ابو حاتمؒ لیس بہ باس سے ان کی توثیق کرتے ہیں

ابن حبانؒ ثقات ہیں لکھتے ہیں دارقطنیؒ کا بیان ہے کہ بخاریؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے ابن عدیؒ کا بیان ہے

کہ تمام مستدین ان کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۰۹)

۳۔ امام احمد بن حنبلؒ، ابو زرعہؒ، نسائیؒ، ابن سعدؒ، دارقطنیؒ اور ابوداؤدؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ

(باقی اگلے صفحہ پر)



صاحب غرائب و افراد ہیں اور بعض محدثین نے ان کو کذاب کہا ہے۔ عبدان کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ حسد سے کہا ہے اور بغدادیوں کی طرح یہ بھی موقوف کو مرفوع کر دیا کرتا تھا اور حدیث میں اضافے کرنے کی ان کی عادت تھی۔ (محصلہ خیر الکلام بحوالہ لسان المیزان)

الجواب: بخاری اور مسلم میں ایسے متعدد راوی موجود ہیں۔ مؤلف خیر الکلام کا شوق ہو تو ہم بشار اللہ تعالیٰ بحوالہ عرض کر سکتے ہیں اس لیے صاحب غرائب و افراد ہونا اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگوں نے محض عداوت اور دشمنی کی وجہ سے ان پر جرح کی ہے اور کبھی یہ کہا کہ یہ موقوف کو مرفوع کر دیتے ہیں اور کبھی یہ کہا کہ یہ اضافے کرتے ہیں اور ان کے بڑے دشمن اور معاند موسیٰ بن ہارون نے ان کی وادھا قرآن مستوا کی زیادت پر بھی انکار کیا تھا (ملاحظہ ہو لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۲۴) اور ان کی تقلید کرتے ہوئے لوگ اس پر جرح کرتے اور اس زیادت کو انکار کرتے ہیں جب محدثین کے سامنے حقیقت حال کھل گئی تو انھوں نے بالآخر یہ فیصلہ کیا چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ

فاستقر الحال آخر علی توثیقہ ان غایۃ ما قیل فیہ انہ حدث باحادیث لم یتابع علیہا وقد علمت من کلام الدارقطنی انہ رجع عنہا فان کان قد اخطأ فیہا کما قال خصمہ فقد رجع عنہا وان کان مصیباً بھا کما کان یدعی فذاک ارفعہ واللہ اعلم۔

پس آخر میں بات ان کی توثیق پر پہنچی ہوئی ہے زیادہ

زیادہ ان کے بارے میں جو کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن میں ان کی متابعت نہیں لگائی لیکن تم امام دارقطنی کے کلام سے معلوم کر چکے ہو کہ انھوں نے رجوع کر لیا تھا سو اگر واقعی انھوں نے ان احادیث میں خطا کی تھی جیسا کہ ان کا خصم کہہ رہا ہے تو اس سے ان کا رجوع ثابت ہے اور اگر وہ مصیب جیسا کہ ان دعویٰ تھا تو یہ ان کی شان کو اور اونچا کرنے کا

(لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۲۵)

سبب ہے۔

(بقیہ پچھلا صفحہ) ان کو صالح الحدیث اور ابن عبد البر ثقہ اور حافظ کہتے تھے۔ ابن حبان ثقات ہیں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۴۱۲)

لے ان کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔



اس سے معلوم ہوا کہ معمری ثقہ ہیں اور ثبت بھی۔ اور ان کی یہ زیادت جو واذا قرأ فانصتوا سے وارد ہوئی ہے بالکل صحیح ہے کیونکہ دوسری اسانید میں ثقہ راویوں سے بھی یہ مروی ہے اور قرأت خلف الامام انصاف کے بالکل خلاف ہے اور حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ کی روایتیں باب سوم میں آئیں گی کہ وہ بھی امام کے پیچھے سب یا بعض نمازوں میں قرأت کے قائل نہ تھے اور شاذ مقبول کی مثال ایسی ہے جیسے ایک مستقل حدیث ہو جس کو ثقتہ راوی بیان اور روایت کرتا ہو انصاف کی دنیا میں اس کے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور کسی فظ کی قرآن کریم میں غلطی سے کوئی جملہ بڑھا دینا یہ شاذ مردود کی مثال ہے اس کو مؤلف خیر الکلام اپنے پاس ہی رکھیں۔ بات ثقہ راویوں کی زیادت کی ہو رہی ہے۔ الغرض واذا قرأ فانصتوا کی زیادت بالکل صحیح ہے ایک رقی شک اس کی صحت میں نہیں ہے۔ قرآن کریم کی آیت میں فاستمعوا وانصتوا کا حکم تھا اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ بن مالک کی صحیح اور مرفوع روایتوں میں بھی اس کی تصریح ہے کہ واذا قرأ الامام فانصتوا اور ایک ایک سند کا صحیح ہونا بھی آپ معلوم کر آئے ہیں۔ اب ان کے حجت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وحدیث صحیح حجت است برامت در رنگ حجت کتاب عزیز۔ (دلیل الطالب ص ۸۸) اور لکھتے ہیں کہ اصل در امر وجوب فعل مامور بہ است۔

(بدور الاہلہ ص ۲۲)

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ امر لیشی نہیں است از خدا و او۔ (بدور الاہلہ ص ۳۲۸) الغرض مقتدی کے لیے استماع اور انصاف کے وجوب کا حکم اور امام کے پیچھے قرأت کرنے کے ممنوع اور منہی عنہ ہونے کا حکم قرآن کریم اور صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھیے فرق ثانی لے اور باب اصول کا اس امر پر تقریباً اتفاق ہے کہ امر مطلق کا مفاد وجوب ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: "وامرہ المطلق علی الايجاب" (القواعد النورانیۃ الفقہیہ، طبع مصر ص ۵۲، لشیخ الاسلام) یعنی صاحب شرع کا امر مطلق وجوب پر محمول ہوتا ہے، شیخ الاسلام ابن وقیف القیفرماتے ہیں: "وظاہرہ من الوجوب" (احکام الاحکام جلد ۱ ص ۵۳) امر ظاہری طور پر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ صیغہ امر بے صارف محمول پر وجوب است۔

(افادۃ الشیوخ ص ۱۰۶)



مانتا ہے یا نہیں۔ کہیں وہ یہ نہ ارشاد فرما دے کہ

یہ سب شوچ کر دل لگا یا ہے ناصح !

نئی بات کیا آپ فہم دار رہتے ہیں۔

قرآن کریم کی آیت اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت انسؓ بن مالکؓ کی پیش کردہ صحیح روایتیں اپنے عموم الفاظ کے اعتبار سے مٹری اور جہری سب نمازوں کو شامل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ امام کے پیچھے اقتدار کر لینے کے بعد مقتدی کو سوائے استماع، انصات اور خاموش رہنے کے کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اب بعض ایسی روایتیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن میں خاص طور پر جہری نمازوں میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی سخت تنبیہ اور ممانعت آئی ہے۔ اور بعض روایتیں وہ بھی ہیں جن میں جہری نمازوں کی کوئی قید مذکور نہیں ہے بلکہ وہ سب نمازوں کو شامل ہیں۔

چوتھی حدیث۔ حضرت امام مالکؓ، امام ابن شہاب زہریؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابن اکیمہ لیشیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

اے حضرت امام مالکؓ اور امام ابن شہاب زہریؒ دونوں کا ترجمہ مقدمہ..... میں نقل کیا جا چکا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ صحابی ہیں۔ ابن اکیمہ لیشیؒ کا نام عمارہ تھا۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ اور یحییٰ بن سعید ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام یعقوب بن سفیان ان کا مشہور تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۲۱) امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن اکیمہ اور ان کے بھائی دونوں ثقہ ہیں۔ (ابجد ہر النقی جلد ۲ ص ۵۸ اور مناقب جلد ۱ ص ۵۳) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ابو حاتم رازیؒ ان کو صحیح الحدیث اور حدیث مقبول لکھتے ہیں۔ ابو حاتم بیہقی کا بیان ہے کہ ان سے ان کے پوتے عمر بن مسلمؒ، امام زہریؒ اور سعید بن ابی ہلال نے روایت کی ہے۔ (فتاویٰ جلد ۱ ص ۱۲۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ (تقریب ۲۷۶) مبارکپور صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور اوساط تابعین تھے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۲۵۲) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ثقہ راوی کی یہ شرط نہیں کہ اس سے روایت کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)



ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جہری نما  
انصرف من صلوۃ جہر فیہا بالقرآن سے فارغ ہوئے اور یہ ارشاد فرمایا۔ کیا تم میں سے  
فقال هل قرأ معی منکم احد انفا فقال کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے یا ایک  
رجل نعم انما یا رسول اللہ قال فقال شخص بولا۔ جی ہاں یا رسول اللہ میں نے قرأت  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جہی تو ہیں (اپنے  
اقول مالی انازع القرآن فانتہی الناس دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی قرأت  
عن القراءة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ میں منازعت اور ہاتھ پائی کیوں ہو رہی ہے؟  
اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ جہر سے

(بقیہ صفحہ) جیسے ابن اُکیمہ لیشی رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں۔ حالانکہ امام زہری کے علاوہ اور کسی نے ان سے روایت  
نہیں کی۔ (ابکار المنص ۱۱) امام ابن معین کا بیان ہے کہ ابن اُکیمہ کی توثیق کے لیے یہی ایک دلیل  
کافی ہے کہ امام زہری جیسے جلیل القدر امام ان سے روایت کرتے ہیں۔ (الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۵۸)  
حافظ ابن کثیر اس حدیث کی امام ترمذی اور ابو حاتم سے تحسین اور تصحیح نقل کرتے ہیں۔  
(تفسیر ابن کثیر ۲ ص ۶۲۳) مولانا میر صاحب ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ یہ  
موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سند روایت ہے جس کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا۔  
(بلفظہ تفسیر واضح البیان ص ۲۲۰)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور مبارک کس پوری صاحب وغیرہ نے جو یہ کہا ہے کہ ابن اُکیمہ لیشی  
ثقہ ہیں۔ مگر امام زہری کے علاوہ اور کسی نے ان سے روایت نہیں کی تو یہ ان کا وہم ہے۔ حافظ ابن  
تیمیہ کا حوالہ پہلے نقل ہو چکا ہے کہ ان سے ان کے پوتے عمر بن مسلم (ان کی روایت صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۶۰ میں  
ہے ملاحظہ کیجیے) امام زہری اور سعید بن ابی ہلال نے روایت کی ہے۔ علاوہ انہیں ان سے ایک چوتھے راوی  
بھی ہیں۔ چنانچہ مستدرک جلد ۲ ص ۴۸۴ میں ہے عن ابی الحویرث عن عمار بن اُکیمہ اللیشی.....

.... انہو ابو الحویرث کا نام عبید اللہ بن معاویہ تھا۔ ابن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۱۱۸) ابن  
حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۶۷۶) لہذا علامہ ذہبی اور مبارک کس پوری صاحب  
کی رائے صحیح نہیں ہے۔ ع بخذ ما تراه ودع شیئاً سمعت بہ۔



وسلم فیما جہر فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالقرآنۃ حین سمعوا ذلک  
قرأت کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت  
ترک کر دی تھی۔

من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (موطا امام مالک ص ۲۹، ۳۰)

یہ روایت موطا امام مالک کے علاوہ حدیث کی دیگر معتبر اور مستند کتابوں میں مذکور ہے  
جس کے صحیح ہونے میں قطعاً کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت  
کی ممانعت میں یہ روایت قطعی ہے۔

یہ واقعہ صبح کی نماز کا ہے۔ (دیکھئے سنن اکبر سے جلد ۲ ص ۱۵۷ اور ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۰  
وغیرہ) جس میں تقریباً تمام حضرات صحابہ کرامؓ موجود ہوں گے، مگر ان میں آپ کے پیچھے قرأت  
کرنے والا صرف ایک شخص تھا اور آپ نے ان دیگر حضرات کو کچھ بھی نہیں کہا۔ جنہوں نے قرأت  
نہیں کی تھی بلکہ اسی کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔ جس نے قرأت کی تھی اور حضرات صحابہ کرامؓ میں  
سے کسی نے اس کا حوالہ نہیں دیا کہ حضرت آپ نے تو قرأت کرنے کا خود حکم دیا ہے۔ پھر  
کیا ممانعت کا کوئی جدید حکم آیا ہے؟ اور محال ہے کہ آپ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے  
کا حکم دیا ہو اور اس پر عمل کرنے والا صرف ایک ہی شخص ہو اور آپ نے قیام رکوع، سجود  
اور قعدہ وغیرہ کو نیز تسبیح، تحمید اور تہلیل کو ناگوار نہیں فرمایا۔ اگر ناگوار گزری ہے تو صرف  
مقتدی کی قرأت، جہری نمازوں میں اس سے بڑھ کر امام کے پیچھے قرأت کے منع ہونے  
کا اور کیا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے؟ مؤلف خیر الکلام کا حصہ ۲۳۷ میں یہ کہنا کہ اگرچہ  
حدیث میں لفظ مطلق قرأت ہے کہ جہری نمازوں میں قرأت سے باز آگئے مگر قرأت کی

۱۵۷ یہ روایت نسائی جلد ۱ ص ۱۰۶، ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۰، ترمذی جلد ۱ ص ۲۲، ابن ماجہ  
ص ۶۱، مسند احمد جلد ۲ ص ۱۰۱، محلی جلد ۳ ص ۲۳۰، جزر القرآن ص ۵۵، ۵۶، سنن اکبری  
جلد ۲ ص ۱۵۷، کتاب القرآن ص ۹۹، کتاب الاعتبار ص ۱۹۷، البحر المنقح جلد ۲  
ص ۱۵۸، ابن کثیر جلد ۳ ص ۶۲۳، مرقات جلد ۲ ص ۵۳۲، فتاویٰ ابن تیمیہ ۲ ص ۱۲۹،  
عقیدہ محریہ جلد ۲ ص ۱۸۹، فتح الملہم ۲ ص ۲۳۰، بذل النعمان ۲ ص ۵۷، تحقیق الکلام ۲  
ص ۱۲۵، بکار المنن ص ۱۵۵، فصل الخطاب ص ۳۳، اور اعلام السنن جلد ۲ ص ۸، وغیرہ  
کتابوں میں مذکور ہے۔



بنا پر مطلق کی تقید ہو سکتی ہے انج بالکل ایک بے وقعت بات اور مطلب پرستی کے لیے صرف ایک بہانہ ہے جس کو ماننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے اور یہی بے سود بہانہ قاضی مقبول احمد صاحب نے کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو الاعتصام ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۲ء ص ۱۱) اور انھوں نے اس مطلق قرأت کو ہا زاد علی الفاخہ پر محمول کر کے بالکل ایک اور غیر معقول بات کہی ہے جو طفل نسلی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ امام ابو بکر الرازی فرماتے ہیں کہ یہ روایت جہرا اور ستر و دونوں پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہرا اور سرکا کوئی فرق بیان نہیں کیا۔ ہاں البتہ راوی نے اس کی تاویل یہ کی اور وہ یہ سمجھے کہ یہ جہر سے متعلق ہے۔ (محصلہ احکام القرآن جلد ۳ ص ۵۵) فرق ثانی کی طرف سے اس روایت پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کو ان کے جوابات کے ساتھ ملاحظہ کر لیجئے۔

پہلا اعتراض: امام بیہقی، علامہ حارثی، علامہ ابن حزم، امام نووی اور مبارکپوری صاحب وغیرہ لکھتے ہیں کہ ابن اکیمہ ٹیٹھی مجہول ہے۔ بنا بریں یہ روایت قابل التفات نہیں۔ (سنن الکبریٰ ص ۱۵۹، کتاب القراءۃ ص ۹۹، کتاب الاعتبار ص ۹۸، محلی جلد ۳ ص ۲۴۰، شرح مہذب جلد ۳ ص ۴۸، ذوالبکار المنہن ص ۱۵۵ وغیرہ)

جواب: ان اکابر کا یہ اعتراض بے بنیاد ہے۔ اولاً۔ پوری تشریح کے ساتھ ابن اکیمہ کی توثیق نقل کی جا چکی ہے۔ اور باقر امیر صاحب و مبارکپوری صاحب موطا کی مسند روایت پر کلام نہیں کیا جاسکتا۔ اور ابن اکیمہ ثقہ تھے۔ پھر بھی اعتراض کیے جانا انصاف کے بالکل منافی ہے۔ ثانیاً حضرات محدثین کرام کا یہ ضابطہ ہے کہ اگر کسی راوی کی دیگر محدثین توثیق کریں (بلکہ اس سے روایت کرنے والا بھی اگر وہ اہل توثیق ہے ہو خود توثیق کر دے) تو اس پر جہالت کا الزام نہیں ہوتا۔ وہ ثقہ اور عادل راویوں کی صف میں آجاتا ہے۔ (شرح منجۃ الفکر ص ۱۷ و غنیۃ الالمعی ص ۵۲، مولانا شمس الحق المنظم مع معجم الصغیر للطبرانی رحمہ اللہ اور ابن اکیمہ کو دیگر محدثین بھی ثقہ کہتے ہیں۔ اور امام زہری (جن کا اہل توثیق میں پایہ بہت بلند تھا) بھی توثیق کرتے ہیں۔ اور چار راوی ان سے فن حدیث میں روایت کرتے ہیں۔ اندر میں حالات ان کو مجہول کہتے جانا انصاف کا خون کرنا ہے۔

ثالثاً۔ مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ اگر کسی راوی پر جہالت کا الزام ہو اور امام ابن



جہاں اس کی توثیق کر دیں۔ تو جہالت کا الزام رفع ہو جاتا ہے۔ (ابکار المنین ص ۱۳۱) اور ابن اکیمہ کو ابن جہاں ثقافت میں لکھتے ہیں۔ غرض کہ کسی راوی سے متعلق ثقہ، ثبت اور عادل ہونے کے جتنے قواعد محدثین کرام کے نزدیک ثابت ہیں۔ وہ تمام ابن اکیمہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور جہالت سے نکلنے کا کوئی ضابطہ ایسا نہیں جو ان میں نہ پایا جاتا ہو۔ پھر فریق ثانی ہی انصاف سے فرمادے کہ ابن اکیمہ نے وہ کون سا جرم کیا ہے کہ ان کے لیے جہالت کے چکر سے نکلنے کے لیے کوئی دروازہ نہیں کھلتا۔ شاید وہ سمجھتے ہوں کہ توثیق کا نام ہی جہالت ہے۔ ع

نام ان کا رکھ لیا ہے آسمان تحریر میں

الحاصل فن حدیث کے لحاظ سے اس حدیث کے صحیح اور معتبر ہونے میں مطلقاً کوئی کلام نہیں ہے۔ رہا اس حدیث کا حضرت ابو ہریرہؓ کے موقوف اثر (اقرأ بھا فی نفسک) سے معارضہ کرتا تو اس کی بحث اپنے مقام پر آ جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

دوسرا اعتراض۔ حضرت امام بخاریؒ، امام بیہقیؒ، امام نوویؒ، مولانا ابو عبد الرحمن محمد عبد اللہؒ اور مبارکپوری صاحب وغیرہ لکھتے ہیں کہ فانتہی الناس عن القراءة حین سمعوا ذلک من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان نہیں کیا بلکہ یہ حضرت امام زہریؒ کا بیان ہے۔ اور امام زہریؒ کی عادت تھی کہ مرفوع حدیث میں اپنا قول ملا دیا کرتے تھے۔ اور اس دعویٰ کی دو دلیلیں ہیں۔ اول۔ امام لیث بن سعد اور ابن جریرؒ فانتہی الناس الخ کا ٹکڑا اپنی روایت میں بیان نہیں کرتے۔ دوم۔ امام اوذاعیؒ، امام زہریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ

قال الزہری فانتہی الناس فلم یکنوا یقرؤن۔ (جز القراءة ص ۲۳، ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۰، سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۸)

اس سے ثابت ہوا کہ یہ جملہ امام زہریؒ کا مدرج ہے اور یہ حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام اوذاعیؒ نے یہ بات تو اچھی طرح محفوظ رکھی ہے (کہ فانتہی الناس الخ امام زہریؒ کا مدرج ہے، مگر شومی قسمت کہ) الا انہ لم یحفظ اسنادہ۔ لیکن وہ اس کی سند محفوظ نہیں... رکھ سکے۔



(جزء القراءة ص ۲۲، کتاب القراءة ص ۶۹ و سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۸، شرح مہذب ص ۱۳۷، عقیدہ محمدیہ جلد ۲ ص ۱۹۰ وغیرہ واللفظ للبیہقی)

جواب۔ ان حضرات کا یہ کہنا کہ یہ قول امام زہری کا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تابعین نے امام کے پیچھے قرأت ترک کر دی تھی..... محض دفع الوقتی پر مبنی ہے اور اصول کے لحاظ سے یہ غلط ہے۔  
اولاً۔ اس لیے کہ امام بیہقی کا بیان ہے کہ جو جملہ حدیث مرفوعہ کے ساتھ بیان ہو وہ مرفوع ہی ہوگا۔ الا یہ کہ اس کے مدرج ہونے پر قاطع دلیل قائم ہو۔ (تلخیص الجبر ص ۱۲۶) اور کمزور سند اور محض احتمال سے اور ارجح ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ محض احتمال سے ارجح ثابت نہیں ہو سکتا۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۲۲۵) اور اس کے مدرج ہونے کی کوئی عقلی اور نقلی صحیح دلیل موجود نہیں ہے۔

ثانیاً۔ امام بیہقیؒ، علامہ حارمیؒ، حافظ ابن حجرؒ اور امام نوویؒ لکھتے ہیں۔ واللفظ لہ۔

وینتائن الصحيح بل الصواب الذي  
عليه الفقهاء والاصوليون ومحققوا  
المحدثون انه اذا روى الحديث مرفوعاً  
وموقوفاً او موصولاً ومرسلاً حكم  
بالرفع والواصل لانهما زيادة ثقة  
وسواء كان الرفع والواصل اكثر  
او اقل في الحفظ والعدد (شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۶)

ہم بیان کرتے ہیں کہ صحیح بلکہ خالص حق بات یہ ہے  
جس پر فقہاء، علماء اصول اور محقق محدثین متفق ہیں  
کہ جب کوئی حدیث مرفوعہ اور موقوفہ روایت  
کی گئی ہو۔ یا موصول اور مرسل بیان ہوئی ہو تو اس  
صورت میں حدیث مرفوعہ اور متصل ہی سمجھی جائے گی  
چاہے رفع اور وصل کرنے والے حفظ اور عدد میں زیادہ  
ہوں یا کم حدیث بہر حال مرفوع ہوگی۔

علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی ثقہ راوی سے معاً دو مسئلوں میں اختلاف پیدا ہو کہ

۱۔ کتاب القراءة ص ۴۶

۲۔ کتاب الاعتبار ص ۱۲

۳۔ تلخیص الجبر ص ۱۲۶

۴۔ شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۵۶۔ اور امام نوویؒ نے جلد ۱ ص ۲۸۲ و جلد ۲ ص ۲۷۲ و جلد ۳ ص ۲۰ میں بھی

اس کا ذکر کیا ہے اور جلد ۱ ص ۲۸۲ میں حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کا خاص طور پر نام ذکر کیا ہے۔



کسی وقت وہ موصول بیان کرتا ہے اور کسی وقت مرسل یا کسی وقت وہ مرفوع بیان کرتا ہے اور کسی وقت موقوف۔ تو صحیح قول کی بنیاد پر اس کے موصول اور مرفوع ہونے کا حکم کیا جائے گا نہ کہ مرسل اور موقوف ہونے کا۔ (شرح الفیہ جلد ۱ ص ۸۳)

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ اذا کان الواصل ثقة فهو مقبول۔ (دلیل الطالب ص ۲) اور نیز فرماتے ہیں کہ

اختلافی کہ در رفع ووقف اوست قاض ورجحیت نہ باشد چہ رفع زیادت است  
(ایضاً ص ۱۲۲)

اور نیز لکھتے ہیں کہ قال شیخنا وبرکتنا الشوکانی وهو الحسن اذا جاءت الزیادة من طریق الثقة۔ (ایضاً ص ۲۶۱) امام نہہریؒ کی ثقاہت اور عدالت بھی بالاتفاق مسلم ہے۔ اس لیے اس طے شدہ قاعدہ کے رو سے یہ جملہ بھی مرفوع ہی ہو گا۔

ثالثاً۔ امام ابو داؤدؒ، ابن ابی السرحؒ سے روایت کرتے ہیں وہ معمرؒ سے اور وہ امام نہہریؒ سے وہ فرماتے ہیں کہ

قال ابوہریرۃ فانہی الناس۔ (ابو داؤد جلد ۱) کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا۔ لوگوں نے قرأت ترک کر دی تھی۔  
(ص ۱۲۰)

۱۔ ابن ابی السرحؒ کا نام احمد بن عمرو بن عبد اللہ بن عمرو بن السرح تھا۔ محدث علی بن الحسن بن خلف کا بیان ہے کہ وہ ثقہ ثبت اور صالح تھے۔ ابو نہرؒ اور ابو حاتمؒ (وہ بائیں ہد سے ان کی توثیق کرتے ہیں۔ ابن یونسؒ ان کو فقیہ اور من الصالحین الا ثبات کہتے ہیں۔ امام نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں) تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۶۲ جب یہ ثقہ اور ثبت ہیں تو امام ابو داؤدؒ کے باقی چار اساتذہ اگر اس کو نقل نہیں کرتے تو نہ کریں زیادت ثقہ مطلقاً مقبول ہے۔ اس لیے مؤلف خیر الکلام کا یہ عذر لنگ بھی قابل سماعت نہیں ہے اور اسی طرح لیث بن سعد وغیرہ کا اس جملہ کو نکال دینا اور امام نہہریؒ کا سانس پھولنے یا کھانسی وغیرہ کی وجہ سے اس کو آہستہ پڑھنا بھی ہرگز اور راجح کی دلیل نہیں ہے۔

۲۔ معمر بن راشدؒ کو علامہ ذہبیؒ الامام الحجہ احمد الا علوم اور عالمین لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۷) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے (تقریب ص ۳) امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ امام (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)



اس صحیح روایت سے معلوم ہو گیا کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے۔ نہ یہ کہ امام زہریؒ کا مخرج ہے۔ جب معمرؒ کا اثبث الناس فی الزہریؒ ہونا محدثین کا طے شدہ قاعدہ ہے۔ تو امام لیث بن سعدؒ اور ابن جریرؒ کا اس جملہ کو نہ نقل کرنا اس کے مخرج ہونے کی ہرگز دلیل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس میں صحیح اور صواب بات معمرؒ ہی کی ہوگی خصوصاً جبکہ وہ مثبت بھی ہیں۔

رابعاً۔ گو امام اوڑاعیؒ بہت بڑے محدث فقیہ اور امام تھے۔ لیکن کتب الرجال میں اس کی تصریح موجود ہے کہ امام زہریؒ سے جو روایت وہ کرتے ہیں وہ حجت نہیں ہو سکتی حافظ ابو عمرؒ بن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ امام اوڑاعیؒ کی امام زہریؒ اور یحییٰ بن ابی کثیرؒ سے جملہ روایتیں ضعیف اور کمزور ہیں۔ (کتاب الانصاف ص ۲۰۱ و کتاب العلم ص ۲۰۱) امام ابن معینؒ کا بیانیہ ہے کہ اوڑاعیؒ فی الزہریؒ لیس بذالک (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۴۱) کہ امام اوڑاعیؒ زہریؒ سے روایت کرنے میں قابل اعتبار نہیں ہیں۔ امام یعقوب بن شیبہؒ کا بیان ہے کہ امام اوڑاعیؒ ثقہ اور مثبت تھے۔ لیکن انکی زہریؒ سے جملہ روایتیں کمزور اور ضعیف ہیں۔ (ایضاً) یہ راوی ضعیف نسبتاً نہیں ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۴۰ میں لکھا ہے۔ اور دھوکہ دیا ہے بلکہ یہ محدثین کی تصریح کے مطابق زہریؒ کی روایت میں حقیقتہً ضعیف ہے۔ انصاف شرط ہے کہ امام معمرؒ کی روایت کو (جو اثبث الناس فی الزہریؒ ہیں) چھوڑ کر امام اوڑاعیؒ کی روایت کو (جن کی زہریؒ

(بقیہ پچھلا صفحہ) زہریؒ کے تلامذہ میں سے زیادہ مثبت کون ہے؟ فرمایا معمرؒ اثبث الناس فی الزہریؒ۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۵۵) امام ابن معینؒ کا بیان ہے کہ معمرؒ اثبث الناس فی الزہریؒ۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۹) لہذا زہریؒ کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند روایت صرف معمرؒ بن راشدؒ کے طریق ہی سے ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس متصل حدیث کو مرسل کہنا، جیسا کہ مؤلف خیر الکلام ص ۲۳۹ میں کہا ہے بالکل باطل اور مردود ہے۔ اور قاضی مقبول احمد صاحب نے اسے معروف صحابی اور فہم صحابی کہہ کر غلطی چاہی ہے جو انتہائی جہالت ہے۔ یہ فہم صحابی نہیں یہ روایت حدیث ہے کہ جب آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو اس کے نتیجے میں لوگ ہر قسم کی قرأت سے بالکل باز آ گئے۔ یہ روایت ہے نہ کہ فہم صحابی۔ اس لیے حدیث بالکل صحیح اور قابل قبول ہے۔ السبۃ نہ ماننے کا کوئی علاج نہیں۔



کے طریق سے تمام روایتیں کمزور اور ضعیف ہیں۔) کیونکہ ترجیح دی جاسکتی ہے؛ امام بیہقی رچرہ امام اوزاعیؒ کی یہ نوازش ہوتی ہے کہ اتنا تو وہ یاد رکھ سکے ہیں کہ یہ جملہ مرفوع حدیث ہیں نہیں ہے۔ مگر سند محفوظ نہیں رکھ سکے۔ امام بیہقی علیہ الرحمۃ کو کیا مصیبت درپیش ہے کہ وہ ان لایعنی اور بے سند باتوں اور تار عنکبوت سے معجز کی صحیح روایت کو رد کر کے اصول شکنی کرتے ہیں؟ مگر سچ ہے ایک غلطی کے درست کرنے کے لیے متعدد غلطیوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

خامساً۔ اگر یہ جملہ بالفرض حضرت ابو ہریرہؓ کا نہ ہو بلکہ امام زہریؒ کا ہو۔ تب بھی کامیابی اور فتح جہور ہی کی ہوگی۔ فریق ثانی کو بغیر صراحت نصیبی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ اگر بالفرض فائتہی الناس الخ کو امام زہریؒ کا مدرج ہی تسلیم کر لیا جائے۔ تب بھی یہ اس بات کی ایک بہت بڑی وزنی دلیل ہوگی کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام زہریؒ اپنے وقت میں سنت اور حدیث کے بہت بڑے امام تھے۔ اگر امام کے پیچھے قرأت کرنا ضروری ہوتا تو یہ مسئلہ امام زہریؒ سے کیسے مخفی رہ سکتا تھا؟ جب امام زہریؒ یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں لوگوں نے قرأت ترک کر دی تھی۔ تو یہ اس بات کی کھلی اور معقول دلیل ہے کہ حضرات صحابہ و تابعینؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے اور اسی پر امام موصوفؒ نے ان کو عامل پایا (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۳۵)

سادساً۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ فریق ثانی اس جملہ کو امام زہریؒ کا مدرج تسلیم کرتا ہے۔ اگر یہ جملہ (فائتہی الناس الخ) سرے سے اس حدیث میں نہ ہو اور روایت حالی لا انازع القرآن پہر ہی ختم ہو جائے (جیسا کہ امام لیث بن سعد وغیرہ کی روایت یہیں ختم ہوتی ہے) تو پھر بھی یہ حدیث جہور کی دلیل ہے۔ کیونکہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنا والا لے مثلاً یہ کہ صحیح اور ضعیف حدیث کا تعارض ہو تو صحیح قابل اخذ اور ضعیف متروک ہوگی۔ ثقہ کی زیادت مقبول ہوگی۔ واصل اور رافع کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ مثبت کو نافی پر ترجیح ہوگی۔ امام معمرؒ اثبت الناس فی الزہدی رحمہم۔ امام اوزاعیؒ فی الزہدی لیس بذالک وغیرہ وغیرہ تمام طے شدہ قواعد کو محض ایک غلط بات کو درست کرنے کے لیے ٹھکرایا جا رہا ہے۔ فوا عجبا و الاسفا۔



صرف ایک ہی شخص تھا اور اس کو بھی آپ نے گوارا نہ فرمایا۔ پہلے آپ نے نماز سے فارغ ہو کر فوراً سوال کیا۔ اور پھر اس شخص کے اقرار کرنے کے بعد مالی انازع القرآن کے جملہ سے اس کی قرأت کو ناپسند کرتے ہوئے ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ فرمائی اگر فانتھی الناس کا جملہ سرے سے نہ ہو تو کیا اس تنبیہ کے بعد بھی اس کا حضرات صحابہ کرام سے احتمال ہے کہ وہ باقاعدہ امام کے پیچھے قرأت کرتے رہے؟ حاشا وکلاً۔ راقم کہتا ہے کہ اگر اس حدیث میں اور کچھ بھی نہ ہوتا صرف یہی جملہ ہوتا۔ ہل قرأ معی منکم احدٌ تو پھر بھی یہ جمہور کی دلیل کے لیے کافی ہوتا، حالانکہ جملہ فانتھی الناس حضرت ابو ہریرہؓ کا ارشاد ہے، جیسا کہ بسند صحیح آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

اصلی بات یہ ہے کہ امام زہریؒ کے فانتھی الناس النہ کے مضمون کے سمجھنے میں فیر بن ثانی کو غلطی واقع ہے جس کے سبب انھوں نے بیچ در بیچ غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے اور ایک بے بنیاد ملہ آپ نے ہل قرأ ارشاد فرمایا ہے۔ ہل جملہ نہیں فرمایا جس سے سورۃ فاتحہ کی قرأت ہر طرح سے ممنوع ہوگی۔ اس لیے ہل قرأ کو ہر پر حمل کرنا یا ہل قرأ کو ما زاد علی الفاتحہ پر حمل کرنا جیسا کہ امام بیہقی وغیرہ نے کیا ہے۔ (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۹ وغیرہ) یقیناً باطل اور مردود ہے اور تحمل النصوص علی ظہوا ہر ہا کے خلاف ایسا مطلب مراد لینا ہرگز صحیح نہیں۔ رہا یہ سوال کہ اگر پڑھنے والے نے آیت قرأت کی تھی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے علم ہوا؟ تو یہ بڑی سطحی قسم کی بات ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آپ کو نماز کی حالت میں ایک مخصوص کیفیت حاصل تھی جس سے آپ مقتدیوں کے رکوع و سجود اور خشوع کو ملاحظہ کر لیتے تھے۔ (مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱) ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اچھی طرح وضو کیسے نہیں آتے جس کی وجہ سے ہم پر قرآن کریم کی قرآۃ ملتبس ہو جاتی ہے (نسائی جلد ۱ ص ۱) حافظ ابن کثیرؒ اسی مضمون کی ایک اور روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسناد حسن و متن حسن۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ مقتدیوں کے وضو کے نقصان سے متاثر ہوتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز سے (صحۃ و فساداً) وابستہ اور متعلق ہوتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۲۴۱) لہذا مقتدی کی آہستہ قرأت سے آپ کا متاثر ہونا بعید نہ تھا۔ اس لیے نماز کی حالت میں آپ کی طبیعت لطیف تر اور شفاف تر ہو جاتی تھی۔

امام زہریؒ مرفوع حدیث بیان کر رہے تھے جس میں فانتھی الناس النہ کا جملہ بھی تھا۔ امام موصوف (باقی اگلے صفحہ پر)



اور پادریوں کی بات کی درستی کے لیے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہیں۔

تیسرا اعتراض: مبارک پوری صاحبؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے امام کے پیچھے صرف جہری نمازوں میں قرأت کی ممانعت آتی ہے۔ حالانکہ تم سب سب جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے منکر ہو۔ لہذا تمہارا دعویٰ عام اور دلیل خاص ہے۔ (تحقیق الکلام وغیرہ)

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) کے شاگرد کثرت تھے۔ ایک نے یہ جملہ براہ راست امام زہریؒ سے نہ سنا تو رفیق سبق سے پوچھا کہ امام زہریؒ نے کیا فرمایا تھا۔ وہ بولے فانتھی الناس الخ کہنا تھا۔ اس سے بعض کو یہ دھوکہ ہوا کہ شاید یہ جملہ امام زہریؒ کا مدرج ہے۔ حالانکہ یہ جملہ بھی مرفوع حدیث میں موجود تھا۔ (فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۳۳ و اعلام السنن جلد ۲ ص ۸۸) چنانچہ روایت یوں ہے کہ

وقال عبد الله بن محمد الزهري  
من بينهم قال سفيان وتكلم الزهري  
بكلمة لم اسمعها فقال معمر انه  
قال فانتهي الناس الخ  
ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۰، کتاب القراءة ص ۹۹، سنن  
الکبریٰ ۲ ص ۱۵۸

اپنے ساتھیوں میں سے عبد اللہ بن محمدؒ نے  
یہ بیان کیا کہ سفيان نے فرمایا کہ امام زہریؒ نے ایک  
کلمہ بیان کیا لیکن میں خود ان سے نہ سن سکا۔ میں نے  
پوچھا کہ انھوں نے کیا فرمایا ہے؟ امام معمرؒ نے فرمایا کہ زہریؒ  
نے فانتھی الناس الخ کا جملہ بیان کیا ہے۔

اور کتب احادیث میں اس کی متعدد نظیریں موجود ہیں۔ مثلاً زہریؒ کا بیان ہے کہ ابو الزہریؒ حدیث بیان کر رہے  
تھے، ایک جملہ میں نہ سن سکا۔ وہ جملہ مجھے میرے رفیق درس یا میں نے زیادت سے بتایا۔ (طیالسی ص ۲۲۰) حضرت جابر بن  
سمرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیث ارشاد فرما رہے تھے لیکن ایک جملہ میں نہ سن سکا۔ میں نے اپنے  
رفیق سے پوچھا تو اس نے مجھے بتلایا (ترمذی جلد ۲ ص ۱۲۵، ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۳۲، طیالسی ص ۱۸۰، بغدادی جلد ۱ ص ۱۹۹) حضرت  
عبد اللہ بن قرقہ فرماتے ہیں کہ اُن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث بیان کی مگر ایک خفیف سا کلمہ میں نہ سن  
سکا۔ میں نے پہلو میں اپنے رفیق سے پوچھا تو اس نے مجھے بتایا (مسند رک جلد ۴ ص ۲۲۱) حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ  
فرماتی ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث بیان کی لیکن ایک جملہ اہل مجلس کے رونے اور  
شور و غل کی وجہ سے میں نہ سن سکی۔ میرے قریب جو صاحب بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا  
تو انھوں نے وہ جملہ مجھے بتایا۔ (نسائی جلد ۱ ص ۲۲۲ و مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۲۶) اور یہ تمام جملے مرفوع حدیث کے ساتھ  
یہی حال فانتھی الناس الخ کے جملہ کا ہوا ہے۔



جواب: یہ ٹھیک ہے کہ جہور اہل اسلام تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن کے عدم جواز کے قائل ہیں لیکن یہ دعویٰ کس نے کیا ہے کہ تمام نمازوں میں مقتدی کے لیے عدم جواز قرآن کی دلیل صرف یہی ایک حدیث ہے۔ ہاں جہری نمازوں میں عدم جواز قرآن خلف الامام کی ایک دلیل یہ روایت بھی ہے باقی سری نمازوں کے لیے قرآن کریم کی آیت۔ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ بن مالک کی حدیث واذا قرء فانصتوا پہلے بیان ہو چکی ہے۔ بقید دلائل اپنے مقام پر بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نقد تو وصول کر لیجئے۔ اور ادھار کے منتظر رہیے۔ دنیا بامید قائم است۔

باقی امام بیہقی وغیرہ کا ابن اکیمہؒ کی روایت کا علاء بن عبد الرحمنؒ کی روایت سے معارضہ کر کے علاء بن عبد الرحمنؒ کی روایت کو ترجیح دینا سو یقیناً مردود ہے، جس کی پوری تشریح اپنے مقام پر آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز اور یہ بات بھی اپنے مقام پر انشاء اللہ تعالیٰ باحوالہ آئے گی کہ حضرت ابو ہریرہؓ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن نہیں کرتے تھے۔ لہذا مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا فتویٰ جہری نمازوں کو بھی شامل ہے بالکل بے کار ہے۔

پانچویں حدیث۔ امام عبد اللہؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے والد ماجد امام احمد بن حنبلؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یعقوب بن ابراہیمؒ نے بیان کیا۔ وہ محمد بن عبد اللہ بن مسلمؒ سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الامام الحافظ اور الحجۃ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۶۱۳) امام احمد کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

علامہ ابن معینؒ اور عیسیٰؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۳۸۰) علامہ ذہبیؒ ان کو الامام اور الحافظ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۰۶) امام احمدؒ ان کو صالح الحدیث اور لا یأثم بد کہتے ہیں۔ ابن معینؒ ایک روایت میں ان کو صالح کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ ان کی روایتیں لکھی جاسکتی ہیں۔ امام ابو داؤدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ مجھے ان کی کسی حدیث میں خرابی معلوم نہیں اور میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی۔ واقفیؒ ان کو کثیر الحدیث اور صالح کہتے ہیں۔ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں (اور یہ بالکل ایک ظاہر ہے کہ صحاح ستہ کچھ راوی میں اگر کوئی کمزوری ہو تو قابل برداشت ہوتی ہے جبکہ مقابلہ میں قوی ثقہ راوی ہیں) صحیح بخاری میں ان کی دو حدیثیں ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۶) امام زہریؒ کا ترجمہ مقدمہ میں گزر چکا ہے۔



وہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے عبد الرحمن بن ہریر نے بیان کیا۔  
وہ عبد اللہ بن بھینہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
نے ارشاد فرمایا کہ

هل قرأ احد منكم معي انفا قالوا نعم  
قال اني اقول مالي انا نزع القرآن فانه  
الناس عن القراءة معد حين قال ذلك۔  
کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی  
ہے؟ حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا جی حضرت قرأت  
کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تب ہی تو میں (دل  
میں) کہہ سکتا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم قرأت میں  
منارعت اور کشمکش کیوں کی جا رہی ہے؟ آپ کا  
یہ ارشاد جب سنا تو لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت  
ترک کر دی۔

امام ابوبکر عیسیٰ (المتوفی ۶۸ھ) اس حدیث کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ رواہ احمد  
ورجال احمد رجال الصحيح۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۰۹) یہ روایت امام احمد نے بیان کی  
ہے اور امام احمد کی سند کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ اس کے آگے علامہ عیسیٰ نے  
امام بزار کا وہ اعتراض نقل کیا ہے جو عنقریب آرہا ہے۔ الغرض سند کے لحاظ سے یہ روایت  
بھی صحیح ہے۔ اور اس میں جہری نماز کی کوئی قید بھی مذکور نہیں ہے۔ لہذا یہ روایت جہری اور  
سری تمام نمازوں کو شامل ہے۔ گویا اس روایت کے پیش نظر حضرات صحابہ کرام نے آنحضرت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے تمام نمازوں میں قرأت ترک کر دی تھی۔ (ملاحظہ ہو احکام القرآن  
جلد ۳ ص ۵۲ ملخصا من الرازی) اور اگر اس روایت میں جہری قید بھی ہو جیسا کہ مجمع الزوائد جلد ۲  
ص ۱۱۱ امام ذہبی ان کو الحافظ اور ثبت لکھتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۹۱)

علامہ بھینہ ان کی والدہ کا نام تھا (نوی ۱ ص ۲۱۱، طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم دوم صفحہ ۳۰) والد کا نام  
مالک تھا۔ (صحیح مسلم ص ۲۱۱) مدینہ سے تیس میل دور مقام یریم میں متوطن ہو گئے تھے (استیعاب  
جلد ۱ ص ۱۳۵) اور علیل القدر و فضلاء صحابہ میں ان کا شمار تھا۔ (اصابہ جلد ۴ ص ۱۳۱) المتوفی ۵۵ھ  
یہ روایت سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۸ اور کتاب القراءة ص ۹۸ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔



کی ایک روایت میں ہے صلیٰ صلوة یجہر فیہا الخ تب بھی چہری نمازوں میں ترک  
 قرآۃ خلف الامام پر سابق روایات کی طرح یہ صریح دلیل ہے۔ اس روایت پر امام بزاز اور  
 امام بیہقی وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں محمد بن عبد اللہ بن مسلم نے خطا کی ہے۔  
 اصل روایت عن ابن اکیمہ عن ابی ہریرۃ الخ تھی۔ لیکن انھوں نے عن ابن جحینہ  
 کر دی ہے۔ اور پھر محض لفظوں کے ذریعہ لوں رعب جمانے کی سعی کی ہے کہ ہذا خطاً  
 لا شک فیہ واں تیاب۔ (سنن الکبریٰ ۲ ص ۱۵۹ وغیرہ) لیکن محض ظن اور اٹکل سے ایسے  
 نو یحییٰ اور بیگا را اعتراض کون سنتا ہے؟ کیا ابن اکیمہ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ عبد اللہ بن  
 جحینہؓ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ترک قرأت خلف الامام کی روایت  
 نقل کرنے کے مجاز نہیں تھے؟ اور کیا امام احمد بن حنبلؓ اور علامہ بیہقیؒ وغیرہ کو یہ غلطی اور خطا  
 معلوم نہ ہو سکی؟ نہ تو اس میں اندراج کی غلطی سے انتقال سند ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام  
 نے ص ۱۲۲ میں کہا ہے اور نہ یہ روایت ضعیف ہے۔ وعلیٰ سبیل التذلل اگر یہ روایت  
 عن ابن اکیمہ عن ابی ہریرہؓ ہی ہو۔ تب بھی یہ صحیح روایت پہلی روایت کی مؤید ہوگی اور  
 اس کا صحیح ہونا آپ معلوم ہی کر چکے ہیں۔ حالانکہ یہ روایت عبد اللہ بن جحینہؓ ہی سے مروی ہے۔  
 امام معمرؒ اور سفیان بن عیینہؒ کی زہری عن ابن اکیمہ الخ کی روایت اپنے مقام پر صحیح ہے۔  
 نہ تو دونوں میں تعارض ہے اور نہ اختلاف۔ رہا اس روایت میں قرآ کو چہر پر حمل کرنا یا اس  
 میں قرأت کو مازاد علی الفاتحہ پر محمول کرنا جیسا کہ امام بیہقیؒ نے کیا ہے۔ (سنن الکبریٰ  
 جلد ۲ ص ۱۵۹) تو محض فرسودہ اور بے حقیقت تاویل ہے۔ اور خالص سببہ زوری پر محمول ہے۔  
 فسا محہ اللہ تعالیٰ بعونہ وفضلہ۔

۳ علامہ بیہقیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس روایت کے جملہ راوی بخاری کے راوی ہیں۔ اگر اس روایت کو ابن اکیمہؒ  
 سے تسلیم کیا جائے تو ابن اکیمہ بخاری کے راوی نہیں ہیں۔ لہذا ان کا رجاء رجال الصحیح کہنا ہی امام  
 بزازؒ کی تردید کے لیے کافی ہے اور اپنے وقت میں اگر علامہ بیہقیؒ کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور  
 کس کو تھی؟ مؤلف خیر الکلام کا بیہقیؒ پر اعتراض بے سود ہے اگرچہ مسند احمد کی بعض روایتیں ضعیف و کمزور ہیں

مگر یہ سند بالکل صحیح ہے کیونکہ اس کے جملہ راوی بخاری کے راوی ہیں۔



چھٹی حدیث : امام بزارؒ فرماتے کہ ہم سے محمد بن بشرؒ اور عمر بن علیؒ نے بیان کیا۔  
 وہ دونوں فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو احمدؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یونس بن ابی  
 اسحاقؒ نے اپنے باپ سے بیان کیا۔ وہ ابوالاحوصؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عبداللہؒ  
 بن مسعودؒ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا :

اے صاحب مذاہد بن عمرو بن عبدالحقؒ (المتوفی ۲۹۲ھ) علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور العلما کہتے ہیں۔  
 (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۰۴)

اے حافظ ابن حجرؒ ان کو الحافظ اور عجلیؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ صدوق اور نسائیؒ لو باس  
 کہتے ہیں۔ مسلم بن قاسمؒ ان کو ثقہ اور مشہور کہتے ہیں۔ دارقطنیؒ ان کو من الحفاظ والاشبات کہتے ہیں  
 ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۷۷) عمرو بن علیؒ کو امام ابو زرعہؒ من فضان  
 الحدیث اور دارقطنیؒ من الحفاظ کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں۔ مسلم بن قاسمؒ ان کو ثقہ  
 اور حافظ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۷۷)

اے ان کا نام محمد بن عبد اللہ بن الزبیرؒ تھا۔ امام ابن نمیرؒ ابن معینؒ اور عجلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ بزارؒ کا بیان ہے  
 کہ میں نے ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔ محدث ابو زرعہؒ اور ابن خراشؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام ابو حاتمؒ  
 ان کو حافظ الحدیث کہتے ہیں۔ امام نسائیؒ لیس بہ باس ابن قانعؒ ثقہ اور ابن سعدؒ ان کو صدوق اور  
 کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۹ ص ۲۵۵)

اے امام ابن معینؒ اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن عدیؒ حسن الحدیث اور نسائیؒ لو باس بہ  
 کہتے ہیں۔ عجلیؒ ان کو جائز الحدیث کہتے ہیں اور ابن شہینؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۱ ص ۴۳۴)  
 ابو اسحاق السبئیؒ علامہ ابن ناصر الدینؒ ان کو بڑے حفاظ اور ائمہ دین میں شمار کرتے ہیں (شذراذ العجیب ص ۱۱۷)  
 امام نوویؒ لکھتے ہیں ان کی توثیق جلالت اور شمار پر سبب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسما جلد ۲ ص ۷۷) علامہ ذہبیؒ  
 ان کو الحافظ اور احد الاعلام لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۱) امام احمد بن معینؒ، نسائیؒ، عجلیؒ اور ابو حاتمؒ وغیرہ  
 سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۶۵)

اے ان کا نام عوف بن مالک بن نضلہؒ تھا۔ امام ابن معینؒ، ابن سعدؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ  
 ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۱ ص ۱۹۹) حضرت ابن مسعودؒ جلیل القدر صحابی تھے جن کے کچھ مناقب باقول  
 میں بیان ہو چکے ہیں۔



كانوا يقرأون خلف النبي صلى الله عليه وسلم فقال خلطتم على القرآن - (احكام القرآن جلد ۳ ص ۵ و طحاوی جلد ۴ ص ۱۹۲)  
 کہ لوگ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے مجھ پر قرآن مجید کی قرأت خلط ماط کر دی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ نے اپنے پیچھے قرأت کرنے والوں کی قرأت کو گوارا نہ فرمایا اور مخصوص لہجہ میں ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے تنبیہ فرمائی اور اس میں چونکہ جہری نماز کی قید نہیں۔ اس لیے سب نمازوں کو یہ روایت شامل ہوگی۔ اور آہستہ قرأت کرنے بلکہ مقتدیوں کے عدم تکمیل و ضوع سے آپ کا متاثر ہونا پہلے نقل ہو چکا ہے۔ علامہ مہیشویؒ لکھتے ہیں کہ یہ روایت مسند احمد، مسند ابوالریالی اور مسند بزار میں مروی ہے۔ اور مسند احمد کی روایت کے جملہ راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۹۲) علامہ ماروینیؒ لکھتے ہیں کہ وہذا سند جید کہ یہ عمدہ اور کھری سند ہے۔ (المجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۹۲) اور قرأت چونکہ مطلق ہے اس لیے سورہ فاتحہ اور قرآن کریم کی جملہ سورتوں کی قرأت کو شامل ہے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جہر اور ستر کا کوئی فرق بیان نہیں فرمایا۔ (احکام القرآن جلد ۳ ص ۵۱)

اس روایت میں قرأ کو جہر پر یا قرأت کو مازاد علی الفاتحة پر بجز محمول کرنا جیسا کہ امام بیہقی کی تقلید میں کرنے والوں نے (جن میں قاضی مقبول احمد صاحب بھی ہیں) کیا ہے بالکل غلط ہے ایسی لایعنی تاویلات کو کون ماننا ہے؟

بعض طرق میں اس کا ذکر آتا ہے کہ حضرات صحابہؓ آپ کے پیچھے جہر سے قرأت کرتے تھے مگر فی جہرون کے الفاظ سنداً و معناً محل نظر ہیں۔ یہ روایت دارقطنی جلد ۱ ص ۳۰ میں ہے، لیکن پوری سند یوں ہے: عن یونس بن ابی اسحق عن الاحوص... الخ اور گو تعلیق المعنی میں کہا ہے: اسنادہ حسن مگر مؤلف خیر الکلام کے اصول سے یہ صحیح نہیں ہے وہ لکھتے ہیں کہ

اس کی سند میں ابواسحاق سبیعیؒ ہیں حافظ ابن حجرؒ نے ان کو تیسرے طبقہ کے مدلسین



میں شمار کیا ہے۔ طبقات المدلسین ص ۱۲ اور اس طبقہ کی روایات بدون تصریح سماع مقبول نہیں ہوتیں۔۔۔۔۔ الخ (خیر الکلام ص ۲۶۸) بقول ان کے یہ نہ تو صحیح ہے اور نہ مقبول علاوہ انہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ یونس کی اپنے والد سے روایت ضعیف ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۳۳) اور مؤلف خیر الکلام نے ص ۱۹۰ میں لکھا کہ بعض اہل علم ابواسحاق کو ان کے اختلاط کی وجہ سے چھوڑ چکے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۲۹۲) لہذا متروک کی روایت کا کیا اعتبار۔ کم از کم ان کو اپنے پیش کردہ اصول کا خیال تو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

ساتویں حدیث: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوالحسن علی بن احمد حامی مقرئ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سلیمان فضیہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم بن ہشیم نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے آدم بن محمد نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ

۳۲۹  
۱۔ علامہ خطیب لکھتے ہیں کہ وہ صادق دیندار، فاضل اور حسن الاعتقاد تھے۔ (بغدادی جلد ۱) مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۲۲ میں یہ کہا ہے کہ ابن ابی الفوارس کہتے ہیں ضعیف جداً سخت ضعیف ہے۔ میزان جلد ۲ ص ۲۱۷، اور لسان المیزان جلد ۲ ص ۱۹۲، مگر یہ ان کی جہالت ہے کیونکہ جن کی تضعیف ابن ابی الفوارس نے کی ہے وہ علی بن احمد بن ابی قیس المقرئ الرفاعی۔۔۔۔۔ الخ ہیں جن کی وفات ۲۵۲ھ میں ہوئی ہے۔ دیکھئے لسان جلد ۲ ص ۱۹۲ وغیرہ اور زیر بحث سند میں علی بن احمد بن عمر بن حفص ابوالحسن المقرئ المعروف بابن الحامی ہیں جن کی وفات ۲۱۱ھ میں ہوئی (دیکھئے بغدادی جلد ۱ ص ۳۳۳) اس لیے مؤلف خیر الکلام کا ص ۲۲۲ میں یہ کہنا کہ پھر یہ حدیث بالکل منکر شاذا اور ضعیف ہے۔ انتہی بلفظ قطعاً باطل اور مردود ہے۔

۲۔ علامہ ذہبی ان کو الامام، الحافظ، الفقیہ اور شیخ العلماء لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۷۹) ۳۔ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (بحوالہ الجوہر النقی جلد ۱ ص ۱) دارقطنی ان کو ثقہ لکھتے ہیں (جلد ۱ ص ۱) ابن عدی ان کو مستقیم الحدیث لکھتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (جلد ۱ ص ۱) لسان المیزان جلد ۱ ص ۱۲۳ خطیب ان کو ثقہ اور ثبت لکھتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۱ ص ۲) ۴۔ آدم بن ابی ایاس، امام ابوداؤد، ابن معین اور عجل ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابوحاتم ان کو ثقہ اور (باقی اگلے صفحہ پر)



ہم سے ابن ابی ذرؓ نے بیان کیا۔ وہ محمدؐ بن عمروؓ سے اور وہ محمدؐ بن عبدالرحمنؓ بن ثوبانؓ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

مَا كَانَ مِنْ صَلَاةٍ يُجْهَرُ فِيهَا إِلَّا مِمَّنْ جَسَّ نَمَازِهِمْ إِمَامٌ جَسَّ جَهْرٌ مِنْ قِرَاءَتِهِ كَرَاهُوا -  
بِالْقِرَاءَةِ فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَقْرَأَ مَعَهُ - اس نماز میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ امام کے (کتاب القراءۃ ص ۴۹، ص ۱۲۲ طبع اثرب پریس) ساتھ قرأت کرے۔

یہ روایت بھی اس بات کو واشگاف کرتی ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے کسی مقتدی کو اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت کرے۔ امام بیہقیؒ نے قرأت سے جہر اور ما زاد علی الفاتحۃ کی قرأت مراد لی ہے۔ لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مامور من اللہ تھے۔ اور آپ کو فاصدع بہا تو عمر کا حکم تھا۔ مطلق قرأت اور سورۃ فاتحہ کی مقید قرأت میں نیز نفس قرأت اور جہر بالقراءۃ میں آپ اچھی طرح فرق جانتے تھے۔ پھر نہ معلوم آپ نے اتنی رازداری اور کنایہ سے کام کیوں لیا؟ آپ نے یہ کیوں نہ فرمادیا کہ فلیس لاحد ان یجہر معہ اور یہ کیوں نہ فرمادیا: فلیس لاحد ان یقرأ معہ غیر سورۃ الفاتحۃ آپ کے الفاظ تو یہ ہیں فلیس لاحد ان یقرأ معہ کسی کو یہ حق نہیں کہ امام کے ساتھ کسی قسم کی قرأت کرے۔ آپ کے مطلق حکم کو بلا دلیل مقید کر دینا (بقیہ گذشتہ صفحہ) مامون کہتے ہیں۔ نسائی لا باس بہ کہتے ہیں۔ ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۹۲)

لہ ثقہ، فقیہ اور فاضل تھے۔ (تقریب ص ۳۲۹)

۳ امام ابو زرہؒ، نسائی اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ ان کو ثقہ اور صالح الحدیث کہتے ہیں۔ (ایضاً جلد ۲ ص ۳۷۲)

۴ ابن سعدؒ، ابو زرہؒ، نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ کا بیان ہے کہ وہ تابعین میں تھے اور ایسے ثقہ تھے کہ ان کے مثل سے سوال نہیں ہو سکتا۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً جلد ۲ ص ۲۹۲) حضرت ابو ہریرہؓ مشہور صحابی تھے۔ غرضیکہ اس روایت کا ایک ایک راوی ثقہ اور ثبوت



اور مطلق قرأت کو مقید قرأت پر بغیر کسی حجت کے حمل کرنا سینہ زوری نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک اور بات اس روایت کے بارے میں امام بیہقیؒ سے نکلی ہے، وہ بھی بہت ہی عجیب ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ روایت منکر ہے۔ اگر کوئی روایت صرف امام بیہقیؒ کے منکر کہنے سے منکر ہو جایا کرتی ہے تو پھر ان سے کوئی جھگڑا نہیں۔ لیکن اصول حدیث کے لحاظ سے یہ روایت کسی طرح منکر نہیں ہے۔ حضرات محدثین کرامؒ کی اصطلاح میں منکر وہ روایت ہوتی ہے جس کی سند میں کوئی ایسا راوی موجود ہو جو فاحش غلطی اور کثرتِ خطا کا مرتکب ہوا ہو۔ یا اپنے زیادہ کسی ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہو۔ (دیکھیے شرح شجۃ الفکر ص ۵۵ و ۵۹ وغیرہ) لیکن اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور اس روایت میں کوئی ایسا راوی موجود نہیں جو کسی ثقہ راوی کی مخالفت کر رہا ہو۔ اگر امام بیہقیؒ کی مراد اس روایت کو علامہ ابن عبد البرؒ کی روایت کے خلاف بتانا ہے۔ تو اس کی حقیقت بھی عنقریب آشکارا ہو جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز اندر میں حالات اس کو منکر کہنا اصول کے خلاف ہے جو کسی طرح مسموع نہیں ہو سکتا۔ اور باقرار مبارک پوری صاحبؒ یہ نقل ہو چکا ہے کہ امام بیہقیؒ کا کوئی قول بلا دلیل حجت نہیں ہو سکتا۔ مؤلف خیر الکلام (ص ۴۴۶ میں) لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے طبیعت نفرت کرتی ہے۔ کیونکہ جو صحیح روایات حضرت ابو ہریرہؓ سے وارد ہیں یہ ابو جہان کے خلاف ہونے کے شاذ ہے۔۔۔ الخ اگر امام بیہقیؒ کی طبیعت صحیح حدیث کو نہیں مانتی تو نہ مانے۔ صحیح حدیث کو ماننے والے بھی دنیا میں بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ سے جہری منافقوں میں کوئی روایت خلف الامام قرأت کی ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ بیان ہو گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) لہذا خلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

**آٹھویں روایت:** امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو بکر بن اسحاق الفقیہ اور ابو بکر بن عبد اللہؒ نے بیان کیا۔ وہ دونوں فرماتے ہیں کہ امام ابو عبد اللہؒ کا ترجمہ باب اول میں گزر چکا ہے۔ ابو بکر بن اسحاق الفقیہ اور ابو بکر بن عبد اللہؒ کی سند قابل ہے مگر مزید تسلی اور تسکین کے لیے (کیونکہ ابو بکر الفقیہ تو مشہور امام ہیں) ابو بکر بن عبد اللہؒ کا ترجمہ سن لیں۔ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ الامام، الاوحد، المعدل اور محدث نیشاپورؒ لکھتے ہیں۔ (المتوفی ۷۴۸ھ) (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۰۲)



ہیں کہ ہم سے احمد بن شبر بن سعد المرشدیؒ اور حسن بن سفیانؒ نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم سے فضیل بن عبد الوہابؒ اور محمد بن خالد بن عبد اللہ الواسطیؒ نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم سے خالد بن عبد اللہ الطحانؒ نے بیان کیا۔ وہ عبد الرحمن بن اسحاقؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ سعید مقبریؒ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے وہ فرماتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے سند کی یہ کڑی بھی ڈیل ہے۔ اور حسن بن سفیانؒ کا ترجمہ باب اقل میں امام نہ ہریری کے اثر میں نقل ہو چکا ہے کہ وہ جلیل القدر امام تھے۔

یہ کڑی بھی ڈیل ہے۔ امام ابن معینؒ کہتے ہیں کہ فضیل ثقہ اور لا بأس بہ تھے۔ محدث عبد الرحمنؒ اپنے والد سے ان کی توثیق نقل کرتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۱۲ ص ۱۳۹) ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور ابو بکر بن زرارہؒ لیس بہ لا بأس کہتے ہیں، ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۹۳)

امام احمد بن محمدؒ ابو زرہؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ ان کو ثقہ اور صحیح الحدیث کہتے ہیں۔ امام ترمذیؒ ان کو ثقہ اور حافظ کہتے ہیں۔ محمد بن عثمانؒ ان کو اثبت کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً ۳ ص ۱۱) امام احمدؒ ان کو من افاضل المسلمین کہتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۸ ص ۲۹۴) علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الامام لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۳۹)

امام احمدؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں۔ ابن معینؒ ثقہ کہتے ہیں۔ یعقوب بن شیبہؒ صالح اور یعقوب بن سفیانؒ لا بأس بہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ حسن الحدیث کہتے ہیں۔ ابو داؤدؒ ثقہ کہتے ہیں۔ نسائیؒ جلیل القدر ہیں۔ لیس بہ لا بأس کہتے ہیں۔ ابن خزیمہؒ بھی لیس بہ لا بأس کہتے ہیں۔ ابن عدیؒ صالح الحدیث اور صالح صدوق کہتے ہیں۔ ابن سعدؒ ان کی توثیق کرتے ہیں اور ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں۔ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۳۸) مؤلف خیر الکلام ص ۱۸۱ میں لکھتے ہیں کہ ابن معینؒ نے ان کو ضعیف کہا اور امام احمدؒ نے منکر الحدیث کہا یہ جرحیں اگرچہ مبہم ہیں مگر ان سے راوی مرتبہ سے گرجا سکتا ہے (محصلہ الجواب) امام ابن معینؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے اور امام احمدؒ نے ان کو صرف ابو الزنادؒ کی روایت میں منکر کہا ہے اور یہ روایت سعید مقبریؒ سے ہے اور لطف یہ ہے کہ خود مؤلف مذکور جرح کو مبہم کہتے ہیں اور خیر الکلام ص ۱۸۱ میں لکھا ہے کہ پھر اس پر جو جرحیں کی گئی ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)



کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بام الكتاب فی

کہ ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ نماز ناقص ہوتی ہے، مگر ہاں وہ نماز اس سے مستثنیٰ

خدا ج (۱) صلوٰۃ خلف امام

ہے جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔

(کتاب القراءۃ ص ۱۳۵، طبع دہلی و ص ۱۷۱)

طبع اشرف پور (پیش)

اس روایت میں خلف امام اور امام الکتاب کی قید خاص طور پر ملحوظ رکھنی چاہئے۔ اور یہ بھی کہ آپ نے تمام نمازوں میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کو ضروری اور لازم ٹھہرایا ہے۔ مگر مقتدی کے لئے اس کی قرأت کی مطلقاً گنجائش نہیں چھوڑی اور امام بیہقی وغیرہ جہاں قرأت سے مانا دعویٰ الفاتحہ مراد لے کر غلو خلاصی کیا کرتے ہیں۔ یہ روایت ان کی اس تاویل کو بھی باطل ٹھہراتی ہے۔ کیونکہ اس میں خاص طور پر امام الکتاب کی قید موجود ہے جو نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ اور اس صحیح روایت سے بھی فریق ثانی کا یہ مطالبہ آسانی سے پورا ہو جاتا ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی ایکسپی صیح صریح مرفوع حدیث پیش کرو۔

(بقیہ پچھلا صفحہ) مفسر نہیں محدثین اور اصول فقہ والوں کے ہاں اس قسم کی جمع مقبول نہیں ہوتی اور امام احمد کی اصطلاح منکر الحدیث کے بارے میں بالکل جدا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ان ابن حنبل ۲ یطلق علی من یغرب علی اقاربه فی الحدیث ای یأتی بالخرائب انہ منکر الحدیث... انتہی (ہامش تدوین الراوی ص ۲۳۲) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جو راوی اپنے باقی ساتھیوں سے متفرد ہو کر کوئی غریب حدیث بیان کرے تو وہ منکر الحدیث ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ غریب حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے۔ کمال بخفی۔ یہ یاد رہے کہ اس سند میں راوی عبد الرحمن بن اسحاق المدنی ہیں جو کہ رجال مسلم میں سے ہیں نہ کہ الواسطی جن پر امام بیہقی نے امام ابن معین اور امام احمد کا کلام نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب القراءۃ طبع دہلی) کیونکہ المدنی سے خاتم بن عبد اللہ الطحان الواسطی کی اور المدنی کی سعید مقبری سے روایت ہے۔ (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۳۷) مگر الواسطی اس پوزیشن میں نہیں۔ امام بیہقی غلطی کا شکار ہوئے ہیں۔ (فصل الخطاب ص ۱۲) اور اسی عبد الرحمن بن اسحاق سے فریق ثانی ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۲ کی روایت فالتی الناس کے مرسل ہونے پر استدلال کرتا ہے۔ (فصل الخطاب ص ۱۰۰ للعلامة الکشمیری)

علامہ ذہبی ان کو امام الحدیث اور ثقہ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۰) غرضیکہ حضرت ابو ہریرہ تک تمام روایات ثقات

ثبت ہیں۔



**اعتراض:** یہی اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اصل روایت <sup>۱۸۶</sup> لا صلوة خلف امام کا جملہ نہیں ہے جیسا کہ علامہ بن عبد الرحمن نے حضرت ابو ہریرہؓ کا موقف اثر نقل کیا ہے اور اس میں یہ جملہ مذکور نہیں ہے اور یہ خالد الطحانؒ کی خطا ہے کہ وہ یہ جملہ زائد کر کے حدیث کا مطلب بگاڑ رہے ہیں (کتاب القنۃ ص ۳۵۰ محصلہ)

**جواب:** یہ اعتراض چنداں وقعت نہیں رکھتا: اولاً: اس لیے کہ مرفوع حدیث کو موقف اثر کے تابع بنا کر مطلب لینا خلاف اصول ہے۔ وثانیاً: اس کی بحث اپنے مقام پر آئے گی۔ کہ اعتبار راوی کی مرفوع حدیث کا ہوتا ہے۔ اس کی اپنی ذاتی رائے کا اعتبار نہیں ہوتا۔ وثالثاً: خالد الطحانؒ بالاتفاق ثقہ اور ثبت تھے۔ اور ثقہ کی زیادت بالاتفاق مقبول ہوتی ہے تو پھر نہ معلوم یہ غدر اور غلطی ان کے سر کیسے تھوپی جاسکتی ہے؟ ورابعاً: الزامی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر واقعی اس حدیث کے مضمون میں غلطی واقع ہوئی ہے تو کیوں نہ ہو کہ لا صلوة خلف امام کی زیادت صحیح ہو۔ اور علامہ بن عبد الرحمنؒ کی روایت میں غلطی اور خطا کی وجہ سے یہ زیادت چھوٹ چکی ہو۔ اور اس زیادت کے ترک کر دینے یا چھوٹ جانے کی وجہ سے حدیث کا مضمون بدل گیا ہو بلکہ قرین انصاف بھی یہی بات ہے کہ غلطی خالد الطحانؒ کی نہ ہو جو ثقہ اور ثبت تھے بلکہ یہ غلطی اور خطا علامہ بن عبد الرحمنؒ کی ہو۔ کیونکہ ان پر کتب رجال میں کلام اور جرح کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البرؒ اور علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن معینؒ فرماتے تھے لیس حدیث بحجة کہ علامہ بن عبد الرحمنؒ کی حدیث حجت نہیں ہو سکتی، ابن عدیؒ ان کو لیس بالقوی کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ کا بیان ہے کہ ان کی بعض حدیثیں منکر ہوتی ہیں۔ ابو زرؒ کا بیان ہے کہ وہ کوئی زیادہ قوی نہ تھے، امام ابو داؤدؒ کا بیان ہے کہ محدثین نے ان کی صمیم شعبانؒ کی حدیث ان کے مناکیر میں شامل کی ہے، محدث خلیلیؒ کا بیان ہے کہ ان کی ایسی روایتیں بھی ہیں جن میں ان کا کوئی مناجح نہیں ہے۔ (دیکھئے کتاب الانصاف ص ۲۱۶ جلد ۲ ص ۲۱۶ اور تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۸۶) اس لیے قرین قیاس اور منہج انصاف صرف یہی بات ہے کہ اس زیادت کے ترک کرنے میں غلطی علامہ بن عبد الرحمنؒ کی ہے اور یہ روایت ان کی منکر روایتوں میں شمار ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا ص ۱۸۶ میں یہ کہنا کہ علامہ بن عبد الرحمنؒ پر جرح مبہم ہے، اور نور الانوار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جرح مبہم اثر انداز نہیں ہوتی۔ پس وہ ثقہ ٹھہرے۔



امام مسلم نے ان سے استشہاد کیا ہے، لہذا ان کے ہاں بھی ثقہ تھے۔ اور اُمت نے مسلم کی روایات کو جن پر تنقید نہیں ہوئی صحیح کہا ہے لہذا بالاجماع صحیح ہوئی۔ (محصلاً) محض تسکین قلب کا سامان امام ابن معین نے ان پر مفسر جرح کی ہے اور جرح مبہم سے بھی مؤلف مذکور کے نزدیک راوی گر جاتا ہے اور اس پر ابن معین وغیرہ نے تنقید کی ہے۔ لہذا یہ کسی طرح صحیح نہیں یہ ان کی غلطی ہے اور خالد الطحان کی زیادت بلا شک و شبہ صحیح ہے کیونکہ وہ ثقہ ثبت صحیح الحدیث اور اثبت ہیں۔ الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے نہ اس میں خالد الطحان کا وہم ہے اور نہ عبدالرحمن بن اسحاق کا، جیسا کہ امام بیہقی وغیرہ نے کہا ہے۔ امام مسلم نے مقدمہ میں یہ بتلایا ہے کہ وہ استشہاد میں متکلم فیہ راوی کو بھی لے لیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۲)۔ لہذا ان کا مسلک یہ ہے کہ ان پر تنقید بھی ہوئی ثقات ثبوت نہیں لوں حدیث : امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو الحسن علی بن احمد بن عبدان نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن عبد الصفاق نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن غالب نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو عمر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے امام نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے زیادہ علم نے بیان کیا۔ وہ حسن سے روایت کرتے ہیں

۱۔ علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (بغدادی جلد ۱۱ ص ۲۲۹)  
 ۲۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الثقہ لکھتے ہیں۔ دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۸۷)

۳۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الامام کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۷۲) دارقطنیؒ ان کو ثقہ اور مامون اور حافظ ابن حجرؒ ان کو الحافظ کہتے ہیں۔ (لسان المیزان جلد ۳ ص ۳۳۷) اور ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں۔ (ایضاً ص ۳۳۸) نیز امام دارقطنیؒ نے ان کو مکثر مجود اور حافظ ابن حجرؒ نے متقن کہا۔ (ایضاً)

۴۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور علامہ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۹۷)

۵۔ ذہبیؒ ان کو الامام، الحجۃ اور الحافظ کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۸۸)

۶۔ امام احمدؒ، ابن معینؒ، ابو داؤدؒ، نسائیؒ اور ابن سعدؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو زرعہؒ ان کو شیخ کہتے

اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب لہذیب جلد ۲ ص ۴۶۲)

۷۔ امام حسن بصریؒ کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔



اور وہ حضرت ابو بکرؓ سے:

اذا دخل المسجد والنبي صلى الله عليه وسلم وہ کہتے ہیں کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو ان

راکع فرکع قبل ان يصل الى الصف فقال النبي حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں چلے گئے تھے۔

صلى الله عليه وسلم زادك الله حرصا ولا تهمد۔ چنانچہ صف میں بیٹھنے سے قبل ہی وہ (تکبیر تحریرہ ادا کر کے)

(سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۹۰) رکوع میں چلے گئے اور آہستہ آہستہ چلتے چلتے صف

میں مل گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کرنے

پر اور حرص میں کرے پھر ایسا نہ کرنا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے رکوع میں شامل ہو گئے تھے۔ معٰذ اللہ ان کی اس

رکعت کو اوردان کی اس نماز کو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکمل اور صحیح سمجھا۔ اور

ان کو عادۃ نماز کا حکم نہیں دیا اور یہ دعویٰ کہ انہوں نے وہ رکعت دوبارہ پڑھی تھی بالکل بے بنیاد بات

ہے بلکہ ایک توجیہ کے لحاظ سے عدم اعادہ کا صریح حکم ارشاد فرمایا۔ اگر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہر رکعت

لہ ان کا نام تطبیع بن الحارث تھا جنگ طائف کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ فضلاء صحابہ میں تھے۔

بصرہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ اور وہیں ۴۹ھ میں وفات پائی۔ (مقدمہ تجرید البخاری ص ۱۳)

یہ روایت صحیح بخاری جلد ۱ ص ۹۹ و مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۰۹ و نزہۃ جلد ۱ ص ۱۰۹ و مسند احمد ابوداؤد جلد ۱ ص ۹۹ و نسائی جلد ۱ ص ۱۰۹

اور الجامع الصغیر للسیوطی مع الشرح جلد ۲ ص ۲۷۶ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے جس

کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور مزید تسلی کے لیے ہم نے سنن الکبریٰ کے روایت کی توثیق بھی

نقل کر دی ہے۔

یہ جملہ بین القوسین اور بریکٹ میں تھا کتابت کی غلطی کی وجہ سے قوس رہ گئے تھے۔ یہ حدیث کے ترجمہ

میں داخل نہیں ہے جیسا کہ الاعتصام ۲ نومبر ۱۹۴۲ء ص ۱۱۴ میں اس کو غلط ترجمہ اور اضافہ کر کے پھینکی اور اس کی

جے جاسعی کی گئی ہے۔ اور چونکہ تکبیر تحریرہ جہور اہل اسلام کے نزدیک فرض ہے۔ اس لیے بین القوسین

اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔ حدیث مستی الصلوٰۃ میں جو صحیح اور مشہور حدیث ہے ثوکثر ثواقرا کی تصریح

موجود ہے اور حافظ ابن رشدؒ کہتے ہیں کہ فہم فہوم هذا هو ان التكبير الاولى هي الفوضى فقط

وجداية المجتهد جلد ۱ ص ۱۱۸ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ فرض صرف تکبیر تحریرہ ہی ہے۔

(حاشیہ نمبر ۲ لکے صفحہ پر دیکھئے)



میں نہ کن اور ضروری ہے تو حضرت ابو بکرؓ کی نماز کیسے صحیح ہو گئی تھی؟ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کے رکوع میں شریک ہونے کو منتظر کراہت نہیں دیکھا جیسا کہ قاضی مقبول احمد صاحب نے سمجھا ہے۔ (دیکھئے الاختصاص ۱۶ نومبر ۱۹۶۲ء ص ۵۷) بلکہ بحالت رکوع چل کر صف سے ملنے کو پسند نہیں فرمایا اور دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ اس سے صاف اور واضح طور پر معلوم ہوا کہ مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کی قرأت ضروری نہیں ہے۔ وہو المطلوب۔

مؤلف خیر الکلام نے کہا ہے کہ قرأت خلف الامام کو ضروری قرار دینے والوں کے دو قول ہیں ایک یہ کہ رکوع کی حالت میں اگر امام کو پائے تو اس رکعت میں فاتحہ فرض نہیں ہوتی..... الخ (صفحہ ۴۵) لہذا یہ حضرات تو ہمارے ہمنوا ہوئے۔ رہے دوسرے حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ وہ رکعت اس کی شمار نہ ہوگی تو اس کا جواب انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آئے گا اور اس حکم میں حضرت ابو بکرؓ کی خصوصیت بھی نہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے اور اسی حدیث سے جمہور اہل اسلام اور حضرات ائمہ

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ نمبر ۴) بعض محدثین اس کو لا تُعَدُّ وُطْرَتَہُ ہیں۔ یعنی نماز کے لیے دوڑ کر نہ چلا کرو۔ بلکہ اطمینان اور وقار سے چلو اور بعض اس کو لا تُعَدُّ پڑھتے ہیں۔ یعنی پھر جماعت میں تاخیر اور تنہا صف کے پیچھے نماز شروع کرنے کی حرکت نہ کرنا اور بعض اس کو لا تُعَدُّ پڑھتے ہیں۔ یعنی تھوڑی نماز بالکل صحیح ہے۔ نماز کا اعادہ نہ کرو۔ امام نوویؒ نے (باش مشکوٰۃ ص ۹۹ ملاحظہ کریں) اور حافظ ابن حجرؒ نے لا تُعَدُّ کو بھی نقل کیا ہے۔

(دیکھئے فتح الباری جلد ۲ ص ۲۱۴) قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے دوبارہ نماز پڑھی اور اس کا اعادہ کیا اور انھوں نے طبرانی کی اس روایت سے استدلال کیا ہے اصل ما درکت واقض ما سبقک (امام الکلام ص ۵۱) لیکن حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤی نے غیث الختام

از ص ۲۶ تا ص ۵۰ میں اس کا عقلاً و نقلاً خوب رد کیا ہے۔ وہ بحث وہاں ہی ملاحظہ کر لیں یہاں اتنی بات پیش نظر رکھیں کہ طبرانی کی روایت کی سند کیا ہے؟ اور اگر سند صحیح بھی ثابت ہو جائے تو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو کہ روایتی تم نے کی پھر ایسا نہ کرنا بلکہ جو حصہ نماز کا تمہیں جماعت کے ساتھ مل جائے اس کو جماعت کے ساتھ پڑھو اور جو چھوٹ جائے اس کو جماعت کے بعد اکیلے پڑھو۔ اس سے ثابت کرنا کہ اس نماز کے اعادہ کا حکم دیا خالص کم فہمی ہے۔

امام بیہقی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ بڑی محنت اور مشقت سے رکوع میں ملنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور یہ اس کی واضح (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)



اربعة نے مدرک رکوع کے مدرک رکعت ہونے پر استدلال اور احتجاج کیا ہے جس کی پوری تفصیل اپنے محل میں بیان ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ علامہ ابن حزم ایک موقع پر حضرت ابو بکرؓ کی ایک

روایت سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ

فہذا آخر فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کان ابو بکر رضی اللہ عنہ وانا ما کان اسلا  
یوم الطائف بعد فتح مکة وبعد حنین۔  
یہ فعل اور عمل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا  
آخری عمل ہے کیونکہ اس میں ابو بکرؓ موجود اور حاضر تھے۔  
اور وہ فتح مکہ اور حنین کے بعد طائف کے دن مشرف باسلام

ہوئے تھے۔ (مجمعی جلد ۲۲ جلد ۲ ص ۲۷۶)

اس صحیح اور مرفوع حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے  
کی وہ رکعت صحیح ہے۔ اگر اس پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوتا، جیسا کہ فریق ثانی کا زعم ہے تو یقیناً  
اس رکعت کا اعتبار نہ ہوتا اور فریق ثانی کے دعویٰ کے مطابق کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں  
سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے۔ (بلفظ جلیسا  
کہ سخن ہائے گفتنی میں عرض کیا جا چکا ہے) یہ نماز بھی کالعدم اور باطل ہونی چاہتے تھے۔ عیاذ باللہ  
تعالیٰ۔

تکبیر تحریمہ میں احناف کے نزدیک اتنا قیام جس میں تکبیر تحریمہ ادا ہو سکے فرض ہے جب فرض  
ہے تو حضرت ابو بکرؓ پر یہ فرض کیسے مخفی رہا پس لازمی امر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے بحالت قیام ہی تکبیر تحریمہ ادا  
کی ہوگی، مؤلف خیر الکلام کا (ص ۱۵۳) میں یہ کہنا کہ ابو بکرؓ نے قیام میں تکبیر کہہ کر رکوع کیا ہوگا۔ ایک فرضی  
(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) دلیل ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ ورنہ یہ اکابر اس کی زحمت ہرگز گوارا نہ کرتے  
(بعینہ) اور امام بیہقیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک مرفوع روایت بھی نقل کی ہے کہ جس نے امام کے ساتھ  
رکوع پایا۔ اس نے وہ رکعت پالی۔ (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۹۰) اس روایت کی سند میں یحییٰ بن ابی سلیمان  
ہے جو مشکلم فیہ ہے لیکن امام حاکم اور علامہ ذہبیؒ ان کی ایک سند کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صحیح و لم یندرج  
(مستدرک جلد ۱ ص ۲۶۳) اور دوسرے مقام پر امام حاکمؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقافت بصرین میں تھے۔ اور  
اسی مضمون کی ایک اور مرفوع  
علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (مستدرک جلد ۱ ص ۲۱۹)  
حدیث بھی امام بیہقیؒ نے نقل کی ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے ساتھیوں کا بھی اسی پر عمل تھا۔  
(ادب المفرد ص ۱۵۳)



بات ہے۔ بالکل غلط ہے۔ یہ فرضی بات نہیں ایک واضح اور کھلی حقیقت ہے اور اس کا انکار کرنا بے سود ہے۔

دسویں حدیث : امام ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن محمد نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے وکیع نے بیان کیا۔ وہ اسراہیل سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابواسحاق (السیعی) سے اور وہ ارقم بن شریح سے اور وہ حضرت ابن عباس سے (ایک طویل حدیث میں جس کا ضروری خلاصہ یہ ہے) روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ کو آپ نے امامت سپرد کی۔ تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں۔ ایک مرتبہ آپ کو خیال ہوا کہ میں باجماعت نماز ادا کروں۔ پہلے آپ کو تکلیف زیادہ تھی۔ پھر جب مرض میں تخفیف ہوئی۔ تو آپ دو آدمیوں کے سہارے پر آہستہ آہستہ چل کر مسجد میں پہنچے۔ امام ابن ماجہ صاحب السنن (المتوفی ۲۴۳ھ) علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الکبیر لکھتے ہیں۔ ابویعلیٰ الخلیلی ان کو ثقہ کبیر اور متفق علیہ کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۸۹)

۵ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الحافظ، الثبت، محدث اور عالم قزوین تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۹)  
۶ وکیع، الامام، الحافظ، الثبت، محدث العراق اور احد الائمة الاعلام تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۸۲) حافظ ابن حجر ان کو ثقہ حافظ اور عابد لکھتے ہیں۔ (تقریب ص ۳۸۵)  
۷ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے بلاوجہ لوگوں نے ان میں کلام کیا ہے۔ (ایضاً ص ۳۸۲) امام احمد، عیسیٰ، یعقوب بن شیبہ، ابوحاتم، ابن نمیر، ابن سعد اور نسائی سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۹۲) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الامام، الحافظ، الحجۃ، صالح، خدا ترس اور علم کا ظرف تھے۔ جن لوگوں نے ان میں کلام کیا ہے۔ ان کا قول مردود ہے۔ امام بخاری و مسلم نے ان سے احتجاج کیا ہے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۹)

۸ حدیث کا ترجمہ حدیث نمبر ۴ میں نقل ہو چکا ہے۔

۹ محدث ابو زرعمہ اور ابن سعدان کو ثقہ، اور ابن عبد البر ان کو ثقہ اور جلیل القدر محدث کہتے ہیں۔ ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۹۸) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تقریب ص ۲۵)



اور آپ کے پاؤں مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کر چکے تھے۔ اور ایک حد تک قرأت بھی کر چکے تھے۔ غرضیکہ آپ صوفوں میں سے گزرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں جا پہنچے چنانچہ وہ پیچھے ہٹ آئے اور ان کی جگہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ چونکہ آپ بیماری کی وجہ سے بلند آواز سے بول نہیں سکتے تھے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں تک آواز پہنچانے میں بکتر کا فریضہ انجام دیا اور جب آپ پہنچے تو واخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من القراءۃ من حیث کان بلغ ابوبکر رضی۔ وہیں سے آپ نے قرأت شروع کی۔ جہاں تک ابوبکرؓ قرأت کر چکے تھے۔

(ابن ماجہ ص ۸۸ و مسند احمد جلد ۱ ص ۲۳۲)

اور ایک روایت میں (جو اس روایت کے لیے بطور شاہد اور تائید کے نقل کی جاتی ہے) یوں ہے: فقرا من المكان الذی بلغ ابوبکر رضی عنہ من السورۃ۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۲۰۹) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۃ کے اس مقام سے قرأت شروع کی۔ جہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ قرأت کر چکے تھے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ارشاد ہوا ہے:

فاستفتح النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انتہی ابوبکر رضی عنہ من القرآن۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۸۱ و مسند احمد جلد ۱ ص ۲۳۲) اور حضرت رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کے اس حصہ سے قرأت شروع کی جس تک حضرت ابوبکرؓ قرأت کر چکے تھے۔

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے:

فاستقر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انتہی ابوبکر رضی عنہ من القراءۃ۔ (طحاوی جلد ۱ ص ۱۹۷) کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں سے قرأت پوری کی جہاں تک حضرت ابوبکرؓ قرأت کر چکے تھے۔

یہ روایت سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ اس کا ایک ایک راوی ثقہ ہے جیسا کہ آپؐ یہ روایت طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۵ مشکل الآثار جلد ۲ ص ۷۶، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۵، تصانیف جلد ۲ ص ۱۵۳، دارقطنی ص ۱۲۵، و غیرہ میں مذکور ہے اور انہی جملہ راویوں میں ہے و آخریہ ابویعلیٰ الموصلی فی مسندہ ۵۔۔۔ الخ



ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اور مؤلف خیر الکلام کو بھی اس کا اقرار ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ روایات مذکورہ بالا کے روایت ثقفہ ہیں... الخ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ مسند احمد اور ابن ماجہ کی سند قوی ہے۔ (فتح الباری جلد ۵ ص ۶۲۹) چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیمار تھے، جلد ہی جلدی چلنا آپ کے لیے دشوار تھا اور دو آدمیوں کے سہارے آپ مسجد میں پہنچے، حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے اور نماز آپ کے تشریف لانے سے قبل ہی شروع ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سورہ فاتحہ مکمل پڑھ چکے ہوں گے اور ان حالات کے پیش نظر یہی بات قرین انصاف ہے۔ اور اس میں تو ذرا برابر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ سورہ فاتحہ اگر مکمل نہ ہوتی ہوگی تو اس کا اکثر حصہ تو یقیناً پڑھا جا چکا ہوگا۔ اور آپ نے وہیں سے اور اُس آیت سے قرأت شروع کی جہاں تک حضرت ابوبکرؓ قرأت کر چکے تھے اور جن کے نزدیک سورہ فاتحہ مقتدی پر لازم ہے۔ وہ سب سورہ فاتحہ کے لزوم کے قائل ہیں اور جو منکر ہیں وہ بھی۔

سب سورہ فاتحہ کے منکر ہیں۔ اس میں قائل بالفصل کوئی بھی نہیں الغرض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوری سورہ فاتحہ چھوٹ گئی تھی یا اس کا اکثر حصہ مگر باوجود اس کے آپ کی نماز ادا ہو گئی۔ اور آپ نے اس نماز کو صحیح اور درست سمجھا، نہ آپ کی نماز کا عدم ٹھہری اور نہ باطل اور بیکار (عیاذ باللہ تعالیٰ) اگر ہر رکعت میں امام کے

لہ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں (اسنادہ حسن) (فتح الباری جلد ۲ ص ۱۳۸)

لے قاضی شوکانی کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے پوری فاتحہ چھوٹ چکی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ کیا بعید ہے کہ جس رکعت میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو پالیا تھا۔ اس رکعت کے علاوہ باقی سب رکعتوں میں آپ نے پوری اور مکمل سورہ فاتحہ پڑھی ہو، آگے لکھتے ہیں:

لأن النزاع إنما هو في وجوب الفاتحة. کیونکہ سورہ فاتحہ کے ہر رکعت میں وجوب جھگڑا في جملة الصلوة له في وجوبها في كل ركعة۔ نہیں ہے بلکہ سورہ فاتحہ کے جملہ نماز میں وجوب جھگڑا اور نزاع ہے۔ (نبیل الاطوار جلد ۲ ص ۱۲)

علامہ عبدالرحمن جزائریؒ لکھتے ہیں کہ مقتدی پر فرض ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے مگر جس صورت

میں امام ساری فاتحہ یا اس کا کچھ حصہ پڑھ چکا ہو تو اس صورت میں امام اس کا متحمل ہو جاتا ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



پیچھے اقتدا کر نیوالے پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا لازم اور ضروری ہوتا تو ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ نماز ہرگز صحیح نہ ہوتی؛ حالانکہ آپ کی یہ نماز بالکل صحیح تھی اور امام شافعیؒ و حافظ ابن حجر وغیرہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ بیماری کے دنوں میں آپ نے صرف یہی ایک نماز جماعت سے ادا کی تھی۔ اور اس لحاظ سے آپ کے اس آخری فعل اور عمل سے بھی یہ حکم آشکار ہو گیا کہ

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) (فقہ المذاہب الاربعہ، جلد ۱ ص ۲۲۹) اور مولف خیر الکلام نے بھی یہ حوالہ نقل کیا ہے (دیکھئے ص ۳۹) اور خود مولف مذکور لکھتے ہیں کہ جو لوگ فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے ہاں رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ہو جاتی ہے اور ان میں سے بعض اس طرف بھی گئے ہیں کہ جہری نمازوں میں اگر مقتدی پوری فاتحہ یا آدھی فاتحہ کے بعد آئے تو اس سے ساری فاتحہ یا آدھی فاتحہ ساقط ہو جاتی ہے۔ (۱) خیر الکلام ص ۲۵۹) قاضی صاحب اور مولف خیر الکلام نے تو اس طرح گلو خلاصی کر کے وقت پاس کر لیا ہے۔ لیکن تمام دنیا کے علماء احناف کو کھلا چیلنج اور انعامی چیلنج کرنے والے تو ہر ہر رکعت میں قرأت فاتحہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ فتح الباری جلد ۲ ص ۱۲۵۔

۲۔ کتاب الامام جلد ۲ ص ۱۸۵۔

۳۔ روایات اور محدثین کا اس باب میں شدید اختلاف ہے کہ مرض الموت میں آپ نے مسجد میں باجماعت ایک نماز پڑھی تھی یا دو؟ یہ نماز جہری تھی یا سری؟ آپ امام تھے یا مقتدی؟ وغیرہ وغیرہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک ہی نماز تھی جیسا کہ امام شافعیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے اور یہ ظہر کی نماز تھی (بخاری جلد ۲ ص ۶۹۳) مولف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ ظہر میں قرأت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ سری نماز ہے۔ الخ (ص ۲۴۵) بالکل مردود ہے۔ سری نمازوں میں قرأت ہوتی ہے ہر نہیں ہوتا ایک آدھ آیت کو قدر سے آواز سے پڑھ لینا سر کے خلاف نہیں۔ مولف خیر الکلام نے محض اپنی گاڑی چلانے کے لیے قرأت کو نماز پر حمل کیا ہے جو بالکل بے دلیل ہے اور ان بالادلائل سے آنکھیں بند کر کے وہ یہ لکھتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتداء ہی سے امام تھے جو بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی صحیح روایت صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی توفی فیہ خلف ابی بکر بنی قاعدہ اجوا پر گزر چکی ہے بالکل اس کے خلاف ہے اور یہ بھی صحیح روایت میں موجود ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیٹھنے لگے تو آپ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے مت ہٹو مگر ابتداء سے



مقتدی پر سورۃ فاتحہ لازم نہیں ہے۔ امام بخاری کے حوالہ سے آئے گا کہ یہ نماز ظہر کی تھی۔  
اس سے معلوم ہوا کہ ستری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت ترک کرنا نہ صرف یہ کہ سنت  
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق ہے بلکہ آپ کا آخری عمل بھی یہی ہے۔ امام  
بخاری ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:  
انما یؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی  
یعنی اے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو آخری عمل  
صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری جلد ۱ ص ۹۴)  
ہوگا۔ قابل عمل صرف وہی ہوگا۔

(بقیہ جاشیہ پچھلا صفحہ) امامت کا ارادہ ہوتا تو ایسا نہ فرماتے، یاں اس کے بعد آپ نے امامت کا  
فریضہ ادا کیا ہے اور امام طحاوی وغیرہ کی بھی یہی مراد ہے کہ آپ بالآخر امام تھے اور ابتداء میں آپ نے  
حضرت ابوبکرؓ کی اقتدار کی تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یوں آتا ہے: صلی اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم فی صحنہ الذی توفی فیہ خلف ابی بکر رضی اللہ عنہ اذ اکملہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدار میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔ (نسائی جلد ۱ ص ۱۲، طحاوی جلد ۱ ص ۲۲، بقی  
جلد ۳ ص ۸۲، ترمذی جلد ۱ ص ۱۲، محلی ابن حزم جلد ۳ ص ۶۷، ترمذی فرماتے ہیں حسن صحیح) اور امام بخاری  
(جلد ۱ ص ۹۴) نے یہ باب قائم کیا ہے۔ باب من قام الی جنب الہ ماہر لعلہ اور امام نووی (جلد ۱ ص ۱۶۹)  
نے باب استخارف الامام اذا عرض لہ عذر اور امام نسائی (جلد ۱ ص ۱۲) نے باب صلوة  
الامام خلف رجل من رعیۃ قائم کر کے اور یہ حدیث اس باب میں نقل کر کے اس امر کو مبرا بنایا  
ہے۔ یہ دلائل بھی ملاحظہ ہوں اور قاضی مقبول احمد صاحب کی یہ نقل بھی دیکھیں کہ کیا مولانا سفر از صاحب  
کسی حدیث سے ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ پہلے بطور مقتدی شامل ہوئے تھے؟ ہرگز نہیں۔۔۔ الخ  
الاغتصام ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء ص ۱۶) اور پھر جب حضرت ابوبکرؓ کو آپ کی آمد کا علم ہوا تو خود پیچھے بیٹھ گئے۔  
اور اُن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی جگہ پر بٹھا دیا اور آپ نے وہیں سے قرأت شروع کی جہاں  
تک حضرت ابوبکرؓ پڑھ چکے تھے اور حدیثی نے بکر کا فریضہ ادا کیا (دیکھئے نووی جلد ۱ ص ۱۲، فتح الباری جلد ۱ ص ۱۲ وغیرہ)  
اور یہی بات صحیح اور صواب ہے و لیس و راء عباد ان قویۃ حافظ ابن حجر نے الفاظ حدیث کے ظاہری تعارض  
کی وجہ سے تعدد واقعہ کو الصواب کہا (الدرایہ ص ۱۰۰) مگر گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو واقعہ صرف ایک ہی  
ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام شافعی کے حوالہ سے عرض کیا گیا ہے تطبیق آسانی سے ہو سکتی ہے اور تعدد واقعہ  
کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔



الحمد للہ تعالیٰ کہ جس طرح جمہور کا مسلک متعدد صحیح و مرفوع قولی حدیثوں سے حق ثابت ہو چکا ہے اسی طرح آپ کے آخری عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت سے متعلق فریق ثانی کی طرف سے جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نقل کر کے ان کے جوابات بھی عرض کر دیے جائیں۔

**پہلا اعتراض :** مولانا مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ابواسحاق السبئی واقع ہیں اور وہ مدلس تھے اور غنہ سے روایت کرتے ہیں۔ علاوہ بریل آخر عمر میں وہ اختلاط کا شکار بھی ہو چکے تھے۔ اس لیے ان کی روایت کارآمد نہیں ہو سکتی۔ (۱) و کما قال تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۶۹ وغیرہ) اور یہی عذر لنگ مؤلف خیر الکلام نے کیا ہے کہ ابواسحاق در تیسرے درجے کے مدلس ہیں جن کی روایت بدوں تصریح سماع مقبول نہیں محصلہ خیر الکلام ص ۲۶۹، ۲۷۰) مگر بخاری میں ان کی معنی حدیثوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ۱ اور انشاء اللہ تعالیٰ تاقیامت دے بھی نہ سکیں گے۔

**جواب :** حضرت قتادہ کی تدلیس کے ضمن میں حضرات محدثین کرام کا یہ ضابطہ نقل کیا جا چکا ہے کہ تدلیس کر نیوالے راویوں کا ایک گروہ وہ بھی ہے جن کی تدلیس کسی طرح مضر نہیں ہے اور محدثین ان کی معنی حدیثوں کو بھی صحیح سمجھتے ہیں، جن میں خصوصیت سے ابواسحاق السبئی کا نام بھی پیش کیا گیا ہے۔ درجہ ابواسحاق السبئی کی تخلیط کا سوال تو وہ بھی چنداں باعث تشویش نہیں ہے۔ کیونکہ علامہ بیہقی ناقد فن رجال لکھتے ہیں کہ وہ ائمہ تابعین درجہ اور اثبات میں تھے، بڑھاپے کی وجہ سے ان پر کچھ نسیان طاری ہو گیا تھا۔ ولم یخلط (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۹۳) لیکن وہ مختلط نہیں ہوئے تھے۔ اور تصریح کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں ان سے صرف ابن عیینہ نے سماعت کی ہے اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

قلت ما اخلط ابواسحاق ابداً وانما یعنی  
بذلك التخیرو نقص الحفظ۔ (تذکرہ ۱) ۲۱۵  
میں کہتا ہوں کہ ابواسحاق تخلیط سے کبھی دوچار نہیں ہوئے تھے۔ ہاں ان کے حفظ میں کچھ تغیر اور نقص واقع ہو چکا تھا۔  
اور فن اصول حدیث کا یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ معمولی و رسم تغیر لیسیر اور نسیان کی وجہ سے ثمرہ روایت  
لہ امام عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ وہ ہم سے کون بچ سکا ہے؟ (لسان المیزان جلد ۱ ص ۱۸۱) امام احمد فرماتے



کی روایتوں کو ہرگز رد نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال ابواسحاق السبکی کی تدلیس اور تخریط کا بہانہ کر کے ان کی صحیح روایت کو رد کرنا سراسر باطل ہے۔

بعض محدثین (جن میں حافظ ابن حجر وغیرہ بھی ہیں) اختلاط وغیرہ کا لفظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن صرف لغوی اور عمومی معنوں میں جس سے ان کی ثقاہت اور عدالت پر کوئی دھبہ نہیں لگ سکتا اور اسی لیے وہ ان کی روایت کی تصحیح اور تحسین کرتے ہیں۔ مگر مبارکپوری صاحب

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) ہیں کہ امام بخاری بن سعید بخاری کا محدث تھے اور بہت کم خطا ان سے سرزد ہوتی تھی۔ مگر باوجود اس کے چند حدیثوں میں ان سے بھی خطا ہوئی ہے۔ آگے فرماتے ہیں: ومن يعزى من الخطاء والتصحييف (بخاری جلد ۱۲ ص ۱۲) یعنی متن اور سند میں خطا سے کون محفوظ رہ سکتا (بلکہ سکا) ہے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابوالحسن القطان نے ہشام بن عروہ اور سہیل بن ابی صالح پر جو تخریط کا الزام لگایا ہے وہ باطل ہے۔ ہاں ان کے حافظ میں کچھ نقص ضرور پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن کیا وہ نسیان سے معصوم تھے؟ پھر کیا ہوا؟ کیا اس قسم کا وہیم امام مالک، امام شعبہ اور امام وکیع وغیرہ اکثر ائمہ اور ثقات کو پیش نہیں آتا رہا؟ تو کیا ان کی روایتیں رد کر دی جائیں گی؟ خط چھوڑ دے اور ائمہ ثقات سے بدظنی نہ کر (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۵۵) محدث عقلی نے امام علی بن المدینی پر صرح کی تھی۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: فما لك عقل يا عقيلي اتدري في من يعني اے عقیلی تیری عقل کو کیا ہو گیا ہے؟ تو کس امام تکلم۔ میں کلام کر رہا ہے۔

پھر آگے جو شش تحریریں آکر عقلی سے ملتی جلتی عقل والوں کو الٹی میٹم کرتے ہیں۔  
 وانما اشتبهى ان تعرفنى من هو الثقة الثبت  
 میں چاہتا ہوں کہ میرے سامنے تم کسی ایسے ثقہ  
 الذى ما غلط۔ کا نام تو ذرا بہت کر کے پیش کرو جس سے غلطی سرزد نہ

(میزان جلد ۲ ص ۲۳۱) ہوئی ہو

اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی غلطی کا ہو جانا یہ کوئی ایسا اعتراض نہیں جس سے حدیث

ضعیف ہو جائے پس یہ حدیث صحیح ہے۔ الخ ص ۳۰۲۔

اگر وہیم اور اختلاط کی مزید تحقیق مطلوب ہو تو دفع المغیث ص ۱۱ وغیرہ اصول حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔

۱۱ (حاشیہ لگے صفحہ پر دیکھئے)



اس قاعدہ سے غافل اور بے خبر ہیں اور خواہ مخواہ ان کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔

دوسرا اعتراض: مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اسرائیل بن یونس نے

ابو اسحاق السبئی سے روایت کی ہے اور ان سے اسرائیل کی سماعت اختلاف کے بعد

ہوتی تھی۔ لہذا یہ روایت قابل توجہ نہیں (بعناہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۷)

جواب: یہ اعتراض بھی مردود ہے۔ اولاً۔ اس لیے کہ ابو اسحاق اس اصطلاحی

تخلیط کا تو کبھی شکار ہی نہیں ہوئے جس کے سبب ان کی روایت کمزور اور ضعیف سمجھی

جاسکے اور ان کے معمولی وہم اور تغیر حفظ سے ان کی حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس لیے اگر اسرائیل کی سماعت ابو اسحاق کے لغوی اختلاف یا نقص حفظ کے بعد بھی ہو۔

تو اس کا اثر اور فرق کیا سکے گا؟ ثانیاً۔ امام ترمذی لکھتے ہیں کہ ابو اسحاق کے جملہ تلامذہ

میں اسرائیل ابو اسحاق کی روایتوں میں اصح اثبت اور احفظ واقع ہوئے ہیں (جلد ۱ ص ۱۷۱)

امام ابن ہدی کا بیان ہے کہ اسرائیل کو اپنے دادا ابو اسحاق کی جملہ روایتیں اس طمع

یاد تھیں جیسا کہ مسلمانوں کو سورۃ فاتحہ یاد ہوتی ہے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۹ و تہذیب التہذیب

جلد ۱ ص ۱۷۱) علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ اسرائیل صحیحین کے راوی ہیں۔ وہو فی الثبت

کا (سطوانۃ۔ یعنی وہ حدیث کے بیان کرنے میں ایسے مضبوط تھے، جیسے ستون۔ السبۃ ہاں

امام شعبہ ان سے زیادہ ثبت تھے لیکن ابو اسحاق سے روایت کرنے میں اسرائیل امام شعبہ

سے بھی زیادہ ثبت تھے۔ (میزان جلد ۱ ص ۹۸) اور تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۵۲ میں ایک حدیث

کے بارے میں جس میں اسرائیل عن ابی اسحاق... الخ ہے فرماتے ہیں اسناد قوی امام دارقطنی

لہ حافظ ابن حجر نے اس روایت کی ایک جگہ تصحیح (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۶۹) اور دوسری جگہ تحسین

کی ہے (جلد ۲ ص ۱۲۵) اور مبارکپوری صاحب کی بڑی ہی سعادت ہے کہ ان کو حافظ صاحب کی صرف

تحسین ہی ملی ہے اور اس پر بھی وہ بڑے ناراض ہیں۔ اگر ان کی تصحیح بھی مل جاتی تو نہ معلوم ان پر کیا گذرتی؟

مگر ازراہ بزرگی یہ نہ سوچا کہ ابو اسحاق رحم کی تالیس مضر ہے اور نہ نقص حفظ اور تغیر کی وجہ سے ان کی

حدیث ضعیف ہے بلکہ ان کی روایت اصول حدیث کے رُوسے بہر حال صحیح ہے۔ لا شک فیہ۔



کا بیان ہے کہ امام عابد الرحمنؒ بن محمدؒ نے فرمایا کہ ابواسحاقؒ کی روایتوں میں اسرائیلؒ امام شعبہؒ اور  
سفیان ثوریؒ سے بھی زیادہ ثقہ تھے۔ (دارقطنی جلد ۲ ص ۳۸۵) اور تقریباً یہی مضمون حافظ ابن حجرؒ  
نے بھی نقل کیا ہے۔ (درایہ ضحیٰ ۲۲ و تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۶۱) مولانا شمس الحق صاحب امیرؒ  
عن ابی اسحاقؒ... الخ کی روایات کے بارے میں یہ فیصلہ درج کرتے ہیں کہ کلہا صاحب حقہ التعلیق  
المعنی جلد ۲ ص ۳۸۱) اور حافظ ابن حجرؒ اسرائیلؒ عن ابی اسحاقؒ... الخ کی سند کی تصحیح کرتے ہیں۔  
حافظ ابن القیمؒ، ابواسحاقؒ کے تمام تلامذہ اور اصحاب میں اسرائیلؒ کو اتقن لکھتے ہیں۔ (زاد المعاد  
جلد ۲ ص ۳۳۶) اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ مبارک پوری صاحبؒ نے تحقیق الکلام اور ابکار المش  
میں جوش جوانی میں سب اناب شناسپ لکھ مارا ہے۔ لیکن جب تحفۃ الاحوذی لکھنے کی باری آئی  
اور عقل اور علم میں چنگی ہو گئی اور اپنی ذمہ داری کا گہرا احساس ہوا تو اس قاعدہ کے لکھنے پر مجبور  
ہو گئے کہ اسرائیلؒ ابواسحاقؒ سے روایت کرنے میں امام شعبہؒ اور سفیان ثوریؒ سے بھی زیادہ  
قوی اور ثبت تھے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۱۶۱)

اب انصاف شرط ہے کہ ہم مبارک پوری صاحبؒ کی اس سے بڑھ کر اور کیا تسلی کر سکتے ہیں؟  
وثالثاً۔ اس روایت میں اسرائیلؒ کے ایک اور ثقہ اور ثبت متابع بھی موجود ہیں جن کا نام زکریا  
بن ابی زائدؒ ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن احمدؒ اپنے والد امام احمدؒ بن حنبلؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ یحییٰ  
بن مثلاً دیکھتے فتح الباری جلد ۹ ص ۲۵۸ و جلد ۱ ص ۵۷ وغیرہ۔ اگر مبارک پوری صاحبؒ اور ان کے اتباع کے نزدیک اسرائیلؒ  
عن ابی اسحاقؒ... الخ کی سند ضعیف اور کمزور ہے تو ازراہ کتب بخاری (مثلاً جلد ۱ ص ۵۴، جلد ۲ ص ۳۸۱، جلد ۳ ص ۳۹۴،  
۵۴۹ و ۲ ص ۵۷ وغیرہ) اور مسلم کی تمام حدیثوں پر قلم پھیریں۔ کیونکہ ان میں ابواسحاقؒ کا اختلاط کار فرما ہوگا۔ قاضی مقبول  
احمد صاحب ان کو نمایان کامرض لگا کر وہی قرار دیتے ہیں۔ (دیکھیے الاعتصام ص ۱۶ نومبر ۱۹۶۲ء) لہذا بخاری اور  
مسلم سے اس درجہ کی سب روایتیں نکال دیں۔ ملاحظہ کیجئے کہ غیر مقلدین کے تعصب اور گروہ بندی کی وجہ سے صحیحین  
کی کتنی احادیث غیر صحیح قرار پاتی ہیں۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من شر و انفسنا۔

۳۔ اس سند کے باقی راویوں کی توثیق پہلے نقل کی جا چکی ہے یحییٰ بن ابی زکریاؒ کو حافظ ابن کثیرؒ من الوثمة الثقات لکھتے ہیں۔  
(الہدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۸۴) علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ، الثبت، اتقن اور الفقیہ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۴۶)  
حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور متقن تھے۔ (تقریب ص ۳۹۱)



بن ابی زکریا سے اور وہ زکریا بن ابی زائدہؓ سے اور وہ ابواسحاق السبئیؓ سے اور وہ ارقم بن شبلؓ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث کا وہی مضمون ہے جو پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ (مسند احمد جلد ۳ ص ۳۳) جب اسرائیلؑ خود اوثق اور ثابت ہیں اور ان کا متالاج بھی ثقہ اور ثبت ہے تو پھر ان کی روایت کیوں صحیح نہیں ہے؟ الغرض نہ تو یہ روایت فساد ہے جیسا کہ الہ اعتصام ۱۹ نومبر ۱۹۶۲ء ص ۱۹۶ میں اس پر بلاوجہ زور لگا تعصب کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور نہ یہ مرجوح اور بخاری کی روایت راجح ہے۔ راجح اور مرجوح کا سوال تعارض کے وقت ہوتا ہے۔ جب دونوں میں تعارض ہی نہیں تو راجح و مرجوح کا سوال بالکل بیکار ہے دونوں صحیح ہیں۔ ایک مجمل ہے اور دوسری مفصل ہے جس میں زیادت ثقہ ہے۔ جو باتفاق جملہ محدثین کرام قابل قبول ہے۔

### حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا شاہد:

اسد بن موسیٰ اپنی کتاب فضائل صحابہ میں فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو معاویہؓ نے بیان کیا۔ وہ

علامہ ذہبیؒ ان کو صداقت شعار مشہور اور حافظ لکھتے ہیں۔ (میزان جلد ۱ ص ۳۴۹) امام عجلؒ ابو زہرہؒ، ابو داؤد، نسائی، یعقوب بن سفیانؒ اور ابوبکر البزارؒ سب ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ امام قسطلانیؒ ان کو ابان بن بکر اور ابن معینؒ صالح لکھتے ہیں۔ امام احمد ان کو ثقہ اور حلو الحدیث اور علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقافات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۳۳) غرضیکہ اس سند کے بھی جملہ روایات ثقہ اور ثبت ہیں۔

علامہ امام بخاریؒ اسد بن موسیٰ کو مشہور الحدیث اور امام نسائیؒ اور ابن یونسؒ ثقہ لکھتے ہیں۔ خلیلؒ ان کو صالح لکھتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقافات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۶) مولانا شمس الحق صاحبؒ کا بیان ہے کہ وہ ثقہ اور صدوق تھے (التعلیق المنفی جلد ۱ ص ۵۰) امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ ایک سند کو جس میں اسد بن موسیٰ ہے علی شرط مسلم صحیح لکھتے ہیں (استدرک مع التخصیص جلد ۳ ص ۳۹۳)

علامہ مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ مجھے کتب اسماء الرجال میں ان کا پتہ نہیں مل سکا۔ نہ معلوم وہ کون اور کیسا؟ اگر ایسے مشہور اور ثقہ محدث کا پتہ بھی مبارک پوری صاحبؒ کو نہیں مل سکا تو ان کو کیا ملے گا؟ ان کا نام محمد بن خازم اور لقب ضریر تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ ان کو احمد بن حنبلؒ الحدیث الثقات المشہورین لکھتے ہیں۔ (الابدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۲۵) علامہ ذہبیؒ ان کو اصحاب الامم الثقات (میزان جلد ۳ ص ۳۸۲) اور ثقہ اور ثبت لکھتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۹۹) امام عجلؒ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)



عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے اور وہ ابن ابی بکرؓ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کا بعینہ مضمون وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں گزر چکا ہے (حافظ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری جلد ۲ ص ۱۴۷ میں نقل کیا ہے)

تیسرا اعتراض : مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے کیونکہ پیش کردہ سندوں میں عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم .... الخ ہے۔

(بقیہ پچھلا صفحہ) یعقوب بن سفیان اور نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن خراش ان کو صدوق کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور متفق تھے۔ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۳۷) حافظ ابن حجر ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تقریب ص ۱۳۸) علامہ خطیب نے ان کا پورا ترجمہ نقل کیا ہے (بغدادی جلد ۵ ص ۲۴۲)

۱۔ جمہور محدثین واقعی ان کی تضعیف کرتے ہیں مگر ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ ان کی حدیثیں لکھی جاسکتی ہیں۔ امام ساجی ان کو صدوق کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان میں ضعف ہے مگر قابل بروااست ہے۔ فیہ ضعف یحتمل۔ ابن حبان ان کی توثیق کی طرف مائل ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں ینفرد عن الثقات ما لا یشبه حدیث اہل ثبات یعنی وہ ثقہ راویوں سے ایسی روایات میں منفرد ہوتے ہیں جو اہل ثبات یعنی ثقہ اور ثبات راویوں کی روایات کے مشابہ نہیں ہوتیں کم ہوتی ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۳۶) امام ابن معینؒ نے ان کو ضعیف البوہاتم نے یس بقوی فی الحدیث اور نسائی نے یس ثقہ اور متروک الحدیث کہا ہے لیکن مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۷ و ص ۲۸ میں الرفع والتکمیل ص ۸ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ جرح مفسر نہیں اور عام فقہاء اور محدثین کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں۔ (محصلہ) البتہ امام بخاریؒ اور امام احمدؒ نے اس راوی کو منکر الحدیث کہا ہے۔ (تہذیب جلد ۹ ص ۱۳۶) لیکن مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اگر امام بخاریؒ کسی راوی کو منکر الحدیث کہیں تو اس سے روایت کرنا ان کے ہاں جائز نہیں۔ امام احمدؒ اور اس قسم کے لوگ کسی کو منکر کہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ (بلفظہ ص ۲۹) اور ہم نے تو ان کو صرف شاہد کے طور پر پیش کیا ہے کہ بطور احتجاج کے۔ اور مؤلف خیر الکلام ایک مقام میں لکھتے ہیں کہ ان (آثار) کے بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ (بلفظہ ص ۳۱۴)

۲۔ فقہی ابن کو امام فقیر حجت فصیح اور بلند مرتبہ لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی ثقاہت پر سب اتفاق اور اجماع ہے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۹۶)



اور مسند بزار کی روایت میں عن ابن عباس عن ابیہ العباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ اس لیے یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہو سکتی۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۷۱)

جواب : مبارک پوری صاحب کو لفظ اضطراب تو آتا ہے، مگر افسوس کہ وہ حقیقت اضطراب سے ناواقف ہیں۔ محدثین کرام کے نزدیک اضطراب کی چند شرطیں ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ دونوں سندیں ہم پایہ اور ہم مرتبہ ہوں ورنہ اضطراب نہ ہوگا۔ صحیح قابل اخذ ہوگی اور ضعیف قابل رد ہوگی۔ (دیکھیے شرح منجۃ الفکر ص ۹۴ وغیرہ) اور ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جو سندیں بیان کی ہیں وہ بالکل صحیح ہیں اور ایک ایک راوی ثقہ اور ثبت ہے اور مسند بزار کی روایت میں قیس بن ربیع واقع ہے۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ امام وکیع ان کو ضعیف کہتے تھے۔ (ضعفاء ص ۲۶) اور امام نسائی نے اس کو مترک الحدیث لکھتے ہیں (ضعفاء ص ۱۵۱) امام ابو حاتم اور امام سبکی اس کو لیس بالقوی اور ضعیف کہتے تھے۔ امام احمد اس کو کثیر الخطا اور ابن مدینی و دارقطنی اس کو ضعیف کہتے تھے (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۰۷) اور لطف یہ ہے کہ خود

یہ روایت نصب الراية جلد ۲ ص ۱۵۱ میں بھی ذکر کی گئی ہے۔ اور مسند احمد جلد ۱ ص ۴۰۹، اور دارقطنی جلد ۱ ص ۱۵۳

وغیرہ میں بھی آتی ہے۔

۱۔ اگر کوئی صاحب حضرت ابن عباس کی کم سنی کا بہانہ کرتے ہوئے ان کی روایت کے مرسل ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ بھی باطل ہوگا کیونکہ اگر بالفرض حضرت ابن عباس کی روایت مرسل بھی ہو تب بھی حضرات صحابہ کے مراسیل بالاتفاق حجت ہیں جس کی پوری تفصیل اپنے مقام پر بیان ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز۔ علاوہ بریں اس میں تدریس سے اختلاف ہے کہ اس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت ابن عباس کی عمر دس سال تھی یا پندرہ؟ مسند احمد جلد ۱ ص ۳۳۷ میں اور مستدرک جلد ۲ ص ۵۳۲ میں بسند قوی اور صحیح یہ روایت موجود ہے کہ آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ برس کی تھی اور اس کی امام نووی (جلد ۱ ص ۱۹۱) وغیرہ نے ترجیح دی ہے اور یہ روایت مرض الموت کی ہے۔ اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کم سنی وغیرہ کے بہانے سے ان کی روایت کو مرسل قرار دینا مردود اور باطل ہوگا اور بخاری جلد ۲ ص ۵۳۲ کی روایت سے آپ کی وفات حضرت آیات کے وقت ان کی عمر دس سال ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



مبارک پوری صاحب بھی اس کو ضعیف اور کمزور بتاتے ہیں۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۸) اس لیے اس حدیث کے اضطراب کا دعویٰ قطعاً مردود اور باطل ہے۔ یہ حدیث بلا چون و چرا صحیح ہے۔ البتہ لا نسلم کا کوئی جواب نہیں ہے۔

چوتھا اعتراض: مبارک پوری صاحب کہتے ہیں (اور اسی کو مؤلف خیر الکلام نے دوہرایا ہے) ملاحظہ ہو ص ۲۶۲ کہ اس روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سورہ فاتحہ چھوٹ گئی اور مع ہذا آپ کی نماز درست ہو گئی بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ آپ نماز پوری کیے بغیر حجرہ میں تشریف لے گئے تھے۔ تو یقیناً آپ نے وہاں نماز مکمل کی ہوگی اور اس دعویٰ پر یہ حدیث نقل کی ہے:

فما قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ  
حتی ثقل فخرج یھا ذی بین الرجلین۔  
پس آپ نے ابھی نماز مکمل نہ کی تھی کہ آپ کے مرض میں  
اضافہ اور تعمیری ہو گئی۔ سو آپ دو آدمیوں کا سہارا  
لے کر مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔

اس میں حرف فار ہے جو تعقیب بلا حملہ کے لیے آتا ہے۔ لہذا اس روایت سے ترک قرأت

لے یہ روایت مشکل الآثار جلد ۱ اور المختصر ص ۴۹ و طحاوی جلد ۵ ص ۲۳۵ وغیرہ میں مروی ہے اور سنن الکبریٰ جلد ۳ ص ۸۱ کے الفاظ یہ ہیں فما قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ حتی ثقل جداً فخرج یھا ذی بین الرجلین وان رجلیہ لتخطان الارض فمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولہ دوہن۔ سو آپ نے نماز پوری نہ کی تھی۔ حتیٰ کہ آپ پر بیماری کا غلبہ ہو گیا۔ پس آپ دو آدمیوں کے سہارے سے تشریف لے گئے اور آپ کے پاؤں مبارک زمین پر گھسٹے جاتے تھے۔ پس آپ کی وفات ہو گئی اور آپ نے کوئی وصیت نہ کی۔ فمات میں بھی حرف فاء ہے۔ کیا مبارک پوری صاحب کی تحقیق میں مسجد سے نکلنے کے فوراً بعد آپ کی وفات ہو گئی تھی۔ یا چارہ پانچ دن کے بعد وفات ہوئی تھی؟ (دیکھئے البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۲۵ وغیرہ) اگر ان کے نزدیک ہر مقام پر حرف فار تعقیب بلا حملہ کے لیے آتا ہے تو وہ اذ اقمتم اِلَی الصَّلٰوة فَاغْسِلُوا الرِّیۃَ میں اور اذ اقرأت القرآن فَاَسْتَعِذْ

باللہ میں اور اذ اصليکم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء میں اور تزوج فلان فولد لہ وغیرہ غیر مقامات میں کیا ارشاد فرمائیں گے؟ اور اگر ان مقامات میں حرف فاء تفصیل کے لیے ہے یا کسی اور مناسب (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)



سورۃ فاتحہ کا مسئلہ اور بصورت ترک تکمیل نماز کا ادعا صحیح نہیں ہے۔ (بمعنا تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۸)

جواب: مبارک پوری صاحب کا یہ دعویٰ کرنا کہ آپ نماز کی تکمیل کے بغیر مسجد سے باہر نکل کر تشریف لے گئے تھے نہ معلوم کس بات پر مبنی ہے؟ اس دعویٰ کا ثبوت تو کسی روایت سے نہیں مل سکتا۔ اس روایت سے تو اتنا ہی ثبوت ملتا ہے کہ نماز کی تکمیل سے قبل ہی آپ پر بیماری کا زور ہو گیا۔ اور اگر فخرج میں حرف فاء کو مبارک پوری صاحب تعقیب بلا حملہ کے لیے سمجھتے ہیں اور اس پر اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھتے ہیں تو یہ ان کو سراسر مضر پڑے گا۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ علاوہ بری اس کی تصریح موجود ہے کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ نماز ہی پوری کی، بلکہ حضرات صحابہ کرام کو نماز کے بعد خطاب بھی فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک روایت میں یوں الفاظ آتے ہیں: **فصلیٰ لہم وخطبہم**

(بخاری ۲ ص ۸۵) سے خطاب فرمایا

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے:

**ثم خرج الى الناس فصلیٰ لہم وخطبہم۔** (بخاری ۲ ص ۸۹ وفتح الباری)

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) معنی میں مستعمل ہوا ہے تو فخرج میں حرف فاء سے کوئی ایسا مناسب اور موزوں معنی کیوں نہیں لیا جاسکتا تاکہ دوسری صحیح روایات سے تعارض پیدا نہ ہو اور اگر مبارک پوری صاحب اس پر بضط ہیں کہ حرف فاء تعقیب بلا حملہ کے لیے ہی ہوتا ہے تو کامیابی پھر بھی جہور کی ہوگی۔ کیونکہ قرآن کریم کی آیت **واذا قرأ القرآن فاستمعوا له**... الآية اور حدیث **اذا قرأ الامام فانصتوا** میں بھی ان کے اصول کے تحت حرف فاء تعقیب بلا حملہ کے لئے ہوگا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ امام کی قرأت شروع کرنے کے فوراً بعد مقتدیوں پر استماع اور انصات واجب ہے۔ اور سمجھی جانتے ہیں کہ امام کی قرأت سورۃ فاتحہ سے شروع ہوا کرتی ہے۔ نہ کہ ما زاد علی الفاتحہ سے۔ لہذا مقتدیوں پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ممنوع ٹھہرا۔ اور قرأت کو ما زاد علی الفاتحہ پر چل کرنے کی رٹ باطل ہوگئی ہے

دام میں صبیاد اپنے بطن سے

خوش نوا یان چن کو غیب سے مژدہ ملا



فرمایا۔

جلد ۱۰ ص ۱۲۰ و عمدۃ القاری جلد ۱۰ ص ۱۷۱

اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ آپ نے جماعت کے ساتھ نماز کی تکمیل کی۔ اور پھر حضرات صحابہ کرام سے خطاب بھی کیا۔ اور جو روایت مبارکپوری صاحب نے پیش کی ہے۔ اس سے ان کا مدعی ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا مفہوم تو صرف اتنا ہے کہ تکمیل نماز سے قبل ہی آپ کا مرض بڑھ گیا تھا۔ اور اس کا کون منکر ہے؟ اور نماز اور خطاب سے فارغ ہونے کے بعد آپ دو آدمیوں کے سہارے سے جیسے تشریف لائے تھے۔ ویسے ہی واپس تشریف لے گئے۔ اگر مبارک پوری صاحب یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ بحالت نماز مرض بڑھ نہیں سکتا یا تکمیل نماز کے بغیر ہی دو آدمیوں کے سہارے پر گھر جانا ہی متحقق ہو سکتا ہے۔ تو ہماری بلا سے مبارک پوری صاحب جانیں اور ان کی سمجھ۔ بہر صورت مسئلہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخری باجماعت نماز میں سورۃ فاتحہ مکمل یا اس کا اکثر حصہ نہیں پڑھا تھا۔ معذرتاً آپ کی نماز صحیح ہو گئی تھی۔ وہ ہوا مطلوب۔

پانچواں اعتراض: مولوی محمد صادق صاحب سرگودھوی (غیر مقلد) لکھتے ہیں کہ اگر آپ نے امام ہونے کے باوجود سورۃ فاتحہ ترک کی تو حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ امام پر سورۃ فاتحہ واجب ہے تو حنفیہ کا اعتراض جیسا کہ اہل حدیث پر ہے۔ ویسا ہی ان حنفیوں پر بھی ہے۔ (خیر الکلام ص ۶)

جواب: یوں معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فقہائے حنفیہ کی کتابیں دیکھنے کی جست گوارا نہیں کی۔ ورنہ وہ اس قسم کی سطحی بات ہرگز تحریر نہ کرتے۔ علماء احناف کے نزدیک سورۃ فاتحہ کی قرآن اس امام پر ضروری ہے جو اقل سے آخر تک امامت کا فریضہ ادا کر رہا ہو۔ اگر کسی نے اس حالت میں امام کی اقتدا کی ہو۔ کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھ چکا ہو یا رکوع کے لیے سر جھکا چکا ہو۔ اور امام کو حدیث کو لاحق ہو گیا ہو تو ایسے مقتدی کو امام اپنا نائب اور خلیفہ بنا سکتا ہے اور ایسے نائب امام کی نماز بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے بھی جائز اور صحیح ہے۔ اور رکوع کی حالت میں بھی مسبوق کو نائب اور خلیفہ بنانا جائز ہے۔ (دیکھئے ہدایہ جلد ۱ ص ۱۱۰ وغیرہ) اور حضرت ابن عباس کی حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کیونکہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کی تھی اور بعد کو آپ نے امامت کا فریضہ ادا کیا تھا جیسا کہ اس کی پوری تشریح



پہلے ہو چکی ہے۔ لہذا حنفیوں پر تو مطلقاً اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلائیوں اور مسلمانوں کو اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عامل ہونے کے مدعی اس صحیح حدیث سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اور شاید کہ تا قیامت ہو بھی نہ سکیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دیگر صحیح قولی احادیث کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس صحیح اور فعلی حدیث سے بھی یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آخری باجماعت نماز بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے بھی درست اور صحیح ہو گئی تھی اور یہی جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے اور آپ کے آخری فعل کے حق اور درست ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس کے بعد نسخ کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ازراہ انصاف خدا تعالیٰ سے ڈر کر فریق ثانی کو اپنے اس فتویٰ پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس آخری عمل کے پیش نظریہ فتویٰ کس بے باکی اور جسارت پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیاں اور لغزشیں معاف کرے۔

گیارہویں حدیث: امام احمد بن حنبلہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسحاق ابن زراق نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیان ثوری اور شریک نے بیان کیا۔ وہ دونوں روایت

۱۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الحجۃ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۰۴)

۲۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تقریب ص ۳۲۵) علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الثقہ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۹۴) حافظ ابن کثیرؒ ان کو احد الائمة الحدیث لکھتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ

جلد ۱ ص ۲۲۴)

۳۔ سفیان ثوریؒ کا ترجمہ مقدمہ میں گزر چکا ہے اور شریکؒ ان کے متابع ہیں۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ ، الصادق اور احد الائمة لکھتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۳۹۶) نیز لکھتے ہیں کہ وہ احد الائمة الاعلام، حسن الحدیث، امام، فقیہ اور کثیر الحدیث تھے وحدثہ من اقسام الحسن (تذکرہ ص ۲۱۲) علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ مامون اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۳۱۶) یہ یاد رہے کہ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)



کرتے ہیں موسیٰ بن ابی عائشہؓ سے۔ وہ عبد اللہ بن شدادؓ سے اور وہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان  
لہ امام فقرأہ الزماہلہ قرأۃ (بحوالہ  
آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد  
فرمایا کہ جس آدمی نے امام کی اقتدا کی تو امام کی قرأۃ  
فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۳۹) بمقتدی کو بس ہے۔

اس روایت میں جہری اور مسری نماز کی کوئی قید موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ اپنے عموم پر  
ہے کیونکہ اس میں حرف من شرطیہ ہے جو عموم کے لیے ہے۔ بخلاف لا صلوة لمن لم یقرأ  
کے کہ وہاں حرف من موصولہ یا موصوفہ ہے جس میں عموم و خصوص دونوں آسکتے ہیں۔ اور اس  
کا مطلب بالکل واضح ہے کہ امام کے پیچھے جب کسی نے اقتدا اختیار کر لی ہو تو مقتدی کو جدا  
اور الگ قرأت کرنے کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ امام کا پڑھنا گویا مقتدی کا پڑھنا ہے

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) ہم نے شریک کو صرف متابع کے طور پر پیش کیا ہے۔ استدلال امام سفیان ثوریؒ سے  
ہے جو ثقہ اور ثبت تھے۔ (ترجمان الحدیث ص ۱۱۱ ماہ جولائی ۱۹۷۷ء میں تصدیقات کے چند نمونے کا عنوان قائم کر کے  
اور ہماری اس عبارت سے لفظ متابع ہضم کر کے جو اعتراض کیا ہے، علی طور پر خالص رد دینا چاہیے۔ ہم نے  
سفیان ثوریؒ کو ان کا متابع نہیں بتایا بلکہ ان کو سفیان ثوریؒ کا متابع کہا ہے مگر مضمون نگار نے ص ۱۱۱ میں  
وجہ کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں جبکہ سفیان ثوریؒ اس کا متابع موجود ہے۔

۱۔ امام حمیدؒ ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ امام ابن معینؒ اور یعقوب بن سفیانؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔  
ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۳۵۲) حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ  
عابد لکھتے ہیں۔ (تقریب ۱۲۹۷) امام بخاریؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (جلد ۲ ص ۷۳۳)۔

۲۔ یہ حضرت ام المومنین میمونہؓ کے بھانجے تھے (بخاری جلد ۱ ص ۱۲۷) حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ  
آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کا تولد ہوا تھا۔ امام عجلؒ، خطیبؒ، ابو ذر عدیؒ، نسائیؒ،  
ابن سعدؒ اور واقفیؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۵۲)

۳۔ یہ روایت شرح نقایہ جلد ۱ ص ۸۷، آثار السنن جلد ۱ ص ۸۷، معجم المعانی جلد ۹ ص ۱۳۲، تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۳۸،  
البحار المنصہ ص ۱۹، فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۲۲، حاشیہ طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۸، اعلیٰ السنن جلد ۲ ص ۹۳، اور بغیۃ الالمی  
جلد ۲ ص ۱ وغیرہ کتابوں میں اجمالاً و تفصیلاً نقل کی گئی ہے۔



اور ما زاد علی الفاتحہ کی قرأت میں فریق ثانی کا کئی اتفاق ہے کہ اس میں امام کی قرأت مقتدی کی قرأت سمجھی جائے گی اور مقتدی پر الگ قرأت لازم نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ اور باقی سب راوی ثقہ اور ثبت ہیں۔

جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور مبارکپوری صاحب نے اپنی افتاد طبع کے تحت گو آئیں باتیں شائیں سے کام لینے اور گلو خلاصی کی ناکام کوشش کی ہے، لیکن اتنی بات تسلیم کیے بغیر وہ کوئی مفر نہیں پاتے کہ بظاہر صحیح ہے کیونکہ موصول بھی ہے۔ اس کے تمام روایت بالاتفاق ثقہ بھی ہیں اور کوئی علت قادمہ بھی بظاہر اس میں نہیں پائی جاتی۔۔۔ الخ (بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۴۸)

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب تمام راوی ثقہ ہیں اور سند بھی موصول ہے۔ اور بظاہر کوئی علت قادمہ بھی اس میں نہیں پائی جاتی۔ تو مبارکپوری صاحب جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کے سامنے منہ تسلیم خم کر دیتے۔ اور یا صحیح تسلیم کرتے ہوئے۔ اس کا کوئی معقول جواب دیتے۔ مگر چونکہ اپنی رائے کو ترک نہیں کرتا۔ اس لیے ان حضرات کی طرف سے صحیح حدیث کو معقول ٹھہرانے کی کوشش اور سعی کی گئی ہے۔ مبارکپوری صاحب نے جو کچھ کہا اس کو آپ پڑھ لیں اور ساتھ ساتھ جواب بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔

پہلا اعتراض : مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں (اور یہی اعتراض خیر الکلام از ص ۲۷ تا ۲۷۵ میں پائی کی طرح بلویا گیا ہے) کہ یہ روایت مرفوع نہیں ہے اور اس کی دلیلیں یہ ہیں :  
(۱) اگر یہ طریق مرفوع ہوتا۔ تو محدثین کرام، امام سفیان ثوری، شریک اور جریر کو امام ابو حنیفہ کا مخالف ہرگز نہ بتاتے۔

(۲) اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو امام طحاوی، علامہ ماریونی، حافظ زیلعی اور محدث عینی وغیرہ محل احتیاج میں ضرور اس کو پیش کرتے۔

(۳) حافظ ابن ہمام نے مسند احمد بن حنبل کے جس نسخہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ اس میں کاتب کی غلطی کی وجہ سے عبد اللہ بن شداد کے بعد عن جابر کا جملہ زیادہ ہو گیا ہے۔ اور لے نواب صدیق حسن خان صاحب مسند احمد بن حنبل کے طریق سے دو سندوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ والامسناء الاول صحیح علی شرط الشیخین والثانی علی شرط مسلم اھ (ہدایۃ السائل ص ۲۰۳)



حقیقت میں یہ روایت مرسل ہے۔ (بمعناہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۲۸ و ابکار المین قل)

جواب: مبارکپور ہی صاحب کا یہ دعویٰ بعد پیش کردہ دلائل کے از سر تا پا لغو اور بیہودہ

ہے۔ یہ روایت مرفوع ہے مرسل نہیں ہے، ترتیب وار ہر شق کا جواب ملاحظہ کیجئے:

پہلی شق کا جواب: یہ دعویٰ کرنا کہ جریر، سفیان اور شریک وغیرہ امام ابو حنیفہ رحمہ کی

مخالفت کرتے ہوئے اس کو مرسل روایت کرتے ہیں باطل ہے، چنانچہ علامہ آلوسیؒ ان کی روایت

کو کئی سندات کے ساتھ نقل کر کے لکھتے ہیں۔ (علامہ آلوسیؒ ثقہ ناقل ہیں ان کو متاخر آدمی کہہ کر

ٹال دینا جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے ص ۱۲۸ میں کیا ہے نرسے تعصب پر مبنی ہے اور اہل علم کی شان

کے لائق نہیں ہے)

فلواریہ سفیان و شریک و جریر  
سوید امام مثلاً سفیان و جریر، شریک، جریر اور ابوالزیر

ابو الزبیر رفعہ بالطرق الصحیحہ  
(وغیرہ) صحیح اسانید کے ساتھ اس روایت کو مرفوعہ نقل

فبطل عدھم فیمین لھم رفعہ۔  
کرتے ہیں جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انھوں نے اس

(روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۲)  
کو مرفوع روایت نہیں کیا۔ ان کا قول سراسر باطل ہے۔

اور اسی طرح فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۳۹ میں بھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بیہقیؒ دارقطنیؒ اور ابن عدیؒ وغیرہ کا یہ دعویٰ کہ اس روایت

کو تنہا حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی مرفوع بیان کرتے ہیں اور اس رفع میں ان کا اور کوئی ساتھی

نہیں محض باطل ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے اس روایت کو نقل کرنے والے بھی اس کو

مرفوع ہی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں:

ہذا حدیث رواہ جماعة من  
امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب اور تلامذہ میں سے ایک

اصحاب ابی حنیفہؒ موصلاً و خالفاً  
بہت بڑی جماعت اس کو مرفوع اور موصول بیان کیا

عبد اللہ بن المبارکؒ الامام فرواہ  
ہے لیکن امام عبد اللہ بن مبارکؒ اس کو مرسل روایت

عندہ مرسل۔ (کتاب القراءة ص ۱۰۱)  
کرتے ہیں۔

اسحق اربدقؒ، ابویوسفؒ اور یونس بن بکرؒ وغیرہ کی روایتیں دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲ اور ص ۱۲۳ میں

مذکور ہیں اور محمد بن الحسنؒ، محمد بن الفضلؒ، ابی سلیم بن مسلمؒ، علی بن ابی ریمہؒ، علی بن یزید الصدریؒ



اور مردان بن شجاع کی روایتیں عقود الجواہر المنیفہ فی اولیٰ الاحکام لمنہب ابی حنیفہؒ میں مذکور ہیں۔ (کذا فی الدلیل المبین ص ۹۵) مولانا الحدیث محمد حسن فیض پوریؒ (لہذا اسحاق ارنزقؒ کی روایت کو شاذ، غلط اور ضعیف قرار دینا جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے کیا ہے۔) (ملاحظہ ہو ص ۲۷۲ و ۲۷۳) محض بے بنیاد امر اور ترا بطل دعویٰ ہے۔ علاوہ ازیں مؤلف خیر الکلام خود ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جب ان کا ثقہ ہونا ثابت ہوا تو اس صورت میں ان کا تفرد کوئی مضر نہیں ہوگا۔۔۔ الخ ص ۲۸۸ اور اسحاق ارنزقؒ تو چونٹی کے ثقہ اور ثبت ہیں۔ پھر تفرد کا ناکام بہانہ کون سنتا ہے اور کون ان کی اس صحیح زیادت کو شاذ مانتا ہے؟ اور دوسرے مقام پر امام بیہقیؒ لکھتے ہیں:

وہکذا رواہ جماعة عن ابی حنیفہؒ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ سے ایک بڑی تعداد نے موصول۔ (سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۹) اس کو مرفوع اور موصول بیان کیا ہے۔

اور نواب صدیق حسن خاںؒ لکھتے ہیں کہ

وبالجملة این حدیث بطرق متعددہ ارسال و خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مرسل و رفعاً مروی شدہ و دروی دلالت است بر آنکہ اور مرفوعاً مروی ہے اور اس میں دلیل ہے کہ مقتدی مؤتم و رئیس امام فاتحہ خواند زیرا کہ قرأت امام امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے کیونکہ امام کی قرأت مقتدی قرأت مؤتم است ۱۷ (ہدایت السائل ص ۲) کی قرأت ہے۔۔ الخ

پہلے اس کی تحقیق گزر چکی ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت بالا اتفاق مقبول ہوتی ہے۔ خواہ وہ زیادت متن حدیث میں ہو۔ خواہ سند میں اور جب حدیث کے مرفوع اور مرسل ہونے کا جھگڑا ہو تو وہ حدیث جمہور علماء کے نزدیک مرفوع ہی سمجھی جائے گی۔ نیز مثبت کو نافی پر ترجیح ہوگی۔ اگر بالفرض اس زیادت کو تنہا حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی بیان فرماتے۔ تب بھی حضرت محدثین کرامؒ کے طے شدہ اصول اور ضوابط کے تحت یہ روایت مرفوع اور موصول ہی ہوتی حالانکہ جریرؒ، سفیانؒ، شریکؒ اور ابوالزبیرؒ وغیرہ سب ثقہ راوی اس کو مرفوع اور موصول بیان کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک بڑی جماعت اس کو مرفوع اور موصول ہی روایت کرتی ہے۔ امام ابن مبارکؒ چونکہ اس کو مرسل بیان کرتے ہیں اور دوسرے اس کو مرفوع



بیان کرتے ہیں۔ اس لیے قاعدہ کے مطابق مرفوع اور متصل ہی کو ترجیح ہے۔ نہ کہ اس کے مرسل ہونے کو علاوہ انہیں خود امام ابن مبارکؒ کا بیان ہے کہ جب امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کسی بات پر متفق ہو جائیں تو میرا قول بھی وہی ہوگا (تبیيض الصحيح ص ۱) اور امام ابو حنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ دونوں اس روایت کو مرفوع اور موصول بیان کرتے ہیں اور امام حاکمؒ علامہ شمس الدین ابن قدامہؒ، علامہ مارونیؒ، حافظ ابن ہمامؒ، ملا علی القاریؒ اور علامہ آلوسیؒ وغیرہ اس روایت کو مرفوع ہی نقل کرتے ہیں۔ اور یہ مثبت بھی ہیں اور مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں:

فقول هؤلاء العارفين مقدمه على من لم يعرف - (ابکار الممنون ص ۱۲)

سوان جانتے والوں کی بات نہ جاننے والوں کی بات سے بہر حال مقدم ہے۔

اس لیے مبارک پوری صاحبؒ کے اعتراض کی یہ شق قطعاً باطل اور مردود ہے اور اسی طرح مؤلف خیر الکلام (ص ۱۳۷) کا اس کے جواب سے عاجز ہو کر اس کو مصادره علی المطلوب کہہ کر گلو خلاصی کرنا بے معنی بات ہے کیونکہ دعوائے یہ ہے کہ عن جابرؒ کا جملہ مسند احمد بن حنبلؒ میں مذکور ہے اور دلیل یہ ہے کہ یہ مسلم ثقافت اس کو اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ اگر مؤلف مذکور کا یہ خانہ ساز مصادره مضر ہے تو تمام کتب حدیث میں یہ جاری ہے کہ کمالاً بیغنی تو پھر کوئی روایت صحیح نہیں ہو سکتی بھلا ایسے ناکام بہانوں سے صحیح حدیث ضعیف قرار دی جاسکتی ہے؟ معاذ اللہ تعالیٰ۔

دوسری شق کا جواب: جہود سائل اسلام کے پاس قرآن کریم کی آیت اور حضرت ابو موسیٰ الاشعرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ بن مالک وغیرہ کی صحیح اور مرفوع حدیثیں موجود ہیں۔ لہذا اگر امام طحاویؒ وغیرہ ائمہ نے حضرت جابرؒ کی یہ روایت اپنے استدلال میں پیش نہیں کی۔ تو کیا بغیر اس روایت کے ان کی ضرورت اور حاجت پوری نہیں ہو سکتی تھی؟ اور کیا ان کے دعوے کی صرف یہی ایک حدیث دلیل رہ گئی تھی کہ بغیر اس کے بیان کرنے کے ان کا دعویٰ ناکام اور تشنہ رہتا؟ ہاں جہاں اور حدیثیں موجود ہیں۔ وہاں ان کی دلیل ایک یہ حدیث بھی ہے اور فرض کر لیجئے کہ ان حضرات کو مسند احمد بن حنبلؒ کی سند سے اس روایت کا علم ہی نہ تھا تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سرے سے یہ حدیث ہی نہ ہو؟ کسی حدیث کا کسی موقع پر بیان نہ کرنا اس کے عدم کی دلیل کیسے بن گئی؟



علاوہ انہیں باہم ابن قتیبہ، ابن ماجہ، ملا علی قاری اور آلوسی وغیرہ باقاعدہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں اور اس کو مرفوع اور موصول ہی سمجھتے ہیں اور اسی طرح اس کو نقل بھی کرتے ہیں۔

مؤلف خیر الکلام ص ۲۶۳ میں (ونحوہ فی ص ۲۳۸) لکھتے ہیں کہ باقی رہا ارسال اور وصل کا اختلاف اس کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ راوی اسے مختلف حالات کی بنا پر کبھی متصل بیان کر دیتے ہیں اور کبھی مرسل۔ یہ اختلاف کوئی مضرت نہیں۔ ثقہ کی زیادتی اس جگہ قابل قبول ہے۔ انتہی اور یہی ہم کہتے ہیں۔

تیسری شق کا جواب: اگر مسند احمد بن منیع کے نسخہ میں جو حضرات محدثین کرام کے نزدیک متداول کتاب تھی۔ کاتب نے عن جابر کے الفاظ زیادہ کر دیے تھے تو نہ معلوم بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور دیگر حدیث کی کتابوں میں کاتبوں نے کیا کچھ شکوے کھلاتے ہوں گے؟ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انھوں نے حذف و اضافہ اور قطع و برید کر کے اصل مضمون کو کیا سے کیا کرو یا ہوگا؟ پھر حدیث کی کتابوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور شاید اسی بد اعتمادی کی وجہ سے بیشتر غیر مقلد حضرات (مثلاً عبد اللہ بن حنبل، ابوی، اسلم جیراجوری، غلام احمد پرویز، ڈاکٹر احمد الدین وغیرہ) انکار حدیث کے فتنہ میں گرفتار اور مبتلا ہوئے ہیں۔ اور شاید تصحیح حدیث کی یہ شرط ہو کہ اگر مبارکپوری صاحبؒ اور ان کی عمت کسی حدیث کو صحیح قرار دیں تو صحیح ہوگی۔ ورنہ اس کو روئی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

محترم جب سند کے تمام راوی بالاتفاق ثقہ اور ثبت ہیں۔ اور بظاہر اس میں کوئی علت قادحہ بھی نہیں اور موصول بھی ہے تو بلاوجہ محض ہوائے نفسانی کے لیے کاتب بیچارے پر کیوں ایسا سنگین الزام عائد کیا جاتا ہے؟ اور کیوں طے شدہ قواعد اور اصول سے انحراف کیا جاتا ہے؟ فتح الباری کے حوالہ سے

یہ مثلاً یہ کہ سند کے جملہ روایات بالاتفاق ثقہ ہیں۔ سند موصول ہے۔ بظاہر اس میں کوئی علت قادحہ بھی نہیں پائی جاتی۔ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ موصول اور مرسل کے جھگڑے میں حدیث مرفوع ہی سمجھی جائیگی۔ ثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے، عدم علم عدم شے کی دلیل نہیں ہوتی۔ عائد کے قول کو جابل کے قول پر ترجیح ہوتی ہے۔ اسقاط اور اولج محض احتمال سے ثابت نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ یہ تمام اصول ایسے ہیں جو خود مبارکپوری صاحبؒ کے نزدیک بھی مسلم ہیں۔ مگر افسوس کہ عملی طور پر وہ سب گمراہ کرتے ہیں۔ خدائے سفا۔



یہ بات نقل کی جا چکی ہے کہ ادراج و اسقاط شخص احتمال سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور قاضی  
شوکانی لکھتے ہیں کہ ادراج مجرد دعویٰ سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ (نیل الاطراف جلد ۱ ص ۳۵۱)  
حضرات! یہ ہے مبارکپوری صاحب کا انصاف اور دیانت؟ اس سے بڑھ کر تعصب  
اور کیا ہو سکتا ہے؟

بصورت مرسل بھی یہ روایت حجت ہے؛

اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ روایت مرسل ہے، تب بھی جمہور کا احتجاج اس روایت  
سے صحیح ہوگا۔ مرسل کی حجت کے بارے میں ہم پہلے کچھ بحث پا حوالہ کر چکے ہیں۔ امام ترمذی  
لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے۔ (کتاب العلل جلد ۱ ص ۲۳۹)  
امام نووی لکھتے ہیں کہ امام مالک، ابو حنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہائے کرام کا یہ مسلک ہے کہ  
حدیث مرسل بھی حجت ہے۔ (مقدمہ نووی ص ۱۸) علامہ جزائری کا بیان ہے کہ علماء سابقین  
میں امام شافعی، امام مالک اور امام ابو حنیفہ وغیرہ مرسل حدیث کو بھی حجت سمجھتے تھے۔  
(توجیہ النظر ص ۲۴۵ و الحظ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۱۸۰ اب صاحب) اور اب صاحب لکھتے  
ہیں لیکن اعلال بار سال موجب ترک اونیست، زیرا کہ قبول مراسیل مذہب جمع از فحول علماء  
اصول است۔ (دلیل الطالب ص ۳۲۵) اور ایسے مرسل کے حجت ہونے میں جس کی تائید  
کسی اور حدیث سے ہوتی ہو۔ گو وہ مرسل ہی کیوں نہ ہو۔ سب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ  
امام بیہقی، امام نووی، حافظ ابن القیم اور مبارکپوری صاحب نے اس کی تصریح کی ہے۔  
(کتاب القراءة ص ۱۲۳، مقدمہ نووی ص ۱۸، زاد المعاد جلد ۱ ص ۱۵۱، ابکار المنین ص ۱۵۱) اور مبارک  
پوری صاحب ایک مقام میں لکھتے ہیں اور مرسل معتقد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ  
نہیں (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۹۱) اسی قاعدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ نووی نے یہ جواب  
دیتے ہیں کہ اگر حضرت جابر کی یہ روایت مرسل بھی ہو تب بھی مرسل حدیث اکثر ائمہ کے  
نزدیک حجت ہے تو ہمیں عمل کے لیے یہی کافی اور بس ہے۔ (روح المعانی جلد ۱ ص ۹۱)  
یہ حکم تو عام مراسیل کا تھا۔ لیکن اگر کسی دلیل سے حضرت عبداللہ بن شداد کا صحابی ہونا ثابت  
ہو جائے تو ان کی روایت مراسیل صحابہ کے قسم کی ہوگی اور حضرات صحابہ کرام کے مراسیل



بالاتفاق قابل قبول ہیں۔ بعض محققین کا بیان ہے کہ عبداللہ بن شداد صحابی تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جو کتابیں صرف حضرات صحابہ کرامؓ کے حالات اور سوانح بیان کرنے کے لیے مخصوص ہیں۔ ان کا ذکر بھی ان کتابوں میں آتا ہے۔ (فصل الخطاب ص ۹۷) حافظ ابو عمر بن عبدالبر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (جلد ۱ ص ۳۹۹) میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۵۲ اور تقریب (ص ۲۰۲) میں درج ہے۔ ولد علی علیہ السلام کہ حضرت عبداللہ بن شداد کی ولادت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد اور زمانہ میں ہوئی تھی۔ اور اسی طرح اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہؓ اور تجرید اصحابہؓ میں ان کا ذکر ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں عبد اللہ بن شدادؓ من صفار الصحابۃ۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۲۰۷ ص ۲۵۶) کہ عبداللہ بن شدادؓ نو عمر صحابہؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ جو صحابی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کافی عرصہ رہا ہو یا جس نے آپؐ کی معیت میں دشمنان اسلام سے جہاد کیا ہو یا جس نے آپؐ کے جھنڈے کے نیچے شہادت کا رتہ پایا ہو۔ ایسے صحابی کا مرتبہ یقیناً اس صحابی سے زیادہ ہے جس نے آپؐ کی خدمت اقدس میں کافی وقت نہ گزارا ہو۔ یا جس نے آپؐ کی معیت میں دشمنان اسلام سے جنگ نہ کی ہو، یا جس کو آپؐ کی معیت میں شہادت نصیب نہ ہوئی ہو، یا جس نے آپؐ سے معمولی گفتگو کی ہو یا تھوڑی مسافت آپؐ کے ساتھ طے کی ہو۔ پھر آگے لکھتے ہیں:

اور اہ علی بعدہ او حال الطفولیۃ وان کان شرف الصحبۃ حاصلہ للجمیع ومن لیس لہ منہم سماع منہ حدیثہ مرسل من حیث الروایۃ وھو مع ذلک معدودون فی الصحابۃ لما نالوہ من شرف الرؤیۃ انتہی۔

اور اسی طرح ان کا درجہ اس صحابی سے زیادہ ہو گا جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دور سے دیکھا ہو یا جس نے بچپن میں آپؐ کو دیکھا ہو۔ اگرچہ صحابی ہونے کا شرف ان سب کو حاصل ہو گا۔ ان میں سے جس نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں کی۔ اس کی حدیث مرسل ہوگی لیکن شرف صحبت کی بنا پر ان کا شمار بھی بہر صورت حضرات صحابہؓ ہی میں کیا جائے گا۔

(شرح تجتہ الفکر ص ۸۳)



اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا دینی خدمات انجام دینے کی وجہ سے آپس میں یقیناً بہت تفاوت ہے، لیکن مع ہذا جنھوں نے عہد طفولیت اور بچپن کے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے جناب رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ ان کا شمار بھی صحابہ میں ہے اور اور وہ صفار صحابہ میں شامل ہیں اور چونکہ ان کی روایتیں براہ راست جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں ہوتیں بلکہ حضرات صحابہ کرامؓ سے ہوتی ہیں۔ اس لیے بعض محدثین کرامؓ نے ایسے صفار صحابہ کو کبار تابعین میں شمار کر دیا ہے۔ وَلِکُلِّ وَجْهٍ لِّهٖ صَفَارٌ صَحَابَہ کی روایات مراسل ہوں گی۔ مؤلف خیر الکلام ص ۴۸ میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کی مرسل اگرچہ بالاتفاق حجت ہے، مگر اس جگہ صحابہ سے وہی لوگ مراد ہیں جنھوں نے سن تیز میں آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا۔۔۔۔۔ الخ مگر یہ محض فرار کا ایک ناکام بہانہ ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جہور محدثین کے نزدیک پانچ سال کا بچہ سن تیز کو پہنچ جاتا ہے لیکن صحیح یہ ہے۔ (جو عبد اللہ بن الزبیرؓ کے واقع سے ظاہر ہے) کہ چار سال سے کم عمر میں بھی تیز حاصل ہو جاتی ہے۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۸۱) اور حضرت عبد اللہ بن شداد جو صفار صحابہ شمار ہوتے ہیں تین چار سال سے کیا کم ہوں گے جب کہ انھوں نے آپ کی زیارت کی ہوگی۔

### مراسل حضرات صحابہ کرامؓ

مراسل صحابہ کے بارے میں تقریباً تمام علماء کرام متفق ہیں کہ وہ حجت ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مراسل سے حجت صحیح نہیں ہے مگر حضرات صحابہ کرامؓ اور سعید بن المسیبؓ کے مراسل حجت ہیں۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۲ عن الوجیز لابن برہان) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مراسل حجت ہیں۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۸۲ و مقدمہ ص ۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اور دیگر تمام علماء کے نزدیک صحابی کا مرسل حجت ہے۔ (شرح مہذب جلد ۲ ص ۳۸۳) اور علامہ سیوطیؒ تدریب الراوی ص ۶۶ میں تصریح کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مراسل حجت ہیں اور التوضیح (نول کشور ص ۴۶۸) میں لکھا ہے فمرسل الصحابی مقبول بالاجماع کہ صحابی کا مرسل اجماعاً مقبول ہے۔ علامہ نیمویؒ لکھتے ہیں کہ صحابی کا مرسل حجت ہے (تعلیق احسن جلد ۲) اور قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مراسل حدیث مسند کے حکم میں ہیں۔



(نیل الاوطار جلد ۱ ص ۳۴۱) نواب صاحب لکھتے ہیں کہ مرا سیل صحابہ حجت است (دلیل الظاہ ص ۳۸) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ مرسل صحابی محکوم بصحت است بر منہ سب صحیح۔  
 (ایضاً ص ۸۹) اگر فرق ثانی اس قاعدہ کو تسلیم نہیں کرتا تو براہ کرم دیگر حضرات صحابہ کرام کی مرسل روایات عموماً اور حضرت عائشہؓ کی بخاری شریف کی پہلی روایت (جس میں بدء الوحی کا ذکر ہے) اور جوان کی ولادت سے بھی تقریباً پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے) خصوصاً اور نیز حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ کی روایتیں جن میں ابتدائے اسلام کے احکام ہیں۔ کتابوں سے خارج کر دیں اور اگر حضرت عبداللہ بن شدادؓ کو تابعی ہی تسلیم کر لیا جیسا کہ تقریباً ص ۲۰۲ میں ہے کہ وہ کبار تابعین اور ثقات و فقہاء ہیں تھے۔ تب بھی کوئی ہرج نہیں ہے، چنانچہ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ

وذلك مراسيل كبار التابعين اذا انضم اليها ما يؤكدها من عدالة رجال من ارسل منهم حديثه وشهرته واهلنا رواية الضعفاء والجهولين۔ (کتاب القراءة ص ۱۳۳)  
 اور اسی طرح (جس طرح حضرات صحابہ کے مراسیل حجت ہیں) کبار تابعین کے مراسیل بھی حجت ہیں جب کہ ان کے روایات میں عدالت اور شہرت موجود ہو اور کمزور اور مجہول روایات کی روایت سے اجتناب وغیرہ کی صفات شامل ہوں۔

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص غور و فکر اور قلت غفلات سے متصف ہو کر علمی دلائل پر نگاہ ڈالے گا تو وہ کبار تابعین کے مراسیل کے علاوہ دیگر مراسیل سے منقبض ہو گا جس کے دلائل ظاہر ہیں۔ (الرسالۃ ص ۶۲ جو کتاب الامام کی ساتویں جلد کے آخر منضم ہے)  
 الحاصل حضرت جابرؓ کی یہ روایت صحیح اور مرفوع ہے، اس کو مرسل بتلانے کی تمام دلیلیں بیکار اور لایعنی ہیں اور اگر بالفرض مرسل بھی ہو تب بھی جمہور کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے۔ اور خاص طور پر کبار تابعین کے مراسیل تو امام شافعیؒ اور امام بیہقیؒ کے نزدیک بھی حضرات صحابہ کرام کے مراسیل کی طرح حجت ہیں اور حضرت عبداللہ بن شدادؓ تو صفار صحابہ ہیں تھے جن کے مراسیل بالاتفاق حجت ہیں۔ خلاصہ امر یہ ہے کہ حضرات محدثین کرام کے نزدیک کسی روایت کے صحیح اور حجت ہونے کے لیے کوئی قاعدہ اور ضابطہ ایسا نہیں ہے جو سو فیصدی اس روایت میں



نہ پایا جاتا ہو اگر باوجود اس کے یہ روایت مرفوع اور حجت نہیں ہے تو عالم اسباب میں صحت حدیث کے لیے کوئی اور معیار موجود نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض: مولانا مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں کہ

حدیث من کان له امام فقراة الامام له

قراة من حدیث جابر و لہ طرق عن

جماعة من الصحابة وكلها معلولة

انتہی۔ (تلخیص الحبیج جلد ۱ ص ۱۸۷)

الفاظ سے حدیث حضرت جابر سے مروی ہے (جس کی متعدد اسانید بالکل صحیح ہیں) اور یہ حدیث حضرت جابر کے علاوہ دیگر حضرات صحابہ کرام کی ایک کافی جانت سے بھی مروی ہے، لیکن وہ سب طرق معلول ہیں۔

مبارک پوری صاحب نے یہ عبارت تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۸۷ اور ابکار الممنون ص ۵۷ میں نقل کی ہے اور اس پر اعتراض کی بنیاد رکھی ہے۔

جواب: یہ روایت متعدد اسانید کے ساتھ حضرت جابر سے مروی ہے۔ امام حاکم نے علم

اصول حدیث کی مشہور کتاب معرفت علوم الحدیث میں تیسویں نوع اس موضوع پر قائم کی ہے۔

هذا النوع من هذا العلم معرفة المشهور من الاحادیث المروية عن رسول الله صلى الله

عليه وسلم.... الخ پھر ان مشہور احادیث کے بعد یہ حدیث بھی بیان کی ہے ومن من كان له امام

فقراة الامام له قراة اور دیگر متعدد احادیث بھی ذکر کی ہیں پھر فرماتے ہیں فكل هذه الاحادیث مشہور

باسانیدها و طرقها.... الخ (معرفت علوم الحدیث طبع قاہرہ ص ۹۷) اس سے بھی ثابت ہوا کہ

من کان له امام فقراة الامام له قراة کی حدیث نہ صرف یہ کہ مرفوع اور صحیح ہے بلکہ مشہور حدیث

سے محض تعصب مذہبی میں آکر اس کا انکار کرنا کس قدر نا انصافی ہے اور ایسے ٹھوس ثبوت اور علم

ہی کی وجہ سے ہم حافظ ابن حجر کی اس بات کو رد کرتے ہیں اور کم و بیش چالیس سندیں اس روایت

کی تو اس ناکارہ اور کوتاہ علم کو بھی معلوم ہیں۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ اور ان میں ستائیس کے

قریب فی الجملہ معلول ہیں ایک صحیح اور مرفوع سند آپ سن اور پڑھ چکے ہیں اور عنقریب چند ایک دیگر صحیح

اسانید بمع توشیح روایت ہم آپ سے عرض کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔ باقی حافظ ابن حجر کا یہ دعویٰ

نہایت مجمل اور بے دلیل ہے اور ان حضرات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی تصحیح یا تضعیف



بلا دلیل کون سنتا ہے؟ بعض علماء کرام نے حافظ صاحب موصوف سے انتہائی عقیدت اور حسن ظنی کرتے ہوئے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ حافظ صاحب موصوف کی عبارت میں دو چیزیں ہیں:

(۱) کہ یہ روایت حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔

(۲) کہ یہ روایت حضرت جابرؓ کے علاوہ دیگر حضرات صحابہ کرام سے بھی متعدد طرق کے ساتھ مروی ہے اور کلمہ معلولہ میں ہا کی ضمیر ان طرق کی طرف راجع ہے جو دیگر حضرات صحابہ کرام سے مروی ہیں اور ان کی عبارت لکنہ حدیث ضعیف عند الحافظ سے بھی یہی طرق مراد ہیں نہ کہ حضرت جابرؓ کی حدیث اور حضرت جابرؓ کی روایت مسکوت عنہا ہے اور یہ حافظ صاحب کی عبارت کلمہ معلولہ کی زد میں نہیں آتی اور گویا حافظ صاحب موصوف نے ایک لطیف حیلہ کرتے ہوئے گول مول حکم صادر کر کے حضرت جابرؓ کی روایت سے گلو خلاصی کرنے کی کوشش فرمائی ہے، مگر ناکام۔ اگر حافظ صاحب موصوف کی مراد یہ ہو کہ دیگر حضرات صحابہ کرام سے من وعین روایت کے ایسے ہی الفاظ مروی ہیں جو حضرت جابرؓ سے مروی ہیں اور وہ طرق سب معلول ہیں۔ تو شاید بظاہر یہ صحیح ہو اور اس صورت میں اس عبارت کی اس سے بہتر توجیہ اور نہیں ہو سکتی اور اگر مراد یہ ہو کہ دیگر حضرات صحابہ کرام سے جو روایتیں مروی ہیں گویا ان کی روایت کے الفاظ تو یہ نہیں لیکن ان کا مفہوم اور مضمون اس سے ملتا جلتا ہے اور وہ تمام طرق معلول ہیں تو یہ قطعاً باطل ہے۔ بطور نمونہ دیگر حضرات صحابہ کرام کی بعض صحیح روایتیں نقل کر کے ان کے اس دعویٰ کے بطلان کو آشکار کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ اس لیے آپ ان صحیح روایات کو دیکھ کر یہ کہتے ہوئے حافظ صاحبؓ کے ادھار سے نظر پھیر لیجئے اور یہ نقد وصول کر لیجئے کہ شنیدہ کے بودا نند دیدہ یاخذ ما صفا ودع ما کدر۔

تیسرا اعتراض: امام بیہقیؒ اور مولانا مبارک پوری صاحبؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں قرأت سے ما زاد علی الفاتحہ کی قرأت مراد ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر کی نماز میں سبح اسم ربک الاکملی کی قرأت کی تھی تو آپؐ نے اس موقع پر مقتدیوں کو قرأت سے منع کیا تھا۔ (کتاب القراءة ص ۱۴۵ و تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۶۷)



جواب: یہ روایت حضرت جابر رضی سے مروی ہے اور ان کی روایت میں قرأت کو  
 مَا زَادَ عَلَى الْفَاتِحَةِ کی قرأت پر حمل کرنا توجیہ القول بعمالہ یعنی بہ قائلہ کا ارتکاب کرنا ہے کیونکہ حضرت  
 جابر رضی راوی حدیث اس قرأت سے صرف سورۃ فاتحہ کی قرأت مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں  
 مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ  
 يَصِلْ إِلَّا وَرَاءَ الْإِمَامِ وَمَوْطَأَ إِمَامٍ مَالِكٌ  
 جس کسی نے نماز کی ایک رکعت بھی ایسی پڑھی جس  
 میں اس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ادا  
 نہ ہوگی مگر ہاں امام کے پیچھے۔ (مشکوٰۃ ترمذی جلد ۱ ص ۴۲)

اور یہ بات باقرار مبارک پوری صاحب اپنے مقام پر آئے گی کہ راوی حدیث (مخصوصاً جب کہ  
 صحابی ہو) اپنی مروی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے لہذا حضرت جابر رضی کی اس صحیح  
 روایت میں قرأت سے ما زاد علی الفاتحہ کی قرأت مراد لینا قطعاً اور یقیناً باطل ہے، یہ یاد رہے  
 کہ یہ روایت حضرت جابر رضی سے مرفوعاً بھی مروی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں  
 کہ در حدیث جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ کہ فرمودہ من صلی رکتہ لم یقرأ فیہا بامر  
 القرآن فلم یصل الا وراۃ الامام رواہ الطحاوی فی معانی الآثار بسند متصل مرفوع ورواہ  
 الترمذی موقوفاً وقال حسن صحیح... اھ (ہدایۃ السائل ص ۲۰۴) نواب صاحب نے  
 جو کچھ کہا بالکل صحیح کہا ہے کیونکہ یہ روایت طحاوی جلد ۱ ص ۱۸۱ میں متصل اور مرفوع سند سے مروی ہے۔  
 سند یوں ہے بحر بن نصر (امام ابو حاتم) فرماتے ہیں کہ وہ صدوق اور ثقہ تھے۔ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ  
 وہ ثقہ تھے مسلم بن قاسم فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ فاضل اور مشہور تھے۔ امامی الاحبار ج ۱ ص ۳۱۰، قال حدثنا  
 یحییٰ بن سلو (امام بیہقی) فرماتے ہیں کہ وہ کثیر التوہم ہیں اور اس حدیث کے مرفوع بیان کرنے میں  
 ان کا وہم ہے۔ (محصلاً کتاب القراءۃ ص ۱۱۰) بے شک ان پر بعض نے جرح کی ہے۔ امام دارقطنی ان کی  
 اہ امام مالک ابو نعیم و ہب بن کیسان سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ  
 سے سنا۔ انھوں نے یہ ارشاد فرمایا... انھم حضرت امام مالک کا ترجمہ مقدمہ میں گزر چکا ہے اور حضرت جابر جلیل القدر  
 صحابی تھے۔ ابو نعیم و ہب بن کیسان کا ترجمہ سن لیجئے۔ امام نسائی اور ابن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن سعد ان کو  
 ثقہ اور محدث کہتے ہیں۔ عجلان ان کو ثقہ اور تابعی کہتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام احمد بھی ان  
 کو ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۶۶) امام ترمذی لکھتے ہیں ہذا حدیث حسن صحیح (ص ۴۲)



تضعیف کرتے ہیں اور امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ باوجود ان کے ضعیف ہونے کے ان کی حدیث لکھی جاسکتی ہے امام ابن حبان رحمہ اللہ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں ربما اخطأ امام ابو زرعةؒ فرماتے ہیں لا بأس به ربما يهمل امام ابو حاتم رحمہ اللہ ان کو شیخ اور صدوق کہتے ہیں امام ابو نعیمؒ ان کو من الحفاظ اور من خيار خلق الله کہتے ہیں لسان المیزان ج ۶ ص ۲۶۰ و ۲۶۱ الغرض ان کی یہ حدیث حسن درجہ سے کسی طرح کم نہیں ہے قال حدثنا مالك عن وهب بن كيسان عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم — (الحديث) لهذا مؤلف خير الكلام (ص ۲۹۹ میں) یہ مطالبہ بھی پورا ہو گیا کہ حدیث قرأه الامام — بصورت مرفوع زیر بحث ہے غرضیکہ یہ ارشاد مطلق اور صریح ہے اس کو محض لفظوں کی کراہت سے مقید کرنا اور محل قرار دینا جیسا کہ مؤلف مذکور نے ص ۵۱۹ میں کیا ہے بالکل باطل ہے اور اسی طرح اس کو رکوع والی رکعت سے مقید کرنا بلا دلیل ہے۔ نماز صرف وہی رکعت نہیں بلکہ تمام رکعات نماز اور صلوٰۃ ہے اور امام موفق الدین ابن قدامہ اور علامہ شمس الدین الحنبلیؒ بھی اس روایت کو مرفوع روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ رواه الخليل عن جابر بن ان النبي صلى الله عليه وسلم قال كل صلوٰۃ لا يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج الا ان يكون وراء الامام (معنی جلد ۱ ص ۴۰۶ واللفظ له وشرح مقنع جلد ۲ ص ۱۱) یعنی آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نماز بھی سورۃ فاتحہ کے بغیر پڑھی جائے تو وہ ناقص ہوتی ہے مگر ہاں یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ باقی ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص کا مسبح اسم ربك الاعلىٰ کی قرأت کرنا تو اس حدیث کا سیاق ہی بالکل الگ اور جدا ہے۔ وہاں ان بعضکم خالجنیہا کے الفاظ موجود ہیں (دیکھئے مسلم جلد ۱ ص ۱۱) اس لیے خارجی اور سیرونی قرائن و مؤلف کی بجائے خود حضرت جابرؓ کا بیان اور تفسیر زیادہ قابل قبول ہے اور ان کی مرضی کے خلاف اس روایت میں قرأت کو مازاد علی الفاخر پر حمل کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ علاوہ بریں حدیث نمبر ۲۱ میں حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث میں امر القرآن کا خاص لفظ موجود ہے جیسا کہ اپنے مقام پر آئے گا۔ انشاء اللہ العزیز



چوتھا اعتراض : مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت جابر رضی کی حدیث سورۃ فاتحہ کے بارے میں نص صریح نہیں ہے۔ اور حضرت عبادہ بن الصامت کی روایت سورۃ فاتحہ کے بارے میں نص صریح ہے لہذا حضرت عبادہ کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۶۵)

جواب : حضرت عبادہ الصامت کی روایت جو صحیح اور صریح ہے وہ صرف امام اور منفرد کے حق میں ہے۔ اس کا مقتدی سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ بیان ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔ اور جو روایت حضرت جابر رضی کی ہے، وہ مقتدی کے حق میں ہے۔ اور حضرت جابر رضی کی اپنی صریح اور صحیح روایت میں مذکور ہے کہ قرأت سے سورۃ فاتحہ کی قرأت مراد ہے، علاوہ ازیں لفظ قرآنہ مصدر ہے جو مضاف ہے اور عربی کے طے شدہ قاعدہ کے لحاظ سے یہ سورۃ فاتحہ اور غیر فاتحہ ہر قسم کی قرأت کثرت شامل ہے۔ چنانچہ امیر کبیرؒ لکھتے ہیں کہ لان لفظ قرآنہ الامام اسحٰ بن جنس مضاف یعم کل ما یقرأہ الامام (سبل السلا جلد ۱ ص ۲۶۲) بے شک لفظ قرآنہ الامام اسم جنس ہے جو مضاف ہے اور یہ ہر اس قرأت کو عام ہے جو امام پڑھتا ہو۔ اور نواب صاحب لکھتے ہیں کہ زیر کہ مصدر مضاف یکے از صیغ عموم باشد کما تقدّر فی الاصول وقرآنہ الامام وریں جا مصدر مضاف واقع شدہ پس شامل جمیع قرأت امام باشد وایں عموم مخصوص است باحدیث صحیحہ مثل حدیث عبادہ رضی۔ الخ (دلیل الطالب صفحہ ۲۹۱) لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ کے حوالہ سے آئے گا کہ حضرت عبادہ کی خلف الامام کی قید سے کوئی زوائد صحیح نہیں لہذا تخصیص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور مولف خیر الکلام ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اگرچہ ان آثار میں فاتحہ کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرأت کا ذکر ہے اور قرأت فاتحہ ہی سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۱۱) الخ اور حضرت جابر رضی کی روایت کو سورۃ فاتحہ کے بارے میں غیر صریح کہنا ثابت شدہ حقائق سے چشم پوشی کرنا ہے۔ یہی حضرت عبادہ رضی کی خلف الامام کی قید اور مضمون سے روایت تو اپنے مقام پر پوری تفصیل سے ایسی کہ ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ اندر میں حالات حضرت جابر رضی کی حدیث کا حضرت عبادہ رضی کی حدیث سے تعارض قائم کر کے ثانی کو اول پر ترجیح دینا صرف تسکینِ قلب کا سامان ہے اور بس۔



پانچواں اعتراض: مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث من کان لہ امامہ  
فقراً الا ماہر سے تو نفس کفایت ہی معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ حنفیہ امام کے پیچھے قرأت  
کی ممنوعیت اور حرمت بھی ثابت کرتے ہیں۔ (بمعناہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۸۱)

جواب: قرأت خلف الامام کی ممنوعیت اور حرمت کے صرف حنفیہ ہی قائل  
نہیں، بلکہ جمہور اہل اسلام ان کے ساتھ ہیں خصوصاً جہری نمازوں میں جس کی پوری تحقیق گذر  
چکی ہے اور جمہور اہل اسلام عموماً اور حنفیہ نے خصوصاً یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ ہم نفس کفایت  
حرمت اور ممنوعیت وغیرہ سب کچھ اس ایک روایت ہی سے ثابت کرتے ہیں؟  
نفس کفایت اس روایت سے معلوم ہو گئی اور فریق ثانی کی یہ رٹ تو باطل ہو گئی کہ جو شخص  
امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے بیجا ہے  
اور باطل ہے۔ باقی یہی ممنوعیت اور حرمت وغیرہ تو دیگر احادیث سے اور قرآن کریم کی  
نص فاستمعوا وانصتوا اور حدیث واذا قرأ فانصتوا وغیرہ سے ثابت ہے کیونکہ صیغہ  
امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ  
وسلم کے امر کی مخالفت حرام بھی ہے اور ممنوع بھی جیسا کہ پہلے نواب صاحب کے حوالہ سے یہ  
بات ثابت کی جا چکی ہے۔

چھٹا اعتراض: مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم  
ہوتا ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اور اس کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی  
حالانکہ احناف کہتے ہیں کہ اگر کچھلی دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو۔ تو نماز جائز ہے۔  
تو حنفیہ کا عمل بھی حدیث جابر پر نہ ہوا۔ (بمعناہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۱۱)

جواب: مبارک پوری صاحب نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات کے لیے بعض فقہائے  
کرام کی عبارتیں بھی نقل کی ہیں لیکن کیا مولانا کو یہ معلوم نہیں کہ جتنی حدیثیں آں حضرت صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ان میں ہر ہر حدیث آپ کی فرمودہ نہیں ہے۔  
اور نہ عملی طور پر آپ سے ثابت ہے، بلکہ ان میں بہت حدیثیں جعلی، خاندہ ساز، ضعیف،  
شاذ، منکر اور معلول وغیرہ سمجھی کچھ موجود ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ نہ توفیق حنفی



کی ہر ہر جہتی امام ابوحنیفہؒ کی فرمودہ ہے اور نہ ہر ہر جہتی قابل عمل ہے اور مجتہد کا مصیب اور غلطی ہونا اس پر مستزاد ہے۔ پھر بعض فقہارہ کی غیر معصوم آرا کو جتنی اور ضروری سمجھ کر تمام احناف کا مسلک بنانا اور پھر اس پر اعتراض کی بنیاد رکھنا محض باطل اور مردود ہے۔ اور اگر بعض نے ایسا لکھا ہے تو اس کو سہوٹسیان پر حمل کرنے کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا اور احکام عمد و سہو میں فرق مخفی نہیں ہے۔ (دیکھئے بدورالابہ ص ۹۷ وغیرہ) لیکن مسئلہ زیر بحث میں تو حضرت امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت منقول ہے کہ پچھلی دونوں رکعتوں میں قرأت سورۃ فاتحہ ضروری ہے اور اسی روایت کو حافظ ابن ہمامؒ نے پسند کیا اور ترجیح دی ہے (فصل الخطاب) اور حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حافظ ابن ہمامؒ اور علامہ بدرالدین عینیؒ (وغیرہ) نے ثمرأ فعل ذلک فی صلواتک کلاھا کی حدیث سے پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے وجوب پر استدلال کیا ہے (فیض الباری جلد ۲ ص ۲۰۰) اور نیز علامہ سندھی حنفیؒ (المتوفی ۱۱۲۰ھ) اسی حدیث سے ہر ایک رکعت میں وجوب سورۃ فاتحہ پر احتجاج کرتے ہیں (سندھی علی البخاری جلد ۱ ص ۹۵) اور اسی طرح دیگر محققین علماء احناف بھی پچھلی دونوں رکعتوں میں قرأت سورۃ فاتحہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ لہذا مبارکیوری صاحبؒ کا قیاس ساقط الاعتبار ہے جملہ علماء احناف پر یہ اعتراض تو ہرگز وارد نہیں ہو سکتا۔ السبۃ مبارکیوری صاحبؒ کا مقتدی کو اللہم اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ ..... الایۃ پڑھنے کا حکم دینا (دیکھئے ابکار المنہ ص ۱۱۷ وغیرہ) یقیناً حدیث لا تقراء بالشیء من القرآن کے مخالف ہے۔

ساتواں اعتراض: مبارکیوری صاحبؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس حدیث فقراءۃ الامام لہ میں لہ کی ضمیر حرف من کی طرف نہیں لوٹتی بلکہ یہ ضمیر الامام کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں حدیث کا معنی یہ ہو گا کہ جس شخص نے امام کی اقتدا کی۔ تو امام کی قرأت صرف امام کے لیے ہے یعنی مقتدی کو اپنی انگ اور جدا قرأت کرنا ہوگی۔ (بمعناہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۶۸)

جواب: یہ اعتراض یا بزرگم خود جواب محض یہودہ اور لغو ہے: اولاً۔ اس لیے کہ مؤلف ص ۱۷

۱۔ یہ روایت بخاری جلد ۱ ص ۱۰۵ مسلم جلد ۱ ص ۱۱۱ اور نسائی جلد ۱ ص ۱۱۲ وغیرہ میں مروی ہے۔

۲۔ یہ قاعدہ ہدایت النخو ص ۱۱ کافیہ ص ۱ جامی ص ۱ مفصل ص ۱، رضی جلد ۱ ص ۹۶۔ متن متین ص ۱۹ سوال

کابلی ص ۱۲۲ اور سوال باسنولی وغیرہ نحو کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔



نُحَاة کا اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ جب جملہ خبر واقع ہو تو لا بد ہی ہے کہ اس جملہ میں ربط پیدا کرنے والی کوئی چیز ہو مظهر ہو یا ضمیر جو مبتدا کی طرف راجع ہو، عام اس سے کہ مذکور ہو یا مقدر اس حدیث میں من کان له امام حرف من مبتدا ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہے اور جملہ فقہاء الامام له قرأۃ اس کی خبر ہے جو جزاء پر مشتمل ہے۔ اگر لہ کی ضمیر حرف من کی طرف راجع نہ ہو تو مولانا مبارکپوری صاحب اور ان کے اتباع ہی یہ ارشاد فرمائیں کہ من کی طرف کوئی ضمیر راجع ہوگی یا ربط پیدا کرنے والی یہاں کیا چیز ہے؟ کیا علم نحو فریق ثانی سے اتنا مرعوب یا ان کا اتنا خیر خواہ ہے کہ اس کو یہاں اپنا عمل کرنے کی توفیق ہی نہیں اور نہ اس میں اس کی ہمت اور جرات کا قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیے کہ مبارکپوری صاحب (مع اپنے اتباع کے) کیسے جگر اوڑھل کے مالک ہیں کہ حضرات محدثین کرام کے تمام طے شدہ اصول اور ضوابط کو روندتے آتے ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اور ابھی یہ

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کب آگے آگے دیکھتے ہوتا ہے کب

اور ان کی یہ ستم ظریفی بھی دیکھئے کہ وہ کس بے جگری کے ساتھ گریز اور نحو کے مسلمات کو بھی پامال کرتے جا رہے ہیں جن کے تسلیم کرنے میں غیر مسلموں اور دہریوں کو بھی کبھی تاویل نہیں ہوا۔ مؤلف خیر الکلام ص ۴۹ میں لکھتے ہیں کہ بلکہ ضمیر مقدر بھی ہو سکتی ہے جیسے الْبُرْمَنُوانِ بِدَرْهَمٍ الْخِ الْجَوَاب: بے شک مقدر بھی ہو سکتی ہے۔ مگر وہاں جہاں ظاہر اور مذکور نہ ہو یہاں مقدر ماننے کا کون سا داعیہ ہے جبکہ ضمیر ظاہر موجود ہے؟ باقی علامہ ابوالحسن حنفی سندھی کے حاشیہ ابن ماجہ ص ۴۵ کے حوالہ سے جو عبارت مؤلف خیر الکلام نے ص ۴۹ میں اپنی تائید کے لیے نقل کی ہے۔ قِيلَ يَحْتَمِلُ... الخ تو لفظ قیل سے علامہ موصوف نے اس کی تریض اور تضعیف کر دی ہے کیونکہ عموماً یہ لفظ تریض کے لیے آتا ہے نہ وہ اس تاویل پر راضی ہیں اور نہ یہ ان کا اپنا قول ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے ص ۴۹ میں یہ لکھ کر علامہ ابوالحسن حنفی نے بھی ضمیر مقدر نکالی ہے راہ قرار اختیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو صحیح بات سمجھنے کا سلیقہ عطا فرمائے۔

وثانیاً۔ چونکہ فریق ثانی کا عامل بالحدیث ہونے کا دعویٰ ہے (اور ان کے زعم میں دوسرے لوگ جو ان سے اختلاف رائے رکھتے ہیں صرف فقہ اور اماموں کے قول سے احتجاج کیا کرتے



ہیں) اس لیے بطور نمونہ صرف چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ اس خود ساختہ قاعدہ کے تحت ان کا مطلب ہمیں سمجھا دیا جائے :

(۱) مَنْ كَانَ فِي حَاجَةٍ إِلَى اللَّهِ فَإِنْ هُوَ فِي حَاجَةٍ (بخاری وغیرہ) آپ کے اس قاعدہ کے

رُوسے اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہی حاجات پوری کرتا رہتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

(۲) مَنْ فَتَّحَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَفَتَّحَ اللَّهُ عَنْهُ (بخاری وغیرہ) آپ کے اس قاعدہ کے لحاظ

سے معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے مصائب دور کرتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

(۳) مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (متفق علیہ) آپ کے گھریلو ضابطہ

کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ) (من عادی

لِوَلِيٍّ فَقَدْ لَازَمَهُ بِالْحَرْبِ۔ (صحیحین) آپ کے خود ساختہ قانون کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اللہ

تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو جنگ کرنے کا چیلنج کرتا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اسی طرح مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانَ لِلَّهِ ،

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ حَتْفَةً أَوْ مِنْ كُنْتُمْ مَوْلَاهُ فَفُتِّحْ مَوْلَاهُ وَغَيْرَ وَغَيْرَ

سینکڑوں حدیثیں ایسی ہیں جن میں اس خانہ ساز قاعدہ کو جاری کرنے کے بعد نہ توحید باقی رہ سکتی ہے۔

اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ اور برائے ثابت ہو سکتی ہے اور اسی طرح اسلام کے دیگر اہم مسائل

کا ثابت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اس فصیح العربی و البعم کی ذات گرامی کی طرف ایسے مہمل احکام

منسوب ہوتے ہیں جن کی فصاحت و بلاغت مسلم چلی آتی ہے کہ نہ تو آج تک آپ اس فن میں

کوئی نظیر پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔ ع

بعد از حدیث بزرگ توئی قصہ مختصر

اٹھواں اعتراض : بعض نہایت سطحی قسم کے دوست یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر امام کی قرأت

مقتدیوں کے لیے کافی ہے۔ تو مقتدیوں کو رکوع، سجود اور نشہ وغیرہ امور ادا کرنے اور تسبیحات

پڑھنے کی بھی ضرورت نہ ہونی چاہیے کیونکہ امام ہی سب کچھ کرتا رہے گا بلکہ لوگوں کو اپنے گھروں میں

آرام سے بیٹھا رہنا چاہیے۔ امام خود سب کچھ ادا کرتا رہے گا۔ (ایک صاحب)

جواب : امام مقتدی کی طرف سے صرف قرأت قرآن میں کفایت کرتا ہے جیسا کہ آیت و اذا

قرأ القرآن... الآية۔ اور حدیث و اذا قرأوا ما من فانصتوا وغیرہ دلائل بسط اور تفصیل کے ساتھ



پہلے نقل کئے جا چکے ہیں اور نواب صاحب کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے کہ مقتدی کو ممانعت صرف قرأت کی ہے اور حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب امام تکبیر کے تو تم بھی کہو۔ جب وہ رکوع اور سجود وغیرہ کرے تو تم بھی کرو۔ ہاں مگر جب امام قرأت شروع کرے۔ تم خاموش رہو۔ اس لیے باقی امور کو قرأت پر قیاس کرنا مع القارق ہونے کے ساتھ نص کے مقابلہ میں ہے جو ہر طرح سے مردود ہے۔ بہر حال حضرت جابرؓ کی یہ مرفوع حدیث سنداً و معنیً بالکل صحیح ہے اور جمہور کی دلیل اور حجت ہے البتہ حقائق سے چشم پوشی کرنے کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

نواں اعتراض: مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ امام کی قرأت کا ثواب مقتدی کو ملتا ہے۔ مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ امام کی قرأت کا مقتدی کے لیے حکمی قرأت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ شارع نے مقتدی کو امام کی قرأت سے قاری کے حکم میں کیا ہے اور اس کو اس کا ثواب عطا کیا ہے (عمدة القاری جلد ۱ ص ۱۷۱) جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص مسجد میں بیٹھ کر نماز کا منتظر ہو وہ نماز میں ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ یہ حدیث قرأت خلف الامام کے منافی نہیں۔ (محصلة ص ۱۹۱، ص ۱۹۲)

الجواب: یہ سب کچھ قلت فہم کا نتیجہ ہے، مولانا عبدالحیؒ نے بحوالہ علامہ عینیؒ اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ حجتاً اور ظاہراً تو امام قرأت کرتا ہے پھر اس کی قرأت کو مقتدی کی قرأت کیوں قرار دیا گیا ہے۔ جواب یہ دیا کہ جتنا ثواب امام کو ملے گا شریعت نے اتنا ہی ثواب مقتدی کے لیے بیان کیا ہے کہ اگرچہ وہ خاموش بھی رہے گا۔ (جیسا کہ ما زاد علی الفاشح میں وہ خاموش رہتا ہے) تب بھی اس کو پورا ثواب ملے گا نہ یہ کہ وہ پیچھے پڑتا بھی رہے جیسا کہ منتظر صلوٰۃ کو نماز کا ثواب ملتا ہے یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ وہ بیٹھا بھی رہے اور ساتھ ہی وہ رکوع و سجود وغیرہ کی حرکات بھی کرتا رہے یہ تو دو متضاد چیزیں ہیں یہ بھلا کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟ ہاں جس طرح منتظر نماز کو اپنے وقت میں حکمی نماز کا ثواب ملتا ہے اور جب وہ دوسرے موقع پر نماز ادا کرے گا تو اس کو حقیقی نماز کا ثواب ملے گا۔ اسی طرح نمازی کو بحالت اقتدار حکمی قرأت کا ثواب ملتا ہے اور فراغت امام کے بعد جب مبسوق اپنی قرأت کرے گا یا وہ منفرد ہو کر نماز پڑھے گا تو اس کو حقیقی قرأت کا ثواب ملے گا۔ اگر یہ مطلب نہ لیا جائے تو حکمی نماز کے



ساتھ تشبیر اور تنظیر درست نہیں ہے کیونکہ حقیقی اور حکمی نماز و الگ الگ حالتوں میں ہوتی ہے۔ کیا رو بخفی۔

بارھویں حدیث :

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسودؓ بن عامر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حسنؓ بن صالحؒ نے بیان کیا اور وہ ابوالزبیرؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت جابرؓ سے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

من كان له امام فقرأه الامام له قراءة  
یعنی جس آدمی نے امام اقتداء کر لی ہو تو امام کی  
قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے۔

۱۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور احداث الثبات لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۵ ص ۳۲۵) امام ابن معینؒ ان کو لا باس بہ اور ابن مدینیؒ ان کو ثقہ اور ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور صالح اور ابن سعدؒ ان کو صالح فی الحدیث لکھتے ہیں۔ اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۲۲) اور حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں (تقریب ص ۳۹) علامہ ذہبیؒ ان کو الامام اور القدوہ لکھتے ہیں۔ ابو حاتمؒ ان کو ثقہ حافظ اور متقن لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۲) امام احمدؒ ان کو ثقہ اور ابن معینؒ ان کو ثقہ اور مامونؒ لکھتے ہیں، امام ابو زرہؒ ان کو متقن فقیہ عابد اور زاہد لکھتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، ابن سعدؒ ان کو فقیہ، حجت، صحیح الحدیث اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ دارقطنیؒ ان کو ثقہ اور عابد لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۸۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ فقیہ اور عابد تھے (تقریب ص ۸۶)

۲۔ ابوالزبیرؓ کا نام محمد بن مسلم بن تدرسؒ تھا۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الکثیر لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۵ ص ۱۱۹) امام ابن معینؒ، نسائیؒ اور یحییٰ القطانؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں، یعقوب بن شیبہؒ ان کو ثقہ اور صدوق اور ابن مدینیؒ ان کو ثقہ اور ثبت اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ ابن عدیؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ محدث ساجیؒ کا بیان ہے کہ وہ احکام میں حجت تھے (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۲۱) عطائہ بن ابی رباحؒ کا بیان ہے کہ جب ہم حضرت جابرؓ سے احادیث کی سماعت کر کے واپس آتے اور آپس میں مذاکرہ اور تکرار کرتے تو ابوالزبیرؓ حفظ روایات اور ان کی ادائیگی میں ہم سب سبقت لے جاتے تھے (ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۰ و مسند ابی یوسف ص ۴۹) لکھنوی روایت مسند احمد جلد ۲ ص ۳۹، شرح مقنع للکبیر جلد ۲ ص ۱۱، فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۲۲ اور بغیۃ الامعی جلد ۲ ص ۱۰ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔



اس حدیث کا مطلب اور مفہوم بھی بلکہ من وعن الفاظ بھی وہی ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں اور یہ روایت سابق کی طرح اس بات پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اس روایت کے جملہ روایات ثقہ اور ثبت ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس سند پر فریق ثانی کی طرف سے کوئی اعتراض راقم کی نظر سے نہیں گذرا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابوالزبیر مدلس تھے اور ۱۵ اس روایت کو عنعنہ سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن یہ سوال باطل ہے۔

اؤر۔ اس لیے کہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ جہور محدثین ابوالزبیرؒ کی معنعن حدیثوں کو صحیح سمجھتے ہیں (زاد المعاد جلد ۲ ص ۶۵)

و ثانیاً۔ پچھلے ترجمہ النظر کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ ابوالزبیرؒ کا شمار ان مدلسین میں ہے جن کی مدلیس کسی صورت میں مضر نہیں ہے۔ ایک سند یوں آتی ہے عن ابی الزبیر عن سعید بن جبیرؒ۔ الخ امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں۔ هذا اسناد صحیح (جلد ۱ ص ۱۳۳) امام دارقطنیؒ ان کی معنعن سند کو بھی صحیح کہتے ہیں۔

و ثالثاً۔ حضرت عبداللہ بن شدادؒ وغیرہ ان کے ثقہ متابع موجود ہیں۔ بہر حال یہ روایت متصل اور صحیح ہے، اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حافظ شمس الدینؒ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں۔

وهذا اسناد صحیح متصل بحالہ کلہم ثقات۔ کہ یہ سند صحیح اور متصل ہے اور اس کے تمام راوی

(شرح مقنع للکبیر جلد ۲ ص ۱۸۱ بحاشیہ معنی) ثقہ ہیں۔

حافظ شمس الدینؒ کا ترجمہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے اور علامہ ذہبیؒ ان کو امام اور شیخ الاسلام

لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۷۳) مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۹۱ و ص ۲۸۱ میں دارقطنیؒ اور بیہقیؒ کی

روایتوں کا سہارا لے کر حسن بن صالحؒ اور ابوالزبیرؒ کے درمیان جابجافی کا واسطہ بتایا ہے مگر

مسند احمد کی سند میں کوئی واسطہ نہیں اور یہ روایت صحیح اور متصل ہے جیسا کہ ابھی ابن

قدامہؒ کے حوالہ سے عرض ہو چکا ہے۔

تیسرے حوالے پر حدیث: امام ابن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے مالک بن اسماعیلؒ نے بیان کیا وہ حسن

علامہ ذہبیؒ نے ان کو حافظ، عدیم النظیر، الثبت اور النحریر لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۸۱) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے

باقی حاشیہ نمبر ۱ اور نمبر ۲ اگلے



بن صالحؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابو الزبیرؒ سے اور وہ حضرت جابرؓ سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کل من کان له امام فقرأتہ له قرأہ۔

(الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۵۹)

پروہ شخص جس نے امام کی اقتدار کر لی ہو تو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ اس روایت کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں، علامہ مارینیؒ فرماتے ہیں: ہذا سند صحیح (الجوہر النقی) کہ یہ سند بالکل صحیح ہے۔ چودھویں حدیث: امام عبدالرحمنؒ بن حمیدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو نعیمؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسن بن صالحؒ نے بیان کیا وہ ابو الزبیرؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت جابرؓ سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

من کان له امام فقرأتہ الامام قرأتہ کہ جس کا امام قرأت کرتا ہو تو اس کے امام کی قرأت ہی اس مقتدی کی قرأت ہے۔

یہ روایت بھی صحیح ہے، علامہ آلوسیؒ اس کو علی شرط مسلم صحیح کہتے ہیں (روح المعانی جلد ۵ ص ۱۳۲)

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ ذیل مکمل) ہیں کہ وہ احمد ابو حنبلہؒ سے اور فرماتے ہیں کہ انھوں نے مصنف نامی ایک کتاب لکھی ہے نہ ان سے پہلے کسی نے ایسی کتاب لکھی ہے اور نہ بعد (البیہ جلد ۱ ص ۳۱۵) حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ اور حافظ کہتے ہیں۔ (تقریب ص ۲۱۳)

۱۵ (پچھلا صفحہ) علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور ارجحہ کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۲۲) حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ اور متقن کہتے ہیں (تقریب ص ۲۲۴) امام نسائیؒ، عیسیٰؒ، ابو حاتمؒ اور یعقوب بن شیبہؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ اور ابن شاذانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ عثمان بن ابی شیبہؒ ان کو صدوق، ثابت، متقن اور امام الائمہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۰۲) باقی روایت کی توثیق گزر چکی ہے۔

۱۶ علامہ ذہبیؒ ان کو امام اور حافظ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کان من الائمہ الثقات (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۰۲) ان کی وفات ۲۴۹ھ میں ہوئی ہے۔

۱۷ ان کا نام فضل بن دکیںؒ تھا۔ علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اور الثبت کہتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۳۳۸) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے (تقریب ص ۳۴۱) باقی روایت کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔

۱۸ یہ روایت ابو الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۵۹، فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۳۹، شرح نقایہ جلد ۱ ص ۸۸ اور روح المعانی جلد ۵ ص ۱۳۲ وغیرہ میں موجود ہے۔



اعترض : مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ مسند عبد بن حمید کے قلمی نسخہ ص ۲۲ میں (جو مولانا شمس الحق کے کتب خانہ میں موجود ہے) حسن بن صالح کے بعد جابر جعفی کا نام موجود ہے۔ اور جابر مذکور ضعیف تھا۔ کیونکہ بعینہ یہ روایت دارقطنی جلد ۱ ص ۲۱ اور کتاب القراءة ص ۱ میں مذکور ہے اور ان میں ایسا ہی لکھا ہے۔ لہذا یہ روایت کمزور ہے۔ (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۶۱)

جواب : نہ معلوم مبارکپوری صاحب اتنے زود فراموش کیوں واقع ہوئے ہیں؟۔  
تھیں عادت ہے بھول جانے کی

اگر کاتب کا قلم مسند احمد بن منیع کے نسخہ میں عن جابر کا جملہ زیادہ لکھ سکتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ وہ عبد بن حمید کے قلمی نسخہ میں جابر جعفی کا جملہ نہیں لکھ سکتا؟ وہ کوئی بڑا منطقی اور فلسفی قلم ہے۔ کہ بظاہر مطبوعہ نسخوں میں تو کام کر سکتا ہے لیکن زاویہ غول میں پڑے ہوئے قلمی نسخہ میں مجبور و لاچار ہو کر رہ جاتا ہے؟ وہ قلم تھا یا کسی یونیورسٹی کا ماہر پروفیسر تھا؟ کیا بعید ہے کہ وہ قلم تقدیر ہی ہو جو مبارکپوری صاحب کی بگڑی ہوئی قسمت کو سنوارنے کے لیے پھر ایک مرتبہ چل پڑا ہو؟  
حافظ شمس الدین ابن قدامہ کے حوالہ سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ حسن بن صالح کی ابوالزبیر سے روایت کو متصل بیان کرتے ہیں اور اس کی تصریح کرتے ہیں والحسن بن صالح ادرك ابا الزبير (جلد ۲ ص ۱۱) کہ حسن بن صالح نے ابوالزبیر اور ان کے زمانہ کو پایا ہے۔ اور اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے (جیسا کہ مسلم شریف کے مقدمہ وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے) کہ جمہور محدثین کے نزدیک اتصال سند کے لیے امکان لقار کافی ہے۔

حسن بن صالح کی ولادت ۱۰۰ھ میں ہوئی ہے اور ابوالزبیر کی وفات ۱۲۸ھ میں (دیکھتے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۱ وغیرہ) اگر اٹھائیس سال کے اس طویل عرصہ کے اندر بھی امکان لقار ثابت نہیں ہو سکتا اور سند متصل نہیں ہو سکتی تو سرے سے فن روایت اور حدیث کا ہی انکار کر دیجئے اور منکرین حدیث کی طرح یہ کہتے ہوئے حدیث سے سبکدوشی اختیار کر لیجئے کہ

یہ اُمت روایات میں کھو گئی

حقیقت خرافات میں کھو گئی

مؤلف خیر الکلام ص ۱۸۱ میں لکھتے ہیں کہ مگر حدیث کے فن کی بنیاد ہر جگہ امکان پر نہیں ہوتی اس



میں وقوع کو بھی دیکھا جاتا ہے۔۔۔ الخ

الجواب : یہی وہ غیر صحیح نظریہ ہے جس کو امام مسلمؒ نے صحیح کے مقدمہ میں پُر زور الفاظ سے روکیا ہے اور اتصال سند کے لئے غیر مدلس میں امکانِ لقار کو کافی سمجھا ہے اور یہی نظریہ جمہور محدثین کرامؒ نے اپنایا ہے۔ علاوہ انہیں خود مؤلف خیر الکلام ص ۲۲۳ میں لکھتے ہیں کہ کیونکہ صحت حدیث کے لیے صرف استاد اور شاگرد کی ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہے۔ عدم ثبوت نفی لازم نہیں آتی۔ اھ بلقظم اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں خواہ مخواہ دوسرے کی معقول بات کو توڑ مڑ دینا کہاں کا انصاف ہے؟

علاوہ انہیں امام احمد ابو بکر بن ابی شیبہؒ شمس الدین بن قدامت حافظ مزنیؒ علامہ ماردینیؒ حافظ ابن ہمامؒ ملا علی قاریؒ اور علامہ آلوسیؒ وغیرہ یہ سند اسی طرح نقل کرتے ہیں عن حسن بن صالح عن ابی الزبیرؒ۔۔۔ الخ اور اس میں جابر جعفی کا ذکر تک نہیں کرتے۔ مگر شومنی قسمت کا کیا کہنا کہ ان کو نہ تو قلمی نسخہ دستیاب ہو سکا ہے اور نہ مہربان قلم مل سکا ہے۔ ورنہ ذرا سی جنبش ان کے لیے بھی کر ہی گذرتا۔ ع۔

### کتاب تانیر زبانی و بیانیہ وارد

رہا دارقطنی اور بیہقی کی سند میں حسن بن صالحؒ اور ابو الزبیرؒ کے درمیان جابر جعفی کا واقع ہونا تو یہ اس پیش کردہ سند کے عدم اتصال کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ حسن بن صالحؒ نے یہ روایت براہِ راست ابو الزبیرؒ سے بھی سنی ہو۔ اور جابر جعفی سے بھی سنی ہو کسی وقت وہ ابو الزبیرؒ سے روایت بیان کرتے ہوں گے اور کسی وقت جابر جعفی سے یا یوں کہ لیجئے کہ

۱۔ باقی حضرات کے حوالے اور ان کے تراجم آپ پہلے پڑھ چکے ہیں، حافظ مزنیؒ نے اپنی کتاب اطراف میں یہ سند یوں ہی نقل کی ہے اور اس میں جابر جعفی کا ذکر نہیں ہے۔ (دیکھئے البحر النقی جلد ۲ ص ۱۵۹) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ جمال الدین ابو الحاج یوسف بن الزکی المزنیؒ (المتوفی ۶۴۲ھ) العالم، الحبر، الحافظ، الواحد، محدث الشام، ثقہ، حجت اور کثیر العلم تھے۔ نیز لکھتے ہیں کہ طبقات رجال اور معرفت رواست میں کبھی کسی آنکھ نے ان کا نظیر نہیں دیکھا ہوگا (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۸۰) علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے : ع۔



جب صحت حدیث کا خیال انگیر ہوتا ہوگا اس وقت ابو الزبیر کا طریق بیان کر دیتے ہوں گے اور جب محض روایت پیش کرنا ہی مد نظر ہوتا ہوگا اس وقت وہ جابر جعفی کی سند روا بیان کر دیتے ہوں گے اور فن حدیث میں اسکی بکثرت مثالیں موجود ہیں اور علماء اصول اسکو اپنی اصطلاح میں المزید فی متصل الاسانید سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں اگر بعض طرق میں دی اور مروی عمد کے درمیان زائد راوی آجائے تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ جس طریق میں زائد راوی کا تذکرہ نہیں ہوا۔ وہ منقطع ہو یا اس سے عدم لقائے ثابت ہو (دیکھئے شرح نخبۃ الفکر ص ۱۵ وغیرہ) حضرت مولانا محدث محمد حسن صاحب فیض پوری کہتے ہیں کہ ابو الزبیر سے ذیل کے حضرات روایت کرتے ہیں۔ الحسن بن صالح جیسا کہ مسند احمد وغیرہ کا حوالہ ہم نے دیا اور ایوب السختمانیؒ بھی۔ (موطاء امام محمد و کتاب القراءۃ) اور عبداللہ بن اسمعیل بھی (کتاب القراءۃ) اور الفضل بن عطیہ (کتاب القراءۃ) اور جابر جعفی اور لیث بن ابی سلیم بھی (طحاوی جلد ۱ و دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۶) (الدلیل المبین ص ۲۶۹) اگر مبارک پوری صاحب اس پر بضد ہیں کہ کاتب صاحب کی غلطی ہی تسلیم کی جائے تو تب ہی دل کو تسکین ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ تو لیجئے ہم ان کی اس ضد کو بھی مان لیتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اصل عبارت یوں ہو:

عن الحسن بن صالح وعن جابر الجعفی... الخ مطلب یہ ہوا کہ ابو نعیم نے حسن بن صالح اور جابر جعفی دونوں سے روایت کی ہو، لیکن کاتب سے قلمی نسخہ میں صرف حرف واو چھوٹ گیا ہو، کیونکہ واو کا کاتب میں چھوٹ جانا بہت آسان ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ کسی دیانت دار کاتب کا قلم عن جابر زیادہ لکھ دے۔ اگر کاتب کی غلطی کی تو جہہ و تاویل ہی معتبر ہو سکتی ہے تو یوں کیوں نہ ہو جاتے؟ بلکہ ابن ماجہ ص ۱ کے بعض نسخوں میں اصل عبارت ہی اسی طرح ہے جس طرح ہم نے تحریر کی ہے۔ عن الحسن بن صالح وعن جابر... الخ اور مولف خیر الکلام نے ص ۲۸۱ میں اس کو دبی زبان سے تسلیم کیا ہے۔

پندرھویں حدیث: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے امام ابو حنیفہؒ نے بیان کیا۔ فرماتے ہیں کہ ہم سے موسیٰ بن ابی عائشہؒ نے بیان کیا۔ وہ عبداللہ بن شدادؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت جابرؒ سے، انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من کان لہ امام فقراءۃ الہ امام لہ قراءۃ (موطاء امام محمد ص ۱) کہ امام کا پڑھنا ہی مقصدی کو کافی ہے اور بس، اس



انکے قرأت نہیں ہے۔ یہ روایت کتاب الآثار لابن یوسف <sup>رحمہ اللہ</sup> اور طحاوی جلد ۱۲ اور کتاب الآثار لمحمد بن یحییٰ ہے۔  
مؤلف خیر الکلام میں لکھا ہے کہ محدثین کہتے ہیں اس میں امام ابو حنیفہ نے غلطی سے جابر کا لفظ بڑھا دیا ہے۔

الجواب: امام ابو حنیفہ ثقہ اور ثبت ہیں اور دیگر ثقہ راوی بھی اس حدیث کو اسی طرح بیان کرتے ہیں، اس پر اس پر اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ہاں البتہ امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ سے تعصب اور عناد کا کوئی علاج نہیں ہے اور اس متعصبانہ انداز سے امام صاحب کی جلالت اور حدیث کی صحت پر کوئی زد نہیں آتی۔

سولہویں حدیث: امام محمد <sup>رحمہ اللہ</sup> فرماتے ہیں کہ ہم سے اسرائیل نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے موسیٰ بن ابی عائشہ نے بیان کیا۔ وہ عبد اللہ بن شداد <sup>رضی اللہ عنہ</sup> سے روایت کرتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں:

اقر رسول الله صلى الله عليه وسلم في العاصي - کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عصر کی نماز میں  
قال فقرا رجل خلفه فغمزه الذي يليه فلما - امامت کرائی اور ایک شخص نے آپ کے پیچھے قرأت کی جو غازی  
ان صلى قال لم غمزتني؟ قال كان رسول الله - اس کے ساتھ کھڑا تھا اس نے اس کا بدن ذرا دبا دیا تاکہ  
صلى الله عليه وسلم قد امك فكرهت ان تقرا - وہ قرأت سے باز آ جائے۔ جب نماز ادا ہو چکی تو اس نے  
خلفه فغمزه النبي صلى الله عليه وسلم فقال - کہا تم نے مجھے کیوں ٹھلا اور دبا دیا تھا؟ منع کرنے والے  
من كان له امام فان قرأته له قرأة - نے کہا کہ چونکہ حضور آگے قرأت کرتے تھے میں نے مناسب  
(موطأ امام محمد بن حنفیہ) سمجھا کہ تم بھی قرأت کرو، اپنے سنا تو ارشاد فرمایا کہ امام کا پیچھا

اس روایت کے تمام روایات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور گو اس میں حضرت جابر کا ذکر نہیں لیکن اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ حضرت عبد اللہ بن شداد <sup>رضی اللہ عنہ</sup> خود صحابہ میں تھے۔ اور حضرت صحابہ کے مراسیل بالاتفاق حجت ہیں۔ وثانیاً۔ ویسے بھی کہا تا بعین کے مراسیل صحیح اور حجت ہیں جیسا کہ نقل کیا جا چکا ہے۔  
وثالثاً۔ ہم نے یہ روایت پہلی روایت کی تائید میں پیش کی اور مرسل مقصد کے

لہ امام محمد: مؤلف خیر الکلام <sup>رحمہ اللہ</sup> میں لکھتے ہیں کہ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام نسائی <sup>رحمہ اللہ</sup> روایت کرنے والے امام محمد کو حافظہ کی بنا پر کمزور قرار دیا ہے۔ (محصلاً)

الجواب: مؤلف خیر الکلام ضہ میں لکھتے ہیں کہ جرح کرنا لا اگر تہذیب اور تشدد ہو، تو اس کی توثیق تو معتبر ہے مگر پھر گئے لکھتے ہیں کہ تشدد دین میں ابو حاتم نسائی ابن معین ابن قحطان کو شمار کرتے ہیں۔ بلقطہ۔ لہذا امام نسائی کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں اور امام محمد <sup>رحمہ اللہ</sup> ثقہ ہیں جیسا کہ ابتدا یہ کتاب میں باحوالہ ان کی توثیق نقل کر دی گئی ہے۔



حجّت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

مؤلف خیر الکلام ص ۲۸۹ میں لکھتے ہیں کہ محدثین کا خیال ہے کہ یہ حدیث مرسل ہونے

اور امام محمدؒ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

الجواب: ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ جمہور محدثین کے نزدیک مرسل صحیح ہے اور

یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ امام محمدؒ ثقہ ہیں اور امام نسائی متعنت ہیں۔ ان کی جرح کا اعتبار نہیں، امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ

ولنا ما رواه الزملاء احمد عن وكيع

اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمدؒ نے وکیع سے

عن سفیان عن موسى بن ابی عائشہ عن

روایت کی ہے اور وہ سفیان سے اور وہ موسیٰ بن

عبد اللہ بن شدادؒ قال قال رسول اللہ صلی

ابی عائشہ سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن شدادؒ سے

اللہ علیہ وسلم من کان له امام فان قراءۃ

روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

الامام له قراءۃ۔

علیہ وسلم فرمایا کہ جس کا امام ہو تو بے شک اس کے

(معنی ابن قدامہ جلد اول)

امام کی قرأت اسی کی قرأت ہے۔

یہ روایت بھی اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل واضح ہے اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ

حضرت عبد اللہ بن شدادؒ صحابی ہیں، لہذا ان کی روایت مرسل صحابی ہونے کے اعتبار سے مرفوع ہے

اور اس میں امام محمدؒ بھی نہیں ہیں جن پر فریق ثانی ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ امام وکیع بن الجراح رحمہ کو

علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ، الثبت محدث العراق اور احمد الوثمة الاعلام لکھتے ہیں۔ (تذکرہ

جلد اول ص ۲۸۲) اور سفیان رحمہ اس سند میں ثوری ہیں جن کا ترجمہ مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے اور

بقیہ روایت کے تراجم بھی پہلے عرض کیے جا چکے ہیں۔

ایک شاہد: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی ابو عمرو بن حسین بن محمد بن ہشیم نے

بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو الحسن بن عبد الواحد بن حسن نیشاپوریؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں

میں کہ ہم سے حسین بن ہمان عسکریؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبد اللہ بن حماد نے بیان

کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے سلیمان بن سلمہ نے بیان کیا۔ وہ محمد بن اسحاق اندلسیؒ سے روایت

کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے مالک بن انسؒ نے بیان کیا، وہ یحییٰ بن سعید انصاریؒ سے اور



وہ سعید بن المسیب سے اور وہ حضرت نو اس بن سمان سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
صلوة الظهر وكان عن يميني رجل من  
انصار فقرأ خلف النبي صلی اللہ علیہ  
وسلم وعلی یساری رجل من منینۃ یلعب  
بالحصی فلما قضی صلوۃ قال من قرأ خلفی؟  
قال الانصاری انا یا رسول اللہ قال لا تفعل  
من كان له امام فقلۃ الامام له قرأۃ۔  
(کتاب القراءة ص ۱۳۹)  
میں نے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نماز  
پڑھی میرے دائیں پہلو میں ایک انصاری آپ کے پیچھے  
قرأت کر رہا تھا اور میرے بائیں پہلو میں قبیلہ منینہ کا  
ایک شخص سکریزوں سے کھیل رہا تھا۔ جب آپ نماز  
سے فارغ ہوئے تو فرمایا کس نے میرے پیچھے قرأت کی ہے؟  
انصاری نے کہا کہ میں نے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا  
پھر ایسا نہ کرنا، جو شخص امام کی اقتداء اختیار کرے تو امام کا  
پڑھنا ہی مقتدی کے لیے کافی ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگر اس روایت کی سند میں محمد بن اسحاق عکاشی ہے۔ تو وہ  
کذاب تھا ان کاں ہوا عکاشی... انہ کہتے ہیں واقعی عکاشی کذاب ہے لیکن سند میں اندلسی  
کا ذکر ہے اگرچہ بعض نے عکاشی اور اندلسی کو ایک کہا ہے لیکن محدث ابن عدی ان کو دو  
بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں ہر رجل لا یعرف یعنی وہ مجہول اور مستور ہے اور حافظ ابن حجر بھی  
دو ہی قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ والراجح التفرقة (لسان جلد ۵ ص ۶) کہ راجح بات یہ ہے  
کہ دونوں الگ الگ ہیں اور مؤلف خبیہ الکلام ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ان کے بعض راوی  
اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی ہرج نہیں ہے (ص ۳۱۶) اور دوسری جگہ  
لکھتے ہیں کہ مستور کی روایت کو متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی ہرج نہیں ہے (ص ۲۲۵) اور یہ روایت  
ہم نے بھی صرف تائید اور شاہد کے لیے پیش کی ہے تو اس میں کیا ہرج ہے؟ بہر حال ہمارا استدلال  
اس روایت سے نہیں بلکہ محض شاہد کے طور پر ہم نے اس کو نقل کیا ہے۔

ان سابق پیش کردہ روایات سے معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کی قید کو صرف امام ابو حنیفہ ہی نہیں  
بیان کرتے بلکہ دوسرے ثقہ راوی بھی اس کو بیان اور نقل کرتے ہیں۔ اس شاہد کے علاوہ تین روایتیں  
بند صحیح نقل کی جا چکی ہیں جن میں ظہر یا عصر کی قید موجود ہے۔ اس شاہد کو چھوڑ کر بھی امام ابو حنیفہ



کے علاوہ اسرائیل اور طلحہ (جو دونوں ثقہ اور ثبت راوی ہیں) اپنی روایت میں ظہر یا عصر کی نماز کا ذکر کرتے ہیں۔ لہذا جو حضرات ظہر وغیرہ کی قید بیان کرنے میں صرف امام ابو حنیفہؒ کو متفرد کہتے ہیں۔ ان کی تحقیق صحیح نہیں ہے۔

سترہویں حدیث: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو علیؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد اللہ بن سلیمان بن الاشعثؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد الملک بن شعیب بن لیثؒ بن سعد نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد اللہ بن وہبؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے لیث بن سعد نے بیان کیا۔ وہ طلحہ سے روایت کرتے ہیں وہ موسیٰ بن ابی عائشہؒ سے، وہ عبد اللہ بن شداد بن الہاد سے، وہ

امام بیہقیؒ کا ترجمہ ص ۱۸۱ میں اور حافظ ابو عبد اللہؒ اور حافظ ابو علیؒ کا باب اول میں مجاہدؒ بن جبر کے اثر کے ذیل میں اور لیث بن سعد کا مقدمہ میں اور موسیٰ بن ابی عائشہؒ اور عبد اللہ بن شداد کا عنقریب گذر چکا ہے۔ عبد اللہ بن الاشعثؒ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الثقہ (میزان جلد ۳ ص ۴۳) اور العلامة اور قدوة المحدثین اور الحافظ الکبیر کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۹۵) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ من کبار الحفاظ اور من ائمة الاعلام تھے (لسان جلد ۳ ص ۲۹۵) محدث خلیلی کا بیان ہے کہ وہ حافظ اور امام وقتہ اور متفق علیہ تھے (ایضاً ص ۲۹۵) اور وہ امام ابو داؤدؒ صاحب سنن کے فرزند ارجمند تھے۔

۱۷ ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور نسانی ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، صحیح مسلم میں ان کی پچاس حدیثیں ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۹۸) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب ص ۲۲۵)

۱۸ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ از ماہر، الحافظ، الفقیہ اور احد ائمة الاعلام تھے۔ ایک لاکھ حدیث ان سے مروی ہے (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۸۸) خلیلی کا بیان ہے کہ وہ بالاتفاق ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۹۸)

۱۹ امام احمد ان کو لو بائس بہ ابن مدینیؒ ان کو معروف ابو زرؒ ان کو ثقہ اور ابو حاتمؒ ان کو صالح کہتے ہیں۔

امام لیثؒ ان کی تعریف کرتے تھے۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً جلد ۵ ص ۱۹) حافظ ابن حجرؒ

لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب ص ۱۸۱) اور تہذیب التہذیب وغیرہ میں تصریح ہے کہ لیث بن سعدؒ نے

اسی طلحہ سے روایت کی ہے وہی عند اللیث... الخ اور اس سند میں بھی لیث بن سعدؒ طلحہؒ

سے روایت کرتے ہیں، یہ تک بندی نہیں جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۸۵ میں یہ کہ کر جان چھڑانے کی ناکام سعی



ابوالولید سے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

ان رجلاً صلی خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الظہر والعصر یعنی یقرأ فاوہی الیہ رجل فتلہاہ فابی فلہما انصرف قال انتہائی ان اقرأ خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتذاکر احتی سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ علیہ وسلم من صلی خلف امام فان قرأۃ الامام ملکہ قرأۃ۔ (کتاب القرأۃ ص ۱۰۲)

کہ ظہر یا عصر کی نمازیں ایک شخص نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی۔ اشارہ نمازیں ایک آدمی نے اشارہ سے اس کو قرأت سے منع کیا۔ لیکن وہ قرأت سے باز نہ آیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو قرأت کر نیوالے نے منع کرنے والے کو کہا کہ تم مجھے آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت سے کیوں روکتے ہو؟ دونوں آپس میں تکرار کر رہے تھے کہ آپ نے ان کی گفتگو سن لی اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اس کو (الگ قرأت نہیں کرنی چاہیے بلکہ) امام کی قرأت ہی اس کو کافی اور پس ہے۔

اور اس روایت کا ذکر اپنی سند کے ساتھ امام ابن قدامہ نے بھی کیا ہے مگر اس میں ظہر یا عصر کا

ذکر نہیں اور آخر میں ہے:

فقال رسول اللہ علیہ وسلم اذا کان لک امام یقرأ فان قرأتہ لک قرأۃ۔ (معنی جہاں)

کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تیرا امام قرأت کر رہا ہو تو اس کی قرأت ہی تیرے لیے کافی ہے۔

اس صحیح روایت میں ظہر یا عصر کی نماز کا ذکر ہے جو بالاتفاق سب سے سہی نمازیں ہیں۔ اور آپ کے

پیچھے قرأت کر نیوالا صرف ایک شخص تھا حالانکہ حضرات صحابہ کرام جن طرح نماز اور جماعت کی پابندی کرتے وہ اور کس ہو سکتی ہے؟ اور ان میں سے ہر ایک کی یہی دلی خواہش ہوتی تھی کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے مگر باوجود اتنی بڑی عبت کے کثیر التعداد حضرات صحابہ کرام میں سب سے زیادہ آپ کے پیچھے قرأت کر نیوالا صرف ایک شخص ملتا ہے اور باقی سب خاموش رہتے ہیں۔ لیکن آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اگر امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت ہوتی خصوصاً سب سے سہی نمازوں میں تو یقیناً آپ اس کی تائید فرماتے اور قرأت سے روکنے والے کو تنبیہ فرماتے اور اگر



امام کے پیچھے قرأت کی گنجائش ہوتی خاص کر ستری نمازوں میں تو عین نماز کی حالت میں احسانِ صلوٰۃ سے صرف نظر کرتے ہوئے منع کرنے والے صحابی قرأت کرنے والے کو منع کرنے کی کبھی جرأت نہ کرتے۔ اور اگر ستری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کا استحباب یا جواز بھی ہوتا تو منع کرنے والے کو آپ فرما دیتے کہ ایک جائز اور مستحب حکم کی وجہ سے تم نے نماز میں اپنی توجہ کیوں دوسری طرف مبذول کر دی تھی؟ اور دوسرے حضرات صحابہ کرامؓ بھی منع کرنے والے کو یہ نہیں کہتے کہ بھائی تم نے اثنائے نماز میں بلا وجہ اس سے الجھنے کی کوشش کی ہے، یہ بھی تو اچھا کام ہی کر رہا تھا۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو بغیر کسی خارجی قرینہ کے یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جہری نمازوں کا تو قصہ ہی چھوڑیے ان میں بھلا امام کے پیچھے قرأت کی کب اجازت نکل سکتی ہے؟ ستری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت کرنا نہ تو جائز ہے اور نہ مستحب پھر ضروری کہاں سے ہوگا؟ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مطلق قرأت سے منع کیا ہے۔ اس لیے اس کو محض اپنی رائے سے قرأت دون قرأت پر حمل کرنا باطل اور مردود ہوگا۔ اور یہ روایت حضرت جابرؓ سے مروی ہے، جو قرأت کا اولین اطلاق سورہ فاتحہ اور ام الکتاب میں منحصر سمجھتے ہیں۔ لہذا قرأت کو ما زاد علی الفاتحہ پر حمل کرنا توجیہ القول بمالہ یرضی بہ قائلہ کا ترک کرنا ہوگا۔ جو محض بے بنیاد اور بیگار ہے۔

پہلا اعتراض: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں لیثؒ سے اوپر کی سند میں عبد الملک بن شعیبؒ نے غلطی کی ہے۔۔۔۔۔ الخ (کتاب القراءة ص ۱۰۱) اور اسی کا ذکر مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۸۳ میں کیا ہے۔

جواب: جب یہ راوی بالاتفاق ثقہ ہیں اور با دلائل پہلے یہ بات نقل کی جا چکی ہے کہ ثقہ کی زیادت متن اور سند دونوں میں بالاجماع حجت ہے اور یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ جب حدیث کے ارسال اور اتصال اور رفع و وقف کے بارے میں ثقہ روایات کا اختلاف ہو تو بالاتفاق وہ حدیث موصول اور مرفوع ہی تصور ہوگی اور ثقہ روایت کی تحدیح صحیح ہوتی ہے اس لیے امام بیہقیؒ وغیرہ کا یہ خلاف اصول اعتراض قابل التفات نہیں ہو سکتا۔



یہ حدیث بھی بہر حال موصول اور مرفوع ہی ہوگی۔

دوسرا اعتراض: امام بیہقی<sup>۲</sup> اور امام دارقطنی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ابوالولید مجہول ہے تو یہ روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ (کتاب القربات ص ۱۳۰ و دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۳ اور مؤلف خیر الکلام ص ۲۸۳ میں لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں ابوالولید مجہول ہے۔ لہذا یہ قابل اعتبار نہیں)

جواب: واقعی یہ اعتراض قدرے معقول نہا ہے لیکن درحقیقت یہ بھی نہایت ہی سطحی ہے اور غلط فہمی کا نتیجہ ہے، کیونکہ ابوالولید کوئی ایک اور جداگانہ ہستی نہیں، بلکہ ابوالولید عبداللہ بن شداد کی کنیت تھی۔ چنانچہ امام حاکم<sup>۳</sup> لکھتے ہیں:

عبداللہ بن شداد<sup>۴</sup> هو بنفسه ابوالولید یعنی ابوالولید خود بعینہ عبداللہ بن شداد<sup>۵</sup> ومن تهاون بمعرفة الاسامی اورثہ تھے لیکن جن لوگوں نے روایت کے ناموں میں غفلت اور کوتاہی سے کام لیا ان کو ایسا وہم ہو جانا مثل هذا الوهم۔

کچھ بعید نہیں ہے۔

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ

عبداللہ بن شداد<sup>۶</sup> اصلہ مدینی و کنیتہ ابوالولید۔ ان کی کنیت تھی۔

(معرفت علوم الحدیث، طبع قاہرہ ص ۱۷۸)

۱۔ لطیفہ: امام بیہقی<sup>۲</sup> لکھتے ہیں کہ بعض نے ایک طریق سے یہ روایت نقل کی ہے اور اس میں ابوالولید کا جملہ ساقط کر دیا ہے اور دوسرے طریق میں عبداللہ بن شداد کا نام اڑا دیا ہے اور یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ ابوالولید عبداللہ بن شداد کی کنیت ہے، لیکن یہ انصاف سے بعید ہے۔ (کتاب القباۃ ص ۱۳۰) امام حاکم<sup>۳</sup> وغیرہ نے امام بیہقی<sup>۲</sup> کا مغالطہ تو ایسا نکالا کہ ان کو شاید لب کشائی کی بہت ہی نہ رہے۔ مگر خود انھوں نے سنن اکبری جلد ۲ ص ۱۵۹ میں ابوالولید کا جملہ ساقط کر دیا ہے اور پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ امام بیہقی<sup>۲</sup> نے امام مسلم کی ایک عبارت میں مغالطہ دینے کی سعی فرمائی ہے۔ فسا محہ اللہ تعالیٰ بعموم فضله۔



علاوہ ازیں تاریخ بغداد ص ۴۷۳، جامع المسانیب جلد ۱ ص ۳۳۸، کتاب الکنی وولابی جلد ۲ ص ۱۴۲، تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۵۱، لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۲۸، تقریب ص ۲۰۲ اور توجیہ النظر ص ۹۱ وغیرہ کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ ابوالولید عبداللہ بن شدادؒ کی کنیت تھی۔ گویا اس لحاظ سے سند کی اصلی عبارت یوں تھی: عن عبد اللہ بن شداد ابی الولید... الخ روایت میں سے کسی نے ابوالولید کو سبقت سے الگ سمجھ کر ایک جدا ہستی اور مستقل راوی سمجھ لیا ہے اور اسی حقیقت کو امام بیہقیؒ اور دارقطنیؒ نہ پاسکے۔ عربی زبان میں کنیت نام سے پہلے بھی آتی ہے اور نام کے بعد بھی آسکتی ہے۔ مثلاً دیکھئے محمد بن عبد الرحمن ابوالاسود، محمد بن مقاتل ابوالحسن (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱ وغیرہ) اور یحییٰ بن یحییٰ ابوزکریا (بخاری جلد ۲ ص ۸۴ وغیرہ) وغیرہ اور جملہ ابوالولید اعادۃ جبار کے ساتھ عبداللہ بن شداد سے بدل بھی ہو سکتا ہے۔ (ہامش شرح منجبتہ ص ۱۱)

مؤلف خبیر الکلام کا صریح بہتان: جب ان ٹھوس حوالوں سے مؤلف مذکور کا سرچرکرایا تو انھوں نے یہ لکھ مارا کہ پھر امام حاکمؒ تو غلطی کی نسبت امام ابوحنیفہؒ کی طرف کر رہے ہیں کہ وہ ابوالولید کو الگ سمجھ کر سند میں بڑھا رہے ہیں کیونکہ ان کو روایت کے اسامی کی معرفت نہیں... (انج ص ۴۸۴) حالانکہ یہ امام حاکمؒ پر خالص بہتان ہے۔ امام حاکمؒ نے اول سے آخر تک اس عبارت میں کہیں اس کی تصریح نہیں کی کہ اس میں امام ابوحنیفہؒ نے غلطی کی ہے وہ تو ومن تھا ومن بمعرفۃ الاسامی اور ثل هذا الوهم کے عمومی الفاظ بول رہے ہیں کیونکہ مَنْ شرطیہ عموم کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ بیان ہوگا، لیکن غیر مقلدین کے شیخ الحدیث کے نزدیک اس حرف مَنْ سے صرف امام ابوحنیفہؒ ہی مراد ہیں۔ اور ص ۴۸ میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اسی بنا پر حاکم نے امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض کیا ہے۔ اور آگے لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کو مورد طعن قرار دیا ہے... انج امام حاکمؒ نے اس وہم کی نسبت قطعاً امام ابوحنیفہؒ کی طرف نہیں کی۔ وہ تو حرف من استعمال کر رہے ہیں جو غیر مقلدین حضرات کے شیخ الحدیث کے نزدیک عموم کے لیے نص قطعی ہے جیسا کہ اپنے مقام پر بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ یہ ہے ان کی دیانت۔ فوالسفا۔



اٹھارھویں حدیث: امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو احمد بکر بن محمد بن حمدان الصیرفی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد الصمد بن فضل البلیخیؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مکی بن ابراہیمؒ نے بیان کیا۔ وہ امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ موسیٰ بن ابی عائشہؒ سے اور وہ عبد اللہ بن شداؤ بن الہاد سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے۔

ان رجلا قرأ خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الظهر والعصر فأتى ما اليه رجل فنهاه فلما انصرف قال اتنہائی (الحديث) وہ فرماتے ہیں کہ ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کر رہا تھا۔ نماز ہی کی حالت میں ایک شخص نے اشارہ سے اسے قرأت کرنے سے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا۔ نماز کے بعد کہنے لگا تم مجھے قرأت سے منع کرتے ہو؟

(بحوالہ روح المعانی جلد ۹ صفحہ ۱۳۴) یہ روایت امام ابو یوسفؒ کی کتاب الآثار ص ۲۳ میں بھی ہے اس کے آخر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من صلی خلف امام فان قرأه الا ما ملأه قرأه۔ آگے روایت کا بعینہ وہی مضمون ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ پہلی روایت میں اصل مضمون اور اس کی تشریح دیکھ لیں۔ امام حاکمؒ، مستدرک جلد ۱ ص ۴۹، ۲ ص ۴۴ وغیرہ میں ایک سند اس طرح پیش کرتے ہیں۔ اخبرنا بکر بن محمد بن حمدان الصیرفی نا عبد الصمد بن الفضل البلیخی نا مکی بن ابراہیمؒ... الخ اور فرماتے ہیں۔ صحیح ہے علامہ فتاویٰ تلخیص المستدرک میں اس کے بارے میں صحیحؒ کہتے ہوئے صحت کا فیصلہ صادر کرتے ہیں اور بقیہ روایت کا ترجمہ گزر چکا ہے۔ مؤلف خیر الکلام ص ۴۸۸ میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے جملہ راوی سوائے امام ابو حنیفہؒ کے ثقہ ہیں اور جابر کے ذکر میں امام ابو حنیفہؒ کی طرف غلطی کی نسبت کی گئی ہے... الخ اور اس سے پہلے بحوالہ سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۹ لکھتے ہیں کہ ایک جماعت نے امام ابو حنیفہؒ سے اسی طرح موصول بیان کی ہے اور عبد اللہ بن المبارکؒ نے ان سے مرسل بیان کی ہے۔ جابر کا ذکر نہیں کیا اور یہی محفوظ ہے۔

الجواب: پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ثقہ اور ثبت تھے لہذا ان کی تضعیف بغیر تعصب کے کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور حبيب امام بیہقیؒ خود فرماتے ہیں کہ روایت کی ایک



خاصی جماعت اس روایت کو موصول بیان کرتی ہے اور اس میں حضرت جابرؓ کا ذکر ہے اور تنہا امام ابن مبارکؒ اس کو مرسل بیان کرتے ہیں تو جماعت کی روایت موصول ہی کیوں نہ محفوظ ہو جب کہ حقیقت وہ ہے بھی صحیح محفوظ اور موصول۔

انیسویں حدیث: امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو علیؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو یحییٰ زکریاؒ بن الحارثؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن ازہر سجریؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے خلفؒ بن ربیعؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی ابو یوسفؒ نے بیان کیا۔ وہ امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ موسیٰ بن ابی عائشہؒ سے اور وہ عبد اللہ بن شدادؒ ابو الولیدؒ سے اور حضرت جابرؓ سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

من صلی خلف امام فان قرائتہ قرأۃ۔

(معرفت علوم الحدیث ص ۱۷۸، طبع قاہرہ) پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔ (اس کو الگ قرات کی ضرورت

نہیں)

۱۔ علامہ عبدالقادر القرشیؒ لکھتے ہیں کہ الامام المتزکی الفقیہ احمد مشائخ اصحاب ابی حنیفہ فی

عصرہ واحد العباد تھے۔ (الجواہر جلد ۱ ص ۲۴۵)

۲۔ علامہ عبدالقادر القرشیؒ لکھتے ہیں کہ وہ من آئمتہ اصحابنا الخراسانیین اور اصحاب طبقہ

عالیہ میں تھے۔ (الجواہر المضمیہ جلد ۲ ص ۳۱) اور فاضل لکھنویؒ نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ (فوائد

ہندیہ ص ۱۶۰)

۳۔ محدث ابن جبارؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ علامہ خلیلیؒ ان کو صدوق اور مشہور کہتے ہیں۔ (تہذیب

التہذیب جلد ۳ ص ۱۴۸) علامہ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ وہ احد الفقہاء الاولیاء صاحب علم،

عاجل اور بڑے خدا پرست تھے (میزان جلد ۱ ص ۳۱)

۴۔ قاضی ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے اور دیگر روایت کے تراجم بھی بیان کر دیے گئے ہیں۔

فائدہ: محدثین کرام کی اصطلاح میں سند کے ایک راوی کے بدلنے سے روایت بدل جاتی ہے۔

اسی اصول کے پیش نظر ہم نے ان حدیثوں کا الگ الگ شمار کیا ہے۔ اس امر کو بخوبی ملحوظ رکھیں تاکہ غلط فہمی

پیدا نہ ہو۔



یہ روایت بھی سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ علامہ  
فہرستی ایک سند کو جس میں انا ابو یوسف القاضی انا ابو حنیفہ... الخ آتا ہے لکھتے ہیں :  
ہذا اسناد متصل عال (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۷۱) کہ یہ سند متصل اور بلند پایہ ہے اور مفہوم  
و مفہوم کے اعتبار سے بھی یہ روایت واضح ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ مؤلف خیر الکلام سے رہا نہیں  
گیا۔ صفحہ ۲۹۰ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بھی امام ابو حنیفہؒ کی ہے۔۔۔ الخ

**الجواب :** ہاں یہ روایت امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے جو ثقہ اور ثبت ہیں بغیر کسی  
متعصب کے کون ان کی روایت کو رد کر سکتا ہے؟ جن کی علمی تحقیق سے امام سبکی القطن اور ابن معین  
وغیرہ ائمہ جرح و تعدیل نے اپنے دامن بھرے اور ان کی تقلید کو اپنے گلے کا بار بنایا ہے۔ دیکھئے  
طائفہ منصورہ اور مقام ابی حنیفہؒ وغیرہ۔ رہا مؤلف خیر الکلام کا ص ۲۹ میں بحوالہ تحقیق الکلام جلد ۱  
یہ لکھنا کہ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ وہ اہل حدیث کے ہاں سنی الحفظ ہیں اور علی بن المدینیؒ نے  
سنن ضعیف کہا ہے (محصلہ) تو یہ بے سود ہے خود مؤلف خیر الکلام ص ۲۹۰ الرفع والتکمل  
کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ سنی الحفظ جرح غیر مفسر ہے جو قابل اعتبار نہیں (محصلہ) اور اسی صفحہ  
میں لکھتے ہیں کہ اگر تعدیل کرنے والے زیادہ ہوں تو ان کا اعتبار ہوگا۔ اور ہم مبسوط اور باحوالہ بحث عرض  
کر چکے ہیں کہ اکثر امت نے امام موصوفؒ کو ثقہ کہا ہے اور مؤلف خیر الکلام ص ۲۱ میں لکھتے ہیں کہ  
اور مبہم جرح تو شوق کے بعد مقبول نہیں ہوتی۔ اور ص ۲۲ میں لکھتے ہیں کہ توثیق کے بعد جرح غیر مفسر  
معتبر نہیں ہوتی پس وہ قطعاً ثقہ ہے۔۔۔ الخ اور یہی ہم کہنا چاہتے ہیں اور ان صحیح روایات سے  
بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ امام سفیان ثوریؒ، شریکؒ،  
طلحہؒ اور ابو الزبیرؒ وغیرہ اس روایت کو موصول بیان کرتے ہیں اور حضرت جابرؒ کا یہ روایت میں ذکر  
آتا ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ سے قاضی ابو یوسفؒ کی بنیابہم اور محمد بن الحسنؒ وغیرہ بلکہ بقول  
امام بیہقیؒ محدثین کی ایک خاصی جامعیت اس روایت کو موصول بیان کرتی ہے اور ظہر یا عصر کی قیدیہ  
کرنے میں بھی امام ابو حنیفہؒ متفرد نہیں جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور ہر ایک روایت کے ایک  
ایک راوی کی توثیق بھی عرض کر دی گئی ہے۔ اندر میں حالات یہ دعویٰ کرنا کہ امام ابو حنیفہؒ اس  
میں متفرد ہیں یا ان کا کوئی شاگرد متفرد ہے، یا یہ روایتیں معلول ہیں۔ انصاف کا خون کرتا ہے۔ یہ



باحوالہ دلائل بھی دیکھیے اور مؤلف خیر الکلام کی ہوائی طفل تسلی بھی دیکھئے کہ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل ضعیف ہوتی ہے اور موصول بیان کرنے والے صرف امام ابو حنیفہؒ ہیں باقی روایت سب کے سب ضعیف یا مجہول ہیں۔۔۔ الخ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

بیسویں روایت : امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن مخلدؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے شعبہؒ بن ایوبؒ وغیرہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے زید بن حبابؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے معاویہ بن صالحؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو الزنادیرؒ نے بیان کیا۔ وہ کثیر بن مرہؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو الدرداءؒ سے۔ وہ فرماتے ہیں :

۱۔ علامہ ذہبیؒ ان کو امام شیخ الاسلام اور حافظ زمان لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۳ ص ۱۸۳) ۲۔ حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ مشہور اور اعلیٰ اہل عصمہ لکھتے ہیں۔ (لسان المیزان جلد ۵ ص ۳۶۴) ۳۔ دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ امام حاکمؒ ان کو ثقہ اور راوی کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۳۴۹)

۴۔ علامہ ذہبیؒ ان کو العابد الثقلہ اور الصدوق لکھتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۲۶۱ و تذکرہ جلد ۳ ص ۳۲) ۵۔ علامہ خطیبؒ ان کو صاحب حدیث اور دانا محدث لکھتے ہیں۔ (بغدادی جلد ۸ ص ۲۴۳) ۶۔ امام ابن معینؒ علی بن مدینیؒ، عجلؒ، ابو جعفر بسبیؒ، احمد بن صالحؒ، دارقطنیؒ، ابن ماکولہؒ اور یعقوب بن شیبہؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ اور ابن شاہینؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ ابن یونسؒ ان کو حسن الحدیث اور ابو حاتم صدوق اور صالح کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۲۰)

۷۔ ان کا ترجمہ باب اول میں حضرت ابن عباسؓ کے اثر کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

۸۔ امام ابن معینؒ عجلؒ، یعقوب بن سفیانؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ اور دارقطنیؒ لا بأس بہ اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور ابن خراشؒ صدوق کہتے ہیں، نسائیؒ لا بأس بہ کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً جلد ۸ ص ۲۶۹) حافظ ذہبیؒ ان کو الفقہ، امام عالم، عامل اور عالم اہل حص لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۴۹)

۹۔ علامہ ابن سعدؒ اور عجلؒ ان کو ثقہ اور ابن خراشؒ صدوق کہتے ہیں، نسائیؒ لا بأس بہ کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً جلد ۸ ص ۲۶۹) حافظ ذہبیؒ ان کو الفقہ، امام عالم، عامل اور عالم اہل حص لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۴۹)



سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَنِّي كُلُّ صَلَاةٍ قَرَأَةً قَالَ نَعَمْ فَقَالَ حُلَّ  
مِنْ أَلِ انْصَارَ وَجِبَتْ هَذِهِ فَقَالَ  
لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَكُنْتُ أَقْرَبَ الْقَوْمِ إِلَيْهِ مَا أَرَى الْوَحَامَ  
إِذَا أَمَرَ الْقَوْمَ إِلَهُ كَفَاهُمْ۔

کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے  
سوال کیا گیا کہ کیا ہر نماز میں قرآن ہے؟ آپ نے  
فرمایا ہاں۔ ایک انصار رضی اللہ عنہ نے کہا پھر تو قرأت  
ضروری ہوگئی؟ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں  
تمام اہل مجلس میں جناب رسول خدا صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب تھا۔ آپ نے مجھ سے خطا  
کرتے ہوئے فرمایا یہی جانتا ہوں کہ امام کی قرأت  
مقتدیوں کو کافی ہے۔

(دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۹)

یہ روایت مسند احمد جلد ۱ ص ۴۴، نسائی جلد ۱ ص ۱۱۸، سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۹۲،  
طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۹ اور مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱ وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے، ہمیشگی فرماتے ہیں۔  
(اسناد حسن) اس روایت میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ جناب  
رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا تھا۔ اور جواب بھی آپ ہی نے ارشاد فرمایا  
اور حضرت ابوالدرداء جلیل القدر صحابی تھے۔ اس لیے غیر رسول اور جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وآلہ وسلم میں یقیناً فرق اور تمیز کرتے ہوں گے۔ اور اس کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ میں سب سے زیادہ  
آپ کے قریب تھا۔ اور آپ نے خطاب کرتے وقت اور جواب دیتے وقت خاص طور پر میری طرف  
توجہ فرمائی تھی۔ اگر اتنے قوی اور اندرونی قرات کے ہوتے ہوئے بھی یہ روایت مرفوع نہیں تو کونسی  
روایت علم حدیث میں مرفوع ہوگی؟ چونکہ اس روایت میں سب سے زیادہ قوی اور جہری کی کوئی قید مذکور نہیں ہے  
اس لیے یہ تمام نمازوں کو شامل ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ وہ مازاد یا جہر پر محمول ہے۔ (ص ۳۲۱)  
بالکل مردود ہے کیونکہ بقول مؤلف مذکور قرأت سورۃ فاتحہ سے ہی شروع ہوتی ہے (کما حق)  
پھر اس کو مازاد پر کون حمل کرنے دیتا ہے؟ اور روایت میں لفظ قرأت ہے جہر نہیں قرأ کو جہر پر  
حمل بالکل بے بنیاد ہے۔ اور ایسی رکیک اور دوران کار توجیہات کون سناتا ہے؟

اعترض: امام نسائی رحمہ اللہ، دارقطنی رحمہ اللہ اور بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت حضرت ابوالدرداء  
پر موقوف ہے۔ زید بن جباب نے اس حدیث کو مرفوع بیان کرنے میں غلطی کی ہے۔ (نسائی)



جلد ۱ ص ۱۰، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲، کتاب القراءۃ ص ۱۱۵ اور یہی باتیں مؤلف خیر الکلام نے دہرائی ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۲۹۹ و ص ۵۰۵ و ص ۵۰۶ اور یہی کچھ ترجمان الحدیث ماہ دسمبر ۱۹۷۲ء ص ۴۲ تا ص ۴۳ اور ماہ جنوری ۱۹۷۳ء ص ۲۲ تا ص ۲۶ میں کیا گیا ہے کہ فلاں نے اس کو قوف کیا اور فلاں اور فلاں نے۔

**جواب:** یہ اعتراض قطعاً باطل ہے: **اَوَّلُوْا**۔ اس لیے کہ زید بن حباب بالاتفاق ثقہ ہیں۔ اور ثقہ راوی کی متن سند میں مبادت بالاجماع مقبول ہوتی ہے جس کی پوری تفصیل گذر چکی ہے۔ وثانیاً۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حدیث کے موقوف اور مرفوع ہونے کی صورت میں تمام محدثین کے نزدیک روایت موصول اور مرفوع ہی سمجھی جائے گی۔

**وثالثاً۔** اگر تنہا زید بن حباب ہی اس کو مرفوع روایت کرتے تب بھی یہ حدیث مرفوع ہی ہوتی، کیونکہ زید بن حباب ثقہ تھے۔ حالانکہ ان کے علاوہ ابو صالح کا تب لیث رحمہ (جن کا ترجمہ باب اول میں حضرت ابن عباس کے اثر میں نقل کیا جا چکا ہے) بھی اس روایت کو مرفوع نقل کرتے ہیں۔ (دیکھتے سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۲ وغیرہ اور اس کی سند بھی صحیح ہے) جب یہ دونوں راوی ثقہ ہیں۔ اور اس روایت کو مرفوع بیان کرتے ہیں تو یہ حدیث محدثین کے طے شدہ قاعدہ کی رو سے مرفوع ہی ہوگی اور امام بیہقی وغیرہ کی بلا دلیل اصول شکنی قابل التفات نہیں ہو سکتی اور نہ اس کو کوئی سننے کے لیے تیار ہے چونکہ یہ اکابر غلطی سے پہلے یہ نظریہ قائم کر چکے ہیں کہ قرآن خلف الامام کی اجازت ہے، اس لیے اس کے خلاف تمام روایات کو وہ خواہ مخواہ معلول ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر خالی الذہن ہو کر پہلے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو ملاحظہ کر لیتے تو یقیناً ایسی رکیک اور بعید از انصاف تاویلات سے ہرگز کام نہ لیتے، فہمنا محمد بن عبد اللہ تعالیٰ اور مولانا مبارکپوری صاحب صاحب کا قلم معاملہ ہی عجیب ہے وہ امام سفیان رحمہ بن عیینہ رحمہ اور حضرات صحابہ کرام کے صحیح آثار سے تو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو مقید کرنا گوارا نہیں کرتے، مگر اس مقام پر جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مطلق حدیث کو محض اپنی ناقص عقل اور فہم نارسا کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں (دیکھتے ابکار المنہج ص ۱۶)



اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ بلا دلیل کرتے ہیں: —

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

باقی جس روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو الدرداءؓ نے کثیر بن مرہؓ سے یہ کہا تھا جیسا کہ بعض کتابوں میں آتا ہے تو وہ اپنے مقام پر صحیح ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ مرفوعاً بھی یہ روایت آتی ہے اور موقوفاً بھی جب مسئلہ بیان مقصود ہوگا تو اپنا قول بیان کر دیتے ہوں گے اور جب حدیث کا بیان کرنا ملحوظ ہوتا ہوگا تو مرفوعاً بیان کر دیتے ہوں گے کیونکہ ارسال اور رفع میں روایت کے حالات مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

احسن الکلام پر بلا وجہ محض تعصب کی وجہ سے تنقید کرنے والے بزرگ علامہ عراقیؒ کی ایک عبارت کا (جس کا ذکر ط ۲ میں ہو چکا ہے) حوالہ دے کر لکھتے ہیں۔ لیکن اگر یہ اختلاف ایک راوی کے تلامذہ میں ہے تو پھر ثقہ اور اوثق کے اصول پر اس کی تنقیح کی جائے گی۔ اگر دونوں اسناد ہمہ عیوب سے صاف ہوں گی تو پھر مزید قرائن کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ اس کی تفصیل ہم عرض کر آئے ہیں۔ (ترجمان الحدیث ص ۲۱ ماہ جنوری ۱۹۷۵ء)۔

**الجواب:** پہلے بیان ہو چکا ہے کہ علامہ عراقیؒ کے حوالہ سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ ثقہ راوی جب کسی وقت روایت موصول اور کسی وقت مرسل بیان کرے یا کسی وقت مرفوع اور کسی وقت موقوف بیان کرے تو اس کے بارے میں صحیح تر فیصلہ یہ ہے کہ وہ روایت موصول اور مرفوع ہی قرار دی جائے گی نہ کہ مرسل و موقوف۔ علامہ عراقیؒ کی اس عبارت میں راوی کے تلامذہ میں ثقہ اور اوثق کی تنقیح کا کوئی تذکرہ نہیں اور امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اگر بعض ثقہ اور ضابطہ راوی حدیث کو متصل اور بعض مرسل بیان کرتے ہوں یا بعض مرفوع اور بعض موقوف بیان کرتے ہوں یا ایک ہی راوی کسی وقت مرفوع بیان کرتا ہے اور کسی وقت مرسل یا موقوف بیان کرتا ہے تو اس کے متعلق صحیح بات جو محققین محدثین اور فقہاء اور ارباب اصول نے بیان کی ہے اور اسی کو علامہ خطیب بغدادیؒ نے صحیح قرار دیا ہے یہ







اس سند کے اکثر روایات کے تراجم پہلے نقل کئے جا چکے ہیں اور بعض حلیل القدر اور نامور محدث تھے البتہ احمد بن عبد الرحمن بن وہب کا ترجمہ سن لیجئے اگرچہ ابن عدی کہتے ہیں کہ مصر کے اساتذہ اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں اور ابن یونس فرماتے ہیں کہ اس سے حجۃ قائم نہیں ہوتی۔ (میزان جلد ۵ ص ۵۲ بحوالہ خیر الکلام ص ۵۱) مگر جمہور محدثین کرام ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ محمد بن عبد اللہ بن الحکم ان کو ثقہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے بارے میں کوئی کلام اور جرح نہیں سنی، عبد الملک ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ابو زرعة ان کی تعریف کرتے تھے۔ ابو حاتم ان کو صدوق کہتے ہیں۔ محدث عبدان ان کو مستقیم الامر کہتے ہیں۔ ابن عدی کا بیان ہے کہ محدثین کے نزدیک ان کی حدیثیں قابل برداشت ہیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے پہلے ان میں کلام کیا تھا۔ لیکن بعد از تحقیق اس سے رجوع کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن خزیمہ متقدمین میں سے اور امام ابن قسطلان متاخرین میں سے ان کو ثقہ سمجھتے ہوئے ان پر کئی اعتماد کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۵۴، ۵۵، ۵۶) یہ روایت بھی سند کے اعتبار سے صحیح اور مرفوع ہے۔

مؤلف خیر الکلام نے صفحہ ۵۱۱ میں اس کے جواب میں بھی وہی پرانا رونا رو یا ہے کہ امام ابو حنیفہ ضعیف ہیں اور متفرد ہیں (محصلاً) جواب پہلے گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرات! ہم نے متابعات اور شواہد کے علاوہ بیس حدیثیں صحیح اور مرفوع (با سند اور سند کے ایک ایک راوی کی توثیق کے ساتھ آپ سے) بحوالہ عرض کی ہیں۔ اور فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ سوالات کے مسکت جوابات بھی عرض کر دیے ہیں۔ اب ہم آخر میں آپ کے سامنے چند اور حدیثیں بطور تائید عرض کرتے ہیں اور سند پوری نقل کر دیتے ہیں۔

بطور شاہد پہلی حدیث: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو سعید محمد بن جعفر بن خصیب ہروزی نے اپنی کتاب سے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد اللہ بن محمود سعدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے



اسماعیل سدیقی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے مالک بن انس نے بیان کیا۔ وہ وہب بن کبیان سے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

کل صلوة لا یقرأ فیہا بام القرآن فی ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو تو وہ نماز خداج الا وراء الامام۔ (کتاب القراءۃ ص ۵۵) ناقص اور نامکمل ہوتی ہے۔ ہاں مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔

یہ روایت صاف بتلاتی ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اور ام القرآن پڑھنے کی بھی گنجائش نہیں ہے اور اسی کو فریق ثانی ضروری سمجھتا ہے۔ ہاں البتہ امام اور منفرد کی کوئی نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے مکمل نہیں ہو سکتی جیسا کہ اس کی تصریح موجود ہے۔

اعتراف: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اسماعیل سدیقیؒ کا دوسرا شاگرد سری بن خزیمہؒ اس روایت کو حضرت جابرؓ سے موقوف روایت کرتا ہے۔ اس لیے یہ عبد اللہ بن محمود سعدیؒ کی غلطی ہے کہ وہ اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں اور یہی بات مؤلف خیر الکلام نے دہرائی ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۵۰۴ و ۵۰۵)

الجواب: عبد اللہ بن محمود سعدیؒ کو علامہ ذہبیؒ، الحافظ الثقف اور صوبہ مرو کا محدث لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵) امام حاکمؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں، محدث خلیلؒ ان کو الحافظ اور عالم فریق حدیث کہتے ہیں (ایضاً جلد ۲ ص ۲۵) کیوں نہ ہو کہ حافظ اور ثقہ راوی کی زیادت کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور اصول شکنی کا ارتکاب نہ کیا جائے، کہ نہ ہینگ لگے نہ پشکڑی، اور یہی امر قرین قیاس اور انصاف ہے۔

مؤلف خیر الکلام نے ص ۵۰۵ میں لکھا ہے کہ اس کے ثقہ ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا ضروری نہیں اھ یعنی محض اس لیے کہ مؤلف صاحب اور ان کی جماعت اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہاں محمد بن اسحاقؒ جیسا کوئی ضعیف راوی ہوتا تو وہ ضرور مان لیتے اور پھر حدیث صحیح ہو جاتی، باقی امام مالکؒ کا یہ فرمانا کہ اس کی ٹانگ پکڑو یہ اس کے مرفوع ہونے کی نفی یا انکار کی قطعی دلیل نہیں۔ طحاویؒ کی شرح میں جذاً وابرجلہ



کا نسخہ بھی ہے (حاشیہ طحاوی جلد ۱ ص ۱۱) یعنی ان کی بات مان لو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور اس کے پیش نظر خذ و اب جملہ کا مطلب بھی یہ ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے امام مالک کی تصدیق ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسری حدیث: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو عبد اللہ حسین بن محمد ہروی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو بکر احمد بن محمد بن عمرؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو عبد الرحمن محمد بن احمد تمیمیؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو محمد سویدہ بن سعیدؒ نے زبانی بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے علی بن مسہرؒ نے بیان کیا۔ وہ عبید اللہ بن عمرؒ سے اور وہ نافعؒ سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن عمرؒ اور وہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: من کلن لہ امام فقراء الامام لہ قراءة (کتاب القراءة ص ۱۲۵) کہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے یہ حدیث بھی اپنے مفہوم کے لحاظ سے واضح ہے اور حضرت ابن عمرؒ سے مرفوعاً مروی ہے۔ اعتراض: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابن عمرؒ سے موقوف مروی ہے یہ ابو محمد سویدہ بن سعیدؒ کی غلطی ہے کہ اس روایت کو مرفوع بیان کرتے ہیں۔

جواب: علامہ ذہبیؒ سویگہ بن سعیدؒ کو صاحب حدیث اور صاحب حفظ کہتے ہیں۔ امام مسلمؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے۔ ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور کثیر التذلیس (لیکن اس روایت میں وہ حدیث سے تحدیث کرتے ہیں) کہتے ہیں بغویؒ ان کا شمار حفاظ حدیث میں کرتے ہیں۔ صالح جزیرہؒ ان کو صدوق اور دارقطنیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (میزان جلد ۱ ص ۲۲۲) محدث عجلؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ مسلم بن قاسمؒ کا بیان ہے کہ وہ ذیل ثقہ تھے۔ امام احمدؒ ان کو صالح یا ثقہ کہتے ہیں۔ میمون بن زیدؒ امام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ مجھے ان میں کسی کا کلام اور جرح معلوم نہیں۔ امام ابو داؤدؒ ان کی صدوق و لا باس بل سے توشیح نقل کرتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۵۵) جزیرہؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں اور امام مسلمؒ نے صحیح میں ان سے احتجاج کیا ہے۔ (حسن حصین ص ۱۱۲) باب ما رزمزم لما شرب لہ اس لیے ضابطہ کے لحاظ سے یہ زیادت بھی صحیح ہوگی اور یہ امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔



مؤلف خیر الکلام نے صفحہ ۵۰ میں بعض کتب رجال سے سوید بن سعید پر جرحی کلمات نقل کر کے آگے لکھا ہے، پس نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حدیث قطعاً جھوٹ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے جیسے کہ اوپر بحوالہ گزر چکی ہے وہ غلط ہے؟ اور کیا امام مسلم نے صحیح مسلم میں جھوٹے راوی سے احتجاج کیا ہے؟ علاوہ انہیں علامہ خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ ابی محمد بن عبدہ ناخارجہ عن ایوب عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ اماہ فقرأۃ الاہ مامرہ قرأۃ روایت کرتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو تاریخ جلد ۳ ص ۳۳)

جس کے راوی اس مذکور سند کے متابع ہیں اور بزعم مؤلف خیر الکلام وغیرہ اگر کچھ سقم بھی اس میں ہے تو دوسری سند سے پورا ہو جاتا ہے۔ علاوہ انہیں اس امر سے اختلاف تو نہیں کیا جاسکتا کہ بعض محدثین نے اس پر جرح کی ہے اور چہرہ اس کی توثیق کرتے ہیں اور مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے اس کی حدیث حسن تو ضرور ہے خود مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مختلف فیہ آدمی حدیث حسن ہوتی ہے۔ (خیر الکلام ص ۳۲۵) مگر اس حدیث کو قطعاً جھوٹ کہنا خالص در سفید جھوٹ ہے۔

تیسری حدیث: امام بیہقی رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہ رحمہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو العباس بالوید بن محمد بن بالوید مرزبانی رحمہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عمرو بن زرارہ رحمہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے اسمعیل بن ابراہیم رحمہ نے بیان کیا۔ وہ علی بن کیسان رحمہ سے اور وہ ابن ابی ملیکہ رحمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور وہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

کل صلوۃ لا یقرأ فیہا بقاۃ کتاب یعنی ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو اس فلا صلوۃ لہ الا وراۃ الامام۔

کی نازاد نہ ہوگی۔ ہاں مگر امام کہے تھے پھر سورۃ فاتحہ پڑھے بھی نماز صحیح ہے۔

(کتاب القراءۃ ص ۱۳۷)

یہ روایت بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل عیاں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے۔

اعتراض: امام بیہقی رحمہ اپنے استاد کے حوالہ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ علی بن کیسان کا نام



ہم نے صرف اسی سند میں سنا ہے۔

الجواب : حافظ ابن حجرؒ نے علی بن کیسانؒ کا نہایت مختصر ترجمہ یوں قائم کیا ہے وہی

علی بن سلیمان بن کیسان الکيسانی (عقلاء یب التہذیب جلد ۲ ص ۲۵۵) اور محدث فیض یوہیؒ فرماتے ہیں کہ ابن ابی حاتمؒ نے ان کو صالح الحدیث ما اری بحدیثہ بأسا کہا ہے (لسان ج ص ۲۳۳) لہذا ان کی حدیث حسن یا صحیح ہے (الدلیل المبین ص ۱۴۵) اور اگر بالفرض یہ مستور بھی ہو تب بھی مولف خیر الکلام کہتے ہیں کہ مستور بلکہ ضعیف کی روایت متابعت میں پیش کی جاسکتی ہے جیسا کہ باحوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔

چوتھی حدیث : امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو حامد احمد بن محمد بن قاسم سرخسیؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے احمد بن عبد الرحمن سرخسیؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسمعیل بن فضلؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عیسیٰ بن جعفرؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیان ثوریؒ نے بیان کیا۔ وہ اعمشؒ سے اور وہ حکمؒ سے اور وہ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؒ سے اور وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :

امری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یقرأ خلف الامام۔  
کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں امام کے پیچھے قرأت نہ کروں۔  
(کتاب القراءۃ ص ۱۳۹)

چونکہ قرأت خلف الامام کا مسئلہ اپنے ایجابی یا سلبی پہلو کے اعتبار سے کسی صحابی سے مخصوص نہیں تھا اس لیے حضرت بلالؓ کو کسی خاص مصلحت کے پیش نظر آپؐ نے خطاب کیا ہو گا۔ ورنہ حکم سب کے لیے عام ہے۔

اعترض : امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن جعفرؒ تو ثقہ اور ثبت تھے۔ اس لیے اس میں غلطی اسماعیل بن فضلؒ کی ہوگی کہ اس سند میں سفیان ثوریؒ کا ذکر ہے اور وہ اس سے بری ہیں اگر ان سے روایت ہوتی تو اس کے بارے میں اختلاف نہ ہوتا، اسمعیل بن فضلؒ اگر سچا ہے تو اس کی غلطی ہے۔ جھوٹا ہے تو اس کا افتراء ہے۔ (کتاب القراءۃ ص ۱۳۹ بحوالہ خیر الکلام ص ۵۱۰ محصلہ)



الجواب : حدیث کو باطل ٹھہرانے کا یہ نرا القاعدہ امام بیہقی نے تجویز فرمایا ہے۔  
 کیا قرأت خلف الامام کی روایت کے امام ثوریؒ مجاز نہیں؟ یا ان کی کسی دیگر روایت  
 میں اختلاف نہیں ہوا؟ اس سند اور حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ہاں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ  
 اسمعیل بن فضلؒ کا حال معلوم نہیں یہ اصول کی بات ہے، مگر مؤلف خیر الکلام کے بیان کے مطابق  
 مستور اور ضعیف کی حدیث بطور تائید و متابعت پیش ہو سکتی ہے اس میں کوئی ہرج نہیں۔  
 اور اصول کے لحاظ سے شاید متابعت کا بھی کوئی فرق نہیں۔

قارئین کرام ! اس مضمون کی کم و بیش ستائیس سندیں راقم الحروف کے بیاض میں  
 ابھی اور موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں ہر ایک سند فریق ثانی کی اجازت یا وجوب  
 قرأت سورۃ فاتحہ خلف الامام کی روایتوں سے اگر زیادہ قوی اور صحیح نہیں تو یقین کیجئے  
 کہ ان سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ مگر چونکہ ہمیں آپ سے ابھی بہت کچھ عرض کرنا ہے  
 اس لیے سر دست ان پیش کردہ احادیث پر ہی ہم اکتفا کرتے ہیں اور ان سے ایک حقیقت  
 پسند انسان بخوبی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا بے دلیل ہیں؟  
 اور کیا ان کے پاس جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں موجود نہیں؟ اور  
 کیا جن کتابوں کے حوالے درج کیے گئے ہیں وہ اس دنیا میں موجود نہیں؟ اور کیا ان میں سورۃ  
 فاتحہ اور ام القرآن و ام الكتاب کی تصریح موجود نہیں؟ اور کیا یہ روایتیں صحاح ستہ و موافق  
 بھا میں نہیں پائی جاتیں؟ اور کیا یہ کتابیں دنیا کے اسلامی کتب خانوں میں موجود نہیں؟ اور کیا  
 ان حدیثوں میں کوئی حدیث صحیح اور مرفوع نہیں؟ اور کیا ان تمام دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے  
 جمہور اہل اسلام (جو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اور دیگر کسی قسم کی قرأت کے قائل نہیں ہیں) نماز  
 جیسی اہم اور بنیادی عبادت سے سبکدوش ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ یا ان کی نماز بھی ناقص کا عدم  
 بیکار اور محض باطل ہے؟ ان میں سے ایک ایک دعویٰ کا براہین کے ساتھ اثبات کیا جا چکا ہے  
 اور فریق ثانی کے جملہ بے بنیاد دعویٰ کا دلائل سے بظلمان ثابت کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ دیکھ چکے  
 ہیں۔ الغرض حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت  
 عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ،



حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت عبد اللہ بن شدادؓ، حضرت نواس بن سہمانؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کی اکثر روایتیں صحیح اور مرفوع ہیں اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی حدیث کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایتوں میں سورہ فاتحہ کا خاص لفظ موجود ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور آپ یہ بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ فریق ثانی کے نزدیک بھی پیش کردہ احادیث کے تقریباً جملہ روایت کی ثقاہت، عدالت، امامت اور اتقان مسلم ہے، محض کسی کے تفرد پر گرفت کی گئی ہے تو کسی کی تدلیس پر کسی کی تخلیط پر اور کسی کے تغیر سیر پر اور کہیں مرفوع اور موصول روایت کو اصول شکنی کرتے ہوئے موقوف اور مرسل قرار دیا گیا ہے اور کہیں راوی حدیث کی مرضی کے خلاف بلکہ خود مرفوع حدیث کے خلاف حدیث کا مطلب لیا گیا ہے اور ان تمام خلاف قاعدہ باتوں کے علاوہ محض اپنی مرضی سے مطلق قرأت کو مقید کرنے کی ناکام سعی کی گئی ہے اور ایسی کمزور اور رکیک و ضعیف اور بعید از قیاس و انصاف تاویلات اور توجہات اختیار کی گئی ہیں کہ فن اصول حدیث بھی ان سے نالاں ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ کے اس دعوے کی حقیقت بھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ من کان لہ... الخ کے تمام طرق معلول ہیں۔

قارئین کرام! ذرا ان راویوں کا ان راویوں سے تقابل کر لینا جس کی روایتوں سے فریق ثانی نے استدلال کیا ہے کیونکہ۔۔۔۔۔ وبضہاقتبہن از شفاء

ہم دوسرے باب کو یہاں ختم کرتے ہیں اور تیسرا باب شروع کرتے ہیں۔ واللہ المستعان

وہو نصر المحین۔



# باب سوم

اہل اسلام سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے بعد دینی مسئلے میں جن حضرات کی طرف نگاہیں اٹھ سکتی ہیں۔ وہ شمع نبوت کے پروانے اور فیض رسالت سے مستفید حضرات صحابہ کرامؓ کی مخلص جماعت ہی ہو سکتی ہے اور ان کے بعد حضرات تابعینؓ کا دور ہے کیونکہ یہی وہ حضرات ہیں جو خیر القرون کے درخشندہ ستارے تھے، جن کی سعی تبلیغ کی بدولت دنیا کے کفر و شرک میں روشنی پھیلی، بدعات و رسوم کا خاتمہ ہوا۔ جمالت و تاریکی دنیا سے مٹتی اور علم و عرفان کی بارش سے دلوں کی دنیا میں ایمان و بصیرت کی شادابی پیدا ہوتی۔ نیز یہ بات بھی مخفی نہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ شرف صحبت کی برکت سے سب کے سب عادل، ثقیل، متقی، خدا پرست اور پاکباز تھے۔ لیکن فہم قرآن اور تدبیر حدیث میں سب برابر نہ تھے۔ اس لحاظ سے ان کے آپس میں مختلف درجات اور متفاوت مراتب تھے۔ چنانچہ امام مسروقؒ (المتوفی ۱۶۳ھ) جو ائمہ مامور الفقہاء اور اجداد الزوہار تھے تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲۶) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرات صحابہ کرامؓ سے فیض صحبت اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ان سب کا علم چھ بزرگوں کی طرف لوٹتا ہے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ، پھر میں نے ان چھ بزرگوں سے شرف صحبت حاصل کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم



حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر ختم ہو گیا ہے (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۵ ، تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۲ و مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۶۲ مع شرح العراقی ص ۲۶۲) امام حاکم نے بھی امام مسروقؒ سے یہ روایت نقل کی ہے، اس میں انھوں نے حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا نام لیا ہے (مستدرک جلد ۲ ص ۲۶۵ سکت عنہ الحاکم والذہبی) امام شعبیؒ (المتوفی ۱۰۳ھ) جو امام حافظ، فقیہ، متقن اور علامۃ التابعین تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۰۰) کا بیان ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ میں دینی مسائل میں فیصلہ کرنے والے چھ حضرات تھے۔ تین مدینہ طیبہ میں اور ان کے نام یہ ہیں: حضرت عمرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور تین کوفہ میں، ان کے اسماء یہ ہیں: حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ (مستدرک جلد ۲ ص ۲۶۵ و سکتا عنہ)

مولانا مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ دینی مسائل کی ترویج اور اشاعت کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ کے تین طبقات تھے، پہلا طبقہ وہ ہے جس سے مسائل ترویج ہوئے ہیں مگر کم۔ اور دوسرا طبقہ متوسط ہے اور تیسرا طبقہ وہ ہے جن سے دین کی بہت زیادہ اشاعت اور ترویج ہوئی ہے۔ ان میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۱) نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جن حضرات صحابہ کرامؓ سے دین، علم اور فقہ کی اشاعت ہوئی ہے ان میں حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ پیش پیش تھے۔ (الجنة فی الاسوة الحسنة بالسنة ص ۵)۔

احمد اللہ تعالیٰ کہ ان حضرات میں بیشتر وہ ہیں جو امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے۔ ۵۔

وفاؤں کے ہزاروں سے چکے ہیں امتحان تک

مگر وہ ہیں کہ اس پر بھی ہیں ہم سے بدگماں اب تک

حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ وغیرہ کی صحیح اور مرفوع حدیثیں عرض کی جا چکی ہیں، اسی طرح



حضرت ابو الدرداءؓ کی صحیح اور مرفوع روایت بھی پیش کی جا چکی ہے اور اس کے موقف تسلیم کرنے میں تو فریق ثانی کو بھی کسی طرح کا کوئی تامل نہیں ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا ص ۵۲ میں یہ کہتا کہ یہ ان کا اپنا خیال تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کے مقابلہ میں خیال پر اثر سے رہنا ٹھیک نہیں ہوتا، اس لیے انھوں نے اس پہلے قول سے رجوع کیا۔ بالکل ایک بے بنیاد دعویٰ ہے۔ کسی صحیح روایت سے ان کا رجوع ثابت نہیں۔ لفظوں کے ہوائی قلعہ سے کچھ نہیں بنتا اور اس کے خلاف جو روایت ان سے آتی ہے اس کا ذکر جلد دوم میں آئے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ اب اس کے بعد بعض حضرات صحابہ کرام رضہ اور تابعین رضہ و اتباع تابعینؓ کی بعض روایتیں اور آثار سن لیجئے:

اثر حضرت عبداللہ بن عمرؓ (المتوفی ۷۴ھ) امام مالکؒ نافعؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

ان عبد اللہ بن عمرؓ کان اذا سئل هل یقرأ احد خلف الامام قال اذا صلی احد کھر خلف الامام فحسبہ قراءة الامام و اذا صلی وحده فلیقرأ و کان ابن عمرؓ لو یقرأ خلف الامام۔  
(مرطبا امام مالک ص ۲۹ و دارقطنی ص ۱۵۱ وغیرہ)

کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب یہ سوال کیا جاتا تھا کہ کیا امام کے پیچھے کوئی نمازی قرأت کر سکتا ہے؟ تو وہ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی امام کی اقتدار کر چکے تو اس کو امام کی قرأت ہی کافی ہے اور جب کوئی اکیلا نماز پڑھے تو اس کو قرأت کرنی چاہئے اور ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے

امام مالکؒ کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ نافعؒ الامام اور العلم تھے۔ (تذکرہ، جلد ۱ ص ۹۴) امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ اصح الاسانید یہ ہے مالک عن نافع ابن عمرؓ (ایضاً) اس سے زیادہ قوی سند فن حدیث میں تقریباً محال ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جلیل القدر صحابی تھے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الفقیہ اور احد الاعلام فی العلم والعمل تھے۔ وہ اپنی علمی اور عملی قابلیت کی بنا پر خلافت اور حکومت کے



مستحق تھے۔ (ایضاً جلد ۱ ص ۳۵) بہر حال یہ روایت صحیح ہے اور قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ کان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام جہس۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے اولم یجہس۔ (کتاب القراءة ص ۱۳۶) تھے۔ امام جہس پڑھتا یا آہستہ (وہ خاموش پڑھتے) اور میر صاحب کو بھی اقرار ہے کہ موطا کی مسند روایت صحیح ہوتی ہے۔ مؤلف خیر الکلام ص ۵۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ اثر صحیح ہے۔

اعتراض: مبارکپوری صاحب سے جب اس کی سند پر کلام کرنے کی جرأت بھی نہ ہو سکی اور چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حدیث رفع یدین کے راوی تھے۔ اس لیے اس روایت کو اپنے حال پر چھوڑ کر آگے نکلنا بھی گوارا نہ ہو سکا۔ تو زمین و آسمان کے قلابے ملاسنے کی ٹھان کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے (جو دارقطنی جلد ۱ ص ۱۰ وغیرہ میں ہے) تعارض ہے کہ انھوں نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت دی تھی اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنت کے زیادہ بڑے عالم تھے، (کاٹش کہ مبارکپوری صاحب اپنے اس خود ساختہ قاعدہ پر ہی قائم رہتے تو بھی ایک بات تھی ص ۱۹۵) اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر ترجیح ہوگی۔ (ابکار المنن ص ۱۹۵)

جواب: اگر تعارض کا یہی مفہوم ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لاکھوں بلکہ کروڑوں درجے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنت کے زیادہ عالم تھے۔ اس لیے جب آپ نے امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر آپ کے ارشاد کو بہر حال ترجیح ہوگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر عنقریب ترک قرأت خلف الامام پر ذکر ہوگا اور جس اثر کا مبارکپوری صاحب نے حوالہ دیا ہے تو اس کی حقیقت بھی اپنے مقام پر واضح ہوگی تعجب ہے کہ مبارکپوری صاحب کا وجود بھی اجتماع نقیضین سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ یہاں تو یہ لکھ کر وقت پاس کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مجرد اعلم بالسنتہ ہونا اس کا مقتضی نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر ترجیح دی جاسکے۔ (ابکار المنن ص ۲۲) شاید مولانا مبارکپوری صاحب کو جلدی سے پیشتر اپنے لکھنے کا خاص لطف محسوس ہوتا



ہوگا۔ اور وہ ایسی رکیک اور بعید از قیاس توجیہ کر کے دل میں خوشی مناتے ہوں گے کہ

ع: کہ مقابله تو دل ناتواں تے خوب کیا

مؤلف خیر الکلام نے اس صحیح اثر کا تقابل ان آثار سے کیا ہے جو کتاب القراءۃ ص ۱۱۱ اور

ص ۱۱۲ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف آئے ہیں اور مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ یہ اثر بھی

صحیح ہے اس پر مفصل بحث گذر چکی ہے (ص ۵۲) اور یہ بحث انھوں نے ص ۱۱۲ میں کی ہے۔

کہتے ہیں کہ ان آثار میں سے ایک اثر کی سند میں ابو جعفر رازی عینی بن ناہان جو متکلم فیہ ہے

مگر حافظ ابن حجر نے لکھا ہے صدوق ہے اور ایک راوی یحییٰ بکاؤر ہے وہ ضعیف ہے مگر ابن

سعد نے کہا ہے انشاء اللہ ثقہ ہے۔ الخ

الجواب: جب ہمارا پیش کردہ اثر آپ کے اقرار سے بھی صحیح ہے تو اس کے مقابلہ

میں ضعیف راویوں کی روایتیں لے کر تنکوں کا پل بنانا کہاں کا انصاف ہے؟ پس صحیح لے لیں

اور ضعیف کو چھوڑ دیں یہ دونوں راوی نہ بے متکلم فیہ نہیں بلکہ بہت زیادہ کمزور ہیں پھر کس قدر

افسوس ہے کہ آپ ان کے اثر کو بھی صحیح کہہ رہے ہیں پھر صراحت و ابہام وغیرہ کی وجہ سے ترجیح دینا

نہی شعبہ بازی ہے۔ صحیح اثر اور ضعیف کا کیا تقابل؟

اثر حضرت جابر بن عبد اللہ (المتوفی ۳۸ھ) ان کا اثر بسند صحیح حدیث نمبر ۱۱

کے ذیل میں نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت کے قائل نہ تھے،

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ یہ اثر صحیح ہے (ص ۵۱۹) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ حضرت

جابر صرف رکوع والی رکعت کو بدون فاتحہ صحیح سمجھتے تھے اور یہ روایت اسی پر محمول ہے

اور اصول فقہ حنفیہ کی رو سے مستثنیٰ ہیں کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا لہذا مقتدی کے لیے

اس سے وہ کوئی حکم ثابت نہیں کر سکتے (محصہ ص ۳۱)

الجواب: حرف من مؤلف مذکور کے نزدیک ویسے عام ہے اور ہمارے نزدیک

بھی یہاں شرط یہ ہونے کی وجہ سے عام ہے اور مسکحۃ نکرہ ہے اور ساتھ موصوفہ اور خود

مؤلف مذکور کے نزدیک نکرہ موصوفہ عام ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۹۳) پھر اس تخصیص کو کون

مانتا ہے؟ غرضیکہ حضرت جابر ہر رکعت میں اور ہر ایسے نمازی کے لیے جو مقتدی ہو یہ حکم بیان



فرماتے ہیں اور مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ اصول فقہ حنفیہ میں مستثنیٰ ہیں کوئی حکم نہیں ہوتا بالکل بے خبری پر مبنی ہے کیونکہ یہ بعض اصولیوں کا مسک ہے۔ توضیح ص ۲۹۵ سے ص ۲۹۸ تک اس پر مبسوط بحث موجود ہے کہ استثنائیں حکم نفی سے اثبات اور اثبات سے نفی ہوتا ہے لہذا یہاں مقتدی کے لیے نفی فاتحہ کا حکم بطریق منطوق ثابت ہے جیسے کلمہ توحید میں الا اللہ ثابت ہے۔ مبارکپوری صاحب نے یزید فقیرؒ کے اثر سے اس کا معارضہ کیا ہے مگر اس کی پوری تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت جابرؓ بلند پایہ فقیہ اور مدینہ طیبہ کے مفتی تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انھوں نے بہت سے مفید علوم حاصل کیے تھے۔ (تذکرہ اص ۴) اگر سورہ فاتحہ کے بغیر مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی، تو حضرت جابرؓ کو مرکز توحید و سنت کا مفتی کیسے انتخاب کر لیا گیا تھا، جو اس کے مخالف اور منکر تھے۔

۱۰۰  
اثر حضرت زید بن ثابتؓ (المتوفی ۴۵)، امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن حجرؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے اسمعیل بن جعفرؒ نے بیان کیا۔ وہ یزید بن خصیفہؒ سے اور وہ یزید بن عبد اللہ بن قسیطؒ سے اور وہ عطاء بن یسارؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے دریافت کیا کہ کیا امام کے ساتھ قرأت کی جاسکتی ہے؟

۱۰۱  
۱۰۲  
۱۰۳  
۱۰۴  
۱۰۵  
۱۰۶  
۱۰۷  
۱۰۸  
۱۰۹  
۱۱۰  
۱۱۱  
۱۱۲  
۱۱۳  
۱۱۴  
۱۱۵  
۱۱۶  
۱۱۷  
۱۱۸  
۱۱۹  
۱۲۰  
۱۲۱  
۱۲۲  
۱۲۳  
۱۲۴  
۱۲۵  
۱۲۶  
۱۲۷  
۱۲۸  
۱۲۹  
۱۳۰  
۱۳۱  
۱۳۲  
۱۳۳  
۱۳۴  
۱۳۵  
۱۳۶  
۱۳۷  
۱۳۸  
۱۳۹  
۱۴۰  
۱۴۱  
۱۴۲  
۱۴۳  
۱۴۴  
۱۴۵  
۱۴۶  
۱۴۷  
۱۴۸  
۱۴۹  
۱۵۰  
۱۵۱  
۱۵۲  
۱۵۳  
۱۵۴  
۱۵۵  
۱۵۶  
۱۵۷  
۱۵۸  
۱۵۹  
۱۶۰  
۱۶۱  
۱۶۲  
۱۶۳  
۱۶۴  
۱۶۵  
۱۶۶  
۱۶۷  
۱۶۸  
۱۶۹  
۱۷۰  
۱۷۱  
۱۷۲  
۱۷۳  
۱۷۴  
۱۷۵  
۱۷۶  
۱۷۷  
۱۷۸  
۱۷۹  
۱۸۰  
۱۸۱  
۱۸۲  
۱۸۳  
۱۸۴  
۱۸۵  
۱۸۶  
۱۸۷  
۱۸۸  
۱۸۹  
۱۹۰  
۱۹۱  
۱۹۲  
۱۹۳  
۱۹۴  
۱۹۵  
۱۹۶  
۱۹۷  
۱۹۸  
۱۹۹  
۲۰۰  
۲۰۱  
۲۰۲  
۲۰۳  
۲۰۴  
۲۰۵  
۲۰۶  
۲۰۷  
۲۰۸  
۲۰۹  
۲۱۰  
۲۱۱  
۲۱۲  
۲۱۳  
۲۱۴  
۲۱۵  
۲۱۶  
۲۱۷  
۲۱۸  
۲۱۹  
۲۲۰  
۲۲۱  
۲۲۲  
۲۲۳  
۲۲۴  
۲۲۵  
۲۲۶  
۲۲۷  
۲۲۸  
۲۲۹  
۲۳۰  
۲۳۱  
۲۳۲  
۲۳۳  
۲۳۴  
۲۳۵  
۲۳۶  
۲۳۷  
۲۳۸  
۲۳۹  
۲۴۰  
۲۴۱  
۲۴۲  
۲۴۳  
۲۴۴  
۲۴۵  
۲۴۶  
۲۴۷  
۲۴۸  
۲۴۹  
۲۵۰  
۲۵۱  
۲۵۲  
۲۵۳  
۲۵۴  
۲۵۵  
۲۵۶  
۲۵۷  
۲۵۸  
۲۵۹  
۲۶۰  
۲۶۱  
۲۶۲  
۲۶۳  
۲۶۴  
۲۶۵  
۲۶۶  
۲۶۷  
۲۶۸  
۲۶۹  
۲۷۰  
۲۷۱  
۲۷۲  
۲۷۳  
۲۷۴  
۲۷۵  
۲۷۶  
۲۷۷  
۲۷۸  
۲۷۹  
۲۸۰  
۲۸۱  
۲۸۲  
۲۸۳  
۲۸۴  
۲۸۵  
۲۸۶  
۲۸۷  
۲۸۸  
۲۸۹  
۲۹۰  
۲۹۱  
۲۹۲  
۲۹۳  
۲۹۴  
۲۹۵  
۲۹۶  
۲۹۷  
۲۹۸  
۲۹۹  
۳۰۰  
۳۰۱  
۳۰۲  
۳۰۳  
۳۰۴  
۳۰۵  
۳۰۶  
۳۰۷  
۳۰۸  
۳۰۹  
۳۱۰  
۳۱۱  
۳۱۲  
۳۱۳  
۳۱۴  
۳۱۵  
۳۱۶  
۳۱۷  
۳۱۸  
۳۱۹  
۳۲۰  
۳۲۱  
۳۲۲  
۳۲۳  
۳۲۴  
۳۲۵  
۳۲۶  
۳۲۷  
۳۲۸  
۳۲۹  
۳۳۰  
۳۳۱  
۳۳۲  
۳۳۳  
۳۳۴  
۳۳۵  
۳۳۶  
۳۳۷  
۳۳۸  
۳۳۹  
۳۴۰  
۳۴۱  
۳۴۲  
۳۴۳  
۳۴۴  
۳۴۵  
۳۴۶  
۳۴۷  
۳۴۸  
۳۴۹  
۳۵۰  
۳۵۱  
۳۵۲  
۳۵۳  
۳۵۴  
۳۵۵  
۳۵۶  
۳۵۷  
۳۵۸  
۳۵۹  
۳۶۰  
۳۶۱  
۳۶۲  
۳۶۳  
۳۶۴  
۳۶۵  
۳۶۶  
۳۶۷  
۳۶۸  
۳۶۹  
۳۷۰  
۳۷۱  
۳۷۲  
۳۷۳  
۳۷۴  
۳۷۵  
۳۷۶  
۳۷۷  
۳۷۸  
۳۷۹  
۳۸۰  
۳۸۱  
۳۸۲  
۳۸۳  
۳۸۴  
۳۸۵  
۳۸۶  
۳۸۷  
۳۸۸  
۳۸۹  
۳۹۰  
۳۹۱  
۳۹۲  
۳۹۳  
۳۹۴  
۳۹۵  
۳۹۶  
۳۹۷  
۳۹۸  
۳۹۹  
۴۰۰  
۴۰۱  
۴۰۲  
۴۰۳  
۴۰۴  
۴۰۵  
۴۰۶  
۴۰۷  
۴۰۸  
۴۰۹  
۴۱۰  
۴۱۱  
۴۱۲  
۴۱۳  
۴۱۴  
۴۱۵  
۴۱۶  
۴۱۷  
۴۱۸  
۴۱۹  
۴۲۰  
۴۲۱  
۴۲۲  
۴۲۳  
۴۲۴  
۴۲۵  
۴۲۶  
۴۲۷  
۴۲۸  
۴۲۹  
۴۳۰  
۴۳۱  
۴۳۲  
۴۳۳  
۴۳۴  
۴۳۵  
۴۳۶  
۴۳۷  
۴۳۸  
۴۳۹  
۴۴۰  
۴۴۱  
۴۴۲  
۴۴۳  
۴۴۴  
۴۴۵  
۴۴۶  
۴۴۷  
۴۴۸  
۴۴۹  
۴۵۰  
۴۵۱  
۴۵۲  
۴۵۳  
۴۵۴  
۴۵۵  
۴۵۶  
۴۵۷  
۴۵۸  
۴۵۹  
۴۶۰  
۴۶۱  
۴۶۲  
۴۶۳  
۴۶۴  
۴۶۵  
۴۶۶  
۴۶۷  
۴۶۸  
۴۶۹  
۴۷۰  
۴۷۱  
۴۷۲  
۴۷۳  
۴۷۴  
۴۷۵  
۴۷۶  
۴۷۷  
۴۷۸  
۴۷۹  
۴۸۰  
۴۸۱  
۴۸۲  
۴۸۳  
۴۸۴  
۴۸۵  
۴۸۶  
۴۸۷  
۴۸۸  
۴۸۹  
۴۹۰  
۴۹۱  
۴۹۲  
۴۹۳  
۴۹۴  
۴۹۵  
۴۹۶  
۴۹۷  
۴۹۸  
۴۹۹  
۵۰۰  
۵۰۱  
۵۰۲  
۵۰۳  
۵۰۴  
۵۰۵  
۵۰۶  
۵۰۷  
۵۰۸  
۵۰۹  
۵۱۰  
۵۱۱  
۵۱۲  
۵۱۳  
۵۱۴  
۵۱۵  
۵۱۶  
۵۱۷  
۵۱۸  
۵۱۹  
۵۲۰  
۵۲۱  
۵۲۲  
۵۲۳  
۵۲۴  
۵۲۵  
۵۲۶  
۵۲۷  
۵۲۸  
۵۲۹  
۵۳۰  
۵۳۱  
۵۳۲  
۵۳۳  
۵۳۴  
۵۳۵  
۵۳۶  
۵۳۷  
۵۳۸  
۵۳۹  
۵۴۰  
۵۴۱  
۵۴۲  
۵۴۳  
۵۴۴  
۵۴۵  
۵۴۶  
۵۴۷  
۵۴۸  
۵۴۹  
۵۵۰  
۵۵۱  
۵۵۲  
۵۵۳  
۵۵۴  
۵۵۵  
۵۵۶  
۵۵۷  
۵۵۸  
۵۵۹  
۵۶۰  
۵۶۱  
۵۶۲  
۵۶۳  
۵۶۴  
۵۶۵  
۵۶۶  
۵۶۷  
۵۶۸  
۵۶۹  
۵۷۰  
۵۷۱  
۵۷۲  
۵۷۳  
۵۷۴  
۵۷۵  
۵۷۶  
۵۷۷  
۵۷۸  
۵۷۹  
۵۸۰  
۵۸۱  
۵۸۲  
۵۸۳  
۵۸۴  
۵۸۵  
۵۸۶  
۵۸۷  
۵۸۸  
۵۸۹  
۵۹۰  
۵۹۱  
۵۹۲  
۵۹۳  
۵۹۴  
۵۹۵  
۵۹۶  
۵۹۷  
۵۹۸  
۵۹۹  
۶۰۰  
۶۰۱  
۶۰۲  
۶۰۳  
۶۰۴  
۶۰۵  
۶۰۶  
۶۰۷  
۶۰۸  
۶۰۹  
۶۱۰  
۶۱۱  
۶۱۲  
۶۱۳  
۶۱۴  
۶۱۵  
۶۱۶  
۶۱۷  
۶۱۸  
۶۱۹  
۶۲۰  
۶۲۱  
۶۲۲  
۶۲۳  
۶۲۴  
۶۲۵  
۶۲۶  
۶۲۷  
۶۲۸  
۶۲۹  
۶۳۰  
۶۳۱  
۶۳۲  
۶۳۳  
۶۳۴  
۶۳۵  
۶۳۶  
۶۳۷  
۶۳۸  
۶۳۹  
۶۴۰  
۶۴۱  
۶۴۲  
۶۴۳  
۶۴۴  
۶۴۵  
۶۴۶  
۶۴۷  
۶۴۸  
۶۴۹  
۶۵۰  
۶۵۱  
۶۵۲  
۶۵۳  
۶۵۴  
۶۵۵  
۶۵۶  
۶۵۷  
۶۵۸  
۶۵۹  
۶۶۰  
۶۶۱  
۶۶۲  
۶۶۳  
۶۶۴  
۶۶۵  
۶۶۶  
۶۶۷  
۶۶۸  
۶۶۹  
۶۷۰  
۶۷۱  
۶۷۲  
۶۷۳  
۶۷۴  
۶۷۵  
۶۷۶  
۶۷۷  
۶۷۸  
۶۷۹  
۶۸۰  
۶۸۱  
۶۸۲  
۶۸۳  
۶۸۴  
۶۸۵  
۶۸۶  
۶۸۷  
۶۸۸  
۶۸۹  
۶۹۰  
۶۹۱  
۶۹۲  
۶۹۳  
۶۹۴  
۶۹۵  
۶۹۶  
۶۹۷  
۶۹۸  
۶۹۹  
۷۰۰  
۷۰۱  
۷۰۲  
۷۰۳  
۷۰۴  
۷۰۵  
۷۰۶  
۷۰۷  
۷۰۸  
۷۰۹  
۷۱۰  
۷۱۱  
۷۱۲  
۷۱۳  
۷۱۴  
۷۱۵  
۷۱۶  
۷۱۷  
۷۱۸  
۷۱۹  
۷۲۰  
۷۲۱  
۷۲۲  
۷۲۳  
۷۲۴  
۷۲۵  
۷۲۶  
۷۲۷  
۷۲۸  
۷۲۹  
۷۳۰  
۷۳۱  
۷۳۲  
۷۳۳  
۷۳۴  
۷۳۵  
۷۳۶  
۷۳۷  
۷۳۸  
۷۳۹  
۷۴۰  
۷۴۱  
۷۴۲  
۷۴۳  
۷۴۴  
۷۴۵  
۷۴۶  
۷۴۷  
۷۴۸  
۷۴۹  
۷۵۰  
۷۵۱  
۷۵۲  
۷۵۳  
۷۵۴  
۷۵۵  
۷۵۶  
۷۵۷  
۷۵۸  
۷۵۹  
۷۶۰  
۷۶۱  
۷۶۲  
۷۶۳  
۷۶۴  
۷۶۵  
۷۶۶  
۷۶۷  
۷۶۸  
۷۶۹  
۷۷۰  
۷۷۱  
۷۷۲  
۷۷۳  
۷۷۴  
۷۷۵  
۷۷۶  
۷۷۷  
۷۷۸  
۷۷۹  
۷۸۰  
۷۸۱  
۷۸۲  
۷۸۳  
۷۸۴  
۷۸۵  
۷۸۶  
۷۸۷  
۷۸۸  
۷۸۹  
۷۹۰  
۷۹۱  
۷۹۲  
۷۹۳  
۷۹۴  
۷۹۵  
۷۹۶  
۷۹۷  
۷۹۸  
۷۹۹  
۸۰۰  
۸۰۱  
۸۰۲  
۸۰۳  
۸۰۴  
۸۰۵  
۸۰۶  
۸۰۷  
۸۰۸  
۸۰۹  
۸۱۰  
۸۱۱  
۸۱۲  
۸۱۳  
۸۱۴  
۸۱۵  
۸۱۶  
۸۱۷  
۸۱۸  
۸۱۹  
۸۲۰  
۸۲۱  
۸۲۲  
۸۲۳  
۸۲۴  
۸۲۵  
۸۲۶  
۸۲۷  
۸۲۸  
۸۲۹  
۸۳۰  
۸۳۱  
۸۳۲  
۸۳۳  
۸۳۴  
۸۳۵  
۸۳۶  
۸۳۷  
۸۳۸  
۸۳۹  
۸۴۰  
۸۴۱  
۸۴۲  
۸۴۳  
۸۴۴  
۸۴۵  
۸۴۶  
۸۴۷  
۸۴۸  
۸۴۹  
۸۵۰  
۸۵۱  
۸۵۲  
۸۵۳  
۸۵۴  
۸۵۵  
۸۵۶  
۸۵۷  
۸۵۸  
۸۵۹  
۸۶۰  
۸۶۱  
۸۶۲  
۸۶۳  
۸۶۴  
۸۶۵  
۸۶۶  
۸۶۷  
۸۶۸  
۸۶۹  
۸۷۰  
۸۷۱  
۸۷۲  
۸۷۳  
۸۷۴  
۸۷۵  
۸۷۶  
۸۷۷  
۸۷۸  
۸۷۹  
۸۸۰  
۸۸۱  
۸۸۲  
۸۸۳  
۸۸۴  
۸۸۵  
۸۸۶  
۸۸۷  
۸۸۸  
۸۸۹  
۸۹۰  
۸۹۱  
۸۹۲  
۸۹۳  
۸۹۴  
۸۹۵  
۸۹۶  
۸۹۷  
۸۹۸  
۸۹۹  
۹۰۰  
۹۰۱  
۹۰۲  
۹۰۳  
۹۰۴  
۹۰۵  
۹۰۶  
۹۰۷  
۹۰۸  
۹۰۹  
۹۱۰  
۹۱۱  
۹۱۲  
۹۱۳  
۹۱۴  
۹۱۵  
۹۱۶  
۹۱۷  
۹۱۸  
۹۱۹  
۹۲۰  
۹۲۱  
۹۲۲  
۹۲۳  
۹۲۴  
۹۲۵  
۹۲۶  
۹۲۷  
۹۲۸  
۹۲۹  
۹۳۰  
۹۳۱  
۹۳۲  
۹۳۳  
۹۳۴  
۹۳۵  
۹۳۶  
۹۳۷  
۹۳۸  
۹۳۹  
۹۴۰  
۹۴۱  
۹۴۲  
۹۴۳  
۹۴۴  
۹۴۵  
۹۴۶  
۹۴۷  
۹۴۸  
۹۴۹  
۹۵۰  
۹۵۱  
۹۵۲  
۹۵۳  
۹۵۴  
۹۵۵  
۹۵۶  
۹۵۷  
۹۵۸  
۹۵۹  
۹۶۰  
۹۶۱  
۹۶۲  
۹۶۳  
۹۶۴  
۹۶۵  
۹۶۶  
۹۶۷  
۹۶۸  
۹۶۹  
۹۷۰  
۹۷۱  
۹۷۲  
۹۷۳  
۹۷۴  
۹۷۵  
۹۷۶  
۹۷۷  
۹۷۸  
۹۷۹  
۹۸۰  
۹۸۱  
۹۸۲  
۹۸۳  
۹۸۴  
۹۸۵  
۹۸۶  
۹۸۷  
۹۸۸  
۹۸۹  
۹۹۰  
۹۹۱  
۹۹۲  
۹۹۳  
۹۹۴  
۹۹۵  
۹۹۶  
۹۹۷  
۹۹۸  
۹۹۹  
۱۰۰۰

۱۰۰  
۱۰۱  
۱۰۲  
۱۰۳  
۱۰۴  
۱۰۵  
۱۰۶  
۱۰۷  
۱۰۸  
۱۰۹  
۱۱۰  
۱۱۱  
۱۱۲  
۱۱۳  
۱۱۴  
۱۱۵  
۱۱۶  
۱۱۷  
۱۱۸  
۱۱۹  
۱۲۰  
۱۲۱  
۱۲۲  
۱۲۳  
۱۲۴  
۱۲۵  
۱۲۶  
۱۲۷  
۱۲۸  
۱۲۹  
۱۳۰  
۱۳۱  
۱۳۲  
۱۳۳  
۱۳۴  
۱۳۵  
۱۳۶  
۱۳۷  
۱۳۸  
۱۳۹  
۱۴۰  
۱۴۱  
۱۴۲  
۱۴۳  
۱۴۴  
۱۴۵  
۱۴۶  
۱۴۷  
۱۴۸  
۱۴۹  
۱۵۰  
۱۵۱  
۱۵۲  
۱۵۳  
۱۵۴  
۱۵۵  
۱۵۶  
۱۵۷  
۱۵۸  
۱۵۹  
۱۶۰  
۱۶۱  
۱۶۲  
۱۶۳  
۱۶۴  
۱۶۵  
۱۶۶  
۱۶۷  
۱۶۸  
۱۶۹  
۱۷۰  
۱۷۱  
۱۷۲  
۱۷۳  
۱۷۴  
۱۷۵  
۱۷۶  
۱۷۷  
۱۷۸  
۱۷۹  
۱۸۰  
۱۸۱  
۱۸۲  
۱۸۳  
۱۸۴  
۱۸۵  
۱۸۶  
۱۸۷  
۱۸۸  
۱۸۹  
۱۹۰  
۱۹۱  
۱۹۲  
۱۹۳  
۱۹۴  
۱۹۵  
۱۹۶  
۱۹۷  
۱۹۸  
۱۹۹  
۲۰۰  
۲۰۱  
۲۰۲  
۲۰۳  
۲۰۴  
۲۰۵  
۲۰۶  
۲۰۷  
۲۰۸  
۲۰۹  
۲۱۰  
۲۱۱  
۲۱۲  
۲۱۳  
۲۱۴  
۲۱۵  
۲۱۶  
۲۱۷  
۲۱۸  
۲۱۹  
۲۲۰  
۲۲۱  
۲۲۲  
۲۲۳  
۲۲۴  
۲۲۵  
۲۲۶  
۲۲۷  
۲۲۸  
۲۲۹  
۲۳۰  
۲۳۱  
۲۳۲  
۲۳۳  
۲۳۴  
۲۳۵  
۲۳۶  
۲۳۷  
۲۳۸  
۲۳۹  
۲۴۰  
۲۴۱  
۲۴۲  
۲۴۳  
۲۴۴  
۲۴۵  
۲۴۶  
۲۴۷  
۲۴۸  
۲۴۹  
۲۵۰  
۲۵۱  
۲۵۲  
۲۵۳  
۲۵۴  
۲۵۵  
۲۵۶  
۲۵۷  
۲۵۸  
۲۵۹  
۲۶۰  
۲۶۱  
۲۶۲  
۲۶۳  
۲۶۴  
۲۶۵  
۲۶۶  
۲۶۷  
۲۶۸  
۲۶۹  
۲۷۰  
۲۷۱  
۲۷۲  
۲۷۳  
۲۷۴  
۲۷۵  
۲۷۶  
۲۷۷  
۲۷۸  
۲۷۹  
۲۸۰  
۲۸۱  
۲۸۲  
۲۸۳  
۲۸۴  
۲۸۵  
۲۸۶  
۲۸۷  
۲۸۸  
۲۸۹  
۲۹۰  
۲۹۱  
۲۹۲  
۲۹۳  
۲۹۴  
۲۹۵  
۲۹۶  
۲۹۷  
۲۹۸  
۲۹۹  
۳۰۰  
۳۰۱  
۳۰۲  
۳۰۳  
۳۰۴  
۳۰۵  
۳۰۶  
۳۰۷  
۳۰۸  
۳۰۹  
۳۱۰  
۳۱۱  
۳۱۲  
۳۱۳  
۳۱۴  
۳۱۵  
۳۱۶  
۳۱۷  
۳۱۸  
۳۱۹  
۳۲۰  
۳۲۱  
۳۲۲  
۳۲۳  
۳۲۴  
۳۲۵  
۳۲۶  
۳۲۷  
۳۲۸  
۳۲۹  
۳۳۰  
۳۳۱  
۳۳۲  
۳۳۳  
۳۳۴  
۳۳۵  
۳۳۶  
۳۳۷  
۳۳۸  
۳۳۹  
۳۴۰  
۳۴۱  
۳۴۲  
۳۴۳  
۳۴۴  
۳۴۵  
۳۴۶  
۳۴۷  
۳۴۸  
۳۴۹  
۳۵۰  
۳۵۱  
۳۵۲  
۳۵۳  
۳۵۴  
۳۵۵  
۳۵۶  
۳۵۷  
۳۵۸  
۳۵۹  
۳۶۰  
۳۶۱  
۳۶۲  
۳۶۳  
۳۶۴  
۳۶۵  
۳۶۶  
۳۶۷  
۳۶۸  
۳۶۹  
۳۷۰  
۳۷۱  
۳۷۲  
۳۷۳  
۳۷۴  
۳۷۵  
۳۷۶  
۳۷۷  
۳۷۸  
۳۷۹  
۳۸۰  
۳۸۱  
۳۸۲  
۳۸۳  
۳۸۴  
۳۸۵  
۳۸۶  
۳۸۷  
۳۸۸  
۳۸۹  
۳۹۰  
۳۹۱  
۳۹۲  
۳۹۳  
۳۹۴  
۳۹۵  
۳۹۶  
۳۹۷  
۳۹۸  
۳۹۹  
۴۰۰  
۴۰۱  
۴۰۲  
۴۰۳  
۴۰۴  
۴۰۵  
۴۰۶  
۴۰۷  
۴۰۸  
۴۰۹  
۴۱۰  
۴۱۱  
۴۱۲  
۴۱۳  
۴۱۴  
۴۱۵  
۴۱۶  
۴۱۷  
۴۱۸  
۴۱۹  
۴۲۰  
۴۲۱  
۴۲۲  
۴۲۳  
۴۲۴  
۴۲۵  
۴۲۶  
۴۲۷  
۴۲۸  
۴۲۹  
۴۳۰  
۴۳۱  
۴۳۲  
۴۳۳  
۴۳۴  
۴۳۵  
۴۳۶  
۴۳۷  
۴۳۸  
۴۳۹  
۴۴۰  
۴۴۱  
۴۴۲  
۴۴۳  
۴۴۴  
۴۴۵  
۴۴۶  
۴۴۷  
۴۴۸  
۴۴۹  
۴۵۰  
۴۵۱  
۴۵۲  
۴۵۳  
۴۵۴  
۴۵۵  
۴۵۶  
۴۵۷  
۴۵۸  
۴۵۹  
۴۶۰  
۴۶۱  
۴۶۲  
۴۶۳  
۴۶۴  
۴۶۵  
۴۶۶  
۴۶۷  
۴۶۸  
۴۶۹  
۴۷۰  
۴۷۱  
۴۷۲  
۴۷۳  
۴۷۴  
۴۷۵  
۴۷۶  
۴۷۷  
۴۷۸  
۴۷۹  
۴۸۰  
۴۸۱  
۴۸۲  
۴۸۳  
۴۸۴  
۴۸۵  
۴۸۶  
۴۸۷  
۴۸۸  
۴۸۹  
۴۹۰  
۴۹۱  
۴۹۲  
۴۹۳  
۴۹۴  
۴۹۵  
۴۹۶  
۴۹۷  
۴۹۸  
۴۹۹  
۵۰۰  
۵۰۱  
۵۰۲  
۵۰۳  
۵۰۴  
۵۰۵  
۵۰۶  
۵۰۷  
۵۰۸  
۵۰۹  
۵۱۰  
۵۱۱  
۵۱۲  
۵۱۳  
۵۱۴  
۵۱۵  
۵۱۶  
۵۱۷  
۵۱۸  
۵۱۹  
۵۲۰  
۵۲۱  
۵۲۲  
۵۲۳  
۵۲۴  
۵۲۵  
۵۲۶  
۵۲۷  
۵۲۸  
۵۲۹  
۵۳۰  
۵۳۱  
۵۳۲  
۵۳۳  
۵۳۴  
۵۳۵  
۵۳۶  
۵۳۷  
۵۳۸  
۵۳۹  
۵۴۰  
۵۴۱  
۵۴۲  
۵۴۳  
۵۴۴  
۵۴۵  
۵۴۶  
۵۴۷  
۵۴۸  
۵۴۹  
۵۵۰  
۵۵۱  
۵۵۲  
۵۵۳  
۵۵۴  
۵۵۵  
۵۵۶  
۵۵۷  
۵۵۸  
۵۵۹  
۵۶۰  
۵۶۱  
۵۶۲  
۵۶۳  
۵۶۴  
۵۶۵  
۵۶۶  
۵۶۷  
۵۶۸  
۵۶۹  
۵۷۰  
۵۷۱  
۵۷۲  
۵۷۳  
۵۷۴  
۵۷۵  
۵۷۶  
۵۷۷  
۵۷۸  
۵۷۹  
۵۸۰  
۵۸۱  
۵۸۲  
۵۸۳  
۵۸۴  
۵۸۵  
۵۸۶  
۵۸۷  
۵۸۸  
۵۸۹  
۵۹۰  
۵۹۱  
۵۹۲  
۵۹۳  
۵۹۴  
۵۹۵  
۵۹۶  
۵۹۷  
۵۹۸  
۵۹۹  
۶۰۰  
۶۰۱  
۶۰۲  
۶۰۳  
۶۰۴  
۶۰۵  
۶۰۶  
۶۰۷  
۶۰۸  
۶۰۹  
۶۱۰  
۶۱۱  
۶۱۲  
۶۱۳  
۶۱۴  
۶۱۵  
۶۱۶  
۶۱۷  
۶۱۸  
۶۱۹  
۶۲۰  
۶۲۱  
۶۲۲  
۶۲۳  
۶۲۴  
۶۲۵  
۶۲۶  
۶۲۷  
۶۲۸  
۶۲۹  
۶۳۰  
۶۳۱  
۶۳۲  
۶۳۳  
۶۳۴  
۶۳۵  
۶۳۶  
۶۳۷  
۶۳۸  
۶۳۹  
۶۴۰  
۶۴۱  
۶۴۲  
۶۴۳  
۶۴۴  
۶۴۵  
۶۴۶  
۶۴۷  
۶۴۸  
۶۴۹  
۶۵۰  
۶۵۱  
۶۵۲  
۶۵۳  
۶۵۴  
۶۵۵  
۶۵۶  
۶۵۷  
۶۵۸  
۶۵۹  
۶۶۰  
۶۶۱  
۶۶۲  
۶۶۳  
۶۶۴  
۶۶۵  
۶۶۶



قال لا قراءة مع الإمام في شيء۔ انھوں نے جواب ارشاد فرمایا کہ امام کے ساتھ کسی

(نسائی جلد ۱ ص ۲۱۵ مسلم جلد ۱ ص ۲۱۵ ابو عروانہ نمازیں کوئی قرأت نہیں کی جاسکتی۔

جلد ۲ ص ۲۱۵ طحاوی ص ۱۲۳)

حضرت زید بن ثابت کا یہ پسند صحیح اثر اس امر کی واضح دلیل ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کو کسی نمازیں کسی قسم کی قرأت کرنے کا حق نہیں ہے اور ان ایک روایت یوں ہے: من قرأ خلف الإمام فلا صلوة له (موطا امام محمد ص ۱۰۰ و کتاب القراءة ص ۱۳۷) کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ امام طحاوی رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یونس بن رحمہ عبد الاعلیٰ رحمہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبد اللہ بن مسیب نے بیان کیا وہ حیوہ بن شریح سے اور وہ بکر بن عمرو سے اور وہ عبید اللہ بن مقسم رحمہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے قرأت خلف الامام کے بارے میں:

انہ سال عبد اللہ بن عمر بن عبد الرحمن بن ثابت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی عنہما حضرت زید بن ثابت اور

وجابر بن عبد اللہ رضی عنہما فقالوا لا تقر خلف حضرت جابر رضی عنہ سے سوال کیا۔ ان سب نے فرمایا کہ امام

الإمام في شيء من الصلوة۔ (طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۹ کے پیچھے تمام نمازوں میں کوئی قرأت نہ کرو۔

وربما جلد ۲ ص ۲۱۵ و اسنادہ صحیح)

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ زید بن ثابت گفتہ لا قراۃ مع الإمام فی شیء رواہ مسلم و عن جابر بن عبد الرحمن بن ثابت و هو قول علی بن مسعود رضی عنہما و اکثر من الصحابة (ہدایۃ السائل ص ۱۹۱) اور امام بخاری رحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی عنہما حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر رضی عنہما کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے۔ (جزء القراءة ص ۳) علامہ ذہبی رحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت کا تب وحی تھے۔ اور قرآن کریم کے جمع

لہ امام طحاوی رحمہ کا ذکر آئے گا، ابن وہب کا ترجمہ حدیث نمبر ۱ میں گذر چکا ہے۔ یونس بن عبد الاعلیٰ رحمہ

کو امام ابو حاتم رحمہ اور نسائی رحمہ ثقہ کہتے ہیں۔ علی بن الحسن رحمہ اور مسلمہ رحمہ بن قاسم رحمہ ان کو حافظ حدیث کہتے

ہیں۔ ابن حبان رحمہ ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۲۱) حیوہ بن شریح رحمہ الامام القدوة شیخ

دیار مصریہ اور کبیر الشان تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲۱) بکر بن عمرو رحمہ کو ابو حاتم رحمہ شیخ اور ابن یونس رحمہ صاحب عبادت

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)



کرنے کی خدمت ان کے سپرد کی گئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حج وغیرہ کے لیے تشریف لے جاتے تو ان کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کر کے جاتے تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۹) اور نواب صاحب کے بیان سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے ترک قرأت بعض یا چند حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور فتویٰ نہ تھا بلکہ اس مسلک پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھاری اکثریت تھی۔ وکثیر من الصحابة۔  
اعتراض: امام بیہقی رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ اور مبارکپوری صاحب وغیرہ نے اس اثر کی یہ تاویل کی ہے کہ اس اثر میں قرأت سے مراد ما زاد علی الفاتحة کی قرأت ہے یا قرأت جہر مراد ہے (بیہقی جلد ۲ ص ۱۹۳، شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۵ و ابکار المنہن ص ۱۹۶)

جواب: یہ تاویل قطعاً باطل ہے کیونکہ اگر قرآن کریم اور کسی صحیح حدیث سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت ثابت ہوتی تو تطبیق کے لیے یہ تاویل اختیار کی جاسکتی تھی۔ حالانکہ قرآن کریم اور صحیح و مرفوع حدیثوں سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام کے پیچھے عام قرأت تو کیا جائز ہوگی سورۃ فاتحہ اور ام القرآن پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہے، باقی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ الصامت وغیرہ کی روایتوں کا ذکر بسط اور تفصیل کے ساتھ اپنے مقام پر آئے گا۔ کہ خلف الامام کی قید کے ساتھ کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ اور جو حدیثیں صحیح ہیں۔ وہ صرف امام اور منفرد کے حق میں ہیں، فریق ثانی کی یہ ستم ظریفی بھی قابلِ داد ہے کہ ایک طرف تو لا صلوة الخ کی روایتوں میں نکرہ پر لائے نفی جنس کو داخل سمجھ کر کہ اتنی تعمیم مراد لی جاتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کے اسلامی کتب خانوں کی کسی کتاب سے کوئی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی اور دوسری طرف لا قراۃ مع الامام فی شیء اور لا یقرأ خلف الامام فی شیء من الصلوة کو ایسا مقید کیا جاتا ہے کہ باوجودیکہ سورۃ فاتحہ ام القرآن اور قرآن عظیم ہے، مگر اس کی قرأت پر نہ تو لا نفی جنس اثر انداز ہو سکتا ہے اور نہ لفظ شیء اور یہ عجیب تر بات ہے کہ لا صلوة الخ میں نفی کمال تو مراد نہیں لی جاسکتی مگر یہاں لا قراۃ مع الامام فی شیء میں نفی قرأت سے جہر مراد ہو سکتی ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ! اور ان تینوں حضرات رضی اللہ عنہم سے بیک وقت سوال ہوتا ہے اور وہ اس کی اجازت نہیں (بقیہ پچھلا صفحہ) و فضیلت اور دارقطنی رحمہ اللہ معتبر کہتے ہیں اور ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں اور یہ صحاح سند کے رجال میں ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۴۸۶) اور عبد اللہ بن مقسم ثقات اور ثبت تھے (تقریب ص ۲۵۳)



دیتے کہ امام کے پیچھے کسی قسم کی کوئی قرأت کی جاسکے۔ اور ان میں حضرت جابرؓ بھی ہیں، جو بیابنگ دلیل قرأت سے ام القرآن کی قرأت مراد لیتے ہیں، بہر حال ان حضرات کی یہ تاویل قواعد اور اصول کے نیز صحیح احادیث کے خلاف ہوتے ہوئے۔ بعید از انصاف ہے، جو کسی طرح توجہ کی مستحق نہیں ہے اور صحیح اور مرفوع حدیثوں اور خود حضرت جابرؓ کے قول صریح کے مقابلہ میں یہ تاویل اس کی زیادہ مستحق ہے کہ — ع۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

اثر حضرت عبداللہ بن مسعود: امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوالاحوصؒ نے بیان کیا۔ وہ منصورؒ سے اور وہ ابوالوائلؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؒ سے دریافت کیا:

اقرأ خلف الامام فقال ان في الصلوة شغلا  
وسيكفيك قراءة الامام (الجوهري النقي  
جلد ۱ ص ۱۶۰)  
کیا میں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں، حضرت  
عبداللہؒ نے فرمایا کہ نماز میں امام قرأت میں  
مشغول ہے اور تجھے امام کی قرأت ہی کافی ہو  
جائے گی۔

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں چنانچہ علامہ بیہقیؒ کہتے ہیں ورجالہ موثقون۔  
(مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱۱) کہ اس کے تمام راوی ہی ثقہ ہیں اور مؤلف خیر الکلام ص ۵۲ میں لکھتے ہیں  
کہ صحیح ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اثر مطلق ہے۔ اس میں فاسخ کا بالخصوص ذکر نہیں... الخ  
الجواب: مطلق کی نفی سے مقید کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے اور اس کے مقابلہ  
میں نہ تو ان کا کوئی اثر صحیح ہے اور نہ ام الکتاب کی تصریح ہے پھر کیوں اس صحیح اثر کو رد  
کیا جاتا ہے؟ اس کے صحیح نہ ہونے کی بحث جلد دوم میں آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔  
علاوہ انہیں اس کو مطلق (کہ فاسخ کو نہ شامل نہ ہو) کہنا بھی درست نہیں کیونکہ ایک روایت

امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ کا ترجمہ حدیث نمبر ۱۱۱ میں اور منصورؒ و ابوالوائلؒ کا باب اقل میں حضرت  
ابن مسعودؒ کے اثر کے ذیل میں نقل کیا جا چکا ہے۔ ابوالاحوصؒ کا نام سلام بن سلیم تھا۔ علامہ ذہبیؒ  
ان کو حافظ اور احداثات لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۳)



میں یوں تصریح آتی ہے جو بطور تائید پیش کی جا رہی ہے۔

ان ابن مسعود رضی اللہ عنہما کان لا یقرأ خلف  
الامام فیما یجہد فیہ و فیما یخافت  
فیہ فی الاولین و لا فی الرخصیین و  
اذا صلی وحده قراءاً فی الاولیین  
بفاتحة الكتاب و سورة ... الخ

کہ عبد اللہ ابن مسعود امام کے پیچھے نہ جہری نماز  
میں قراءۃ کرتے تھے اور نہ سہری نماز میں پہلی  
دو رکعتوں میں اور نہ پچھلی دو رکعتوں میں اور  
جب اکیلے نماز پڑھتے تھے تو پہلی دونوں رکعتوں  
میں سورۃ فاتحہ بھی پڑھتے اور دیگر کوئی اور

(موطا امام محمد ص ۹۶) سورت بھی۔

ان کی اس مفصل روایت سے معلوم ہوا کہ قرأت میں فاتحہ خصوصیت سے شامل ہے۔

اس کی سند یوں ہے: محمد بن ابان بن صالح القرظی (اس پر محدثین کرام رحمہ اللہ نے کلام کیا ہے،  
مگر مؤلف خیر الکلام وغیرہ کی صریح عبارات عرض کی جا چکی ہیں کہ تائید اور متابعت میں ضعیف  
حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ لہذا اس کو تائید اور متابعت میں پیش کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے)

عن حماد بن عمار عن ابراہیم بن علقمہ بن قیس عن ابن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما

باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور علقمہ بن قیس کے اثر میں ان کے تراجم آرہے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے حضرت  
ابن مسعودؓ کا ایک اثر یوں نقل کیا ہے

لَوْنُ اَمْتَصُّ عَلَى جِسرِ الْعَصَا حَتَّى اَلِيَّ مِنْ اَنْ

یعنی یہ کہ میں جھڑ درخت کے جھٹنے کو ٹکوں کو منہ  
اقراء خلف الامام۔

میں پکڑوں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ امام  
(کتاب القراءة ص ۱۱۶)

کے پیچھے قرأت کروں اور پڑھوں۔ (اور ظاہر  
ہے کہ قرأت فاتحہ ہی سے شروع ہوتی ہے)

دوسری سند: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہؒ اور ابو سعیدؒ

بن ابی عمروؒ نے بیان کیا۔ وہ دونوں فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو العباس محمد بن یعقوبؒ نے بیان

کہ حافظ ابو عبد اللہؒ اور شعبہؒ کا ترجمہ باب اول میں حضرت مجاہدؒ کے اثر کے ذیل اور ابن ہدیؒ کا

سعید بن المسیبؒ کے اثر کے تحت اور ثوریؒ کا مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ ابو العباسؒ کو علامہ فہرستی الامام الثقات

محدث مشرق لکھتے ہیں (ایضاً ص ۳۷۷)



کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہارون بن سلیمان رحمہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے  
عبدالرحمن بن ہدی نے بیان کیا وہ سفیان (ثوری) سے اور شعبہ رحمہ سے روایت کرتے ہیں  
وہ دونوں منصور سے اور وہ ابو داؤد سے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے  
سوال کیا :

عن القراءة خلف الامام فقال انصت  
للقرآن فان في الصلوة شغلاً وسيكفيك  
ذلك الامام۔

کہ کیا امام کے پیچھے قرأت کی جاسکتی ہے ؟ حضرت  
عبداللہ نے فرمایا کہ قرآن کے لیے خاموش رہو۔  
امام نماز کے اندر قرأت میں مشغول ہے۔ اور تجھے

(سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۱)

حضرت ابن مسعود رحمہ کے ان صحیح آثار سے معلوم ہوا کہ وہ تمام نمازوں میں امام کے پیچھے  
قرأت کے قائل نہ تھے، ان کا ترجمہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ان پر  
کلی اعتماد باب اول میں وضاحت اور صراحت سے گذر چکا ہے۔  
اعتراض : امام بیہقی کہتے ہیں : (۱) حضرت ابن مسعود نے انصات کا حکم دیا ہے اور  
انصات جہری نمازوں میں ہو سکتا ہے۔

(۲) علقمہ کا بیان ہے کہ میں نے نماز میں حضرت ابن مسعود کو قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا پڑھتے  
سنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرأت کے قائل تھے۔

(۳) عبداللہ بن زیاد سدھی کا بیان ہے کہ میں نے ظہر اور عصر کی نماز میں ابن مسعود سے  
قرأت سنی ہے۔ (سنن الکبریٰ و کتاب القراءة)

جواب : امام بیہقی رحمہ کے اعتراض کی جملہ شقیں مردود ہیں علی الترتیب جواب سن لیجئے  
(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے  
اور یہ تمام حضرات فقہاء اور محدثین رحمہ کے نزدیک مشہور و معروف ہے۔ (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۸۳)  
انصات کی پوری تحقیق باب اول میں آیت کے ذیل میں عرض کی جا چکی ہے اور فریق ثانی کا

یہ امام ابو العباس رحمہ کے جلیل القدر شیخ اور مشہور محدث تھے (دیکھئے تذکرہ جلد ۲ ص ۳۷) علامہ ذہبی رحمہ  
ان کی سند کو صحیح سمجھتے ہیں (ایضاً جلد ۱ ص ۳۷)



شعبہ اور مغالطہ بھی نکال دیا گیا ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں، اعادہ کی ضرورت نہیں تھی۔  
 (۲) امام بیہقی رحمہ نے اس قول کی کوئی سند نقل نہیں کی اور خود امام بیہقی رحمہ کا ارشاد ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ہرگز مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین، مہول نامعبر اور غیر معلوم راویوں سے اخذ کریں۔ (کتاب القراءة ص ۱۲ طبع دہلی) علاوہ بریں اس روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ ابن مسعود رحمہ نے امام کے پیچھے یہ آیت پڑھی تھی۔ اور اس کا بھی کوئی ذکر نہیں کہ قیام کی حالت میں پڑھی تھی۔ کیوں یہ ممکن نہیں کہ سجدہ یا تشهد وغیرہ میں بطور دعا یہ آیت پڑھی ہو۔ اور مزید برآں اس آیت سے اُم القرآن اور فاتحۃ الكتاب کے خاص لفظ پر استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

(۳) عبد اللہ بن زیاد اسدی رحمہ کی روایت پر روایت اور درایت کلام اپنے موقع پر عرض کیا جائیگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

تیسری سند: حضرت ابن مسعود رحمہ سے تیسری سند کے ساتھ یہ الفاظ مروی ہیں:

قال انصت للقراءة فان في الصلوة شظرة و	فرمایا قرات کے لیے خاموش رہو کیونکہ نماز میں
سيكفيك ذلك الزمان (طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۹)	امام قرات میں مشغول ہوتا ہے اور وہی امام تمہارے
مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۸۵، کتاب القراءة ص ۱۱۹	لیے کافی ہے۔ (نہیں الگ قرات کرنے کی ضرورت
موطا امام محمد ص ۹۱، فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۳۵	نہیں ہے۔)
وآثار السنن جلد ۱ ص ۸۹ وغیرہ۔	

اعتراض: مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں: (۱) سند میں وہیب رحمہ بن خالد ہے، حافظ ابن حجر رحمہ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھا۔ لکنہ تغیر قلیلاً یا آخرہ (تقریب ص ۳۸۸) آخر عمر میں تھوڑا سا تغیر ان کے حافظہ میں آچکا تھا۔

(۲) اس اثر کی سند میں نصر بن مزوق ہے اور مجھے اس کا ترجمہ نہیں مل سکا۔

(۳) اس میں خصیب واقع ہے نہ معلوم وہ کون اور کیسا تھا؟ (ابکار المنن ص ۱۹۵)

جواب: یہ تمام شقیں باطل ہیں: (۱) ثقہ اور ثبت راوی کا تغیر سیرا اور قلیل مضر

نہیں ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔



(۲) خصیب سے خصیب بن ناصح رحمہ فرماتے ہیں۔ امام ابو ذر رحمہ فرماتے ہیں مابہ  
 بآس انشاء اللہ اور ابن حبان رحمہ ان کو ثقات ہیں لکھتے ہیں (تہذیب جلد ۳ ص ۱۲۳)  
 (۳) نصر بن مزوق رحمہ کا ترجمہ اگر مبارک پوری صاحب کو نہیں ملا تو کیا ہرج ہے۔  
 علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں رجالہ موثقون (مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۸۵) اس کے تمام راوی  
 ثقہ ہیں اور علامہ بیہقی رحمہ لکھتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (آثار السنن جلد ۱ ص ۸۹) اور  
 باقرار مبارک پوری صاحب نہ جاننے والوں پر جاننے والوں کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ قاضی شوکانیؒ  
 لکھتے ہیں ومن علم حجة علی من لا یعلم (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۳۳۲) کہ جاننے والا نہ جاننے  
 والے پر حجت ہے، یعنی جاننے والے کی بات نہ جاننے والے کی بات پر راجح ہوگی۔ حضرت  
 عبداللہ بن مسعودؓ کی بعض صحیح روایتیں باب اول میں نقل کی جا چکی ہیں اور متعدد سندیں  
 ان سے اور بھی مروی ہیں۔ مگر ہمارا مقصد تمام روایات و آثار کا استیعاب نہیں صرف اپنے  
 دعویٰ کو روشن کرنا ہے۔

### اثر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: امام طحاوی رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے

امام طحاویؒ ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الحنفیؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ  
 الامام العلامة اور الحافظ تھے اور انھوں نے بہترین کتابیں لکھی ہیں، محدث ابن یونسؒ کا بیان ہے  
 کہ وہ ثقہ، ثبت، فقیہ اور بڑے عقلمند تھے۔ اور انھوں نے اپنے بعد کوئی اپنا نظیر نہیں چھوڑا۔  
 (تذکرہ جلد ۲ ص ۲) مسلم بن قاسم رحمہ کا بیان ہے کہ وہ ثقہ جلیل القدر، فقیہ المذنب اور علامہ کے خلائقا  
 کے جاننے میں بڑی مہارت رکھتے تھے (لسان المیزان جلد ۱ ص ۲۷۹) حافظ ابو عمر رحمہ بن عبد البرؒ کا بیان  
 ہے کہ وہ تمام فقہاء کے مذاہب پر گہری نگاہ رکھنے والے تھے۔ (الجواہر المصنیہ جلد ۱ ص ۱) امام  
 ابن ندیم رحمہ فرماتے ہیں کہ وہ کان اوحداہل زمانہ علما و زہدا (الفہرست لابن ندیم ص ۳۶)  
 کہ وہ اپنے زمانہ میں علم و زہد میں یکتا تھے اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں: امام الحنفیہ فی وقتہ  
 فی الحدیث والفکر و معرفة اقوال السلف۔ اھ (اجتماع بیوش الا سلامیہ ص ۱۹)  
 کہ وہ اپنے وقت میں حدیث فقہ اور معرفت اقوال سلف میں اخاف کے امام تھے۔



ابراہیم رحمہ اللہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو صالح عبد الغفار بن داؤد الحارثی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا۔ وہ ابو حمزہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔

اقرا والامامین یہی قال (۱)۔ یعنی کیا امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟

(طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۹ والجوہر النقی جلد ۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ ہرگز نہیں۔

ص ۱۱۰ آثار السنن جلد ۱ ص ۸۹ وغیرہ)

اس صحیح روایت میں سبزی اور جہری کی کوئی قید موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ تمام نمازیوں کو شامل ہے اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مسلک تھا۔

اعتراض: مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں:

(۱) حماد بن سلمہ کا آخر عمر میں حافظہ کچھ خراب ہو گیا تھا۔

(۲) عیزہؓ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اجازت قرأت خلف الامام کی روایت نقل کرتے

ہیں اور اس کی سند بالکل بے غبار ہے۔ (ابکار السنن ص ۱۶۶)

جواب: یہ اعتراض بھی باطل ہے: (۱) تغیر سیر کا محقق حکم پہلے لکھا جا چکا ہے

اور حماد بن سلمہ کا ترجمہ بھی نقل کیا جا چکا ہے کہ امام احمدؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حماد بن

سلمہ حافظ ابن حجر ان کو من الحفاظ المکثرین لکھتے ہیں (لسان المیزان جلد ۱ ص ۲۴۵) کہ وہ حفاظ

حدیث میں شعاہ ہوتے ہیں جن سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ علامہ باقوت حموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ۲۷۲ میں

ان کی وفات ہوئی ہے اور وہ ثقہ اور حفاظ حدیث میں تھے۔ محدث ابن یونس رحمہ اللہ ان کو ثقہ اور من حفاظ

الحدیث لکھتے ہیں۔ علامہ سمعانی رحمہ اللہ بھی ان کو ثقہ اور من حفاظ الحدیث لکھتے ہیں اور امام ابن عساکر

بھی ان کو ثقہ من حفاظ الحدیث کی صفت سے یاد کرتے ہیں۔ (امانی الاحبار جلد ۱ ص ۱۷۸)

۱۔ وہ ثقہ اور فقیہ تھے۔ (تقریب ص ۲۳۳)

۲۔ ان کی توثیق باب اول میں سعید بن المسیب کے اثر کے تحت نقل ہو چکی ہے۔

۳۔ ان کا نام نصر بن عمران رحمہ اللہ تھا جو ثقہ اور ثبت تھے (تقریب ص ۱۷۴) حضرت ابن عباس رضی

جلیل القدر صحابی ہیں۔



سلمہ پر اعتراض کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس کے اسلام میں متہم سمجھو۔ اصل الفاظ یہ ہیں  
 فاتھمہ علی الاسلام اور لو اب صاحب لکھتے ہیں کہ گویم حماد بن سلمہ امام است  
 تفریش ما دام کہ درودیش مانعی از اصول نبود مضر نیست۔ (بدور اللہ جلد ۱ ص ۱۲۳)  
 (۲) یہ اپنے مقام پر عرض کیا جاتے گا کہ غیر از کی روایت میں کوئی غبار ہے یا نہیں؟  
 علاوہ بریں حضرت ابن عباسؓ کی بسند صحیح دو روایتیں باب اول میں نقل کی جا چکی ہیں۔  
 ایک اور روایت: حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی بن عباسؓ سے  
 سوال کیا گیا۔

قيل له ان ناسا يقرؤن في الظهر والعصر  
 فقال لو كان لي عليهم سبيل لقلعت  
 السنن لهم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 قرأ فكانت قرأته لنا قرأة وسكوته لنا  
 سكوته۔  
 کہ کچھ لوگ ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کرتے  
 ہیں کیا یہ درست ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے  
 فرمایا۔ اگر میرا ان پر پس چلتا تو میں ان کی زبانیں کھینچ  
 لیتا۔ کیونکہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے  
 قرأت کی ہمیں بھی قرأت کرنی چاہئے اور آپ  
 نے سکوت اختیار کیا، ہمیں بھی سکوت کرنا چاہیے۔

(طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۱)

اس اثر میں اگرچہ خلف الامام کی قید مذکور نہیں ہے۔ لیکن بادی تا مل یہ بات بخوبی معلوم ہو سکتی  
 ہے کہ امام اور منفرد کو تو بالاتفاق قرأت کرنا ضروری ہے۔ پھر نہ معلوم حضرت ابن عباسؓ جیسے  
 لہ اس اثر کی سند کے راوی یہ ہیں: (۱) امام طحاوی (۲) ابن مردوق، ان کا نام ابوالخیر بن مردوق تھا۔ امام  
 نسائی، ان کو صالح اور اباس بہ کہتے ہیں دارقطنی، ان کو ثقہ سخیطی کہتے ہیں۔ ابن یونس کہتے ہیں کہ وہ  
 ثقہ اور ثبت تھے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور صدوق تھے۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور  
 معین بن عثمان کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۲۱ محصلہ)

(۳) وہیب بن جریر ثقہ تھے (تقریب ص ۲۸۸) (۴) جریر بن حازم ثقہ تھے۔ (ایضاً ص ۴۹)

(۵) البرزید بن ابی حاتم، امام احمد اور ابوداؤد ان پر اعتماد کرتے تھے، ابن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں  
 (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۸۸) حافظ ابن حجر ان کو مقبول کہتے ہیں (تقریب ص ۲۲۲) (۶) عکرمہ ثقہ تھے  
 (ایضاً ص ۲۶۸) (۷) حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابی ہیں۔



ترجمان القرآن اور جبر الامۃ ان لوگوں کی زبانیں کھینچنے کے لیے کیوں آمادہ ہو گئے تھے؟ اگر ان کے بس اور قدرت میں ہوتا تو ضرور اپنا ارادہ پورا کر گزرتے، ناچار یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ نے ان کی اس مذموم حرکت سے انتہائی نفرت کی اور یہ بھی مت بھولئے کہ پڑھنے والے ظہر اور عصر کی نماز میں پڑھتے تھے جو بالاجماع سترمی نمازیں ہیں اور یہ ممکن تھا کہ قرأت مازاد علی الفاتحہ کی قرأت پر حمل کر لیا جاتا، مگر اس کو کیا کیا جائے کہ حضرت ابن عباسؓ امام کے پیچھے مطلقاً قرأت کے قائل نہ تھے، اور گزر چکا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت میں امام کے پیچھے خاص لفظ فاتحۃ الكتاب کے پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ اور یہ بھی درست نہیں ہو سکتا کہ قرأت کو جہر پر حمل کر لیا جائے، اس لیے کہ قرأت کا تقابل سکوت سے کیا گیا ہے اور سکوت کے معنی آپ پہلے وضاحت کے ساتھ پڑھ چکے ہیں، بہر کیف خود اس اثر کے اندر ایسے قرائن موجود ہیں، جو اس امر کو متعین کر دیتے ہیں کہ یہ بحالت اقتدار امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے جس پر حضرت ابن عباسؓ طیش میں آکر یہ ارشاد فرماتے ہیں۔ باقی اثر کے اس حصہ کا مطلب کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرأت کی اور ہمارے لیے آپ کی اقتدار ضروری ہے اور آپ نے سکوت بھی کیا۔ اور ہمارے لیے سکوت میں بھی آپ کی پیروی لازمی ہے۔ تو اس کی پوری بحث سکوت کے ذیل میں کی جا چکی ہے کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحالت امامت قرأت کی اور بحالت اقتدار سکوت اختیار کیا یا یہ مطلب ہو کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے امام تھے۔ اور آپ کی قرأت ہم سب مقتدیوں کی قرأت تھی۔ اور آپ کا پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کی قرأت کو ترک کر کے اس سے سکوت اختیار کرنا ہمارے لیے کافی ہوتا تھا تو اس لحاظ سے حدیث من کان لہ امام فقراۃ الامام لہ قراۃ کی گویا یہ اثر تفسیر اور تشریح ہو گا۔ اس حصہ کا یہ مطلب ہو یا کوئی اور ہو ہمارا استدلال واضح ہے اور اس پر موقوف نہیں ہے۔ مؤلف خیر الکلام نے ص ۱۳۱ میں ہمارے اس مطلب کو ایک قسم کی تحریف معنوی ہے "سے تعبیر کیا ہے اور دلیل یہ بیان



کی کہ بخاری اصلہ کی روایت میں ابن عباسؓ سے آتا ہے قرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما امر و سکت فیما امر... الخ امام بخاری نے اس سے جہر مراد لی ہے اور اس پر باب الجہر بقراءة صلوٰۃ الصبح قائم کیا ہے اور پھر ص ۳۱۹ اور ص ۳۲۰ میں لکھتے ہیں کہ امام اسمعیلیؒ اور حافظ ابن حجرؒ یہ مطلب لیتے ہیں کہ ابن عباسؓ کو ستری نمازوں میں قرأت کا شک تھا اور بعض روایتوں میں ہے کہ وہ نفی کرتے تھے مگر آخر میں قائل ہو گئے تھے لہذا اس سے مراد یا تو جہر ہے یا ان کا پہلا نظریہ ہے اور بعض حنفیہ کا مطلب قطعاً غلط ہے (محصلہ) الجواب: مگر ہم نے استدلال بخاری کی روایت سے نہیں کیا بلکہ طحاوی کی روایت سے کیا ہے جس کے الفاظ اور ہیں اور اس میں تفصیل ہے اور ظہر اور عصر کی قید موجود ہے وہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ پہلے قرأت میں شک یا انکار کرتے تھے تو بات قدرے معقول ہے مگر اس کا صحیح ثبوت درکار ہے اور در صورت صحت امام بخاریؒ کی روایت کا یہ مطلب لیا جاسکتا ہے مگر ان سے ستری نمازوں میں قرأت اور ترک القراءة خلف الامام کی روایتیں بالکل صحیح ہیں اور دوسری روایتیں اس پایہ کی نہیں ہیں اس لیے ان کے آئینہ میں ان صحیح روایات کا مطلب لینا غلط ہے۔

اثر حضرات خلفاء راشدینؓ: امام عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے موسیٰ بن عقیبہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں:

ان ابابکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ كانوا ينهلون عن القراءة خلف الامام (بخاری جلد ۳ ص ۶۵ و اعلا السنن جلد ۵ ص ۵۵) امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔  
 کہ حضرت ابوبکرؓ (المتوفی ۱۳ھ) اور حضرت عمرؓ (المتوفی ۲۳ھ) اور حضرت عثمانؓ (المتوفی ۳۵ھ)

لے ثقہ اور حافظ تھے۔ (تقریب ص ۲۴۰)  
 لے ثقہ اور فقیہ تھے (تقریب ص ۳۶۸) ثبت اور کثیر الحدیث تھے (تہذیب التہذیب ص ۳۶۱) حجت اور صفار تابعین میں تھے (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۱۳)  
 لے امام شافعیؒ ان کو ثقہ اور حافظ کہتے ہیں امام احمدؒ، ابو ذرؒ، نسائیؒ، ابو حاتمؒ (باقی دیکھ صفحہ ۳۸۵)



محمد بن عجلان سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

قال علي بن قرا مع الامام فليس علي  
الفطرة۔  
کہ حضرت علیؓ (المتوفی ۴۰ھ) نے فرمایا کہ جس  
شخص نے امام کے ساتھ قرأت کی تو وہ فطر

(بحوالہ الجوهر النقی جلد ۲ ص ۱۹۹) پر نہیں ہے۔

اور وارقطنی جلد ۱ ص ۱۲ کی روایت میں ہے:

من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة۔  
کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے فطر کو  
گھو دیا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے داؤد بن قیسؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن عجلانؒ

بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں:

ان عمر بن الخطاب قال ليت في فم الذي  
يقرا خلف الامام حجرا  
کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا۔ کاش جو شخص  
امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر

(موطا امام محمد ص ۱۸)

اور حافظ ابو عمرؒ بن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ:

ثبت عن علي وسعد بن زيد بن ثابت انه  
قال لو قرأ مع الامام لا فيما اسر ولا فيما  
جهر  
حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن زیدؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ  
بن ثابت سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ انھوں نے  
فرمایا کہ امام کے ساتھ نہ ستری نماز میں قرأت

(بحوالہ الجوهر النقی جلد ۲ ص ۱۹۹) کیجا سکتی ہے اور نہ جہری نماز میں۔

حضرت علیؓ سے ایک دوسری روایت یوں مروی ہے، جو صرف متابعت کے طور

پر نقل کی جاتی ہے:

من قرأ خلف الامام فليس علي الفطرة۔  
کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی وہ فطر پر

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ) ابن سعد، ابن مدینی رحمہما اور سب ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن معین رحمہما ان کو

صالح الحدیث کہتے ہیں، ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۹۸)

لکھ ان کا ترجمہ باب دوم حدیث نمبر ۱ میں نقل کیا جا چکا ہے۔



(طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۹ و منتخب کثر العیال) ۱۸۴۰ء ہیں۔

اور گو موسیٰ بن عقبہؒ اور محمد بن عجلانؒ کی روایتیں مرسل ہیں لیکن جہورائے کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے جس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ یہی اعتراض مؤلف خیر الکلام نے ص ۱۲۵ میں کیا ہے کہ یہ دونوں اثر ضعیف ہیں کیونکہ یہ دونوں مذکور راوی صغار تابعینؒ میں ہیں۔ حضرت عمرؓ سے ان کی لقائے ثابت نہیں ہے۔ (محصلہ) ہم بھی ان کو مرسل مانتے ہیں، مگر معتضد ہے جو حجت ہے اور مرسل معتضد کے حجت ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں اور یہ ایک دوسرے کے اعتضاد کے لیے کافی ہیں اور دوسری حدیثیں اس پر مستزاد ہیں، حضرت علیؓ کی دوسری روایت میں ابن ابی لیلیٰ رحمہ اور مختار بن ابی لیلیٰ رحمہ کمزور اور ضعیف ہیں۔ اور اسی وجہ سے مبارکہ پوری صاحب نے اس پر اعتراض کیا ہے (دیکھئے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۰۹) مگر ہم نے اس سے استدلال نہیں کیا۔ بلکہ اس کو محض متابعت میں نقل کیا ہے، اور بقول مؤلف خیر الکلام ان میں بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی ہرج نہیں۔ ص ۱۲۶ حضرات خلفاء راشدینؒ رضی اللہ عنہم اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ایسے جلیل القدر اور بلند مرتبہ صحابہؓ کی دینی خدمات اور دیگر علمی اور عملی فضائل کا کون انکار کر سکتا ہے؟ ہاں البتہ کٹر مغر اور خیرہ چشم کی بات ہی الگ ہے۔ یہ وہی اکابر ہیں جن کو دنیا میں حضرت محمد رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے جلتی ہونے کی بشارت اور خوشخبری مل چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مومن کا خطاب عنایت فرما کر ابدی رضا کا پروانہ دے دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۸ھ) اور حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا (المتوفی ۵۷ھ) کا اثر؛ امام بیہقی رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو عبد اللہ رحمہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو یحییٰ سمرقندی رحمہ نے بالمشافہ بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن نصرؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے

لہ ان کا نام محمد بن اسحاق سمرقندی ہے، جلیل القدر محدث اور فقیہ تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے (تذکرہ جلد ۲ میں

ص ۲۰۱) ان کا نام ذکر کیا ہے

۱۵ علامہ ذہبی رحمہ کہتے ہیں کہ وہ الامام شیخ الاسلام اور الفقیہ تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۰۱) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ الفقیہ اور الحافظ تھے۔ (تہذیب التہذیب ۹ ص ۴۸۹) ابن حبانؒ ان کو احد الائمة فی الدنیا کہتے ہیں



ہیں کہ ہم سے محمد بن یحییٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عاصم نے بیان کیا، وہ ابو صالح ذکوان سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں:

انہما کانَا یا صرنا بالقراءۃ وراعی الامام  
 کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ  
 اذا لم یجس (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۱۱)  
 دونوں اس بات کا حکم دیتے تھے کہ جب امام  
 ہر سے قرأت نہ کرتا ہو تو اس کے پیچھے قرأت کرنی  
 چاہیے۔

دوسری سند: امام بیہقی رحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن محمد بن الحارث رحمہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو محمد بن حیان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن عبد اللہ بن رستم نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے شیبان بن فروخ رحمہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے علامہ ذہبیؒ ان کو امام شیخ الاسلام اور حافظ نیشاپور لکھتے ہیں (تذکرہ ۲ ص ۱۱۱) ابو حاتم رحمہ ان کو امام اہل زمانہ اور ابو بکر بن زیاد ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں (ایضاً ص ۱۱۱) حافظ ابن حجر رحمہ ان کو حافظ لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۵۱۱)

علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ العابد اور شیخ الشام لکھتے ہیں، امام بخاریؒ ان کو افضل اہل زمانہ کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳۴۱) امام عجمیؒ اور نسائی رحمہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابو حاتم رحمہ ان کو صدوق اور ثقہ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۹ ص ۵۳۹)

علامہ عاصم رحمہ بن ہمدانہ رحمہ اگرچہ بعض محدثین نے خطا و اضطراب اور وہم کی وجہ سے ان میں کلام کیا ہے لیکن جمہور ان کو ثقہ کہتے ہیں چنانچہ امام احمدؒ، علامہ ابن سعد عجمیؒ اور ابو زرؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن معینؒ ثقہ اور لا بأس بہ نسائیؒ لیس بہ بأس اور یعقوب بن سفیانؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتم رحمہ ان کو صداقت شعار اور صالح الحدیث کہتے ہیں۔ بزاز کا بیان ہے کہ مجھے کوئی ایسا محدث معلوم نہیں جو ان سے روایت نہ کرتا ہو۔ امام یحییٰؒ ان کو امام اعشش کا ہم پایہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ اور ابن شاپورؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۹) علامہ ذہبیؒ ان کو حسن الحدیث لکھتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۵) حافظ ابن کثیر عاصم بن ہمدانہ کی سند کو حید اور قوی کہتے ہیں (ابن کثیر جلد ۴ ص ۵۲۹) امام حاکم رحمہ اور (باقی اگلے صفحہ پر)



عکرم بن زہیر نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عاصم بن بہدک نے بیان کیا۔ وہ ابو صالح سے  
اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں:

انہما کانیا یا مراء بالقرآۃ خلف الہماہر  
فی الظہر والعصر فی الرکعتین الاولیین  
بفاتحۃ الکتاب وشیء من القرآن وکانت  
عائشہ تقرأ فی الوحیدیین بفاتحۃ الکتاب۔  
(سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۵۱)

کہ وہ دونوں ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے  
پچھے قرأت کرنے کا حکم دیتے تھے اور دونوں  
فرماتے تھے کہ پہلی دونوں رکعتوں میں سورۃ  
فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنا چاہیے  
اور حضرت عائشہؓ ظہر اور عصر کی پچھلی دونوں رکعتوں میں

صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرتی تھیں۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ جہری نمازوں میں امام  
کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے۔ صرف ظہر اور عصر کی سری نمازوں میں وہ امام کے پیچھے قرأت  
کے قائل اور اس پر عامل تھے۔ اور وہ دونوں پہلی رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ وشیء  
من القرآن کی قرأت کے بھی قائل تھے۔ اور فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے اور اس روایت  
سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہر اور عصر کی پچھلی دونوں رکعتوں میں امام کے پیچھے حضرت ابو ہریرہؓ قرأت  
سورۃ فاتحہ کے قائل نہ تھے۔ ہاں حضرت عائشہؓ صدیقہ کا اس پر عمل تھا، حضرت عائشہؓ

اور حضرت ابو ہریرہؓ رض کا حضرات صحابہ کرام رض میں اور خاص طور پر فن روایت میں جو مقام  
اور رتبہ ہے اور دین کی جتنی خدمات ان سے سرانجام ہوتی ہیں وہ کس سے مخفی ہیں؟

مبارکپوری صاحب نے عاصم بن بہدکؓ کی وجہ سے اس روایت پر کلام کیا ہے۔

(دیکھئے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۹۸) لیکن مولانا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ان کا موازنہ ذر محمد بن

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) علامہ ذہبیؒ عاصم بن بہدکؓ کی روایت کو صحیح کہتے ہیں۔ (مستدرک جلد ۳

صفحہ ۱۶۲)

ایک امام احمدؒ ان کو ثقہ اور علامہ ذہبیؒ ان کو من اجل الناس واثقلہم لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱

ص ۸۳) اصول حدیث اور محدثین کی تصریح کے مطابق یہ حدیث حسن، جید قوی اور صحیح ہے۔



اسحاق وغیرہ سے کر دیکھیں۔ مؤلف خیر الکلام ص ۵۱۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ اثر بھی بظاہر صحیح ہے مگر اس میں ممانعت کا ذکر نہیں اور یہ اثر جہری نماز کی نفی میں صریح نہیں۔  
 الجواب: ممانعت کا نہ سہی جہری نمازوں میں ترک قرأت کا ذکر تو ہے اور اذالم  
 یجھس شرط اور قید ہے اور صراحت کیا ہوتی ہے؟ اور ترک قرأت خلف الامام کی وجہ سے  
 بطلان نماز کی رٹ تو باطل ہوتی۔

**حضرات! قارئین کرام! ابھی حضرات صحابہ کرام کے بہت سے آثار پیش کیے**

۱۔ امام ابن قدامہ نے کئی سندات کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ،  
 حضرت ابوسعیدؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عقیبہ بن عامرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور  
 حذیفہؓ کی روایتیں نقل کی ہیں (معنی ابن قدامہ جلد ۱ ص ۴۵) اور حافظ ابو عمرو بن عبد البرؓ کے  
 حوالے سے حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے نام نقل کیے جا چکے ہیں۔  
 اور امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن عمرؓ امام کے  
 پیچھے قرآن کے قائل نہ تھے (جزء القراءة ص ۳) اور علامہ عینیؒ نے مانعین قرأت خلف الامام  
 میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ،  
 حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت  
 ابن عباسؓ کا ذکر بھی کیا ہے اور اس پر ایک روایت بھی وہ نقل کرتے ہیں (عمدة القاری جلد ۳ ص ۹۷)  
 نیز علامہ عینیؒ اور ملا علیؒ القاریؒ لکھتے ہیں کہ اسی حضرات صحابہ کرامؓ سے امام کے پیچھے قرأت کی نمانعت  
 کا ثبوت ملتا ہے۔ (عمدة القاری جلد ۳ ص ۹۷ اور شرح نقایہ جلد ۱ ص ۸۳) بلکہ امام شعبیؒ نے تو یہاں تک فرمایا  
 ہے: قال ادركت سبعين بدرياً كلهم يمنعون المقتدى عن القراءة خلف الامام۔

(روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۵) کہ میں نے ستر عدد بدری صحابہ کرامؓ کو دیکھا ہے کہ وہ سب مقتدی  
 کو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے اور صاحب ہدایہ نے جلد ۱ ص ۱۰۱ میں تو اجماع صحابہؓ  
 کا دعویٰ کیا ہے، حافظ ابن عبد البرؓ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ کی ان عبارتوں کو پیش نظر رکھتے  
 ہوئے جواب اول میں نقل کی جا چکی ہیں (کہ آیت کا شان نزول بالا جماع خلف الامام کا مسئلہ ہے،  
 اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنا منکر شاذ اور مخالف اجماع ہے) (باقی اگلے صفحہ پر)



جا سکتے ہیں۔ مگر ہمارا مقصد ان کا استیعاب نہیں ہے بلکہ ہم نے عہدِ اُصناف ان حضرات صحابہ کرامؓ کے جن پر زیادہ تر علم حدیث فقہ اور دین موقوف ہے۔ (مثلاً حضرات خلفائے راشدینؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت زیدؓ بن ثابتؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہم) صحیح آثار صرف بطور نمونہ عرض کیے ہیں۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جمہور اہل اسلام کا دامن قرآن کریم صحیح اور مرفوع احادیث کے علاوہ حضرات صحابہ کرامؓ کی کیسی با عظمت جہت وابستہ ہے اور آخر میں ہم صرف ایک ہی اثر نقل کر کے حضرات صحابہ کرامؓ کے ان پیش کردہ آثار پر اکتفا کرتے ہیں۔ وفيہا کفاية لمن له هداية۔

اثر حضرت سعد رضا (المتوفی ۵۵ھ) امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ داؤد بن قیسؒ نے ابن نجادؒ سے روایت کی ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاصؒ کی اولاد میں تھے اور وہ حضرت سعدؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

وددت ان الذي يقرأ خلف الامام في جمره (جزء القراءة من موطا امام محمد بن) کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہو، اس کے منہ میں آگ کی چنگار ڈال دوں۔

(تقریباً شیعہ کچھ صفحہ) صاحب ہدایہ گایہ دعویٰ مبنی برانصاف معلوم ہوتا ہے اور محض تعصب ہی پر اس کو حمل کر لینا قرین قیاس نہیں ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)۔

لہٰذا یہ سخت الفاظ صرف حضرت سعدؒ سے منقول نہیں بلکہ دوسرے حضرات صحابہ کرامؓ وغیرہم سے بھی اسی طرح کے تہدیدي الفاظ مروی ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ڈالنا چاہیے (موطا امام محمد ص ۹۸ منتخب کنز ص ۱۸۷ والبحر النقی ص ۱۴۹، طحاوی ص ۱۶۹) اور ایک روایت میں نتن (بدبودار چیز) اور ایک میں سرنصف (گرم پتھر) کے الفاظ آئے ہیں (جزء القراءة صلا وغیرہ) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں آگ بھر دی جائے (زیلعی جلد ۲ ص ۱۹) اور حضرت اسود تابعیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے، اس کے منہ میں مٹی ڈالی جائے (البحر النقی جلد ۲ ص ۱۴۹) اور حضرت علقمہ تابعیؒ سے مٹی اور سرنصف دونوں الفاظ منقول ہیں (البحر النقی جلد ۲ ص ۱۴۹) اور حضرت زیدؓ بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ امام (باقی اگلے صفحہ پر)



اعترض : امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے : (۱) ابن نجاد مجہول ہے۔  
(۲) آگ کی چنگاری اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور انسانوں کو ایسی سزا دینے کی صحیح حدیث میں  
نہی آتی ہے (بخاری جلد ۲۳ ص ۴۲۳ وغیرہ)

(۳) مجاد کہتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کر نیوالے کا منہ شکر سے بھر دیا جائے۔  
جواب : حضرت امام بخاری کا یہ اعتراض تمام شقوں کے ساتھ مخدوش ہے ،  
ترتیب وار ہر ایک شق کا جواب ملاحظہ کریں : (۱) ابن نجاد کی جہالت کا دعویٰ کر کے اس اثر  
سے اغماض کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام حاکم تحریر فرماتے ہیں :

وولد سعد بن ابی وقاص الی سنتہ خمسین  
کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی اولاد میں  
۲۵۰ تک بڑے بڑے فقیہ، امام ثقہ اور حافظ  
و ماتین فیہم فقہاء وائمہ و ثقات و

پیدا ہوتے رہے ہیں۔

حفاظہ۔ (معرفت علوم الحدیث ص ۵۸)

اور امام بخاری کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی ہے۔ اس لیے ابن نجاد (جو حضرت سعد بن ابی وقاص  
کی اولاد میں تھے) کی جہالت کو بہانہ بنا کر اس اثر کو رد کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام حاکم کی عبارت  
کے پیش نظر ابن نجاد ثقہ حافظ اور امام تھے۔ علامہ علی بن عبد الرزاق بن ہمام کے طریق سے روایت  
نقل کرتے ہیں :

عن داؤد بن قیس عن محمد بن بجاؤ (بکسر الباء)  
کہ داؤد بن قیس محمد بن بجاؤ سے روایت کرتے  
الموعدة وتخفيف الجیم) عن موسى بن سعد  
ہیں اور وہ موسیٰ بن سعد سے روایت کرتے ہیں

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) کے پیچھے قرأت کر نیوالے کی نماز ہی سرے سے نہیں ہوتی (موطا امام محمد ص ۱۸) اگرچہ  
ان میں بعض آثار کمزور ہیں، مگر کچھ صحیح بھی ہیں اور یہ سب مل ملا کر اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ ان کی بھی  
کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہے، اگر نص قرآنی اور صحیح و مرفوع احادیث اور چھوڑا گئے اس بات پر اتفاق  
نہ ہوتا کہ امام کے پیچھے قرأت صحیح نہیں ہے تو یہ الفاظ یقیناً غلو اور زیادتی پر مشمول ہو سکتے تھے مگر سابق  
ابواب کو پیش نظر رکھنے کے بعد قرآن کریم اور صحیح حدیث کی مخالفت کر نیوالے کے حق میں یہ الفاظ زیادہ  
سنگین نہیں ہیں۔ ہاں البتہ ان دلائل سے جو شخص واقف ہو اور یہ ناواقف بھی محض دیانت پر مبنی ہو تو اس کے  
لیے مزید احتیاط کی ضرورت ہے، خصوصاً وہ حضرات جو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور جن کی نگاہوں اس طرح یکجا جمع  
کئے ہوئے دلائل نہیں گذر سکے مگر یہ سب دلائل دیکھ کر ضد کر نیوالے کے لیے یہ الفاظ بالکل مناسب ہیں۔



بن ابی وقاص قال ذکر لی ان سعد بن رضی وقاص  
قال وددت ان الذی یقرأ خلف  
الامام فی فیه حجر (عمدة القاری جلد  
۴۷)  
کہ انھوں نے حضرت سعد سے روایت کی  
انھوں نے فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ جو شخص  
امام کے پیچھے قرآن کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر  
ڈالا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض ولد سعد سے مراد موسیٰ بن سعد ہیں۔ محدث مولانا محمد حسن  
صاحب فیض پور می فرماتے ہیں کہ  
رجال اسنادہ ثقات  
اس روایت کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔

(الدلیل المبین ص ۳۴۷)

لہذا مولف خیر الکلام کا عثمان بن عبد الرحمن وقاصی کے متروک اور جھوٹا ہونے سے اس  
مذکور سند کے ضعف پر استدلال کرنا (ملاحظہ ہو ص ۵۲۳) باطل ہے کیونکہ یہ مذکورہ روایت  
صحیح اور اس کی سند کے روایت ثقہ ہیں جن میں ابن بجاد بھی ہیں اور اغلب ہے کہ  
جزء القرآہ میں ابن بجاد ہی کا ابن نجاد بنا ہوا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں  
کہ جس مسئلہ میں چہر صحابہ کرام کے دو یا تین قول ہوں تو ان سب پر اہل علم کے کسی نہ کسی  
طائفہ نے عمل کیا ہے۔

وآیة ذلك ان تظهر فی مثل الموطاء  
وجامع عبد الرزاق روایا تھو اھ  
اور اس کی علامت یہ ہے کہ ان کی روایتیں،  
موطا اور جامع عبد الرزاق میں بیان ہوئی ہوں۔  
(حجة الله جلدا من الطبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ اقوال صحابہ کرام جو موطا اور جامع عبد الرزاق میں ہوں وہ مستند  
اور قابل اعتبار ہیں۔

(۳) قلعوں سواری کے جانوروں اور انسانوں کو جلانے کے بارے حضرت صحابہ کرام میں خلاصہ اختلا  
ہے ایک گروہ جواز کا اور دوسرا عدم جواز کا قائل ہے۔ (فتح الباری ج ۱۵) حافظ ابن حجر نے جلانے کی حدیثوں  
کے منسوخ ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ و ۱۵) لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر  
نے حضرت صحابہ کرام کی موجودگی میں باغیوں کو آگ میں جلایا تھا اور حضرت خالد بن الولید نے بھی مترذل



کو جلا یا تھا اور آگے لکھا: واكثر علماء المدينة يجيزون الخ (فتح الباری: ۲/۲۶۱) اس سے معلوم ہوا کہ نسخہ کا مسئلہ اتفاقی نہیں اغلب ہے کہ حضرت سعد بھی جواز کے قائل تھے ان حضرات کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں وددت سے بڑھ کر لفظ ہممت (کہ میں البتہ قصد اور ارادہ کر چکا ہوں) کے الفاظ آئے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سختہ ارادہ کر چکا ہوں کہ جو لوگ جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔ ان کو گھروں کے اندر بند کر کے آگ میں جلا دوں (بخاری ص ۸۶ و مسلم ص ۲۳۲) نیز آپ نے فرمایا کہ جو لوگ جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوتے ہیں ان کو گھروں میں بند کر کے آگ میں جلا دے گا ارادہ کر چکا ہوں۔ مسلم ص ۲۳۲ و مشکوٰۃ ص ۱۲۱) اور آپ نے فرمایا کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے، تو میں اپنا ارادہ پورا کر چکتا (مسند احمد ص ۱۰۰ و ابوداؤد طیالسی ص ۱۵۳) حضرت سعدؓ نے تو خلافِ شرع کام کرنے والوں کے لیے صرف آگ کے عذاب کی آرزو کی ہے لیکن جناب رحمۃ اللہ علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو مجرموں کو آگ میں جلانے کا قصد تک فرما چکے تھے اور اگر عورتوں اور بچوں کا سوال سامنے نہ آتا تو آپ یقیناً اپنا ارادہ پورا کر گزرتے کیا یہ روایتیں امام بخاریؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہیں؟ اور کیا یہ حدیثیں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قاعدہ کے لحاظ سے لا تغذ بوا بعد اب اللہ کی حدیث کے خلاف ہیں؟ اگر نہیں تو اُمید قوی ہے کہ حضرت سعدؓ کا اثر بھی مخالف نہ ہوگا، بلکہ اس کو بطریقِ اولیٰ مخالف نہ ہونا چاہیے۔

ج: - ”مانتے جس کو نہ تھے لیجئے پہنچے وہاں“

(۳) امام بخاریؒ نے حمادؒ کے قول کی سند بیان نہیں کی تو ایسی بے سند بات کا کب اعتبار رہے؟ علاوہ انہیں اگر حمادؒ کے قول کی سند بھی مل جائے، تب بھی قرآن کریم صحیح احادیث اور آثارِ صحابہؓ کے مقابلہ میں حمادؒ کے قول کی کیا وقعت ہے؟ خود امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ جب ایک چیز آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو جائے تو اسود درجہ وغیرہ کی بات کیسے جھٹ ہو سکتی ہے؟ (جزأ القراءة، ص ۱) سچ ہے نگار خانہ میں طوطی کی کون سنتا ہے؟

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ جو چیز منع ہوتی ہے اس کی تنابھی منع ہوتی ہے آپ کی تنابھی سے پہلے کی ہے اس کے بعد آپ نے منع کیا قرآن کریم میں ہے: لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ... الخ ص ۵۲۳

الجواب: بے شک جو چیز منع ہوتی ہے اس کی تنابھی منع ہوتی ہے لیکن



جن حضرات کے نزدیک آگ میں جلانا جائز ہے ان کے نزدیک اس کی تمنا بھی جائز ہے۔ باقی قرآن کریم میں تمنائے عذاب کی بھی نہیں ہے اس میں حسد سے منع کیا گیا ہے و آں چیزے دیگر است۔

**لطیفہ:** اگر حضرت حماد کے اس قول کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کا — (ملی فوہ سکرا) منہ شکر سے بھر دیا جائے تو بھی اس سے حضرت امام بخاریؒ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اگر عین نماز کی حالت میں قاری کا منہ شکر سے بھرنا مراد ہے تو بجا پارہ قرأت تو کیا کرے گا۔ جہر کے ساتھ آمین بھی نہیں کہہ سکیگا یک نہ شد و شد، بلکہ وہ تو آہستہ آمین کہنے سے بھی رہا اور شکر بھی حضرت حمادؒ نے تھوڑی تجریر نہیں کی بلکہ اچھی خاصی تجریر کی ہے جس سے (ملی فوہ سکرا) اس کا منہ خوب بھر سکے، کیا بعید ہے کہ حمادؒ نے امام کے پیچھے قرأت کی بندش کا یہ طریقہ ایجاد کیا ہو مگر امام بخاریؒ اس کی سطحی مٹھاس کو دیکھ کر ان کو اپنا ہم نوا سمجھ بیٹھے ہوں، مشہور ہے کہ گڑ سے مخالف کو جلدی قابو کیا جاسکتا ہے اور اگر امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کا خارج از نماز شکر سے منہ بھرنا مراد ہے تو اس نماز کے دور میں دوسری اشیاء خوردنی کی طرح شکر کے لیے بھی لوگ سرگرداں پھر رہے ہیں۔ فریق ثانی حضرت حمادؒ کے اس قول کا اعلان کر دے، پھر قدرت خدا کا تماشا دیکھے کہ جماعت کی تعداد کیسے بڑھتی اور اس کو کیسے ترقی حاصل ہوتی ہے؟ بلکہ یہیں تو یقین ہے کہ عوام تو کیا اچھے خاصے محدث بھی حضرت ابوسعید الخدریؓ کی مرفوع حدیث ان احق ما اخذت علیہ اجزا کتاب اللہ (او کہا قال) سے اس شکر خوردی پر استدلال کرتے نظر آئیں گے اور حمادؒ کے زمانہ کی شکر سے اس ترقی یافتہ دور کی شکریدہ جہاز زیادہ سفید اور عمدہ ہے اور بہت ممکن ہے کہ جو لوگ فریق ثانی سے فرعی مسائل میں قدرے دور ہیں (مثلاً پٹھان وغیرہ) اور چائے کے اشد عادی ہیں اور کھانڈ اور شکر نہ پینے کی وجہ سے پریشان ہیں۔ اس شکر کی اعلان کے بعد فریق ثانی کے حلقہ گوش ہو جائیں اور بیماروں کو تو یونانی قدحوں پر قدحے پینے کے لیے شکر مل جائیگی۔ غرضیکہ اس اعلان کے بعد سورہ فاتحہ کی برکت سے ہر کس و ناکس کو اس کا سورہ الشفاء اور سورہ



السوال وغیرہ ہونا آسانی سے سمجھا سکتا ہے اور اس کی برکت سے ہمیں توفیق حاصل ہے ہی، فریق ثانی کو بھی بڑی فتح اور کامرانی حاصل ہوگی۔ الغرض امام بخاریؒ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے لیے شکر تحریر فرمائی اور عین نماز کی حالت میں جیسا کہ ان ظاہری الفاظ سے متبادر ہوتا ہے مگر یہ خیال نہ کیا کہ گھر کس کا پورا ہو رہا ہے؟ سچ ہے۔

ع۔ میری تعمیر میں مضمحل ہے اک صورت خرابی کی

حضرات! حضرات صحابہ کرامؓ کے ان مختصر سے آثار کے بعد مشتے نمونہ از خروا کے طرہ پر بعض حضرات تابعینؓ و اتباع تابعینؓ وغیرہم کے کچھ آثار آپ کے سامنے عرض کیے جاتے ہیں تاکہ آپ کو حضرات تابعینؓ وغیرہم کا نظریہ بھی بسلسلہ قرأت خلف الامام معلوم ہو سکے اور اختصاراً نقل سند کے بعد ہم روایت کی توثیق بھی عرض کریں گے اور فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات کے جوابات بھی عرض کر دیے جائیں گے۔

اثر علقمہ بن قیسؓ (المتوفی سنہ ۹۸ھ) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے امام ابو حنیفہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حمادؒ نے بیان کیا۔ وہ ابراہیم نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

۱۔ علامہ ذہبیؒ ان کو امام بارع لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۴۱) امام نوویؒ ان کو صاحب کمال فقیہ لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۳۲) علامہ ابن سعدؒ ان کو کثیر الحدیث لکھتے ہیں (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۹۲) ابو ظبیانؒ کا بیان ہے کہ میں متعدد حضرات صحابہ کرامؓ کو علقمہؒ سے مسائل پوچھتے اور استفادہ کرتے دیکھا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۶۸) حماد بن ابی سلیمانؒ، امام مسلمؒ اور دیگر محدثینؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے (ابواب المصنوع جلد ۱ ص ۲۲۶) امام احمدؒ ان کی تصریف کرتے تھے اور ان کو قابل اعتبار سمجھتے تھے۔ امام معمرؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام ذہبیؒ، حماد اور قتادہ سے بڑھ کر دین کی سمجھ رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ امام ابن معینؒ، عجلؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں، ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور مستقیم لکھتے ہیں۔ ابن عدیؒ لا باس بہ کہتے ہوئے ان کی توثیق کرتے ہیں۔ (تہذیب

التہذیب جلد ۳ ص ۱۶۱ و ۱۶۲)

۳۔ ان کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔



ماقرأ علقمة بن قیس قطعیما یجھ فیہ  
ولا فیما لا یجھ فیہ ولا الرکتین الاخیریین  
ام القرآن ولا غینھا خلف الامام۔  
(بحوالہ تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۹۰)  
علقمة بن قیسؒ نے امام کے پیچھے کبھی کسی نماز میں  
قرآن نہیں کی نہ جہری نمازوں میں اور نہ ستری میں  
(نہ پہلی رکعتوں میں اور نہ پچھلی رکعتوں میں، نہ  
سورۃ فاتحہ اور نہ کوئی سورت امام کے پیچھے وہ  
کچھ بھی نہیں پڑھتے تھے۔

اور یہ اثر اپنے مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ حضرت علقمةؒ امام کے پیچھے کسی نماز  
میں کوئی قرآن نہیں کیا کرتے تھے۔

اعتراض: مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اولاً۔ اگرچہ حماد ثقہ تھے مگر مدلس  
اور مختلط تھے۔ وثانیاً۔ ابراہیم نخعیؒ کی علقمةؒ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ لہذا یہ روایت  
صحیح نہیں ہے۔ (ابکار المنہ ص ۱۶۹)

جواب: جب حماد ثقہ ہیں اس روایت میں اختلاط سے کوئی فرق نہیں پڑیگا کیونکہ محدثین نے اس امر کی تصریح  
کی ہے کہ انکو اختلاط کا عارضہ آخر میں ہی ہوا تھا اور ابراہیم نخعیؒ کی روایتوں میں مختلط نہیں کرتے تھے (تہذیب التہذیب ص ۱۶۹)

مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ اور سفیانؒ اور ان کے طبقہ کے مدلسین کی تدلیس مضر  
نہیں ہے۔ علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ نے علقمةؒ سے سماعت کی ہے۔

(تذکرہ جلد ۱ ص ۱۶۹ و تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۶۹) اس لیے مبارکپوری صاحبؒ کا یہ دعویٰ کرنا کہ ابراہیم  
نخعیؒ نے علقمةؒ سے ملاقات نہیں کی مردود ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ابراہیم نخعیؒ  
کی ملاقات علقمةؒ سے نہیں ہوئی تو یہ روایت مرسل ہوگی۔ اور امام دارقطنیؒ، امام طحاویؒ، حافظ  
ابن قیمؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ کی مرسل روایتیں بھی حجت اور  
صحیح ہیں۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۳۶۱، طحاوی جلد ۱ ص ۱۳۳، زاد المعاد جلد ۲ ص ۲۵۲ و درایہ ص ۱) اور امام

بیہقیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ مراسلات ابراہیم صحیحۃ الاحادیث تاجر البحرینؒ۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۶۸)

یہ یاد رہے کہ یہ روایت صرف مرسل ہی نہیں بلکہ مسند اور مرفوع بھی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرما  
ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا کہ حضرت! میں بحرین کے علاقہ میں  
تجارت کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ آپؐ فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھو (رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ موثقون مجمع الزوائد  
جلد ۲ ص ۲۸۳)



کہ تاجربین کے مضمون والی روایت کے علاوہ ابراہیمؒ کی تمام مرسل روایتیں صحیح ہیں، بہر حال یہ روایت فن روایت اور محدثین کے اصول کے ماتحت بالکل صحیح اور حجت ہے۔  
 اثر عمر بن میمونؒ (المتوفی ۱۷۷ھ) وغیرہ ابو بکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں ہم سے یزید بن ہارونؒ نے بیان کیا، وہ اشعثؒ سے اور وہ مالک بن عمارہؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحابؓ اور تلامذہ سے جن میں خصوصیت سے عمر بن میمونؒ قابل ذکر ہیں۔ امام کے پیچھے قرآنہ کرنے سے متعلق سوال کیا۔ کلہم یقولون لویقرأ خلف الامام (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۹) تو ان سب نے جواب یہ دیا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہئے، محقق نیمویؒ نے فرمایا تھا کہ مجھے مالک بن عمارہؒ کا ترجمہ نہیں مل سکا، مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ تو اس اثر کا پیش کرنا بے سود ہے۔ (ابکار المنیر ص ۱۶۸) مگر ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ مالک بن عمارہؒ ہیں جو ثقہ اور ثبوت تھے اور یہ اثر بھی صحیح ہے، حضرت علیؒ جب کوفہ تشریف لے گئے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ

لہ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الامام لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۱)

لہ ان کا ترجمہ گذر چکا ہے۔ لہ وہ ثقہ متقن اور عابد تھے (تقریب ص ۱۲)

لہ اشعث بن ابی الشعثاءؒ، امام ابن معینؒ، ابو حاتمؒ، نسائیؒ، ابو داؤدؒ اور برادر سب ان کو ثقہ کہتے ہیں، عجلؒ ان کو شیوخ کوفہ اور ثقات میں لکھتے ہیں اور ابن حبانؒ اور ابن شائبہؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔

تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۵۵، حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تقریب ص ۱۲)

لہ یہ مالک بن عمارہؒ نہیں بلکہ مالک بن عامرؒ ہیں جو اشعثؒ سے روایت کرتے ہیں (دیکھئے تہذیب

التہذیب جلد ۱ ص ۳۵۵ وغیرہ) علامہ ذہبیؒ ان کو صاحب ابن مسعود قدیم الموت اور ثقہ لکھتے ہیں،

(میزان جلد ۱ ص ۳) امام ابن معینؒ، ابو داؤدؒ اور ابن سعدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے

ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۲) حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۲) ابو عطاءؒ ان کی

کنیت تھی بخاری ص ۶۵ اور ترمذی جلد ۱ ص ۸۸ میں ان کا ذکر ہے۔

لہ نواب صاحبؒ نے اصحاب علیؒ اور عبداللہ بن مسعودؒ سے اٹھائیس کے نام بتلائے ہیں جو جلیل القدر محدث

اور امام تھے۔ (المنہ ص ۱)



اصحاب عبد اللہ شرح هذه القرية (طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۶۷) عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب اس شہر کے روشن چراغ ہیں اور آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ اصحاب عبد اللہ سب کے سب امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے اور یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔

اثر اسود بن یزید (المتوفی ۷۵ھ) ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں ہم سے ابن علیؓ نے بیان کیا۔ وہ ایوبؓ اور ابن ابی عروبہؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ دونوں ابو معشرؓ سے وہ ابراہیم نخعیؓ سے اور وہ اسود بن یزیدؓ سے۔

قال لون اعرض جبرۃ احب الی من ان اقراء  
خلف الامام اعلم انه یقرأ۔

(آثار السنن جلد ۱ ص ۱)

انہوں نے فرمایا کہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ اپنے منہ میں آگ کی چنگاری

ڈال لوں بجائے اس کے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں جبکہ مجھے علم ہے کہ وہ پڑھتا ہے۔

یہ روایت بھی اپنے مدلول میں واضح ہے۔ مبارکپوری صاحب نے ابراہیم نخعیؓ کی تدلیس کا بہانہ کیا ہے۔ (ابکار وغیرہ) مگر بے سود ہے کیونکہ یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ علامہ فریبیؒ ان کو امام فقیہ، زاہد، عابد اور کوفہ کا امام لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۳۳) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۱۳۲) محدث ابن حبانؒ ان کو فقیہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۳۲) حافظ ابن کثیرؒ ان کو من کبار التابعین اور من اعیان اصحاب ابن مسعودؓ اور من کبار اهل الکوفة لکھتے ہیں (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۳۲)

ان کا نام اسماعیل بن ابراہیم بن مقسمؓ تھا، جو ثقہ اور حافظ تھے۔

ایوبؓ کا ترجمہ باب اول میں حضرت ابن مسعودؓ کے اثر کے تحت اور ابن ابی عروبہؓ کا باب دوم حدیث ۱۷ کے فیل میں گزر چکا ہے۔

ابو معشرؓ کا نام زیاد بن کلیبؓ تھا۔ محدث عجلؓ، نسائیؒ، ابن مدینیؒ اور ابو جعفر بستیؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو حفاظ متقین میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۳۸)



ابراہیم نخعیؒ اس طبقہ کے مدلس تھے جن کی تدلیس مضر نہیں ہے اور ان کی جملہ روایتیں (غلا وہ ایک روایت تاجہ بھرین کے) حجت ہیں، چنانچہ علامہ فرہبیؒ لکھتے ہیں: قلت استقر الومر علی ان ابراہیم حجتہ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۳۵) میں کہتا ہوں یہ سب طے شدہ بات ہے کہ ابراہیم حجت تھے۔

**دوسری سند:** ابو بکر بن ابی شیبہؒ، ہشتمؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسمعیلؒ بن ابی خالد نے بیان کیا۔ وہ دبرہؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت اسود بن یزیدؒ سے وہ فرماتے ہیں قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام ملى فاه قرابا (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۹۰) کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔

**تیسری سند:** عبدالرزاق بن ہمامؒ اپنے مصنف میں سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام اعظمؒ سے اور وہ ابراہیم نخعیؒ سے اور وہ اسود بن یزیدؒ سے وہ فرماتے ہیں کہ

قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام ملى فوه قرابا (الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۹) میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔

۱۔ ہشتم بن بشیر ثقہ اور ثبت لیکن کثیر التدلیس تھے (تقریب ص ۳۸۱) مگر اس روایت میں وہ تخریث کرتے ہیں۔

۲۔ امام ابن ہدی، ابن معین، نسائی اور عجلان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن عمار موصیٰ ان کو حجت اور یعقوب بن سفیان ان کو ثقہ اور ثبت کہتے ہیں۔ ابو حاتم، یعقوب بن شیبہ، ابن حبان اور ابن صبیہ ان کو ثقہ، ثبت اور حافظ کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۹۱)

۳۔ دبرہ بن عبدالرحمنؒ امام ابو زرہؒ، ابن معین اور عجلان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً جلد ۱ ص ۱۱۱)

۴۔ عبدالرزاق بن ہمامؒ کا ترجمہ اثر حضرت علیؒ میں اور سفیان ثوریؒ کا مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ بقیہ روایت کا ترجمہ بھی گذر چکا ہے۔ امام اعظمؒ ثقہ اور حافظ تھے (تقریب ص ۱۶) البتہ مدلس تھے، لیکن حضرت قتادہؒ کی بحث ملاحظہ فرمائیے کہ ان کی تدلیس بھر مضر نہیں ہے۔



غالباً حضرت اسود کے یہی وہ الفاظ ہیں، جن پر حضرت امام بخاری بہت ناراض ہوئے ہیں (دیکھئے جزا القرآۃ ص ۱۱۱)

اثر سوید بن غفلہ (المتوفی ۳۸۵ھ) ابو بکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے فضل بن دکین نے بیان کیا۔ وہ زہیرؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ ولید بن قیسؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سوید بن غفلہ سے سوال کیا۔ اقرأ خلف الامام فی الظہر والعصر قال لا (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۱۱۱) کیا میں ظہر اور عصر کی نمازیں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟ فرمایا نہیں، اس اثر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سائل کو دوسری نمازوں کے بارے میں تو یہ علم تھا کہ ان میں امام کے پیچھے قرأت صحیح نہیں ہے۔ لیکن اس کو صرف ظہر اور عصر کی نمازیں قرآۃ خلف الامام کے بارے میں تردید تھا۔ سو حضرت سویدؒ نے اس کا یہ مغالطہ بھی نکال دیا ہے۔

اعتراف: مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ سند میں ولید بن قیسؒ صحیح ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ مقبول لکھتے ہیں (تقریب ص ۳۸۶) اور علامہ بیہقی نے جل المتین میں لکھا ہے کہ جس اوی کے متعلق حافظ ابن حجرؒ مقبول کہتے ہیں وہ کمزور ہوتا ہے۔ لہذا یہ اثر کمزور ہے (ابکار المنہج ص ۱۹۶) جواب: جل المتین ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ نہ معلوم محقق

۱ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ثقہ بلند مرتبہ عابد، زاہد، قانع بالیسیر اور کبیر الشان تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۱۱) امام ابن معینؒ اور عجلؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، محدث ابن قانعؒ ان کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۸۸) حافظ ابن کثیرؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت سوید بن غفلہؒ نے فرمایا کہ میں آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہم عمر ہوں کیونکہ میری ولادت بھی عام قبل میں ہوئی ہے اور امام بیہقیؒ ان سے یہ نقل کرتے ہیں کہ میں آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے صرف دو سال عمر میں چھوٹا ہوں (البیہقی والہیاء جلد ۲ ص ۲۹۲)

۲ ابو بکر بن ابی شیبہؒ اور فضل بن دکینؒ کا ترجمہ گذر چکا ہے۔

۳ زہیر بن معاویہؒ ثقہ اور ثبت تھے (تقریب ص ۱۱۱)

۴ ولید بن قیسؒ سکونی امام ابن معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام نسائیؒ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقہات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۱۱) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب ص ۳۸۶)



نیموئی یہ کہیں راوی اور کس موقع اور محل لکھا ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس راوی کے متعلق لکھا ہو، جس کو دیگر محدثین کمزور بتاتے ہوں اور صرف حافظ ابن حجر ہی اس کو مقبول کہتے ہوں اور ولید بن قیس کو تو دیگر محدثین بھی ثقہ کہتے ہیں۔ علاوہ بریں مبارکپوری صاحب کو یہ مغالطہ ہوا ہے۔ یہ راوی ولید بن قیس ثقیفی نہیں جن کو حافظ ابن حجر مقبول لکھتے ہیں (اور محدث عجل تابعی اور ثقہ لکھتے ہیں۔ اور ابن حبان ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۲۳) بلکہ یہ ولید بن قیس سکونی ہیں جو نہ میر سے روایت کرتے ہیں (دیکھتے تہذیب التہذیب ص ۱۲۶) ع: میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

۱۰ اثر نافع بن جبیر (المتوفی ۳۹۷ھ) امام مالک یزید بن رومان سے روایت کرتے ہیں اور وہ نافع بن جبیر سے کان یقر خلف الثمالیما (یجھس فیہ الامام) (موطا امام مالک ص ۲)

۱۱ محقق نیموئی کا نام ظہیر حسن ابوالخیر کنیت اور شوق تخلص تھا۔ آپ مولانا علامہ محمد عبدالرحمن لکھنوی (المتوفی ۱۲۳۷ھ) کے شاگرد رشید تھے، بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ تھے، فن اسماہ الرجال پر گہری نظر رکھتے تھے، اور خدا واد ذہانت اور فطانت میں قاضی شوکانی سے بھی انکا پایہ بہت بلند تھا۔ مگر افسوس کہ ناپائیدار زندگی نے ساتھ نہ دیا اور ان کی قابلیت کے پورے جہر ابھی اچھی طرح ابجا کر نہ ہوئے تھے کہ، مار رمضان ۱۲۲۲ھ میں اللہ تعالیٰ کو پیار سے ہو گئے۔ آپ کی مشہور کتاب آثار السنن (مع حاشیہ تعلیق الحسن) کو علامہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور فریق ثانی کی نگاہوں میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے، مولانا مبارکپوری صاحب نے ابکار المنن لکھ کر اپنی جماعت کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ آثار السنن کا جواب ہے، مگر وہ بری طرح اس میں ناکام رہے ہیں، فریق ثانی کے چیدہ چیدہ علماء کو بلکہ خود مبارکپوری صاحب کو بھی اس کا گہرا احساس تھا اور میر سلیم الطبع آدمی اس ٹھوس نظریہ کا یقیناً احساس کر سکتا ہے ولید بن قیس کا المعاینۃ۔

۱۲ امام نووی لکھتے ہیں کہ نافع بن جبیر امام اور فاضل تھے۔ ان کی توشیح اور جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسماہ جلد ۱ ص ۱۲۱) ابن خراش کہتے ہیں کہ وہ ثقہ مشہور اور امام تھے۔ وہ مدینہ طیبہ کے صاحب افتار علماء میں تھے اور ان کے فتاویٰ معتبر سمجھے جاتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۰۵) حافظ ابن کثیر ان کو من الثقات النبلاء اور من الثقات الوجلاء لکھتے ہیں (الہدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۰۵) حضرت امام مالک کا ترجمہ مقدمہ میں گذر چکا ہے، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)



کہ وہ امام کے پیچھے صرف ان نمازوں میں قرأت کرتے تھے جن میں امام جہر سے قرأت نہیں کرتا تھا۔ اگر ہر نماز اور ہر رکعت میں امام کے پیچھے قرأت سورۃ فاتحہ ضروری ہوتی۔ تو حضرت نافع بن جبیرؓ سب نمازوں میں امام کے پیچھے قرآۃ کیا کرتے، مگر وہ صرف ستر نمازوں میں قرأت کرتے تھے۔ اور کیا بعید ہے کہ امام مالکؓ وغیرہ کی طرح وہ بھی استحباب کے قائل ہوں اگر وہ وجوب کے بھی قائل ہوں۔ تب بھی فریق ثانی کی جہری نمازوں میں بطلان نماز کی رٹ تو غلط ہو جائیگی۔ وعلیٰ ہذا القیاس ہم جتنے آثار نقل کریں گے، جن میں صرف جہری نمازوں میں امام کے پیچھے ترک قرأت کا ثبوت ہوگا۔ ان سے ہمارا مدعا بھی محض یہ ہے کہ فریق ثانی کا عمومی نظریہ صحیح نہیں ہے اور بس گو ان میں ستر نمازوں کے اندر قرأت کا ثبوت بھی ہوگا، استحبابی طور پر ہو یا وجہی طور پر بہر حال ہمارا مطلب اور مدعا واضح ہے۔

اثر سعید بن المسیبؓ (المتوفی ۹۳ھ) ابو بکر بن ابی شیبہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے وکیعؓ نے بیان کیا۔ وہ ہشامؓ دستوائیؓ سے اور وہ حضرت سعید بن المسیبؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: انصت للامام (آثار السنن جلد اول) یعنی امام کے پیچھے بالکل خاموشی اختیار کرو، اور قرأت نہ کیا کرو۔ حضرت سعید بن المسیبؓ کا ایک اثر باب اول میں نقل کیا جا چکا ہے اور یہ اثر بھی اپنے معنوی اعتبار سے واضح ہے۔

اعتراض: مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اولاً۔ اس اثر کی سند میں قتادہ مدلس ہیں، جو عنعنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ثانیاً۔ امام بخاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیبؓ، عروہؓ، شعبیؓ، عبد اللہ بن نافعؓ، جبیرؓ، ابو الملیحؓ، قاسم بن محمدؓ، ابو مجلزؓ، مکحولؓ، مالکؓ بن عوفؓ اور سعید بن ابی عروہؓ قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ (جزء القراءة ص ۱) لہذا یہ اثر حجت نہیں ہو سکتا (ابکار المنن وغیرہ)

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) یزید بن رومانؓ کو امام نسائیؒ رح اور ابن معینؓ ثقہ کہتے ہیں۔ علامہ ابن حبانؓ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ علامہ ابن سعدؓ ان کو عالم، کثیر الحدیث اور ثقہ کہتے ہیں (تہذیب ۱) ۳۲۵  
۱۔ ہشام دستوائیؓ ثقہ اور ثبت تھے (تقریب ص ۳۸) حضرت سعید بن المسیبؓ کا ترجمہ باب اول میں اور قتادہ وکیعؓ اور ابو بکر بن ابی شیبہؓ کا باب ثانی میں نقل ہو چکا ہے۔ وہاں ہی ملاحظہ کر لیں۔



جواب: حضرت قتادہؓ کی تدلیس کا مفصل جواب پہلے دیا جا چکا ہے اور حضرت سعید بن المسیبؓ کے بسند صحیح و اثر ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات بحث نہیں ہو سکتی۔ اور حضرت عروہ بن زبیرؓ نافع بن جبیرؓ اور قاسم بن محمدؓ وغیرہ کو مطلقاً مجزین قرأت خلف الامام میں شمار کرنا باطل ہے بعض کے آثار اس کے خلاف نقل کیے جا چکے ہیں اور بعض کے عرض کر دیے جائیں گے۔ اور بقیہ آثار کی اسانید پر آثار خصوم میں بحث کی جائیگی۔ انشاء اللہ العزیز۔

اثر سعید بن جبیرؓ (المستوفی ص ۹۴) ابو بکر بن ابی شیبہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمیشہ میں نے بیان کیا۔ وہ ابوشیر سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے سوال کیا۔

عن القراءة خلف الامام قال ليس خلف الامام قراءة۔  
کیا امام کے پیچھے قرأت کی جاسکتی ہے؟ فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی قسم کی کوئی قرأت نہیں کی جاسکتی۔ (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۹)

اعتراض: مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اولاً — ہمیشہ مدلس تھے۔ اور عنقتہ سے روایت کرتے ہیں و ثانیاً — حضرت سعید بن جبیرؓ سکتا امام میں قرأت کے قائل تھے (جزء القراءة ص ۵) اس لیے یہ اثر قابل احتجاج نہیں ہو سکتا۔ (ابکار المنن ص ۱۶ وغیرہ)

جواب: یہ بالکل صحیح ہے کہ ہمیشہ کثیر التدلیس تھے، لیکن حضرت امام بخاریؒ اور علامہ ذہبیؒ ان کی معنعن حدیث سے استدلال کرتے ہیں (دیکھئے صحیح بخاریؒ جلد ۱ ص ۱۰۷ تذکرہ ج ۱ ص ۲۴ وغیرہ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تدلیس بھی مضر نہیں ہے، مزید تائید کے لیے

۱۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ علماء اعلام میں تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۹۵) امام نوویؒ کا بیان ہے کہ وہ تابعین کے ائمہ کبار میں تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عبادت اور زہد و ورع اور جملہ کمالات میں وہ کبار ائمہ اور سرگروہ تابعینؓ میں تھے۔ (تہذیب الاسما جلد ۱ ص ۲۱۶)

۲۔ ابوشیرؓ کا نام جعفرؓ بن ایاسؓ تھا اور وہ ثقہ تھے (تقریب ص ۶) ہمیشہ مدلس کا اثر جو پہلے گزر چکا ہے۔



ایک اور روایت سن لیجئے امام ابن جریر عبد اللہ بن مبارک کے طریق سے روایت کرتے ہیں اور وہ یقیہ بن ولید سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بن عجلان سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے سنا۔ انھوں نے فرمایا کہ آیت واذا قرئ القرآن... الا یہ خطیبہ، جمعہ اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کی نعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۸۳) اور سعید بن جبیر کے سکتا والے اثر کا جواب باب اول اعتراض کے جواب میں دیکھ لیں کہ نہایت کمزور اور ضعیف ہے۔

اثر عروہ بن زبیر (المتوفی ۹۴ھ) امام مالک ہشام بن عروہ اور وہ اپنے والد عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں:

انہ کان یقرأ خلف الامام اذ المویجھہ  
فیہ الامام بالقرأة (موطا امام مالک  
ص ۱۱۱ و کتاب القرأة ص ۱۱۱)

اثر ابراہیم نخعی (المتوفی ۹۶ھ) ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو خالد نے بیان کیا وہ اعشش سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

امام ذوی لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب بشار ہیں، ان کی جلالت علم نے مرتبت اور وفور علم پر سب کا اتفاق ہے فقہ میں ان کو اتنا کمال حاصل تھا کہ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاریں ایک فقیہ مانے جاتے تھے (تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۳۳۱) علامہ ذہبی ان کو الامام اور عالم مدینہ لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۵۳) علامہ ابن سعد ان کو ثقہ ثبت کثیر الحدیث فقیہ اور بلند قدر لکھتے ہیں (طبقات ابن سعد

جلد ۵ ص ۱۳۳) ان کا علمی کمال اس قدر مسلم تھا کہ بڑے بڑے حضرات صحابہ کرام مسائل ان کی طرف رجوع کرتے تھے (البدایہ والنہایہ ۹ ط ۱) اس کمال کے باوجود اس قدر محتاط تھے کہ کوئی مسئلہ محض اپنی رائے سے نہ بیان کرتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۸۳)

امام ذہبی ان کو الامام، الحافظ، الحجۃ الفقیہہ لکھتے ہیں (تذکرہ ۱ ص ۱۳۹) خالد الاثر کا ترجمہ باب دوم حدیث میں اور ابراہیم نخعی کا مقدمہ میں اور امام اعشش کا حضرت اسود

اثر ابراہیم نخعی (المتوفی ۹۶ھ) ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو خالد نے بیان کیا وہ اعشش سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:



اقول ما احده ثوالقراءة خلاف الامام  
وكانوا لا يقرأون (البحر المنقى جلد ۲ ص ۱۶۹)  
یعنی لوگوں نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی  
بدعت ایجاد کی ہے۔ اور وہ (یعنی حضرات  
صحابہ کرامؓ و تابعینؓ) امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا  
بھی نقل کیا ہے۔ (شرح مقنع جلد ۲ ص ۱۲) کرتے تھے۔

امام ابن قدامہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ لوگوں نے امام کے پیچھے  
قرأت کرنے کی بدعت مختار کے زرائع نکالی، کیونکہ وہ لوگوں کو دن کی نمازیں تو پڑھا  
دیا کرتا تھا۔ مگر رات کی نمازیں نہیں پڑھاتا تھا (اور حاکم ہونے کے باعث ناچار لوگوں  
کو اس کے پیچھے نمازیں پڑھنی پڑتی تھیں اس لیے) اس سے بدظن ہو کر لوگوں نے اس  
کے پیچھے قرأت شروع کر دی (معنی ابن قدامہ جلد اٹھ) اگر یہ نقل صحیح ہے تو  
امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بدعت ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت مل سکتا  
ہے؟ تسلیم کرنے والے کے لیے یہ دلائل بڑے مضبوط اور ٹھوس ہیں البتہ نہ ماننے والے کا  
کوئی علاج نہیں۔

اثر قاسم بن محمد (المتوفی سنہ ۳۸۰ھ) امام مالکؒ کی سچی بن سعید اور امام ربیعہ بن عبد الرحمنؒ

نے علامہ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ قاسم بن محمد امام القدرہ اور الفقیہ تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۹) علامہ ابن سعدؒ  
لکھتے ہیں کہ وہ رفیع المنزلت و عالی مرتبت فقیہ امام اور بڑے حافظ حدیث تھے اور متورع تھے (طبقات  
جلد ۵ ص ۱۲۳) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وہ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کی جلالت و شوق اور امام پرست  
سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسما جلد ۵ ص ۵۵) حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ احد الفقہاء المشہورین  
اور افضل اہل مدینہ اور اعلم اہل زمانہ تھے (الہدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۲۵) امام مالکؒ فرماتے تھے کہ قاسمؒ  
اس امت کے فقہار ہیں تھے (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۸) ابوالزنادؒ لکھتے ہیں کہ میں نے قاسمؒ  
سے زیادہ سنت کا عالم اور فقیہ نہیں دیکھا (تذکرہ ص ۹)

علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ شیخ الاسلام، عالم اور قاضی المدینہ لکھتے ہیں (ایضاً ص ۱۲۸)  
علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ امام، حافظ، فقیہ اور مجتہد تھے۔ علامہ خطیبؒ کا بیان ہے کہ وہ  
فقیہ، عالم اور حافظ فقہ اور حدیث تھے (ایضاً جلد ۱ ص ۱۲۸)



سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت قاسم بن محمدؒ سے کہ وہ کان یقرأ خلف الامام فیہا  
لا یجہر فیہ الامام بالقراءة (موطا امام مالک ص ۲۹) صرف ان نمازوں میں امام کے  
پچھے قرأت کیا کرتے تھے جن میں امام جہر سے قرأت نہیں کرتا تھا۔ یہ اثر بھی جہری نمازوں میں  
قرآن القراءت خلف الامام کے بارے میں بالکل روشن اور واضح ہے۔

امام اوزاعیؒ (المتوفی ۱۵۷ھ) بھی امام کے پچھے قرأت کے قائل نہ تھے۔ جیسا کہ امام  
ابن قدامہؒ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ سے معلوم  
ہوتا ہے کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پچھے قرأت کے قائل تھے لیکن صرف استحباب  
کے طور پر چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

ومذہب طائفة کثیر وزاعی وغیرہ  
من الشامیین یقرأھا استحبابا وھو  
اختیار جہنا امتھی (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۲۶)  
اور ایک گروہ کا یہ مسلک ہے جیسے امام اوزاعیؒ  
اور ان کے علاوہ دوسرے شام میں رہنے والے  
علماء کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا صرف استحباب کے  
درجے میں ہے اور اسی مسلک کے ہمارے دادا  
نے اختیار کیا۔

کیا بعید ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت مکحولؓ وغیرہ شامی علماء اور ائمہ  
وغیرہ من الشامیین کی مد میں شامل ہوں اور امام کے پچھے قرأت سورۃ فاتحہ کے صرف  
استحباب کے قائل ہوں؟ آخر شیخ الاسلامؒ کی بات ہے اور اس کی مزید تشریح اپنے مقام پر  
آئے گی۔ امام اوزاعیؒ کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

امام سفیان ثوریؒ (المتوفی ۲۵۵ھ) بھی سری اور جہری کسی نماز میں امام کے پچھے کسی قسم  
کی قرأت کے قائل نہ تھے (جیسا کہ تفسیر معالم التنزیل جلد ۲ ص ۴۲۶ اور تحفۃ الاحوذی جلد ۱  
ص ۲۵۷ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے) اور امام سفیان ثوریؒ کا ترجمہ مقدمہ میں  
نقل کیا جا چکا ہے۔

۱۔ علامہ ذہبیؒ ان کو امام ماجتہ شیخ الاسلام اور احد الاعلام لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۷۸) مجدالدین لقب  
عبد السلام نام اور ابو البرکات کنیت تھی (دیکھئے الجنة من فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنة)



امام لیث بن سعد (المتوفی ۱۷۵ھ) کا مسلک بھی ترك القراءة خلف الإمام تھا جیسا کہ مغنی ابن قدامہ کے حوالہ سے مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ حضرت مولانا السید علامہ بکر العلوم، سید الحافظ محمد انور شاہ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ ان کا مسلک بھی امام کے پیچھے ترك قراءة ہی تھا جیسا کہ حافظ ابو عمر بن عبد البر نے استفادہ میں لکھا ہے اور وجوب کا مسلک تو ہرگز نہ تھا جیسا کہ شیخ الاسلام نے (فتاویٰ جلد ۱ ص ۱۲۲) میں لکھا ہے (فصل الخطاب ص ۸) امام ابن سبک کا ترجمہ بھی مقدمہ میں گزر چکا ہے۔

امام عبد اللہ بن المبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابو وائل حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کرو، بلکہ خاموش رہا کرو۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنی چاہیے، کیونکہ انصاف جہری نمازوں میں ہی ہو سکتا ہے (جزء القراءة ص ۸) اور جہری نمازوں میں ان کا محقق مسلک امام کے پیچھے ترك القراءة ہی تھا (معالم التنزیل جلد ۳ ص ۶۶۲، روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۵ اور تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۷ وغیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے) اور تبیض الصحیفہ مصنف علاء سیوطیؒ جو اپنے وقت کے سب سے بڑے حافظ تھے (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۱۲) کے حوالہ سے یہ بات نقل کی جا چکی ہے کہ امام عبد اللہ بن المبارک نے فرمایا کہ جس مسئلہ پر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ مجتمع ہو جائیں تو وہی میرا مسلک ہو گا اور چونکہ یہ دونوں بزرگ سنیوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے۔ اس لیے یہی مذہب امام ابن مبارک کا ہو گا۔

امام عبد اللہ بن وہب (المتوفی ۱۹۷ھ) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام ابن وہب کا مسلک بھی امام ابن عیینہ کی طرح امام کے پیچھے ترك قرأت ہی ہے (فصل الخطاب) اور محدث مولانا محمد زکریا صاحب اس کی تصریح کرتے ہیں کہ امام ابن وہب اور علامہ اشہبؒ وغیرہ مالکی علماء کا یہی مسلک تھا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے۔

(ادب السالک جلد ۱ ص ۲۳۹) اور امام ابن وہب کا ترجمہ حدیث ۷۱ کے ذیل میں نقل کیا جا چکا ہے۔



امام سفیان بن عیینہ (المتوفی ۱۹۸ھ) امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے قتیبہ بن سعید<sup>۱</sup> اور ابن ابی السرح نے بیان کیا، وہ دونوں حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عبادہ بن الصامت کی مرفوع حدیث (وَصَلَاةُ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا) کا یہ مطلب بیان کیا لِمَنْ يَصَلِّي وَحْدَهُ (ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۱۹) یعنی جو شخص تنہا نماز پڑھتا ہو تو اس کو سورہ فاتحہ کی قرأت کرنی ہوگی، اور یہ حدیث مقتدی کو شامل نہیں ہے، مطلب ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کی جاسکتی امام ابن عیینہ کا ترجمہ بھی مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے اور ابن ابی السرح کا ترجمہ باب دوم حدیث میں نقل ہو چکا ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ (المتوفی ۲۴۵ھ) امام بغوی علامہ آلوسی اور مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ امام موصوف جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے (معالم التنزیل جلد ۲ ص ۶۲۴، روح المعانی جلد ۹ ص ۱۳۵ اور تحفۃ الاخوان جلد ۱ ص ۲۵۴) امام موصوف کا ترجمہ مقدمہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

قارئین کرام! ہم نے بعض حضرات تابعین و اتباع تابعین کے آثار باب اول میں (مثلاً حضرت محمد بن کعب، مجاہد بن جبر، حسن بصری، ابو عالیہ الریاحی اور امام زہری وغیرہ کے آثار) اور بعض دیگر اکابر علماء امت اور حضرات ائمہ اربعہ کے اقوال مقدمہ میں پوری تفصیل کے ساتھ عرض کر دیے ہیں اور گوان کے علاوہ ابھی بہت سے آثار اور اقوال اس مضمون کے موجود ہیں۔ لیکن چونکہ ان حضرات کے مسلک کے سمجھنے میں فریق ثانی کو ایک نمایاں غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس لیے ہم نے خصوصیت کے ساتھ ان کے نام پیش کیے ہیں۔ ورنہ مقدمہ میں اجماع نقل کیا جا چکا ہے اور اس کے بعد مزید کسی اور صراحت اور وضاحت اور تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

وفیه کفایۃ لمن لہ ہدایۃ۔

۱۔ امام ابو داؤد صاحب سنن (المتوفی ۲۵۵ھ) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ الامام، الثبت اور سید الحفاظ تھے (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۵۲)

۲۔ قتیبہ بن سعید کو علامہ ذہبی الشیخ، الحافظ اور محدث خراسان لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۲ ص ۳)



حضرات! آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ آیت و اذ اقرئ القرآن... الویۃ کا شان نزول صحیح روایات اور اجماع امت سے قرآنہ خلف الامام کا مسئلہ ہے اور اکیس عدد صحیح اور مرفوع روایات سے امام کے پیچھے قرأت کی مانعت اس کتاب میں ثابت کی جا چکی ہے۔ اور ان حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے اور متعدد صحیح اور مرفوع حدیثوں سے خاص فاسخ کا لفظ بھی نقل کیا جا چکا ہے اور فریق ثانی کی ہر طرح سے منہ مانگی مرادیں بھی پوری کی جا چکی ہیں اور حضرات صحابہ کرامؓ کی وہ جماعت جن سے باقرار فریق ثانی، دین، علم فقہ اور حدیث مروی اور منقول ہے۔ وہ بھی امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہیں تھے۔ اور حلیل القدر حضرات تابعینؓ و اتباع تابعینؓ اور دیگر بڑے بڑے حضرات محدثینؓ اور فقہاء بھی امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے اور جہری نمازوں میں تو امام کے پیچھے قرآن کو مخالف قرآن شاذ منکر اور اجماع کے خلاف سمجھتے تھے، جیسا کہ شیخ الاسلام کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے اور جو سری نمازوں میں امام کے پیچھے قائل بھی تھے۔ وہ بھی صرف استیجاب کے درجہ میں اور آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ مانعین قرآنہ خلف الامام صرف اخلاف ہی نہیں (جس طرح کہ فریق ثانی نے تمام دنیا کے حنفی حضرات کو کھلا اور انعامی چیلنج دے کر یہ مقالہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یہ صرف اخلاف کا قول اور ان کا مسلک ہے) بلکہ جمہور اہل اسلام اور فقہاء و محدثینؓ کا یہ محقق مسلک ہے اور فریق ثانی نے غلطی کی وجہ سے صرف اخلاف کے مقتدر علماء مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ، مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، اور مولانا شبیر احمد صاحبؒ کی خدمت میں چیلنج پیش کر کے یہ سمجھنے یا سمجھانے کی بالکل ناکام سعی کی ہے کہ یہ مسئلہ صرف ان کا ہے اور آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ پیش کردہ روایات میں کم و بیش سچا نوٹس فی صدی روات وہ ہیں، جو ثقہ، مثبت، حافظ اور حجت ہونے کے علاوہ بخاری اور مسلم کے مرکزی روات ہیں اور تقریباً پانچ فی صدی وہ راوی ہیں جن میں بعض حضرات محدثین کرامؓ نے کلام کیا ہے، لیکن ان کو بھی نوٹس فی صدی اور جمہور محدثینؓ ثقہ کہتے ہیں اور ان کی روایتوں کو صحیح، حسن، صالح، جید اور قوی کہتے ہیں، جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان روات کی (بغیر تین چار کے حالانکہ جمہور محدثینؓ کے نزدیک وہ بھی ثقہ ہیں) ثقاہت اور عدالت فریق ثانی کے



نزدیک بھی مُسلم ہے۔ صرف ان پر تدلیس، تخیل، تغیر سیر و ہم اور تفرّد وغیرہ کے معمولی الزامات لگائے گئے ہیں یا مرفوع کو موقوف اور موصول کو مرسل کہنے کی بے جاسچی کی گئی ہے اور یا محض اپنی مرضی یا معمولی سے شبہ کی بنا پر مطلق قرأت کو مقید کرنے کی بعد از انصاف کاوش کی گئی ہے، اب ذرا فریق ثانی کی پیش کردہ روایات اور ان کے روایت اور رجال کا حال بھی دیکھ لیتا تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ فریق ثانی کتنے پانی میں ہے۔ ان تمام پیش کردہ دلائل کو سامنے رکھ کر میں فریق ثانی کے اہل علم طبقہ سے نہایت مؤدبانہ اور مبنی بر انصاف مطالبہ بلکہ دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ حق کا ساتھ دے اور تعصب اور غلو سے کام نہ لے اور اگر وہ کسی خاص مصلحت کے پیش نظر اپنی پارٹی کا ساتھ نہ چھوڑ سکے یا نہ چھوڑنا چاہے تو اس چیلنج بازی سے باز آجائے اور یہ الفاظ اور نظریہ واپس لے لے کہ

جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ اس کی نماز ناقص ہے،  
 کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے (انتہی بلفظہ دیکھئے فصل الخطاب ص ۱۔ جس میں تمام دنیا کے علمائے اخاف کو کھلا چیلنج دیا گیا ہے)  
 اس سے قبل کہ باب چہارم شروع کیا جائے یہ کہ دنیا نہایت ضروری سمجھتا ہوں (اور سخن ہائے گفتنی میں بھی عرض کیا جا چکا ہے) کہ ہر مقام پر حضرات محدثین کرام اور فقہائے عظام کے ناموں کے قبل، امام، علامہ، محدث، فقیہ یا حضرت وغیرہ کے توصیفی القاب نہیں لکھے جاسکے۔  
 اس لیے کہ ان کے نام بار بار آتے رہے ہیں۔ ورنہ نہ صرف یہ کہ مجھے ان سے عشق اور محبت ہے، بلکہ ان کے نام لینے کو موجب نزول رحمت خداوندی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ انھیں کی کاوش اور سعی کی بدولت قرآن کریم اور حدیث شریف ہم تک پہنچی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اور آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم الشان ہستی تک ہماری رسائی کا عالم اسباب میں یہی اکابر بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور جہاں ان اکابر سے (خصوصاً حضرت امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ وغیرہ) علمی اور تحقیقی رشتہ کشی کی گئی ہے، تو عاشا و کلاثم عاشا و کلا کہ اس سے ان کی تذلیل اور تحقیر مراد نہیں کیونکہ ان کی تذلیل کو نفحوا سے حدیث من عادی لی ولیا فقد بارتہ بالحراب۔ اللہ



تعالیٰ کی ذات سے اعلان جنگ کے مترادف سمجھتا ہوں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) بلکہ جہاں بھی ان اکابر سے اختلاف کیا گیا ہے۔ وہ صرف ان کی پیش کردہ دلیل کی خامی بتلانا مقصود ہے، وکل احد یؤخذ عنه ویترک الا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک بات اور خصوصی طور پر قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ راقم الحروف نے فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات کے مفہوم کو اختصاراً اپنی عبارت میں پیش کیا ہے، مگر صرف بعض مواقع پر الفاظ بھی انہیں کے ہیں جہاں انتہی بلفظہ یا بلفظہ وغیرہ لکھ کر اشارہ کر دیا ہے۔ ہاں البتہ ان کی کتابوں کے حوالے ضرور درج کر دیے گئے ہیں تاکہ مزید تسلی اور اطمینان کے لیے اصل کتاب کی طرف آسانی مراجعت کی جاسکے۔ مجھے اپنی علمی بے بضاعتی کا علم ہے۔ معصومیت کا دعوائے کب ہو سکتا ہے؟ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بغیر معصوم ہے کون؟ و العصمة بید اللہ تعالیٰ وحده۔



## چوتھا باب

قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار حضرات صحابہ کرام، تابعین و اتباع تابعین وغیرہم سے بلکہ  
 جمہور امت سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا صحیح نہیں ہے اور  
 جہری نمازوں میں تو مخالف اجماع اور شاذ و منکر ہے۔ قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع  
 امت کے بعد کسی اور دلیل کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت، لیکن ہم محض تکمیل فائدہ کے  
 لیے نہایت اختصار سے چند عقلی ترجیحی اور قیاسی دلائل بھی اس باب میں عرض کر دیتے ہیں  
 تاکہ اصول فقہ کی رو سے قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع امت اور قیاس کے جملہ دلائل سے  
 آپ کو جمہور اہل اسلام کا محقق مسئلہ معلوم ہو جائے کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو سورہ فاتحہ  
 وغیرہ کسی قسم کی قرأت کرنا درست اور صحیح نہیں ہے۔

پہلی دلیل: علامہ حازمیؒ (المتوفی ۵۸۲ھ) لکھتے ہیں کہ اگر ایک طرف کی حدیث ظاہر

ابو بکر محمد بن موسیٰ بن عثمان الشافعیؒ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الامام، الحافظ، الباسع اور النساب تھے،

نیز لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ، مجتہد، نبیل، زاہد، عابد، متورع اور من الرثمة الحفاظ تھے (تذکرہ جلد ۴ ص ۱۵۱)

اور علامہ تاج الدین السبکیؒ (المتوفی ۷۴۷ھ) ان کو امام متقن اور مسبرؒ لکھتے ہیں (طبقات



قرآن کے موافق ہو، اور دوسرے طرف کے ایسی نہ ہو، تو وہ حدیث قابل اخذ اور حجت ہوگی جو ظاہر قرآن کے موافق ہوگی۔ (کتاب الاعتبار ص ۱۱) امام کے پیچھے ترک قرأت کی روایتیں نہ صرف یہ کہ ظاہر قرآن کے مطابق ہیں، بلکہ آیت واذا قرئ القرآن ... الا یہ کا شان نزول ہی بالاجماع مسئلہ خلف الامام ہے، جس کی پوری تشریح باب اول میں عرض کی جا چکی ہے اور فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ روایات کی تائید میں قرآن کریم کی کوئی آیت موجود نہیں ہے، لہذا جمہور کے مسلک کو ترجیح ہوگی۔ مؤلف خیر الکلام نے ص ۵۲۹ اور ص ۵۳۱ میں اس کا جو جواب دیا ہے وہ بالکل غیر متعلق ہے۔ اولاً۔ اس لیے کہ انصاف و استماع قرأت فی السر کے منافی ہیں۔ کما مرّ و ثانیاً۔ خلف الامام کی قید سے روایت نہ صحیح ہے اور نہ مشہور پھر اس سے تخصیص کیسی؟ و ثالثاً۔ اختلاف نفس وجوب فاتحہ کا نہیں ہے جس کے لیے انھوں نے تین آیتیں پیش کی ہیں۔ (جو اصل مسئلہ سے بھی غیر متعلق ہیں) بلکہ اختلاف وجوب یا ترک فاتحہ خلف الامام میں ہے اور مقتدی کے لیے بحالت قرأت امام جواز اور اباحت قرأت کے لیے کوئی آیت موجود نہیں ہے محض کشیدہ ہے بخلاف ترک قرأت خلف الامام کے اس پر بالاجماع آیت واذا قرئ القرآن ... الا یہ دلیل ہے۔

دوسری دلیل: علامہ موصوفؒ لکھتے ہیں کہ اگر ایک جانب کی حدیث پر اکثر امت کا عمل ہو اور دوسری جانب اتنا عمل نہ ہو تو اس روایت کو ترجیح ہوگی، جس پر جمہور امت کا اتفاق ہوگا۔ (ایضاً ص ۱۱) اور امام کے پیچھے قرأت کے ترک کرنے کا مسئلہ جمہور امت کے اقوال اور عبارات سے آپ معلوم کر چکے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی مانعین قرأت خلف الامام کی احادیث اور مسلک کو ترجیح ہوگی۔ مؤلف خیر الکلام ص ۵۳۱ میں اس کا جو جواب دیتے ہیں وہ بالکل ناکام ہے کیونکہ عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید اور تطبیق و ترجیح کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دونوں دینی مساوی ہوں اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ خلف الامام کی قید سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور نزاع محض فاتحہ کے ایجاب کا نہیں جس کی حدیث صحیح ہے بلکہ فاتحہ برائے مقتدی میں نزاع ہے اور آیت انصاف قطعی ہے وہ بھلا حضرت ابوہریرہؓ کی ضعیف حدیث سے کیونکر منسوخ ہو سکتی ہے؟ اور معدودے چند حضرات صحابہ کرامؓ کے بغیر باقی تمام حضرات قرن اول میں خلف الامام



قرآن کے منکر تھے اور بعد کے لوگوں کی اکثریت کا تو مؤلف مذکور کو بھی دینی زبان سے اقرار ہے اور قرآن خلف الامام سے منع کر نیوالے بے شمار حضرات صحابہ اور تابعین تھے بلکہ وہ تو منہ میں پتھر اور مٹی ڈالنے پر بھی اترے ہوئے تھے اور احناف کا مذہب باحوالہ گذر چکا ہے کہ منع قرآن خلف الامام ہے۔ اس لیے ترک القرآن خلف الامام جہور کا مسلک ہونا واضح ہے۔ لا شک فیہ۔

تیسری دلیل: علامہ موصوفؒ لکھتے ہیں کہ اگر ایک طرف اہل حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قولی حدیث کے ساتھ آپ کا عمل بھی موجود ہو۔ اور دوسری طرف صرف آپ کا قول ہو تو آپ کی اس حدیث کو ترجیح ہوگی جس پر آپ کا قول اور فعل دونوں موجود ہوں۔ (کتاب الاعتبار ص ۱۱) اور باب دوم میں آپ کی بہت سی قولی صحیح اور مرفوع حدیثوں کے علاوہ حدیث غنا میں آپ کا آخری عمل بھی پیش کیا جا چکا ہے کہ آپ نے نظریہ ظاہر ساری سورۃ فاتحہ ترک کی اور آپ کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کی عملی اور فعلی حدیث بھی نقل کی جا چکی ہے۔ اور ایسی کوئی روایت بسند صحیح نہیں پیش کی جاسکتی کہ آپ نے اقتداء کی حالت میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت کی ہے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان دیدہ باید، اگر قرأت خلف الامام کی روایتیں صحیح بھی ہوں تب بھی ان کو ترجیح نہیں دی جاسکتی حالانکہ ان میں ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ اس میں بھی مؤلف خیر الکلام نے ص ۵۳۲ میں کلام کیا ہے مگر معقول نہیں کیونکہ باحوالہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آپ پہلے مقتدی تھے۔ پھر آپ نے امامت اختیار کی اور بالاجماع اور باقرار مؤلف مذکور قرأت سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے اور وہی آپ سے چھوٹ گئی تھی اور بایں ہمہ نماز ہو گئی، قرأت سے نماز مراد لینا بے دلیل ہے اور یہ ترک فاتحہ کلاً یا بعضاً عذر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اقتداء کی وجہ سے تھا۔

چوتھی دلیل: علامہ موصوفؒ لکھتے ہیں کہ اگر ایک طرف کی روایت قیاس کے موافق ہو اور دوسری قیاس کے موافق نہ ہو تو اس روایت کو ترجیح ہوگی، جو قیاس کے مطابق ہوگی (کتاب الاعتبار ص ۱) اور امام کے پیچھے قرأت ترک کرنا قیاس کے مطابق ہے، اور فریق ثانی کا بھی اس امر پر اتفاق ہے کہ ما زاد علی الفاتحہ کی قرأت اور اسی



طرح مقتدیوں کو جہر بالقراءة کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ مانا د علی الفاتحۃ کی قرأت اور جہر سے پڑھنا امام کا فریضہ ہے تو اس پر سورۃ فاتحہ کی قرأت کو قیاس کر لیں۔ ہاں اگر کسی صحیح سند کے ساتھ امام کے پیچھے مقتدیوں کو قرأت کرنے کی اجازت ہوتی تو الگ بات تھی۔ اس صورت میں قیاس نص کے مقابلہ میں باطل ہوتا۔ مگر خلف الامام کی ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے، جیسا کہ بیان ہو گا۔ مؤلف خیر الکلام کا فاتحہ کو نماز کی صحت کے لیے شرط قرار دینا اور قرآن کی قرأت کو رکن قرار دینا بجا ہے مگر مقتدی کے لیے دونوں شرط نہیں اور نزاع صرف اس میں ہے اور مانسہاد کو بالاجماع عدم رکن قرار دینا غیر مسلم ہے قرأت کے سلسلے میں فاتحہ اور مانسہاد کا ایک ہی حکم ہے امام اور منفرد کے لیے دونوں ہیں اور اور مقتدی کے لیے دونوں نہیں۔ اس لیے ترک قرأت للمقتدی ہی قیاس کے مطابق ہے۔

پانچویں دلیل: اگر ایک طرف کی حدیث محرم اور دوسری طرف کی مباح ہو تو محرم کو ترجیح ہوگی۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ حضر مقدم باشند بر جانب اباحت (بدور الاول ص ۱۸) اور یہ گنہگار چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاستمعوا وانصتوا اور واذقرا فانصتوا وغیرہ امر کے الفاظ سے مقتدیوں کو قرأت سے منع کیا ہے اور خدا تعالیٰ اور اس کے برحق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم اور امر کا خلاف کرنا یقیناً حرام ہے۔ اور حضرات صحابہ کرام اور تابعین کے جو تہدیدی الفاظ نقل ہو چکے ہیں (کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں چنگاری ہو، خاک ہو، نتن ہوں، پتھر پڑے وغیرہ وغیرہ) وہ اس پر مستزاد ہیں۔ اس لیے محرم کو مباح پر ترجیح ہوگی۔ اور اس لحاظ سے بھی جہور کی دلیل کا پلہ بھاری رہے گا۔ مؤلف خیر الکلام کا ایجاب فاتحہ خلف الامام کا دعویٰ کر کے اور ترک قرأت کو تحیر سے تعبیر کر کے ترجیح دینا مردود ہے کیونکہ ایجاب فاتحہ خلف الامام کی جب سرے سے کوئی حدیث ہی صحیح نہیں تو پھر راجح و مرجوح کا کیا سوال؟ اور قرآن کریم و حدیث شریف سے ثابت ہے، کہ مقتدی کو خلف الامام استماع و انصات کا وجوبی حکم ہے پھر تحیر کہاں سے؟

چھٹی دلیل: اس امر پر تمام محدثین اور فقہاء کا اتفاق ہے جن میں خصوصیت حضرت امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ قابل ذکر ہیں کہ امام کا مسترہ مقتدیوں کو کافی ہے اور ان کو الگ مسترے



کی ضرورت نہیں ہے (دیکھئے بخاری جلد ۱ ص ۳۵۲) جب وہی امام، نماز اور مقتدی جمع ہیں تو امام کی قرأت مقتدیوں کو کیوں کافی نہیں ہے؟ جب کہ ما شاء علی الفاتحۃ کی قرأت میں سب کے نزدیک امام کفایت کرتا ہے۔ مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ سترہ نماز کے ارکان اور شرائط سے نہیں قرأت نماز کے ارکان سے ہے... الخ صحیح نہیں ہے کیونکہ جیسے سترہ رکن نہیں اسی طرح مقتدی کے لیے قرأت بھی رکن نہیں مطلق نماز کا جھگڑا نہیں بات مقتدی کی ہو رہی ہے اور جیسے سترہ آگے ہونے کی وجہ سے بقول مؤلف خیر الکلام بمنزلہ کعبہ ہے اور سب کے لیے ایک ہی کعبہ کافی ہے تو اسی طرح امام بھی سب کے آگے ہوتا ہے اور قرأت میں سب کی کفایت کرتا ہے۔ لہذا امام کی قرأت اور سترہ سب کے لیے کافی ہے۔

ساتویں دلیل: صاحب امر کے آخری قول و فعل سے بظاہر یہی متبادر ہو سکتا ہے کہ پہلا قول اور فعل منسوخ قرار دیا جائے۔ اور اس سے کیا کم ہو سکتا ہے کہ اگر آخری عمل ناسخ نہ ہو۔ تب بھی ترجیح تو اس کو بہر حال ہوگی۔ جیسا کہ حضرت امام بخاریؒ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے وانما يؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبي صلى الله عليه وسلم (بخاری جلد ۱ ص ۹۹) لہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: الامام یجمل عن المسلمین السہو وكذا القراءة عند الجمهور (منہاج السنہ جلد ۲ ص ۱۹) امام سہو میں اور جمهور کے نزدیک قرأت میں مقتدیوں کی طرف سے کافی ہوتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک جنازہ پر بلند آواز سے قرأت کی۔ پھر ارشاد فرمایا: وانما جہلت او علمكم انہا سنۃ والامام کفاهما (منتقی ص ۲۶۲) میں نے جہرا اس لیے قرأت کی ہے تاکہ تمہیں اس کا سنت ہوتا معلوم ہو جائے ورنہ امام کی قرأت کافی ہے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حدیث آتی ہے لا صلوة الا بخطبة کہ خطبے کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی، حالانکہ فریق ثانی بھی متفق ہے کہ خطبہ پڑھنا صرف امام کا کام ہے۔ (فیض الباری جلد ۲ ص ۷۷) بہر حال جب امام ما شاء علی الفاتحۃ سترہ، سہو اور خطبہ وغیرہ میں کفایت کرتا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ باقرار فریق ثانی تو قرأت میں بھی یقیناً وہ کفایت کر سکتا ہے۔



یعنی آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے آخری فعل ہی قابل عمل ہوگا۔ اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخری نماز میں باقرار قاضی شوکانیؒ پوری سورہ فاتحہ بحالت اقتدار ترک کی۔ مگر آپ کی نماز صحیح ہو گئی اور آپ کے آخری فعل کے جوتے مٹنے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

مؤلف خیر الکلام کا حضور علیہ السلام کی ابتداء اقتدار کا اور پھر ترک فاتحہ کلاً یا بعضاً کا انکار کرنا بالکل مکابرہ ہے جب روایات سے ثابت ہے کہ امر تو انکار کا کیا معنی؟ باقی نماز میں قیام و قعود اور نیابت وغیرہ میں عذر تو شریعت نے خود بتایا ہے مگر قرأت اور ترک قرأت میں عذر اور غیر عذر کا کوئی فرق نہیں کیا اس لیے قرأت یا ترک قرأت کو دیگر امور پر قیاس کرنا جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے کیا ہے قیاس مع الفارق ہے جو قابل سماعت نہیں ہے۔

آٹھویں دلیل: آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الامام ضامن امام ضامن اور کفیل ہے ضامن اور کفیل جب قرض وغیرہ ادا کر دے تو اصل مقروض سبکدوش ہو جائے گا۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حضرات صحابہ کرام کے ابتداء اس لیے جنازے نہیں پڑھائے تھے کہ وہ مقروض تھے اور ان کے پاس قرض کی ادائیگی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اور جب ان کے قرض کو ان حضرات صحابہ کرام نے اپنے ذمہ لے لیا جو زندہ تھے۔ اور ان کے کفیل اور ضامن بن گئے تو آپ نے اصل کو بری الذمہ سمجھتے ہوئے ان کا جنازہ پڑھا دیا۔

یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الامام ضامن امام مقتدیوں کا ضامن اور کفیل ہے۔ یہ روایت ابوداؤد جلد ۱ ص ۸۲، ترمذی جلد ۱ ص ۱۲۲، معجم صغیر طبرانی ص ۱۲۲، اور مسند احمد جلد ۲ ص ۲۱۹ وغیرہ میں موجود ہے۔ صاحب تنقیح کہتے ہیں کہ مسند احمد کی روایت علی شرط مسلم صحیح ہے اور علامہ زبیدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سند صحیح ہے (نصب الرایہ جلد ۲ ص ۵۵) علامہ بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ بزار نے یہ روایت بیان کی ہے: ورجاله کلہم موثقون (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱) اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ روایت حضرت ابوامامہؓ سے بھی مروی ہے کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الامام ضامن (الحديث) علامہ بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ امام احمد نے اور طبرانیؒ نے معجم کبیر میں یہ روایت بیان کی ہے ورجاله موثقون طبرانی کے سب راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱)



(دیکھیے بخاری و مسلم وغیرہ) باقی باریک فتنی تدقیقات کا یہ مقام نہیں ہے ہم ان کو یہاں نہیں چھیڑتے۔ لہذا جب امام سورہ فاتحہ کی قرأت کرے تو مقتدیوں کو کافی ہوگی جیسے کہ ما زاد علی الفاتحہ کی قرأت بالاتفاق مقتدیوں سے ساقط ہے اور امام کی قرأت ہی کفایت کرتی ہے۔ مؤلف خیر الکلام ص ۵۳۵ میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص کا بہت سے آدمیوں نے سو سو روپیہ ادا کرنا ہو تو یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص کفیل ان سب کی اور اپنی طرف سے ایک سو روپے دے کر سب کی ذمہ داری سے بری ہو جائے۔۔۔ الخ

الجواب: مگر یہ سب کچھ ان کی قلت فہم کا نتیجہ ہے کیونکہ یہاں ایک آدمی کا بہت سے آدمیوں نے نہیں دینا بلکہ کئی آدمیوں پر صرف سو سو روپیہ ہے اور اس کو کفیل ادا کر رہا ہے۔ کیونکہ قرأت جماعت کی نماز میں صرف ایک ہے اور ما زاد علی الفاتحہ میں تو فریق ثانی کو بھی مُسَلَّم ہے کہ امام اور کفیل سب کی طرف سے ادا کر رہا ہے۔ منفرد ہوتے تو ان کو خود پڑھنی ہوتی، لیکن یہاں سب تو مقتدی کی ہو رہی ہے اور اس پر سرے سے قرأت ہی نہیں جو ہے وہ امام ادا کر رہا ہے۔

نویں دلیل: امام طحاویؒ نے ترک قرأت خلف الامام پر متعدد مرفوع حدیثیں اور آثار حضرات صحابہ کرام رض و تابعینؒ وغیرہم نقل کرنے کے بعد اپنی عادت کے مطابق نظر فقہی اور عقلی دلیل یوں بیان کی ہے۔ اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اور سورہ فاتحہ اس سے کلیتہً چھوٹ چکی ہو تو جہور اہل اسلام کے نزدیک (جس کی تحقیق اپنے مقام پر آئیگی۔ اور وہ مرفوع روایتیں اور متعدد حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال پہلے نقل بھی ہو چکے ہیں) اس کی وہ رکعت بالکل صحیح اور درست ہے۔ اگر تکبیر تحریمہ اور قیام (جس میں کم از کم تکبیر تحریمہ ادا ہو سکتا ہو) کی طرح مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی پڑھنی لازم اور فرض اور رکن ہوتی تو جیسے تکبیر تحریمہ اور قیام اس سے ساقط نہیں ہوتے اسی طرح اس پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی فرض ہوتا اور بغیر اس کے اس کی نماز نہ ہو سکتی۔ حالانکہ جہور کے نزدیک اس کی یہ رکعت بالکل صحیح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ وہو المطلوب (محصلاً طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۸) مؤلف خیر الکلام کہتے ہیں کہ رکوع میں ملنے سے رکعت کا ہو جانا ان احادیث کے منافی نہیں جن میں آتا ہے کہ نماز میں ایک بار فاتحہ پڑھنی چاہیے جیسا کہ ہادیہ اور فتح الباری کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔ ہاں ان احادیث کے منافی ہے



جن میں ہر رکعت میں فاتحہ کا ذکر آتا ہے اس صورت کو خاص کر لیا جائے گا یا عذر شرعی پر محمول ہوگا۔ (محصلاً ص ۵۳۶)

الجواب: جس طرح یہ صورت رکوع والی رکعت کے منافی نہیں، اسی طرح یہ ان احادیث کے عین مطابق ہے جن میں قرأت صرف امام کا فرض ہے بتلایا گیا ہے باقی مقتدی کے لیے ہر رکعت میں بلکہ کسی بھی رکعت میں قرأت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے نہ تو یہاں منافاة کا سوال ہے اور نہ تخصیص اور عذر شرعی پر چل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

دسویں دلیل: بحر العلوم، حجة الاسلام اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحم (المتوفی ۱۲۹۷ھ) بانی تدار العلوم دیوبند نے عقلی رنگ میں یہ مسئلہ یوں سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ہر چیز کا صرف ایک طول اور ایک ہی عرض ہوتا ہے۔ سو باعتبار طول کے ایک رکعت ایک نماز ہے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ اور باعتبار عرض کے امام اور مقتدی کی نماز ایک ہے۔ تو یہاں بھی ایک ہی سورۃ فاتحہ کافی ہوگی جس کا امام ادا کر رہا ہے۔ اور اگر امام اور مقتدی کے لیے الگ الگ اور جدا سورۃ فاتحہ ضروری ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ ایک چیز کے لیے ایک سے زیادہ عرض ثابت ہو اور یہ اصول موضوعہ کے خلاف ہے (توثیق الکلام ص ۷، تبخیر) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ہر رکن چونکہ امام اور مقتدی کو الگ الگ ادا کرنا پڑتا ہے پس قرأت بھی ہر ایک کو الگ الگ ادا کرنی چاہیے۔ (بلفظہ ص ۵۳۱)

الجواب: جب قرأت مقتدی کے لیے رکن ہی نہیں تو اس کے لیے الگ پڑھنے کا کیا سوال؟ مقتدی کا رکن تو صرف استماع وانصات ہے جس کو وہ ادا کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ما زاد علی الفاتحۃ کی قرأت آپ حضرات کے نزدیک بھی مقتدی پر نہیں ہے۔

گیارہویں دلیل: مولانا موصوفؒ فرماتے ہیں کہ بسلسلہ قرأت امام اور مقتدی کی مثال

ایسی سمجھ لیں جیسے سواری اور مسافر، مسافر کا کام صرف یہ ہے کہ وہ گاڑی، موٹر، بس، جہاز اور ٹانگہ وغیرہ میں اطمینان سے سوار ہو کر بیٹھ جائے۔ گاڑی وغیرہ حرکت کرے گی تو مسافر کی مسافت خود بخود طے ہوتی جائے گی اور مسافر کو ساتھ ساتھ دوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بالذات حرکت گاڑی کی ہے مگر بالعرض مسافر کی۔ اور باوجودیکہ مسافر آرام کے ساتھ گاڑی وغیرہ میں



بیٹھا رہتا ہے۔ یہ کہنا صحیح ہے اور کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ مسافر نے اتنا راستہ طے کیا ہے۔ اسی طرح امام جو بمنزلہ گاڑی کے ہے قرأت کرتا جائے گا اور یہی قرأت مقتدی کو کافی ہوگی (توثیق الکلام، ص ۷۷، تبخیر) مولانا کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کیونکہ ما زاد علی الفلحة کی قرأت میں فرق ثانی بھی متفق ہے کہ امام کی قرأت مقتدیوں کو کافی ہے اور اگر سورۃ فاتحہ کی قرأت مقتدیوں کو کافی نہ ہو تو اس مثال کے پیش نظر مطلب یہ ہو گا کہ ایک دو اشیش تک مسافر گاڑی کے ساتھ ساتھ بھاگتا چلا جائے اور پھر گاڑی میں بیٹھ جائے۔ جہاں تک گاڑی کا تعلق ہے اس کا سفر خود بخود طے ہوتا جائے گا۔ لیکن طبعی، شرعی اور دیگر ضروریات میں خود کوشش اور کاوش کرنی پڑیگی۔ اور بغیر اپنی ہمت اور حرکت کے دیگر ضرورتیں پوری نہیں ہوں گی۔ مشہور ہے کہ حرکت ہی میں برکت ہوتی ہے۔ اسی طرح جب گاڑی کی مسافت طے ہو جائے گی تو اپنے گاؤں محلہ اور گھر تک پہنچنے کے لیے خود عمل کی ضرورت ہے، اس لیے امام بمنزلہ گاڑی تو ہے لیکن صرف قرأت کی مسافت میں باقی رکوع و سجود، تسبیح و تہجد وغیرہ میں مقتدی کو خود ہی کچھ کرنا ہو گا۔ مؤلف خیر الکلام کا امام کی نماز کو حقیقت اور مقتدی کی نماز کو مجاز سمجھ کر جواب میں دونوں کی نماز کو حقیقت سے تعبیر کرنا اور اس پر جواب کی بنیاد رکھنا بالکل غلط ہے نماز تو امام اور مقتدی دونوں کی حقیقت ہے، ہاں قرأت میں فرق ہے، امام حقیقی قرأت کرتا ہے اور مقتدی کی قرأت حکمی ہے اور ہم نے کتاب میں اس کی تصریح کر دی تھی کہ اس لیے امام بمنزلہ گاڑی تو ہے لیکن صرف قرأت کی مسافت میں۔ لہذا مؤلف مذکور کا ہماری عبارت سے مقتدی کی نماز کو مجاز سمجھنا غلط ہے۔

بارہویں دلیل: شمس العلماء مؤرخ اسلام علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۳۶۲ھ) نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حالات میں ایک واقعہ نقل کیا ہے (جس کا خلاصہ راقم کی عبارت میں یہ ہے) کہ چند آدمی مل کر مسئلہ خلف الامام پر امام صاحب سے بحث کرنے آئے، آپ نے فرمایا کہ میں

لے یہ واقعہ مناقب موفق جلد ۱ ص ۷۸ میں مذکور ہے ان جماعۃ من اهل المدينة جاؤا الی ابی حنیفہ رحمہ لینا ظروہ فی القراءة خلف الامام اھ اور اسی طرح مناقب کردی جلد ۱ ص ۱۱ میں بھی ہے اور نواب صاحب بھی اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔ و حکایتی کہ از امام اعظم دربارہ الزام خصم باختیار یکی برائے مناظرہ از میان جماعت و بدون الزام او الزام جماعت نقل کردہ اند (باقی اگلے صفحہ پر)



اکیلا اتنے آدمیوں سے کیسے بحث کر سکتا ہوں؟ ایک آدمی کو اپنا وکیل اور مختار بنا لو کہ اس کی فتح تمھاری فتح اور اس کی شکست تمھاری شکست متصور ہو، چنانچہ وہ سب اس پر راضی ہو گئے اور اپنا ایک وکیل انھوں نے انتخاب کر لیا جب وکیل نے بحث شروع کی۔ تو حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کہ مسئلہ تو حل ہو چکا ہے۔ وہ بولا کیسے؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جب تم اکیلے سب کی طرف سے وکیل ہو کر گفتگو کر رہے ہو اور تمھاری بات ان سب کی بات سمجھی جاتی ہے تو اسی طرح امام کی قرأت سب مقتدیوں کی قرأت سمجھی جائیگی وہ سب شکست تسلیم کرتے ہوئے لاجواب ہو کر چلے گئے۔ (سیرت النعمان ص ۵۹)

مبارک پوری صاحبؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام صاحبؒ کی طرف اس واقعہ کی نسبت غلط ہے۔ کیونکہ امام جب وکیل ہے تو قیام، رکوع، سجود، تشہد اور سلام وغیرہ جملہ امور میں امام کو وکیل ہونا چاہئے۔ (بمعناہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱) لیکن مبارک پوری صاحبؒ کا یہ اعتراض محض بیچ اور باطل ہے۔ اس کی پوری تشریح گزیر چکی ہے کہ امام مقتدیوں کا وکیل صرف قرأت قرآن میں ہے، باقی امور میں ان کا وکیل نہیں ہے اور اس کو ایسا سمجھ لیں جیسے بادشاہ کے حضور میں ایک وفدا اپنی معروضات پیش کرنے کے لیے حاضر ہو۔ گفتگو تو صرف وفدا کا وکیل اور پارٹی لیڈر ہی کرے گا۔ لیکن ارکان وفدا کی طرف سے پارٹی لیڈر کی تائید بھی ضروری ہے، قرأت قرآن کریم کو اصل معروضات اور تسبیحات و تشہد وغیرہ کو اس کی تائید سمجھ لیتے۔

نواب صاحبؒ کی یہ عبارت نقل کی جا چکی ہے کہ منہی عنہ نزو قرأت امام ہمہ قرأت قرآن کریم است فقط (دلیل الطالب ص ۲۹۴) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ وقول نبویؐ اذا قرأ فانصتوا وقول من كان له امام فقرأة الامام له قراءة وال است بآنکہ امام متحمل قرأت است از سامع (بدور الابلہ ص ۱۵) اس لیے مبارک پوری صاحبؒ کا یہ اعتراض (باقی پچھلا صفحہ) لطیفہ شاعرانہ و مجرد تجویز عقلی بیش نیست در مقام استدلال و احتجاج بنص ص قابل التفات نہی تواند شد ۱۷ (ہدایۃ السائل ص ۲۰۴) ہم نے بھی اس واقعہ کو قرآن و حدیث کے دلائل کی مدد میں پیش نہیں کیا بلکہ عقلی دلائل میں نقل کر کے نواب صاحبؒ کی عقلی تجویز کی تائید کی ہے۔



سراسر باطل ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد سونی صدی صحیح ہے۔ مؤلف  
خیر الکلام ص ۵۲۷ میں لکھتے ہیں کہ امام وکیل نہیں بلکہ مقتدی ہے اور ہر نمازی صرف  
اپنے لیے نماز پڑھتا ہے اور ہر نمازی رب سے باتیں کرتا ہے اور مناجات صرف فاتحہ  
پڑھنے میں ہوتی ہے اور فاتحہ فرض ہے اور دعا ہے اور یہ امام اور مقتدی دونوں پر  
لازم ہے۔ (مصلہ)

الجواب: جب صحیح حدیث میں الامام ضامن آتا ہے تو اس کی کفالت  
اور ضمانت کا انکار کون سنتا ہے؟ وہ مقتدی بھی ہے اور کفیل بھی ہے۔ مقتدی  
تمام ارکان و افعال میں ہے اور کفیل صرف قرأت میں ہے اور نمازی نماز خدا تعالیٰ کے  
لیے پڑھتا ہے جس کا ثواب نمازی کو ملتا ہے اور بے شک نمازی اللہ تعالیٰ سے مناجات  
کرتا ہے مگر وہ مناجات صرف ثنا اور تسبیحات وغیرہ ہی میں ہے قرأت میں تو اس کو  
صرف انصات و استماع کا حکم ہے جیسا کہ اس کے دلائل گذر چکے ہیں اور مناجات کو  
صرف فاتحہ میں بند کر دینا عقلاً اور نقلاً باطل ہے۔ سارا قرآن کریم اللہ تعالیٰ سے مناجات  
ہے اور سب تسبیحات اس سے سرگوشی ہے اور اول سے آخر تک نماز اس سے ہم کلامی  
ہے۔ باقی امور میں اصالتہ مقتدی خود عمل کرتا ہے اور قرأت میں اس کا امام و کالت سرگوشی  
کرتا ہے اور فاتحہ صرف امام پر لازم ہے۔ مقتدی کا فریضہ صرف انصات و استماع  
ہے، مقتدی پر فاتحہ فرض نہیں ہے۔ فاتحہ دعا ہے، لیکن مقتدی حکم دعا خواں ہے اور آمین  
سے اس کی تصدیق کرتا ہے۔

حضرات! ابھی ترجیحی، عقلی اور قیاسی دلائل اور بھی پیش کیے جاسکتے ہیں مگر  
ہمارا مقصد دلائل کا استقصار اور استیعاب نہیں ہے، بلکہ عامۃ المسلمین کو یہ بتلانا  
مکہ و مدینہ ہے کہ ترک القراءۃ خلف الامام صرف احناف ہی کا مسلک نہیں ہے بلکہ جمہور اہل  
اسلام کا مسلک ہے اور جمہور اپنے اس محقق مسلک پر قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار  
حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؓ و تابعینؓ وغیرہم اور اجماع امت اور قیاس سے ٹھوس  
وزنی اور صحیح معیار ہی دلائل اور براہین پیش کرتے ہیں اور وہ ہرگز بلا دلیل نہیں ہیں جیسا کہ



آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب ہم بطور تبرک اس باب کو قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک حصہ پر ختم کرتے ہیں، جیسا کہ پہلا باب بھی قرآن کریم کی آیت ہی سے شروع ہوا تھا۔ کہ  
 اَوَّلُ بَآخِرٍ نَسِيتُ وَارْوَرِ اِنَّ عِلَّةَ الشُّهُودِ عِنْدَ اللّٰهِ اَشْنَا عَشَرَ شَهْرًا۔ اور  
 آخر میں نہایت اخلاص اور دل سوزی کے ساتھ فریقِ ثانی سے استدعا ہے کہ وہ اپنے  
 اس غلو آمیز نظریہ سے باز آجائے۔ کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ  
 پڑھے۔ اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے۔ اس پوری کتاب  
 کو پیش نظر رکھ کر انصاف سے فرمائیں کہ کس کس کی نماز باطل، کالعدم، بیکار اور ناقص  
 ہوگی؟ غور تو کیجئے کہ جہور امت کی نمازوں پر یہ حکم لگانا کیسی کھلی گستاخی اور بے ادبی ہے۔  
 اور گویا اس اعلان کے مطابق جہور امت نماز پڑھتے ہوئے بھی بے نماز ہی ٹھہرے اور تارک  
 صلوٰۃ کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ کس مسلمان سے مخفی ہو سکتی ہیں؟ فریق  
 ثانی نے اخلاف کے مقتدر علماء حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب و حضرت شیخ الاسلام  
 مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں  
 یہ اعلان پیش کیا ہے، جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے۔ راقم الحروف، دارالعلوم دیوبند کا خوشنویس اور  
 ان اکابر کے فضالہ علم اور پس خوردہ سے فیضیاب ہوا ہے۔ اس لیے اس حقیر پر یہ لازم تھا  
 کہ اپنے محسن اکابر کا مسلک بیان کرتا اور ان سے سویر ظن کو دور کرتا۔ نیز فقیر فروعی مسائل میں  
 اپنے اکابر کی طرح حنفی ہے۔ اس لیے فریقِ ثانی کا یہ مطالبہ بھی پورا ہو جاتا ہے۔ مگر آج تک  
 ہمارے کسی حنفی بھائی کو یہ توفیق نہ ہوئی۔ کہ وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی  
 ایک ہی صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کر کے انعام لے (بلفظہ فصل الخطاب ص ۱) اور  
 انعام کی بابت وہ یوں کہتے ہیں اور مخالفین کو ایک ہزار روپے کا انعامی کھلا چیلنج دیتے  
 (بلفظہ فصل الخطاب ص ۱) اب فریقِ ثانی کو دیا نہ از خود ہی یہ انعام دے دینا چاہئے۔  
 ورنہ اگر ہم چاہیں تو قانونی اور آئینی طور پر لے سکتے ہیں اور انہیں دینا پڑے گا۔ اور اس  
 سے کیا کم ہے کہ۔ ع: شام کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی  
 حضرات! آپ دیکھ چکے کہ ہمارا مسلک کیا ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں؟ ع:



## قیاس کن زگلستان من بہار مرا

آخری التماس۔ مجھے اس کا پورا احساس ہے کہ جس طرح جمہور اہل اسلام کے دلائل اور براہین پیش کرنے کا صحیح حق تھا، میں ادا نہیں کر سکا۔ اہل علم حضرات سے التماس اور التجار ہے کہ وہ مجھے میری کوتاہیوں اور لغزشوں پر مطلع فرماتے رہیں۔ کیونکہ ایک نوعمر آدمی سے جس کو اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کا بھی پورا احساس اور اقرار ہو۔ اور ایسے اہم مسئلہ میں جس میں حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام بیہقیؒ وغیرہ ائمہ حدیث اور فرسان علم نے خامہ فرسائی کی ہو، لغزشوں کا صادر ہو جانا کچھ بعید نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ سے نہایت اخلاص اور صدق دل سے دعا ہے کہ وہ حقیر کو جملہ جسمانی و روحانی، ظاہری اور باطنی بیماریوں سے محفوظ رکھے۔ اور کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور حضرات صحابہ کرامؓ، محدثینؒ اور فقہاءؒ اور جمہور اہل اسلام کی محبت اور اطاعت کا صحیح جذبہ عطا فرمائے جن کا ذکر موجب رحمت خداوندی ہے۔

پینے میں آگیا کہاں لپٹی ہیں ار کے مستیاں

اتنی ہے تندھے یہاں مست ہوں اور پی نہیں

جلد دوم میں فریق ثانی کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لیا جائے گا کہ ان کی حقیقت کیا

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی

ہے؟

آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

ابوالزاہد محمد سر فراز خاں صفدر

خطیب جامع گلگٹ، ضلع گوجرانوالہ

۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ بمطابق

۲۵ اپریل ۱۹۵۵ء



لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا (حدیث شریف)  
 جس شخص نے سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن کریم کا کوئی اور بھی حصہ نہ پڑھا تو اس کی نماز نہ ہوگی (حدیث رسول)

# احسن الکلام

فی

ترک القراءة خلف الامام

جلد دوم

”جس میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے کو رکن اور ضروری ٹھہرنے والے فریق کے پیش کردہ نقلی اور عقلی دلائل پر روایت و درایت سے حاصل کلام کیا گیا ہے۔ اور یہ امر واضح و براہین سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت وغیرہ کی اس روایت کے علاوہ جس میں فصاعداً ما تيسر اور ما زاد کی زیادہ یا اللہ و لدہ الامام کی استثناء بھی مذکور ہے اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے، خصوصاً وہ روایات جن میں خلف الامام کی قید اور الا بفاتحة الكتاب کی استثناء موجود ہے وہ تمام ضعیف کمزور اور معنوی ہیں نیز حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ وغیرہم کے آثار کا پس منظر بھی آشکار کیا گیا ہے اور مؤلف خیر الکلام کے اعتراضات کا آنا بانا بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔“

تالیف

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر، گوجرانوالہ



# فہرست مضامین حسن الکلام (جلد دوم)

۴۰	تخصیص کن کن دلائل سے ہو سکتی ہے؟	۵	پیش لفظ
۴۲	یوحنا جواب مدرک رکوع اس کے جہر و اُمت کے نزدیک متشکی ہے۔	۷	پہلا باب قرآنی استدلالات
۴۶	مدرک رکوع کے بارہ میں حضرت امم بخاریؓ کی دلیلوں کا حال	۸	پہلی آیت اور اس کا جواب
۴۷	پانچواں جواب اس روایت کے مرکزی ردی بھی	۱۰	دوسری آیت اور اس کا جواب
۴۷	اس حدیث کو صرف منفرد کے حق میں سمجھتے ہیں	۱۲	تیسری آیت اور اس کا جواب
۵۰	اس روایت کا چھٹا جواب فرق ثانی کو امام کے پیچھے ہرے قرأت کرنی چاہیے کیونکہ حضرت عبادہؓ ایسی ہی کیا کرتے تھے	۱۳	چوتھی آیت اور اس کا جواب
	دوسری روایت	۱۷	دوسرا باب مرفوع روایتیں
۵۱	حضرت ابو ہریرہؓ کی خداج والی روایت		پہلی روایت
۵۲	اور اس کا جواب	۱۷	حضرت عبادہؓ بن الصامت کی مرفوع حدیث
۵۵	علاء بن عبد الرحمنؓ محدثین کی نگاہ میں؟		اس روایت کا پہلا جواب حرف منہ
۵۸	لفظ خداج اور غیر تمام رکعت کو نہیں چاہتا	۱۸	عموم میں نص قطعی نہیں ہے۔
۶۱	قرآن فی النفس کا اطلاق تدبیر پر بھی صحیح ہے	۲۳، ۲۴	مؤلف خیر الکلام کے اعتراضات اور ان کے جوابات
۶۱	فی نفس کے معنی اکیلے کے بھی آتے ہیں۔	۲۷	اس روایت کا دوسرا جواب کہ اس روایت میں فصاعدًا ماکتیسر اور مآزاد کی زیادہ بھی ہے
۶۳	احادیث خداج کی بحث	۲۸	فصاعدًا سے انکار کی دلیلیں اور ان کے
۶۳	حضرت عائشہؓ کی روایت اور اس کا جواب	۲۹	ممکنہ جوابات
۶۴	حضرت ابن عمرؓ کی روایت اور اس کا جواب		اس روایت کا تیسرا جواب بعض حضرات صحابہ کرامؓ
۶۵	حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت اور اس کا جواب	۳۹	اور محدثین کی تصریح ہے کہ یہ روایت صرف منفرد کے حق میں ہے
		۴۰	اس تخصیص پر ایک اعتراض اور اس کا جواب



۹۹	دوسری روایت اور اس کا جواب	۶۶	حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت اور اس کا جواب
۹۹	تیسری روایت اور اس کا جواب	۶۷	حضرت ابو امامہؓ کی روایت اور اس کا جواب
۱۰۰	تیسرا جواب نافع و جھول ہے	۶۷	ایک دیہاتی (گنوار) کی روایت اور اس کا جواب
۱۰۱	نافع کی جہالت پر کلام اور اس کا جواب	۶۸	حضرت جہانؓ کی روایت اور اس کا جواب
۱۰۸	چوتھا جواب یہ روایت مضطرب ہے	۶۸	حضرت جابرؓ کی روایت اور اس کا جواب
۱۰۹	رفع اضطراب کی کوشش اور اس کا جواب	۶۸	اصل روایت میں الزور والہام کی استثنائیں موجود ہیں
۱۱۰	پانچواں جواب یہ روایت موقوف ہے	۷۰	لفظ کل کی تحقیق
۱۱۱	چھٹا جواب الزیادہ القرآن کی جملہ روایتیں ضعیف ہیں	۷۶	تیسری روایت
۱۱۲	ساتواں جواب لفظ خلف الزیادہ مخرج ہے	۷۶	پہلا جواب اس میں محمد بن اسحاق ضعیف ہے
۱۱۵	امام ترمذیؒ کی تحسین کا جواب	۸۳	امام بخاریؒ کی توشیح کا جواب
۱۱۵	امام حاکمؒ کی تصحیح کا جواب	۸۴	امام شعبہؒ کی توشیح کا جواب
۱۱۶	امام دارقطنیؒ کی تصحیح کا جواب	۸۵	امام احمدؒ اور ابن مدینیؒ وغیرہ کی طرف
۱۱۶	امام خطابیؒ کی تصحیح کا جواب		اس کی توشیح کی نسبت غلط ہے
۱۱۶	مولانا عبدالحیؒ کی تصحیح کا مقام		علماء احناف نے اذان انصاب سرقہ اور
۱۱۷	امام بیہقیؒ کی تصحیح کا حال	۸۶	تجیل افطار میں اس سے استدلال نہیں کیا
۱۱۷	آٹھواں جواب بصورت صحت خلف الزیادہ کا مطلب کیا ہے؟	۸۶ تا ۹۱	ان مسائل میں احناف کے دلائل کیا ہیں؟
۱۲۰	نواں جواب اگر بالفرض فاتحہ کا پڑھنا ثابت بھی ہو جائے	۹۲	ابن اسحاقؒ کی تحدیث بے کار ہے
۱۲۱	تو اس سے لزوم اور وجوب ثابت نہیں ہو سکتا۔	۹۲	اس کی متابعت میں پہلی روایت اور اس کا جواب
۱۲۱	چودھویں روایت	۹۳	دوسری روایت اور اس کا جواب
۱۲۲	اور اس کا جواب	۹۴	تیسری روایت اور اس کا جواب
۱۲۳	عن رجل من الصحابة کی مذکا حال	۹۵	چوتھی روایت اور اس کا جواب
۱۲۴	صحیح حدیث کی تعریف کیا ہے؟	۹۵	پانچویں روایت اور اس کا جواب
۱۲۵	اجازت فاتحہ خلف الزیادہ سے ذات رسول پر حرف آتا ہے	۹۶	دسراں جواب مکمل مدس تھے اور وہ معیاری فقہ بھی دیکھئے
۱۲۶	پانچویں روایت	۹۸	انکی متابعت کی پہلی روایت اور اس کا جواب



۱۵۸	صحابہ کرام الیہ نہیں کرتے تھے	۱۲۷	اور اس کا جواب
۱۵۹	آثار حضرت تابعین وغیرہم	۱۲۹	چھٹی روایت
۱۶۰	حضرت کحل کا اثر اور اس کا جواب	۱۲۹	اور اس کا جواب
۱۶۰	حضرت عروہ بن زبیر کا اثر اور اس کا جواب	۱۳۰	مستوفی روایت اور اس کا جواب
۱۶۱	حضرت حسن بصری کا اثر اور اس کا جواب	۱۳۱	تیسرے باب آثار صحابہ و تابعین وغیرہم
۱۶۱	حضرت امام شعبی کی مرسل روایات کا حکم	"	حضرت عمر کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۲	حضرت امام اوزاعی کا اثر اور اس کا جواب	۱۳۴	حضرت علی کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۳	حضرت مجاہد کا اثر اور اس کا جواب	۱۳۷	حضرت ابی بن کعب کا اثر اور اس کا جواب
"	حضرت قاسم بن محمد کا اثر اور اس کا جواب	۱۴۰	حضرت ابن مسعود کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۴	فریق ثانی کی پیش کردہ روایتوں میں اولیوں کا جمہور اہل اسلام کے روئے قابل	۱۴۱	حضرت عبداللہ بن مغفل کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۵	چوتھے باب قیاسی دلائل	۱۴۲	حضرت ابوسعید الخدری کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۵	پہلی قیاسی دلیل اور اس کا جواب	۱۴۲	حضرت انس بن مالک کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۶	دوسری قیاسی دلیل اور اس کا جواب	۱۴۳	حضرت عبداللہ بن عمرو کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۷	تیسری قیاسی دلیل اور اس کا جواب	۱۴۴	جابر کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۸	چوتھی قیاسی دلیل اور اس کا جواب	۱۴۶	حضرت ابن عباس کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۹	فریق ثانی سے مختصراً پہلی	۱۴۹	حضرت ابوالدرداء کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۰	حضرت عمران بن حصین کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۱	ان کی مسلم وغیرہ کی روایت کا مطلب ؟
		۱۵۲	حضرت ہشام بن عمار کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۲	حضرت معاذ بن جبل کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۳	حضرت ابن عمر کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۵	حضرت عبادہ بن الصامت کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۶	حضرت عبادہ بن جوب قرآن کے قائل نہ تھے
		۱۵۷	جبری نمازوں میں صرف حضرت عبادہ ہی
		۱۵۸	ام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے دیگر حضرات



## پیش لفظ

”احسن الکلام“ کے حصہ اول میں جمہور اہل اسلام کے اس دعویٰ کو قرآن کریم صحیح احادیث، آثار حضرات صحابہ کرام و تابعین اور دیگر فقہاء اور محدثین کے اقوال سے نیز بعض عقلی و تریجی اور قیاسی دلائل سے نہایت وضاحت کے ساتھ مبرہن کیا گیا ہے کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت کرنی جائز نہیں ہے اور متعدد صحیح احادیث اور آثار صحابہ کرام سے اہل القرآن اور فاتحہ الکتاب کے خاص الفاظ بھی عرض کر دیے گئے ہیں اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا صحیح نہیں ہے اور یہ کہ جہری نمازوں میں تو امام کے پیچھے قرأت کرنا شاذ، منکر اور خلاف اجماع ہے۔ اب اس حصہ میں قرنی ثانی کی طرف سے پیش کردہ استدلال اور دلائل کا معیار اور ان کا پس منظر عرض کرنا ہے اور انصاف و دیانت سے یہ بات بعید ہے کہ ہم ان کے دلائل سے چشم پوشی کرتے ہوئے آگے نکل جائیں اور ان کو ہر یہ قارئین کرام نہ کریں، بلکہ ان کی طرف سے بطور وکیل اور بھی خواہ کے جو قدث (اگرچہ انہوں نے پیش نہیں کی لیکن) ان کی دلیل بن سکتی ہے اس کو بھی نقل کر دیا گیا ہے، اور ان کے تمام پیش کردہ دلائل اور براہین کے صحیح محامل عرض کر دیئے گئے ہیں اور حوالے بھی ساتھ ہی نقل کر دیئے گئے ہیں تاکہ ایک طرف ان کو اصل عبارت اور مضمون کی طرف مراجعت کرنا دشوار نہ ہو اور دوسری طرف شاید ”الانسان عبد النحسان“ پر نگاہ کرتے ہوئے وہ کچھ نرم بھی ہو جائیں اور ساری دنیا کو چیلنج نہ کرتے پھریں۔



مری قدم سے ہوا ہے مہرباں دوست

مرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں

چونکہ فرقہ ثانی کا دعویٰ بڑا سنگین ہے اس لیے اگر ہم سے کسی دلیل کی گرفت میں کوئی سچی ہوگی

تو معذور تصور کیجئے کیونکہ البیادى اظلم ما لم یبق بعد المظلوم کے پیش نظر ہم مظلوم ہیں اور

ان لصاحب الحق مقالہ ارشاد نبوی ہی تو ہے۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ عوف من و معاوضہ مگر نذر و اور

حتى الوسع اس پر خطر وادی سے وامن بچا کر نکلنے کی کوشش کی جائے گی۔ والحصمة بيد الله تعالى وحده



# پہلا باب

فریق ثانی کا یہ دعویٰ ہے کہ جو شخص اہم کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے۔ انصاف اور دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ جیسے ہم نے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ سے متعدد صحیح روایات پیش کی ہیں کہ آیت واذا قرأ القرآن الیتہ کا شان نزول نماز ہے اور اس پر اجماع بھی ہے اسی طرح فریق ثانی بھی کم از کم کسی ایک ہی صحابی سے بسند صحیح پر روایت نقل کر دیتا کہ فلال آیت کا شان نزول یہ ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا صحیح بلکہ ضروری اور واجب ہے اور خاص طور پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا لازمی ہے اور اس کے بغیر اس کی نماز کالعدم ہے بیکار ہے، اور باطل ہے مگر یقین کیجئے کہ دنیا کے کسی اسلامی کتب خانہ میں کوئی ایسی اسلامی کتاب موجود ہی نہیں ہے جس میں کسی صحابی سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہو کہ فلال آیت اس بات سے میں نازل ہوئی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدیوں پر سورۃ فاتحہ کی قرأت ضروری ہے ورنہ نماز باطل اور کالعدم ہوگی یہ ہے ہل من مبارذیہ رذلی کا صحیح مقام، مگر یہ معلوم فریق ثانی اس سے کیوں انکسار کرتا ہے کیا ہے کوئی خوش نصیب اور زندہ دل غیر مقلد بھائی جو یہ مطالبہ پورا کرے اور جیسے ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے مفسر قرآن صحابہؓ سے صحیح اسانید کے ساتھ آیت کا شان نزول بیان کیا ہے ایسا ہی وہ بھی کسی ایک صحابی سے آیت کا شان نزول نقل کرے (دیدہ باید) باقی انعامی چیلنج کا عجب تو راقم الحروف کثیر العیال اور مفلوک الحال آدمی ہے۔ نہ مال ہے اور نہ لاف و مکررات اور ڈھینگیں مارنے کی عادت ہے۔ دلائل آپ کے سامنے ہیں جو بیان کر دیے گئے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ کہ ایسی کوئی آیت فریق ثانی پیش نہیں کر سکتا جس کا حضرات صحابہؓ



اور تابعین سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ شان نزول یہ ثابت ہو چکا ہو کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت ضروری ہے پھر بھی مجتہدین قرأت خلف الامام نے قرآن کریم کی آیات سے اس مدعی پر استدلال و احتجاج کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ ہم ان کے قرآنی استدلالات نقل کر کے ان کا صحیح محل عرض کرتے ہیں اور فرقی ثانی کی خامی بھی عرض کر دیتے ہیں تاکہ مسئلہ زیر بحث کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے اور حق بات بھی سامنے آجائے۔

پہلی آیت: حضرت امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہر نمازی اپنے لیے نماز پڑھتا ہے اور قرأت نماز کا ایک حصہ ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بعض نماز تو خود مقتدی ادا کرے اور بعض (یعنی قرأت سورۃ فاتحہ) اس کا امام ادا کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَٰهٌ سِوٰى رَبِّهِ سُوْرۃ نجم، رکوع ۲) اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کہا۔

اور اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے لِيُجْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى رِسْپ، سورۃ طہ، رکوع ۱) تاکہ بدلہ ملے ہر شخص کو جو اس نے کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام کی قرأت صرف اس کے لیے ہے اور مقتدی کو الگ سورۃ فاتحہ پڑھنی ہوگی۔ (محصلہ کتاب القراءۃ ص ۵۴) اور یہی کچھ تھوڑے بہت تغیر کے ساتھ خیر الکلام ص ۱۱ میں کہا گیا ہے۔

جواب: یہ استدلال محض باطل ہے اولاً اس لیے کہ کسی صحابی یا تابعی سے بلند صحیح ثابت نہیں کہ ان آیتوں کا شان نزول قرأت خلف الامام کا مسئلہ ہے اور خاص طور پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ان سے ثابت ہے اور نہ ان آیتوں میں سورۃ فاتحہ اور قرأت کا اور امام و مقتدی کا کوئی لفظ ہی موجود ہے اس لیے دعویٰ کا دلیل سے معمولی سا تعلق بھی نہیں ہے، بلا شک قرآن کریم کی کوئی آیت اور حکم شان نزول پر بند نہیں اور قرآن کریم قیامت تک اقوام عالم کے لیے دستور ہے لیکن اگر کسی مسئلہ کے استدلال پر کوئی ایسی آیت پیش کی جائے جس سے نہ تو حضرات صحابہ کرام نے وہ مسئلہ سمجھا ہو۔

اور نہ تابعین نے اور نہ وہ مسئلہ اس کا شان نزول ہو تو یقیناً وہ کشید ہوگا۔ مولف خیر الکلام اس نقطہ کو نہیں سمجھے یا بالکل پی گئے ہیں۔ وثانیاً پہلے تو قرأت کا فریضہ صرف امام پر ہے مقتدی پر نہیں اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے جیسا کہ بقول مولف خیر الکلام فیض الباری کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی پر بھی قرأت ہے لیکن امام اس کا متحمل ہے تو کیا امام بیہقی وغیرہ کے نزدیک امام کا سترہ اور ہر غیر مقتدیوں کو کافی نہیں ہے؟ یہ کہنا کہ اسی طرح جماعت کی



صورت میں امام کے آگے سترہ کا کفایت کرنا اس لیے نہیں کہ امام کا سترہ مقتدی کو کفایت کرتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جیسے استقبال کعبہ مقتدی کا فعل ہے اور وہ ہر نمازی سے مطلوب ہے اسی طرح نمازی کے آگے سترہ کا ہونا ہر نمازی سے مطلوب ہے اگر ایک نمازی ہو تو اس کے آگے ہو اگر جماعت نماز پڑھے تو امام کے آگے ہو جیسے کعبہ ایک ہے اور سب کا ہے اسی طرح سترہ اگرچہ ایک ہے مگر سب کا ہے نہ خاص امام کا نہ خاص مقتدی کا اور خیر الکلام ص ۱۵۰ محصلہ ان کے لیے سو دنہ نہیں بلکہ نری دفع الوقتی ہے۔ اولاً اس لیے کہ سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ (بخاری جلد ۱ ص ۱۰۰) ایک مسئلہ قاعدہ ہے پھر اس کا انکار کون تسلیم کرتا ہے وثانیاً یعنی یہی دلیل بسبب قرأت ہماری طرف سے سمجھے کہ منفرد ہو تو اس پر قرأت لازم ہے جماعت کی نماز ہو تو امام کی قرأت مقتدی کے لیے ہے جیسے کعبہ ایک ہے اور سب کا ہے اسی طرح قرأت بھی ایک ہے مگر سب کی ہے نہ خاص امام کی نہ خاص مقتدی کی جیسے مذکورہ دلیل میں باوجودیکہ سترہ امام کے آگے ہے مگر سب کا ہے اسی طرح قرأت بھی بظاہر امام کر رہا ہے مگر سب کی ہے جیسے نمازی سے مطلوب یہ ہے کہ سترہ اس کے آگے کی جانب ہو یہ مطلوب نہیں کہ ہر نمازی اس کو گاڑے اسی طرح قرأت میں بھی یہی مطلوب ہے کہ آگے امام قرأت کرے اور مقتدی نہیں نہ یہ کہ سب مقتدی قرأت کریں۔ اور کیا ہماری نمازوں میں امام کا جہر مقتدیوں کو کافی نہیں ہے؟ اور کیا ما زاد علی الفاتحہ میں امام کی قرأت مقتدیوں کو کفایت نہیں کرتی؟ دوسری باتوں میں نیابت اور کفالت کا مسئلہ تو الگ رہا نفس نماز میں یہ آیتیں امام بھیجتے کے مخالف پڑتی

بخاری اور عجز کے وقت حج کے سلسلے میں نیابت فدين الله الحق بالقضاء کے تحت جمہور کا مسکن اور من مات وعليه صوم صام عنہ ولبه بفرق ثانی کا خاصا اصرار ہے وعلیٰ نہ یصح نکاح اور طلاق وغیرہ میں وکالت و نیابت امام بھیجتے کے قاعدہ کے خلاف پڑتی ہے اور مالی طور پر ایصال ثواب میں تمام اہل السنۃ کا اتفاق ہے (دیکھیے نووی ص ۳۲۴ و شرح فقہ اکبر ص ۱۵۹) اور بخاری حدیث کا ایصال ثواب انکار پر ان کے پیش کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ میت اپنی زندگی میں کوشش کر کے علم حاصل کیا شادی کی اور اولاد پیدا ہوئی، اگر وہ ان کی اعانت کی اچھے اخلاق سے برتاؤ کر کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا اسکی وفات کے بعد لوگوں نے اسکو ایصال ثواب کیا تو اسکو اپنی ہی کوشش کا ثمرہ اور پل ملا وان کیس لیلۃ فکان الامام سخی لہذا یہ آیتیں ایصال ثواب کی دلیل ہیں نہ کہ انکار کی (دیکھیے کتاب المرحۃ ص ۱۵۰ الحافظ ابن القیم و شرح حقیقۃ الطحاوی ص ۳۸۴ وغیرہ) جن سنی قسم کے لوگوں نے اس آیت کریمہ کو ایصال ثواب کے لیے حجت گردانتے انکو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تو سرسراں کے خلاف جاتی ہے لیکن ہر بات میں غم اور تسلیم شرط ہے جو غم سے محروم ہو اور تسلیم کے لیے آمادہ نہ ہو اس کو جہاد لالی سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے!



ہیں۔ مولف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ ما زاد علی الفاتحہ اور ہر مقتدی پر ہے ہی نہیں یہ امام کا فریضہ ہے۔  
 (محصلاً ص ۶) ہمیں ضرر نہیں کیونکہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ قرآنہ امام کا فریضہ ہے مقتدی کا فریضہ صرف  
 استماع و انصات ہے۔ رہا ان آیتوں کا مطلب تو بالکل واضح ہے کہ توحید و رسالت اور معاد وغیرہ  
 کے بنیادی عقیدوں اور اصولی امور میں جہاں کسی دوسرے کی نیابت اور وکالت کام نہیں آسکتی وہاں ہر ایک  
 کو اپنا عقیدہ اور عمل ہی کام آئے گا وَاَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی اور جہاں نیابت اور وکالت  
 درست ہے، تو وہاں بھی اصل اور موکل کی محنت اور مشقت کا فرما ہے کہ اُس نے اپنا نائب اور وکیل  
 مقرر اور انتخاب کیا ہے اور اس کو اپنی ہی کوشش اور سعی کا نتیجہ ملتا ہے عام اس سے کہ اس کی سعی  
 بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ وہ اس کا موجب ہو یا عامل، دائمی ہو یا سبب، علت سبب کی ایک ہے۔

دوسری آیت :- امام بیہقیؒ اور مولانا عبد الصمد صاحب پشاورؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے  
 وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَ  
 ذَوْنُ الْجَهْدِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْعُدُوِّ وَالْاَصْحَابِ وَلَا  
 تَكُنُ مِنَ الْغَافِلِينَ (پ، اعداد، ۲۴) صبح کے وقت اور شام کے وقت اور صمت رہ بے خبر۔

ان اکابر کا کہنا ہے کہ یہ آیت امام اور مقتدی کو نیز چہری اور ستری تمام نمازوں کو شامل ہے اور  
 سورۃ فاتحہ وغیرہ فاتحہ کی قرأت کو عام ہے اس سے ثابت ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی  
 اپنے دل میں آہستہ آہستہ قرأت کرنا صحیح ہے اور امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ یہی مطلب اس آیت  
 کا حضرت زید بن اسلمؒ سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ علمائے اربعین میں بڑے پایہ کے مفتوحے  
 (محصلاً کتاب القراءة ص ۸ و اعلام الاعلام ص ۱۹) اور حافظ ابن تیمیہؒ نے ستری نمازوں میں امام  
 کے پیچھے قرأت کے جواز میں یہ آیت پیش کی ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ ص ۱۴۹) اور مولف خیر الکلام  
 نے بھی اس استدلال کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو خیر الکلام ص ۶۸)

جواب :- اس آیت سے امام کے پیچھے قرأت سورۃ فاتحہ پر استدلال کرنا باطل ہے اولاً  
 اگر واقعی اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ  
 اور جمہور سلف و خلفؓ پر یہ مطلب ہرگز مخفی نہ رہتا چونکہ یہ تفسیر صحیح حدیث اور حضرت ابن مسعودؓ اور ابن  
 عباسؓ کی صحیح تفسیر کے (جس کا حوالہ کے ساتھ ذکر جلد اول میں ہو چکا ہے) مخالف ہے اس لیے



یہ قابل قبول نہیں ہے لہذا اس کی صحت میں کلام ہے و ثانیاً نہ اس آیت میں امام کا لفظ ہے اور نہ مقتدی کا نہ قرأت کا اور نہ سورۃ فاتحہ کا مطلق ذکر کو خود ساختہ قیود میں جکڑنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے ؟ علاوہ انہیں اگر آیت کا عموم ملحوظ رکھا جائے تو کیا فرق پڑے گا مانی سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور قرأت کو مقتدی کے لیے تسلیم کر لے گا ؟ اگر نہیں تو کیوں ؟ جو جواب وہ غیر سورۃ فاتحہ کاٹے گا۔ فہو جوابنا عن الفاتحۃ اور امام سیوطی نے نتیجۃ الفکر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں ذکر سے قلبی ذکر مراد ہے زبان سے پڑھنا مراد ہی نہیں (دکذابی الدلیل المبین ص ۳۶) لہذا یہ ہمیں مضرب نہیں ہے کمالاً بخفی۔ و ثالثاً اگر واقعی یہ آیت تمار کے بارے میں ہے تو اس سے صرف امام مراد ہوگا نہ کہ مقتدی کیونکہ اذکر اور ربک ولا تکن میں مفرد صیغے اس پر دلالت کرتے ہیں اور اس سے پہلی آیت فاستمعوا لہ والنصوا اور لعلکم ترحمون میں مقتدیوں کو خطاب کیا کیونکہ یہ تمام جمع کے صیغے ہیں جو تقابیل کی صورت میں بیان ہوئے ہیں محض مفرد ہی نہیں جس سے جمع بھی مراد ہو سکتی ہے جس طرح وکونکری میں ہے جس سے مولف خیر الکلام کو مغالطہ ہوا ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ امام کو ساری نمازوں میں اپنے دل میں قرأت کرنی چاہیے اور مقتدیوں کو استماع اور انصات کرنا ہوگا اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ استماع اور سماع اور، بلکہ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت اور صحیح حدیث اس مطلب کی تائید کرتی ہے اوہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتداء میں حضرات صحابہ کرام کو بلند آواز سے قرأت کر کے نماز پڑھایا کرتے تھے، مشرکوں نے آپ کو اور قرآن کریم و جبریل علیہ السلام کو سب و شتم کا نشانہ بنایا، آپ نے بحالت امامت اتنی آہستہ قرأت شروع کر دی کہ مقتدی نہیں سن سکتے تھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا۔

وَلَا تُجْهَرُوا بِصَلَاتِكُمْ وَلَا تَخَافُتُمْ بِهَا  
وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا (پہا، یعنی اسرائیل ۱۲۶) سے اس کے بیچ میں راہ۔

اور انہیں کتابوں میں اس آیت کا مفہوم اعتدال فی الدعاء بھی مذکور ہے (بخاری جلد ۲ ص ۶۸۶ و مسلم جلد ۱ ص ۱۸۳ والیو عوانہ جلد ۲ ص ۱۲۳) و رابعاً حافظ ابن کثیرؒ کے حوالہ سے پہلے یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ مقتدیوں کے لیے اس آیت سے قرأت کرنے کا اثبات (بعید منافہ للانصات المأمور بہ و تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۸۲) بعید ہے اور انصات کے بالکل مخالف



ہے جس کا مقتدیوں کو حکم ہے بہر حال اس آیت کے مقتدیوں کے لیے نفس قرأت پر استدلال کرنا انصاف سے بعید اور حکم خداوندی کے سرسرمخالف ہے چہ جائیکہ سورۃ فاتحہ کی قرأت کا حکم اس کے مقتدیوں کے لیے ثابت ہو سکے۔ مؤلف خیر الکلام نے ص ۶۹ میں بحوالہ تفسیر نیشاپوری یہ لکھا ہے کہ آہستہ پڑھنا انصاف کے منافی نہیں۔ لیکن ہم پہلے بحوالہ کتب لغت عرض کر چکے ہیں کہ آہستہ پڑھنا بھی استماع و انصات کے بالکل منافی ہے، ارہی حضرت زید بن اسلم کی تفسیر تو وہ درایت اور روایت قابل توجہ نہیں ہے درایت تو آپ حافظ ابن کثیر کے حوالہ سے سن ہی چکے ہیں اور خود حضرت زید بن اسلم سے قرأت خلف الامام کی ممانعت کی تفسیر منقول ہے چنانچہ امام ابن قدامہ لکھتے ہیں۔ وقال زید بن اسلم والوالعالیۃ کانوا یقرؤن خلف الامام فنزلت واذا قرئی القرآن انکروا (معنی جلد ۱ ص ۲۵۱) زید بن اسلم اور ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے اس پر یہ آیت واذا قرئی القرآن الاۃ نازل ہوئی۔ اور روایت بھی یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں عبد العزیز بن محمد ہے گو وہ ثقہ ہے لیکن ابو زرعمہ اس کو سنی الحفظ سے اور امام احمد اور ابن حبان اس کو غلطی سے اور ابن سعد ان کو یحفظ سے اور ساجی ان کو کثیر الوهم سے تعبیر کرتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۵۲) کیا معلوم کہ حضرت زید بن اسلم نے اس آیت کی کیا تفسیر بیان کی تھی اور راوی مذکور کی غلطی اور وہم سے وہ کیا سے کیا ہو گئی ہے۔ مؤلف خیر الکلام ص ۶۹ میں لکھتے ہیں مگر یہ جرحیں بھی بلا سند ہونے کی بناء پر مردود ہیں الخ مگر یہ محض ان کی دفع الوقتی ہے امام ابو زرعمہ، امام احمد، امام ابن حبان وغیرہ کیا ائمہ جرح و تعدیل نہیں؟ اور معتبر کتب رجال میں ان کے اقوال کیا بلا سند ہیں؟ جب سنی الحفظ وغیرہ کی جرح امام ابو حنیفہ وغیرہ پر ہو تو وہ مؤلف مذکور کے نزدیک محترم ہو اور یہاں مردود ہو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اور ائمہ جرح کے اقوال کے مقابلہ میں اٹکل پچو باتیں کون سنتا ہے؟ باقی آیت کا مطلب بالکل غیاں ہے جو مطلقاً اللہ تعالیٰ کے ذکر، یاد اور دعا پر مشتمل ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃً۔ (پ، اعراف) پکارو اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے۔ تَدْعُوْنَهُ تَضَرُّعًا وَخَفِیۃً (پ، انعام، ۸) پکارتے ہو تم اس کو گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ خود بنفس نفیس تحریر فرماتے ہیں کہ دعائیں سنت



طریقہ یہ ہے کہ آہستہ دعا کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ الْاَيْتِ**  
**(فتاویٰ جلد ۱ ص ۱۶۶)** خلاصہ امر یہ ہے کہ اس آیت کو مقتدیوں کی قرأت (خصوصاً قرأت فاتحہ)  
 پر دلیل بنانا اندرونی اور بیرونی عقلی اور نقلی تمام دلائل کے سراسر مخالف ہے۔ الغرض اس سے مراد  
 ذکر اور دعا ہے گو خطاب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم امت کو ہے گفتہ آید در حدیث  
 دیگر ال۔

**تیسری آیت**۔ مولوی محمد صادق صاحب خطیب جامع الہدایت قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ  
 لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَلَا تَزِدْوا زَكَاةً وَّ ذُرًّا اُخْرٰی (پا۔ بنی اسرائیل ۲۰)** اور  
 کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ امام کی قرأت سورۃ فاتحہ مقتدیوں کو کفایت نہیں کر سکتی کیونکہ  
 ایک آدمی کا بوجھ دوسرے کیسے اٹھا سکتا ہے؟ (بحوالہ ازالہ ستر ص ۵۸) مولفہ جناب مولانا قاضی نور محمد  
 صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ المستوفی ۱۳۸۲ھ ۲۲ محرم ۱۴۰۲ھ۔

جواب در یہ استدلال بھی نہایت کمزور ہے اولاً حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب تحریر  
 فرماتے ہیں کہ شریعت کی اصطلاح میں کسی شے کو جواز قبیل عبادت ہو ورنہ ہرگز نہیں کہا جاتا اگر  
 کہیں قرآن اور حدیث میں وزر کا لفظ کسی عبادت پر اطلاق کیا گیا ہو تو پیش کریں ورنہ (سورۃ)  
 فاتحہ کو وزر بنانے سے شریعتیں (بلفظ ازالہ ستر ص ۶۲) وثانیاً کیا سورۃ فاتحہ ہی وزر ہے یا ما  
 زاد علی الفاتحہ قرآن کریم کی ایک سو تیرہ سورتیں بھی وزر ہیں تو صرف فاتحہ کی تخصیص کیوں کی  
 گئی ہے؟ اور ان میں امام کیوں کفایت کر جاتا ہے؟ اور اگر وہ وزر نہیں تو کس منطق کے رو سے  
 وثالثاً جہری نمازوں میں جہر اور سترہ وغیرہ وزر کو امام کیوں اٹھا لیتا ہے کیا ان میں وزر والا  
 فلسفہ اپنا کام نہیں کرتا؟ عجیب بات ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے  
 ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسی سورت (فاتحہ) عطا کی ہے کہ نہ تو تورات و انجیل اور زبور میں ایسی  
 سورت نازل ہوئی ہے اور نہ قرآن کریم میں اس کی مثال موجود ہے۔ (مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۸ و  
 معطاً امام مالک ص ۲۸ و ترمذی جلد ۲ ص ۱۱۱ و قال صحیح) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ  
 علیہ وآلہ وسلم تو اس سورت کو نعمت عظمیٰ بتلاتے ہیں مگر مدعیان عمل بالحدیث اس کو وزر سے



تعبیر کرتے ہیں قوا السفا۔ آیت کریمہ کا مفہوم بالکل ظاہر ہے کہ ہر آدمی صرف اپنا ہی بوجھ اٹھائیگا  
خواہ وہ اس عمل کا موجب ہو یا شروع عامل بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ اپنے ہی کے کاپھل پائے گا اور وہ  
مٹوی اور مٹول جو دوسروں کے گناہوں کو اپنے پیٹے ڈالنے کا معنی ہے اس کو عدالت عالیہ اور سچی سرکار  
سے گریا یہ خطاب ہوگا۔ ع۔ تجھ کو پرانی کیا پڑی اپنی بیڑ تو۔ ہاں مگر اغوا اور اضلال چونکہ اس  
کا اپنا عمل ہے لہذا اس کا بوجھ اس پر ضرور پڑے گا اور گمراہ کمنے پر اپنے گئے کا ضرور پھل پائیگا وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔  
الغرض اہم کے پیچھے مقتدیوں کے لیے قرأت سورۃ فاتحہ کا اس آیت سے اثبات تحریر قرآن  
کریم کے مترادف ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

جو کھٹی آیت۔ مولانا محمد امجدی صاحب خطیب جامع مسجد اہل حدیث گوہر الزوال فرماتے ہیں اللہ  
تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْمٰی (پہا سورۃ طہ۔ رکوع ۷) اور جس شخص نے نہ پھیرا میرے ذکر اور یاد سے تو اس  
کو ملتی ہے گدازان تنگی کی اور لایس گئے ہم اس کو قیامت کے دن اندھا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد اہم کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہے اور  
جو شخص اس سے اعراض کرتا ہے وہ عذاب خداوندی کا شکار ہوگا۔ (محصلہ اخبار تنظیم  
مسجد عالم محمدیہ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۳ء ماخذ از برہان ساطع ص ۱۷)

جواب:- فریق ثانی کا دوسرا ہی عجیب آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ كَانُ تَرْوِلُ صَیْحُ  
روایات اور اجماع امت سے خلف الامام کا مسئلہ ہے مگر وہ آیت اُن کے نزدیک کافروں کے  
بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت جو بالاتفاق کفار منافقین اور عصاة کے بارے میں نازل ہوئی ہے  
اس کو وہ مسلمانوں کے بارے میں بتاتے ہیں بعض مفسرین کرام نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔  
کہ مَعِيشَةٌ ضَنْكٌ کے یہ معنی ہیں کہ زندگی میں خیر اور بھلائی داخل نہ ہو سکے گویا خیر کو اپنے اندر  
لیٹنے سے تنگ ہو گئی ہے اور اکثر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور قرآن کریم سے  
اعراض کرنے والے کافروں اور منافقوں کو اگرچہ مالی، اولاد اور دنیا کی ترقی حاصل ہو جاتی ہے۔  
لیکن زندگی کا وہ سکون جو خدا تعالیٰ کے احکام ماننے سے ہوتا ہے اس سے وہ بکسر خالی اور محروم  
ہوتے ہیں اور اس دنیائے خاک و گل میں حقیقی امن اور تسلی ہی ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ جو



اللہ تعالیٰ کی یاد سے اپنے دل کو معمور رکھتے ہیں سچ ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل مطمئن ہو سکتے ہیں۔ الا بذكر الله تطمئنن القلوب اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معشیتہ ضنکاً کی تفسیر عذاب قبر سے کی ہے چنانچہ حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا معشیتہ ضنکاً قال عذاب القبر (مسند جلد ۲ ص ۲۸) قال المحاکہ والذہبی علی شرط مسلم) کہ اس آیت میں معشیتہ ضنک سے عذاب قبر مراد ہے۔

اور امام بخاریؒ نے بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً یہ روایت نقل کی ہے عاقل ابن کثیرؒ فرماتے ہیں اسناد جید (جلد ۳ ص ۱۶۹) کہ اس کی سند جید اور عمدہ ہے اب مولانا صاحب ہی ازراہ بزرگی ارشاد فرمائیں کہ کیا ان تمام حضرات کو عذاب قبر ہو گا جن کے حوالے پوری تفصیل کے ساتھ جلد اول میں بیان ہو چکے ہیں جو قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے؟ اور کیا عذاب قبر مشرکوں، کافروں، منافقوں اور گنہگاروں کو ہو گا یا قرآن کریم اور صحیح احادیث پر عمل کرنے والوں کو جن کا دامن تحقیق اکثر حضرات صحابہ و تابعینؓ اور جہود فقہاء اور محدثینؓ کی معیت سے بھی وابستہ ہے؟ اگر استدلال اسی کا نام ہے تو کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ واذا قرئ القرآن الايت اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا حکم ہے اور فریق ثانی اس سے عرض کرتا ہے انہذا ان کی منطق کی رو سے وہ معشیتہ ضنک کے مستحق ہیں بلکہ یہ مطلب زیادہ صحیح ہو گا۔ کیونکہ اس کا مطلب ہی صحیح روایات اور اجماع امت سے مسئلہ عدم قرأت خلف الامام ثابت ہو چکا ہے اور من عرض عن ذکری الايت کا یہ مطلب کہ اس سے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ سے اعراض کرنا ہے نہ تو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ سے بلکہ کسی بھی معتبر اور مستند مفسر سے یہ ثابت نہیں ہے پھر کیونکر اس سے قرأت خلف الامام کی اور خصوصاً امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی اجازت ثابت ہے۔ مولف خیر الکلام نے ص ۵۸ میں فاقدوا ما تيسر الايت سے بھی اپنے دعویٰ پر استدلال کیا ہے مگر ہم نے جلد اول میں باحوالہ بحث عرض کر دی ہے کہ یہ آیت ہی نماز تہجد سے متعلق ہے نہ کہ مسئلہ خلف الامام سے حضرات! اسی قسم کی بعض اور آیات بھی فریق ثانی نے اپنے اس دعوے کے اثبات پر پیش کی ہیں مگر ان کو وہ کسی طرح بھی مفید نہیں ہو سکتیں بخلاف اس کے ہم نے محض حضرات صحابہ کرامؓ سے نہیں بلکہ ان حضرات صحابہ کرامؓ سے جن کا فن تفسیر میں مقام حضرات خلفاء راشدینؓ سے



بھی بڑھا ہوا ہے صحیح اسانید کے ساتھ ایک آیت کا مطلب اور شان نزول پیش کیا ہے اور حدیث تابعین و جمہور مفسرین سے بلکہ اجماع امت سے بھی آیت کی تفسیر نقل کی جا چکی ہے اور فریق ثانی صحابی چھوڑ کسی تابعی سے بھی اپنے صحیح کسی آیت کا مطلب نہیں پیش کر سکا صرف تفسیر بالرائے اور سینہ زدوری سے کام لیتا ہے۔

فَاللّٰهُ تَعَالٰی الْمَشْكٰی۔



## دوسرا باب

اس باب میں وہ مرفوع روایات اور احادیث پیش کی جاتی ہیں جن سے فریق ثانی نے مقتدی کے لیے امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا وجوب ثابت کیا ہے اور ہم ان پر روایت اور درایت سنداً اور معنی کلام کریں گے اور یہ واضح کریں گے کہ ان کا یہ دعویٰ اور اس کی دلیل کہاں تک اور کیسے ان کو مفید ہے؟ اور دعویٰ و دلیل کی مطابقت کیا ہے؟

پہلی روایت :- حضرت عبادہ بن الصامت کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- لا صلوة لمن لا یقرأ بفاتحة الكتاب (بخاری ج ۱ ص ۱۴۳ و مسلم ج ۱ ص ۱۶۹) کہ جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ چونکہ اس روایت میں مقتدی اور خلف الامام کی کوئی قید مذکور نہیں اس لیے فریق ثانی کو اس حدیث سے استدلال کرنے میں علوم آلی خارج قرآن اور حضرات محدثین کرام کے مفروض اجماع الیے خوش کن الفاظ سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے چنانچہ مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ من عام ہے جس میں اہم منفرد اور مقتدی سب داخل ہیں (البحار المنان من تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۷ و تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۴) اور مولانا محمد ابراہیم صاحب تیسرے لکھتے ہیں کہ غرض تمام محدثین بالاتفاق اس حدیث کو ہر نماز اور ہر نمازی پر شامل

لے یہ روایت نسائی جلد ۱ ص ۱۰۵، البخاری جلد ۲ ص ۱۳۲، دارمی ص ۱۳۶، البیہقی جلد ۱ ص ۱۱۹، ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۹، ابن ماجہ ص ۱۰۰، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۱۲، سنن البیہقی جلد ۲ ص ۱۰۵، جزء القراءة ص ۱۰۰، کتاب الاعتبار ص ۹۸، مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۰۰ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے یہ روایت مستند حضرات صحابہ کرام سے لے کر محدثین صحیح مروی ہے مثلاً حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جابرؓ سے صحیح سند سے مرفوعاً مروی ہے لا صلوة لمن لا یقرأ بفاتحة الكتاب کتاب القراءة ص ۳۳ کلاھنما

بطریق اسحاق بن بنان البغدادی وغیرہ



کہتے ہیں۔ (تفسیر واضح البیان ص ۱۷۱) اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ یہ حدیث عام ہے اس میں کسی نماز کی تخصیص نہیں اہم یا منفرد کا کوئی ذکر نہیں ہے جیسے یہ حدیث اہم یا منفرد کو شامل ہے۔ اسی طرح مقتدی کو بھی شامل ہے الخ (ص ۱۷۱)

جواب اوّل وہ بلاشبہ منہ کے لحاظ سے یہ روایت صحیح ہے لیکن اس روایت سے فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دعویٰ مناس اور دلیل عام ہے (تقریب تمام نہیں ترقی منطقی اصطلاح ہی ملحوظ نہیں کیونکہ) نہ اس میں مقتدی کی قید موجود ہے اور نہ خلف الامام کی اور جب تک دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہ ہو کسی با انصاف عدالت میں ایسا دعویٰ ہرگز سموع نہیں ہو سکتا۔ رہا حرف من سے استدلال تو وہ بھی قابل التفات نہیں ہے اس لیے کہ فریق ثانی جب تک یہ نہ ثابت کرے کہ حرف من تعمیم میں نص قطعی ہے اور کبھی کسی مقام میں تخصیص کے لیے مستعمل نہیں ہوا تو پھر ان کا دعویٰ ایک حد تک صحیح ہو سکتا ہے مگر یقین کیجئے کہ اس کا اثبات کارے دارد یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات حرف من عموم کے لیے آتا ہے لیکن بسا اوقات اس میں تخصیص بھی مراد ہو سکتی ہے نہایت اختصار کے ساتھ ہم بعض حوالے درج کرتے ہیں ملاحظہ کریں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَیَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ (پڑھو ص ۱) کہ فرشتے زمین پر بسنے والوں کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں۔ اس آیت میں حرف من ہے اور ظاہر ہے کہ زمین پر بسنے والوں کے لئے فرشتے دعا مغفرت نہیں کرتے بلکہ مومنوں کے لیے طلب استغفار کرتے ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے وَیَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا (پ ۲۴ مومن) کہ فرشتے صرف مومنوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں نہ یہ کہ ہندوؤں، سکھوں، یہودیوں اور نصرانیوں اور دیگر مشرک قوموں کے لیے خواہ وہ انسانوں میں ہوں یا جنوں میں تو یہاں حرف من تخصیص کے لیے آیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ عَاثِمَتُهُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ (پ ۲، ملک، ۲) کیا تم نڈر ہو چکے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ وہ صنادے تم کو زمین میں یہاں بھی حرف من ہے اور اس سے مراد صرف اللہ کی ذات ہے نہ کہ ہر ایک مَنْ فِي السَّمَاءِ اور قرآن کریم صحیح احادیث اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ آسمانوں میں فرشتے اور ارواحِ حق تعالیٰ



انبیاء علیہم السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب غصہ کی حالت میں تھے تو ان کی روحوں کی طرف سے آسمانوں پر موجود ہیں اور ایک صحیح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وہ اولاد جو اہل النار سے ہے پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب موجود ہے (بخاری ص ۵۱۱)۔ مسند ج ۱ ص ۹۲ والیون وانہ جلد ۱ ص ۱۳۳) اور آسمان پر کوئی چپہ ایسا نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت اور سجدہ میں مشغول نہ ہو (مستدرک جلد ۴ ص ۵۴۴) قال الحاکم والذہبی علی شرطہما

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَمَّا امْتِذْعَنَّ مِنْ فِی السَّمَاءِ اَنْ یُّسَلَّ عَلَیْكَ حَاصِبًا

(پ ۲، ص ۲۰) کیا نڈر ہو چکے ہو تم اس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ برسے تمہارے اوپر پتھروں کا مینہ اس آیت میں بھی حرف من ہے مگر مراد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

(المحدث بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱) کہ تم سے پہلے لوگ صرف اس لیے ہلاک ہوئے ہیں کہ احکام خداوندی

میں امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق کرتے تھے، اس حدیث میں حرف من ہے مگر مراد صرف

بعض قومیں ہیں نہ کہ حضرات انبیاء عظام اور ان کے مومن ساتھی (علیہم الصلوٰۃ والسلام)

۵۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَتَجَنَّ سَنَنْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ (المحدث)

(بخاری ص ۱۰۸۸ و مسند ص ۳۳۹) تم سے پہلے لوگوں کی (جو یہود اور نصاریٰ ہیں جیسا کہ اسی حدیث

میں اس کی تصریح ہے) اتباع کرو گے جو تمہاری گمراہی کا موجب بنے گی اس میں بھی حرف من

ہے اور اس سے مراد بعض قومیں ہیں نہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کیونکہ ان کی اتباع کا تو آپ

کو حکم ہے فَبُذِلَ لَهُمْ اَقْدَرُ رُفٍ (العام) سو آپ ان پیغمبروں کی رحمت میں اٹھارہ کے

صراحتہ نام لیے گئے ہیں اور باقی حضرات کا اجمالاً ذکر ہوا ہے، اقدار کیجئے اور آپ کی وساطت سے

آپ کی تمام امت کو ان کی اتباع اور اقتدار کا حکم دیا گیا ہے۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طاعون اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے

(جس ارسل علی من قبلکم بخاری جلد ۱ ص ۴۹۴ و مسند جلد ۲ ص ۲۲۸) جو تم سے پہلے

لوگوں پر نازل کیا گیا ہے اس حدیث میں بھی حرف من ہے حالانکہ یہ عذاب صرف بعض مجرموں پر

نازل کیا گیا تھا نہ کہ پیغمبروں اور مومنوں پر علیہم الصلوٰۃ والسلام۔



۷۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عصر کی نماز تم سے پہلے لوگوں پر پیش کی گئی مگر انہوں نے پرواہ نہ کی۔ عرضت علی من قبلکم (مسلم جلد ۱ ص ۲۷۵) حالانکہ حضرت انبیاء عظام علیہم السلام اور ان کے پیروکار اس جرم سے مبرا تھے۔

۸۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو زمین پر بسنے والوں پر رحم نہیں کرتے لا یرحمہم من فی السماء (التغییب والترہیب جلد ۳ ص ۱۵۵) مستدقویٰ ان پر آسمان والا رحم نہیں کرے گا، یہاں بھی حرف من ہے اور مراد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۹۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں کو اور نیک بندوں کو ارشاد فرمائیں گے اخرجوا من النار من ذکر فی یومنا (مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۵) و مستدرک ص ۱) جن لوگوں نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا ہے۔ ان کو دوزخ سے نکال لو اس حدیث میں بھی حرف من ہے لیکن اس سے مراد صرف اہل توحید ہیں گو کہتے ہی گنہگار ہوں نہ کہ کافر اور مشرک حالانکہ وہ بھی خدا کا نام تو لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اگر آپ ان سے سوال کریں تمہیں کس نے پیدا کیا ہے لیسوا لی اللہ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے کتب حدیث میں شیکر ٹل مثالیں ایسی موجود ہیں جن سے بخوبی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حرف من تخصیص کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، ہم نے صرف بطور مثال کے چند نمونے عرض کئے ہیں، اب آپ علمائے عربیت کی چند عبارتیں ملاحظہ کریں۔

۱۔ علامہ زحشریؒ آیت۔ اکی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حرف من تعجم کے لیے نہیں بلکہ جنس کے لیے اور جنسیت کل افراد میں بھی متحقق ہو سکتی ہے اور بعض میں بھی لیکن اس مقام میں بعض یعنی اہل ایمان مراد ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے کافروں کے لیے دعائے مغفرت نہیں کرتے۔

۲۔ مولف خیر الکلام نے ان عبارات کا جو یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک حرف من وضع تو عموم کے لیے ہے اور اس مقام پر خصوص کے معنی پر لکھی دلالت ہے اور وضع و دلالت میں فرق ہے (محصلاً ص ۸۵) تو یہ ایک ناکام بہانہ ہے کیونکہ علامہ زحشریؒ وغیرہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ حرف من تعجم کے لیے نہیں بلکہ جنس کے لیے ہے تو پھر سب کا مطلب کو کون مانتا ہے؟ اور اگر دلالت کے لحاظ سے خصوص آیا ہے تب بھی استعمال کے لحاظ سے عموم میں نص قطعی تو نہ رہا، وہو المطلوب۔ اور پھر علامہ سیّد شریف جرجانیؒ کی صریح اور واضح عبارت کا کیا جواب ہے جس میں وہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ عموم کیلئے وضع ہی نہیں بلکہ جنس کے لیے وضع ہیں۔



۲۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ حرف من لا یفید العموم یہاں عموم کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ اس سے بعض مراد ہیں (جواب اہل ایمان ہیں) (تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۴۳۹)

۳۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ حرف من یہاں جنس کے لیے ہے نہ کہ عموم کیلئے (روح المعانی ص ۱۲۹)

۴۔ امام ابو جبر رازیؒ بھی اسی کے قریب قریب الفاظ لکھتے ہیں (احکام القرآن ص ۲۲۹)

۵۔ ملا احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں ہا و من یحتمل ان العموم والخصوص واصلہما للعموم

رنور الانوار ص ۵۸) کہ حرف تا اور من عموم اور خصوص دونوں کا احتمال لکھتے ہیں۔ اصل اگرچہ ان دونوں کا عموم ہے۔

مطلب واضح ہے کہ اگرچہ اصل میں دونوں عموم کے لیے ہیں لیکن احتمال کے لحاظ سے دونوں عموم کے لیے نص قطعی نہیں کہ ان میں تخصیص نہ آ سکے بلکہ احتمال میں عموم و خصوص دونوں کا برابر احتمال لکھتے ہیں اور ص ۵۸ میں لکھتے ہیں۔ وکلمۃ من نیست بحکمۃ فی العموم الخ کہ کلمہ من عموم میں محکم اور نص قطعی نہیں ہے۔

۶۔ امام اہل عربیت علامہ سید شریف حیر جانیؒ (المتوفی ۸۱۶ھ) تحریر فرماتے ہیں (المصوبات لہ توضیح للعموم بلہی للجنس یحتمل العموم والخصوص (شرح مواقف جلد ۲ ص ۴۵۲ طبع مصر ص ۲۳) طبع لوئیکسٹون کہ جملہ مصوبات (جن میں ما و من داخل ہیں) عموم کے لیے موضوع ہی نہیں بلکہ ان میں عموم و خصوص دونوں کا احتمال ہے اور ابو جبر محمد بن احمد الشریفیؒ (المتوفی ۴۹۰ھ) لکھتے ہیں ومن هذا القسم کلمۃ من فانہا کلمۃ مبہمۃ وہی عبارة عن ذات من یعقل وہی تحتل الخصوص والعموم الخ (اصول سرخسی جلد ۱ ص ۱۵۵ طبع مصر) کہ اسی قسم سے کلمہ من بھی ہے کہ وہ مبہم اور مجمل ہے اور وہ عقل والی شخصیت پر دلالت کرتا ہے اور خصوص و عموم دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور اصول فقہ کی مشہور کتاب التوضیح والتلویح ص ۱۵۹ میں بھی اس کی تصریح ہے کہ کلمہ من خصوص اور عموم دونوں کے لیے آتا ہے۔

قارئین کرام! آپ قرآن کریم، صحیح احادیث اور ائمہ تفسیر اور علماء عربیت کی واضح عبارت سے یہ معلوم کر چکے ہیں کہ حرف من تعمیم کے لیے نص قطعی نہیں ہے اور اسی پر فرق ثانی کے استدلال



کی عبارت قائم تھی جو اس بحث کے بعد بیرون زمین ہو جاتی ہے کیونکہ حرف من تخصیص کے لیے بھی آتا ہے اور ادب عربی کے ساتھ تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ بہت کم ایسے مقامات ہوں گے جہاں اندرونی اور بیرونی قرائن سے حرف من سے حقیقی تعمیم مراد لی جائے۔ حضرت شاہ ولی نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے (اور قرائن و شواہد کی روشنی میں ان کا دعویٰ بیجا نہیں ہے)۔

الاصل فی العمومات التخصیص بمعانیاسب المقام (تفہیمات الہیہ ج ۱ ص ۲۵) کہ عمومات میں قاعدہ اور اصل یہی ہے کہ ان میں مقام اور محل کے مناسب تخصیص مراد لی جائے گی۔ قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ عام کو مطلقاً خاص پر چل کیا جائے گا، امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ اصول کا یہی مسلک ہے، وهو الحق (منیل جلد ۱ ص ۱۹۵) مبارکپوری صاحبؒ بحوالہ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ مطلق کو مقتید پر اور عام کو خاص پر چل کر نا واجب ہے اور یہی قوی ترین مذہب ہے (تحفۃ الاحق جلد ۲ ص ۱۳) اور نواب صاحبؒ بھی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ درحقیقت از باب تخصیص است

(إفادة المشيوخ ص ۵۸) اور مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ خاص عام پر اور مقتید مطلق پر مقدم پر ہوتا ہے ان تمام حوالوں اور دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تیسرے صاحبؒ کا ہر نماز میں لفظ ہر پر اور مبارکپوری صاحبؒ اور مولف خیر الکلام کا حرف من پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھنا باطل ہے اور اس سے امام مقتدیؒ منفرد اور ہر نمازی ہی مراد لینا صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے صرف امام اور صرف منفرد مراد لینا بھی یقیناً صحیح ہے۔ مولف خیر الکلام نے ان مخصوص اور مزوج حوالوں سے انتہائی ناراض اور تنگدل ہو کر بلکہ گھبرا کر جو مخلص تلاش کیا وہ یہ ہے ۱۔ مولف "احسن الکلام" نے یہ تو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے مگر اپنی طرف سے یہ اعتراض کیا ہے کہ حدیث عام ہے یعنی مقتدیؒ امام اور منفرد سب کو شامل ہے اس میں خاص مقتدیؒ کا ذکر نہیں اور نہ خلف الامام کا ذکر ہے۔

۲۔ دوسرے لفظوں میں ان کا یہ مطلب ہوا کہ یہ حدیث لغو اور بیجا ہے کیونکہ اس میں حکم عام ہے نہ منفرد کا ذکر ہے نہ امام کا اور نہ مقتدیؒ کا۔

۳۔ حنفیوں کی معتبر کتاب حسامی میں ہے کہ عام کا حکم یہ ہے کہ جتنے افراد کو وہ لفظ شامل ہو اس میں تمام کو عام کا حکم قطعی اور یقینی طور پر شامل ہوتا ہے خاص و عام میں کوئی فرق نہیں اور یہی ہمارا



مذہب ہے۔

۴۔ حنفیوں کی بہترین کتاب توضیح میں ہے کہ ہمارے اور اہم شافعی کے نزدیک عام مجمع افراد میں حکم واجب کرتا ہے یعنی عام کے حجت ہونے میں حنفی اور شافعی متفق ہیں۔

۵۔ توحیح میں ہے کہ عام کے حجت ہونے پر امت کا اجماع ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ اور غیر صحابہؓ سے عموماً اسے استدلال کرنا ثابت اور مشہور و معروف ہے۔

۶۔ حرف من کی دلالت عموم پر قطعی ہے کیونکہ من عموم کے لیے موضوع ہے اور بدول قرینہ لفظ اپنے اصل معنی پر قطعاً دلالت کرتا ہے۔

۷۔ مولف احسن الکلام نے جو حوالے نقل کئے ہیں ان تمام سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حرف من میں بسا اوقات تخصیص بھی مراد ہو سکتی ہے اور اصل میں من عام ہے مگر یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ لفظ من عام و خاص دونوں کے لیے موضوع ہے یا دونوں اس میں اصل ہیں۔

۸۔ مولف احسن الکلام کی اس جگہ روش مرزائیوں کی سی ہے کہ وہ لَانَبِیَّ یَعْدِی کی حدیث میں مجمع افراد کی نفی مراد نہیں لیتے حالانکہ اس میں ہر قسم کی نبوت کی نفی ہے۔

۹۔ قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ جمہور کا مذہب ہے کہ عموم کے لیے ایسے الفاظ ہیں جو اس کے لیے حقیقہً موضوع ہیں وہ اسماء شرط اور اسماء استفہام اور اسماء موصولات ہیں (اور شاء الفحول ص ۱۱)

۱۰۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ من جنس کے لیے موضوع ہے ان کے نزدیک بھی یہاں عام ہونا چاہیے کیونکہ صفت عام ہے منار اور نور الانوار ص ۵۷ میں ہے اگر کوئی شخص یہ کہے من شاء من عبیدی العتق فهو حر فثا واعتقوا (جو شخص کے میرے غلاموں میں سے جو آزاد ہوتا چاہے وہ آزاد ہے اگر وہ چاہے گے تو آزاد ہو جائیں گے الخ) (محصلہ خیر الکلام از ص ۸ تا ص ۱۱)

الجواب :- ترتیب وار ہر ایک شوق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ راقم نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ یہ حدیث عام ہے اور یہ اہم و منفرد اور مقتدی سب کو شامل ہے جیسا کہ مولف خیر الکلام نے غلط بیانی سے کام لیا ہے، راقم تو اس حدیث کو عام مانتا ہی نہیں بلکہ یہ کہتا ہے کہ یہ اہم و منفرد کے ساتھ خاص ہے اور اسی لیے حرف من کی تخصیص کی باحوالہ بحث درج کی ہے کہ وہ عموم میں محکم اور نفی نہیں ہے راقم نے تو یہ لکھا ہے کہ اس روایت سے فریق ثانی کا



استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے نہ اس میں مقتدی کی قید موجود ہے اور نہ خلف اللہ کی الخ اور دلیل کو بھی اس لیے عام کہا کہ فریق ثانی اس کو عام کہتا ہے اور یہ لفظ عام بھی صرف الزامی طور پر استعمال کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف خیر الکلام کو حدیث کے عام ہونے اور مقام استدلال میں دلیل کے عام ہونے کے واضح فرق کو سمجھنے کی توفیق بخشے گا۔

ایں دعاۃ من داز جملہ جہاں آمین یاد

۲۔ یہ بھی خوب کسی کہ حدیث لغو اور بیکار ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اپنے ناخواندہ حواریوں کو بھڑکانے کا کیا نرا لاڈھنگ ہے، راقم جب چلا چلا کہ یہ کتاب ہے کہ اس حدیث کا مصداق ہی صرف اہم اور منفرد ہیں، اندرونی اور بیرونی ٹھوس دلائل سے مقتدی اس میں داخل نہیں تو انصاف فرمائیے بشرطیکہ فریق ثانی انصاف کی قدر کرتا ہو کہ راقم کے نزدیک یہ حدیث لغو اور بیکار کیونکر ہوئی؟ اور راقم نے یہ کب تسلیم کیا ہے کہ اس میں حکم عام ہے جس پر مؤلف "خیر الکلام" نے بلاوجہ حاشیہ آرائی کی ہے۔

۳۔ حاشی کا حوالہ مؤلف مذکور کو مفید نہیں کیونکہ نزاع اس میں نہیں کہ عام اپنے افراد کو قطعی طور پر شامل ہے یا نہیں؛ بلکہ نزاع اس میں ہے کہ حرف من عموم کے لیے موضوع ہے یا جنس اور اہام کے لیے موضوع ہے؟ جب کسی لفظ کو عام تسلیم کر لیا جائے تو اس کا اپنے افراد پر شمول قطعی ہوگا اگر حرف من ایسا نہیں۔

۴۔ توضیح و تفسیر کے حوالے بھی مؤلف خیر الکلام کو سود مند نہیں ہیں کیونکہ نہ تو عام کے حجت ہونے میں اختلاف ہے اور نہ لفظ عام کے اپنے جمیع افراد میں حکم واجب کرنے میں یہ دونوں باقی محمل نزاع سے خارج ہیں۔ نزاع صرف اسی میں ہے کہ حرف من عموم میں محکم اور قطعی ہے یا نہیں؟ ۵۔ ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ حرف من عموم میں محکم اور قطعی نہیں بلکہ یہ مبہم ہے اور موصولات عموم کے لیے موضوع نہیں ہیں اور حافظ ابن ہمام اپنی دقیق کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

هل الصيغ من اسماء الشرط والاستفهام والموصولات والمجلى والمنفية والجمع باللام والاضافة موضوعة للعموم على الخصوص او مجاز فيه او مشتركة  
کیا اسماء شرط، استفهام، موصولات، مجلی منفی جمع باللام اور اضافات کے صیغے علی الخصوص عموم کے لیے موضوع ہیں یا اس میں مجاز ہیں یا مشترک ہیں؟ اس میں اختلاف ہے، اہم ابوالحسن اشعری نے قاضی ابوبکر



و توقف الاشعری مرة كالقاضي و الباقلانی کی طرح کبھی تو توقف کیا اور کبھی اشتراک  
مرة بالاشتراك اھ۔ (التحریر ص ۶۵ طبع مصر) کے قائل ہوئے۔

ملاحظہ کیجئے کہ علم عربیت کے پہاڑ اور ماہر امام بھی موصولات وغیرہ کے بارے میں حتمی طور پر یہ کہنے  
سے قاصر ہیں کہ وہ قطعاً عموم کے لیے موضوع ہیں۔ کوئی تو عموم کے لیے ان کی وضع کو مجازی کہتے ہیں اور  
کوئی اشتراک اور توقف کے قائل ہیں پھر بھلا مولف خیر الکلام کے اس دعویٰ کو کون سنتا اور مانتا ہے کہ من  
عموم کے لیے موضوع ہے جب عموم کے لیے وضع ہی نہیں اور کم از کم ائمہ عربیت کا اس میں شدید اور قوی  
اختلاف ہے تو حرف من کی عموم میں قطعیت کا دعویٰ باطل ہے اور جب قطعی طور پر اس کا معنی عموم ہے  
ہی نہیں تو قرینہ اور غیر قرینہ کا کیا سوال؟ جس کے پیچھے مولف خیر الکلام پڑے ہوئے ہیں اور خصوص  
کے لیے قرینہ کے طالب ہیں۔

۷۔ جب مولف خیر الکلام کو اس کا اقرار ہے کہ حرف من میں بسا اوقات تخصیص بھی مراد ہو سکتی  
ہے تو انہیں کے اس اقرار کے موافق یہاں حرف من سے خاص مراد ہے یعنی امام اور منفرد تاکہ دیگر  
صحیح اور صریح دلائل سے تعارض بھی نہ ہو اور مضاعفاً کی زیادت بھی بر محل ثابت ہے۔

۸۔ مولف خیر الکلام کا رویہ بھی رافضیوں کے کسی طرح کم نہیں کہ وہ دیگر تمام نصوص سے انماض  
کے محض سینہ زوری سے تَبَيَّنَا لِكُلِّ شَيْءٍ میں لفظ کل کے عموم پر اصرار کر کے اپنے ائمہ کے  
لیے مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کا علم غیب ثابت کرنے پر کمر بستہ ہیں (ملاحظہ ہو اصول کافی جلد ۱  
صفحہ ۱۱۱) باقی حدیث لابی بعدی نکرہ نفی کے نیچے داخل ہے جس کا حکم واضح ہے۔

۹۔ قاضی شوکانی کا یہ دعویٰ کہ جمہور کے نزدیک موصولات وغیرہ عموم کے لیے وضع ہیں مسموع  
نہیں کیونکہ ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ عموم کے لیے موضوع ہی نہیں اور ائمہ فن کا اس میں  
خاص اختلاف ہے علاوہ انہیں قلوچ ص ۱۶ میں اس کی تصریح ہے کہ حرف من کی چار قسمیں  
ہیں شرطیہ، استثنائیہ، موصولہ اور موصوفہ پہلی دونوں قسموں میں وہ عموم کے لیے اور دوسری دونوں  
قسموں میں (یعنی موصولہ اور موصوفہ ہونے کی صورت میں) عموم اور خصوص دونوں کیلئے

استعمال ہوتا ہے اور حدیث زیر بحث میں حرف من نہ شرطیہ ہے اور نہ استثنائیہ بلکہ محض تنبیہ  
ہے لہذا اگر حرف من اپنی پہلی دونوں قسموں کے اعتبار سے عام بھی ہو تو جمہور کا یہ ارشاد بجا ہے لیکن



حدیث مذکور میں منّ یا موصول ہے یا موصوف اور اس میں عموم و خصوص دونوں مراد ہو سکتی ہے اور یہاں صحیح اور مٹھوس دلیل کے پیش نظر خصوص مراد ہے اور اس عبارت سے بھی واضح ہو گیا کہ مطلق حرف منّ عموم کے لیے وضع نہیں اس کی بعض اقسام عموم کے لیے ہیں اور بعض خصوص کے لیے اس لحاظ سے بھی وہ علی الاطلاق عموم میں نص اور محکم نہ رہا اور یہی ہم کہتے ہیں۔

۱۰۔ نور الانوار کے حوالہ میں جو عموم آیا ہے تو بلاشبہ وہ درست ہے ایک تو اس لیے کہ اس میں حرف منّ شرطیہ ہے اور ابھی گزر چکا ہے کہ وہ استعمال میں عام ہوتا ہے اور دوسرے یہاں مشیت کے فعل کی اسناد میں عبیدی میں جمع کی طرف کی گئی ہے اور وہ عام ہے اور منّ بیانیہ ہے بخلاف حدیث مذکور کے کہ اس میں کثر بقدر فعل کی اسناد حرف منّ کی طرف ہے جو موصول یا موصوف ہونے کی وجہ سے عموم و خصوص دونوں کے لیے ہوتا ہے اور یہاں خصوص کے لیے آیا ہے جس کی مفصل بحث کتاب میں مذکور ہے غرض کہ نہ تو یہاں حرف منّ عام ہے اور نہ اس کی صفت عام ہے جیسا کہ مولف خیر الکلام کو دھوکہ ہوا ہے اور اگر بالفرض عام بھی ہو تو بھی فصحاء وغیرہ کے قرینہ سے اس سے خاص منفرد ہی لیا جاسکتا ہے چنانچہ خود مولف خیر الکلام نے ایک جگہ لکھا ہے کہ پس یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ جو حدیث عام ہے، اس سے مراد بھی خاص مقتدی ہی لیا جائے۔ انتہی ملاحظہ ۲۸

تو یہاں اس عام سے خاص منفرد لینے میں کیا رکاوٹ ہے؟ مولف خیر الکلام نے ص ۸۳ میں بحوالہ نور الانوار ص ۹۷ یہ لکھا ہے کہ اگر نکرہ کی صفت عام ہو تو عام ہو جاتا ہے اھ مگر یہ قاعدہ تمام احناف کے مان مسلم نہیں ہے، اس پر ارباب اصول نے خاصی بحث کی ہے، توضیح و تلویح وغیرہ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔ اور علامہ تفتازانی لکھتے ہیں کہ۔

والقول بعموم التکرة الموصوفة مما نکره موصوفہ کے عموم میں بہت سے علماء حنفیہ نے قدح فیہ کثیر من العلماء الحنفیة اھ کلام کیا ہے۔

(التلویح ص ۹۶)

مولف مذکور اور ان کی جماعت پر لازم ہے کہ وہ صرف نور الانوار ہی کو نہ دیکھا کریں کیونکہ وہ تو پرانے درس طلبہ بڑی مختصر سی کتاب ہے اس میں تمام تفصیل موجود نہیں ہوتیں دیگر اصول کی کتابوں کو بھی اگر بن پڑے تو (اگرچہ میں تو وہ دقیق اور مشکل ہی) پڑھا کریں تاکہ حقیقت



منکشف ہو جائے۔

جواب دوم :- جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حرف من عموم میں نص قطعی نہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ حدیث کس کے حق میں ہے ؟ اہم اور منفرد کے بارے میں یا مقتدی کے حق میں ؟ سو اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم اسی حدیث کے تمام طرق پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں شاید کہ کوئی سرخ مل جائے چنانچہ یہ بات زبانِ زدِ خلالت ہے جو بندہ یا بندہ، جب ہم نے دیکھا تو اسی حدیث میں یہ زیادت بھی مل گئی۔ *لوصلوة لمن لم یقدا بفاتحة الكتاب فصاعداً* کہ جس شخص نے سورۃ فاتحہ اور اس سے زیادہ کچھ اور نہ پڑھا تو اس کی نماز نہ ہوگی اگر فریق ثانی کے نزدیک مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ اور فصاعداً اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنا جائز ہے تو یہ حکم مقتدی کو بھی شامل ہے، ورنہ یہ حدیث صرف اور صرف اس شخص کے بارے میں ہوگی۔ جس کو سورۃ فاتحہ کے ساتھ فصاعداً کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے اور وہ صرف اہم یا صرف منفرد ہے اس سے مقتدی مراد نہیں کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک بھی مقتدی کو سورۃ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ بھی پڑھنا جائز نہیں ہے تو اس فصاعداً کی زیادت نے یہ بات متعین کر دی ہے کہ حرف من سے مراد اہم یا منفرد ہے مقتدی اس سے یقیناً خارج ہے۔ یہ زیادت بطریق اہم معترض صحیح مسند جلد ۱ ص ۱۶۹ والی عنوانہ ص ۱۲۲ اور نسائی جلد ۱ ص ۱۸۱ وغیرہ میں پسند صحیح مروی ہے صحیح مسلم اور ابوالعوانہ کی سند کے صحیح ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا ثانی کے رد ایہ ہیں۔

(۱) سوید بن نصر اہم ثنائی انکو ثقہ کہتے ہیں ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور ان کو متقن لکھتے ہیں، مسند ان کو ثقہ کہتے ہیں رتہ ذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۸ (۲) عبد اللہ بن مبارک ان کا ترجمہ جلد اول کے مقدمہ میں گذر چکا ہے (۳) اہم معترض بن راشد ان کا ترجمہ بھی جلد اول باب اول میں گذر چکا ہے۔ (۴) اہم زمیری ان کا ترجمہ بھی جلد اول کے مقدمہ میں گذر چکا ہے (۵) حضرت محمود بن الرزیح، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی ابن حبان ان کو صحابہ میں لکھتے ہیں ابو حاتم کا بیان ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے لیکن صحیح حاصل نہیں کر سکے، اہم علی ان کو ثقہ اور من کبار التابعین کہتے ہیں اور یہ حضرت عبادہ بن الصامت کے داماد تھے۔



(تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۶۱) (۶) حضرت عبادہ بن الصامت جلیل القدر صحابی تھے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ حضرت ام عروہ بنت ملحان ان کے نکاح میں تھیں۔ (دیکھئے  
ہامش بخاری جلد ۳۹ ص ۳۹ وغیرہ)

**اختراص ۱۔** فصاعداً کی اس زیادت کے سلسلہ میں جو اعتراضات اس ناچیز کی نگاہ سے گزرنے  
میں یہ ہیں (۱) فصاعداً کی زیادت نقل کرنے میں اہم معمر متفرد ہیں (جزء القراءة ص ۱ کتاب  
القراءة ص تلخیص الجبیل ص ۸ تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۲ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۲۰ البکار  
المتن ص ۱۲۲) اور مولف خیر الکلام نے بھی اہم بخاری کے حوالہ سے اس کو شاذ کہاہے ص ۸ (۲) اگر  
یہ زیادت صحیح بھی ہو تب بھی اس سے ما زاد علی الفاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوگا۔ اور اس  
حدیث میں فصاعداً کی زیادت اس لیے بیان کی گئی ہے تاکہ یہ وہم دور ہو جائے کہ شاید صرف  
فاتحہ ہی پڑھنی چاہیے جیسے تقطع الید فی ربع دینار فصاعداً میں ہے (جزء القراءة  
ص ۳ فتح الباری جلد ۲ ص ۱۹۳ و تحقیق الکلام و ایکار المتن وغیرہ) (۳) مبارکپوری  
صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
نے ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھائی اور ان میں سورۃ فاتحہ ہی پڑھی (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۰۲۔  
کتاب القراءة ص ۸ و مسند احمد جلد ۱ ص ۱۲۳ وغیرہ) اگر ما زاد واجب ہوتا تو آپ کیوں  
ما زاد اور فصاعداً کو ترک کرتے لہذا فصاعداً واجب نہ ہوا (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۰۲)  
(۴) موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ سورۃ فاتحہ سب نمازوں میں کافی  
ہے اگر زیادہ ہو جائے تو بہتر ہے (کتاب القراءة ص ۸) معلوم ہوا کہ ما زاد علی الفاتحہ واجب  
نہیں ہے (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۱) (۵) موصوف لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے اس  
پر اجماع نقل کیا ہے کہ ما زاد علی الفاتحہ واجب نہیں ہے (فتح الباری جلد ۲ ص ۱۱) اور  
یہ نقل اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ ما زاد علی الفاتحہ واجب نہیں ہے (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۱)  
(۶) اہم تہذیب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا امر القرآن عوض من  
غیرھا ولیس غیرھا عوض منھا (کتاب القراءة ص ۸ و مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۸) کہ  
سورۃ فاتحہ باقی تمام سورتوں کا عوض ہے لیکن اس کے علاوہ کوئی اور سورت اس کا عوض نہیں



ہو سکتی لہذا سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہی کافی ہے اور فصاعدا کی حاجت نہ ہوگی کیونکہ ع  
کل الصيد فی جوف الفراء یہ ہیں وہ اعتراضات جو فصاعدا کی زیادت کو رد کرنے یا  
غیر ضروری ٹھہرانے کے لیے کئے گئے ہیں۔

جواب ۱۔ ان جملہ اکابر اور حضرات نے فصاعدا کی زیادت کے سلسلے میں جو اعتراض کئے  
ہیں ٹھوس دلائل اور واضح براہین کی بناء پر وہ باطل اور بے بنیاد ہیں علمی الترتیب وار  
سب کے جوابات سن لیجئے۔

۱۔ ان اکابر کا یہ دعویٰ کہ فصاعدا کی زیادت بیان کرنے میں معمر متفرد ہیں خود ان کے قواعد  
اور مسلمات کے خلاف ہے۔ اولاً اس لیے کہ معمرہ بالاتفاق ثقہ، ثبت اور حجت ہیں اور ثقہ کی زیاد  
بالاتفاق قابل قبول ہوتی ہے جس کی پوری تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ پھر یہ خلاف اصول دعویٰ  
کون سنتا ہے کہ معمرہ کا تفرد مضرب و ثانیاً امام زہری کے تمام تلامذہ میں معمرہ زیادہ قابل اعتماد  
اور (اثبت الناس فی الزہدی) ہیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس لیے قاعدہ اور ضابطہ  
کے پیش نظر معمرہ کی یہ زیادت صحیح اور معتبر ہے اور جن راویوں نے یہ زیادت نقل نہیں کی اصل  
قصور ان کا ہے و ثالثاً فصاعدا کی زیادت دیگر ثقہ راویوں سے بھی مروی ہے چنانچہ یہی  
فصاعدا کی زیادت سفیان بن عیینہ کے بسند صحیح مروی ہے (البوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۹)

علاوہ ازیں فصاعدا کی زیادت امام اوزاعی اور شعب بن ابی حمزہ سے بھی مروی ہے (کتاب  
القراءۃ ص ۱۱۱) امام اوزاعی کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے اور شعب بخاری و مسلم کے مرکزی راوی ہیں حافظ  
ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور عابد تھے (تقدیب ص ۱۶۹) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اس کی سند  
میں احمد بن حارون مستحکم ہے۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ ثقہ راویوں سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے (ص ۸۸)

۲۔ سند کے راوی یہ ہیں قتیبہ بن سعید و ابن السرح، سفیان بن عیینہ، امام زہری، محمود بن ریح، حضرت عبادہ ثمالی ان تمام کی توثیق  
پہلے اپنے موقع پر نقل کی جا چکی ہے اور ان میں ہر ایک ثقہ اور ثبت ہے مولف خیر الکلام نے یہ بیکار بیان کیا ہے کہ امام البوداؤد  
قتیبہ اور ابن سرح کے طریق سے یہ زیادت نقل کرتے ہیں مگر دوسری کتابوں میں قتیبہ کی یہ زیادت نہیں لہذا ابن سرح متفرد  
ہیں (محصلا ص ۸۸) مگر یہ کوئی جواب نہیں کیونکہ دوسری کتابوں میں نہیں تو نہ سہی البوداؤد میں تو بسند صحیح دونوں سے مروی ہے



الجواب :- خود مولف مذکور کے قلم سے وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ان کے بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں ہے بلفظہ (خیر الکلام ص ۱۲) اور یہی فصاعداً کی زیادت عبد الرحمن بن اسحاق مدنی سے بھی مروی ہے (کتاب القراءۃ ص ۱) وفصل الخطاب ص ۱) اور علما اول باب دوم حدیث ۱۲ میں ان کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے اور ان کے علاوہ یہی فصاعداً کی زیادت صالح بن کیسان سے بھی منقول ہے (عمدة القاری جلد ۳ ص ۶۹) اور صالح بن کیسان ثبت اور فقیہ تھے (تقریب ص ۱۴۹) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ علامہ عینی نے خوالہ نہیں دیا (محصہ ص ۸۸) الجواب :- اگر اس میں کچھ کمزوری بھی ہوئی تب بھی متابعت میں پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور خود مولف مذکور اس کے قائل ہیں کھامو۔

آپ نے دیکھ لیا کہ فصاعداً کی زیادت کو امام معمرؒ، امام ضیاء بن عیینہ، امام ابو اسحاقؒ، امام شعیب بن ابی حمزہؒ، امام عبد الرحمن بن اسحاق مدنی اور امام صالح بن کیسان جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث اور ثقات و حفاظ نقل کرتے ہیں مگر فریق ثانی کا یہ پادر ہوا دعویٰ ہے کہ اس زیادت کے نقل کرنے میں معمر متفقہ ہیں اور دو سکر ثقات ان کی مخالفت کرتے ہیں فوا اسفاء فصاعداً کے بجائے حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مرفوع روایت میں مائیسر کی زیادت بھی مروی ہے (البدایہ جلد ۱ ص ۱۸) مستد احمد جلد ۳ ص ۵۵ سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۲ اور معرفت علوم الحدیث ص ۹ وغیرہ) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس کی سند قوی ہے (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۸) اور دو سکر مقام پر لکھتے ہیں کہ اسناد صحیح (تلخیص الجید ص ۸۸) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ مائیسر کی زیادت بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے (شرح المہذب جلد ۳ ص ۳۲۹) قاضی شوکانیؒ، امام ابن سید الناسؒ سے (جو الشیخ العلامة، المحدث، الحافظ، الادیب اور البارع تھے۔ تذکرہ جلد ۲ ص ۲۸۵ نقل کرتے ہیں کہ اسناد صحیح و رجالہ ثقات۔ رنبیل الاوطار جلد ۲ ص ۱۸) اس کی سند صحیح اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ نواب صاحبؒ بھی (اس زیادت کی تصحیح نقل کرتے ہیں) (فتح البیان جلد ۳ ص ۱۲۱) مولانا شمس الحق صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ، امام ابن حبانؒ اور علامہ ابن سید الناسؒ وغیرہ اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ (معون المعبود جلد ۳ ص ۳) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم



نے حکم دیا کہ چاکر لوگوں میں یہ اعلان کرو کہ ان لاصلاۃ الا بقراءة فاتحة الكتاب وما تيسر  
(زمراء الظمان ص ۱۲۶)

حضرات! فنِ روایت میں اس سے بڑھ کر کسی روایت کی صحت ناممکن ہے فصاعداً  
اور ہاتیس کے علاوہ مازاد کی زیادت بھی مروی ہے (جزء القراءة ص ۱۲۳، کتاب القراءة  
ص ۱۲۴ مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۴ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۳ وغیرہ) رہا مبارکپوری  
صاحب کا یہ اعتراض کہ اس میں جعفر بن میمون ضعیف ہے (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۲۳۳ جلد  
ص ۳۳۳ وایکار المذنب ص ۱۲۲) تو یہ کوئی وقعت نہیں رکھتا اہم حاکم ان کو بصرہ کے ثقافت میں لکھتے  
ہیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور جعفر ثقہ ہیں (مستدرک مع التلخیص جلد ۱  
ص ۲۳۹) ابن معین ان کو ثقہ اور صالح الحدیث کہتے ہیں۔ دارقطنی ان کو معتبر کہتے ہیں۔ ابن عدی  
کہتے ہیں کہ ان کی کوئی روایت منکر نہیں ہے ابن حبان اور ابن شاہین ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں  
(میزان جلد ۱ ص ۱۹۲) و تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۹۹ فصاعداً، ہاتیس اور مازاد  
کے علاوہ اور بھی متعدد الفاظ ایسے ہیں جو مازاد علی الفاتحة کی اصلیت پر وضاحت دلالت  
کرتے ہیں اندر میں حالات اس زیادت کا انکار کرنا قصص کے علاوہ سراسر اصول شکنی اور مسلمات کی  
خلافت ورزی ہے جو قطعاً قابل قبول نہیں۔

۱۔ ایک روایت میں وسورة معها کی زیادت ہے (ترمذی جلد ۱ ص ۳۲۰) وابن ماجہ ص ۱۱۱ اور ایک روایت میں وآیتین  
وثلاث کی زیادت ہے (جزء القراءة ص ۱۲۳) ایک روایت میں والسورة کی زیادت ہے (زمعی جلد ۱ ص ۳۶۳) ایک روایت  
میں وثلاث آیات فصاعداً کی زیادت ہے (نصب الرایہ جلد ۱ ص ۳۶۵) ایک روایت میں وآیتین من القرآن  
کی زیادت ہے (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱۵) ایک روایت میں ثم اقراء بها شحنت کی زیادت ہے (مسند احمد جلد ۱ ص ۳۱۲)  
ایک روایت میں وبعما شاء الله ان تقرأ کی زیادت ہے (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۳۳) ایک روایت میں وشیئ معها  
کی زیادت ہے (کتاب القراءة ص ۱۲۳) ایک روایت میں ثم قدأت بعما معك من القرآن کی زیادت ہے (کتاب القراءة ص ۱۲۳)  
اور ایک روایت میں معها غیر ہا کی زیادت ہے (ایضاً) اور ایک روایت میں بفاتحة الكتاب وشیئ  
فہی عندی کے الفاظ ہیں (ایضاً ص ۱۲۳) اور ایک روایت میں الا بفاتحة الكتاب فما فوق ذلك کے الفاظ  
ہیں (ایضاً ص ۱۲۵) اور اسی قسم کے الفاظ کتب حدیث میں اور بھی موجود ہیں مگر مزید کہ یہ ہم نہیں پرکتھا کرتے ہیں۔



۲۔ فرق ثانی کا یہ کہنا کہ مازاد علی الفاتحۃ کا وجوب اور اس کی رکعتیں مکمل نہیں ہے یہ بھی محض اپنے دل کو عارضی تسکین پہنچانے کا سامان ہے اور ان کا مازاد علی الفاتحۃ کے وجوب کے انکار کرنا باطل ہے بلکہ اس لیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لا صلوة کے عمومی الفاظ کے تحت سورۃ فاتحہ اور فصاعداً (وما تیسر اور مازاد) کا حکم دیا ہے تو جیسے سورۃ فاتحہ واجب ہے اسی طرح فصاعداً اور مازاد علی الفاتحۃ بھی واجب ہے اور بلا کسی صحیح منقول یا مقول دلیل کے فصاعداً کے وجوب کا انکار کون تسلیم کرتا ہے؟ وثامناً حضرت ابوسعید بن الخدریؓ کے حوالہ سے مرفوع اور صحیح حدیث (جس کی تصحیح پر امام نوویؒ ابن سید الناسؒ حافظ ابن حجر قاضی شوکانیؒ اور نواب صاحب وغیرہ سب متفق ہیں) پہلے نقل کی جا چکی ہے اس کے پورے الفاظ یوں ہیں امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقرأ بفاتحة الكتاب وما تیسر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم سورۃ فاتحہ اور اس کے علاوہ کچھ اور بھی جو آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھا کریں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس طرح آپؐ سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اسی طرح آپؐ مائیسر کی قرأت کا بھی حکم دیا ہے اگر آپؐ کے حکم اور امر سے بھی وجوب ثابت نہیں ہوتا تو کس کے حکم سے ثابت ہوگا؟ وثالثاً مشہور مسنی الصلوۃ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ثم اقرأ یا امر القرآن ثم اقرأ بما شئت (مسند احمد وابن حبان، قبل السلام جلد ۱ ص ۳) پھر تم سورۃ فاتحہ پڑھو اور پھر اس کے بعد تم قرآن کا جو حصہ چاہو پڑھو اور البوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۵) میں بسند صحیح یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے ثم اقرأ یا امر القرآن وبما شاء الله ان یقرأ پھر تم سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی جو اللہ کو منظور ہو پڑھو۔ ان روایتوں میں آپؐ مازاد علی الفاتحۃ کی قرأت کا امر کے صیغہ (اقرأ) سے حکم دیا ہے اور اس کی پوری تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا اور حافظ ابن حجرؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہے۔

(فتح الباری جلد ۲ ص ۲۲۲) جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح اور صریح امر اور حکم کو اپنی مرضی اور خواہش سے رو کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ مازاد علی الفاتحۃ کی قرأت یا بالفاظ دیگر ضمن السورۃ مع الفاتحۃ



بھی واجب ہے رہا اس حدیث میں فصاعدا کی زیادت کو قطع الید فی ربع الدنیا رقماعداً  
 (کہ چور کا ہاتھ ربع دینار اور اس سے زیادہ میں قطع کرنا چاہیے) پر قیاس کرنا تو قیاس مع الفارق اور باطل  
 ہے۔ اولاً اس لیے کہ محض عبادت کو محض عقوبت پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ سورۃ فاتحہ اور اس کے  
 بعد کسی بھی سورۃ کا پڑھنا بالاتفاق عبادت اور کار ثواب ہے، اور ربع دینار یا اس سے زیادہ میں قطع پر  
 کی سزا نکال اور عقوبت ہے، اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، پھر ایک کو دوسرے پر قیاس  
 کرنا چہ معنی دارد؟ مولف خیر الکلام کہتے ہیں کہ یہ قیاس نہیں بلکہ ایک مثال کے کہ فصاعداً والی  
 ترکیب کا مفہوم واضح کرنا ہے الخ (ص ۱۲۳) کیا اس مثال کے لیے کتب حدیث کے ذخیرہ میں قطع  
 سرقہ والی حدیث ہی مثال کے لیے دستیاب ہوئی ہے اور کوئی چیز موجود نہیں؟ اور جو لوگ  
 عبادت کو عقوبت پر قیاس بھی کرتے ہیں وہ کب تمام دنیا کو چیلنج کرتے ہیں؟ اور کب دوسرے  
 فریق کے عمل کو باطل بیکار اور کالعدم قرار دیتے ہیں؟ وثانیاً چوری کے سلسلہ میں تو صرف فصاعداً  
 کا لفظ مذکور ہے اور یہاں فصاعداً۔ مانتیسر اور ما زاد وغیرہ دیگر بے شمار الفاظ وارد ہیں  
 جیسا کہ آپ بعض کا مطالعہ کر چکے ہیں اس میں ترا فصاعداً ہی نہیں تاکہ آسانی کے ساتھ اس کو  
 اس پر قیاس کر لیا جائے۔ مولف خیر الکلام اس سے یوں گلو خلاصی کرتے ہیں کہ ہماری بحث عبادہ کی  
 حدیث میں ہے دوسری احادیث زیر بحث نہیں (ص ۱۲۳) الجواب :- آخر کیوں نہیں؟ کیا وہ اس  
 باب کی حدیثیں نہیں ہیں؟ بات واضح ہے کہ چونکہ وہ صحیح بھی ہیں اور ان میں حرف واد کے ساتھ  
 (جو مغاکرت کے لیے ہوتا ہے) و مانتیسر وغیرہ آیا ہے جن کو مولف مذکور کا معرہ مضمہ نہیں کہ  
 سکتا اس لیے وہ زیر بحث نہیں وثالثاً اگر اس قیاس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ ہمیں  
 مضر نہیں ہے کیونکہ جیسے ربع دینار اولیٰ نصاب ہے جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور فصاعداً  
 میں بطریق اولیٰ کاٹا جائے گا، اسی طرح سورۃ فاتحہ اقل درجہ کا واجب ہے اور ما زاد علی الفاتحۃ  
 کامل اور مکمل واجب ہوگا۔ و رابعاً جب اصل مقیس علیہ ربع دینا ہی حنفیہ وغیرہ کے نزدیک مختلف  
 فیہ ہے تو اس پر قیاس کرنے کا کیا مطلب؟ وخامساً یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ نص کی موجودگی  
 میں قیاس باطل ہے۔ اور جمہور کی طرف سے مقتدی پر فاتحہ کے نہ ہونے کی صحیح اور صریح حدیثیں پیش  
 کی جا چکی ہیں جو اس مسئلہ میں نص ہیں۔ مولف خیر الکلام نے لفظ فصاعداً پر ضرورت سے زیادہ



لاطلاع بحث کی ہے جس میں کام کی بات ایک بھی نہیں اس لیے ہم قارئین کرام کے ذہن کو پریشان نہیں کرتے

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے طریق سے جو روایت پیش کی گئی ہے وہ نہایت ہی کمزور اور ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں حنظلہ سدوسی نامی راوی ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ القطانؒ نے فرمایا کہ میں نے محمدؒ اس کو ترک کر دیا تھا اور بعد کو وہ مختلط بھی ہو گیا تھا (ضعفاً صغیراً) امام نسائیؒ لکھتے تھے کہ وہ ضعیف تھے (ضعفاً صغیراً امام نسائیؒ ص ۱۸۱) امام احمدؒ اس کو منکر الحدیث اور ابن معینؒ اس کو لیس بستی کہتے ہیں (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۲۹۲) والجومہ النقی جلد ۲ ص ۶۱) محدث بیہونیؒ، امام ابو عبد اللہؒ سے اس کی تصنیف نقل کرتے ہیں۔ ابو حاتمؒ اس کو لیس بالقوی کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ اس کو ضعیفاً میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ایسے مختلط ہو چکے تھے کہ ان کی اگلی اور پچھلی سب روایتیں غلط ملط ہو چکی تھیں کہ ان میں تمیز نہیں ہو سکتی (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۶۲) یہ ہے وہ روایت جس سے مبارکپوری صاحب فضلاء مکتبہ اور ما زاد وغیرہ کی صحیح زیادت کو رد کرتے ہیں تعجب اور حیرت ہے اس انصاف پر حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی ایک روایت مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ اریت ان لم یکن معی الا امر القرآن قال ہی حسبک ہی السبع المثانی (کتاب القراءة ص ۱) یا رسول اللہ یہ فرمائیے کہ اگر مجھے سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورت یاد نہ ہو تو میں کیا کروں؟ آپؐ فرمایا یہی تجھے کافی ہے کیونکہ یہ سبع مثانی ہے لیکن اس کی سند میں ابراہیم بن فضل مرفیؒ ہے امام احمدؒ اور ترمذیؒ اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں ابن معینؒ کہتے ہیں لیس حدیث بستی امام بخاریؒ اس کو منکر الحدیث اور ابو حاتمؒ ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہتے ہیں ابو زرؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں نسائیؒ اس کو لیس بستی اور منکر الحدیث کہتے ہیں ابو احمد حاکمؒ کہتے ہیں کہ وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے، دارقطنیؒ اور ازہریؒ اس کو متروک کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۵۱) الخرفن ما زاد علی الفاتحہ کی نفی پر صریح، صحیح اور مرفوع روایت موجود نہیں ہے بخلاف اس کے ما زاد، مکتبہ اور فضلاء کی روایتیں بالاتفاق صحیح صریح اور مرفوع ہیں پھر ان کا انکار محض تعصب ہے۔



۴۔ مبارکپوری صاحب نے کفایت سورۃ فاتحہ پر حضرت ابو ہریرہؓ کی جو روایت پیش کی ہے۔ وہ ان کے لیے ہرگز مفید مطلب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ پر موقوف ہے اور کسی مرفوع اور صحیح روایت میں اس قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں (دیکھئے فتح المسلمین جلد ۲ ص ۳۱ وغیرہ) اور موقوفات صحابہ کے پاس میں قرآن ثانی کا مسدک نقل کیا جا چکا ہے کہ در موقوفات صحابہ حجت نیست اگرچہ بصورت رسد وثانیاً یہ تو ان موقوفات کا حکم ہے جو بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مخالف نہ ہوں اور یہاں تو یہ قول فصلاً، ہاتھ سے اور ما زاد کے مخالف ہے پھر یہ کیسے حجت ہو گا؟ بجائے اس کے کہ خود اس موقوف اثر کا کوئی مناسب اور صحیح محل بیان کیا جائے اس کو مرفوع حدیث کے مقابلہ میں پیش کرنا عجیب تر بات ہے۔

۵۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام قرطبیؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ما زاد علی الفاتحۃ کی قرأت بالاجماع نہیں ہے لیکن حافظ موصوفؒ ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں فیہ نظر لثبوتہ عن بعض الصحابة ومن بعدہم وفتح الباری جلد ۲ ص ۳۲ اجماع کا دعویٰ محل غور ہے کیونکہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ اور بعد کے سلف سے ما زاد کا وجوب بھی ثابت ہے اور حافظ ابن قیمؒ بفاتحۃ الكتاب میں حروف با کے تعدی سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وهذا لا يعطى الاقتصار عليه ما يدل يشعر بقراءة غيرها مع ما ريد اليع الفوائد جلد ۴ ص ۱۶ اس سے صرف سورۃ فاتحہ پر اقتصار ہی ثابت نہیں بلکہ غیر فاتحہ کی قرأت پر بھی یہ وال ہے۔ اور قاضی شوکانیؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

اور یہ حدیثیں (جن میں فصلاً، ہاتھ سے اور ما زاد کی زیادت موجود ہے) اس حکم پر دلالت کرنے سے قاصر نہیں ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کا کوئی اور حصہ بھی واجب ہے چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت عثمانؓ بن ابی العاصؓ ہادی، قاسم، اور مؤید باللہ کا یہی مسدک ہے اور ان احادیث کے پیش نظر بظاہر ان کا

وهذه الأحاديث لا تقصر عن الدلالة على وجوب قرآن مع الفاتحة الى ان قال وقد ذهب الى ايجاب قرآن مع الفاتحة عمرو ابنه عبد الله وعثمان بن ابی العاص والهادي والقاسم ومؤيد بالله الى ان قال والظاهر ما ذهبوا اليه من ايجاب شئ من القرآن



(رسائل الاوطار جلد ۲ ص ۲۲۱)

یہ مسلک صحیح ہے کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم کا

کوئی اور حصہ بھی واجب ہونا چاہیے۔

حضرت مولانا شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں کہ

ولهذا اوجب الحنفية قراءة الفاتحة

وضم السورة اليها قال في البحر و

هما واجبتان للمواظبة -

(فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۱)

ان احادیث کو مد نظر رکھ کر فقہاء احناف نے سورہ

فاتحہ اور اس کے ساتھ کسی اور سورت (خواہ چکی سورت

ہی ہو) کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ صاحب البحر الرقی

کہتے ہیں کہ چونکہ آپ نے ان پر مواظبت کی ہے۔ لہذا

سورہ فاتحہ اور اس کے علاوہ کوئی اور سورہ دونوں

واجب ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے (فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۹) اور ابن کثیرؒ کا بھی یہی مسلک

ہے رہا شیخ نسائی جلد ۱ اور امیر میمانیؒ حدیث مسنی الصلوٰۃ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ فتجب

الفاتحة في كل ركعة وتجب قراءة ما شاء معها في كل ركعة اه (سبل السلام جلد ۱ ص ۲۴۸)

کہ ہر رکعت میں اس کے ساتھ جتنی قرأت نمازی چاہے وہ بھی واجب ہے، اور حضرت مولانا سید محمد

انور شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

ووجوب السورة قول عند المالكية والحنابلة (فصل الخطاب ص ۱) یعنی

سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت کا پڑھنا اور اس کو واجب قرار دینا مالکیوں اور حنبلیوں کا بھی

ایک قول ہے، بلکہ حضرت امام شافعیؒ کی ایک عبارت سے بھی ما زاد علی الفاتحة کا وجوب

ہی مترشح ہوتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔

وهو قد يحتمل ان يكون الفرض على

من احسن القراءة قراءة ام القرآن وآية

واكثر۔ (کتاب الام جلد ۱ ص ۸۹)

اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ جو شخص قرآن کریم کی

اچھی طرح قرأت کر سکتا ہو اس پر سورہ فاتحہ اور ایک

آیت اور اس سے زیادہ کی قرأت بھی فرض ہو۔

اگر اتنی خدا کی دنیا کے مکمل جاننے کے بعد بھی اجماع باقی رہتا ہے تو وہ کوئی عجیب سخت

جان اجماع ہو گا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وضو اور غسل میں پانی استعمال کرنے کی کوئی حد اور



مقدار متعین نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۲۸) مبارکپوری صاحب ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں فی دعویٰ الاجماع کلام کہ اجماع کے دعویٰ کرنے میں کلام ہے کیونکہ ابن شعبان مالکی اور محمد بن الحسن اس سے اختلاف کرتے ہیں (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۱۲۸) امام ابن حزم ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عطاء بن عمر بن عبد الصمد، حسن، ازہر بن ابی سلمہ بن عبد الرحمن اور سلیمان بن یسار اس سے اختلاف کرتے ہیں وَأَفَّ لِكُلِّ اِجْمَاعٍ يَخْرُجُ عَنْهُ هَؤُلَاءِ (محلّی جلد ۲ ص ۳۷۸) اور حیف ہے اس اجماع پر جس سے یہ بزرگ خارج ہوں۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ فریق ثانی فصاعداً، مَا تَشَرَّ اور ما زاد کی صحیح زیادت سے کیسے پہلو تہی کرتا ہے اور عدم وجوب ما زاد علی الفاتحۃ پر کیسی روایات استدلال کرتا ہے اور اجماع کے خوش کن الفاظ کے ہوائی قلعہ میں کیسے بچاؤ کا انتظام کرتا ہے مگر یہ سب کچھ کرتے ہوئے وہ اہلحدیث اور ان کے مخالف تمام صرف اہل الرائے ہیں۔ افسوس اور صد افسوس ہے ایسے تعصب پر۔ مولف خیر الکلام نے اس سے یہ مخلص تلاش کیا ہے کہ ان روایات میں مقدار کا ذکر نہیں اور واجب میں تعین لازمی ہوتی ہے (محصلاً ص ۱۶۲) الجواب ہر واجب میں تعین غیر مسلم ہے اصول فقہ کی کتابوں (مثلاً التحریر ص ۲ اور مسلم الثبوت ص ۲۹ وغیرہ) میں اس کی تصریح موجود ہے کہ واجب میں کبھی تخیر بھی ہوتی ہے جس کو واجب مختیر کہتے ہیں جیسے قسم کے کفارہ میں متحد و اشیا میں سے جو چاہے کرے اور جنایات حج میں بعض صورتوں میں دم (یعنی قربانی) لازم ہے اور نبی بکری وغیرہ ہے اور اعلیٰ کی کوئی مقدار متعین نہیں اونٹ ہو یا گائے وغیرہ اور یہاں عند البعض اور فی آیتیں اور عند البعض ایک آیت طویلہ ہے زیادہ کی کوئی حد نہیں علاوہ ازیں ابھی امیر میانی وغیرہ کے حوالہ سے عرض کیا گیا ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ کی قرآنہ کے سوا اور قرآنہ کو بھی واجب کہتے ہیں جو نمازی کی مرضی پر ہے ما شاء معہا اھ۔

۱۔ ام القرآن عوض عن غیرھا کی روایت ما زاد علی الفاتحۃ کی نفی پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اولاً ایسے کہ اس کی سند میں محمد بن غلام ہے علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔ لا یدری من ہو (میزان جلد ۳ ص ۵۳) معلوم نہیں کہ وہ کون اور کیا تھا۔ ابو سعید بن یونس ان کو صاحب مناکیر بتاتے ہیں (الایضام) امام دارقطنی کا بیان ہے کہ ام القرآن عوض عن غیرھا الخ کے الفاظ بیان کرنے میں محمد بن غلام متفرد ہے صحیح الفاظ



وہی ہیں جو امام زہریؒ (روغیرہ) نے بیان کئے ہیں لا تجزئ صلاة لا یقرأ فیہا بام القرآن۔

(میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۲۲) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اگرچہ محدث علیؒ اور ابن حبانؒ نے ان کی تشریح کی ہے لیکن معنی اصرار القرآن الخ میں محمد بن خالد نے غلطی کی ہے اور نقل بالمعنی کا ارتکاب کیا ہے صحیح الفاظ وہی ہیں جو لا صلوة الا بفتح الکتاب سے مروی ہیں کیونکہ جمہور محدثین جن میں حضرت امام احمدؒ ابن ابی شیبہؒ اسحاقؒ بن راہویہؒ ابن ابی عمرؒ، عمر والنقادہؒ، معمرؒ، صالح بن کسانؒ اور یونسؒ بن یزیدؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس حدیث کو لا صلوة لمن یقرأ بفتح الکتاب

کے الفاظ ہی سے نقل کرتے ہیں (لسان المیزان جلد ۱ ص ۱۵۱) وثانیاً اگر یہ روایت انہیں الفاظ کے ساتھ صحیح بھی ہو تب بھی ما زاد علی الفاتحة کی نفی پر اس سے استدلال صحیح نہیں ہے اس لیے

کہ اس میں نہ خلط الامام کی قید ہے اور نہ مقتدی کی تصریح ہے لہذا یہ امام اور منفرد کے حق میں ہوگی اور اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے سورۃ فاتحہ کی جگہ کوئی اور سورت قائم نہیں ہو سکتی جیسا کہ محققین احناف کا مسلک ہے اور اس کے وجوب پر تو تمام کا اتفاق ہے اور مطلب واضح ہے کہ سورۃ فاتحہ

باقی تمام سورتوں کی عوض ہے مگر اس کی جگہ کوئی اور سورت قائم نہیں ہو سکتی اس کو نفی ما زاد سے کیا تعلق ہے؟ اسی طرح ایک روایت ان الفاظ سے مروی ہے لا تجزئ صلاة لا یقرأ الرجل فیہا فاتحة الکتاب (کتاب القراءة ص ۱۱) لیکن حافظ ابن حجرؒ اور صاحب تعلیق المغنی (جلد ۲ ص ۱۲۲) اس کی تصریح کرتے ہیں رواہ جماعة بلفظ لا صلوة لمن لم یقرأ

وهو الصحيح وکان زیاد رواہ بالمعنی (فتح الباری) کہ محدثین کی جماعت اس روایت کو لا صلوة لمن یقرأ کے الفاظ سے روایت کرتی ہے یہ زیاد بن ایوبؒ کی غلطی ہے کہ انہوں نے روایت بالمعنی کا ارتکاب کر کے اس کا مطالب بدل دیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اشہبؒ اور زیاد بن ایوبؒ کی روایت منقولة بالمعنی (لسان جلد ۵ ص ۱۵۶) منقول بالمعنی

ہے۔ پہلے تو مثال کے طور پر ہم یہ سنا کرتے تھے کہ بعض لوگ لا یقرأ بوا الصلوة کے قائل ہوتے ہیں اور آگے نہیں پڑھا کرتے مگر اب تو اپنے ماتھے پر ہنسی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ایسا فرقہ بھی دیکھ لیا ہے جو کبھی تو واذا قرأ فانصتوا کی صحیح زیادت کو کھا جاتا ہے۔ اور کبھی فصاعداً ما تیسر اور ما زاد کی صحیح زیادت کو ہضم کر جاتا ہے اور کبھی الا واد الامام



کی اشکار کو ہٹ کر جاتا ہے اور اس زیادت کو اڑا کر ساری دنیا کے مسلمانوں کو یہ پہنچ کر رہے کہ تمہاری نماز باطل ہے، بیکار ہے، اور کالعدم ہے۔ تعجب اور حیرت ہے اس ویانت پر جو فیصدی محدثین کا اتفاق پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ زیادت جو ثقہ راوی سے منقول ہو وہ واجب القبول ہوتی ہے اور حافظ ابن حجرؒ بھی انخذ بالزامید فالزامید کا ضابطہ بیان کرتے ہیں وفتح الباری جلد ۲ ص ۲۲۷ اور اس زیادت کو بیان کرنے والے بالاتفاق ثقہ، ثبت اور محبت بلکہ اثبت الناس فی فلاں کا مصداق ہیں مگر باوجود اس کے فریق ثانی تمام طے شدہ اصول وضوابط کو پامال کرتا ہوا صرف اپنی حد پر قائم ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

جواب سوم :- جب یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حرف منعموم میں نص قطعی نہیں ہے اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اسی روایت میں صحیح اسانید کے ساتھ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فصاعداً ما تيسر اور ما زاد کی زیادت بھی مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن کریم کے کسی اور حصہ کی قرأت نہ کی تو اس کی نماز نہ ہوگی اور گو مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کی قرأت کا پڑھنا اور نہ پڑھنا محل نزاع ہے لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ما زاد علی الفاتحۃ کی قرأت مقتدی کے لیے جائز نہیں اس لیے اس حدیث کا صحیح اور حقیقی مصداق صرف اہم یا منفرد ہے کیونکہ سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کے کسی اور حصہ کا پڑھنا صرف اہم اور منفرد کے لیے ہی ضروری ہے مقتدی پر اس روایت کے مشتمل نہ ہونے کے لیے فصاعداً ما تيسر اور ما زاد کی زیادت نہ صرف کافی ہے بلکہ نص صریح ہے اور اس حدیث کا اہم پر مشتمل ہونا اتفاقی امر ہے البتہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ اور دیگر ائمہ حدیث کے بیان سے یہ بات صاف آشکارا ہوتی ہے کہ اس حدیث کا اصلی مصداق صرف منفرد اور اکیلا ہے اور غنمی طور پر امام بھی اس میں داخل ہے لوجود العلة۔ ان مگر مقتدی اس سے بہر حال خارج ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ حدیث لا صلوة لمن یقرأ بفاتحة الكتاب فصاعداً منفرد کے تحت میں وارد ہوتی ہے (موطا امام مالک ص ۲۸ وقرمذی جلد ۱ ص ۲۸۰ وقال هذا حدیث حسن صحیح) اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہے (موطا امام مالک ص ۲۹) امام احمد بن حنبلؓ فرماتے ہیں



کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۲۹) امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہے (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۹) اور امام بخاری (المعروفی ص ۱۳۷) جو الامام، الحافظ الثبت، شیخ الاسلام اور کبیر الشافعیہ تھے، تذکرہ جلد ۲ ص ۱۴۹) امام حاکم کہتے ہیں کہ وہ شیخ المحدثین والفقہاء تھے۔ (ایضاً ص ۱۵۰) خطیب تبریزی لکھتے ہیں کہ وہ الامام اور الحافظ تھے (کمال ص ۶۲۸) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے (بذل المجہود جلد ۲ ص ۲۵) امام موفق الدین ابن قدامہ الخبلی فرماتے ہیں کہ :-

فاما حدیث عبادۃ الصبیح فهو محمول  
على غیر المأمور وكذلك حدیث ابی  
هريرة الخ (معنی جلد ۱ ص ۲۶ طبع یولاق)  
حضرت عبادہ کی جو حدیث صحیح ہے تو وہ غیر مقتدی  
پر محمول ہے اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہ کی روایت  
بھی غیر مقتدی پر محمول ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی حدیث آگے دوسری حدیث کے عنوان سے آ رہی ہے اور امام شمس الدین  
فرماتے ہیں کہ :-

فالحدیث الاول الصبیح محمول على غیر المأمور  
وكذا حدیث ابی هريرة اه  
(شرح مقنع للكبیر جلد ۲ ص ۱۲)  
وہ مقتدی کے علاوہ دوسروں پر محمول ہے اور اسی  
طرح حضرت ابو ہریرہ کی روایت بھی غیر مقتدی  
کے حق میں ہے۔

فصاعداً، ماتیسراً اور ما زاد کی زیادت کے پیش نظر ان اکابر کا یہ ارشاد سو فیصدی صحیح ہے  
جس میں شک نہیں ہو سکتا۔ مؤلف خیر الکلام کہتے ہیں کہ حضرت جابر اور حضرت ابن عمرؓ کی یہ بات  
نہایت کمزور ہے کیونکہ وہ اس حدیث کے راوی نہیں ہیں بخلاف حضرت عبادہؓ کے کہ وہ اس  
کے راوی ہیں، باقی امام احمدؒ اور سفیانؒ کے قول سے اس کو منفرد پر کوئی محمول کرے تو اس کی مرضی  
دوسرے کے لیے حجت نہیں (محصلہ ص ۱۳۵)

الجواب :- حضرت عبادہؓ کی روایت بقیہ خلف الامام ہے ہی ضعیف جیسا کہ الشافعیہ  
تعالیٰ آئے گا جس کا کوئی اعتبار نہیں بخلاف حضرت جابرؓ وغیرہ کی حدیث کے جو بالکل صحیح ہے  
اور حرف من کی تخصیص کا (بشرطیکہ عام ہو) یہ واضح قرینہ ہے اور اسی لیے حضرت امام احمدؒ  
وغیرہ نے اس روایت کو غیر مقتدی کے لیے کہا ہے جو مبنی بر دلیل ہے، نری مرضی کا سوال نہیں



کیونکہ اسی حدیث میں فصاعداً اور مائتین و غیرہ کی زیادت بھی تو موجود ہے جو غیر مقتدی کے  
بارے میں ایک گونہ نص ہے۔

اعتراف :- مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے  
قول کی تخصیص کتاب اور سنت سے ہی ہو سکتی ہے امام احمد اور سفیان بن عیینہ کے قول سے نہیں  
ہو سکتی (ایکارالمن)

جواب :- مبارکپوری صاحب نے کیسی ڈوراندیشی کا ثبوت دیا ہے کہ حضرت جابرؓ اور  
حضرت ابن عمرؓ کا نام تک نہیں لیا اور صرف امام احمد اور ابن عیینہ کا نام لے کر دفع الوقتی  
کی ناکام کوشش کی ہے لیکن موصوف کا یہ اعتراض بھی باطل ہے اولاً اس لیے کہ حرف من  
کی تخصیص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے کی گئی ہے اور علماء عریضہ  
کے حوالے اس پر تشریح ہیں وثالثاً اگر اس حدیث میں منفر و غیرہ کی تخصیص کی گئی ہے تو جناب  
رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحیح ارشاد فصاعداً، مائتین اور ما زاد و غیرہ کی زیادت  
کی بنا پر نہ کہ صرف امام احمد اور ابن عیینہ و غیرہ کے قول سے ان کا اگر کوئی قصور ہے تو صرف  
یہ کہ انہوں نے اس کو بیان کیوں کیا ہے؟ وثالثاً ضرورت تو نہیں مگر مبارکپوری صاحب کا  
مغالطہ بھی نکالنا ہے کہ عام کی تخصیص کتاب اور سنت کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی ہو سکتی ہے۔  
یائیں؟ قاضی شوکانی جو علامہ زمن اور مجتہد مطلق تھے (تقریباً ص ۸۲) لکھتے ہیں فذلک  
على ان العموم ينقص بالقياس رزيل الاوطار جلد ۳ ص ۸) اس سے معلوم ہوا کہ عموم کی  
تخصیص قیاس سے بھی صحیح ہے امام ابن رقیق العید (المستوفی سنہ ۷۰۲ھ جو الامام الفقیہ  
المجتہد، المحدث، الحافظ، العلامة اور شیخ السلام تھے) (تذکرہ جلد ۳ ص ۲۶۲)  
فرماتے ہیں کہ جب تخصیص کی وجہ ظاہر ہو تو بلا اختلاف احد سے قیاس اور رائے سے بھی عموم  
کی تخصیص جائز ہے (بحوالہ فیض الباری جلد ۲ ص ۱۳۴) علامہ جزائریؒ لکھتے ہیں کہ تمام  
علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عموم کی تخصیص دلالت عقلی اور قیاس سے بھی جائز ہے  
(توجیہ النظر ص ۷۹) اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :-

لان القیاس مقدم علی العموم کما حضرت امیر اربعہ اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک



ہو مذهب ائمۃ الادبۃ والجمہور قیاس عموم سے مقدم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۴)

مولانا طہر احمد صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں کہ خبر واحد کی تخصیص جب عقل، عرف اور قیاس سے جائز ہے۔ جیسا کہ فن اصول کی یہ طے شدہ اور مبہن حقیقت ہے تو صحابی کے قول سے خبر واحد کی بطریق اولیٰ تخصیص جائز ہوگی (اعلام السنن جلد ۸ ص ۵۳) اور اصول فقہ کی کتابوں میں اس پر مستقل بحث موجود ہے کہ عموم کی تخصیص عقل، حسن اور عادت وغیرہ سے جائز اور صحیح ہے (مثلاً دیکھئے توضیح و تلویح ص ۱۸ وغیرہ)

مولف "خیر الکلام" لکھتے ہیں کہ مطلق کے بعض افراد کی تفسیر موقع اور محل کے اعتبار سے جائز ہے (ص ۳۸۲) نہ معلوم مبارکپوری صاحب کس سادگی سے عموم کی تخصیص کے لیے کتاب و سنت کی دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں؟ حالانکہ اس روایت میں عموم کی تخصیص محض قیاس سے نہیں کی گئی بلکہ کتاب اللہ اور صحیح احادیث سے بلکہ خود اسی روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحیح ارشاد سے تخصیص کی گئی ہے، تاکہ مبارکپوری صاحب ناراض نہ ہو جائیں الحال اس روایت میں فصحاء، مآقیسر اور مازاد وغیرہ کی زیادت کے مد نظر رکھنے سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ اس حدیث کا مصداق ہرگز نہ مقتدی نہیں ہے اور مقتدی کو اہم کے پیچھے بغیر استماع اور انصات کے کوئی چارہ نہیں ہے ہاں جو جماعت نظریہ بدلنے میں ہتک شان سمجھے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

جواب چہارم۔ جمہور اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں اہم کے ساتھ نماز میں شریک ہوا تو اگرچہ اس نے خود سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اور نہ اہم سے سنی ہے لیکن اس کی وہ رکعت اور نماز صحیح ہے چنانچہ اہم شافعیؒ لکھتے ہیں کہ رکوع کی حالت میں جس نے اہم کو پالیا اس کی وہ رکعت صحیح ہو جاتی ہے۔ (کتاب الام جلد ۱ ص ۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ جس نے اہم کے ساتھ رکوع پالیا اس کی وہ رکعت ہو گئی (منہاج السنۃ جلد ۵) اہم نوویؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص اہم کو رکوع میں پاسے اس کی وہ رکعت سورہ فاتحہ پڑھے بغیر بھی جائز ہے (شرح مسلم جلد ۳ ص ۱۳۰ و مثلاً فی شرح



المہذب جلد ۳ ص ۲۲۶) حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ جس شخص نے اہم کو رکوع کی حالت میں پالیا ہو اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی ہو تو اس کی وہ رکعت اور نماز صحیح ہے، اہم مالک اور اہم شافعی، اہم ابو حنیفہ، اہم ثوری، اہم اوزاعی، اہم ابو ثور، اہم احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ (وغیرہ) کا یہی مسلک ہے اور حضرات صحابہ کرام میں حضرت علیؑ اور حضرت ابن مسعودؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا یہی مسلک ہے اور ہم نے تمیید میں ان کی جملہ اسانید درج کر دی ہیں (بحوالہ اصنام الکلام ص ۲۴۰ و اعلا السنن جلد ۴ ص ۳۲۹) اور صاحب لکھتے ہیں کہ جمہور کا یہی مسلک ہے کہ جس نے رکوع میں اہم کو پالیا ہو تو اس کی وہ رکعت صحیح ہے۔ (بدور الایمان ص ۶۵ و دلیل الطالب ص ۴۳۳) مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ قاضی شوکانی صاحب نے (نیل الاوطار جلد ۲ ص ۱۱۳) پہلے یہ لکھا تھا کہ مذکور رکوع کی وہ رکعت شمار نہ ہوگی لیکن بعد کو جمہور کے مسلک کی طرف رجوع کر لیا چنانچہ انہوں نے اپنے فتح الربانی میں اس کی تصریح کی ہے کہ اہم کے ساتھ رکوع میں مل جانے والے کی وہ رکعت بالکل صحیح ہے (عون المعبود جلد ۱ ص ۳۳۴) مبارک پوری صاحب حدیث میں من صلی رکعة ثم یقرأ فیہا رکعتین کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ رکعت ہو سکتی ہے جس میں مقتدی نے اہم کو بحالت رکوع پالیا ہو اور خود قرأت نہ کی ہو اس کی وہ رکعت جائز اور صحیح ہوگی۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۱۶۱) مؤلف "خیر الکلام" لکھتے ہیں کہ اسی طرح اگر رکوع والی حالت میں رکعت کا صحیح ہونا دلائل سے ثابت ہو جائے (جو چھوٹے حوالوں سے یقیناً ثابت ہے) مقتدی تو اس کی تخصیص کر لی جائے گی نہ یہ کہ اس کو لے کر اعتراض کیا جائے گا۔ بلفظ ص ۱۳۶ ہم تو پہلے ہی سے اس حدیث کی تخصیص کے قائل ہیں لیجئے اب مؤلف مذکور بھی تخصیص کو مان رہے ہیں البتہ اعتراض کے لفظ سے فراغت ہوتی ہے اور اسی صفحہ میں اس سے پہلے لکھتے ہیں کہ اور اس حدیث سے صرف ایک بار فاتحہ کا واجب ہونا ثابت ہو رہا ہے، اگر کوئی شخص رکوع میں رکعت کے جواز کا قائل ہے تو اس سے اس حدیث کی مخالفت لازم نہیں آتی اور

الجواب نہ ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص صرف منفرد کے لیے فاتحہ پڑھنے کا قائل ہو تو اس سے اس حدیث کی عین مطلقیت پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ حدیث ہی لمن یصلی وحده



کے بارے میں ہے، اگر اس حدیث سے ہر رکعت میں صرف ایک بار فاتحہ کا ثبوت ہے، تو حدیث  
مسعی الصلوٰۃ سے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا ثبوت ہے۔ چنانچہ امیر میمانیؒ اس کے فوائد میں لکھتے ہیں  
کہ فتیح الفاتحۃ فی کل رکعة (مسند السلام جلد ۱ ص ۲۲۸) حضرات! انصاف کے  
ساتھ آپ ایک طرف حضرات محدثین کرامؒ کی ان تصریحات کو ملاحظہ کیجئے اور دوسری طرف تشریق  
ثانی کا یہ دعوئے دیکھئے کہ غرض تمام محدثین بالاتفاق اس حدیث کو ہر نماز اور ہر نمازی پر شامل کہتے  
ہیں۔ اور یہ کہ جو شخص اہم کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے  
بیکار ہے اور باطل ہے۔ کہ یہ کہاں تک مبنی بر انصاف ہے۔ افسوس اور حیرت ہے اس تحقیق پر مولانا  
میر صاحبؒ ہی فرماتیں کہ کیا حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ،  
اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ حضرات صحابہ کرامؓ اور اہم مالکؓ، اہم احمدؓ، اہم ابو حنیفہؓ، اہم شافعیؓ، اہم ابن  
عیینہؓ، حافظ اسمعیلیؓ، حافظ ابن عبد البرؓ، اہم موفق الدینؓ ابن قدامہؓ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ  
ابن القیمؒ، وغیرہ و غیرہ جن کی پوری تشریح جلد اول میں عرض کی جا چکی ہے) آپ کے نزدیک محدث  
نہیں ہیں؟ اور کیا ان میں بعض جہری نمازوں کو اور بعض مقتدی کو اور اکثر رک رکوع کو اس حدیث  
سے کتاب و سنت کے دلائل سے مستثنیٰ نہیں کرتے؟ تعجب ہے میر صاحبؒ کی دیدہ دلیری پر کہ وہ  
کس بے احتیاطی سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غرض تمام محدثین بالاتفاق اس حدیث کو ہر نماز اور ہر  
نمازی پر شامل کہتے ہیں مولانا خود ہی از راہ بزرگی اور انصاف فرماتیں کہ ایک شخص مادہ زاگوہ تو گناہ ہے  
وہ نماز تو ادا کرتا ہے لیکن دوسری قرآن کی طرح وہ سورۃ فاتحہ کی قرآن سے بھی عاجز ہے کیا اس کی نماز  
ہو جائے گی؟ اگر نہ ہوگی تو کس دلیل سے؟ اور اگر ہو جائے گی تو آپ کے قاعدہ کے مطابق یہ روایت تو  
ہر نمازی کو شامل ہے وہ گونا گویا کیسے مستثنیٰ قرار پایا؟ اس گونے کو بھی جانے دیجئے یہ بتلائیے کہ سو سال  
کا بوڑھا کافر مسلمان ہوتا ہے نہ حافظ ساتھ دیتا ہے اور نہ زبان وہ نماز کے ظاہری ارکان تو ادا کرتا ہے  
مگر سورۃ فاتحہ یاد نہیں کر سکتا کیا اس کی نماز جائز ہے، اگر ہے تو یہ خود اور اس کی نماز ہر نماز اور ہر  
نمازی کی زنجیروں سے کیسے خارج تصور ہوں گے؟ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا حضرت میں قرآن کریم کا کوئی  
بھی حصہ یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا مجھے کوئی ایسی چیز ارشاد فرمائیے جو اس کے قائم مقام ہو اپنے



ارشاد فرماتم یہ پڑھا کرو سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ (الحديث) رواه العداؤد واحمد والنسائی وصححه ابن حبان والدارقطنی والحاکم (سبل السلام جلد ۲ ص ۲۹۷) امیر ایمانی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اذکار قرأت کے قائم مقام ہیں خواہ سورۃ فاتحہ کی قرأت ہو یا قرآن کریم کے کسی اور حصہ کی اور یہ حکم اس شخص کے لیے ہو گا جو قرأت پر قادر نہ ہو اور بہ نظر ظاہر یہ روایت صاف بتاتی ہے کہ ایسے شخص پر قرآن کریم کا سیکھنا واجب نہیں ہے تاکہ وہ اس کو نمازیں پڑھ سکے کیونکہ میں طاقت نہیں رکھتا کا مطلب یہی ہے کہ میں اب قرآن کریم کا کوئی حصہ یاد نہیں کر سکتا محمدؐ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو قرآن کریم کا کوئی حصہ یاد کرنے کا حکم نہیں دیا اور ان کلمات کی تلقین فرمائی ہے حالانکہ جو شخص یہ الفاظ یاد کر سکتا ہے وہ سورۃ فاتحہ بھی یاد کر سکتا ہے اگر سورۃ فاتحہ وغیرہ کا سیکھنا واجب ہوتا تو آپ ضرور اس کا حکم دیتے۔ (سبل السلام جلد ۱ ص ۲۵۵) لیجئے ایک غیر مقلد عالم صاحب نے ساری نمازوں کے لیے ایسے شخص کو چھٹی دے دی ہے جو سورۃ فاتحہ پر قادر نہیں ہے گا

ایں گناہیست کہ در شہر شمانیز کنند

مؤلف خیر الکلام کہتے ہیں کہ ایسا مقتدی معذور ہے اور عذر کا حکم الگ ہے جیسے منفرد گونا گوا جس پر احناف کے نزدیک بھی قرأت فرض ہے مگر عذر کی وجہ سے مستثنیٰ ہے (محصلاً ص ۱۳۷) الجواب یہ ہمارے نزدیک تو یہ حدیث عام نہیں لیکن مؤلف خیر الکلام اس کو عام تسلیم کر کے معذور کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں تو یہ حدیث ہر نمازی کو شامل تو نہ ہوئی علوم کی رٹ تو ٹوٹی عام مخصوص البعض قطعی نہیں رہتا اور مقتدی بھی جمہور کے نزدیک شرعی طور پر معذور ہے کہ اس کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ممانعت ہے۔

امام نوویؒ لکھتے کہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہیں پڑھ سکتا اور اس کے لیے اس کا سیکھنا بھی ممکن نہ ہو تو اس کے علاوہ کوئی اور سورت ہی وہ پڑھ لیا کرے۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۶۹) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں جس کو سورۃ فاتحہ یاد ہو اس کے لیے فاتحہ مستحبین ہے اگر وہ یاد نہیں تو قرآن کریم کا کوئی حصہ لازم



ہے وہ بھی نہ ہو تو ذکر پڑھ لینا کافی ہے (فتح الباری جلد ۲ ص ۱۹۳) اب آپ خود میر صاحب کی سن لیجئے وہ خود لکھتے ہیں کہ جسے فاتحہ یاد نہ ہو وہ کسی اور مقام سے پڑھ لے اور اگر دیگر مقام سے بھی یاد نہیں تو تمکید، تکبیر، تسبیح پڑھے البتہ بلفظ پھر آگے لکھتے ہیں، سورۃ فاتحہ اس شخص پر لازم ہے جو اُسے بخوبی پڑھ سکے لیکن جو بخوبی نہ پڑھ سکتا ہو وہ جہاں سے چاہے قرأت کر سکتا ہے (بلفظہ تفسیر واضح البیان ص ۱۲۴ و ص ۱۲۵) دیکھئے مولانا خود ہر نمازی اور ہر نماز کی تخصیص کر کے جمہور کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہیں ع۔ یہ بھی لگا کے خون شہیدوں میں مل گیا۔

تمام محدثین بالاتفاق البتہ کا قصہ تو رہا اپنی جگہ کیا میر صاحب خود بھی محدث ہیں یا نہیں؟ دیکھئے کیا لب کشائی فرماتے ہیں؟ جمہور محدثین نے تو مدرک رکوع کو اس حدیث سے (حضرت ابو بکرؓ وغیرہ کی صحیح روایت جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) مخصوص کیا ہے حضرت امام بخاریؒ وغیرہ نے اس بات پر اصرار کیا ہے کہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت تصور نہیں کیا جائیگا یہ بات بڑی نا انصافی پر مبنی ہو گی کہ ہم ان کی پیش کردہ دلیل اور اس کا پس منظر آپ کے عرض نہ کریں، حضرت امام بخاریؒ کوئی صحیح مرفوع اور صریح روایت اس دعویٰ پر پیش کرنے سے سو فیصدی قاصر ہے ہیں کہ جس نے رکوع کی حالت میں امام کو پایا اس کی وہ رکعت شمار نہ ہو گی بخلاف اس کے ہم نے حضرت ابو بکرؓ کی صحیح، صریح اور مرفوع روایت سے جو حسن کے درجہ سے فروتر نہ ہو گی اور دیگر بعض آثار حضرات صحابہ کرامؓ سے اس مسئلہ کو پہلے مبرہن کر دیا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، امام بخاریؒ کا استدلال ملاحظہ ہو، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے معقل بن مالکؓ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو عوانہؓ نے بیان کیا وہ محمد بن اسحاقؒ سے روایت کرتے ہیں وہ عبد الرحمن بن اعرجؒ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے انہوں نے فرمایا قال اذا ادركت القوم ركوعا لم تعد بتلك الركعة رجذا القراءة ص ۵۹ کہ جب تم جماعت کے ساتھ اس حالت میں شریک ہو کہ وہ رکوع میں جا چکی ہو تو تمہاری اس رکعت کا اعتبار نہ ہو گا۔ لیکن اس روایت سے استدلال مخدوش ہے اولاً اس لیے کہ معقل بن مالکؓ کو علامہ ابو الفتح ازہویؒ موقوف کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۳ ص ۱۸۵) وثانیاً اس کی سند میں محمد بن اسحاقؒ ہے جس پر پوری جرح (اور کلام) اپنے مقام پر بیان کی جائے گی وثالثاً ابن اسحاقؒ مدلس ہے اور عنہ سے روایت کرتا ہے جو قابل التفات







کی زیادت بھی موجود ہے اور یہ زیادت اس کو متعین کر دیتی ہے کہ یہ روایت مقتدی سے متعلق نہیں ہے بلکہ منفرد وغیرہ کے حق میں ہے اور یہ کہ حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، امام احمد بن حنبلؓ، امام سفیان بن عیینہؓ، حافظ اسماعیلیؓ، امام موفق الدینؓ ابن قدامہؓ اور علامہ شمس الدین الحنبلیؓ وغیرہ اس روایت کا مصداق منقول بیان کرتے ہیں اور یہ کہ جمہور اہل اسلام اور حضرات ائمہ اربعہؓ وغیرہ ہر رک رکوع کو اس حدیث کے عموم سے مستثنیٰ کرتے ہیں اور یہ کہ گونگا یا وہ شخص جو مدت العمر سورہ فاتحہ یاد نہیں کر سکتا یا کچھ عرصہ اس کو یاد نہیں ہو سکتی اور معذوہ نماز ادا کرتا ہے، تو ایسا شخص بھی باتفاق فریق ثانی اس حدیث کے عموم سے خارج ہے۔ ان تمام اندرونی اور بیرونی قرآن اور دلائل کی موجودگی میں ہر نماز پر اور ہر نماز میں اس سے سورہ فاتحہ کے ہر رکعت میں واجب اور کن ہونے پر استدلال کرنا ثابت حیرت اور تعجب کی بات ہے۔ خیر یہ سب باتیں عرض کی جا چکی ہیں مگر یہاں جو بات کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرات محدثین کرامؓ کا ایک ضابطہ ہے اور جس کو فریق ثانی بڑی شد و مد سے بیان کرتے ہیں چنانچہ قاضی شوکانیؒ صاحب لکھتے ہیں وراوی الحدیث اعدت بالمراد من غیرہ (منیل الاوطار جلد ۱ ص ۲۵۶) حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کا مطلب دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے اور نواب صاحب لکھتے ہیں ان تفسیر الراوی انج من تفسیر غیرہ (عون الباری جلد ۲ ص ۲۵۷) راوی کی تفسیر دوسروں کی تفسیر سے راجح تر ہے اور مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں۔ وقد تقران راوی الحدیث اور ہی بمراد الحدیث من غیرہ (تحفة الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۷) یہ بات طے شدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں و مذہب الشافعی و محقق الاصولین ان تفسیر الراوی مقدمہ اذا لم یخالف الظاہر قالہ النووی (تحفة الاحوذی جلد ۲ ص ۲۳۵) کہ حضرت امام شافعیؒ اور محقق اصولیوں کا یہ مذہب ہے کہ راوی کی تفسیر جب کہ ظاہر کے خلاف نہ ہو دوسروں کی تفسیر سے مقدم ہوگی جیسا کہ امام نوویؒ نے کہا ہے، اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر جب ہم حضرت عباد بن الصامتؓ وغیرہ کی وہ صحیح حدیثیں جن میں حروف مت مذکور ہے، دیکھتے ہیں تو ان کے مختلف طرق اور اسانید میں ہمیں یہ مرکزی راوی نظر آتے ہیں۔ امام ابو بکرؓ بن ابی شیبہؒ، امام سفیان بن عیینہؒ، امام زہریؒ



اہم اسحاق بن راہویہ، اہم عبد اللہ بن وہب، اہم مالک بن انس، اہم احمد بن حنبل، اہم عبد الرزاق،  
 بن ہمام، اہم معمر بن راشد، اہم ابو اسحاق، اور حضرت اہم شافعی وغیرہ اور یہ تمام اکابر حروف صحت  
 کے عزم کے قائل نہیں ہیں کوئی اس حدیث سے صرف منفرد مراد لیتا ہے اور کوئی منفرد اور اہم دونوں  
 اور کوئی اہم کے پیچھے ستری اور چہری سب نمازوں کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے اور کوئی چہری نمازوں کو  
 اس سے خارج کرتا ہے اور مدرک رکوع وغیرہ تو سب کے نزدیک مستثنیٰ ہے اور لطف کی بات  
 یہ ہے کہ حضرت محمود بن ربیع جو صغار صحابہ میں تھے اور اس حدیث کے راوی ہیں مگر وہ بھی قرآنہ  
 خلف الاہم کے قائل نہیں تھے جس کی پوری تفصیل اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ اور لطف  
 بالائے لطف یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت بھی وجوب قرآنہ خلف الاہم کے قائل نہ تھے  
 جیسا کہ ذکر ہو گا اور ایک اور بات بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ مشہور محدث اہم اعمش فرماتے ہیں۔  
 انتم الاطباء ونحن الصيادلة (کتاب العلم جلد ۲ ص ۱۳۱) اے فقہاء کے گروہ  
 تم طبیب ہو اور ہم پٹناری ہیں۔ اہم سیوطی اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ اگرچہ پٹناری کے پاس  
 مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ کس کام آتی ہیں؟ طبیب اور حکیم  
 ہی ان کی خاصیت اور مزاج سے واقف ہو سکتے ہیں، اسی طرح حضرات محدثین کرام کے حافظہ  
 میں اگرچہ بے شمار حدیثیں محفوظ ہوتی ہیں لیکن وہ ان سے استنباط مسائل کا طریقہ نہیں جانتے  
 بلکہ یہ کام حضرات فقہاء کرام کا ہے (مجموعہ مسائل المختار ص ۵۵) اور امام سفیان بن عیینہؒ  
 لکھتے ہیں کہ فقہاء کی بات کو تسلیم کرنا ہی دین کی سلامتی ہے (الجواهر المفیة ج ۱ ص ۱۸۱)  
 اہم ترمذیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں وكذلك قال الفقهاء وهم اعلیٰ بمعانی الحدیث  
 (ج ۱ ص ۱۸۱) کہ فقہاء نے اس حدیث کا یہ معنی بیان کیا ہے اور وہی حدیث کا مطلب زیادہ بہتر  
 سمجھتے ہیں اور اہم احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ما اقل الفقہ فی اہل الحدیث (طبقات  
 ابو یعلیٰ ص ۲۴) فقہ اور سمجھ کی باتوں سے اہل حدیث کو کوئی سروکار نہیں ہے، اہم حاکم اور  
 علامہ حازمیؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو جس کو فقہاء روایت کرتے ہیں اس حدیث پر ترجیح  
 ہوگی جس کو محدثین نقل کرتے ہیں (معرفت علوم الحدیث ص ۱) و کتاب الاعتبار  
 ص ۱) اور یہ اکابر جن کے انسانی نقل کئے گئے ہیں بلا اختلاف مسلم فقہ تھے، اس لیے راوی



حدیث ہونے کے علاوہ ان کی فقہیت کی وجہ سے بھی ان کا بیان کردہ مطلب اور معنی قابل ترجیح ہوگا۔  
الغرض تمام اندرونی اور بیرونی شہادتیں اس امر کو بلاشک و شبہ متعین کر دیتی ہیں کہ حضرت عبادہؓ وغیرہ  
کی اس روایت کو جس میں حرف مت ہے مقتدی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ فریق ثانی کا اس سے  
استدلال و احتجاج صحیح ہو سکتا ہے۔

قارئین کرام! ابھی متعدد صحیح جوابات اس روایت کے جو جہور کی طرف سے پیش کیے گئے  
ہیں باقی ہیں مگر سلسلہ کلام دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا ہے اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں تاکہ آپ  
اگتا نہ جائیں، بل البتہ ادب اور احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف ایک جواب اور عرض کرتے ہیں اور  
فریق ثانی سے انصاف کی توقع رکھتے ہیں۔

جواب ششم۔ اگر فریق ثانی خواہ مخواہ اس پر اصرار کرتا ہے کہ حضرت عبادہؓ بن الصامت کی یہ  
روایت مقتدی کے حق میں بھی عام ہے تو اس کو چاہیے کہ امام کے پیچھے آواز بلند اور جہر سے قرأت کیا  
کرے کیونکہ حضرت عبادہؓ جہر سے قرأت کرتے تھے۔ چنانچہ امیر بیانی صاحب حدیث قد  
تَقْرَأُ بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتَ إِلَّا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ (کہ جب میں جہر سے قرأت کیا کروں  
تو تم قرآن کریم کا کوئی حصہ میرے پیچھے نہ پڑھا کرو، مگر سورۃ فاتحہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فہذا عبادہؓ راوی الحدیث قرا بیہا  
جہراً خلف الامام لانہ فہم من کلامہ  
صلی اللہ علیہ وسلم انہ یقرأ بیہا خلف  
الامام جہراً وان نازعہ (سبل السلام جلد ۱ ص ۴۶)  
حضرت عبادہؓ بن الصامت نے جو اس روایت کے  
راوی ہیں امام کے پیچھے بلند آواز سے سورۃ فاتحہ پڑھی اس لیے  
کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے  
یہی سمجھا تھا کہ امام کے پیچھے بلند آواز سے سورۃ فاتحہ پڑھی  
جاسکتی ہے، اگرچہ امام کے ساتھ منازعت اور ہاتھ پائی ہی  
کیوں نہ ہو۔

اور یہ روایت فریق ثانی کے نزدیک صحیح ہے۔ امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں کہ ہذا اسناد حسن  
ورجالہ ثقات کلہم (جلد ۱ ص ۱۲۱) اور یہ معنی ابھی ایک غیر مقلد عالم صاحب نے بیان  
کیا ہے اس لیے ان کو امام کے پیچھے خوب زور و شور کے ساتھ ام القرآن کی قرأت کرنی چاہیے



اگرچہ کھلے طور پر منازعت اور مخالفت بھی ہوتی ہے اگر حضرت عبادہ بن الصامت کی اس روایت پر اہل کائنات نہیں ہے اور ترک جہر کرتے ہوئے بھی ان کی نماز جائز اور صحیح ہے اور ان کے اہل حدیث ہونے میں کوئی شک نہیں ہے تو دوسروں سے یہ الزام مطالبہ کیسے صحیح ہے؟ اور ان کی نماز کیوں ناقص، بیکار، کا عدم اور باطل ہے؟ آنچہ پر خود پسندی پر دیگران میں پسند، ہم اس حدیث کے انہیں جوابات پر اکتفا کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں گویا بھی بہت سی باتیں کہنے کی باقی ہیں وہ فیہ کفایۃ لمن لہ ہدایۃ۔ مؤلف خیر الکلام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عبادہ نے فاتحہ آہستہ پڑھی تھی مگر بعض علماء نے جہر کا لفظ اس لیے بولا ہے کہ محمود نے جو حضرت عبادہ کے ساتھ کھڑے تھے سُن لیا تھا الخ (ص ۱۰۱) الجواب :- یہ نرمی دفع الوقتی ہے کیونکہ عبارت میں قرآن ہما جہداً کے الفاظ ہیں پھر اس کا یہ مطلب کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ فاتحہ آہستہ پڑھی؟ اور یہ قرأت صرف پہلو میں حضرت محمود ہی نے سنی بلکہ یہ امام نے بھی سنی اس لیے کہ امیر بیانیؒ وان نازعہ کا جملہ بول رہے ہیں کہ اگرچہ امام کے ساتھ منازعت اور سرکشی ہوتی ہے، حضرت عبادہ کے نزدیک مقتدی جہراً فاتحہ پڑھ سکتا ہے۔

دوسری روایت :- ابو اسحاق (جو ہشام بن زہرہ کے غلام تھے) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔  
 مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ  
 کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی  
 ذہی خداج ہی خداج ہی خداج غیر تمام نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے وہ نام نہ ہوگی۔

۱۔ حضرت ہشام بن عامرؓ بھی امام کے پیچھے جہر سے قرأت کیا کرتے تھے (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱۱) علامہ شیبہؒ فرماتے ہیں رجالہ موثقون کہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں حضرت ہشامؓ کو علامہ ذہبیؒ بھی بڑے میں ذکر کرتے ہیں اور ان کے والد بھی صحابی تھے جو غزوہ احد میں شہید ہوئے (تجدید اصحاب الصحابہ ج ۱ ص ۱۲۹)  
 ۲۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان کا نام عبداللہ تھا اور وہ الانصاری اور المذنبی ہونے کے ساتھ قبیلہ جہینہ سے تعلق رکھتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۴۱) لیکن صاحب کشف الخفا لکھتے ہیں کہ شاید وہ دراصل شیراز (ایران) کے رہنے والے تھے (اوجز المسالك جلد ۱ ص ۲۴۲)



فقلت لابی ہریرۃ اِنّی اکون دراد الامام  
 قال فغزذراعی فقال اقرا بھا فی نفسک  
 ابوالسائب کہتے ہیں۔ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے  
 دریافت کیا حضرت! میں جب امام کے پیچھے ہوں تو کیا کروں؟  
 تو انہوں نے میرا بازو دبا کر جواب دیا اسے فارسی (اور عجمی)  
 یا فارسی۔ (مسلم جلد ۱ ص ۶۹)

اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔

فریق ثانی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے وجوب اور اس کی رکعت پر اس روایت کو نص سمجھتا ہے۔  
 جواب :- فریق ثانی کا اس روایت سے استدلال ان امور پر موقوف ہے (۱) حرف مکی عموم کے لیے  
 ہے (۲) جس چیز پر لفظ خداج کا اطلاق ہو وہ کالعدم ہوتی ہے (۳) لفظ غیر تمام رکعت پر دلالت  
 کرتا ہے (۴) اقرا بھا فی نفسک حتمی اور قطعی طور پر آمہتر پڑھنے پر دلالت کرتا ہے، یہ وہ چار  
 اصولی نقطے ہیں جن پر ہمیں بحث کرنی ہے پوری توجہ اور دلجمعی کے ساتھ غور کریں، اس سے قبل  
 کہ ہم ترتیب وار ان شقوق کا جواب دیں، یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ذرا فریق ثانی کی طرف سے  
 پیش کردہ روایتوں کے راویوں کا جمہور کی طرف سے پیش کردہ روایتوں اور ان کے راویوں کا اجمالی  
 طور پر تقابل کر دیکھیں، فریق ثانی نے قتادہ، سلیمان بن یحییٰ، ابوالسحاق البیہقی، اسرائیل بن یونس اور امام زہریؒ

کے علاوہ ابوالولید الباجیؒ (المتوفی ۵۴۹ھ) کہتے ہیں کہ ابوالسائب کے سوال کرنے کا سبب یہ تھا وہذا اعتراض  
 من ابی السائب علی العموم بالغفل الشائع عنده وما شاهدہ من الاثمة فی تروا القرأ وروا الامام  
 (بحوالہ اجزا المسائل جلد ۱ ص ۱۴) کہ انہوں نے جب بڑے بڑے اماموں کو اور دیگر اکثریت کو امام کے پیچھے ترک  
 قرأ پر عامل پایا تو عموم الفاظ کے پیش نظر حضرت ابو ہریرہؓ پر یہ اعتراض کیا۔ عہ وقال ابن القیم فی تہذیب  
 سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۳۹۲ اقرا بھا فی نفسک وهذا مطلق لیس فیہ بیان ان یقرأ بھا حال الجہر  
 ولعلہ قال لہ یقرأ بھا فی السرو المسکات ولو کان عاماً فہذا اذائی لہ خالفہ فیہ غیرہ من  
 من الصحابة والخذیر وایتہ اولی اہل حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ اس میں اس کا ذکر نہیں کہ حالت جہر میں  
 پڑھے اور ممکن ہے کہ انہوں نے سب سے نمازوں اور مسکات میں پڑھنے کا حکم دیا ہو اور اگر یہ عام ہے تو یہ ان کی اپنی  
 روایت اور دیگر حضرات صحابہ کے مسلک کے خلاف ہے لہذا ان کی روایت ان کی رائے سے زیادہ بہتر ہے۔

یہ روایت ابو عوانہ جلد ۲ ص ۱۳۶، ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۱۹، حوطا ام، مکتب، ترمذی جلد ۱ ص ۱۴۱، ابن ماجہ ص ۱۱۱،

طیاسی ص ۲۳۲، جزا القرأ ص ۱۶ اور کتاب الاعتبار ص ۹۹ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔



جیسے ثقہ ثبت راویوں پر محض تحلیط، تفرد، تدلیس اور ارسال وغیرہ کے لیے الزام عائد کے ہیں جو اصول حدیث کے رو سے مردود ہیں جیسا کہ آپ نے دیکھ چکے ہیں اور انہوں نے امام حمزہ، سفیان بن عیینہ، امام ابو زاعری، شعبہ بن ابی حمزہ، عبد الرحمن بن اسحاق مدنی، اور صالح بن کیسان جیسے جلیل القدر ائمہ ثقات اور حفاظ کی صحیح اسانید سے مروی زیادت فصلاً کو ٹھکرا دیا ہے اور وہ بھی محض اپنی مرضی سے بلا دلیل، اس روایت کے صحیح الفاظ یہ تھے۔ کل صلوٰۃ لا یقدا فیہ ابام الکتاب فہی خداج الا صلوٰۃ خلف امام کہ ہر وہ نماز جو سورۃ فاتحہ کے بغیر پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ہاں مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور یہ استثناء الا صلوٰۃ خلف امام علام بن عبد الرحمن کی غلطی سے چھوٹ گئی ہے جس کی پوری تفصیل پہلے عرض کی جا چکی ہے اور یہ بھی نقل کیا جا چکا ہے کہ امام ابن معین کہتے ہیں کہ ان کی حدیث حجت نہیں ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھے ابو حاتم کہتے ہیں کہ ان کی بعض حدیثیں منکر ہیں ابو زرۃ کہتے ہیں کہ وہ زیادہ قوی نہ تھے، ابو داؤد فرماتے ہیں کہ محدثین صیام شعبان کی روایت کو ان کی منکر روایتوں میں شمار کرتے ہیں اور حافظ ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں کہ :-

العلاء لیس بالمتین عندہم وقد	علام بن عبد الرحمن محدثین کے نزدیک چندان قابل اعتبار
الفرد بہذا الحدیث لیس یوجد الالہ	نہیں ہیں اور اس حدیث کو بیان کرنے میں متفرد ہیں
ولا تروی الفاظۃ عن احد سواہ۔ واللہ اعلم	ان کے بغیر کسی اور سے یہ الفاظ مروی نہیں ہیں۔
(کتاب الانصاف ص ۶)	اور یہ صرف انہیں سے مروی ہیں۔

پس یہ روایت بلا شبہ شاذ ہے کہ ضعیف راوی تمام ثقات کی روایت کے خلاف کہتا ہے امت مسلمہ کا ایسی روایتوں کی صحت پر اجماع منعقد نہیں ہوا اور نہ آج تک جمہور نے ان کو قبول کیا ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام کا غلط دعوے ہے۔ فریق ثانی کا انصاف ملاحظہ کیجئے کہ ثقہ ثبت اور حجت راویوں کی روایتیں تو ان کے نزدیک صحیح نہیں ہیں لیکن جس روایت کو کمزور

مؤلف خیر الکلام نے ارسال و انفطاع وغیرہ کا روٹا پھردیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۸۳ و ص ۱۸۴) مگر ہم ان کا باحوالہ مفصل جواب پہلے عرض کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔



اور ضعیف راوی بیان کرتا ہو اور بقول حافظ ابن عبد البرؒ اس کے بغیر ان الفاظ کو خدا کی دنیا میں کوئی ایک راوی بھی بیان کرنے والا نہ ہو تو وہ ان کے نزدیک حجت ہے، اور اس کے خلاف کریمواہوں کی نماز بیکار، ناقص، کالعدم اور باطل ہے۔ فواسقا ترجمان الحدیث ص ۲۹ تا ۲۹۶، جولائی ۱۹۷۳ء میں اس کا خوب رونا رویا ہے کہ مولف احسن الکلام ایک طرف تو بخاری و مسلم کو صحیح مانتے ہیں اور دوسری طرف مسلم کے راوی پر کلام کرتے ہیں اور یہ ان کا مذہبی تعصب ہے اور تضاد بیانی ہے محصلہ الجواب :- یہ سبق ہم نے آپ حضرات ہی سے سیکھا ہے کہ حضرت قتادہؒ اور سلیمانؒ تمیمیؒ وغیرہ جو ثقہ اور ثبوت اور بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں مگر آپ حضرات نے باوجود ان کے ثقہ متابع ہونے کے ان کو معاف نہیں کیا حالانکہ صحیحین کی صحت آپ حضرات کے ہاں بھی براہ نام مسلم ہے سچ ہے سچ! اس گناہ ہسیت کہ در شہر شامینز کسند۔ تو اگر ہم نے ٹھوس حوالوں کے ساتھ العلادہ بن عبد الرحمنؒ کی غلطی واضح کر دی ہے تو کیا جرم کیا ہے! اور جہاں حضرات محدثین کرامؒ نے العلادہ کی کسی روایت کو صحیح کہا ہو گا تو یقین جانتے کہ وہاں ان کے مقابلہ میں خالد الطحانؒ جیسا ثقہ اور ثبوت راوی ہرگز نہ ہو گا اس بات کو بھی ضرور ذہن مبارک میں رکھئے۔ اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس حدیث کا جو حصہ مرفوع ہے اس میں یہاں دو الامام کے الفاظ موجود نہیں ہیں یہ الفاظ صرف اس حصہ میں ہیں جو حضرت ابوہریرہؓ کا موقوف قول اور فتویٰ ہے۔ اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ فریق ثانی کا یہ نظریہ ہے کہ در موقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصوت رسد، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مقابلہ میں تو کسی کا قول پیش ہی نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ایک مقام پر امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ بھلا حضرت علیؓ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی بات کہہ سکتے ہیں؟ اور اگر آپ کے خلاف ان سے کوئی سند صحیح بھی ہو تب بھی حضورؐ کی بات ان پر اور دوسروں پر حجت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے ہوتے ہوئے کسی امتی کے قول کو کیسے حجت قرار دیا جاسکتا ہے۔؟

(سنن الکبیری جلد ۲ ص ۱۷۱) آپ تم ترتیب وار جوابات سنئے۔

۱۔ حرف منہ کے عموم میں نص قطعی نہ ہونے پر سیر حاصل بحث پہلے کی جا چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں، اور امام موفق الدین ابن قدامہؒ اور علامہ شمس الدین الحنبلیؒ



کے حوالہ سے عرض کیا گیا ہے کہ حضرت عبادۃ کی سابق حدیث کی طرح حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث بھی منفرد سے متعلق ہے۔

۲۔ لفظ خداج سے وجوب اور رکنیت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ بعض مرفوع حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الصلوة مثني امثني وتشهد في كل ركعتين وتبأس وتمسكن واقع يديك  
نماز کی دو رکعتیں ہیں اور ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے اور اپنی عاجزی فقر اور احتیاج کا اقرار کرتا ہے اور قول  
يا الله ارحمني يا الله يا الله يا الله کو جس نے ایسا نہ کیا تو

اس کی نماز ناقص اور خداج ہوگی۔

ظاہر ہے کہ نفس نماز تو عاجزی، تمسک، ارحم ارحم اور اللهم و غیرہ کہنے کے بغیر بھی بالاتفاق جائز ہے اور فریق ثانی کے نزدیک نماز وتر کی دو رکعتوں کے بعد تشہد بھی نہیں ہے حالانکہ اس حدیث میں ایسا نہ کرنے والے کی نماز پر خداج کا اطلاق ہوا ہے اگر خداج رکنیت کو چاہتا ہے تو ایسا کیوں فرمایا ہے اور فریق ثانی لفظ کل کے عموم سے بھی استدلال کرتا ہے جس کا ذکر عنقریب کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

اعتراف: مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ اس روایت میں عبید اللہ بن نافع بن عیاض راوی کمزور ہے، ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تقریب ص ۲۱۸) علاوہ بریں امام لیث بن سعد لفظ خداج کے بجائے کذا و کذا کے الفاظ نقل کرتے ہیں، اور امام شعبہ لفظ خداج نقل کرتے ہیں اور امام بخاری لیث بن سعد کی تصویب کرتے ہیں (ربیعناہ تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۴۸) جواب:۔ یہ ٹھیک ہے کہ بعض حضرات محدثین کرام نے ان کو مجہول کہا ہے اور بعض

۱۔ یہ روایت ترمذی جلد ۵، ابوداؤد جلد ۱، ابن ماجہ ص ۹۵، مستدرک جلد ۱ ص ۲۶، سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۸۸، خیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۶

۲۔ التاج الجامع للاصول جلد ۱ ص ۲ وغیرہ کتابوں میں ہے۔



نے ان کی حدیث کی صحت کا بھی انکار کیا ہے مگر اہم ابو حاتمؒ اس حدیث کی تحقیر کرتے ہیں۔  
 (کتاب العمل جلد ۱ ص ۱۳۲) اور غایۃ المثل جلد ۲ ص ۲۴۰ میں لکھا ہے بسند صحیح کہ اس کی سند  
 صحیح ہے۔ اور مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی راوی پر جہالت کا الزام ہو اور ابن حبانؒ  
 اس کو ثقات میں بیان کر دیں تو اس کی جہالت رفع ہو جاتی ہے (ایکاد الملن ص ۱۳) اور ان کو  
 ابن حبانؒ بھی ثقات میں بتاتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۵۸) تو ان کے مسلم  
 قاعدہ کے مطابق یہ روایت صحیح ہے۔ راجع امام لیثؒ بن سعدؒ کا قصہ تو وہ بھی سن لیجئے امام لیثؒ  
 بن سعدؒ بھی اس روایت کو لفظ خداج سے روایت کرتے ہیں (وہ لکھتے مسند الکبریٰ جلد ۲  
 ص ۴۴ وغیرہ) اور لیثؒ بن سعدؒ کے ایک شاگرد عبداللہؒ کے علاوہ باقی سب لفظ خداج ہی  
 سے اس روایت کو نقل کرتے ہیں، اس روایت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ہر دو رکعتوں کے  
 بعد تشہد ضروری ہے، لہذا وترواں کا بھی یہی حکم ہو گا اور فریق ثانی کا انکار باطل ہے خصوصاً جب  
 کہ لفظ کل کے عموم کے بھی معنی ہیں پھر وہ وتشہد فی کل رکعتین کا کیونکر انکار کرتے یا کر سکتے  
 ہیں؟ مگر اس کو کیا کہا جائے کہ وہ اپنی رائے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس میں شبہ نہیں اور صریح صحیح و مرفع  
 روایتوں میں اس کی بڑی تشدید آئی ہے کہ رکوع وغیرہ میں امام سے پہلے مقتدی کو سر اٹھانے کی گنجائش  
 اور اجازت نہیں ہے مگر ایسا کرنا رکعتیں نہیں ہے جس سے سکر سے نماز ہی نہ ہو جیسا کہ حضرت  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو جس نے آپ سے قبل ہی سر رکوع سے اٹھالیا تھا۔  
 خطاب کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا اتقوا خداج الصلوٰۃ۔ (مسند احمد جلد ۳ ص ۳۳)  
 کہ تم ناقص (اور خداج) نماز سے بچو اس حدیث میں بھی غیر رکن پر لفظ خداج کا اطلاق ہوا ہے  
 مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ان احادیث میں خداج کا معنی نقصان و صغی کے لیے کیا گیا ہے اور  
 یہ مجازی معنی ہے اور فاتحہ کو حنفی بھی واجب کہتے ہیں (محصلہ ص ۱۶) الجواب: حضرت ابو ہریرہؓ  
 کی حدیث میں بھی نقصان و صغی ہی مراد لے لیں کیونکہ وہاں بھی قوی قرآن موجود ہیں اور خود حضرت  
 ابو ہریرہؓ کی روایت بھی ایک قرینہ ہے جو آثار صحابہؓ میں گزر چکی ہے کہ وہ جہری نمازوں  
 میں قرأت خلف الامم کے قائل نہ تھے اور حنفیوں کے نزدیک مقتدی پر فاتحہ واجب ہی نہیں  
 ہے اور بحث اسی میں ہے منفر و اور امام کی بات نہیں ہو رہی۔



۳۔ جیسے لفظ خداج کا اطلاق ایسے موقع اور محل پر ہوا ہے جو رکن نہیں اسی طرح لفظ غیر تمام بھی غیر رکن کے ترک پر ہوا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اقامۃ الصلۃ من تمام الصلوۃ (بخاری جلد ۱ ص ۱۸۳) کہ صفت کو سیدھا کرنا نماز کے اتمام میں داخل ہے۔ فان تسویۃ الصفوف من تمام الصلوۃ (مسلم جلد ۱ ص ۱۸۳) و مستند احمد جلد ۱ ص ۱۶۶ کہ بلا شک صفوں کا درست کرنا اتمام صلوۃ سے ہے اور اسی قسم کے الفاظ منطویا سی ص ۱۶۶ وغیرہ میں مروی ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ صفوں کی درستگی کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کا خاص لحاظ فرمایا کرتے تھے لیکن تسویۃ صفوف آخر رکن صلوۃ بھی تو نہیں ہے کہ اس کے بغیر مطلقاً نماز ہی صحیح نہ ہو اسی طرح ایک روایت میں یوں ارشاد ہوا ہے۔ لا تتعد صلوۃ احدکم حتی یسبغ الوضوء (دارقطنی جلد ۱ ص ۳۵) تم میں کسی کی نماز مکمل نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ وہ وضو کی تکمیل نہ کرے ظاہر ہے کہ اسباغ و غوطہ میں تین تین بار دھونا اور اطالہ وغیرہ کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ نماز کے لیے ضروری نہیں ہے، ایک دفعہ وضو کرنا کافی ہے اور دو مرتبہ کامل وضو ہے اور تین مرتبہ کا مکمل جیسا کہ حضرات محدثین کرام نے باب الوضوء ص ۱۰۰ باب الوضوء مرتین مرتین اور باب الوضوء ثلاثا ثلاثا قائم کر کے اور ان کے تحت مرفوع قولی اور فعلی حدیثیں درج کر کے یہ بات واضح کر دی ہے، اس حدیث میں بھی غیر رکن پر لا تتعد کے الفاظ اطلاق کئے گئے ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من تمام الصلوۃ، الصلوۃ فی النعلین (مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۶۴) کہ نماز کا اتمام اور اس کی تکمیل یہ ہے کہ جو تلوں میں نماز پڑھی جائے اگر من تمام الصلوۃ یا غیر تمام وغیرہ الفاظ رکنیت کو چاہتے ہیں تو جو تلوں میں نماز پڑھنا بھی رکن ہونا چاہیے، اور حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں غیر تمام تفسیر لقوله علیہ السلام وهذا اللفظ لا یقتضی الرکنیۃ (فتاویٰ میمنہ) کہ غیر تمام کا جملہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد (خداج) کی تفسیر ہے لیکن یہ لفظ رکنیت کو نہیں چاہتا، امام ابن دقیق العید ایک مقام پر اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تمام الشئ اشد علی وجود حقیقتہ (احکام الاحکام جلد ۱ ص ۱۹۵) کہ اصل شے کی حقیقت سے تمام کا مفہوم زائد ہے، اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ سنگڑا پایا چ اور اندھا وغیرہ بھی تو



آخر انسان ہے، ان نقائص کی وجہ سے اس کی انسانیت کا انکار تو ہرگز نہیں ہو سکتا، ہاں البتہ اگر یہ اعضا بھی صحیح ہوتے تو وہ کامل اور مکمل انسان کہلاتا۔ آپ ملاحظہ کر چکے کہ لفظ عذاج کی طرح غیر تمام کا جملہ بھی رکنیت کو نہیں چاہتا اور اس پر فریق ثانی کے استدلال کی عمارت قائم تھی۔

۴۔ قراءة فی النفس کے معنی عربی قواعد کے لحاظ سے زبان کے ساتھ آہستہ پڑھنے کے علاوہ

اپنے دل ہی دل میں تدبیر اور غور کرنے اور منفرد اور اکیلے ہو کر پڑھنے کے بھی آتے ہیں اور جب تک یہ

دو معنی اور بھی موجود ہیں تو فریق ثانی کا قطعی اور حتمی طور پر یہ دعویٰ کیسے مسموع ہو سکتا ہے کہ قرات

فی النفس سے آہستہ زبان کے ساتھ پڑھنا ہی مراد ہے یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابوہریرہؓ

کے اس موقوف اثر اور فتوے کا مطلب یہ ہو کہ اے سائل جب تم امام کے پیچھے اقتدار کر چکے ہو تو

اپنے دل ہی دل میں سورۃ فاتحہ کا تدبیر اور غور کیا کرو اقرأ فی نفسك اور زبان کو حرکت تک نہ

دینا۔ اس روایت کا یہی مطلب حافظ المغرب امام ابن عبد البرؒ نے بیان کیا ہے اور اس کا بھی قوی

احتمال ہے اور یا یہ معنی ہو کہ اے سائل تم نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا سوال کیا ہے لیکن

اقرأ فی نفسك جب تم اکیلے اور منفرد ہو کر تو اس وقت سورۃ فاتحہ پڑھا کر دو اس اعتبار

سے اسلوب حکم کے پیش نظر حضرت ابوہریرہؓ نے سائل کو یہ بتایا کہ جب تم منفرد اور اکیلے ہوتے

ہو تو اس وقت سورۃ فاتحہ پڑھا کر دو۔ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے اس کا بھی

قوی احتمال ہے اور اگر اس کو آپ معنی اور مطلب کہنے پر آمادہ نہیں تو صحیح احادیث کے ساتھ

تطبیق دینے کی ایک جائز تاویل ہی کہیجئے، امام نوویؒ حضرت ابوہریرہؓ ہی کے ایک موقوف اثر

کے بارے میں جو ایک مرفوع حدیث کے مخالف ہے، لکھتے ہیں، مناقول او مردود و شرح

مسلم جلد ۲ ص ۲۵۵) اس کی کوئی مناسب تاویل کر لی جائے گی یا اس کو رد کر دیا جائے گا پہلے تو

اس اثر میں علامہ ابن عبد البرؒ نے موجود ہے جس کا حال آپ سُن چکے ہیں پھر یہ ابوہریرہؓ پر موقوف

ہے اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تب بھی مرفوع روایت کے مقابلہ میں قابل التفات نہیں ہے اور اس کا

ایک صحیح محمل بیان کر کے صحیح روایات کے ساتھ منطبق کرنا یہ تو انتہائی خوش عقیدتی اور حسن

ظہنی ہے قراءة فی النفس تدبیر کے معنی میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا یوم القوم اقرأہم لکتاب اللہ (مسلم جلد ۱ ص ۲۳۶) ابوداؤد ص ۹۳ ترمذی ص ۳۲



قوم کا اہم وہی ہو جو بڑا عالم کتاب اللہ ہو۔ امام نووی اقراً کا معنی افتہ بھی نقل کرتے ہیں اصل عبارت یوں ہے واجابوا عن الحديث بان الاقراء من الصحابة كان هو الافتہ اور نووی (۳۳۶) اور انہوں نے حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام میں جو اقراً ہوا تھا وہی افتہ ہوا تھا، یعنی جو شخص قرآن کریم کا سب سے بڑا عالم اور اس کے معانی پر غور اور فکر و تدبر کرنے والا ہو تو وہی شخص قوم کا اہم ہونا چاہیے اور اگر علم قرأت اور تجوید پر بھی اس کی گہری نگاہ ہو تو نور علی نور، اور صاحب تاج العروس اس کا معنی کرتے ہیں اقراء اصحابہ واثقن للقرآن واحفظ کہ وہ شخص امام ہو جو دوسروں سے زیادہ معیار ہی عبور اور تدبر کرنے والا اور الفاظ و معانی کا حافظ ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اذا قرأتم في نفسك لم يكتبها ربه جلد ۴ ص ۱۱۱ جب تم دل میں پڑھتے ہو تو وہ دونوں فرشتے اس کو نہیں لکھتے، دل میں پڑھنے کا مطلب جس کو کریم کا تبین بھی نہ لکھیں غور کرنے اور تدبر کرنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ حضرت ابو سعید بن الخدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ تمہارا وضو ٹوٹ چکا ہے تو محض اس وسوسہ کی بناء پر نماز نہ چھوڑ دینا بلکہ یہ کہہ دیا کرو كذبت لي شيطان تم جھوٹ بک رہا ہے ہو مگر یہ کہنا في نفسه ہو امام ابن حبانؒ نے اپنے صحیح میں فی نفسه کی زیادت روایت کی ہے (بلوغ المرام) سوچئے کہ بجا است نماز دل میں شیطان لعین کو یہ کہنا کہ تم جھوٹ لکھتے ہو میرا وضو نہیں ٹوٹا بغیر تدبر اور غور کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ مشہور تابعی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اذا طلق في نفسه فليس بشيئ (بخاری جلد ۲ ص ۹۴) جب کوئی شخص اپنے دل میں طلاق دے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے طلق في النفس کا مطلب بغیر تدبر اور غور کے اور کیا ہو سکتا ہے زبان سے طلاق کا لفظ کہنے سے گو مسخرہ پن سے کیوں نہ ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے حضرت عمرؓ نے ایک مشورہ کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا تھا وكنتم زورتم (بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱) میں نے اپنے دل میں ایک مقالہ تیار کیا تھا، ظاہر ہے کہ قلبی مقالہ تدبر اور غور کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ حضرات ائمہ متکلمین نے کلام لفظی اور کلام نفسی پر روشنی ڈالی ہے اور اس پر متفق ہیں کہ کلام نفسی پر بھی کلام کا اطلاق صحیح ہے بلکہ حقیقت شناسی سے کام لیا جائے تو اصل کلام ہی دل کا کلام ہے۔



ان الکلام لفی الفواد وانما جعل اللسان علی الفواد دلیلاً

بے شک کلام تو درحقیقت دل ہی کا کلام ہے، زبان تو صرف اس کلام کو ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

ان تمام اقتباسات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ دل کے اندر غور اور تدبیر و فکر کرنے پر بھی قرأت قول و مقالہ اور کلام وغیرہ کا اطلاق جائز اور صحیح ہے اور اس کا انکار کرنا باطل ہے۔ مولف غیر الکلام نے امام بیہقی کے حوالے سے جو یہ لکھا ہے کہ دل میں تدبیر کرنے پر بالاجماع قرأت کا اطلاق نہیں ہوتا (مجلد ۳ ص ۱۸۱) تو یہ قابل قبول نہیں اس لیے کہ ہم حضرت ابن عباسؓ اور امام ابن عبد البرؒ وغیرہ کے حوالے سے عرض کر چکے ہیں کہ دل کے تدبیر پر بھی قرأت کا اطلاق ہوتا ہے محض بے دلیل خوش کن لفظ اجماع سے کچھ نہیں بننا۔ فریق ثانی ہی ازراہ کرم یہ فرمائے کہ ایک شخص کسی کتاب یا اخبار وغیرہ کو دل ہی دل میں پڑھتا ہے اور زبان کو حرکت تک نہیں دیتا کیا یہ کتاب صحیح ہے کہ اس نے کتاب اور اخبار کی قرأت کی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے اور یقیناً اثبات ہی میں ہونا چاہیے تو اس غور اور تدبیر پر قرأت فی النفس کا اطلاق کیسے صحیح ہوا؟ یا حضرت امام بیہقیؒ، امام نوویؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ کا یہ اعتراض کہ اگر دل میں تدبیر اور غور کرنے پر قرأت کا اطلاق صحیح ہے تو جہنمی وغیرہ جب دل میں قرآن کریم پر تدبیر کرتے تو وہ گنہگار کیوں نہیں ہوتا حالانکہ زبان کے ساتھ پڑھنا اس کے لیے جائز نہیں ہے (کتاب القراءة ص ۱۷۰ نووی جلد ۱ ص ۱۷۰ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۷۰) تو یہ ایک سطحی قسم کا سوال اور مغالطہ ہے، کیونکہ جہنمی کے لیے تلفظ اور زبان سے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ دل میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے تکلم اور تلفظ شرط ہے یہ نہیں کہ دل میں طلاق کے تدبیر پر طلاق فی النفس کا اطلاق ہی صحیح نہیں ہے؟ بہر حال یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دل کے اندر غور اور تدبیر کرنے پر قرأت مقالہ اور قول کا اطلاق صحیح ہے آخر حضرات مفسرین کرامؒ کے ایک معتبر گروہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد کا کہ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا اپنے جی میں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا بلکہ تم بدتر ہو درجہ میں یہی مطلب تو بیان کیا ہے کہ انہوں نے یہ بات اپنے دل میں کہی اور سیاق و سباق سے یہی تفسیر قرین قیاس معلوم ہوتی ہے گوروہی تفسیر کا بھی احتمال ہے، جب یہ ثابت ہو گیا کہ



دل میں غور و فکر اور تدبیر بھی قوت فی النفس کا اطلاق صحیح ہے تو اس احتمال کی موجودگی میں فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا، قاضی شوکانی فرماتے ہیں ومع الاحتمال یسقط الاستدلال

(نیل الاوطار جلد ۱ ص ۱۱) احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال ساقط اعتبار ہے یعنی ایسا احتمال جو

ناشی عن دلیل ہو محض احتمال سے استدلال پر کوئی زور نہیں پڑتی (غیث الغمام ص ۱۱) اور یہاں

احتمال ناشی عن دلیل ہی ہے کمالاً یخفی یہاں تک جو بحث ہوئی وہ اس امر کی تھی کہ اس

حدیث کا مطلب حافظ ابن عبد البر وغیرہ نے یہ بیان کیا ہے کہ اقتداء بہا فی نفسک کا معنی ہے دل

میں اس پر غور و فکر اور تدبیر کرنا ہے، اور قواعد شرعیہ سے اس کا ثبوت موجود ہے جو عرض کر دیا گیا ہے

اب آپ اقتداء بہا فی نفسک کا دوسرا معنی بھی سن لیں کہ فی نفس کے معنی اکیلے اور منفرد کے بھی

آتے ہیں چند نظائر اور نقول عرض ہیں غور کریں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد

فرماتا ہے کہ آپ جب ان (خاص قسم کے) لوگوں کو غلط کریں تو قُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قُتُوبٌ

بَلِغًا دِث، (نسا) آپ ان میں سے ہر ایک ایک اور اکیلے اکیلے کو انتہائی بیخ بات کہہ دیجئے

اس آیت میں فی نفس کا معنی امام عربیت علامہ زحشری نے تفسیر کشاف جلد ۲ ص ۱۱۱ میں اور

امام رازی نے تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۲۷۷ میں اور اسی طرح دوسرے بعض مفسرین نے جن

میں قاضی بیضاوی اور صاحب روح المعانی وغیرہ شامل ہیں یہی معنی کئے ہیں اور اسی طرح

کا معنی حضرت عبد اللہ بن عباس سے بھی منقول ہے (دیلمی فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۸ وغیرہ)

ایک حدیث قدسی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ جل شانہ سے روایت کرتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فان ذکرى في نفسه ذكرته في نفسي

وان ذكرني في ملائذ ذكرته في ملائذ

منهم الحديث (بخاری جلد ۲ ص ۱۱)

کسی جماعت میں یاد کرنا ہے تو میں اُس جماعت کے

بہتر جماعت میں اس کو یاد کرتا ہوں۔

اس حدیث میں فی نفسہ تنہا اور اکیلے کے معنی میں ہے کیونکہ اس کا تقابل فی ملاء

جماعت سے کیا گیا ہے اور کنز العمال جلد ۱ ص ۱۱۱ میں فی نفسہ کے بجائے خالی



راکیلا اور منفرد کا لفظ آیا ہے جو صراحت سے اس مضموم کو ادا کرتا ہے اور قاموس میں فی نفس کے معنی اکیلے کے بیان کئے گئے ہیں (فصل الخطاب ص ۷) اور فن نحو کی کتابوں میں اسم فعل اور حرف کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے کون طالب علم ناواقف ہو سکتا ہے؟ اسم وہ کلمہ ہے جو فی نفسہ اپنے معنی پر دلالت کرے، اور ضم ضمیر کا محتاج نہ ہو فعل وہ کلمہ ہے جو فی نفسہ اپنا معنی دے اور ضم ضمیر کا مختصر نہ ہو لیکن ماضی و حال اور استقبال میں سے کوئی زمانہ اس میں پایا جائے اور حرف وہ کلمہ ہے جو فی نفسہ اپنا معنی ادا نہ کر سکے بلکہ اسم اور فعل سے مل کر اپنا مضموم ادا کرے، ان مواقع میں فی نفسہ کا معنی اکیلا اور منفرد ہی ہے کہ اسم و فعل اکیلے اور تنہا اپنا معنی دیتے ہیں مگر حرف اکیلا معنی نہیں ادا کرتا عرف عام میں بھی فی نفسہ کا معنی اکیلے اور منفرد کے آتے ہیں کیا لوگ یہ نہیں کہا کرتے فلاں شخص فی نفسہ بڑا شریف (یا بڑا) ہے یعنی اگر اس کو اس کے رفقاء جماعت ہوساتھی اور گرد و پیش کے ماحول سے الگ کر کے اکیلا دیکھا جائے تو بڑا شریف (یا بڑا) ہے جب قرآن کریم، صحیح حدیث ائمہ لغت و تفسیر اور علم نحو بلکہ عرف عام سے یہ ثابت ہے کہ فی نفس کے معنی اکیلے اور منفرد کے بھی آتے ہیں تو حضرت ابو ہریرہؓ کے اس موقف اثر کا یہ معنی کیوں نہ ہو جائے کہ اقرا بہا فی نفسک جب تم اکیلے اور منفرد ہو کر تو اس وقت سورہ فاتحہ پڑھا کرو تاکہ نہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح و مرفوع حدیثوں سے اس کا تعارض پیدا ہو اور نہ مخالفت لازم آئے، شاید ایسے ہی موقع کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ نہ ہینک لگے نہ پھٹکڑھی، آخر حضرت ابو ہریرہؓ نے ابوالسائب کا بازو (فرض خدائی) بلا وجہ کھوڑا ہی دبایا تھا جواب کوئی مخصوص ہی ہو گا۔

اور ہوں گے جو سہیں ان کی جنائیں بے محل

ہم کسی کا غمزدہ بے جا اٹھا سکتے نہیں

قارئین کرام! حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کا پس منظر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم لفظ خداج کی مناسبت وہ جملہ روایتیں جو ہماری نظر سے گذری ہیں یہیں ہی نقل کر کے ان پر روایتی اور درایتی کلام کرتے جائیں اور پھر حدیث تبرئین کا ذکر کریں۔



## احادیث خداج اور مخدجہ کی بحث

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا  
 كل صلاة لا يقرأ فيها بفتح الفاء ولا يقرأ فيها بضم الفاء (كتاب القراءة ص ۲)  
 جس نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور نہ پڑھا جائے تو وہ نماز خداج اور ناقص ہوگی۔

جواب :- اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لئے کہ اس کی سند میں جبانہ

بن المغلس راوی ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ مضطرب الحدیث تھا امام ابن معینؒ اس کو کذاب  
 کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۹۹) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں بعض جعلی اور موضوع  
 بھی ہیں، ابو زرعةؒ نے ان سے روایت ترک کر دی تھی، ابن سعدؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں، ابو داؤدؒ  
 نے اس سے ترک روایت کا یہ غرض پیش کیا ہے کہ وہ صاحب مناکیر تھا محدث بزارؒ اس کو کثیر الخطا  
 کہتے ہیں ابن حبانؒ کا بیان ہے کہ وہ اسانید میں ہیر پھیر کر دیا کرتا تھا اور اس کی حدیث سے

احتجاج صحیح نہیں ہے، دارقطنیؒ اس کو مسترک کہتے ہیں (تذیب التذیب جلد ۲ ص ۵۸) دوسرا

راوی اس سند کا شیبہ بن شیبہؒ ہے امام بخاریؒ اس کو لیس بشقہ اور امام نسائیؒ و دارقطنیؒ

اس کو ضعیف کہتے ہیں، امام ابو حاتمؒ اور ابو زرعةؒ اس کو لیس بالقوی اور ابو داؤدؒ اس کو

لیس بشی کہتے ہیں (میزان جلد ۱ ص ۱۹۹) وثانیاً اس میں خلف الامم کا کوئی ذکر نہیں ہے اور

لفظ کذا کی بحث عنقریب آ رہی ہے وثالثاً اس میں وشی کی زیادت بھی موجود ہے مگر

فرق ثانی اس کا قائل نہیں ہے وراثتاً بسند صحیح و حسن حضرت عائشہؓ سے ایک روایت پہلے

عرض کی جا چکی ہے کہ وہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن سورہ فاتحہ کی قائل نہ تھیں، اگر یہ

روایت ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو ہرگز اس کے خلاف نہ کرتیں، حضرت عائشہؓ سے ایک

روایت مرفوعاً ان الفاظ سے مروی ہے كل صلاة لا يقرأ فيها بام القرآن فہی خداج

فہی خداج فہی خداج (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۸۱ و کتاب القراءة ص ۳) ہر وہ نماز جس

میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ناقص ہے، لیکن اس کی سند میں عبد اللہ بن

سبیحہؒ ہے، امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن ماجہؒ اور یحییٰ بن سعیدؒ اور وکیعؒ نے ان سے روایت

بأسفل ترک کر دی تھی ابو احمد حاکمؒ ان کو ذہاب الحدیث کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کی روایت کو



واجب الترك کہتے ہیں۔ اور ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے، ابو زرعہ کا بیان ہے کہ وہ صاحب ضبط نہ تھے، امام نسائی ان کو نہیں بشقہ کہتے ہیں، ابو حاتم کہتے ہیں کہ ان کی روایت حجت نہیں ہو سکتی، ابن قتیبہ ان کی تضعیف کرتے ہیں علامہ خطیب کہتے ہیں کہ وہ نسائی کی وجہ سے کثرت مناکیر کا شکار ہو گئے تھے، ابن معین کہتے ہیں کہ ان کی حدیث سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔

(تمذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۳۷۸) مصحح امام ترمذی کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے جلد اصل حضرت عائشہؓ کی ایک مرفوع روایت ان الفاظ سے مروی ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بام الکتاب فہی خداج (ابن ماجہ ص ۱۰ و کتاب القراءۃ ص ۳) ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو وہ ناقص ہوگی۔

لیکن اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جس کا ذکر عنقریب کیا جائے گا نیز وہ عنہ بھی کرتا ہے اور جزأ القرآۃ (ص ۱۰) میں بھی حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً یوں مروی ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا فہی خداج اور اس کی سند میں بھی محمد بن اسحاق ہے اور متن میں فاتحہ کی تعیین نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج غیر تمام (کتاب القراءۃ ص ۱۰ و توجیہ النظر ص ۲۷۲) جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص اور نامکمل ہوگی، لیکن اس روایت میں ایک آدمی محمد بن حمیر ہے اگرچہ جو محدثین کرام اس کی توثیق کرتے ہیں لیکن امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جاسکتی ہے اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے فسوی کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھا علامہ ذہبیؒ ان کو صاحب غرائب اور افراد کہتے ہیں (میزان ص ۱۰) حافظ ابن حجرؒ بھی امام یعقوب بن سفیان الفسویؒ سے یہی قول نقل کرتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے۔ (تمذیب التہذیب ص ۱۳۵) دوسرا راوی اس سنہ کا عبد اللہ بن عمرؓ ہے، امام ابی ان سے روایت نہیں لیتے تھے، امام نسائی ان کو لیس بالقوی کہتے ہیں۔

ابن مدینی ان کو ضعیف کہتے ہیں، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ کثرت خطا کی وجہ سے قابل ترک تھے (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۵۸) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (تقریب) تیسرا راوی اس کٹری کا اصفیل بن عیاش ہے امام مسلم لکھتے ہیں کہ ان کی کوئی روایت قابل حجت نہیں ہے معروف راویوں سے ہو یا مجهول سے (جلد ص ۱۸) لیکن محدث دحیم وغیرہ نے یہ



فیصلہ درج کیا ہے کہ اسمعیلؑ مذکور کی ہر وہ روایت جو اہل مدینہ سے ہو ضعیف اور کمزور ہوتی ہے  
 (میزان جلد ۱ ص ۱۱۱) و تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲۴) اور یہ روایت بھی عبد اللہ بن  
 عمر مدنی سے ہے۔ دوسری سند میں اگرچہ عبد الرحیم بن سلیمانؑ، اسمعیلؑ مذکور کا متابع ہے اور وہ خود  
 ثقہ ہے مگر اس کی سند کمزور ہے لہذا اس کی متابعت کا عدم ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مرفوعاً روایت ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بام  
 القرآن فخذجة فخذجة وجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱۱) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ  
 نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ناقص ہے لیکن اس کی سند میں معید بن سلیمان النشیطی  
 ہے، امام ابو زرعمہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامت کے خواہاں ہیں وہ قوی نہیں ہے۔  
 (جمع الزوائد ص ۱۱۱) ابوحاتم کہتے ہیں کہ اس میں کلام اور نظر ہے، ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں اس سے  
 روایت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں وار قطنی کہتے ہیں کہ محدثین اس میں کلام کرتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۱۱) حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے مرفوعاً ایک روایت یوں مروی ہے  
 کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بفاتحة الكتاب فہی خداج (ابن ماجہ ص ۱۱۱) ہر وہ نماز جس میں  
 سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے لیکن اس کی سند یوں ہے عن عمرو بن شعیب  
 عن ابيہ عن جبثہ اور جلد اول بحث سکات امام میں اس پر سیر حاصل بحث گذر چکی ہے، اعادہ  
 کی ضرورت نہیں ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے مرفوعاً ایک روایت  
 اس طرح مروی ہے کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بفاتحة الكتاب فہی خداج (کتب البقرة  
 ص ۱۱۱) جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے لیکن اس کی سند میں ایک راوی  
 عبد الوہاب بن عطاء ہے، امام ساجی اور ابوحاتم کہتے ہیں لیس بالقوی عند ہم محدثین کے  
 نزدیک یہ قوی نہیں ہے، امام نسائی ان کو لیس بالقوی کہتے ہیں امام احمد ان کو ضعیف  
 الحدیث کہتے ہیں، امام بزار کہتے ہیں لیس بالقوی، امام ابن حبیج ان کی ایک روایت کو  
 موضوع اور جعلی بتاتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۱۱) دوسرا راوی اس سند کا محمد بن  
 اسحاق ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا (النسابة اللہ تعالیٰ) اور تیسرا راوی (بلکہ گڑبی) عمرو بن  
 شعیب عن ابيہ عن جبثہ ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے ان کی ایک روایت مرفوعاً یوں ہے



كل صلوة لا يقرأ فيها بامر القرآن فهي خداج (كتاب القراءة ص ۶۹) اس کی سند میں  
 عمرو بن شعيب الخ کے علاوہ ابوالصلت ہمدانی، امام ساجی، نسائی، ابوزرعہ، ابویوسف  
 اس کو ضعیف کہتے ہیں مسلمہ اور ابن طاہر اس کو کذاب کہتے ہیں، دارقطنی اور عقیلی اس کو راغبی  
 ضعیف کہتے ہیں (تذیب جلد ۲۲) حضرت عبداللہ بن عمرو کی ایک مرفوع روایت یوں  
 ہے كل صلوة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي مخدجة مخدجة (كتاب القراءة ص ۲۲)  
 جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی گئی وہ ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے  
 لیکن اس میں عمرو بن شعیب عن ابيہ عن عبدہ واقع ہے اور علاوہ میں اس سند کا ایک راوی عالم حوالہ  
 ہے امام احمد ان کو لیس بالقوی اور ضعیف الحدیث کہتے ہیں امام نسائی کا بیان ہے کہ وہ قوی  
 نہ تھے، محدث حمید بن اسود اس کو کمزور اور ضعیف کہتے ہیں رمیزان جلد ۲ ص ۲۷ و تذیب التذیب  
 جلد ۵ ص ۱۱) امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے (توجیہ النظر ص ۲۴۵) مبارکپوری صاحب  
 لکھتے ہیں کہ منکر وہ حدیث ہے جس میں ضعیف اور کمزور راوی متفق ہو (تحفۃ الخواری ص ۱۱)  
 پس یہ جرح مبہم نہیں بلکہ مفسر ہے مولف خیر الکلام کا اس کو مبہم کہہ کر ٹال دینا غیر مقبول ہے  
 ان کی ایک روایت ان الفاظ سے بھی مروی ہے کہ سورۃ فاتحہ سکات امام میں پڑھنی چاہیے  
 ورنہ نماز خداج غیر تمام ہوگی (كتاب القراءة ص ۵۴) اس میں بھی عمرو بن شعیب واقع ہے اور  
 دوسرا راوی محمد بن عبداللہ بن عبید بن عمر ہے سکات امام کی بحث دیکھیے۔ اس پر باحوالہ  
 جرح وہاں نقل کر دی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے الركعتين اللتين لا يقرأ فيهما خداج  
 فقال رجل يا رسول الله ارايت ان لم يكن معي الا ام القرآن قال هي حسبك  
 هي السبع المثاني (كتاب القراءة ص ۱) وہ دو رکعتیں جن میں قرأت نہ کی جائے وہ ناقص  
 ہوں گی ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ یہ فرمائیے کہ اگر مجھے صرف سورۃ فاتحہ ہی یاد ہو؟  
 آپ نے فرمایا تجھے یہی کافی ہے کیونکہ یہ سبع مثانی ہے اس کی سند میں ابراہیم بن فضل ہے  
 امام نسائی کہتے ہیں وہ متروک ہے (ضعفاء ص ۳۹) علامہ ذہبی امام ابن معین امام احمد ابوزرعہ اور دیگر  
 محدثین اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں، ترمذی کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث



ہے ابو احمد الحاکم کا بیان ہے کہ وہ قوی نہیں ابن حبان ان کو کثیر الخطا کہتے ہیں، ازوی اور دارقطنی اس کو متروک کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۵) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں متروک، (تقریب ص ۲) علاوہ ازیں حبیب صرف کفایت پر دال ہے مگر فریق ثانی اس کی رکعت اور وجوب کا مدعی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک موقوف روایت یوں ہے اقروا اذا استوتوا و استوتوا اذا قروا فان الصلوة المفجدة التي لا قراءة فيها ركتاب القراءة ص ۱۳

تم قرأت کیا کر وجب امام خاموش ہوں اور جب وہ پڑھیں تو تم خاموش رہو کیونکہ جس نماز میں قرأت نہ ہو وہ ناقص ہے، اس روایت میں باوجود موقوف ہونے کے سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں ہے

علاوہ بریں اس میں اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فرودہ ہے امام علی بن المدینی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں ابن عمار اس کو ضعیف اور ذاہب الحدیث کہتے ہیں ابو زرعة، ابو حاتم، نسائی، دارقطنی اور برقانی اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں اس کی حدیث سے احتجاج صحیح نہیں ہے خطیبی کا بیان ہے کہ وہ محدثین کے نزدیک بہت زیادہ ضعیف ہے، امام مالک اور شافعی نے اس کو متروک قرار دیا ہے بزار، ابن جارد، عقیلی، علائی، البراء، العربی، ساجی، ابو حاتم، ابن حبان اور ابن شاہین سب اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۴۲)

حضرت ابوامامہؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں من لم یقرأ خلف الامام فصلاته خداج۔ (کتاب ص ۵۳ القداء و تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۹۵) جس نے امام کے پیچھے قرأت نہ کی تو اس کی نماز ناقص ہوگی اس کی سند میں سلیمان بن سلمہ غصی ہے امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے ابن حنفیہ کا بیان ہے کہ وہ جھوٹا ہے نسائی اس کو لیس لیشی کہتے ہیں ابن عدی کا بیان ہے کہ اس کی بے شمار حدیثیں منکر ہیں خطیب کہتے ہیں کہ مشہور بالضعف یعنی بے بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا ریزان جلد ۱ ص ۱۶۱ و لسان جلد ۲ ص ۹۳ علاوہ بریں اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔

ایک دیہاتی گنوار (رجل من اهل بادية) اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قیدی تھا کل صلوة لا یقرأ فیہا فاتحة الكتاب



فہی خداج لم یقبل (کتاب القراءة ص ۵) و تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۵) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو تو وہ ناقص ہوگی اور قابل قبول نہ ہوگی۔ مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱ میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس میں خداج کا لفظ نہیں ہے اس روایت میں یہ دیہاتی گنوار خود کون اور کیسا تھا؟ اور اس کا باپ کون تھا اور کیسا تھا؟ فن رجال اس سے خاموش ہے علامہ ہشیمی لکھتے ہیں فیہ رجل لم یسمہ اس میں مجہول راوی ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قیدی اکثر کافر ہوتے تھے نہ معلوم یہ قیدی کس حالت میں تھا؟ اور کون تھا؟

حضرت مہرانؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا من لم یقرأ یاہم الکتاب خلف الامام فصلاۃ، خداج (کتاب القراءة و مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱) کہ جس شخص نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہوگی، اس روایت کی سند میں عبد الرحمن بن سوارؒ وغیرہ مجہول راوی موجود ہیں جن کا کتب رجال سے کوئی پتہ نہیں چلتا علامہ ہشیمی لکھتے ہیں فی اسنادہ جماعۃ لا اعرفہم۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱) کہ اس کی سند میں مجہول راویوں کا ایک گروہ ہے جن کا مجھے علم نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؒ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کل صلوۃ لا یقرأ فیہا یاہم القرآن فہی خداج الا ان یكون وراء الامام (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوگی ہاں مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے ہو، امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں یحییٰ بن سلامؒ ہے جو ضعیف ہے، اور یہ حدیث موقوف ہے (جلد ۱ ص ۱۲) علاوہ ہمیں اس روایت میں الا ان یكون وراء الامام کی استثناء بھی ہے جو فرقہ ثانی کو سرسری مخالفت پڑتی ہے خداج کی بعض روایات پر جلد اول کی بحث سکات امام میں کلام کیا جا چکا ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

قاری بن کرام! یہ ہیں خداج کی وہ ضعیف، کمزور، معلل، متروک اور لیست حجۃ حدیثیں جن کے بل بوتے پر فرقہ ثانی نے تمام دنیا کے علماء احناف کو کھلا انعامی چیلنج کیا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے،



بیکار ہے اور باطل ہے (مفہوم) اور ازراہ انصاف اور دیانت اس پر غور نہ کیا کہ جو جماعت اور فریق قرآن کریم، صحیح احادیث، صحیح آثار، حضرات صحابہؓ اور اکثر سلف و خلف (اور جہری نمازوں میں تو بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ قرآن، حدیث اور اجماع کا مخالف اور منکر ہے) کے خلاف چلتا ہے کہیں انہیں کی نماز میں خرابی نہ ہوتی ہو، دنیا کو چیلنج دینے سے قبل ٹھنڈے دل سے سوچنے کا پہلو یہ تھا کہ

اے چشم اشکبار ذرا دیکھنے تو مجھے ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

تصویر کا دوسرا رخ

آئیے ملاحظہ کر لیا کہ خداج، مخدجہ اور مخدجہ کی روایات کا روایتی پہلو کیا ہے؟ اور

ان کی اسانید کیسی ہیں؟ اور ان کے راویوں کا کیا پایہ اور درجہ ہے؟

حضرات! اصل روایت یوں نہیں ہے جس طرح ان کمزور اور ضعیف راویوں نے نقل کی ہے

اور استثناء مہتمم کر گئے ہیں، اصل حدیث کے الفاظ یوں ہیں (اس مضمون کی سیکل سے زائد حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر سروسرست ہم صرف چار روایتیں عرض کرتے ہیں)

پہلی روایت: كل صلاة لا يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج الا صلاة خلف امام

(کتاب القراءۃ ص ۳۱) ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوگی مگر ہاں جو امام کے

پیچھے پڑھی جائے، اس روایت کا ایک ایک راوی ثقہ ہے جیسا کہ جلد اول باب دوم میں عرض

ہو چکا ہے اور الا صلاة خلف امام کی زیادت کو بیان کرنے والے خالد بن عبد اللہ الطحانی ہیں

جو بالاتفاق ثقہ، ثبت، حافظ اور الامام تھے، دوسری روایت یوں ہے كل صلاة لا يقرأ

فيها بام القرآن فهي خداج الا واد الامام (کتاب القراءۃ ص ۳۱) ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ

نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوگی مگر ہاں وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اس کی سند بھی صحیح ہے اور

اس زیادت کو عبد اللہ بن محمود سعدی نقل کرتے ہیں جو ثقہ اور حافظ تھے جس کی پوری تفصیل پہلی

جلد میں نقل کی جا چکی ہے۔ تیسری روایت یوں ہے كل صلاة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب

فلا صلاة له الا واد الامام (کتاب القراءۃ ص ۳۱) ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے

وہ ناقص ہوگی مگر امام کے پیچھے اس روایت میں اس زیادت کو علی بن کيسان نے بیان کیا ہے اور



یہ باقی روایتوں کی تائید میں پیش کی جا رہی ہے، چوتھی روایت حضرت جابرؓ کے حوالہ سے ابھی نقل کی جا چکی ہے جس میں إلا وراء الإمام کی استثناء موجود ہے، یہ روایت کتاب القراءۃ میں اور دارقطنی جلد ۱۲۲ میں ہے دارقطنی کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سلام ضعیف ہے اور یحییٰ کہتے ہیں کہ اس میں یحییٰ بن سلام کا وہم ہے یہ ٹھیک ہے کہ وہم اور خطائے کوئی راوی نہیں بچ سکتا اگر یحییٰ بن سلام کو بھی کبھی وہم اور خطائے دوچار ہوا پڑا ہے تو اس میں تعجب کی بات کون سی ہے؟ لیکن ذرا اس راوی کا خراج والے راویوں سے تقابل تو کر دیکھیں؟ ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ ان کی حدیث بھی جاسکتی ہے، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابوزر عہد ان کی لے باس بدل لکھتے ہوئے توثیق کرتے ہیں، ابو حاتمؒ ان کو شیخ اور صدوق کہتے ہیں ابوالعربؒ کہتے ہیں کہ وہ مفسر اور کان من الحفاظ ومن خیار خلق اللہ (لسان المیزان جلد ۲ ص ۶۶) حفاظ حدیث ہیں اور اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندوں میں تھے اگر فریق ثانی کے نزدیک محض اس وجہ سے کہہ إلا ان یکون وراء الإمام کی استثناء نقل کرتے ہیں ضعیف ہیں تو یہ نہایت ہی تعجب اور حیرت و افسوس کی بات ہے، بلکہ ہم فریق ثانی کے معاملہ فہم اور اصحاب علم اور طبقات روایت رجال پر عمیق اور گہری نگاہ رکھتے والے حضرات کو دعوت فرماتے ہیں کہ وہ جن جن راویوں نے إلا وراء الإمام یا أخلف الإمام وغیرہ کی زیادت نقل کی ہے، ان کا ان راویوں سے موازنہ اور تقابل کر دیکھیں جو اس استثناء کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر بیٹھے ہیں مگر افسوس ہے کہ پھر بھی ان کی حدیثیں قابل اعتبار ہیں اور یہ زیادت نقل کرنے والے باوجود ثقہ، حافظ اور ثبت ہونے کے قابل ملامت ہیں خواہ اسناد۔

## لفظ کل کی تحقیق

بعض روایات میں (کلّ صلوٰۃ الخ) لفظ کلّ آیا ہے اور بہت سی روایات میں مقتدی کا یا خلف الامام کا ذکر نہیں ہے اور فریق ثانی کی طرف سے لفظ کلّ کے عموم کو لے کر ان سے استدلال کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے، بایں طور کہ گوان روایتوں میں صراحت کے ساتھ مقتدی پر سورۃ فاتحہ کی قرات نہیں سمجھی جاتی لیکن لفظ کلّ عام ہے جس سے ہر نماز مراد ہوگی، مقتدی کی نماز ہو یا منفرہ کی اگرچہ اصولی طور پر ہمارے ذمہ اس کی تحقیق ضروری نہیں ہے کیونکہ



سند کے لحاظ سے ایسی کوئی روایت صحیح نہیں ہے جس میں مقتدری پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہو حروف  
 سن کی بحث آپ پڑھ چکے ہیں اور لفظ خداج وغیرہ کے ساتھ جو روایتیں مروی ہیں وہ کمزور اور ضعیف  
 ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اور سند کے لحاظ سے خداج وغیرہ کی جو روایتیں زیادہ صحیح ہیں ان میں  
 ثقات، حفاظ اور ائمہ سے الا ان یکون ودا الامام اور الی ودا الامام کی زیادتی بھی مروی ہے  
 جب اس زیادتی اور استثناء کے بغیر خداج اور کل کے الفاظ سے پیش کی گئی کوئی روایت  
 صحیح نہیں ہے تو اصولی طور پر معنوی اور دلیلی کلام کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے مگر ہم صرف  
 تکمیل کتاب اور افادہ طلبہ کے لیے چند اقتباسات درج کرتے ہیں جن سے یہ بتلانا مقصود ہے  
 کہ گو لفظ کل اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے عام ہے لیکن استعمال میں کل اور بعض کے لیے اور عموم  
 وخصوص کے لیے برابر آتا رہتا ہے اور اگر وہ عموم و استغراق حقیقی کے لیے آتا ہے تو موقع اور محل  
 اور داخلی و خارجی قرینہ کا محتاج ہوتا ہے اور اگر کہیں اضافی استغراق اور بعضیت کے لیے مستعمل  
 ہوتا ہے تب بھی قرینہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا چند اقتباسات ہدیہ کئے جاتے ہیں بغور ملاحظہ کریں۔  
 ۱۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص موقع پر ارشاد فرماتا ہے۔ **ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جَبَلًا رَّحِيْمًا** (پت ۳۰) کہ ان کوفتہ چڑیوں کی ایک ایک جڑ و ہر پہاڑ  
 پر رکھ دیں۔ ظاہر امر ہے کہ علیٰ کل جبل سے روئے زمین کے چھوٹے بڑے اور قریب و بعید کے  
 سب پہاڑ مراد نہیں ہیں اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمالیہ اور نانگا پربت وغیرہ کی چوٹیوں پر  
 کوفتہ چڑیوں کی بوٹیاں بلکہ قیمہ رکھنے کا مکلف ٹھہرایا گیا تھا اس موقع پر بھی **کل جبل** سے بعض  
 مراد ہیں جو بالکل قریب ہوں گے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے کفر و شرک اور دیگر معاصی کا ارتکاب کرنے والی قوموں  
 پر بطور تنبیہ بعض آفات اور نفسی تکلیفیں مسلط کیں تاکہ وہ اپنی حرکات باز آجائیں جب انہوں  
 نے اثر پذیری کا ثبوت نہ دیا **فَنَحْنُ عَلَيْهِمُ ابْوَابُ كُلِّ شَيْءٍ رَّحِيْمًا** (انعام ۵) تو ہم  
 نے ان پر ہر قسم کے دروازے کھول دیے قطعی بات ہے کہ بعض نعمتوں کے دروازے ان پر  
 کھولے گئے ہوں گے نہ یہ کہ نبوت و رسالت اور مقبولیت و رضا وغیرہ کے دروازے  
 بھی ان پر کھول دیے گئے تھے۔



۳۔ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ اور وادی غیر ذی ذریعہ کی مقبولیت کا ذکر یوں ارشاد فرماتا ہے  
 يُجِبِّي إِلَيْهِ تُكَلُّاتُ كُلِّ شَيْءٍ (پکا، رکوع ۹) ہر قسم کے میوے وہاں پہنچائے جاتے ہیں،  
 آج کل کے اس دور ترقی میں بھی جب کہ مختلف طرق سے میوے خشک کر لیے جاتے ہیں اور  
 سیر و سیاحت و نقل و حرکت کے اسباب فراوانی سے موجود ہیں، سال کے بارہ مہینے مکہ مکرمہ میں  
 پھل کر دیکھ لیجئے کیا ہر قسم کے میوے وہاں پہنچتے ہیں، بلکہ بعض میووں کے نام تک سے اہل مکہ واقف  
 نہ ہوں گے یہی کہا جائے گا کہ اس بے آب و گیاہ زمین میں ان کی روزی کا یہ سامان کیا گیا کہ بعض میوے  
 بعض اکناف سے پہنچائے جاتے ہیں۔

۴۔ حضرت ہود علیہ السلام کی مجرم قوم پہ اللہ تعالیٰ نے باد صحر اور تیز و تند ہوا کے جھونکے  
 بھیجے تَدْمِدُ كُلَّ شَيْءٍ (پکا، احقاف ۳۱) جو ہر چیز کو ہلاک کر سکے، اور یہ بالکل عیاں ہے  
 کہ زمین و آسمان وغیرہ کے علاوہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی بھی تباہ نہ ہوئے تھے۔  
 ۵۔ تورات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (پکا، اندکاش)  
 کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے، یہ بات آشکارا ہے کہ نہ تو واقعہ تورات میں ہر چیز کی تفصیل  
 موجود تھی کہ نہ میں کا ایک ایک ذرہ اس میں درج ہوتا اور نہ تو علوم و معارف کے لحاظ سے وہ سب  
 احکام اس میں درج تھے جو قرآن کریم میں موجود ہیں ورنہ قرآن کریم کی تورات پر فوقیت اور  
 عزیت کیا ہوگی۔

۶۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: تَفْصِيلًا لِّكُلِّ  
 شَيْءٍ اور تَبَيَّنَا لِكُلِّ شَيْءٍ کہ قرآن کریم ہر چیز کی تفصیل اور ہر چیز کا واضح بیان ہے  
 یہ بالکل ٹھیک ہے کہ قرآن کریم میں عباد و اعمال اخلاق و معاملات وغیرہ کے اصول اور قوانین  
 وضاحت اور صراحت کے ساتھ درج ہیں لیکن نماز کی جملہ رکعات، زکوٰۃ کا نصاب، حج و طواف  
 اور سعی وغیرہ وغیرہ کی تفصیل اور بیان قرآن میں نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی شرح اور اس کی تفسیر  
 حدیث شریف میں درج ہے اور صحیح حدیث بھی ویسے ہی منزل من اللہ ہے جیسے قرآن کریم۔  
 ۷۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انعامات کو پیش نظر رکھ کر تحدیث بالنعمة کے  
 طور پر فرماتے ہیں وَلَوْ شِئْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (پکا، نمل ۲۰) اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے۔ یہ



صحیح ہے کہ نبوت و رسالت، خلافت و سلطنت اور دیگر جو ساز و سامان ان کی شان کے لائق تھا وہ ان کو عطا کیا گیا تھا لیکن بے شمار اشیاء کے علاوہ نہ تو ان کو قرآن کریم عطا ہوا تھا اور نہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالت شان اور ختم نبوت اور نہ آپ کے حضرات صحابہ کرام ان کو عطا ہوئے تھے؟

۸۔ ذوالقرنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَمَّا نَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مُّسَبِّحًا (پڑھا، کہتے) ہم نے اس کو ہر قسم کا سامان دیا تھا یہ واشگاف بات ہے کہ وہی سامان ان کو عطا ہوگا جو ان کے حال اور شان کے مناسب ہو گا نیز کہ آج کل نہ مانر ساتنس کے آلات واسلحہ اور ہلاکت خیز اٹیم بم اور مائیکروجن بم وغیرہ بھی ان کو ملے تھے۔

۹۔ مکر سب (بلفیس) کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے وَ اَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ رِّبًّا (سورہ نمل، ۲۰) کہ ہر چیز اس کو عطا کر دی گئی تھی۔ اس کو بہت کچھ عطا ہوگا، مگر نبوت و رسالت اور ملک سلیمان علیہ السلام تو ہرگز نہیں ملا تھا۔ بلکہ علامہ ذہبیؒ تو لکھتے ہیں کہ کیا بلفیس کو مخصوص مردانہ عضو اور ڈاڑھی بھی مل گئی تھی؟ (مذکرہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۴) قرآن کریم کے ان اقتباسات کے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ کُلّ ہمیشہ اور ہر مقام پر کُلّ ہی کے معنی میں نہیں آتا بلکہ عموم اضافی اور بعض کے لیے بھی آتا ہے ممکن ہے کسی کو تاہم کو یہ وہم پیدا ہو جائے کہ آخر میں پیش کردہ مقامات میں لفظ کُلّ پر حرف مَن داخل ہے جو بعض کے لیے آتا ہے لہذا بعضیت تو حرف مَن سے ثابت ہوتی نہ کہ لفظ کُل سے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ لفظ کُل کو ہمیشہ اور ہر مقام میں عموم کے لیے نص قطعی سمجھتے ہیں ان کو حرف مَن کا بہانہ بھی مفید نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں مَن کُل شئی کا معنی یہ ہوگا کہ ہر چیز سے کچھ اور بعض ان کو عطا ہوا ہو۔ کیا یہ صحیح ہوگا کہ دنیا میں جتنے بھی مرد گزے ہیں یا موجود ہیں ہر ایک کی ڈاڑھی اور ہر ایک کی مونچھوں سے بلفیس کو کچھ حصہ عطا ہوا تھا؟ اور کیا یہ صحیح ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سورہ فاتحہ میں سے اور سورہ بقرہ میں سے و علیٰ ہذا القیاس قرآن کریم کی جملہ سورتوں میں سے کچھ کچھ عطا ہوا؟ کون اس جھمیلے میں پڑے، بہت سی چیزیں کہنے کی بھی نہیں ہیں سمجھ دار خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہر چیز سے کچھ اور بعض ملنے کا مفہوم کہاں تک وسیع ہے اور اس سے کیا کچھ مراد نہیں لی جاسکتی؟ اب آپ دو تین حدیثیں بھی ملاحظہ کر لیں۔



۱۔ اس مضمون کی ایک روایت آتی ہے کہ ایک مرتبہ ایسی سخت اور زیادہ بارش ہوئی کہ حصّۃ کلّ شئی (بخاری جلد ۱ ص ۱۳ وغیرہ) اُس نے ہر چیز کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا کافی نقصان ہوا ہوگا لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور حضرات صحابہ کرام و دیگر انسان اور جاندار بلکہ مدینہ طیبہ کے مکانات اور مسجد نبوی وغیرہ اس تباہی اور بربادی سے یقیناً محفوظ رہے تھے۔

۲۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک موقع پر ہم ایک قوم کے مکان بنے مگر اُن لوگوں نے ہماری ضیافت وغیرہ کی مطلقاً پرواہ نہ کی، خدا تعالیٰ کی قدرت کہ ان میں سے ایک بڑے سردار کو کوئی نہ ہر پٹی چیز ڈس گئی، انہوں نے اس پر جھاڑ پھونک کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ فَمَعُوا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ (بخاری ج ۲ ص ۳۰۴) وہ مجبور ہو کر ہمارے پاس آئے کہ تم میں کوئی جھاڑ پھونک (دم) کرنے والا ہے ہم نے کہا ہے چنانچہ اُن سے کچھ بکریاں لیکر (جو تیس تھیں بخاری ج ۲ ص ۳۰۹) بات طے ہوئی اُس پر سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھونکی گئی تو باذن اللہ تعالیٰ وہ بالکل تندرست ہو گیا (المختصر) ان صحابہ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سرتیہ (جھاڑ دھرتی) کی صورت میں ایک فوجی معمر پر بھیجا تھا جس میں تیس سوار تھے (واقعی ص ۳۱۵) اُن لوگوں نے اپنے سردار کو بچانے کے لیے ہر امکالی کوشش کی ہوگی لیکن سورۃ فاتحہ نہ اُن کے پاس تھی اور نہ انہوں نے پڑھی کیونکہ انہیں کافر و مشرک تھے اور کل شئی کا ایک فرد سورۃ فاتحہ بھی ہے۔

۳۔ ایک حدیث اس مضمون کی آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کان یصومہ، ککھ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۲ وغیرہ) یعنی سارے ماہ شعبان کے روزے رکھتے تھے، امام ترمذی نقل کرتے ہیں کہ دوسری احادیث کے پیش نظر حضرت امام عبداللہ ابن مبارکؒ نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ لفظ کل سے مراد یہاں اکثر ہے یعنی آپؐ سارے ماہ شعبان کے روزے نہیں رکھے بلکہ اکثر ماہ کے روزے رکھے ہیں۔ اس قسم کی حدیثیں اگر نقل کی جائیں تو یقیناً آپؐ اکتا جائیں گے ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں۔ وکلمۃ کل وہی تحتل الخصوص نحو کلمۃ من اھل اصول سرخسی جلد ۱ ص ۱۵ کہ کل کا لفظ حرف من کی طرح خصوص کا احتمال رکھتا ہے علامہ محمد طاہرؒ اور علامہ زبیدیؒ لکھتے ہیں کہ۔ قد يستعمل کل الموضوع للمحاطة بمعنى لفظ کل جو احاطہ اور شمول کے لیے موضوع ہے کبھی کبھی بعض کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے البعض ر مجمع البحار جلد ۳ ص ۲۲۴ و تاج



اور مشہور لغوی علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ :-

وقد جاء بمعنى بعض ضد - لفظ کل کبھی بعض کے معنی میں آتا ہے جو اعضاء

(القاموس جلد ۴ ص ۴۷) میں سے ہے ۔

اور علامہ زبیدی تحریر فرماتے ہیں کہ

وقد جاء استعماله بمعنى بعض - کل کا استعمال کبھی بعض پر بھی ہوتا ہے اور یہ

(تاج العروس جلد ۸ ص ۱) اعضاء میں سے ہے ۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ لفظ کل اگرچہ وضع تو احاطہ اور شمول کے لیے ہے مگر

اس کا استعمال کل اور بعض دونوں صندوں پر ہوتا رہتا ہے اور مشہور مفسر علامہ خازن لکھتے ہیں کہ

لفظة كل لا تقتضي الشمول والاحاطة لفظ کل شمول اور احاطہ کو نہیں چاہتا ۔

(تفسیر خازن جلد ۱ ص ۲۸۶)

اور ملا جیون لکھتے ہیں کہ

وكلمة كل تحمل الخصوص (نور الابرار ص ۸) کہ کلمہ کل خصوص کا احتمال رکھتا ہے ۔

اور قرآنی ثانی کو بھی اس کا اقرار ہے کہ لفظ کل اکثر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے و مثله قول القائل

ان الشواخيذ طري كل ذلك يفعل الوحي

(پرچہ اہل حدیث یکم ذوقعدہ ۱۳۴۷ھ)

اور مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں :- والمراد بالكل اکثر وهو مجاز قليل الاستعمال

(تحفة الاحوذی جلد ۲ ص ۱۸) کہ لفظ کل سے مراد یہاں اکثر ہے اور لفظ کل کا اکثر کے

معنی میں استعمال مجازی ہے اور کم استعمال ہوتا ہے اتنی بات تو مبارکپوری صاحب کو بھی معلوم ہے

کہ لفظ کل سے کسی موقع اور محل پر مجازاً اکثر کا معنی بھی مراد لی جاسکتی ہے اور عموم کے معنی میں

یہ نص قطعی نہیں ہے لیکن اس کا اقرار کرتے ہوئے بھی ساتھ قلیل الاستعمال کا پیوند جوڑتے

ہیں ۔ ہم نے چند مواقع قرآن کریم اور حدیث شریف سے صرف بطور نمونہ عرض کئے ہیں ۔

اور اگر اس کے باوجود بھی یہ قلیل الاستعمال اور شاذ ہے تو شاید مبارکپوری صاحب اور ان کے

اتباع کا قلیل الاستعمال اور کثیر الاستعمال الفاظ کے لیے قاعدہ اور اصطلاح ہی جدا ہوگی ۔



رکھ لیا ہے نام اس کا آسمان تحریر میں

مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ان مثالوں میں یہ لفظ مجازی طور پر بعض کے لیے مستعمل ہے نہ یہ کہ اس کے اصلی اور حقیقی معنی ہی بدوں قرینہ یہ ہیں (محصلاً ص ۱۲)

الجواب :- ہم نے بھی تو یہی کہا ہے کہ لفظ کل اصل میں شمول اور احاطہ کے لیے ہے مگر احتمال کے لحاظ سے عموم و خصوص دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور خصوص کی مثالیں یہ ہیں اس لیے کہ کل یہاں خصوص کے لیے ہے جہاں یہ صفت ہو جیسے کلم جو الملائکۃ کی صفت ہے تو وہاں عموم کے لیے ہے وہاں تخصیص کا احتمال بند ہے لہذا نور الانوار کا حوالہ مولف مذکور کو مفید نہیں ہے اور زیر بحث حدیث میں لفظ کل صفت نہیں ہے اس لیے خصوص کے لیے ہے۔

تیسری روایت :- جلد اول بحث سکنات اہم میں فرق ثانی کی بعض روایات پر کلام ہو چکا ہے اور بحث خداج میں متعدد حدیثیں نقل کر کے ان پر مبسوط طرح عرض کی جا چکی ہے گو کہ اس روایت کا درجہ تیسرا ہے مگر حقیقت میں اس کا نمبر پندرہ، سولہ سے کم نہ ہو گا ہم نے محض سہولت کی بنا پر نمبر شماری کا یہ سلسلہ اختیار کیا ہے، محدثین اسحاق، اسحاق سے روایت کرتے ہیں اور وہ محمود بن یسیر سے اور وہ حضرت عبادہ بن الصامت سے وہ فرماتے ہیں۔

کنا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوۃ الفجر فقرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت علیہ القراءة فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف اما حکم قلنا نعم هذا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب فاذلہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بہا۔  
(البدایہ جلد ۱ ص ۱۱۹)

کہ صبح کے وقت ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ قرأت کر رہے تھے آپ پر قرأت ثقیل ہو گئی، جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم اہم کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور کچھ بھی نہ پڑھو۔

یہ روایت اسی پیش کردہ سند کے ساتھ ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۹، دارقطنی ص ۱۱۹، مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۸، جزا القرأ ص ۱۲۱، کتاب القراءة ص ۳۱۳، معجم صغیر ص ۱۳۳، اللطیف ص ۱۱۹ اور سنن الکبریٰ



جلد ۲ ص ۱۶۲ وغیرہ میں موجود ہے اور نسائی جلد ۱ ص ۱۱۹ کی سند یوں ہے عن نافع بن محمد بن ربیعۃ عن عبادۃ بن الصامت الخ اور البرد او جلد ۱ ص ۱۱۹ کی ایک سند یوں ہے عن مکحول عن نافع بن محمد بن ربیع الخ اور وار قطنی جلد ۱ ص ۱۲۱ و سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۶۵ میں بھی یوں ہی سند موجود ہے، اس حدیث کی سند کے مرکزی روایت یہی ہیں جن کا ذکر ہوا ہے کسی سند میں سب اکٹھے آجاتے ہیں اور کسی میں ان کی اکثریت اور کسی سند میں ان میں سے کوئی نہ کوئی آجاتا ہے۔

جواب ۱۔ فریق ثانی کا اس روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اور چونکہ یہ روایت ان کے دعوے کے لیے صریح دلیل ہے کیونکہ اس میں خلف الامام اور سورۃ فاتحہ کی خاص قید موجود ہے اور شاید اسی صریح روایت کے سہارے پر انہوں نے تمام دنیا کے اصناف کو کھلا چیلنج کیا ہے اور غالباً ان کا یہ دعوے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے (بلفظہ) اس حدیث اور اس مضمون کی دوسری حدیثوں پر مبنی ہے اس لیے ہمیں اس پر قدرے تفصیل سے کلام کرنے کی اجازت دے دیجئے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آجائے ہم نے جو باتیں اس حدیث کے سلسلہ میں عرض کرنی ہیں وہ یہ ہوں گی۔  
۱۔ محمد بن اسحاق پر کلام۔ (۲) مکحول کا معیاری ثقہ نہ ہونا اور نیز اس کا مدلس ہونا اور یہ کہ نہ تو ان سے کسی صحیح سند سے تحدیث ثابت ہے اور نہ کوئی ثقہ متابع موجود ہے جس کی سند بھی صحیح ہو (۳) نافع بن محمود مجہول ہے (۴) روایت میں اضطراب موجود ہے (۵) یہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں ہے (۶) ابوالقراں کی استثناء ضعیف ہے (۷) لفظ خلف الامام مدرج ہے (۸) بنا برکت خلف الامام کا معنی کیا ہے؟ آسانی اور سہولت کے لیے ہم ان آٹھ شقوں کو جواب تصور کرتے ہیں۔ لہذا آٹھ جواب آپ ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا جواب :- محمد بن اسحاق کو گو تاریخ اور مغازی کا اہم سمجھا جاتا ہے لیکن محدثین اور ادباء جرح و تعدیل کا تقریباً پچانوے فیصدی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایت حدیث میں اور خاص طور پر سنن اور احکام میں ان کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی اور اس لحاظ سے ان کی روایت کا وجود اور عدم بالکل برابر ہے، تصریحات ملاحظہ کریں۔



امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے (ضعفاء صغیر ص ۵۲) ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ غنیف ہے (کتاب العلل جلد ۱ ص ۴۲۲) ابن نمیر یہ کہنے کے بعد بھی کہ جب وہ معروف راویوں سے روایت کرے تو حسن الحدیث اور صدوق ہے یہ بھی تصریح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مجہول روایت سے باطل روایات نقل کرتا ہے (بغدادی جلد ۱ ص ۲۲۴) دارقطنی کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ (ایضاً جلد ۱ ص ۲۳۲) سلیمان تمیمی کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے، ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے، امام یحییٰ و تعدیل یحییٰ قطان کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے (میزان جلد ۲ ص ۱۲) وریب بن خالد اس کو کاذب اور جھوٹا کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۵۴) امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں ایک دجال تھا (میزان جلد ۲ ص ۱۲) و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۵۴) نیز امام امام مالک نے اس کو کذاب کہا ہے (بغدادی جلد ۱ ص ۲۳۲) جریر بن عبد الحمید کا بیان ہے کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ محمد بن اسحاقؒ سے احادیث کی سماعت کریں گے (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۲) ابو زرؒ کا بیان ہے کہ بھلا ابن اسحاقؒ کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظریہ قائم کیا جاسکتا ہے؟ وہ تو محض ہیچ تھا (توجیہ النظر ص ۲۸) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ محدثین اور

لے تقریب النواوی میں ہے واذا قالوا متروک الحدیث او واہیہ او کذاب فہو ساقط لا یتب حدیثہ ص ۲۳۳) کہ جب محدثین کسی راوی کے بارے میں متروک الحدیث یا واہی الحدیث یا کذاب کہتے ہیں تو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے اس کی روایت کبھی بھی نہیں جاسکتی اور اس کی شرح تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ ولا یعتبر بہ ولا یستشهد ص ۲۲۳) ایسے راوی کی حدیث کو اعتبار و متابعت اور شاہد کے لیے بھی پیش نہیں کیا جاسکتا لیکن افسوس ہے کہ فرائی مخالفت نہ صرف یہ کہ اس سے استدلال کرتا ہے بلکہ اس کے بل بوتے پر مسلمانوں کی کثرت کی نماز کو باطل، بیکار اور کالعدم قرار دینے کا ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ ترجمان الحدیث ماہ ستمبر ۱۹۷۲ء ص ۱۲۳ وغیرہ میں محمد بن اسحاقؒ کی توثیق پر ادھر ادھر کے چند حوالے نقل کر کے خاصاً نہ صرف کیا ہے لیکن اگر جرح و تعدیل کی اس کڑی جرح کا کہ محمد بن اسحاقؒ کذاب ہے کوئی جواب نہیں دے سکے اور نہ اس کا جواب دے سکے ہیں کہ احکام و سنن میں ان کی روایت محبت نہیں ہے باقی جن حضرات نے ان کو صدوق اور حسن الحدیث وغیرہ کہا ہے تو وہ تاریخ اور مغازی وغیرہ سے متعلق ہے نہ کہ بنیادی احکام و سنن وغیرہ سے۔



حفاظ حدیث ابن اسحاق کے تفردات سے گریز کرتے ہیں رسن الکبریٰ بحوالہ الجوهر النقی جلد ۱ ص ۱۵۵ علامہ مارونیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ میں محدثین کے نزدیک مشہور کلام ہے (الجوهر النقی ص ۱۵۵) عبد اللہؒ فرماتے ہیں کہ میرے والدہ امام احمد بن حنبلؒ لے لیکن یحییٰ بہ فی السنن (بغدادی جلد ۱ ص ۱۲) و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۴۴ سنن اور احکام میں وہ ان سے احتجاج نہیں کرتے تھے حنبلؒ بن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ابن اسحاقؒ ایس بجہ (بغدادی جلد ۱ ص ۲۳) و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۴۴) ابن اسحاقؒ حجت نہیں ہے، ابو بکر بن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے دریافت کیا ابن اسحاقؒ جب کسی حدیث کے بیان کرنے میں متفرد ہو تو اس کی حدیث حجت ہوگی؟ قال لا واللہ (بغدادی جلد ۱ ص ۲۳) فرمایا بخدا ہرگز نہیں، ابن ابی خثیرؒ کا بیان ہے کہ ابن معینؒ نے اس کو ایس بذاک، ضعیف اور ایس بالقوی کہا سیمونیؒ کا بیان ہے کہ ابن معینؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے (بغدادی جلد ۱ ص ۲۳) و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۴۴) علی بن المدینیؒ کا بیان ہے لہ یضعفہ عندی الذ روایتہ، عن اہل الکتاب (تہذیب جلد ۹ ص ۴۴۴) میرے نزدیک ابن اسحاقؒ کو صرف اس بات نے ضعیف کر دیا ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ سے روایتیں لے لے کر بیان کرتا ہے۔ مشہور اور قدیم مؤرخ علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاقؒ بن ندیمؒ (المتوفی ۲۸۵ھ) اپنی کتاب الفہرست میں محمد بن اسحاقؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔

مطعون علیہ غیر مرضی الطریقۃ  
اس پر طعن کیا گیا ہے اور اس کا طریقہ ناپذیرہ  
الی ان قال وکان یحفل عن الیہود والنصار  
تھا (پھر آگے فرمایا۔ کیونکہ) وہ یہود اور نصاریٰ سے  
ولیسیمہم فی کتبہم اہل العلم الاول و  
روایات لیتا تھا اور اپنی کتابوں میں ان کو پہلے علم  
اصحاب الحدیث یضعفونہ ویتمونہ  
اور لے لے کر آتا تھا اور اہل حدیث اس کو ضعیف  
(الفہرست لابن التمدید ص ۱۲ طبع مصر)  
کہتے ہیں اور اس کو مستحکم قرار دیتے ہیں۔

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ بعض محدثین نے ان کے حافظہ کی خرابی کی وجہ سے اس میں کلام کیا ہے  
(کتاب العلل جلد ۲ ص ۲۳) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں۔  
ان میں ایک محمد بن اسحاقؒ بھی ہے (مقدمہ نووی ص ۱) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ



کی روایت درجہ صحت سے گری ہوئی ہے اور حلال و حرام میں اس سے احتجاج درست نہیں ہے  
 (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۹۳) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ابن اسحاقؒ احکام کی روایات میں حجت نہیں ہے۔  
 خصوصاً جب کہ متفقہ ہو اور جب کوئی ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتا ہو تو ابن اسحاقؒ کی روایت  
 قابل توجہ ہی نہیں ہو سکتی (درایہ ص ۱۹) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے ابن اسحاقؒ کی روایت  
 کو منکر کیا ہے اور اس کو ضعیف بتایا ہے (زاوالمعاد جلد ۱ ص ۱۹۳) علامہ منذریؒ اور حافظ سخاویؒ لکھتے  
 ہیں کہ امام احمدؒ نے فرمایا مغازی میں ابن اسحاقؒ کی روایات تو لکھی جاسکتی ہیں لیکن جب حلال و حرام  
 کا مسئلہ ہو تو اس میں ایسے ایسے راوی (یعنی ثقہ اور ثبت) درکار ہیں (الترغیب والترہیب جلد ۴  
 ص ۲۹ وفق المصیث ص ۱۲) قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ لیس بحد لا سیما اذا عنعن  
 (نسب الاوطار جلد ۱ ص ۲۳۲) ابن اسحاقؒ کی روایت حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ وہ عنعنہ  
 سے روایت کرتا ہو ثواب صدیق حسن خان صاحبؒ ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ در سندش نیز  
 ہماں محمد اسحاقؒ است و محمد بن اسحاقؒ حجت نیست (دلیل الطالب ص ۲۳۹) حضرت مولانا شیخ الحدادؒ  
 احسن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) نے (ایضاح الادلۃ ص ۴۵) میں ابن اسحاقؒ پر سیر حاصل کلام کیا ہے  
 اور ان تمام رکیک اور ضعیف تأویلوں کے دندان شکن جوابات دیے ہیں جو اس کو ثقہ قرار دینے کے  
 لیے اختیار کی گئی ہیں طلبہ ضرور اس کا مطالعہ کریں۔ آپ ملاحظہ کریں کہ شاید ہی جرح کا کوئی  
 ادنیٰ سے اعلیٰ تک ایسا لفظ ملے گا جو جمہور محدثینؒ اور اباب جرح و تعدیل نے محمد بن اسحاقؒ کے بارے  
 میں نہ کہا ہو محمد بن اسحاقؒ فریق ثانی کے نزدیک ثقہ ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ  
 ضعیف ہیں (بدور الازہلۃ ص ۲۳۵) فوا اسفاء حافظ ابن حجرؒ نے نہایت ضعیف اور رکیک  
 تأویلیں کرنے کی بے جا سعی کی ہے تاکہ ابن اسحاقؒ کو قابل اعتبار بنانے کی کوشش کامیاب ہو  
 سکے مثلاً یہ کہ سلیمان بنی امیہ جرح و تعدیل میں نہ تھے اور امام مالکؒ نے اپنے الفاظ سے رجوع کر  
 لیا تھا وغیرہ مگر یہ سب کوشش بیکار اور کالعدم ہے۔ اگر بالفرض سلیمان بنی امیہ جرح و تعدیل  
 میں نہ تھے تو کیا ہشام بن عروہؒ، امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن القطانؒ، وہیب بن خالدؒ، امام احمدؒ  
 بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ علی بن المدینیؒ جریر بن عبد الحمیدؒ، امام نسائیؒ، خطیبؒ، ابن غیرؒ، دارقطنیؒ  
 ابو ذر عہؒ اور علامہ ذہبیؒ وغیرہ بھی امیہ جرح و تعدیل میں نہیں ہیں؟ اور کیا ان سب نے ان



جرعی الزمات سے رجوع کر لیا ہے؛ باقی امام مالک کا رجوع کرنا بھی محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے خطیب  
 لکھتے ہیں اما کلام مالک فی ابن اسحاق فمشہور وغیرہ خاف علی احد من اهل العلم  
 بالحديث (بعد اسی جلد ۲۲) امام مالک نے ابن اسحاق میں کلام کیا ہے وہ کسی بھی ایسے شخص سے  
 مخفی نہیں ہے جس کو فن حدیث کا علم حاصل ہے امام ابن الجوزی الحنبلی (المتوفی ۵۹۸ھ) اپنی کتاب  
 الموضوعات میں لکھتے ہیں کہ۔

امام محمد بن اسحاق فرجروح شہد  
 بکذبہ مالک و سلیمان التیمی و وہیب  
 بن خالد و هشام بن عروہ و یحییٰ بن سعید  
 وقال ابن المديني يحدث عن المجاهدين  
 باحاديث باطله (نصب الراية جلد ۲ ص ۲۵۸)  
 بہر حال محمد بن اسحاق فرجروح ہے اس کے جھوٹا  
 ہونے کی امام مالک سلیمان تیمی، وہیب  
 ہشام بن عروہ اور یحییٰ بن سعید القطان نے گواہی  
 دی ہے، اور امام ابن المديني فرماتے ہیں کہ وہ مجہول  
 روایوں سے باطل حدیثیں بیان کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اس شدید قسم کی مفسر جرح سے رجوع کا ثبوت امام ابن جوزی کے علم  
 میں نہیں ہے اور امام بہیقی لکھتے ہیں کہ۔

وكان مالك بن انس لا يروى عنه ويحيى بن  
 سعيد بن القطان لا يروى عنه ويحيى بن  
 معين يقول ليس هو بحدیة و محمد بن حنبل  
 يقول يكتب عنه هذا الاحاديث اعني  
 المغاذي فاذا جاء الحلال والحرام اوردنا  
 قوما هكذا يريد اقواى منه فاذا  
 كان لا يحتج به في الحلال والحرام فاولى  
 ان لا يحتج به في صفات الله سبحانه وتعالى  
 وانما نقموا عليه في روايته عن اهل  
 الكتاب ثم عن متفق الناس وقد ليس  
 امامهم فاذا روى عن ثقة و بين  
 امام مالک اس کو درجائے روایت (پند نہیں کرتے  
 تھے اور یحییٰ بن سعید بن القطان اس سے روایت  
 نہیں لیتے تھے اور ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ حجت  
 نہیں اور امام احمد فرماتے ہیں کہ جس سے مغازی  
 کی حدیثیں تو لکھی جاسکتی ہیں لیکن حلال و حرام کی  
 روایتوں میں ہم قوی روایوں کو تلاش کریں گے پس  
 جب حلال و حرام میں ابن اسحاق کی روایت حجت  
 نہیں تو صفات اللہ تعالیٰ میں بطریق اولیٰ اس کی  
 روایت حجت نہیں ہو سکتی اور محدثین نے اس پر جو  
 عیب لگایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اہل کتاب کے روایت  
 کرتا ہے اور ضعیف قسم کے لوگوں سے بھی روایت



سماعہ، منہ فی جماعۃ من الۃ ممتۃ لہ  
یرواہ یاسا ۱۵

(کتاب الاسماء والصفات ص ۲۹)

کر آہے اور ان کے ناموں میں تذلیس سے کام لیتے ہیں  
پس جب وہ ثقہ سے روایت کرے اور سماع کی تصریح  
بھی کرے توائمہ کی ایک جماعت اس میں مضائقہ  
نہیں سمجھتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد نے ابن اسحاقؒ کو جو حسن الحدیث کہاہے تو مغازی وغیرہ کی حدیثوں  
سے متعلق کہاہے نہ کہ احکام اور حلال و حرام کی حدیثوں کے بارے میں اور علامہ ذہبیؒ نے سفیان بن  
حسینؒ کے ترجمہ میں نقل کیا ہے کہ لایحتاج بہ کتھو محمد بن اسحاقؒ یعنی محمد بن اسحاق کی طرح  
اس سے بھی احتیاج درست نہیں ہے اور کتاب العلویں اس کو صاحب منا کیر و غرائب بتایا ہے  
ائمہ جرح و تعدیل نے ان میں جو کلام کیا ہے وہ فن روایت کے رُوسے ہے اور محض دیباچہ ہے اس  
کو حالت غصہ پر حمل کرنا جیسا کہ مولف خیر الکلام نے ص ۱۹۵ میں کیا ہے صرف رام کہانی ہے اور ص ۱۹۹ و  
ص ۲۰۱ میں بحوالہ تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۲ وغیرہ رجوع کے لیے جو قصہ نقل کیا ہے اس سے ان کا صرحہ  
رجوع ہرگز ثابت نہیں ہوتا محض کشید ہے ہاں بعد کے محدثین نے اپنے ظن اور تخیل سے رجوع پر  
حمل کیا ہے۔ مگر یہ ان کی اپنی صوابدید ہے مولف خیر الکلام کا ص ۲۱۱ میں امام مالکؒ اور یحییٰ بن سعیدؒ  
کی جرح کو مفسر قرار دینا اور باقی حضرات کی جرح کو مبہم کہہ کر گلو خلاصی کرنا محض تکلیف قلب کا سامان ہے  
غرضیکہ ان تمام حضرات کی جرح مفسر کڑی اور شدید ہے اور کسی کا تاریخی طور پر صراحت کے ساتھ رجوع  
ثابت نہیں ہے مولف خیر الکلام کا ص ۲۱۱ میں یہ لکھنا کہ محمد بن اسحاقؒ پر ایک الزام اہل کتاب کے روایت  
لینا بھی ہے حالانکہ اہل کتاب سے روایات لینا کوئی جرم نہیں تو ان کی بے خبری اور غفلت کی  
واضح دلیل ہے کہ وہ مطلقاً اہل کتاب کی روایت کو جائز سمجھتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ  
تو یہ لکھتے ہیں کہ :-

اقوال الروایۃ عن اہل الکتاب تجوز فیما سبیلہ  
سبیل الاعتبار و حیث یکون الامن عن الاختلاط  
فی شرائع الدین ولا تجوز فیما سوی ذلک۔  
(حجۃ اللہ البالغۃ جلد ۱ ص ۱۸)

میں کہتا ہوں کہ اہل کتاب کے روایت ایسے معاملات میں  
جہاں غیرت مٹو ہو اور جہاں دین کے احکام میں اختلاط  
واقع نہ ہوتا ہو درست ہے، اور اس کے علاوہ ان سے  
روایت جائز نہیں ہے۔



اور اسی لیے امام المدینیؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے کہ وہ اہل کتاب کے روایت کرتا ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب کے حوالہ سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے، مؤلف خیر الکلام نے جن بعض ائمہ کی بسندہ ابن اسحاقؒ توثیق نقل کی ہے تو وہ مسلم ہے مگر وہ صرف تاریخ اور مخازی وغیرہ کے بارے میں نہ کہ صفات اللہ، حلال و حرام، احکام اور سنن کے بارے میں اور مخازی میں وہ ثقہ بھی ہیں اور امام بھی اس میں نزاع نہیں ہے اور بلا شک حافظ ابن ہمامؒ اور علامہ عینیؒ وغیرہ نے محمد بن اسحاقؒ کی توثیق کی ہے مگر ائمہ جرح و تعدیل کی کڑی اور سنگین جرح کے مقابلہ میں ان کی توثیق مسلم نہیں ہے۔ فریق ثانی کے شیخ الکمل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ۔ اور ضعیف کہنا عزالیؒ کا اور ربیانیؒ کا اور دہلویؒ کا اور صاحب ہدایہؒ کا اور شیخ ابن الہمامؒ کا اور بعضے، لیکوں کا حدیث کو ضعیف نہیں کر دیتا کیونکہ یہ لوگ مقلدین ہیں ائمہ جرح و تعدیل میں سے نہیں ہیں الی ان قال ابی ہریرہ ضعیف کہنا ابن عبد البرؒ کا اور البزازیؒ کا اور علی بن المدینیؒ کا، سوالبتہ جرح ان کا پایہ اعتبار میں ہے لیکن اگر یہ بیان سبب اور باریل ہو تو معتبر ہے در نہ بے بیان سبب ان کا جرح بھی مقبول نہیں ہونے کا الخ (معیار الحق ص ۲۴۲) اور مولانا محمد عبد اللہ صاحب روپڑیؒ (المتوفی ۱۳۵۰ھ) لکھتے ہیں کہ جرح تعدیل تاریخ کی قسم سے ہے اور تاریخ اس وقت کے لوگوں کی معتبر ہوتی ہے پچھلے لوگ قتال ہوتے ہیں اس لیے پہلے لوگوں کے خلاف کسی کی جرح تعدیل کا اعتبار نہیں اس کے لیے مقدمہ ابن الصلاحؒ کا مطالعہ مفید رہے گا۔ انشاء اللہ اللہ (مودودیت اور احادیث نبویہ ص ۹) رہا محمد بن اسحاقؒ کا مدلس ہونا تو یہ سب کے نزدیک مسلم ہے چنانچہ علامہ بیہقیؒ، حافظ ابن حجرؒ، قاضی شوکانیؒ، نواب صدیق حسن خاںؒ، مولانا شمس الحقؒ، عظیم آبادیؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ کو اس کا صاف اقرار ہے۔ دیکھئے مجمع الزوائد جلد ۱۵ و تقدیم ص ۳۱۳، نیل الاوطار جلد ۴ ص ۴۷، دلیل الطالب ص ۲۳۹، تعلیق المعنی جلد ۱ ص ۱۲، البکار المنقح ص ۲۵ و تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۹)

اعتراض :- مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاقؒ ثقہ ہے اور دلائل یہ ہیں (۱) امام بخاریؒ اس کو ثقہ کہتے ہیں (۲) امام شعبہؒ اس کو امیر المحدثین کہتے ہیں (۳) ابن مدینیؒ اور احمد بن حنبلؒ وغیرہ اس کو ثقہ کہتے ہیں (۴) اگر یہ ثقہ نہیں تو احناف اوائل، قطع سرقہ اور تعجیل اوطار میں ابن اسحاقؒ کی روایتوں سے احتجاج کیوں کرتے ہیں (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۰۷)



جواب :- مبارکپوری صاحب کے یہ جملہ اعذار بار بار دہونے کے سبب مطلقاً قابل التفات نہیں ہیں ہر شق کا جواب سنئے (۱) ایسے کذاب اور دجال راوی کے بارے میں امام بخاری وغیرہ کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے؟ خصوصاً جب کہ امام بخاری نے ابن اسحاق کا زمانہ نہیں پایا اور ہشام بن عروہ امام مالک اور یحییٰ القطان وغیرہ اس کا زمانہ پانے والے انتہائی سنگین الزام اس پر عائد کرتے ہیں اور یہ بڑے محتاط اور عارف باسباب المخرج بھی ہیں۔ علاوہ بریں اگر واقعی محمد بن اسحاق ثقہ ہے تو حضرت امام بخاری نے باوجود اشد ضرورت کے صحیح بخاری میں اس سے احتجاج کیوں نہیں کیا؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

یہ حضرت امام بخاری وغیرہ کی ذاتی رائے ہے حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے چنانچہ نواب صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں جمہور اہل اسلام کے نزدیک ایسی حدیث سے جو حسن ہوا احتجاج صحیح ہے لیکن امام بخاری حدیث حسن سے احتجاج کے قائل نہیں ہیں آگے نواب صاحب لکھتے ہیں والحق ما قالہ الجہود رد لیل الطالب ص ۸۲) حق بات صرف وہی ہے جو جمہور نے کہی ہے قاضی شوکانی نے بھی امام بخاری اور ابن العربی کا یہ مسلک نقل کر کے آگے لکھا ہے والحق ما قالہ الجہود رد لیل الاوطار جلد ۱ ص ۲۲) کہ حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے (۲) امام شعبہ کی بات اگر محمد بن اسحاق کے بارے میں محبت ہے تو جابر جعفی و حوثرۃ خلف الامام ہی کی ایک روایت کا راوی ہے مگر ہم نے اس سے احتجاج نہیں کیا، کے بارے میں کیوں محبت نہیں ہے؟ امام شعبہ ان کو بھی ثقہ کہتے ہیں و کتاب التقرۃ ص ۱۷۶ میزان جلد ۱ ص ۱۷۶، تہذیب جلد ۲ ص ۲۷۶ و توجیہ النظر ص ۲۹۱ وغیرہ) علاوہ بریں مبارکپوری صاحب کے نزدیک امیر المحدثین ہونے سے تشریح کیسے لازم آتی ہے؟ مبارکپوری صاحب تو لکھتے ہیں کہ علامہ تاج الدین سبکی نے ابوطاہر فقہیہ کو گوشخ، ادیب، عارف اور امام المحدثین والفقہاء لکھا ہے۔ قلت لا دلالۃ فی ہذا علی کونہ ثقہ قابلاً للاحتجاج (تحفۃ الاحوزی جلد ۲ ص ۵۷) لیکن میں کہتا ہوں کہ امام المحدثین والفقہاء ہونے سے یہ کیسے لازم آیا کہ وہ ثقہ اور قابل احتجاج بھی تھے، محقق نیموی نے ابوعبداللہ شرفیہ دیلمی کو کبار محدثین میں لکھا ہے مبارکپوری صاحب ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فان مجرد کونہ من کبار المحدثین لا یتلزم ان کے صرف کبار محدثین میں ہونے سے یہ کیسے لازم



کو نہ ثقہ (انتہی بلفظ تحفۃ الاحوذی جلد ۲) آیا کہ وہ ثقہ بھی تھے؟

مبارک پوری صاحب ہی ازراہ بزرگی و انصاف فرمائیں کہ جن کے بارے میں جرح کا ایک لفظ بھی موجود نہ ہو اور علامہ تاج الدین سیکی وغیرہ جیسے اہم اور ثقہ علم ان کو اہم المحدثین اور کبار المحدثین لکھیں مگر محض ان کی ثقاہت ثابت نہ ہو سکے اور محمد بن اسحاق کو ائمہ جرح و تعدیل کذاب اور رجال تک کہتے ہوں تو اس کے بقول اہم شعبہ امیر المحدثین ہونے سے اس کی ثقاہت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

ٹھوکر میں مت کھائیے چلے سنبھل کر دیکھ کر چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

(۳) امام ابن ہدیسیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کو مطلقاً ابن اسحاقؒ کے موثقین میں شامل کرنا انتہائی غفلت اور طبقات روایت سے بے خبری پر مبنی ہے بحوالہ ان کے اقوال نقل کے جلد چکے ہیں کہ یہ بھی ابن اسحاقؒ کو مجروح اور ضعیف قرار دیتے ہیں لہذا ان کا ذکر مطلقاً معدلین میں جہالت پر مبنی ہے اہم نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر جرح و تعدیل کا تعارض ہو اور جرح امر خفی پر مطلع ہو چکا ہو جس کی اطلاع معدل کو نہیں تو جرح تعدیل پر مقدم ہے اور یہی محققین اور جمہور کا مختار ہے (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۱) اور نیز وہ لکھتے ہیں کہ فانہم متفقون علی انہ لا یحتاج بانضعیف فی الاحکام (ایضاً) یعنی محدثین کرامؒ اس بات پر متفق ہیں کہ ضعیف راوی سے احکام میں احتجاج و استدلال کرنا درست نہیں ہے اور ابن اسحاقؒ پر جرح مفسر اور بابیان سبب اور یہ روایت احکام شرعیہ میں سے ایک حکم سے متعلق ہے اور بھی تو فریق ثانی احناف کی نماز کو بیکار باطل اور کالعدم قرار دے کر اہل اللہ تعالیٰ ان کو فی السقر پہنچانے کا اوصار کھائے بیٹھا ہے اور جیلنج دیتا ہے اندر میں حالات ابن اسحاقؒ کی روایت کی کیا وقعت ہے؟

(۴) علماء احناف نے اذان، قطع سرقہ اور تعجیل افطار وغیرہ کے بارے میں اگر محمد بن اسحاقؒ سے استدلال کیا ہے تو کیا صرف استدلال ہی کیا ہے یا فریق ثانی کو مباہلہ اور مفیدین عمل ہونے کا جیلنج بھی کیا ہے؟ اور کیا محمد بن اسحاقؒ کی روایات کو لے کر تمام ردائے زمین کے غیر مقلدوں پر اشتہاری رعب بھی قائم کرنے کی کوشش کی ہے؟ اور کیا یہ کہا ہے کہ فریق ثانی کا فلاں فلاں عمل ناقص اور بیکار باطل اور کالعدم ہے؟ اگر محمد بن اسحاقؒ جیسے ضعیف اور کمزور راوی کی روایت کو احناف نے دلیل بنا کر ایسا کیا ہے تو خطا کی ہے اور کیا احناف نے محمد بن اسحاقؒ کی روایت کو نص قرآنی اور



صحیح احادیث کے خلاف حجت سمجھا ہے اگر احناف نے اس کی روایت کو کسی موقع پر بطور حجت بھی پیش کیا ہو تو یقین جاتے کہ تمام روئے زمین کے غیر مقلدین کو لٹکارا اور کھلا چیلنج بھی ہو گزرنے کیا ہوگا اور نہ حلفیہ طور پر ان کو بے عمل کہا ہوگا؟ انصاف شرط ہے باقی جو حدیثیں مبارک پوری حساب نے ہماری دلیلیں تصور کر لی ہیں ان کی کوتاہ فہمی ہے ہم سے پوچھئے کہ ان مسائل میں ہمارے پاس کون سی حدیثیں موجود ہیں پھر آپ کو کچھ کہنے کا حق ہے۔

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کدورتوں کی کچھ انتہا بھی زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے مسئلہ اذان :- علماء احناف کی یہ تحقیق ہے کہ اذان بھی دوہرے کلمات پر مشتمل ہے اور اقامت بھی بالفاظ دیگر اذان میں ترجیح نہیں اور اقامت و تکبیر میں ایسا نہیں ہے بطور نمونہ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

پہلی حدیث :- امام ابو عوانہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عمر بن شبر نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبد الصمد بن عبد الوارث نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے شبر نے بیان کیا وہ معیرہ سے اور وہ شعبی سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن زید انصاری سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

سمعت اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان اذانه واقامته مثنیٰ مثنیٰ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اذان سنی آپ کی اذان اور آپ کی اقامت دوہرے دوہرے کلمات پر مشتمل تھی۔ (ابو عوانہ جلد ۱ ص ۳۳)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اذان اور تکبیر سے آپ کے مؤذن اور مکیب کی اذان و اقامت مراد ہے کیونکہ آپ نے خود کبھی اذان نہیں کہی حضرت عبد اللہ بن زید انصاری جلیل القدر صحابی ہیں امام شعبہ، معیرہ بن مقسم اور شعبی کا ذکر حلیہ اول میں ہو چکا ہے کہ وہ سب ثقہ ثبت اور حجت تھے، عمر بن شبر کو امام دارقطنی، خطیب، مازنی، اور مسند ثقہ کہتے ہیں محمد بن سہل اور ابو حاتم ان کو صدوق کہتے ہیں ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں و تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۶۱ عبد الصمد بن عبد الوارث کو ابن نمیر اور ابن قانع ثقہ کہتے ہیں، ابن سعد ان کو ثقہ اور حاکم ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں، ابن مدینی کہتے ہیں کہ شعبہ کی روایت میں وہ ثبت تھے ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً جلد ۲ ص ۲۲) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ثبت فی شعبہ۔



(تقریب ص ۲۲) یہ روایت بھی امام شعبہ ہی سے ہے۔

دوسری حدیث بزید بن عبد الرزاق فرماتے ہیں کہ ہم سے معمر نے بیان کیا وہ حماد سے اور وہ ابراہیم سے اور وہ اسود بن زید سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن تھے، کان یثنی الاذان ویثنی الیقامة (طحاوی ص ۸) وذللی جلد ۱ ص ۲۶۹) وہ اذان اور اقامت دوسری دوسری کہا کرتے تھے اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور پہلے مختلف مقامات میں ان کے تراجم نقل کئے جا چکے ہیں البتہ امام ابن جوزی وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اسود بن زید کی حدیث بلال سے سماعت ثابت نہیں ہے لیکن ان کا یہ اعتراض غلط ہے علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ اسود بن زید کی حدیث معاذ، حضرت ابن مسعود، حضرت خدیجہ اور حضرت بلال سے سماعت ثابت ہے (تذکرہ جلد ۱ ص ۴۸)۔

تیسری حدیث بزید بن عبد اللہ بن زید کی روایت میں یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے مؤذن نے فاذن مثنی و اقام مثنی (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۱۳۶ طحاوی جلد ۱ ص ۸ سنن الکبیری جلد ۱ ص ۴۲ محلی جلد ۲ ص ۱۵۸) اذان بھی دوسری دوسری کہی اور اقامت بھی دوسری دوسری کہی علامہ ابن حزم لکھتے ہیں هذا اسناد فی غایۃ الصحۃ (جلد ۱ ص ۱۵۸) کی یہ سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

چوتھی حدیث بزید بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عبد اللہ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے فاذن مثنی مثنی ثم قعد ثم اقام مثنی مثنی (سنن ابی یوسف جلد ۱ ص ۲۲) مؤذن نے دوسری دوسری اذان کہی پھر بیٹھ گیا پھر اٹھ کر دوسری دوسری کلمات سے اقامت اور تکبیر کہی اس کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں، امام بیہقی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کی ملاقات عبد اللہ بن زید سے نہیں ہوئی مگر یہ اعتراض باطل ہے کیونکہ خطیب بغدادی وغیرہ لکھتے ہیں کہ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ثقہ تابعی تھے اور شاہد میں ان کی ولادت ہوئی ہے۔

(بغدادی جلد ۱ ص ۲) اور عبد اللہ بن زید کی وفات جمہور کے نزدیک مسلمہ میں ہوئی ہے۔ (تہذیب جلد ۵ ص ۲۲۴) پندرہ سال کے اس عرصہ میں امکان تقاریر یقینی ہے (الجمہور النقی فی الرد علی البیہقی جلد ۱ ص ۲۲) اور جمہور کے نزدیک اتصال سند کے لیے امکان تقاریر ہی شرط ہے، دیکھئے صحیح مسلم شریف



کا مقدمہ۔ مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ کیونکہ صحت حدیث کے لیے صرف استاد اور شاگرد کی ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہے عدم ثبوت سے نفی لازم نہیں آتی بل فقط ص ۲۲۲

پانچویں حدیث :- ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جس اذان (اور اقامت) کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجرا فرمایا الاذان مثنیٰ مثنیٰ والاقامۃ مثنیٰ مثنیٰ۔ اس اذان اور اقامت کے الفاظ دوہرے دوہرے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں اسنادہ صحیح (ردایہ ص ۱) کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

چھٹی حدیث :- حضرت ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اذن بلالؓ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مثنیٰ مثنیٰ واقام مثنیٰ مثنیٰ ذلك رجع الزناد جلد ۲۳ ورواۃ ثقات حضرت بلالؓ نے جو اذان کہی اس کے کلمات دوہرے دوہرے تھے اور اقامت بھی اسی طرح تھی۔

ساتویں حدیث :- حضرت بلالؓ مؤذن جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذان اور اقامت کے الفاظ مرتین مرتین دوہرے دوہرے ہوتے تھے (الجوہر النقی جلد ۱ ص ۴۲۵) اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جلد اول میں ان کے تراجم نقل ہو چکے ہیں، یہ تمام روایات صحیح ہیں اور ان میں کسی کی سند میں محمد بن اسحاقؒ موجود نہیں ہے مگر مبارکپوری صاحب سود فہم کی وجہ سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ احناف کا استدلال ابو داؤد وغیرہ کی اس روایت سے ہے جس کی سند میں محمد بن اسحاقؒ ہے، باقی اس باب کی مختلف روایات کی تطبیق اور تہذیب کا یہ مقام نہیں ہے۔

نصاب سمرقہ کا مسئلہ :- تمام اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ چور کا ہاتھ نص قرآنی کے تحت قطع کیا جائے گا لیکن کتنی مالیت کی چوری ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا؟ اس میں حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بیس مذاہب نقل کئے ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق یہ ہے کہ قطع یہ کا ادنیٰ نصف دس درہم ہے (ہاتھ کی قیمت جب کہ وہ ایمن تھا بہت کافی تھی مگر جب اس نے حیانت کا ارتکاب کیا تو کوڑی کے مول نہ رہا کانت امینۃ کانت ثمینۃ فلما خانت هانت) آج اس دور تہذیب و تمدن میں جب کسی اعلیٰ حاکم کے خلاف ناکام راوۃ قتل کی سزا سنائے موت ہو سکتی ہے تو بالفعل خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے اور قانون شکن کا ہاتھ کیوں نہیں کاٹا جاسکتا اگر



علماء احناف نے محمد بن اسحاقؒ کی روایت سے اس باب میں استدلال کیا ہے تو فریق ثانی کو کب مباہلہ کا چیلنج کیا ہے؟ یا کب ان کے عمل کو باطل اور کالعدم قرار دیا ہے؟ یا کب تمام دنیا کے باشندوں کو لٹکار کر ان پر اشتہارِ رعب قائم کیا ہے؟ باوجود اس کے کہ بالاتفاق میدانِ جہاد اور قحطِ سالی وغیرہ کے موقع پر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ ہم پھر بھی یہ پیش کش کرتے ہیں کہ فریق ثانی ربیع دینار کے نصاب کو ہی حکومتِ وقت سے اجرا کرتے ہیں ان کے ساتھ ہیں آخر باطل اور غیر معصوم قانون کے بجائے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہی پر تو عمل ہوگا۔ لیکن مبارکپوری صاحب نے اس مقام پر بھی ٹھوکر کھائی ہے۔ احناف کا استدلال اس روایت سے ہے ملاحظہ کیجئے۔

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن بشارؒ نے بیان کیا وہ عبد الرحمنؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیانؒ نے بیان کیا وہ منصورؒ سے وہ مجاہدؒ سے اور وہ حضرت امینؒ سے روایت کرتے ہیں قال لم تکن تقطع الید علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا فی ثمن المجن و قیمتہ دینار (نسائی جلد ۲ ص ۲۲۵) وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا اور ڈھال کی قیمت ایک دینار ہوتی تھی، حضرت امینؒ صحابی ہیں اور بقیہ جملہ روایت محمد بن بشارؒ عبد الرحمنؒ بن ہمدانیؒ امام سفیانؒ منصورؒ اور مجاہدؒ کے تراجم جلد اول میں اپنے اپنے موقع پر عرض کئے گئے ہیں کہ تمام ثقہ ثبت اور محبت تھے، امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہارون بن عبد اللہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسود بن عامرؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسن بن حیؒ نے بیان کیا وہ منصورؒ سے اور وہ حکمؒ سے اور وہ عطاءؒ اور مجاہدؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت امینؒ سے وہ فرماتے ہیں۔

یقطع السارق فی ثمن المجن وکان ثمن المجن	کہ چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت اور مالیت کے مقررہ مال
علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	میں کاٹا جاتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
دینار او عشرة دراهم (نسائی جلد ۲ ص ۲۲۵)	کے زمانہ مبارک میں ڈھال کی قیمت ایک دینار یا دس درہم ہوتی تھی



ہارون بن عبد اللہ (ثقة تھے ص ۲۷۸) امام نسائی فرماتے ہیں وہ ثقة تھے ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۱۱۱) اور حکم بن عتبہ بھی ثقة اور ثبت تھے (تذکرہ ص ۱۱۱) اور باقی سب روایت ثقة اور ثبت ہیں اور حلیہ اول میں حسن بن صالح بن حمی وغیرہ کے تراجم نقل کئے جا چکے ہیں امام نسائی فرماتے ہیں کہ ہم سے محمود بن غیلان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے معاویہ بن ہشام نے بیان کیا وہ سفیان (کوری) سے اور وہ منصور (بن معمر) سے اور وہ مجاہد سے اور وہ عطاء سے اور وہ حضرت ایمن سے روایت کرتے ہیں۔ قال لا یقطع النسبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم السارق الا فی ثمن المہجن وثمن المہجن یومئذ دینار (نسائی ص ۲۲۵) وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ڈھال کی قیمت سے کم چوری کے مال میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا اور ڈھال کی قیمت اس زمانہ میں ایک دینار تھی محمود بن غیلان کو امام نسائی اور مسلمہ ثقة کہتے ہیں ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۶۵) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ ثقة تھے (تقریب ص ۲۳۸) معاویہ بن ہشام کو ابو حاتم اور ساجی صدوق کہتے ہیں ابو داؤد ان کو ثقة کہتے ہیں ابن حبان اور ابن شاہین ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابن سعد ان کو صدوق اور کثیر الحدیث کہتے ہیں (تہذیب ص ۲۱۸) کسی نے ان کے متعلق یہ کہا تھا کہ وہ مترک ہیں علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ قلت هذا خطأ منك ما تركه احد (میزان جلد ۳ ص ۱۸۱) میں کہتا ہوں اے قائل تیرا یہ قول سراسر خطا ہے ان کو کسی نے ترک نہیں کیا عطاء بن ابی رباح ثقة فقیہ اور فاضل تھے (تقریب ص ۲۶۲) بقیہ روایت کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے یہ ہیں وہ صحیح احادیث جن سے علماء احناف نے ادنیٰ نصاب سرفہ کے بلے میں (جس میں چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے) استدلال کیا ہے اور ان میں سے کوئی سند ایسی نہیں جس میں محمد بن اسحاق ہو۔ اور یہ روایت دارقطنی جلد ۲ ص ۳۶۹ سنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۲۵۸ مستدرک جلد ۴ ص ۲۷۹ اور طحاوی جلد ۲ ص ۲۷ وغیرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ امام نسائی اور امام بیہقی وغیرہ نے یہ کہہ دیا کہ ایمن صحابی نہیں ہیں لہذا ان کی روایت مرسل ہوگی لیکن یہ اعتراض بے کار ہے اولاً اگر مرسل بھی ہو تب بھی جمہور محدثین کے نزدیک حجت ہے اس پر حلیہ اول میں سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے وثانیاً محمد بن اسحاق (فریق ثانی کے امیر المحدثین) اور علامہ ابن سعد، حافظ ابوالقاسم بغوی، محدث ابوالغیم



حافظ ابن مندہ حافظ ابن قانع اور امام ابن عبد البر وغیرہ سب ان کو صحابی کہتے ہیں (زیلعی جلد ۲ ص ۱۵۱) علامہ ذہبی بھی ان کا شمار صحابہ میں کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خاصہ (جس نے آپ کی بچپن میں پرورش کی تھی) حضرت امّ یمن کے صاحبزادے تھے (تجربہ اسماء الصحابة جلد ۱ ص ۱۳۳) ابن اسحاق کا یہ بیان ہے کہ غزوہ حنین میں ان کی شہادت ہو چکی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد عرصہ تک زندہ رہے ہیں (المجموع النفعی جلد ۸ ص ۲۵۸ علی السنن) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عطاء کی امین سے روایت اگر مدلس نہ ہو تو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد عرصہ تک زندہ رہے ہیں (البدایہ جلد ۵ ص ۲۱۳) الحاصل حضرات محدثین کرام کے قواعد کے لحاظ سے اس روایت کے صحیح اور حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے ہاں البتہ زمانے والے کے منوانے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے امام طبرانی (اپنے معجم وسط میں) محمد بن لوح بن حرب سے اور وہ خالد بن مہران سے اور وہ ابو مطیع سے اور وہ قاسم بن عبد الرحمن سے اور وہ اپنے والد عبد الرحمن سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں :-

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا قطع الا فی عشرة دراهم (نصب الأیہ ص ۲۵۹) کم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دس درہم سے

امام طبرانی وغیرہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس روایت کو بیان کرنے میں ابو مطیع متفرق ہے اور وہ کمزور تھا لیکن مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ امام محمد بن الحسن (جو بقول امام دارقطنی ثقافت اور حفاظ میں تھے) اس روایت کے بیان کرنے میں ابو مطیع کے متابع ہیں (تحلیق المغنی ص ۲۶۹) یہ روایت امام دارقطنی (ص ۲۶۹) وغیرہ نے بھی بیان کی ہے، بہر حال احناف کا مسلک اس میں بھی قوی ہے۔

تعجیل افطار کا مسئلہ: تعجیل افطار جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے احناف کا اس مسئلہ میں کسی سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور جمہور حضرت سہل بن سعد کی مرفوع اور صحیح روایت پیش کرتے ہیں۔

قال لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر (بخاری جلد ۱ ص ۲۶۳ و مسلم جلد ۱ ص ۲۵) کہ امت اس وقت تک بھلائی سے موصوف ہے گی جب تک روزہ افطار کر لے میں جلدی کرے گی، نہ اس روایت میں ابن اسحاق ہے اور نہ اس کی صحت میں کلام ہو سکتا ہے کیونکہ یہ متفق علیہ



حدیث ہے مبارکپوری صاحب نے بلا وجہ ابن اسحاق کی روایت کی آڑ لی ہے۔

### محمد بن اسحاق کی تحدیث اور متابعت

حضرات محدثین کرام کا یہ قاعدہ اور اصول ہے اگر ثقہ راوی ہو اور اس پر صرف تدلیس کا الزام عائد کیا گیا ہو تو اس کی تحدیث سے یا کسی اور ثقہ راوی کی متابعت سے یہ الزام رفع ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی راوی میں معمولی ضعف اور کمزوری ہو اور کوئی ثقہ یا قریب بہ ثقہ راوی اس کی متابعت کرے تو اس کی روایت تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ سکتی ہے۔ فریق ثانی نے محمد بن اسحاق سے متعلق اس قاعدہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے مگر بالکل بے سود ہے چنانچہ مولانا شمس الحق صاحب اور مبارکپوری صاحب وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ محمد بن اسحاق نے تحدیث کی ہے۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۱ و سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۳ و مسند احمد جلد ۳ ص ۳۲۲) لہذا اس کی روایت قابل قبول ہو سکتی ہے (تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲ و تحقیق الکلام ج ۱ ص ۵۸) اگر محمد بن اسحاق ثقہ ہوتا اور اس پر صرف تدلیس کا الزام ہوتا تو پھر یہ بات صحیح تھی کہ اس کی تحدیث سے تدلیس کا شبہ جاتا رہتا مگر وہ تو پرے درجہ کا ضعیف کمزور اور متروک ہے لہذا وہ تحدیث بھی کرتا ہے اس کی روایت کو کون سنتا ہے؟ وعلیٰ هذا القیاس اگر اس میں معمولی کمزوری اور ضعف ہوتا اور اس کا کوئی ثقہ متابع موجود ہوتا اور اس کی سند بھی صحیح ہوتی تو الگ بات تھی مگر آپ سُن چکے ہیں کہ ائمہ جرح و تعدیل نے جرح کے انتہائی اور سنگین الفاظ (کذاب و دجال وغیرہ) اس کے حق میں استعمال کئے ہیں اور ان ائمہ کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ ابن اسحاق کی روایات حلال و حرام احکام و سنن میں تو مطلقاً قابل قبول ہی نہیں ہیں اس لیے اس کی متابعت کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا معذرتاً آپ ان روایات پر اور ان کے سند کے روات پر سرسری نگاہ ڈال لیجئے تاکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ محمد بن اسحاق کے متابع اور جن سند سے متابعت ثابت کی جاتی ہے ان میں کیسے کیسے شیر خفتہ ہیں؟

ہر بیشہ گھاں مبر کہ خالی است شاید کہ پٹنگ خفتہ باشد

متابعت کی پہلی روایت

اہم بیہقی اپنی سند سے بطریق عبید اللہ بن سعید بن کثیر بن عقیل روایت کرتے ہیں اور وہ ابراہیم



بن ابی یحییٰ سے اور وہ یزید بن یزید بن جابر سے اور وہ محمول سے الخ روایت کرتے ہیں (کتاب القراءۃ ص ۳۳)  
 حدیث کا مضمون وہی ہے جو پہلے گذر چکا ہے اس سند میں یزید بن یزید محمد بن اسحاق کا متابع ہے اگرچہ  
 بعض محدثین اس میں کلام کرتے ہیں لیکن زیادہ تر اس کی توثیق کے قائل ہیں۔ اس میں عبید اللہ  
 بن سعید بن کثیر بھی ہیں جن میں امام ابن حبان اور محدث ابن عدی کلام کرتے ہیں۔ (لسان  
 ج ۲ ص ۱۶۷ و ج ۳ ص ۱۶۸) اور دوسرا راوی اس میں ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے۔  
 علامہ ذہبی ان کو احد الضعفاء کہتے ہیں یحییٰ ابن سعید کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک سے سوال  
 کیا کیا وہ حدیث میں ثقہ ہے؟ امام مالک نے فرمایا کہ حدیث میں تو کیا ثقہ ہوتا دین میں بھی قابل اعتبار  
 نہ تھا، قطان کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا امام احمد فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس سے روایت ترک کر دی  
 ہے اور وہ ایسی بے بنیاد روایتیں کیا کرتا تھا جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام  
 ابن مبارک اور دیگر محدثین نے اس سے روایت ترک کر دی تھی۔ ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کذاب  
 اور رافضی تھا۔ علی بن مدینی کہتے ہیں وہ کذاب تھا۔ امام نسائی اور دارقطنی اس کو مترک کہتے ہیں  
 (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۸۱) اس سند سے فریق ثانی محمد بن اسحاق کی متابعت ثابت کرتا ہے افسوس  
 اور تعجب ہے۔

دوسری روایت وہ اسی مضمون کی ایک روایت امام دارقطنی اور امام بیہقی نے نقل کی ہے اور  
 اس میں زبیدی کو محمد بن اسحاق کا متابع بتلایا ہے (دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۱ و کتاب القراءۃ ص ۱۵۱) لیکن  
 سند کی مدار بقیہ پر ہے، امام عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ بقیہ بن ولید صدوق تو تھا مگر ہر کہ وہ  
 سے روایت کر لیا کرتا تھا، ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ احکام میں اس کی کوئی روایت نہیں قبول کی جا  
 سکتی ہاں فضائل کا باب الگ ہے ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے ابو  
 مسر غسانی کہتے ہیں کہ بقیہ کی حدیثیں صحیح نہیں ہوتیں ان سے بہر حال اجتناب کرنا چاہیے امام  
 بیہقی کہتے ہیں کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ بقیہ حجت نہیں ہے عبد الحق کہتے ہیں کہ اس سے  
 احتجاج صحیح نہیں ہے (میزان ج ۱ ص ۱۵۲ و تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۸۱) نواب صاحب  
 لکھتے ہیں کہ درود سے جماعتی سخن کردہ (بدور الاصلہ ص ۲۶۹) امام دارقطنی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ  
 متابعت کی اس روایت کی وارد مدار سالم بن نوح پر ہے جو کمزور ہے پھر اس کی متابعت کا کیا اعتبار



ہے؟ (جلد ۱ ص ۱۲۵) اور مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ بے شک حسن بن عمارہؒ نے ابو حنیفہؒ کی متابعت کی ہے لیکن اس کی متابعت کا عدم ہے کیونکہ یہ مترک ہیں (بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۳۷) فریق ثانی کے نزدیک حضرت امام ابو حنیفہؒ کی متابعت میں نوح بن عمارہ کی روایت کا عدم ہے مگر افسوس ہے کہ محمد بن اسحاقؒ ایسے کذاب و دجال کی متابعت ایسے راویوں کی سند سے جو محی ثین کے نزدیک قابل احتجاج ہی نہیں ہیں بالکل صحیح ہے فوا اسفا علاوہ ہمیں امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ اس کو مرسل کہتے ہیں اور ہم نے نزدیک بلکہ جمہور محدثین کے نزدیک مرسل حجت ہے جس کی بحث جلد اول میں گذر چکی ہے لیکن فریق ثانی کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہے امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ مرسل سے حجت درست نہیں ہے (جزأ القراءة ص ۱) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں وہ وضعیف من حیث انه مرسل (کتاب القراءة ص ۱۳) نواب صاحب لکھتے ہیں و مرسل از قسم ضعیف است (دلیل الطالب ص ۲۹۳) دوسری جگہ لکھتے ہیں و مرسل حجت نیست (بدور الازہ ص ۴۹) اور مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں۔ والمرسل وان كان حجة عند الحنفية لكن المحقق انه ليس بنجة (تحفة الاخوذی جلد ۱ ص ۳۶۵) احناف مرسل کو حجت کہتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ مرسل حجت نہیں ہے۔ پھر یہ روایت ان کے نزدیک کیسے صحیح اور قابل حجت ہو سکتی ہے؟ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ محقق مذہب محدثین کے ہاں یہی ہے کہ مرسل حجت نہیں ہوتی (ص ۲۷۸)

تیسری روایت۔ مبارکپوری صاحب کتاب القراءة ص ۱۱ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ملک شام کے ثقہ راوی محمد بن اسحاقؒ کے متابع ہیں (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۹۵ و ابکار المنن ص ۱۲۸) لیکن اس سند میں ایک راوی محمد بن ابی السریؒ ہے اعلاء السنن جلد ۱ ص ۹۷ میں اس کا نام محمد بن متوکلؒ نقل کیا گیا ہے اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی چند حدیثیں ہیں جو منکر خیال کی جاتی ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۱۲۸) ابو حاتمؒ انکو لین الحدیث کہتے ہیں ابن عدیؒ ان کو کثیر الغلط کہتے ہیں اور مسلمہ بن قاسمؒ ان کی توثیق کرتے ہوئے بھی ان کو کثیر الوہم کہتے ہیں ابن وضاحؒ ان کو کثیر الخفظ اور کثیر الغلط کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۲۵) دوسرا راوی اس سند کا علامہ بن الحارثؒ ہے امام ابو داؤدؒ کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ متغیر ہو چکا تھا امام بخاریؒ اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۱۲۸) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ جس راوی کو امام بخاریؒ منکر الحدیث کہتے ہوں



اس سے احتجاج جائز نہیں ہے حوالہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے تیسرا راوی اس سند کا احمد بن عمر بن حوَّصا ہے علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی چند حدیثیں غریب ہیں، دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں حمزہ کتانیؒ نے اس سے بالکل روایت ترک کر دی تھی (میزان جلد ۵۹ ص ۵۹) محدث زبیر بن عبد الواحدؒ اس کو ضعیف سمجھتے تھے (لسان جلد ۲۲ ص ۲۲) مولف خیر الکلام نے ص ۱۶۶ میں اس کا یہ ناکام جواب دیا ہے کہ یہ جرحیں مبہم ہیں پھر آگے ان روایت کے بارے بعض توصیفی کلمات نقل کئے ہیں الجواب اصول حدیث میں اس امر کی صراحت ہے کہ کثیر الغلط، کثیر الوهم ہونا جرح مفسر ہے۔ اور ایسے راوی کی حدیث مردود روایتوں میں شامل ہے اور امام بخاریؒ کا منکر الحدیث کہنا تو اپنی جگہ مستقل شدید جرح ہے۔

چوتھی روایت :- امام دارقطنیؒ، حاکمؒ اور ہیثمیؒ ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں سعید بن عبد العزیز تنوخیؒ کو محمد بن اسحاقؒ کا متابع کیا گیا ہے۔ (دارقطنیؒ جلد ۱۲ ص ۱۲، مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۸۔ سنن البکری ص ۱۶۵ جلد ۲) لیکن اس سند کی مدار ولید بن مسلمؒ پر ہے، امام احمدؒ اس کو کثیر الخطا کہتے ہیں امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ابو السفرؒ سے روایتیں لیا کرتا تھا اور ابو السفرؒ کذاب تھا ابوہریرہؒ کہتے ہیں کہ وہ امام اوزاعیؒ کی روایتیں کذابین سے لیا کرتا تھا۔ دارقطنیؒ کا بیان ہے کہ وہ ضعیف اور کمزور راویوں کے نام ساقط کر دیتا تھا اور اوزاعیؒ وغیرہ کے نام ساتھ جوڑ دیتا تھا ابو داؤدؒ کہتے ہیں کہ دس حدیثیں اس نے ایسی بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسکی مسموع وغیر مسموع تمام روایتیں غلط غلط ہو چکی تھیں اور بہت سی روایتیں اس کی منکر ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۵۴) مولف خیر الکلام نے یہ کہا کہ امام ذہبیؒ اور ابن جریرؒ کی روایت میں اس پر جرح ہے اور یہاں سعیدؒ سے روایت کر رہا ہے اور بعض ائمہؒ نے اس کی توثیق اور توصیف کی ہے (محصلہ ص ۲۱۵، ۲۱۹) الجواب :- امام احمدؒ وغیرہ نے تصریح فرمادی ہے کہ اسکی روایتیں غلط غلط ہو چکی تھیں مسموع وغیر مسموع میں کوئی تمیز نہیں تو پھر حدیثنا اور سعیدؒ وغیرہ کی آڑ لینا بالکل بے سود ہے۔

پانچویں روایت :- دارقطنی ص ۱۲۱، ہیثمی ص ۱۶۴ اور تلخیص الجرح۸ وغیرہ میں زید بن شاذانؒ کو محمد بن اسحقؒ کا متابع بتایا ہے لیکن اس کی ایک سند میں ایبہم بن حمیدؒ وغیرہ بعض محدثین کے نزدیک مشکلم فیہ راوی ہیں علاوہ بریں اس میں عن مکحول عن نافع الخ ہے اور ان دونوں پر



مغربی کلام آرہا ہے اور دوسری سند میں محمد بن مبارک ہے علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں احادیثہ تستکر  
(بحوالہ تہذیب جلد ۹ ص ۲۴۷) کہ اس سے منکر روایتیں بھی مروی ہیں اور ایک تیسری سند میں یحییٰ بن  
عبد اللہ بن الفضلؒ ہے (یہ دونوں سندیں دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۵ میں موجود ہیں) امام ابو حاتمؒ اس  
کو ساقط الاستیحاء کہتے ہیں، ابن عدنیؒ کہتے ہیں اشر الضعف علی حدیثہ بکین ضعف اور  
کمزوری کا نشان اس کی حدیث پر بالکل آشکارا ہے محدث خلیلؒ بھی ان پر محدثین کا طعن نقل کرتے  
ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۲۲۷) مولف خیر الکلام نے لکھا ہے کہ اس کی جرح مسلمؒ ہے مگر متابعت  
میں کوئی عرج نہیں (ص ۲۲۱) یہ ہے فریق ثانی کے وکیل اعظم اور محدث جلیل کا استدلال؛ سبحان اللہ  
تعالیٰ ثقہ راویوں کی حدیث تو ان کے نزدیک مسلمؒ نہیں جیسا کہ جلد اول میں مفصل عرض کیا گیا ہے اور  
ضعیف محبت ہیں، رہا امام دارقطنیؒ کا اس سند کو حسن کہنا اور روایت کی توثیق کرنا تو لاعمل ہے،  
امام دارقطنیؒ کا قاعدہ ہی جیسا ہے جو آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

قارئین کرام! آپ نے ائمہ جرح و تعدیل کی زبانی محمد بن اسحاقؒ کا رتبہ اور درجہ بھی ملاحظہ کر  
لیا کہ وہ اس کو کذاب اور دجال وغیرہ کہتے ہیں اور جو راوی اس کی متابعت میں پیش کئے گئے ہیں  
اور جو سندیں اس کی متابعات کی ہیں ان میں بھی کذاب، متروک، منکر الحدیث، لا یجوز بہ  
الاحتجاج۔ ساقط الاعتبار، ضعیف، کمزور اور غیر معتبر راوی ہیں جن کی کوئی روایت فی نفسه  
معتبر نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ نص قرآنی اور صحیح اور مرفوع احادیث کے مقابلہ میں مقبول کی جائے  
حاشا وکلا ثلثہ حاشا وکلا۔

دوسرا جواب :- اس روایت میں ایک راوی محمولؒ بھی ہیں یہ معیاری ثقہ بھی نہ تھے نیز  
مدلس بھی ہیں امام حاکمؒ لکھتے ہیں :- ان عامۃ حدیث مکحول عن الصحابة حوالہ  
(معرفت علوم الحدیث ص ۱۱) کہ محمولؒ کی حضرات صحابہ کرامؓ سے اکثر حدیثیں صرف تدلیس و  
ارسال کے حوالہ نظر ہیں، علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ محمولؒ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبادہؓ، بن  
الصامتؓ، حضرت عائشہؓ اور دیگر کبار سے بکثرت ارسال اور تدلیس کرتے تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۱)  
علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے محمولؒ کی تصنیف کی ہیں اور وہ صاحب  
تدلیس بھی تھے (میزان جلد ۲ ص ۱۹۸) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ محمولؒ نے دیگر حضرات صحابہ کرامؓ



سے عموماً اور حضرت عبادہؓ سے خصوصاً کوئی حدیث نہیں سنئی وہ محض تدلیس کے کام لیتے ہیں (تہذیب  
التہذیب جلد ۱ ص ۲۹۱) امام ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ دیس بالمتین چنداں قابل اعتبار نہ تھے اور  
باوجود اس کے دیس بھی تھے (قانون الموضوعات ص ۲۹۸) مبارکیوری صاحبؒ بھی ان کو دیس  
لکھتے ہیں (ایکار المنہ ص ۱۱۱) اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں ومن اقسام الضعیف المدلس  
(دلیل الطالب ص ۸۸۲) کہ دیس روایت ضعیف روایتوں میں شمار ہوتی ہے اور مبارکیوری صاحبؒ  
لکھتے ہیں وعنعنہ المدلس غیر مقبولة (ایکار المنہ ص ۲۲۵) اور دوسرے مقام پر لکھتے  
ہیں اور عنعنہ مدلس کا مقبول نہیں (بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۲۵) یہ بھی مت بھولیں  
کہ کسی قابل اعتبار سند سے محال کی محمود بن ربیع سے سماعت اور تحدیث ثابت نہیں ہے۔  
(بعیۃ الملحی جلد ۲ ص ۱۱۱)

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ محال کبار صحابہؓ سے ارسال کرتے تھے اور یہاں محمود بن ربیع  
صغار صحابہؓ میں ہیں اور تدلیس سے اصطلاحی مراد نہیں اور امکان لقار کے بعد معاملہ رفع ہو جاتا ہے  
(محصلاہ ص ۲۲۲) الجواب یہ بحال ان لا یعنی باتوں کو کون تسلیم کرتا ہے، امام حاتمؒ کہاں کی قید نہیں لگاتے  
مطلق حضرات صحابہؓ کا ذکر کرتے ہیں اور محال اصطلاحی دیس میں اسی کتاب المدلسین میں لکھا  
ذکر ہے جس میں قتادہؓ کا ذکر ہے اور تیسرے درجہ کا دیس لکھا ہے امکان لقار کافی ہوتا ہے مگر  
دیس کے لیے یہ قاعدہ ہرگز نہیں ہے اور مؤلف مذکور نے ان کی جو توشیح نقل کی ہے وہ بے سود  
ہم نے معیاری ثقہ کا لفظ بولایا ہے قرین ثانی کے لیے نہایت شرم کی بات ہے کہ وہ قتادہؓ وغیرہ  
ثقہ حافظ اور ثبوت راویوں کی تدلیس کو تو قبول نہیں کرتا مگر ضعیف کمزور اور دیس یا ملتین  
کی تدلیس سے قطع نظر کر جاتا ہے، فریق ثانی نے محال کی تدلیس کا جواب دیتے ہوئے جو کہ کتاب  
یا ان کی متابعت میں جو روایتیں اور راوی اور جو سندیں پیش کی ہیں اجمالاً ان کا ذکر بھی سن لیجئے۔ امام  
بیہقیؒ نے احمد بن عمیرؒ بن جو صائد کے طریق سے موسیٰ بن سہل رملیؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ محال کی  
محمود بن ربیع سے سماعت ثابت ہے۔ (کتاب القراءة ص ۱۱۱) اور ایک مقام پر لکھتے ہیں  
کہ اس روایت سے ثابت ہو سکتا ہے کہ محال کی محمود بن ربیع سے سماعت ہوئی تھی (ایضاً ص ۱۱۱)  
لیکن یہ تمام باتیں بے بنیاد ہیں کیونکہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ احمد بن عمیرؒ بن جو صائد کمزور اور



ضعیف ہے، اس کی سند کیونکر قابل حجت ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ محول،  
 عرام بن حکیمؒ اور جابر بن جویہؒ میں سے کسی نے محمود بن ریح نے سماع کا ذکر نہیں کیا (جزء القراءة ص ۲۲)  
 محول کی متابعت میں پہلی روایت۔

مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن الحارثؒ (رحمہ اللہ) کی روایت دارقطنی  
 جلد ۱ ص ۱۲۱، مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۹ اور کتاب القراءة ص ۱۱ وغیرہ میں موجود ہے (محول کے  
 متابع ہیں (ابکار المنہن ص ۱۲۲) لیکن یہ متابعت بھی کالعدم ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی  
 معاویہ بن یحییٰ ہے۔ امام بخاریؒ اس کی تضعیف کرتے ہیں (ضعفاء ص ۱۹) نسائیؒ فرماتے  
 ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث تھا (ضعفاء ص ۱۹) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف  
 ہے (تقریب ص ۲۵۸) دارقطنیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں (ص ۱۲۱) ابن معینؒ اس کو لیس لیس کہتے ہیں امام ابو نعیمؒ کہتے ہیں کہ اس کی  
 حدیثیں معطل ہیں (میزان الاعتدال ص ۱۸۱) جوزقانیؒ اس کو ذاہب الحدیث اور ابو حاتمؒ، ابو داؤدؒ اور ابو علی نیشاپوریؒ اس کو  
 ضعیف کہتے ہیں ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ اس کی حدیثوں میں کلام ہے، صاحبؒ اس کو ضعیف الحدیث  
 اور بنیاد اس کو لیس الحدیث کہتے ہیں امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو ترک کر دیا تھا (تہذیب  
 التہذیب جلد ۱ ص ۲۱۹) دوسرا راوی اس کا اسحاق بن ابی فرحہؒ ہے۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ  
 محدثین نے اس کو ترک کر دیا ہے (ضعفاء ص ۱) نسائیؒ اس کو مشرک الحدیث کہتے ہیں (ضعفاء ص ۲۵)  
 علامہ ذہبیؒ اس کو ہلک اور تباہ شدہ لکھتے ہیں (تلخیص المستدرک جلد ۱ ص ۲۳۹) حافظ ابن حجرؒ اس کو  
 مشرک لکھتے ہیں (تقریب ص ۲۵) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ تمام محدثین نے اس سے احتجاج  
 ترک کر دیا تھا (تہذیب جلد ۱ ص ۹) دارقطنیؒ لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (جلد ۱ ص ۱۲۱) بیہقیؒ  
 لکھتے ہیں کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے (سنن البکری جلد ۱ ص ۲۲) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ  
 ولید بن ابراہیمؒ (میزان الاعتدال ص ۱۸۱) مجھے معلوم نہیں کہ کسی ایک محدث نے  
 بھی اس کی حدیث قبول کی ہو اور تیسرا راوی عبداللہ بن عمرو بن الحارثؒ (جو محول کا متابع  
 بیان کیا جاتا ہے) خود مجہول ہے (تقریب ص ۲۰۹) یہ ہے فریق ثانی کا معیار استدلال افسوس  
 صد افسوس۔ مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۲۵ میں عبداللہ بن عمرو بن الحارثؒ کو مجہول تسلیم کر کے  
 یہ جواب دیا ہے کہ مستور کی روایت کو متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی عرج نہیں۔ مگر سند کے



باقی راویوں کو بالکل پی گئے ہیں۔

دوسری روایت: مبارکپوری صاحب کتاب القراءۃ ص ۱۱۱ کے حوالہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں شعبی بن ابی حمزہ کو محمول کا متابع بیان کیا ہے (ابکار المنن ص ۱۲۵) بلاشبہ یہ متابع ثقہ اور ثبت ہیں لیکن سند میں ایک تو اسحاق بن ابی فروہ ہے جس کا ذکر خیر ابھی ہو چکا ہے اور دوسرا راوی اس سند کا عمرو بن عثمان ہے ابو حاتم کہتے ہیں کہ محدثین اس میں کلام کرتے ہیں اور یہ متحدیثیں روایت کرتے ہیں ابن حبان کہتے ہیں کہ ایسا اوقات وہ حدیث میں خطا کرتا ہے۔ امام نسائی اور ازہری اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں (ترتیب التذیب جلد ۸ ص ۸۷) اور ایک اور سند ہے جس میں محمد بن حمیر ہے جس کا تذکرہ بحث حذاج میں ہو چکا ہے کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے اور ایک سند میں ابو عبد الرحمن محمد بن الحسین سلمیٰ ہے یہ صوفیوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ محدثین اس میں کلام کرتے ہیں اور یہ قابل اعتماد نہیں ہے (میزان جلد ۱ ص ۲۷) تیسری روایت: مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کنز العمال جلد ۸ ص ۲۸ اور کتاب القراءۃ ص ۱۱۱ میں عن الزہری عن محمود بن المویج الخ کی سند میں امام زہری محمول کے متابع ہیں۔ (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۹۴) لیکن قطع نظر اس سے کہ اس کی سند کیسی ہے یہ بھی ان کو مفید نہیں ہے اولاً اس لئے کہ مبارکپوری صاحب خود ایک مقام پر لکھتے ہیں زہری مدلس ہیں اور عنقہ سے روایت کرتے ہیں تو ان کی حدیث کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ ۲۔ ابکار المنن ص ۲۵ متابعت سے تدلیس کا شبہ وہاں رفع ہوتا ہے جہاں اصل روایت کے راوی ثقہ ہوں اور شبہ صرف تدلیس کا ہو اور یہاں اصل روایت ہی صحیح نہیں ہے، اس نکتہ کو مؤلف خیر الکلام بالکل مبہم کر گئے ہیں۔ وثانیاً فریق ثانی کی طرف سے جن میں خاص طور سے امام بخاری علیہ الرحمۃ بھی قابل ذکر ہیں یہ کہا گیا ہے کہ امام زہری اپنے کلام کو حدیث میں ملا دیا کرتے تھے (جزء القراءۃ ص ۲۳) تو ہم الزامی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کیا بعید ہے کہ اس حدیث میں خلف الامام کا جملہ امام زہری نے مرفوع حدیث میں ملا دیا ہو۔ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ زہری کی یہ عادت نہ تھی بلکہ ایک خاص حدیث میں فعل تھا (محصلہ ص ۲۲) الجواب: مگر اس میں کوئی جان نہیں کیونکہ خود مؤلف خیر الکلام اسی صفحہ میں امام بخاری کی جزء القراءۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ قال ربيعة للزهري اذا حدثت



فبین کلامک الا اس میں اذا شرطیہ ہے اور خود مؤلف مذکور ص ۸۲ میں بحوالہ قاضی شوکانی  
اسماء الشرحہ کو عام لکھتے ہیں پھر محض بات بتانے کے لیے یہ کہنا کہ عادت نہیں فعل ہے کیا  
وقت رکھتا ہے اور مدرج کے لیے یہ دعویٰ کرنا کہ کلام مستقل ہو بالکل بے دلیل ہے کیوں کہ  
ادراج جیسے مستقل کلام سے ہوتا ہے غیر مستقل سے بھی ہو سکتا ہے اور فتح الباری کا جو حوالہ انہوں  
نے نقل کیا ہے وہ اس دعویٰ کے لیے غیر صریح بلکہ صرف کشیدہ ہے، مؤلف مذکور کو جب  
خود اپنی اس کشیدہ کی کمزوری کا احساس ہوا تو یہ لکھا ہے کہ غیر مستقل پر ادراج کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے  
(محصلاً وثالثاً) اگر خلف الامام کا جملہ جس کی وجہ سے ان کی متابعت کو مد نظر رکھا گیا ہے، امام زہریؒ  
کے نزدیک ثابت ہوتا تو وہ بھی امام کے پیچھے قرأت کے قائل ہوتے حالانکہ وہ جہری نمازوں میں  
سمجھتی سے اس کا انکار کرتے ہیں اور سکات کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے کماہر و رابعاً  
اس روایت میں خلف الامام کا جملہ محمد بن یحییٰ الصفار کا مدرج ہے جیسا کہ یہ تحقیقی جواب اپنے  
مقام پر ذکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ الغرض دیگر حضرات محدثین کرام کے طے شدہ قواعد کے  
لحاظ سے عموماً اور فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ اصول کے پیش نظر شد کے اعتبار سے کوئی بھی  
ایسی صحیح روایت موجود نہیں ہے جس کو محمد بن اسحاق اور مہول کی متابعت میں پیش کیا جاسکے۔  
تیسرا جواب نافع بن محمودؒ کی جہالت ہے۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ نافع بن محمودؒ سے خلف الامام کی روایت کے علاوہ اور کوئی روایت  
مردی نہیں ہے۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور یہ تصریح کرتے ہیں کہ حدیث مغلل  
کہ اس کی حدیث معلول ہے (میزان جلد ۲ ص ۲۲۶) امام طحاویؒ لکھتے ہیں کہ نافع بن محمودؒ مجہول ہے  
(الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۵) حافظ ابو عمرؒ بن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تہذیب التہذیب  
جلد ۱ ص ۱۵۱) شیخ الاسلام موفق الدین ابن قدامہؒ لکھتے ہیں لیس بعروف (مغنی جلد ۱ ص ۱۵۱)  
کہ وہ مجہول ہے، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ مستور ہے (تقریب ص ۱۵۱) محقق رمویؒ اس کا  
مجہول ہونا نقل کرتے ہیں (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۱۵۱) نافع کے مجہول ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا  
ثبوت ہو سکتا ہے امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس امر کا ہرگز مکلف نہیں ٹھہرایا  
کہ ہم اپنا دین مجہول اور غیر معروف راویوں سے اخذ کریں (کتاب القراءة ص ۱۲۶) امام خطابیؒ



فرماتے شرھا الموضوع ثم المقلوب ثم المجهول (تدریب الراوی ص ۱۹۲) کہ بدترین حدیث جعلی ہے پھر مقلوب اور پھر مجہول اور فریق ثانی تو اس روایت کو لے کر تمام دنیا کو چیلنج دے کہ ان کی نمازوں کو باطل ٹھہراتا ہے۔

اعترافاً بہ مبارکپوری صاحب کہتے ہیں کہ نافع بن محمود ثقہ تھے اور اس کے دلائل یہ ہیں (۱) علامہ ذہبی نے اپنی کتاب کاشف میں ان کو ثقہ لکھا ہے (۲) امام ابن حبان اور دارقطنی ان کو ثقہ سمجھتے ہیں۔ امام دارقطنی کی توثیق کا حوالہ مولف خیر الکلام نے بھی ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۲۱۳) (۳) نافع سے محمول اور عرام بن حکیم روایت کرتے ہیں لہذا یہ مستور نہ ہوں گے (۴) اگر مستور بھی ہوں تب بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک مستور کی حدیث حجت ہے (شرح نخبۃ الفکر ص ۱) (۵) ابن حبان نے جو حدیث مغللہ کہا ہے وہ نسخہ ثابت نہیں ہے (۶) بلکہ یہ علامہ ذہبی کا وہم ہے۔ (محصلاً تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۷۹ و ابکار ص ۱۲۹)۔

الجواب :- مبارکپوری صاحب کی بیش کردہ یہ جملہ شفتیں مردود ہیں علی الترتیب ہر ایک کا جواب سنیں (۱) کاشف ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی اگر علامہ ذہبی نے نافع کو اس میں ثقہ لکھا ہے تب بھی یہ میزان کے حوالہ حدیث مغللہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اصول حدیث کے رو سے ثقہ راویوں کی حدیث بھی محلل ہو سکتی ہے جس کا باحوالہ ذکر عنقریب آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ (۲) امام ابن حبان اور دارقطنی کا توثیق رجال کے بارے میں مسک ہی جمہور محدثین سے الگ ہے جمہور تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی راوی سے دو راویوں نے روایت کی ہو اور اس کی توثیق کسی سے ثابت نہ ہو (حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ متفقہ خود یا غیر جب کہ توثیق کا اہل ہو اور اس کی توثیق کرے تو صحیح قول پر وہ ثقہ ثابت ہو جائے گا شرح نخبۃ الفکر ص ۱) اور اسی قاعدہ کے مولف خیر الکلام نے ص ۲۲۶ میں سہارا لیا ہے لیکن شرح شرح نخبۃ الفکر ص ۱ میں اسی قول کے رد میں لکھا ہے کہ الصحيح الذی علیہ اکثر العلماء من اهل الحديث وغيرهم انه لا یقتل مطلقاً کہ اکثر محدثین وغیر ہم کے نزدیک مطلقاً یہ توثیق غیر مقبول ہے (۳) تو وہ مجہول اور مستور ہی رہتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ

ان ردی عنه اثنان فصاعداً ولو ان کسی شخص سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت



یوثق فهو مجهول الحال وهو المستور  
 میان کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو وہ مجهول الحال  
 ہوتا ہے اور وہی مستور کہلاتا ہے

اور امام ابن الصلاح (المتوفی ۷۴۲ھ) نے نچلے دور راویوں کے عادل ہونے کی قید بھی لگائی ہے  
 (شرح منہجۃ الفکر ص ۵۲ طبع مصر) لیکن امام ابن حبانؒ اور دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص  
 سے دو راویوں نے روایت کی ہو تو وہ مجهول نہیں رہتا اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے  
 چنانچہ امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں کہ

وارتفاع اسم الجہالة له عنه ان يروى  
 روى سے جہالت کا اسم اس وقت اٹھتا ہے جب کہ  
 اس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں جب  
 ایسا ہو تو اس سے جہالت کا اسم مرتفع ہو جاتا ہے  
 اور وہ راوی معروف ہو جاتا ہے۔

اور علامہ سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) نے ان کا مسلک یوں نقل کیا ہے کہ

من روى عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالة  
 جس شخص سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اس سے جہالت  
 رفع ہو جاتی ہے اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جمہور کے نزدیک اس صورت میں راوی اگرچہ مجهول العین نہیں رہا مگر مجهول الثبوت  
 اور مجهول الحال بدستور ہے گا۔ لیکن امام دارقطنیؒ وغیرہ کے نزدیک باوجود مجهول الحال اور مستور ہونے کے  
 وہ عادل ہو جاتا ہے اور اس کی حدیث حسن، صحیح اور جید ہو جاتی ہے اور جمہور نہ تو اس کو ثقہ اور عادل  
 تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کی روایت کو قبول کرتے ہیں چنانچہ علامہ خطیب الشافعیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے  
 ہیں کہ :-

قلت الا انه لو ثبت له حكم العدالة  
 میں کہتا ہوں کہ ایسے مجهول راوی سے دور راویوں کی توثیق کر لینے  
 بدوایتہا عنه وقد نعم قوم ان  
 سے انکی عدالت ثابت نہیں ہو سکتی اور ایک قوم نے مثلاً ابن حبانؒ  
 عدالتہ ثبت بذلک ونحن نذكر  
 اور دارقطنیؒ وغیرہ صنف یہ خیال کیا ہے کہ اس طرح اس کی عدالت  
 فساد قولہم بمشيمة الله وتوفيقه  
 ثابت ہو جائے گی مگر ہم انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی توفیق  
 سے اس قول کا فساد اور بطلان ذکر کریں گے۔  
 رالكفاية في علم الرواية ص ۸۹



اور جو مسلک امام دارقطنی کا ہے سو وہی نظریہ امام ابن حبان کا ہے چنانچہ اسی تصریح موجود ہے کہ۔

وتبعه ابن حبان اذا عدل عند من  
لا يعرف فيه الجرح رشح نجة الفكر ملك  
ابن حبان بھی اسی نظریہ کے حامی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک  
بھی ثقہ وہ ہے جس پر کوئی جرح معلوم نہ ہو۔

علامہ ذہبی عیارۃ بن حدید کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ

انه مجهول - ولا تدرج بذكر ابن حبان  
له في الثقات فان قاعدته معروفة من  
الاحتجاج لمن لا يعرف (میزان جلد ۲ ص ۲۲۲)  
وہ مجہول - ولا تدرج بذكر ابن حبان  
اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اس لیے کہ ان کا قاعدہ  
ہی مشہور ہے کہ مجہول راویوں سے بھی احتجاج کر لیتے ہیں۔  
اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ

ويحيى الكندي غير معروف ذكره البخاري  
وابن أبي حاتم ولم يذكر فيه جرحاً  
وذكره ابن حبان في الثقات كعادته  
فمن لم يجرح رفعه الباري لا صاحب  
ما يحل من النساء وما يحرم  
یحيی الکندی مجہول ہے امام بخاری اور ابن ابی حاتم  
نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس پر انہوں نے جرح ذکر  
نہیں کیا اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں لکھا ہے  
جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جن راویوں پر جرح نہیں  
ہوتی وہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔

ان تمام ٹھوس ہوالوں سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ جس راوی کو امام دارقطنی اور امام ابن حبان  
ثقہ اور عادل کہتے ہیں وہ جمہور کے نزدیک بدستور مجہول الحال اور مستور رہتا ہے اس لیے ان  
کے نافع اگر ثقہ کہتے ہیں اور جمہور کے اس کو مستور اور مجہول کہنے میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ  
نفیس میری اور رقیب کی راہیں جدا  
آخر کو ہم دونوں درجہ مال پہ جائے

یہی وجہ ہے کہ ابن حبان کو متبادل گردانا گیا ہے چنانچہ علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ امام حاکم  
کی طرح ابن حبان بھی متبادل ہیں رفتح المغیث ص ۱۱۱) علامہ ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ ابن حبان  
تبادل میں حاکم کی مانند ہیں (مقدمۃ ابن الصلاح ص ۱) امام سیوطی لکھتے ہیں کہ امام ابن حبان اور  
امام حاکم تبادل میں ایک دوسرے کا نظیر ہیں (تذریب الراوی ص ۲۲) اور خود مبارکپوری صاحب  
لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متبادل ہیں (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱) اور مولف  
خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے مگر ابن حبان کا تبادل مشہور ہے



اور اس سے بھی بڑھ کر امام دارقطنیؒ بسا اوقات ضعیف راویوں کو ثقہ اور ان کی حدیث کو بھی حسن کہہ دیتے ہیں چنانچہ ایک سند میں عبد اللہ بن لہیعہؒ آیا ہے جو جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ اور خود امام دارقطنیؒ کو بھی اس کا اقرار ہے مگر وہ بایں ہمہ اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔

اسناد حسن وابن لہیعہ لیس بالقوی (دارقطنی ص ۱۳۲) محمد بن عبد الرحمن بن ابی یسار کو ایک جگہ ثقہ فی حفظہ شعی لکھتے ہیں (جلد ص ۴) اور دوسری جگہ ضعیف سی الحفظ لکھتے ہیں (جلد ص ۸۹) عبد الرحمن بن ابراہیم القاصیؒ کو پہلے ثقہ لکھتے ہیں اور پھر اسی صفحہ پر چند سطروں کے بعد ضعیف الحدیث لکھتے ہیں (جلد ص ۲۴۳) عبد اللہ بن عثمانؒ کو ایک موقع پر ثقہ لکھتے ہیں اور دوسرے پر کہتے ہیں کہ وہ ضعیف (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۸۸) اس جگہ بحث کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات بخوبی سمجھ آ سکتی ہے کہ امام دارقطنیؒ اپنی قائم کردہ اصطلاح پر بھی پورے مطمئن نہیں ہیں، اور روایت کی ثقاہت اور جرح کے بارے میں وہ متردد رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ توجیہ کی جاسکتی ہے اور ہم اس کے منکر نہیں ہیں کہ ثقہ کسی اور وجہ سے کہا اور ضعیف کسی اور وجہ سے مگر رد و تورما ہی اور ہم امام دارقطنیؒ کی فن حدیث میں امامت کے منکر نہیں ہیں مؤلف خیر الکلام نے بے سو و عبارتیں ان کی امامت منوانے کے لیے نقل کی ہیں اختلاف صرف ان کی اصطلاح سے ہے اور صرف ہمیں ہی نہیں جمہور محدثین کو ہے۔ (۳) عبار کی پوری صاحب نے امام دارقطنیؒ وغیرہ کی اصطلاح لے کر جمہور کے گلے بٹھانے کی بے جا سعی کی ہے تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے کہ جمہور کے نزدیک ایسا راوی مستور ہی رہتا ہے اور اس کی حدیث مقبول نہیں ہوتی اور خود امام ابن حبانؒ باوجود متساہل ہونے کے نافع کی حدیث کو معلول قرار دیتے ہیں مؤلف خیر الکلام کا یہ جواب کہ ابن حبانؒ نے محل ہونے کی وجہ بیان نہیں کی اور وہ متشدد ہیں (ص ۲۳۱) بالکل غیر تسلی بخش ہے کیونکہ اس کی وجہ شیخ الاسلام نے بحوالہ امام احمدؒ وغیرہ ائمہ حدیث بیان کر دی ہے علاوہ ازیں اگر محل کہنے میں متشدد ہیں تو ان کو ثقہ کہنے میں متساہل بھی تو ہیں کہ امامؒ اور بعد کے جن حضرات نے نافع کی سند کو صحیح یا حسن کہا ہے اس میں انہوں نے اعتماد دارقطنیؒ وغیرہ پر کیا ہے اور ان کی مستور کے بارے میں اصطلاح باحوالہ گذر چکی ہے جس کے رُوسے جمہور کے نزدیک مستور مستور ہی رہتا ہے اور جرح کرنے والے محتاط عارف باسباب الجرح اور غیر متعصب ہیں اس لیے قاعدہ کے



رو سے امام طحاویؒ، حافظ ابن عبد البرؒ، امام ابن قدامہؒ علامہ ماروسیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کی جرح  
مقدم ہوگی اور نافعؒ بہر کیفیت مجہول ہی ہوں گے۔ مولانا میر صاحبؒ نے علامہ ابن حزمؒ کی کتاب  
محلی جلد ۲ ص ۲۴۱ سے نافعؒ کی ثقاہت نقل کی ہے (ملاحظہ ہو گلدستہ ص ۱۱) لیکن علامہ ابن حزمؒ  
کا معاملہ بھی روایت کی توثیق و تصحیف کے بارے میں بڑا ہی نزاع ہے، چنانچہ وہ امام ترمذیؒ کو بھی  
ایک جگہ مجہول کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۸۸) یہی وجہ ہے کہ ناقدین رجال حافظ ذہبیؒ  
سیر النبلاء میں لکھتے ہیں کہ میں ابن حزمؒ سے محبت بھی کرتا ہوں کہ وہ صحیح حدیث سے محبت کرتے  
ہیں اور اس کی معرفت بھی رکھتے ہیں لیکن وان كنت له اوافقه، فی کثیر من مایقوله فی  
الرجال والعلل والمسائل البشعة فی الاصول والفروع واقطع بخطائه فی غیر مسئلة  
ولكن لا اقره ولا اضله، وارجوله العفو والمسامحة اھ رجوالہ مقدمہ تحفۃ الاحقری  
ص ۱۶۹) میں ان کی موافقت نہیں کرتا ان بہت سے امور کے بارے میں جو وہ روایت اور علل کے  
کے بارے میں کہتے ہیں اور اسی طرح ان کے اصول و فروع میں بہت سے ناپسندیدہ نظریات ہیں  
اور میں بہت سے مسائل میں ان کو یقیناً خطا کاں سمجھتا ہوں مگر پھر بھی ان کی تحفیر و تفصیل نہیں کرتا۔ اور  
اللہ تعالیٰ سے ان کی عفو و درگزر کا امیدوار ہوں (۴) یہ بالکل غلط ہے کہ امام ابو حنیفہؒ مستور کی  
روایت کو حجت سمجھتے ہیں۔ حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں کہ صحیح مسک یہ ہے کہ مستور کی روایت  
فاسق کی طرح مردود ہوگی جب تک اس کی عدالت ثابت نہ ہو جائے اس کی حدیث حجت نہیں  
ہو سکتی، حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ایک غیر ظاہر روایت یہ ہے کہ جس کو سلف نے روئے کیا ہو وہ مقبول  
ہے لیکن ظاہر روایت وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی (تحریر الاصول ص ۳۱۶) امام سراج الدین ہندی  
حنفیؒ لکھتے ہیں کہ مستور حدیث کے سلسلہ میں باتفاق علماء احناف فاسق کی طرح مردود ہے۔  
اس لیے کہ حدیث میں کافی سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، اہل پانی کے مسئلہ میں اختلاف ہے  
کہ مستور کی خبر پانی کی نجاست اور طہارت کے سلسلہ میں مقبول ہے یا مردود؟ (صامش تلویح ص ۴۴)  
مستور کی حدیث کے بارے میں یہی مسک صاحب حنفیؒ (علامہ حسام الدین المتوفی ۶۴۴ھ)  
اور شاہ عبدالحقؒ محدث دہلوی (وغیرہ) بھی نقل کرتے ہیں (مقدمہ مشکوٰۃ ص ۵) اور علامہ زبیدیؒ  
لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مجہول کی روایت مردود ہے (عقود الجواهر المنیفة ص ۱) لہذا امام ابو حنیفہؒ



کامستور کی حدیث کے بارے میں صحیح مسلک وہ ہے جو علماء احناف نے پیش کیا ہے نہ کہ وہ جو غلط  
ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کیونکہ مشہور ہے صاحب البیت ادنیٰ بہافیہ (۵) حدیثہ معلل کا  
نسخہ یقیناً ثابت ہے اولاً اس لیے کہ علماء احناف کی طرف سے جب یہ سوال ہوا کہ میزان الاعتدال  
کے بعض نسخوں میں وہ عبارت موجود نہیں ہے جس میں ابن عدیؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تضعیف  
کی ہے اور جس کو علامہ ذہبیؒ نے میزان میں نقل کیا ہے (علامہ ذہبیؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق  
اپنا فیصلہ تذکرۃ الحفاظ میں درج کیا ہے جو مقدمہ میں نقل ہو چکا ہے اور اس مضمون پر ہماری مبسوط  
کتاب مقام ابی حنیفہؒ دیکھیں) تو مبارکپوری صاحبؒ اس کا جواب یوں ارقام فرماتے ہیں۔ تو جواب  
اس کا یہ ہے کہ امام صاحب کا ترجمہ بعض نسخوں میں ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کے الحاقی وغیر معتبر  
ہونے کی دلیل نہیں کتب حدیث میں متعدد روایات اور عبارات ایسی موجود ہیں جو بعض نسخوں میں  
نہیں اور بعض میں ہیں مگر کوئی بھی ان عبارات کو الحاقی نہیں بتلاتا الی ان قال الحاصل میزان کے  
بعض نسخوں میں امام صاحب کے ترجمہ کا ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کے الحاقی ہونے کی دلیل نہیں  
(ملفوظات تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۳۴ و مشلہ فی الذبکار ص ۱۶۱) مبارکپوری صاحبؒ ہی ازراہ انصاف  
فرمائیں کہ کیا یہ قاعدہ صرف حضرت امام ابو حنیفہؒ کے لیے ہی محدود ہے یا حدیثہ معلل کا نسخہ  
بھی اس سے ثابت ہو سکتا ہے؟ فرمائیے بات کیا ہے؟

وفا کا اپنی ثبوت کیا دوں یہ میری الفت کی لڑائی کہ جس کو وہ چاہتے ہیں بہم میں خیر اس کی منار ہوں  
و ثانیاً حدیثہ معلل کا نسخہ صرف علامہ ذہبیؒ اور ابن حبانؒ ہی سے منقول نہیں بلکہ دیگر جلیل القدر  
محدثین بھی نقل کرتے ہیں چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں وهذا الحديث معلل  
عن الثمّة الحديث كالحد وغیره عن الثمّة رفتاوی جلد ۲ ص ۱۵۱ کہ اس حدیث کو امام  
احمد بن حنبلؒ وغیرہ دیگر ائمہ حدیث نے معلول قرار دیا ہے۔

کہ مبارکپوری صاحبؒ کے نزدیک یہ نسخہ بھی ثابت ہے یا اس کے اثبات کا بھی کوئی اور رنگ  
ڈھنگ ہوگا؟ (۶) وہم خطا اور نسیان تو انسان کے خمیر میں داخل ہے ان سے وہی محفوظ ہے گا  
جس کو خدا تعالیٰ بچائے گا لیکن بلا دلیل علامہ ذہبیؒ جیسے ناقدین فن رجال پر وہم کا التزام شدتاً کون  
ہے؟ حافظ ابن حجرؒ نے تو یہ کہا ہی تھا لیکن مبارکپوری صاحبؒ بھی اس کے کہنے پر مجبور ہیں۔



الذہبی مؤمن اہل استقر التمام فی نقد اسماء الرجال (تحقیق جلد ۱ ص ۵۵) البکار ص ۲۸ تحفۃ  
 الاحوذی جلد ۲ ص ۲ علامہ ذہبی وہ ہیں جن کو نقد اسماء الرجال میں کامل ملکہ حاصل ہے، جب علامہ ذہبی  
 کو روایت اور رجال کے پرکھنے کی مکمل مہارت حاصل ہے اور ان کے بعد آنے والے جملہ حضرات محدثین  
 کرام ان پر اس فن میں کلی اعتماد کرتے ہیں، تو ان پر بلا وجہ یہ الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان کا  
 وہم ہے؟ بہر حال اگر نافع بن محمود کو بعض محدثین نے ثقہ بھی کہا ہو تب بھی اس کی حدیث محلل  
 ہو سکتی ہے چنانچہ امام حاکم سیوطی اور علامہ جزیری اس کی تصریح کرتے ہیں کہ بسا اوقات ثقہ  
 راوی کی حدیث بھی محلل ہو سکتی ہے (معرفت علوم الحدیث ص ۵۹، تدریب الراوی ص ۴۸  
 توجیہ النظر ص ۱۳) اور نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ صحت سند صحت متن  
 کو مستلزم نہیں ہے اور یہ محدثین کے نزدیک معروف و مشہور ہے۔ (دلیل الطالب ص ۶۱۸)  
 مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں صحت اسناد و صحت متن کو مستلزم نہیں ہے (ابکار المنہن ص ۲۰۲ و  
 تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۲) اور حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی لکھتے ہیں کیونکہ یہ بات ظاہر ہے  
 کہ استاد کے حسن ہونے سے حدیث اس وقت حسن ہو سکتی ہے جب حدیث میں کوئی اور عیب  
 نہ ہو اور یہاں اور عیب موجود ہے چنانچہ صاحب ابن حجر نے اس کو محمول کہا ہے۔ (ضمیمہ  
 تنظیم اہل حدیث روپڑ ص ۶) اور مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ پس اگر ایک متن شاذ ہو یا اس  
 میں کوئی علت ہو یا ارسال و انقطاع کی صورت ہو تو یہ احادیث اگرچہ اول درجہ کے ثقہ راویوں سے  
 ہوں پھر بھی ضعیف ہونگی۔ (ص ۱۸۴) جب مذکورہ بالا دلائل اور براہین سے یہ بات ثابت ہو گئی  
 کہ نافع مذکور بدستور مستور میں تو نافع کی حدیث کسی طرح بھی فریق ثانی کو نافع نہیں ہو سکتی بعض لوگ  
 اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ تعدد طرق سے جبر نقصان ہو جائے گا اور حدیث حسن لغیرہ کو پہنچ جائیگی  
 مگر یہ بھی باطل ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث کے درال ضعیف  
 اندرون کذب یا ترک یا جہالت راوی آمدہ است اس چہیں حدیث باوجود تعدد طرق درخور اخذ و  
 عمل نیست خواہ در احکام باشد خواہ در فضائل اعمال (راستی۔ بلفظ دلیل الطالب ص ۸۸۴) نواب  
 صاحب کے کلام نے جو در حقیقت کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے یہ بات بالکل آشکارا  
 کر دی ہے کہ وہ روایات جن میں کذاب، رجال، متروک اور مجہول و مستور راوی ہوں خواہ وہ کتنی



ہی زیادہ کیوں نہ ہوں مگر باوجود تعدد طرق کے نہ تو اثبات احکام کے لیے وہ قابل التفات ہو سکتی ہیں اور نہ فضائل اعمال کے لیے وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کی طرف نگاہ بھی اٹھائی جائے۔ زندہ باد  
نواب صاحب :-

چوتھا جواب یہ حدیث مضطرب ہے

کیونکہ محول جولیس بالمتین ہیں سند میں گر بڑی کرتے ہیں کبھی وہ تو براہ راست حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کرتے ہیں (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۱ و کتاب القراءة ص ۱۲۱) اور کبھی نافع بن محمود بن ربيع کے واسطے سے (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۹ و کتاب القراءة ص ۱۲۱) اور کبھی محمود بن ربيع عن ابی نعیم عن عبادہ کے واسطے سے (مسند رک جلد ۱ ص ۲۳۸) اور کبھی نافع بن محمود عن محمود عن عبادہ کے طریق سے (اصابہ جلد ۱ ص ۶۱) اور کبھی رجاء بن حیوہ عن محمود بن ربيع عن عبادہ کے طریق سے (ایضاً) مولف خیر الکلام نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ محول اور نافع کی روایت بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طریق سے ہو (محصلاً ص ۲۳۸) الجواب :- ممکن تو ہے مگر کسی صحیح سند سے اس کا اثبات ضروری ہے جو ندارد۔ اور پھر ابو نعیم میں بھی اختلاف ہے، امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ وہب بن کیسان تھے (مسند رک جلد ۱ ص ۲۳۸) اور ابوداؤد اور دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ ابو نعیم مؤذن تھے جلد ۱ ص ۲۲۱) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ابو نعیم کے ذکر میں راوی نے غلطی کی ہے (ص ۲۳۸)

الجواب :- اس اسی طرح کی غلطی بعض شامی راویوں نے کہ ڈالی ہے کہ موقوف کو مرفوع سے خلط ملط کر دیا ہے قول اور فہم حضرت عبادہ کا تھا اور بنا حدیث ڈالی ہے، راقم کتاب ہے کہ ابو نعیم محمود بن ربيع کی بھی کیفیت تھی (تذیب التذیب جلد ۱ ص ۱۲۱) حافظ ابن حجر نے اصابہ جلد ۱ ص ۳۸۶ میں بقول مولف خیر الکلام محمود کی کنیت ابو محمد بتائی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے مگر اختلاف کی نفی تو نہیں کی جس روایت کی سند میں ایسا کھلا اضطراب ہو وہ کیونکر قابل احتجاج ہو سکتی ہے ؟

(الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۲ و بذل الجہود جلد ۲ ص ۵۶ و فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۶ وغیرہ) نواب صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث کا مضطرب ہونا اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث کے مجروح اور کمزور ہونے کا سبب (دلیل الطالب ص ۶۱۸) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث کی قسموں میں سے ایک حدیث مضطرب بھی ہے (ایضاً ص ۸۸۲) اور مولانا مبارکپوری صاحب بھی دیگر



حضرات محدثین کرام کی طرح اس قاعدہ اور ضابطہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث مضطرب قابل احتجاج نہیں ہو سکتی (دریکھے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۰ وغیرہ)

اعتراض :- مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ محض اختلاف کی وجہ سے اضطراب نہیں ہوتا اضطراب کے لیے دو شرطیں ہیں اور یہاں وہ دونوں مفقود ہیں (۱) اختلاف کے وجہ برابر ہوں (۲) اختلاف کا جمع کرنا مستعذر ہو اور یہاں جمع کرنا مستعذر نہیں ہے کیونکہ جب حدیث کے سند اور مرسل ہونے کا اختلاف ہو تو حدیث مستند ہی ہوگی ؟ لہذا اضطراب کیسے ؟ (ابکار ص ۱۲ اور مؤلف خیر الکلام نے بھی یہی کچھ کہا ہے ص ۲۳۸)۔

جواب :- مبارکپوری صاحب کا یہ ارشاد بھی صرف دفع الوقتی ہے اور یہ دونوں شقین باطل ہیں پہلی تو اس لیے کہ طرفین کے نزدیک ان روایتوں کے وجہ برابر ہیں، مبارکپوری صاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک تو ما شاء اللہ تعالیٰ محمد بن اسحاق محمول نافعہ اور دیگر جو راوی ان کی متابعت میں پیش کئے گئے ہیں سب ثقہ اور قابل اعتماد ہیں ورنہ وہ ان کی روایتوں سے ہرگز استدلال نہ کرتے وہ ان روایت میں سے کس کو راجح اور کس کو مرجوح اور کس کو ثقہ اور ضعیف کہیں گے ؟ اور ہمارے نزدیک بھی وہ ضعیف اور محذور اور غیر معتبر ہونے میں برابر ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان میں کوئی کذاب ہے اور کوئی دجال، کوئی مجہول ہے اور کوئی مترک کوئی نسیس بالمتین ہے اور کوئی ضعیف اور ہمارے نزدیک بھی کسی پر ترجیح نہیں ہے لہذا باتفاق فریقین وجہ برابر ہیں اور حدیث یقیناً مضطرب ہے اس میں شک نہیں مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ترجیح بعض دفعہ خارجی امور سے بھی ہوتی ہے الخ (ص ۲۴) مگر اس وقت جب روایتیں صحت میں برابر ہوں ضعیف روایات میں تطبیق کی کیا ضرورت ہے ؟ اور دوسری شق اس لیے مردود ہے کہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ جب حدیث کے سند اور مرسل ہونے کا جھگڑا ہو تو حدیث مستند ہی ہوگی لیکن اس کے لیے اصولی اور بنیادی شرط یہ بھی تو ہے کہ رفع کرنے والا راوی ثقہ ہو اور اس کی سند صحیح ہو اور ان پیش کردہ روایات میں کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے اور راوی کوئی کذاب و دجال ہے اور کوئی مجہول و مترک کوئی مدلس ہے اور کوئی غیر معتبر اندریں حالات ان روایت کو صحیح قرار دینا نہ صرف یہ کہ تعصب پر مبنی ہے بلکہ انصاف کا بھی خون کرنا ہے ۔



پانچواں جواب یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے۔

یہ روایت خلف الامام کی قید سے موقوف ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

وضعه ثابت بوجود وانما هو قول عبادة ر

بن الصامت (تنوع العبادات ص ۸۶)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

وهذا الحديث معلق عن ائمة الحديث

كاحمد وغيره من الائمة وقد بسط الكلام

على ضعفه في غير هذا الموضع وبين

ان الحديث الصحيح قول رسول الله صلى

عليه وسلم لا صلاة الايام القران فهذا هو

الذي اخرجاه في الصحيح ورواه الزهري

عن محمود بن الربيع عن عبادة اما الحديث

فعلق فيه بعض الشاميين واصله ان

عبادة كان يوما في بيت المقدس فقال

هذا فاشبه عليهم المرفوع بما مرفوع

على عبادة ر

(فتاویٰ جلد ۲ ص ۵۸)

قول مشتبہ اور غلط غلط ہو گیا۔

شیخ الاسلام کی یہ عبارت نص صریح ہے کہ کمزور ضعیف اور یس بائستین قسم کے راویوں

نے حضرت عبادة بن الصامت کے موقوف قول کو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرفوع

حدیث میں ملا دیا ہے حالانکہ مرفوع حدیث میں خلف الامام کا ذکر تک نہیں ہے۔ القصہ

خلف الامام کی قید سے روایت مرفوع نہیں بلکہ یہ غلط کار راویوں کی کرم فرمائی ہے۔ اور اسی

کے بل بوتے پر فریق ثانی چیلنج کرتا ہے مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام کے اس حدیث

کو معلق کہنے کی وجہ ان کے خیال میں محمول کا تفسر ہے اور مرفوع و موقوف میں کوئی تعارض



نہیں مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے خود بعض حنفیہ کو اس کا اقرار ہے (محصلاً ص ۲۳) الجواب: شیخ الاسلام  
تفرد کی وجہ سے نہیں بلکہ اس راوی کی کھلی غلطی کی وجہ سے اس حدیث کو محلل کہتے ہیں اور مرفوع کو موقوف  
پر وہاں پر ترجیح ہوتی ہے جہاں مرفوع کی سند بھی صحیح ہو اور یہاں بخاری وغیرہ کی روایت کو وہ صحیح اور خلف الامام  
والی کو محلول قرار دے رہے ہیں۔

### چھٹا جواب الایام القرآن کی استثنا ضعیف ہے

جن حدیثوں میں خلف الامام اور الایام القرآن وغیرہ کی زیادت مروی ہے اور جو نقل کی جا چکی  
میں ان کی روایتی حقیقت تو آپ کو معلوم ہو چکی ہے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے بقیہ کا حال  
سن لیجئے، ایک روایت حضرت ابو قتادہؓ سے مروی عامرونی ہے جس میں الایام القرآن کی استثنا  
مذکور ہے لیکن علامہ شامیؒ لکھتے ہیں فیہ رجل لم یسمہ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱) کہ اس میں محمول  
راوی ہے۔ ایک مرفوع روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے اور اس میں بھی الایام القرآن  
کی زیادت مروی ہے لیکن سند میں مسلمہ بن علیؓ ہے جو ضعیف ہے (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱) امام  
ابن معینؒ اور رحمہمؒ اس کو یسب لشیئہ کہتے ہیں امام بخاریؒ اور ابوزرعہؒ منکر الحدیث کہتے ہیں،  
ابن حبانؒ اس کو ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہتے ہیں، جوزقانیؒ، یعقوب بن سفیانؒ،  
نسائیؒ، دارقطنیؒ اور بوقالیؒ سب اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں ابو علی نیشاپوریؒ، ابن عدیؒ اور  
ابن یونسؒ سب اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ ابواحمد حاکمؒ اس کو ذاہب الحدیث کہتے ہیں ازومیؒ  
ابن المنادیؒ، ساجیؒ، ابوداؤدؒ اور حاکم تمام اس کی تضعیف کرتے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ منکر اور جعلی  
ومن گھڑت روایتیں بیان کیا کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۴۶) ایک روایت اسی  
مضمون کی مجمع صفیر طبرانی ص ۱۳۴ میں آتی ہے لیکن سند میں عبداللہ بن لیثؒ ہے جس کا ذکر بحث  
خداج میں ہو چکا ہے اسی مضمون کی ایک روایت جزا القراءۃ ص ۱۴ کتاب القراءۃ ص ۲۶، ص ۵۳  
اور تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۹۲ میں ہے لیکن اس کی سند میں عمرو بن شعیبؒ الخ کے علاوہ عکرمہ بن عمارؒ  
ابن حجرؒ ان کو غلط کاربہاتے ہیں (تقریب ص ۲۶۸) امام احمدؒ اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔  
(میزان جلد ۲ ص ۲۰۷) ایک روایت یہ پیش کی گئی ہے کہ حضرت جبرث نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی  
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی آپ نے فرمایا اے جبرث اپنے پروردگار کو سناؤ مجھے نہ سناؤ



اولاً تو اس روایت میں الایام القرآن کی استثناء مذکور نہیں ہے و ثانیاً علامہ مٹھی لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں عبد اللہ بن جبر مضمحل ہے لہذا احمد بن دکرہ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱) اس کا ذکر مجھے کہیں نہیں مل سکا الغرض الایام القرآن کی استثناء کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے چنانچہ اہم الجرح والتعديل امام ابن معین فرماتے ہیں کہ الایام القرآن کی استثناء کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے (ما مش نسائی جلد ۱ ص ۱۰۶ و اعلام السنن جلد ۴ ص ۱) الحاصل صحیح روایت صرف وہی ہے جو بخاری اور مسلم وغیرہ میں موجود ہے جس میں نہ تو خلف الامام کا ذکر ہے اور نہ خلف الامام کے بعد الایام القرآن کا پیوند موجود ہے، ہاں اس کے دیگر طرق میں فضاہلاً ما تیسر اور ما زاد کی زیادت بلند صحیح موجود ہے اور یہ ضعیف، مکرر اور یس بالمتین قسم کے راویوں کی کارستانی ہے کہ وہ کبھی تو الایام القرآن کا اضافہ کر دیتے ہیں اور کبھی خلف الامام کا پیشکر ساتھ لگا دیتے ہیں خلافت ثقہ، ثبت اور حجت قسم کے راویوں کے کہ وہ پوری دیانت اور صداقت کے ساتھ مرفوع روایت کو اس طرح نقل کرتے ہیں :-

کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بام الکتاب فہی کہ ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ ناقص  
خدا ج الا خلف امام (کما مر مفصلاً) ہوئی ہے ہاں البتہ وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔

ساتواں جواب لفظ خلف امام درج ہے

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے حوالہ سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ خلف الامام کا جملہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں بلکہ یہ حضرت عبادہ بن الصامت کا قول ہے اور بعض غلط کار راویوں نے اس کو مرفوع حدیث میں درج کر دیا ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (المتوفی ۱۳۳۶ھ) فرماتے ہیں کہ خلف الامام کا لفظ شاذ ہے کیونکہ ثقافت محدثین اس کو نقل نہیں کرتے امام بیہقی وغیرہ نے گو اس حدیث کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ (اور اس کے اثبات کیلئے ہاتھ پاؤں بھی مائے ہیں۔ حضرت) مگر یہ زیادت بہر حال ضعیف ہے (بذل المجہد جلد ۲ ص ۵۵) حضرت مولانا سید محمد نور شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ خلف الامام یقیناً اور قطعاً درج ہے اگر کوئی شخص اس کے درج ہونے پر قسم کھائے تو وہ ہرگز حائث نہ ہوگا (فصل الخطاب ص ۱) مولف خیر الکلام کا اس دعوائی اور اج کو صریح جھوٹ کہتا (ملاحظہ ہو ص ۲۲۹) نہ انصاف ہے جو قطعاً مردود ہے شیخ الاسلام کی عبارت پہلے گزر چکی ہے اور



اس پر ائمہ حدیث کے ٹھوس دلائل قائم کیے ہیں نہ اسے احتمال سے اور ارجح کا دعویٰ نہیں ہے۔ اور حافظ ابن حجر کے حوالے کہ محض احتمال سے اور ارجح ثابت نہیں ہو سکتا بالکل صحیح ہیں مگر یہ اور ارجح احتمال سے نہیں بلکہ دلائل سے ثابت ہے۔ فریق ثانی کے نزدیک زہری بھی اپنا قول حدیث میں ملا دیا کرتے تھے شاید کہ خلف الامام کا لفظ انہوں نے ملا دیا ہو اور بقول شیخ الاسلام شامی راویوں کی غلطی بھی کوئی محض بات نہیں اور کیا بعید ہے کہ یہ محمد بن اسحاق کے دجل اور کذب کا ہی کمر شہ ہو اور محمد بن یحییٰ الصفا پر کس نے یہ پابندی عام کی ہے کہ وہ اس زیادت کو بطور تفقہ کے استاد محترم کی طرح اس حدیث میں درج نہ کر سکیں؟ بہر حال کوئی بھی اس کا مرتکب ہوا ہو یہ یقینی بات ہے کہ خلف الامام کا لفظ مدرج ہے اور راقم کتاب ہے کہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ محمول کا مدرج ہے کیونکہ محدثین کی ایک جماعت ان میں کلام کرتی ہے اور وہ لیس بالمتین بھی تھے اور محمول کا شامی ہونا اظہر من الشمس ہے اور نظریہ ظاہر شیخ الاسلام کی عبارت کا رخ بھی انہیں کی طرف ہے اور یہ قرین الصاف بھی ہے اس لیے کہ امام زہری سے ثقات اور حفاظ کی ایک جماعت یہ روایت نقل کرتی ہے اور ان کی روایت میں خلف الامام کا لفظ نہیں لیکن جب محمول روایت کرتے ہیں تو اس میں خلف الامام کا بیوند بھی ساتھ ہی ملتا ہے۔ اب آپ نہایت اختصار کے ساتھ اجمالی طور پر ان راویوں کا ذکر سن لیں جو امام زہری سے روایت کرتے ہیں مگر خلف الامام کا پہنچر ساتھ نہیں ملتا ہے۔

- (۱) امام سفیان بن عیینہ (مسلم جلد ۱ ص ۱۱۹ والبوعوانہ جلد ۲ ص ۱۲۴ وجزء القراءة ص ۲)
- (۲) امام یونس (مسلم والبوعوانہ جلد ۲ ص ۱۲۵) (۳) امام صالح (مسلم والبوعوانہ ص ۱۲۴)
- (۴) امام عمر (مسلم جلد ۱ ص ۱۶۹ والبوعوانہ جلد ۲ ص ۱۲۴) (۵) امام مالک (موطأ ص ۲۹ وجزء القراءة ص ۲۳)
- (۶) امام ابن جریج (کتاب القراءة ص ۹) (۷) امام لیث بن سعد (جزء القراءة ص ۲۳)
- (۸) امام قرۃ بن عبد الرحمن (کتاب القراءة ص ۱۱) (۹) امام عقیل (ایضاً) (۱۰) امام اسحاق بن عبد الرحمن مدنی (ایضاً) (۱۱) امام اوزاعی (ایضاً) (۱۲) امام شعب بن ابی حمزہ (ایضاً) (۱۳) امام موسیٰ بن عقبہ (معجم صغیر طبرانی ص ۱۲) (۱۴) امام عثمان بن عمر بواسط یونس (مسند ص ۱۲۶ وکتاب القراءة ص ۱۲) وغیرہ وغیرہ یہ تمام جو حدیث فقہ کے علم امام ہیں امام زہری سے یہ روایت نقل کرتے ہیں لیکن ان میں کوئی بھی خلف الامام کا ذکر نہیں کرتا اور جب محمول اور ابن اسحاق وغیرہ ضعیف کمزور اور لیس بالمتین راویوں کی



باری آتی ہے تو ان کی روایت میں خلف الامام کا بیوند اور پکچر بھی ساتھ ہی ملتا ہے اگر ابن اسحاق وغیرہ ثقہ اور ثبت ہوتے تو ان کی یہ زیادت قابل قبول ہوتی اور جمہور کا اس پر عمل نہ مگر ان حالات میں جن کا مفصل ذکر ہو چکا ہے کہ وہ ضعیف اور لیس بالمتین ہیں اس زیادت کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے؟ اور اس کو سننے کے لیے کون آمادہ ہے؟ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ محدث ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ اگر کوئی ثقہ اور حافظ راوی زیادت بیان کرے اور دیگر ثقات حفاظ اور متقین نے وہ بیان نہ کی ہو تو ہم ایسی زیادت کا انکار نہیں کرتے لیکن اگر کوئی ایسا راوی زیادت نقل کرتا ہو جو حفظ و الثاقان میں ان حفاظ اور ثقات کا ہم پل نہ ہو تو اس کی زیادت قبول نہیں کی جاسکتی (کتاب القراءة ص ۹۵) خیر یہ تو عام ثقات کی زیادت کا ذکر ہوا امام ذہریؒ کی روایت میں زیادت کا ضابطہ بھی سن لیجئے جو حضرت امام سلمؒ نے اپنے صحیح کے مقدمہ میں بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حضرات محدثین کرامؒ کا زیادت کے بارے میں مسلک یہ ہے کہ اگر چند ثقات اور حفاظ کسی حدیث کو بیان کریں پھر ان ہی ثقات میں کوئی ثقہ زیادت نقل کرے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے تو یہ زیادت قابل قبول ہوگی لیکن اگر کوئی راوی امام ذہریؒ جیسے امام سے جن کے بکثرت تلامذہ موجود ہیں اور حفاظ اور متقین بھی ہیں یا ہشام بن عروہؒ جیسے امام سے ان کی مروی حدیث میں کوئی ایسی زیادت نقل کرے جو ان کے تمام دیگر ثقات تلامذہ بیان نہیں کرتے اور ان کی یہ حدیث بھی اہل علم کے ہاں مشہور و معروف ہو اور زیادت نقل کرنے والا ان ثقات کے ساتھ شریک بھی نہ ہو۔ فقیر جائز قبول هذا الضرب من الناس (مقدمہ مسلم جلد ۱ ص ۵) تو اس قسم کے راویوں کی زیادت ہرگز جائز نہیں ہے کہ قبول کی جائے اندر یہ حالات امام ذہریؒ کی حدیث میں محمد بن اسحاقؒ، مکحولؒ اور نافعؒ وغیرہ کذاب و دجال ضعیف و کمزور مجہول و مستور مدلس اور لیس بالمتین وغیرہ کی زیادت کون قبول کرتا ہے؟ اس پوری تشریح کے بعد مزید کسی بحث کی ضرورت تو نہیں لیکن ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ مبارک پوری صاحب حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی روایت (زیادت لفظ خلف الامام) کی تصحیح اور تحسین کا یہ ثبوت پیش کرتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے امام حاکمؒ اور دارقطنیؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے اور اس میں کوئی طعن نہیں ہے لامطعن فیہ مولانا محمد عبد الحمیٰ صاحب لکھنویؒ لکھتے ہیں اس کی سند قوی ہے اس لیے یہ حدیث صحیح اور حسن ہے



و محصلہ ابکار المنن وغیرہ ص ۱۲۳) اگر اس سند کے راوی ثقہ ہوتے یا ان میں معمولی کلام اور جرح ہوتی یا اللہ جرح و تعدیل میں اکثریت نے ان کی توثیق کی ہوتی اور یہ اکابر اس سند کو صحیح، حسن، جید اور قوی کہتے تو سر اور آنکھوں پر ان کی بات حجت تھی مگر اس کو کیا کیا جاتے کہ کذاب و دجال قسم کے راوی اس میں موجود ہیں اور تصریح حضرات محدثین احکام و سنن میں ان کی روایت حجت ہی نہیں ہو سکتی اور اس سند کی کڑی میں مجہول و مستور اور ایسے بالمتین قسم کے اور راوی بھی ساتھ شریک ہو جائیں تو اس سند میں کیا قوت باقی رہ جاتی ہے؟ خصوصاً جب کہ تصحیح اور تحسین کرنے والے مقابل بھی ہوں۔

امام ترمذی کی تحسین: علامہ ذہبی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس مقام میں امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین کی ہے لیکن اچھا نہیں کیا (تذیب التذیب جلد ۹ ص ۱۲۱) اسی طرح ابو غالب کی حدیث کی امام ترمذی نے تصحیح کی ہے علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام نسائی اس کو ضعیف کہتے ہیں اور ابن حبان کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج ہی صحیح نہیں ہے (ایضاً جلد ۱ ص ۲۲۱) حافظ ابن العیثم لکھتے ہیں کہ کثیر بن عبد اللہ کی حدیث پر امام احمد نے قلم پھیر دیا تھا اور یہ فرماتے تھے کہ وہ محض ایسے ہے لیکن امام ترمذی کبھی اس کی حدیث کی تصحیح کرتے ہیں اور کبھی تحسین (زاد المعاد جلد ۱ ص ۱۹۳) مولانا شمس الحق صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں امام ترمذی کی تصحیح و تحسین پر کسی نے ان سے اتفاق نہیں کیا (تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۲۲۱) شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ محدثین امام ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے (فتح الملہم جلد ۲ ص ۴۳) آثار متبوعہ میں (جو ایک غیر مقلد عالم کی تالیف ہے) لکھا ہے کہ تصحیح و تحسین تو امام ترمذی اس میں متساہل ہیں (بکوالہ انصار لوقہ) مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ امام ترمذی کی تحسین پر کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ متساہل تھے (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۰۲ و ص ۲۰۳ و ص ۲۰۴ و ابکار المنن ص ۱۱۱ و ص ۲۳۶ اور یہ عبارت ابکار ص ۲۰۲ کی ہے) اور وہ مقام پر لکھتے ہیں کہ اگرچہ امام ترمذی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے لیکن ان کی تصحیح میں کلام ہے۔

(ابکار المنن ص ۵۴) امام ترمذی کی تصحیح قابل تنقید ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں (الخص ص ۲۲۱)

امام حاکم کی تصحیح: علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام حاکم مستدرک میں موضوع اور جعلی حدیثوں تک کی تصحیح کر جاتے ہیں (تذکرہ جلد ۳ ص ۲۳۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ امام حاکم ساقط الاعتبار حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں (میزان جلد ۳ ص ۱۵) شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ امام حاکم موضوع اور جعلی حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں (کتاب التوسل ص ۱۱) علامہ ابن دبیہ کہتے ہیں کہ امام حاکم



کثیر الغلط تھے ان کے قول سے گریز کرنا چاہیے (مقدمہ زمینی ص ۱۱) ثواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ تصحیح حاکم پیش علماء حدیث بدول شہادت دیگر ائمہ فن لیس بستی است (دلیل الطالب ص ۱۱) مبارکپوری صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح میں کلام ہے (ابکار ص ۱۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ امام حاکم کا تامل علماء فن کے نزدیک معروف و مشہور ہے (ایضاً ص ۲۲۶) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اسی طرح امام حاکم کی تصحیح بھی قابل تنقید ہے (ص ۱۲۲) امام دارقطنیؒ کی تصحیح کا بھی چنداں اعتبار نہیں ہے۔ وہ ایک ہی راوی کو کبھی ثقہ اور کبھی ضعیف کہہ دیتے ہیں جیسا کہ پہلے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اور محمد بن اسحاقؒ کے بارے میں تو امام دارقطنیؒ نے یہ فرمایا کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے پھر ان کی ایسی تصحیح کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ خصوصاً جب کہ جمہور ائمہ جرح و تعدیل دوسری طرف ہوں۔

امام خطابیؒ کا یہ فرمانا کہ اس حدیث کی سند جید ہے محل تعجب ہے، محمد بن اسحاقؒ پر اشد جرح موجود ہے محمول لیس بالمتین اور مدلس تھے، نافع مجہول دستور ہے، حدیث مضطرب ہے بقیہ خلف اللہام یہ حدیث موقوف ہے اور یہ زیادت درج ہے اتنی خرابیاں ہوتے ہوئے بھی اگر یہ حدیث جید ہے تو انکی تصحیح و تضعیف کے بارے میں شاید اصطلاح ہی کوئی الگ اور جدا گانہ ہوگی۔ بلکہ البتہ امام خطابیؒ کا یہ ارشاد مبینی بر النصات ہے کہ اس میں طعن نہیں ہے لہٰذا مطعن فیہ یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اس میں مطعن نہیں ہے کسی مطاعن میں بلکہ یہ گنجینہ مطاعن ہے جیسا کہ آپ تفصیلاً ملاحظہ کر چکے ہیں۔

مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی صاحب لکھنویؒ اپنے وقت کے بہتر عالم اور وسیع النظر فقیہ اور مفتی تھے لیکن نہ تو وہ ائمہ جرح و تعدیل میں تھے اور نہ بغیر کسی سند کے ان کا کوئی قول معتبر ہو سکتا ہے (دیکھئے مقدمہ زمینی ص ۱۱ وغیرہ) روایت کی جرح و تعدیل میں وہ تو صرف ہماری طرح کے ناقل ہیں۔ لہٰذا ان کا برا کا اس حدیث کو صحیح حسن جید اور قوی کشا کوئی معنی اور پوزیشن نہیں رکھتا اور نہ ان کے کہنے سے کذاب و جہال مجہول دستور راوی ثقہ ہو سکتے ہیں۔

امام بیہقیؒ نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے مگر ان کی یہ تصحیح بھی قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ سند کا حال آپ دیکھ ہی چکے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ قاعدہ جلیلہ میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ تعصب سے کام لیتے ہیں اور لبا اوقات ایسی روایتوں سے احتجاج کرتے ہیں کہ اگر ان کا کوئی مخالف ان سے



استدلال کرے تو اس کی تمام کمزوریاں ظاہر کئے بغیر ان کو چین نہ آئے (دیکھئے بغیۃ الملعی جلد ۲ ص ۸) امام بیہقیؒ ایک مقام پر صلوٰۃ وتر کے عدم وجوب پر عاصم بن ضمرہؒ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں (سنن البکری جلد ۲ ص ۸) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ عاصم بن ضمرہؒ لیس بالقوی (ایضاً جلد ۲ ص ۸) اور ایک سند کے متعلق جس میں جواب تمیمیؒ ہے لکھتے ہیں روایت کلمہ ثقات کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں (سنن البکری جلد ۲ ص ۸) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں جواب التیمیٰ عنہ قوی (جلد ۵ ص ۲۳۵) جواب تمیمیٰ قوی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں۔ امام بیہقیؒ اگرچہ محدث مشہور ہیں مگر ان کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا (ملفوظ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۳۲) بلاشبہ ان اکابرین کا امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کے علاوہ اپنے پیارے نبیؐ کی پیاری حدیثیں بھی امت تک پہنچائیں اور ساری عمریں اس خدمت میں صرف کر دیں لیکن تحقیق و تفحص کے میدان میں جب قدم آگے بڑھایا تو بسا اوقات کسی راوی اور حدیث کے متعلق ان کو نظریہ سامنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اپنی سابق رائے کو ترک کرنا پڑا اور کسی موقع پر مقتضائے بشریت فروری مسائل میں تعصب بھی کام لیا گیا ہے لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بغیر معصوم کون ہے؟ اور تحکیمی طور پر بغیر اس تنازع کے احادیث کی چھان بین بھی کہاں ہو سکتی تھی؟ باوجود اس جزوی اور فروری اختلاف کے ہمارے لیے وہ قابلِ صدا احترام ہیں جہاں انہوں نے سونے کی بوریاں کھائیں مٹھی خاک کی بھی ان میں ڈال دی مگر ہمارے پاس نیکیوں کا کون سا ذخیرہ ہے؟ اس لیے ہمیں اپنے گناہوں میں اضافہ کرنے کی غرض سے چٹن چٹن کر ان کی خطائیں اور لغزشیں ملانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

آنکھٹوال جواب :- آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ خلف الامم کی قید کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی یہ روایت نہ صرف یہ کہ انتہائی درجہ کی ضعیف کمزور اور معلول ہے بلکہ یہ الفاظ ہی مدرج ہیں اور یہ درج بھی لیس بالمتین قسم کے راویوں کی غلطی کا شاخسانہ ہے جو بہر حال مردود ہے اندریں حالات اس روایت کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کا ایسا مطلب اور معنی کیوں نہ کر لیا جائے جو قواعد عربی کے موافق ہو اور ایسا معنی مرویہ سے صحیح احادیث کے ساتھ تطبیق کی صورت بھی نکل آئے اور صحیح احادیث کی مخالفت لازم نہ آئے اور یہ بات زیادہ قرین انصاف ہے کہ واذا اقرافا فافتوا وغیرہ کی صحیح روایات کو اپنے مقابلے



اور کمزور قسم کی روایات میں مناسب تاویل کر لی جائے نہ یہ کہ کمزور اور معلول روایتوں کو اصل قرار دیا جائے اور صحیح احادیث میں بیجا تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے۔ خلف کا معنی مکانی بھی ہو سکتا ہے اور زمانی بھی خلف الامام کا ثانی معنی مد نظر رکھ کر مطلب یہ ہوگا کہ جس آدمی نے امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی بقیہ رکعات میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہ ہوگی اس لحاظ سے یہ روایت مسبوق کے حق میں ہوگی۔

فن حدیث سے تعلق رکھنے والے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ مختلف احادیث کی آپس میں تطبیق کے لیے بسا اوقات محض فرضی باتیں بھی اختیار کی جاتی ہیں اور یہ معنی تو روزمرہ کے معمولات اور مشاہدات میں ہے کہ امام کے فارغ ہونے کے بعد وہ مقتدی جو مسبوق ہوتا ہے اپنی بقیہ رکعات میں باقاعدہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے اور کون نمازی ایسا ہوگا جس کے ساتھ کبھی یہ صورت نہ پیش آئی ہو۔ رہا وہ مقتدی جو اول سے آخر تک حقیقۃً امام کے پیچھے کھڑا ہو یا علماً امام کے پیچھے ہو جیسے لاحق وغیرہ تو اس کا مسئلہ ہی الگ ہے اس کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی مطلقاً گنجائش نہیں جس کی پوری تفصیل جلد اول میں گذر چکی ہے۔

مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ یہ تاویل راوی حدیث حضرت عبادہ کے مسلک کے خلاف ہے اور خود حنفی مسلک میں فراغت امام کے بعد سورۃ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنے کا حکم ہے یہ تاویل نہیں بلکہ تحریف ہے (محصلہ ص ۱۲۴) الجواب ۱۔ یہ تاویل چونکہ دیگر صحیح روایات کے مطابق ہے اس لیے درست ہے روایت کے مقابلہ میں راوی کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور احناف سورۃ فاتحہ کے علاوہ مزید قرأت کے بھی فراغت کے بعد مسبوق کے لیے قائل ہیں مگر وہ مزید قرأت فصل بعداً۔ مانتیر اور صا زاد وغیرہ سے ثابت ہے اور ہم نے اس کا باقاعدہ (جلد ۱ ص ۱۰ طبع اول میں) حوالہ دیا ہے جس کو مولف مذکور بالکل مہضم کر گئے ہیں لہذا یہ بالکل مناسب تاویل ہے جس میں بچیں ہونے کی ضرورت نہیں

خلف الامام میں لفظ خلف مکان کے معنی میں مستعمل ہونا تو فریق ثانی کے نزدیک بھی مسلم ہے البتہ خلف ثانی محل غور ہو سکتا ہے ۱۔ اس کی چند مثالیں سن لیں۔ (۱) وَقَدْ خَلَّتِ التُّدْرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ (پ ۲۲ - حقائق - ۲) اور بے شک بہت سے ڈرنے والے حضرت ہود علیہ السلام کے آگے اور ان کے پیچھے گند چکے ہیں۔ یہاں مِنْ خَلْفِهِ میں خلف زمانی مراد ہے کیونکہ ڈرنے والے پوچھ کر حضرت ہود علیہ السلام کے پیچھے صف بندی کر کے کھڑے نہ تھے جیسا کہ ظاہر ہے بلکہ وہ ڈرنے والے، رسول اور نبی مراد ہیں جو ان کے زمانہ کے بعد دنیا میں آئے (۲) یتامی کے اسوال میں بے اعتدالی کرنے والوں کو



اللہ تعالیٰ اپنا شاہی حکم سناتا ہے لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَةً ضَعِيفًا آيَةُ رَبِّكَ النَّارُ ۝۱۰  
یعنی اگر وہ لوگ اپنے پیچھے کمزور اور ضعیف اولاد چھوڑ جاتے اور خود راہی ملک بچا ہو جاتے تو ان کو اپنی  
اولاد کی ضرورت فکّر ہوتی اسی طرح دوسروں کے یتیموں کا خیال بھی کرنا چاہیے اس مقام میں بھی من خلفہم  
سے خلف زمانی مراد ہے کیونکہ اولاد اپنے والدین کی وفات کے بعد دنیا میں اپنے بچے برسے دن پورے  
کر کے اپنی زندگی کا زمانہ گزرتی ہے نہ یہ کہ جس مقام پر والدین ہوتے ہیں وہاں ان کے پیچھے لام بندی کر کے  
صف آراء ہوتی ہے اسی طرح حضرات شہداء کرام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ  
اور وہ شہداء غوش وقت ہوتے ہیں ان کے بارے  
مِنْ خَلْفِهِمْ رِپ۔ ال عمران ۱۶۰  
میں جو ان کے پیچھے ہیں اور ابھی ان سے نہیں ملے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھوٹے چھوٹے لشکروں میں جہاد کے لیے شریک نہ ہونے  
کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں لَوْ أَنَّ اشْقَىٰ عَلَىٰ امْتٍ مَا قَعَدَتْ خَلْفَ سَرِيَةٍ وَلَوْ دُونَ اِلَىٰ اِقْتُلَ  
فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الْحَدِيثُ رِجَازِي جِلْد ۱ ص ۱۰۸ (غیر) اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ میرے شریک ہونے  
کی وجہ سے امت بھی ضرور شریک ہوگی اور مشقت میں مبتلا ہوگی تو میں کسی چھوٹے لشکر کے پیچھے بھی نہ  
رہتا اور میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہادت پاؤں۔ واضح امر ہے کہ آنحضرت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجاہدین کے لشکروں کو روانہ کر کے جتنا زمانہ وہ جہاد میں مشغول رہتے تھے۔ آپ  
مدینہ طیبہ میں وہ زمانہ گزارتے تھے نہ یہ کہ آگے مجاہد کھڑے ہوتے تھے اور پیچھے آپ کھڑے ہوتے تھے۔  
یہاں بھی خلف زمانی ہے نہ کہ مکانی۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔  
وَتَسْبَحُونَ وَتُحْمَدُونَ وَتُكَبَّرُونَ وَتُخَلَّفُ كُلُّ  
تم ہر (فرضی) نماز سے فارغ ہو کر (۲۲ مرتبہ)  
سبحان اللہ اور (۳۴ مرتبہ) الحمد للہ اور (۲۴ بار)  
واللہ اکبر کہنا کر دو۔  
وَالْبُحْرَانُ جِلْد ۲ ص ۲۹۹

اس روایت میں بھی خلف زمانی ہے کیونکہ سبحان اللہ وغیرہ کلمات نماز سے فارغ ہونے  
کے بعد پڑھنے کا حکم ہے یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ بحالت نماز اہم کے پیچھے یہ کلمات پڑھنے کی  
اجازت ہے۔ حافظ ابن حجر اس کا معنی یوں کرتے ہیں يُقَالُ عِنْدَ الْفَرَغِ مِنَ الصَّلَاةِ رَفَعَ الْبَارِي ص ۲۹۹



یہ کلمات نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنے چاہئیں اور نواب صاحب لکھتے ہیں: مراد خلف میں  
 جاؤ بر صلاۃ است عقب خروج ازاں (دلیل الطالب ص ۲۲۲) (۵) صراح ص ۲۴۱ میں لکھا ہے خلف  
 قرآن بعد قرآن یعنی ایک زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ (۶) امام ابن جریر طبری ما بینہا وما خلفہا  
 کا معنی کرتے ہیں لما قبلہا وما بعدہا من الامم (تفسیر ابن جریر جلد ۱ ص ۲۶۵)  
 یعنی جو قومیں زمانہ کے لحاظ سے پہلے گذر چکیں اور جو بعد کو آئیں گی و علیٰ ہذا القیاس قاضی بیضاوی۔  
 امام سیوطی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی (المتون ص ۱۲۳۹) وغیرہ حضرات مفسرین کرام اس آیت میں خلف  
 سے خلف زمانی مراد لیتے ہیں یعنی بعد کو آنے والی قومیں (دیکھئے بیضاوی ص ۸۱، جلالین ص ۱۷۸ اور عزیزی  
 جلد ۱ ص ۱۶۸ وغیرہ) اور مشہور تابعی ابو العالیہ الریاضی بھی خلف زمانی ہی مراد لیتے ہیں (بخاری ص ۶۲۳)  
 اسی طرح مشہور حدیث کما ہلک بنی خلفہ بنی الحدیث (بخاری جلد ۱ ص ۴۹) اور حدیث  
 من کل خلف عدولہ الحدیث (مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۶) وغیرہ میں خلف زمانی کا معنی ہی متعین  
 ہے علاوہ بریں سلف و خلف کا جملہ کس سے مخفی ہے؟ یعنی جو لوگ زمانہ کے لحاظ سے پہلے ہوئے۔ وہ  
 سلف اور جو بعد کو آئے وہ خلف۔ نواب صاحب قاضی شوکانی کو فخر خلف و بقیہ سلف لکھتے ہیں۔  
 (تقصیر ص ۸۲) اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ اور اس قسم کی دیگر مثالیں دیکھ کر یہ قوی و ہم پیدا ہو  
 جاتا ہے کہ خلف کا زیادہ تر استعمال خلف زمانی کے معنی میں ہوتا رہا اور ہوتا ہے اس لیے فریق ثانی  
 کا اس حدیث میں لفظ خلف کے خلف مکانی کے معنی میں ہی متعین ہونے پر ضد اور اصرار کرنا اس ضد سے کس طرح  
 بھی کم نہیں ہے جو وہ اس معقول حدیث کے صحیح اور قابل احتجاج ہونے پر کر رہا ہے۔  
 نواب جواب دہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں کہ۔

فان قبل حدیث عبادۃ لا تفعلوا الا بام  
 القرآن فانہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بہا  
 صریح فی الزام الفاتحۃ علی المؤمنین قلنا  
 نعم ہوا صرح الروایات التي ذکرتم  
 لکن دلالتہ علی ماہو مطلوبکم غیر  
 مسلم لان الاصل دل علی الزام ان کان بقولہ لا تفعلوا الا بام  
 اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عبادۃ کی حدیث کہ تم ام القرآن  
 کے سوا کچھ اور نہ پڑھو اس لیے کہ جس نے سورۃ فاتحہ  
 پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی اس بات میں صریح ہے کہ  
 مقتدی پر سورۃ فاتحہ لازم ہے تو ہم جواب میں کہیں گے  
 کہ ہاں تمہاری پیش کردہ روایات میں سے یہ صریح  
 ممکن تھا کہ مطلوب پر اس کی دلالت مسلم نہیں



القرآن فهو غير تام لما تقر في مقده ان  
الاستثناء عن النهي لا يدل اذ على خروج  
المستثنى عن جواز المنهي لا على الزامه و  
ركنيته او وجوبه وان كان بقوله فانه  
لا صلوة الا فهو لا يدل على الركنية  
كنظائره من الاحاديث السابقة

(امام الكلام ص ۲۲۲)

کیونکہ اگر لازم ہونے پر استدلال لا تفعلوا الا بام القرآن  
سے ہے تو یہ تمام نہیں کیونکہ اپنی جگہ یہ بات ثابت شدہ  
ہے کہ نہی سے استثناء صرف مستثنیٰ کے نہی کے ختم سے  
نکلنے پر دلالت کرتی ہے لازم اور رکن ہونے یا وجوب  
پر دلالت نہیں کرتی اور اگر یہ استدلال لا صلوة الا  
سے ہے تو بھی یہ کیفیت پر دال نہیں جیسا کہ پہلے بیان  
کی ہوئی اس کی نظائر سے ثابت نہیں ہے۔

یعنی فریق ثانی مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا لازم رکن اور ضروری قرار دینا ہے جیسی تو مقتدی کے سورہ  
فاتحہ کے نہ پڑھنے کی صورت میں اس کی نماز کو وہ باطل۔ بیکار اور کالعدم ٹھہراتا ہے لیکن عربی اور گمرک کے  
لحاظ سے ان کا مطلب اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اس لیے کہ نہی کے بعد اگر  
استثناء آئے تو اس سے صحت اباحت ثابت ہو سکتی ہے اور ظاہر امر ہے کہ ترک مباح کی وجہ سے کسی  
طرح بھی نماز کا بطلان اور فساد لازم نہیں آتا لہذا اس روایت سے نہ تو روایت فریق مخالف کا بے بنیاد  
دعویٰ ثابت ہوتا ہے اور نہ روایت اور بچہ اللہ تعالیٰ ہم نے بھی اس کے اس غلو کو توڑنے کے لیے یہ کتاب  
لکھی ہے ورنہ ایک اختلافی مسئلہ کے سلسلہ میں اتنی کاوش کی ضرورت نہ تھی۔

یہ ہے خلف الامم کی حدیث کا پس منظر جس کے بل بوتے پر فریق ثانی کی طرف سے تمام ردائے زمین  
کے علماء احناف کو کھٹلا اور انعامی چیلنج کیا جا رہا ہے، اگر فریق ثانی گستاخی نہ سمجھے تو ایک جائز قسم کا دردِ عرض  
کرتا ہوں وہ اس کو پڑھا کرے (اور وہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیعہ اللہ تعالیٰ کے خالص مشرکانہ ورد  
سے کوئی تعلق نہیں رکھتا) وہ دردِ شریف یہ ہے کہ

اے میرے بارِ آرزو کیسا ہے بارِ غلطے تو

کلیاں تو گویا چار سو کوئی کھلی نہیں

چوتھی روایت :- امام بیہقی نے اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ محمد بن ابی عاصمہ آنحضرت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-



لعلکم لتقارون والامام یقرأ قالوا انت  
لنفعل قال فلا تفعلوا الا ان یقرأ احکم  
بفتحة الکتاب۔

(سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۸۸)

شاید تم اس وقت قرأت کیا کرتے ہو جس وقت ام  
قرآن کر رہا ہوتا ہے، حضرات صحابہ کرام نے فرمایا ہاں ہم  
قرأت کیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ تم قرأت نہ کیا کرو ہاں  
مگر یہ کہ سورۃ فاتحہ کی قرأت کر لیا کرو۔

اہم یہ بھی فرماتے ہیں هذا السناد جید کہ اس کی سند جید کھری اور عمدہ ہے

**الجواب ۱۔** نہ معظم اہم یہ بھی نے کس طرح اس مذکور حدیث کو دیا ہے کیونکہ اسی سند میں ابراہیم بن ابی الیث ہے صلح جزرہ  
کہتے ہیں کہ بیس سال تک وہ جھوٹ کہتا رہا ہے ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور احمق تھا ساجی  
اس کو متروک کہتے ہیں ابن معین نے بعد کو اسے کذاب اور ضعیف کہا ہے سب سے پہلے اس کے جھوٹ  
کی حقیقت دوری نے واضح کی تھی یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے پہلے اس سے روایتیں لکھی  
تھیں مگر بعد کو سب نے اسے ترک کر دیا تھا اس میں اتنی جرات بڑھ گئی تھی کہ وہ جعلی اور موضوع حدیثیں  
بھی بیان کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ اہم نسائی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے، ابن سعد کہتے ہیں کہ  
حدیث میں وہ ضعیف سمجھا جاتا ہے (لسان المیزان جلد ۱ ص ۹۲) علامہ خطیب کہتے ہیں کہ ابن معین نے  
پہلے اس کی توثیق کی تھی لیکن بعد کو جب تحقیق کر لی تو اس کی انتہائی مذمت کی حتیٰ کہ اسے کذاب اور ضعیف  
کہا اور فرمایا خدا تعالیٰ اس کا ستیاناس کرے حدیث میں جھوٹ بولتا ہے۔ اہم احمد بن حنبل اور علی بن المدینی پر  
ابتداءً اس کا معاملہ مشکل رہا لیکن بعد کو اس کا جھوٹ واضح ہو گیا اور انہوں نے اس کی روایت کو ترک کر دیا۔  
(بغدادی جلد ۶ ص ۹۲ تا ۹۶ مطلقاً) یہ ہے اہم یہ بھی کی اسناد جیدہ مختلف خیر الکلام یہ جواب دیتے ہیں کہ کثرت شواہد  
کی بنا پر سند کو حید کہا ہے (ص ۲۴) الجواب ۲۔ اگر اصل روایت میں معمولی ضعف ہوتا تو کثرت شواہد کی بات درست  
تھی مگر یہاں تو کذاب، ضعیف اور رافضی ہے اس کو سارا دھینے کا کیا معنی ہے؟ یہ روایت جزا القراءۃ ص ۵  
و کتاب القراءۃ ص ۵، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۹، مستدرک احمد ص ۲۳۶ و جلد ۵ ص ۱۲۹ و غیرہ میں مذکور ہے اور انکی  
اسانید میں ابراہیم بن ابی الیث نہیں لیکن ان تمام میں عن ابی قلابۃ عن الیث ہے۔ اور تمام کی اسانید  
لے مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اس روایت کا مدر سفیان ثوری پر ہے ان سے بہت سے ثقات روایت کرتے ہیں اور  
شعبہ سفیان کے متابع ہیں اور پھر اہم یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (محصلہ ص ۲۴) الجواب ۳۔ معضل گندچکا  
ہے کہ اہم سفیان ثوری قرآن خلف الامام کے قائل نہ تھے اگر یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو اس کے خلاف کبھی ذکر کرتے  
ہاں حاشیہ ص ۱۲ پر



میں رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ابو قتادہؓ گر تو تھے مگر غضب کے مدلس تھے علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ مدلس عن من لحقہم وعن من لم یلحقہم (میزان ص ۲۹) ابو قتادہؓ کی جن سے ملاقات ہوئی ہے ان سے بھی اور جن سے نہیں ہوئی ان سے بھی سبکے تدلیس کرتے ہیں اور مبارکپوری صاحب کے حوالہ سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ نہ تو مدلس کا محضہ مقبول ہے اور نہ اس کی کوئی روایت اتصال پر عمل کی جا سکتی ہے، مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ابو قتادہؓ پہلے طبقہ کے مدلس ہیں اور محدثین نے ان کی تدلیس کو برداشت کیا ہے (محضہ ص ۲۶۴) مگر مؤلف مذکور نے بالکل غور نہیں کیا ابو قتادہؓ جب عن لہ یلحقہم سے بھی تدلیس کرتے ہیں تو پھر کسی طبقہ میں بھی ہوں کیونکہ وہ قابل برداشت ہوں گے؟ اس صریح عبارت کو بھی دیکھیں نرا طبقہ ہی نہ دیکھیں امام نوویؒ حضرت امام شعبہؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ زنا تدلیس سے ہلکا گناہ ہے (الزنا اھون من التدلیس شرح مسلم ص ۱۶۳) اور مبارکپوری صاحب امام شعبہؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ تدلیس حرام ہے اور مدلس ماقط العداۃ ہے (تحتہ الاحوزی ص ۱۸) مگر صحیحین میں مدلس ہوں یا قتادہؓ ائیشؓ اور ابو الزبیرؓ محمد بن مسلمؓ وغیرہ کی تدلیس ہو تو وہ قطعاً مفر نہیں ہے کما مرفوضاً۔ علاوہ یہیں رجل من اصحابہ کے بارے میں خود امام بیہقیؒ وغیرہ کے نزدیک کلام ہے۔ امام بیہقیؒ رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرسل کہتے ہیں (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۸۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: حمید بن عبد الرحمنؒ نے جو یہ کہنا ہے لقیت رجلاً صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے ملا۔ اس نے صحابی کا نام نہیں بتایا اس لیے یہ روایت مرسل ہوگی۔ (جلد ۱ ص ۸۱) ایک حدیث اس مضمون کی آتی ہے کہ قبیلہ بنی عبد الاشمل کی ایک عورت کہتی ہے کہ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ مسئلہ دریافت کیا الا امام خطابیؒ لکھتے ہیں کہ یہ عورت مجہول ہے (معادہ السنن جلد ۱ ص ۱۱۹) علامہ ابن حزمؒ رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے (محلّی ص ۳۱۶ ر ص ۳۳۸) (۱۲) کا بقیہ حاشیہ) اور جن دیگر ثقات کا حوالہ دیل ہے ان کی اسانید و کار ہیں جو اول سے آخر تک صحیح ہوں امام شعبہؒ کے طریق سے جو روایت امام بیہقیؒ نے نقل کر کے اس کی تصحیح کی ہے اس میں وہی خرابی ہے کیونکہ حضرت انسؓ کے طریق کو وہ خود غیر محفوظ کہتے ہیں اور ابو قتادہؓ کی روایت مرسل ہے اور مرسل کو وہ صحیح نہیں مانتے پھر وہ کیونکر صحیح ہے۔



اور اسی کے قریب، مسک الختم جلد ۱ ص ۲۴ میں ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تک صحابی کا نام نہ بتایا جائے گا روایت صحیح نہ ہوگی چنانچہ امام حاکم، امام نووی، حافظ ابن حجر اور علامہ جزائری صحیح حدیث کی تعریف یوں کرتے ہیں (واللفظ لا یصح)

وصفة الحديث الصحيح ان يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم صحابي زاتل عنه اسما له (معرفت علوم الحديث) صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسا صحابی روایت کرے جس سے جنالت کا اسم دور ہو (یعنی قبول نہ ہو) ص ۲۴ مقدمہ مسلم مباحث نجیہ الفکر ص ۱۰۳ توجیہ النظر ص ۱۸

علامہ عراقی اور محقق جزائری اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافق بھی ہوتے تھے اور مرتد بھی جب تک راوی صحابی کا نام نہ بیان کرے اور اس کا صحابی ہونا نہ معلوم ہو جائے تو اس کی روایت قابل قبول نہ ہوگی خواہ وہ راوی عن رجل من الصحابة کے یا حدیثی من سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (التنقیذ والایضاح ص ۱۲۵) توجیہ النظر ص ۱۶۶) امام سیوطی ایک وجہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ بسا اوقات صحابی کو تابعی اور تابعی کو صحابی سمجھ لینے کی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ امام محمد بن ریح نے عبد الرحمن بن عثم کو صحابی سمجھ لیا ہے لیکن علی الاصح (صحیح ترین قول یہ ہے کہ) یہ صحابی نہ تھے (تدریب الراوی ص ۲۲۳) اس لیے نام کی ضرورت سمجھی گئی کہ اگر واقعی وہ صحابی ہیں تو الصحابة کلمہ عدول کے قاعدہ کے تحت داخل ہوں گے اور اگر وہ دوسری شق میں داخل ہیں تو اختلاط اور اشتباہ سے نجات مل جائے گی اور علامہ صیرفی نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ جب تابعی ایسے ہی رجل من الصحابة سے عنہ کرے تو وہ روایت کسی صورت میں قابل قبول نہ ہوگی (تدریب الراوی ص ۲۶ والایضاح ص ۵۸)

۱۔ اور جو حضرات اس صورت کو صحیح سمجھتے ہیں وہ شرط لگاتے ہیں چنانچہ خیر الکلام نے بحوالہ تدریب الراوی ص ۲۶ لکھا ہے کہ اور جہاں صحابی کا نام مذکور نہ ہو تو وہاں صحیح مذہب یہی ہے کہ اگر سند کا پہلا حصہ صحیح ہو تو حدیث صحیح ہوتی ہے الخ ص ۲۴۸ مگر امام بیہقی جس مذہب کے ہیں اس کا حال آپ دیکھ چکے ہیں اور دوسری اسانید بھی کلام سے خالی نہیں ہیں۔



بہر کیفیت امام بیہقی وغیرہ کے قاعدہ کے رد سے فی نفسہ یہ روایت قابل نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو لے کر تمام دنیا کو کھلا اور انعامی چیلنج کیا جائے فریق ثانی کو اس معنی کے لیے صحیح روایت تلاش کرنی چاہیے امام بیہقیؒ لکھتے ہیں ہذا السناد صحیح لیکن ابو قتادہؓ کی تدلیس کے علاوہ بھی عن رجل من اصحاب الخ کی سند کو خود امام بیہقیؒ مرسل کہتے ہیں اور پہلے امام بیہقیؒ ہی کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ مرسل ضعیف ہوتی ہے پھر ان کے ہاں اس کی سند کیسے صحیح ہوئی؟ مرسل کو حجت ماننے والے یہ چاہتے ہیں کہ امام بیہقیؒ وغیرہ اپنے قائم کردہ اصول کی پابندی کریں یہ تھوڑا قاعدہ ہے علاوہ بریں ان ان یقرأ احدکم الا کے الفاظ صرف اجازت کا پہلو ظاہر کرتے ہیں اور فریق ثانی کا دعویٰ اس سے بہت اونچا ہے وہ تو ترک قرأت سورہ فاتحہ کی بنا پر نماز کے ناقص، بیکار یا بطل بلکہ کالعدم ہونے کا قائل ہے اور خاص طور پر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فلا تفعلوا ان ان یقرأ احدکم بفتح ال کتاب فی نفسہ (ہذا القراءة ۱۵) تم امام کے پیچھے قرآن نہ کیا کرو الا یہ کہ جب تم میں کوئی تنہا اور اکیلا ہو تو سورہ فاتحہ پڑھا کر سے فی نفسہ کا معنی اکیلا بھی ہو سکتا ہے جس کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے اور اگر انصاف سے کام لیا جائے تو سورہ فاتحہ کی قرأت کو منفرود سے مقتدر کرنا چاہیے اس لیے کہ جملہ روایات میں اس کا ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ فرمایا تم نے میرے پیچھے قرأت کی ہے؟ جب جواب ملا کہ ہاں تو آپؐ فرمایا جی تو میں نے کہا کہ میرے ساتھ مخالفت منازعت اور ہاتھ پائی ہوتی رہی ہے تم ایسا نہ کرو سوال یہ ہے کہ اپنے مقتدیوں کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ فریق ثانی کے خیال کے مطابق حکم بھی دیا تو یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ جو چیز آپؐ کی تشویش اور منازعت کا سبب بنی اور آپؐ نے تحقیق حال کے لیے حضرات صحابہؓ سے دریافت بھی کیا اور ان کی اس حرکت کو ناپسند کرتے ہوئے ناراضگی کا اظہار بھی کیا اور پھر اسی چیز کا حکم بھی دے دیا؟ فریق ثانی ہی ازراہ انصاف فرمائے کہ بات کیا ہے؟ اور پہلی جلد میں اس کی پوری صراحت گزر چکی ہے کہ موجب منازعت اور مخالفت نفس قرأت تھتی جو سورہ فاتحہ وغیرہ سب کو شامل ہے اور یہ قرأت بھی آہستہ کی گئی تھی مگر باوجود اس کے آپؐ نے

لے مولف غیر الکلام لکھتے ہیں کہ فاتحہ رکن ہے اور ہر نمازی کو یاد ہوتی ہے باقی قرآن اصح مذہب پر نہ رکن نہ واجب (مجلد ۱)

(۲۸۱) الجواب: سب کے نزدیک فاتحہ رکن نہیں بلکہ بعض کے نزدیک نفس قرأت رکن ہے اور سب نمازیوں (بقیہ حاشیہ ص ۲۸۱ پر)



اس کو پسند نہ کیا فریق ثانی کے نزدیک مطلب یہ ہوگا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے قرأت کو ناپسند بھی کیا اور پسند بھی کیا اس سے منع بھی کیا اور اس کا حکم بھی دیا قرأت سے مخالفت اور منازعت ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی ہوتی اس سے نہی بھی ہے اور استثناء بھی ہے حاشا وکلا رسول اور نبی کی شان اس سے بہت اونچی ہے کہ بیک وقت وہ دو متضاد حکم دیں۔ قصہ یہ ہے کہ آپ نے نمازیوں کو مطلقاً قرأت قرآن کرنے سے منع کیا ہے اور تنہائی اور حالت انفراد میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے الا ان یقرأ احدکم بفاتحة الكتاب فی نفسه اور چونکہ دیگر صحیح روایات میں فصاعداً ما تیسرا اور ما زاد کی زیادت بھی مروی ہے اس لیے منفرد کے لیے سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ زیادہ بھی پڑھنے کا حکم ہے اور امام کو بین بین نہیں چھوڑا گیا جیسا کہ مولف خیر الکلام نے ص ۲۸ میں کہا ہے بلکہ دیگر صحیح روایات میں امام کا فریضہ قرأت بتایا ہے اذا قرا الحدیث اور قراۃ الامام الحدیث۔ یہی وہ مطلب اور معنی ہے جس سے فشافعی خداوندی اور رسول مجید آسکتی ہے اور قرآن کریم صحیح احادیث، آثار حضرات صحابہ کرام اور جمہور سلف و خلف کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی اور یہی صحیح ہے ولیس وراء عباد ان قریبہ

ترے رندوں پر سارے کھل گئے اسرار و ساقی

ہو علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین ساقی

پانچویں روایت: مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو ایک نماز پڑھانی جب نماز سے فارغ ہوئے اور معتزلوں کی طرف اپنا رخ مبارک پھیرا تو ارشاد فرمایا۔

اتقوا ان فی صلاتکم والامام یقرأ فیکونوا فقالوا ثلاث مرات فقال قائل او قائلون ہو گئے آپ نے تین مرتبہ یہی سوال کیا ایک نے یا کئی آدمیوں نے

بقیہ حاشیہ ۱۲۵ عا

کو سورہ اخلاص وغیرہ کوئی اور سورت بھی اکثر یاد ہوتی ہے اور نماز اور صلی الفاتحہ کے وجوب کے دلائل بھی گزر چکے ہیں اس لیے فاتحہ کی تخصیص کی یہ وجہ قابل قبول نہیں ہے، منازعت اور قرأت کی فرضی تقسیم اور پھر فاتحہ کو مناعت سے مستثنیٰ کرنا جیسا کہ مولف مذکور نے کیا ہے محض طفلانہ ہے۔



انا لنفعل قال فلا تفعلوا وليقوا احدكم  
 بفتحة الكتاب في نفسه رجزاً القراءة ص ۵  
 كتاب القراءة ص ۴ سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۶۶  
 دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۹ وغیرہ)

مبارکپوری صاحب کہتے ہیں کہ علامہ شمیمی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں روایت  
 ثقات (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱) اس لیے یہ روایت بالکل صحیح ہے (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۰ وغیرہ)  
 جواب ۱۔ اگر محض بلا دلیل کہنے سے روایت صحیح ہو سکتی ہے تو یہ صحیح ہوگی ورنہ اس کی صحت  
 پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ روایت بھی ضعیف ہے، اولاً اس میں ابو قتادہؓ غضب کا مدلس ہے  
 اور عنعنہ سے روایت کرتا ہے اور مدلس کا عنعنہ مقبول نہیں ہوتا۔ وثانیاً اس کی سند  
 میں اضطراب ہے بعض طرق میں عن ابی قتادہؓ عن انسؓ رجزاً القراءة ص ۵، کتاب  
 القراءة ص ۴ دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۹ اور بعض طرق میں عن ابی قتادہؓ عن النبی صلی اللہ علیہ  
 وسلم ہے رجزاً القراءة ص ۵، کتاب القراءة ص ۴ و بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۶۶ اور بعض طرق میں  
 عن ابی قتادہؓ عن محمد بن ابی عاصم عن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم ہے (دارقطنی ص ۱۲۹، بیہقی جلد ۲ ص ۱۶۶ تلخیص الحبیر ص ۸۷) اور بعض طرق میں عن ابی  
 ہریرہؓ ہے (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۹) اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حدیث مضطرب فرق ثانی کے  
 نزدیک بھی ضعیف ہوتی ہے اور اس میں شدید اختلاف ہے پھر یہ کیسے قابل استدلال ہو سکتی ہے؟  
 وثالثاً اس کے متن میں بھی اضطراب ہے بعض طرق میں یہ روایت فلا تفعلوا پر ختم ہو جاتی ہے  
 اور اس میں جملہ استثنائیہ موجود نہیں ہے۔ (کتاب القراءة ص ۴ و البحر النقی جلد ۲ ص ۱۶۷) اور بعض طرق  
 میں یہ جملہ استثنائیہ بھی موجود ہے (کتاب القراءة ص ۴ و بیہقی جلد ۲ ص ۱۶۶ و طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۸ وغیرہ)  
 اور ایک روایت میں صرف لیقرأ بفتحة الكتاب کا ذکر ہے (جزء القراءة ص ۵) امام بیہقی نے  
 یوسف بن عدیٰ پر یہ الزام لگایا ہے کہ یہ جملہ نہ ذکر کرنے کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے لیکن  
 وہ تو ثقہ تھے، ابو زرہؓ ان کو ثقہ کہتے ہیں مسلمہ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے  
 ہیں و تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۱۸ اس لیے یہ الزام کسی اور راوی پر ہونا چاہیے کیوں نہ ہو کہ یہ الزام



عبد اللہ بن عمرو الرقی پر عائد کر دیا جائے علامہ ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ صاحب خطا تھے (تہذیب  
جلد ۲ ص ۲۲) حافظ ابن حجر ان کو صاحب وہم کہتے ہیں (تقریب ص ۲۵۳) اور امام بیہقی اسی روایت  
میں ان کا وہم بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی طرف اس روایت کی نسبت محفوظ نہیں  
ہے۔ اور اس میں عبد اللہ کا وہم ہے (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۲۹) مولف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ مگر کتاب  
القرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے رجوع کر چکے ہیں (ص ۲۴۵) محض بلا دلیل دعویٰ اور سینہ  
زوری ہے صاحب تعلیق المعنی جلد ۱ ص ۱۲ میں اس کو نقل کرتے ہیں اور امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ  
طریق محفوظ نہیں ہے بلکہ یہ (وہم) وہم ہے (کتاب العلل جلد ۱ ص ۱۵) مبارکپوری صاحب  
بحوالہ حافظ ابن حجر ابن حبان سے یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ اور محمد بن ابی عاصمؓ دونوں کے طریق  
محفوظ ہیں لیکن یہ مبارکپوری صاحب کی کھلی غلطی ہے۔ حافظ ابن حجر نے تو یہ لکھا ہے وزعم ابن  
حبان ان الطریقین محفوظان الا (تخصیص الجید ص ۸) ابن حبان کا یہ زعم ہے کہ یہ دونوں طریق  
محفوظ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے درحقیقت لفظ زعم بول کر ابن حبان کی تردید کر دی ہے، اور امام  
بیہقی نے بھی اس کی تردید کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ وقد قيل عن ابی قلابة عن انس بن  
مالک وليس به محفوظ انتهى (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۶) اور خود مولف مذکور لکھتے ہیں کہ  
اہم بیہقی نے اگرچہ انسؓ کے طریق کو ایک جگہ غیر محفوظ قرار دیا ہے مگر کتاب القرأت سے معلوم ہوتا  
ہے کہ ان کے ہاں یہ طریق بھی محفوظ ہے (ص ۲۴۳) مگر کتاب القرأة سے ان کا یہ بے بنیاد دعویٰ  
ہرگز ثابت نہیں ہوتا لفظ زعم اگرچہ حق و باطل دونوں کے لیے آتا ہے مگر یہاں اس کے باطل  
ہونے کا قرینہ موجود ہے لیس بہ محفوظ وغیرہ والفاظی نفسہ کا معنی پہلے بیان ہو چکا ہے  
اس روایت کو صحیح تسلیم کر کے وہ مطلب بھی مراد ہو سکتی ہے وخامساً جلد اول میں ابنہ صحیح حضرت  
انسؓ سے مرفوع روایت عرض کی جا چکی ہے کہ واذا قرأ فانصتوا جب امام قرأة کرے تو تم تمام  
مقتدی اس کے پیچھے خاموش رہو۔ رہا علامہ بیہقی کا رواۃ ثقات کہنا تو اپنے موقع پر صحیح ہے  
عبد اللہ بن عمرو ثقہ ہے مگر صاحب خطا اور وہم ہے اور ابو قلابة ثقہ ہے مگر غضب کا  
بدل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا خود مبارکپوری صاحب جواب دے گئے ہیں چنانچہ انہیں  
کا خود نوشت جواب ملاحظہ ہو ایک مقام پر لکھتے ہیں واما قول الہثمی رجالہ ثقات الوفا بیدل



علیٰ صحیحہ الحدیث (البکار الممنون ص ۲۴۷) علامہ بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس سند کے جملہ راوی ثقہ ہیں۔  
اس سے حدیث کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی یہ روایت بھی جمہور امت کی نمازوں کو ناقص، بیکار،  
باطل اور کالعدم قرار دینے کی اہمیت نہیں رکھتی۔

پچھٹی روایت :- امام بیہقی اپنی سند سے حضرت ابو قتادہؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال :  
التقروا خلقی قالوا نعم قال فلا تفعلوا  
کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میرے  
بچھے قرأت کرتے ہو حضرات صحابہؓ نے کہا ہاں فرمایا  
الایفاۃ الکتاب (سنن الکبریٰ ص ۳۶) سورہ فاتحہ کے بغیر اور کچھ بھی نہ پڑھا کرو

جواب :- یہ روایت بھی احتجاج کے قابل نہیں ہے اولاً اس لیے کہ سند میں مالک بن یحییٰ  
ہے ابن حبانؒ ان میں کلام کرتے ہیں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں نظر اور کلام ہے عقیلیؒ  
اور ابن حبانؒ اس کو ضعیف نہیں سمجھتے ہیں اور اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں نیز ثانی الذکر کہتے ہیں کہ اس سے  
احتجاج جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ثقہات سے ایسی روایتیں بیان کرتا ہے جن کی کوئی بھی اصیبت  
نہیں ہوتی ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں (لسان المیزان جلد ۵ ص ۶) علامہ ابن  
خلدونؒ لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی اصطلاح ہے کہ جب وہ کسی راوی کے بارے میں قبیہ نظر کہتے  
ہیں تو وہ انتہائی درجہ کا کمزور اور ضعیف ہوتا ہے (مقدمہ ص ۳۱۸) وثانیاً سلیمان بنیٰ حدیث کے  
لفظ سے روایت کرتے ہیں اور کتاب القراءة ص ۵۳ میں بھی حدیث سے یہ روایت ہے نہ معلوم  
یہ بیان کرتے والا کون اور کیسا تھا؟ غاوی تھا یا فاسق؟ ثقہ تھا یا ضعیف؟ امام حاکمؒ منکر حدیث کی شرط  
لکھتے ہیں۔ ان لا یكون فی اسنادہ اُخبریت عن فلان ولا حدیث عن فلان (معرفة علوم  
الحدیث ص ۶) کہ اس میں اُخبریت اور حدیث عن فلان (کہ مجھ کو خبر دی گئی اور مجھ سے بیان کیا  
گیا) نہ ہو۔ وثالثاً خود امام بیہقیؒ اس کو مرسل کہتے ہیں (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۶) اور حدیث مرسل ان کے  
نزدیک ضعیف ہوتی ہے کما مکرر امام بیہقیؒ نے اس کی کڑی لڑی جوڑنے کی کوشش کی ہے عن یحییٰ بن  
ابی کثیر عن عبد اللہ بن ابی قتادہؓ الخ والیض لکین ایک تو حسب تصریح علامہ عقیلیؒ اور ابن حبانؒ  
وغیرہ یحییٰؒ مدلس تھے (دیکھئے تہذیب جلد ۱ ص ۲۶۹) اور یہاں عن غنہ سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے  
اس روایت کا دار و مدار بھی مالک بن یحییٰؒ پر ہے۔



ساتویں روایت بہ اہم ہر حق نے کتاب القراءۃ ص ۱۸ میں ایک باب قائم کیا ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ مقتدیوں کو مخالفت نفس قرأت سے نہیں بلکہ ان کو ہر سے مخالفت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ نے نماز پڑھی اور اس میں ہر سے قرأت کی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یا ابن حذافہ لا تمعنی واسمع اللہ اے ابن حذافہ مجھے نہ سناؤ بلکہ خدا تعالیٰ کو سناؤ۔

جواب بہ اس روایت سے بھی استدلال باطل ہے اولاً اس لیے کہ سند میں نعمان بن راشد ہے اہم بخاری فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث میں بکثرت وہم ہوتا ہے امام احمد ان کو مضطرب الحدیث کہتے ہیں اور نیز کہتے ہیں کہ یہ صاحب منا کیر بھی ہیں، امام ابن معین، ابوداؤد، نسائی، اور یحییٰ بن سعید تمام ان کی تضعیف کرتے ہیں (میزان جلد ۳ ص ۲۳۷) و ثانیاً اس میں زمری عنہ سے روایت کرتے ہیں اور مبارکپوری صاحب کہتے ہیں کہ ان کی معضض حدیث صحیح نہیں ہے و ثالثاً روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ ابن حذافہ آپ کے پیچھے بحالت اقتدار نماز پڑھتے ہوئے جہر کر رہے تھے ہو سکتا ہے کہ سنن و نوافل وغیرہ کی نماز میں انفرادی حالت میں انہوں نے ایسا کیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو قریب ہوں گے ان کی یہ اصلاح فرمائی ہو بلکہ یہی قرین قیاس ہے۔ قارئین کو اہم نمبر شماری کے لحاظ سے گزرتی ثانی کی طرف سگست روایتیں پیش کی گئی ہیں لیکن جو روایتیں ان کی طرف سے پیش کی گئی ہیں اور پھر ان کے جوابات دیے گئے ہیں۔ غالباً چالیس سے کم نہ ہوں گی اور آپ جلد اول میں پیش کردہ احادیث میں روایت کا اور جلد ثانی میں پیش کردہ روایتوں میں راولوں کا توازن خوب ملاحظہ کر چکے ہیں اور یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عبادہ بن الصامت کی بخاری و مسلم وغیرہ کی اس روایت کے علاوہ جو نمبر اول پر پیش کی گئی ہے اور جس میں فصحاء، صائغین اور ہذا زاد کی زیادت بھی موجود ہے اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے خصوصاً بقید خلف الامام اور جلد استثنائیہ کی روایت پر سیر حاصل بحث آپ ملاحظہ کر چکے ہیں عیاں راہہ بیاں اور شنیہ کے بودمانند دیدہ سب ہم دوسرے باب کو ختم کر کے تیسرا باب شروع کرتے ہیں۔



## تیسرا باب

### آثار حضرات صحابہ و تابعین وغیرہم

مرفوع روایات کا جن کو فریق ثانی نے مقتدی کے لیے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے دو حزب کے لیے اور امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز کے ناقص، بیکار، کالعدم اور باطل ہونے کے لیے پیش کیا تھا، روایتی اور روایتی حال تو آپ اچھی طرح معلوم کر چکے ہیں کہ بغیر محدودے چند مرفوع روایات کے جن میں خلف الامام کا لفظ موجود نہیں ہے اور ان میں فصاعداً، ہاتیسرا اور ما زاد، کی زیادت یا الزائد الامام کی قید مذکور ہے اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے خصوصاً وہ روایات جن میں خلف الامام کی زیادت اور الزام القرآن کی استثناء موجود ہے وہ تو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہیں۔ ان مرفوع روایات پر کلام کرنے کے بعد مزید حاجت تو باقی نہیں رہتی کہ ہم آثار حضرات صحابہؓ و تابعینؓ وغیرہم کو نقل کر کے ان کے جوابات عرض کریں خاص کر کے جب کہ فریق ثانی کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ وہ موقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اور تابعینؓ کے اقوال بلکہ صحابہؓ کے اقوال اختلافی امور میں حجت نہیں ہوتے خصوصاً جب کہ ایک طرف صحیح حدیث موجود ہو الخ (ص ۴۴) مگر صرف تکمیل کتاب اور افادۃ طلبہ کے لیے آثار حضرات صحابہؓ کرامؓ اور تابعینؓ وغیرہم پر کلام نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس مسئلہ کا کوئی پہلو اور گوشہ عامۃ المسلمین کی نگاہ سے بھی اوجھل نہ رہے۔

حضرت عمرؓ کا اثر: پزیر شریکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ بن الخطابؓ سے سوال کیا

اقرأ خلف الامام قال نعم قال وان قرأت یا امیر المؤمنین قال وان قرأت وهذا القراءة متاء



طحاوی جلد ۱۲۹ کتاب القراءة ص ۱۰۶ کیا میں اہم کے چھپے قرأت کر سکتا ہوں؟ فرمایا ہاں سائل نے پوچھا اگرچہ آپ پڑھ رہے ہیں ہوں اے امیر المؤمنین؟ فرمایا ہاں اگرچہ میں پڑھتا ہوں اور مستند کے ص ۲۳۹ دارقطنی ص ۱۲ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۷ وغیرہ میں یہ بھی مذکور ہے تم سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو مسائل نے دریافت کیا اگرچہ آپ جہر سے قرأت کر رہے ہیں؟ فرمایا ہاں اگرچہ میں جہر سے قرأت کیا کروں۔

جواب: فریق ثانی کا اس روایت سے وجوب فاتحہ پر استدلال صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ہم نے جلد اول میں حضرت عمرؓ کا اثر ترک قرأت کا نقل کیا ہے اگر یہ اثر صحیح ہو جیسا کہ بعض ائمہ نے اس کو صحیح کہا ہے تو اس کا جواب وہی بہتر ہے جو مولف خیر الکلام نے ص ۲۹۳ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۱۹۳ سے نقل کیا ہے اور پھر مولف مذکور نے یہ لکھا ہے کہ یعنی قرأت فی نفسہ منع نہیں صرف منازعت منع ہے جو شخص فاتحہ بدون منازعت پڑھ سکتا ہو پڑھے جس میں اتنی طاقت نہیں وہ نہ پڑھے اس تطبیق کی اس وقت ضرورت ہوتی جب حضرت عمرؓ سے منع کی روایت صحیح ہوتی مگر وہ روایت صحیح نہیں الخو اک کے لکھا ہے کہ وہ مرسل ہے اور محقق مذہب محدثین کا یہ ہے کہ مرسل حجت نہیں (مجلد ص ۲۹۲) مگر ہم باحوالہ محدثین کا مذہب نقل کر آئے ہیں کہ مرسل صحیح ہوتی ہے لہذا تطبیق کی ضرورت پیش آئے گی اور یہ بہتر تطبیق ہے لیکن اس اثر سے فریق ثانی کو چنداں فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ جو شخص اہم کے چھپے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے بیکار ہے اور باطل ہے اور اس اثر سے صرف اجازت اور اختیار ثابت ہوتا ہے حضرت عمرؓ سے اسی مضمون کا ایک اثر کتاب القراءة ص ۵۹ میں موجود ہے لیکن سند میں محمد بن حسن البکری بہاریؒ ہے ام دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ ان کا ایک بیاض صحیح اور دوسرا بالکل ردی تھا، انہوں نے دونوں کو خلط ملط کر دیا تھا حتیٰ کہ صحیح اور ضعیف کی کوئی تمیز باقی نہ رہی تھی، علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ معروف واہ مشہور و معروف ضعیف ہے، علامہ برقانیؒ اور ابن سرخسیؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا (بغدادی جلد ۲ ص ۲۱، کتاب الانساب ص ۵۹ میزان جلد ۳ ص ۵۵ ولسان جلد ۵ ص ۱۳) کتاب القراءة ص ۱۰۶ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۷ وغیرہ میں حضرت عمرؓ کا اس مضمون سے ایک اثر آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کوئی نماز صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ اس میں سورۃ فاتحہ اور کچھ اور بھی پڑھا جائے، مسائل نے کہا اگرچہ میں اہم کے چھپے کھڑا



ہوا کروں فرمایا ہاں اقرآ فی نفسک مگر اسکی سند میں عبا یہ ہے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ غالی شیعہ تھا۔

ابو بکر بن عیاشؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام الشافعیؒ سے پوچھا آپ عبا یہ سے کیوں روایت کرتے ہیں؟ فرمایا

خدا کی قسم میں تو اس کی روایت کو علی وجہ الاستہزاء نقل کرتا ہوں میں نے اس کو کب حب سمجھا ہے

عقیلی اس کو منعفا میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ غالی اور ملحد تھا لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۴۷ اور ابوا

اگر حضرت عمرؓ کے یہ آثار صحیح بھی تسلیم کر لیے جائیں تو پھر بھی یہ فریق ثانی کے سرسرخ خلاف پڑتے ہیں۔

کیونکہ حضرت عمرؓ کے ان آثار میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم کے کسی اور حصہ کا بھی ذکر موجود ہے

چنانچہ ایک روایت میں یوں ہے فاتحۃ الكتاب وشيئا (كتاب القراءة ص ۱) ایک روایت

میں ہے بفاتحة الكتاب ومعها (كتاب القراءة ص ۱) وسنن الكبرى جلد ۲ ص ۱۶۱

اور ایک روایت میں ہے بفاتحة الكتاب وشيئا معها (كتاب

القراءة) اور ایک روایت میں ہے بفاتحة الكتاب ومعها شيئا (جامع المسانيد

جلد ۲ ص ۳۴۶) اگر فریق ثانی حضرت عمرؓ کے اس اثر کو صحیح سمجھتا ہے تو معہ شیعہ کی زیادت

کو کیوں ہضم کر جاتا ہے؟ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اس زیادت کو بیان کرنے والے عبا یہ

ہے پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ (محصلہ ص ۲۹۲) الجواب: جامع المسانيد کی سند میں

عبا یہ نہیں ہے اسی طرح مؤلف مذکور کا اس روایت کو سہری نمازوں پر محمول کرنا بے دلیل ہے اور

معہ سے اذکار مراد لینا بھی خلاف اصل ہے کیونکہ جب بات قرأت قرآن ہو رہی ہے تو بلا قوی

قرینہ کے کیوں اصل کو چھوڑا جائے بلا شک فرض اور مستحب ایک امر میں جمع ہو سکتے ہیں مگر حضرت

عمرؓ مازاد کو واجب سمجھتے ہیں کما ہر بہر حال ان کی طرف سے جو محقول جواب و معہ کی زیادت

کا دیا جائے گا وہی جواب ہماری طرف سے قرأت فاتحہ کا سمجھ لیں اور فتح الباری کے حوالہ سے پہلے

عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمرؓ مازاد علی الفاتحہ کے وجوب کے قائل تھے۔ مؤلف خیر الکلام

کا یہ کہنا کہ مازاد کو حضرت عمرؓ فرض نہیں سمجھتے ہوں گے اھ (ص ۲۹۲) مردود ہے کیونکہ باحوالہ عرض

کیا گیا ہے کہ وہ مازاد کو واجب سمجھتے ہیں، احناف کے نزدیک ثبوت اور دلالت کے لحاظ

سے فرض اور واجب میں فرق ہے لیکن دو سر حضرات ان میں فرق ملحوظ نہیں رکھتے یا محض برائے

نام فرق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ خود مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ کیونکہ شریعت میں واجب اور فرض میں



کوئی فرق نہیں الخ (ص ۱۴۲) یا تو فریق ثانی حضرت عمرؓ کے اثر کے پیش نظر ہذا زاد علی الفاتحہ کے وجوب کا بھی قائل ہو جائے اور یا یہ تحقیق قبول کرے کہ حضرت عمرؓ کا یہ اثر منفرد کے حق میں ہے جس پر سورۃ فاتحہ کے علاوہ ہذا زاد بھی واجب ہے اور چونکہ حضرت عمرؓ امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے حتیٰ کہ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ کاش جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ڈالا جائے جیسا کہ پہلی جلد میں گزر چکا ہے تو اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ یہ بعض راویوں کی غلطی ہے اور یہ اثر منفرد کے حق میں ہے نہ کہ مقتدیوں کے حق میں۔

حضرت علیؓ کا اثر بہ سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۱۔ مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۹، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۴۲، طحاوی جلد ۱ ص ۱۴۳، کتاب القراءة ص ۹۲ اور جزأ القراءة ص ۱۳ وغیرہ میں روایت ہے (واللفظ للآخر)

عن علی بن ابی طالب انه کان یأمر  
ویجب ان یقرأ خلف الامام فی الظهر  
والعصر بفاتحة الكتاب وسورة سودة  
وفي الاخيرین بفاتحة الكتاب۔  
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرتے  
اور اس کا حکم دیا کرتے تھے کہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی رکعتوں  
میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی پڑھ لیں  
دونوں رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ امام دارقطنیؒ، امام بیہقیؒ اور علامہ ذہبیؒ اس اثر کو صحیح کہتے ہیں (مجلد ۲ ص ۲۹۸)  
جواب ۱۔ یہ روایت بھی قابل استدلال اور فریق ثانی کو مفید نہیں ہو سکتی اولاً اس لیے کہ سند میں سفیان  
بن حسینؒ ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں وہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے، یحییٰ بن القطانؒ  
اور ابن ماجہؒ فرماتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں یہ ثقہ نہ تھے ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث میں بکثرت  
خطا ہوتی ہے یہی بات ان سے متعلق یعقوب بن شیبہؒ نے بھی کہی ہے۔ ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ اس سے  
احتجاج صحیح نہیں ہے۔ امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں ضعیف ہے، ابن حبانؒ کہتے  
ہیں کہ امام زہریؒ سے الٹ پلٹ روایتیں بیان کرتے ہیں ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ زہریؒ کی حدیث میں  
قابل احتجاج نہیں ہے (میزان جلد ۱ ص ۲۹۹) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں ضعیف  
ہے (تقریب ص ۱۸) قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں یہ ضعیف ہے (تیل الاوطار ص ۱۹)  
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ زہریؒ کی روایت میں یہ ضعیف ہے



اس کی جو روایت زہری کے طریق سے ہوگی وہ محض بیحد ہے (فتاویٰ جلد ۱ ص ۲۱) اور یہ روایت بھی زہری ہی کے طریق سے ہے اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ زہری میں اس کے ضعف کی یہ وجہ ہے کہ زہری کا صحیفہ اس پر خط ملط ہو گیا تھا بخ (ص ۲۹۹) کچھ بھی ہو اس کا ضعف ان کو مسلم ہے مبارکپوری صاحب نے یہ کہا ہے کہ اس روایت کو اہم شعبہ نے روایت کیا ہے اور محدثین نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شعبہ ثلثہ مشائخ سے ہی روایت کرتے ہیں لہذا یہ روایت بھی صحیح ہوگی لیکن یہ ان کا وہم ہے اور آخر میں خود مبارکپوری صاحب کو اس کا احساس بھی ہو گیا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اہم بیحدی اہم شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں تم سے اعتراف ابواسحاق اور قتادہ کے طریق سے روایت بیان کروں تو اگرچہ وہ غنہ سے ہو تب بھی اس کو سماع پر حمل کرنا حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ عمدہ قاعدہ ہے کہ جب اہم شعبہ کی روایت ان تینوں سے مروی ہو تو تدلیس مضر نہ ہوگی اگرچہ وہ روایت معنعن ہی کیوں نہ ہو (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۱) معلوم ہوا کہ اہم شعبہ کا یہ ارشاد ان تینوں کی تدلیس سے متعلق ہے نہ کہ جملہ روایت کی توثیق سے متعلق اہم دارقطنی نے معمر کی طریق سے بھی روایت نقل کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور مؤلف خیر الکلام نے اس کو متابع کہا ہے مگر اس میں بھی زہری پر ہے اور وہ غنہ سے روایت کرتے ہیں، افریق ثانی کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے چنانچہ مبارکپوری صاحب ان کی معنعن حدیث کو اس لیے رد کرتے ہیں کہ وہ مدلس تھے اور یہاں بھی وہ غنہ سے روایت کرتے ہیں و ثانیاً اگر یہ اثر صحیح ہے تو اس سے صرف ظہر اور عصر کی نمازوں میں اہم کے پیچھے سورہ فاتحہ کا ثبوت ہوگا اور یہ دونوں سری نمازیں ہیں حالانکہ فریق ثانی تمام نمازوں میں اس کا مدعی ہے و ثالثاً اس اثر میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی کلم موجود ہے مگر فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے۔ مبارکپوری صاحب نے سفیان بن حسین کا ایک متابع اسحاق بن راشد (جس کی روایت جزء القراءۃ ص ۱ وغیرہ میں ہے) بیان کیا ہے (ابکار المنن ص ۱۴۲) لیکن محدث ابن خزمیہ فرماتے ہیں کہ اسحاق بن راشد سے احتجاج درست نہیں ہے (میزان جلد ۱ ص ۸۹) اہم نسائی اس کو ضعیف کہتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۲۳) ابن معین کہتے ہیں کہ زہری کی روایت میں یہ ضعیف ہے (ایضاً) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ زہری سے جو جو یہ روایت کرتا ہے اس میں وہم ہوتا ہے (تقریب ص ۲) اور یہ روایت بھی زہری ہی سے ہے مبارکپوری صاحب نے اہم معمر کو بھی ان کا متابع بیان ہے ان کی روایت دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲ میں



ہے اور دارقطنی اس کی تصحیح کرتے ہیں، لیکن اس میں بھی زہدی عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور مدارائیں پر ہے اور مبارکپوری صاحب کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ وہ ان کی معنعن حدیث کو صحیح اور حسن سمجھنے پر آمادہ نہیں ہیں سنن البکری جلد ۲ ص ۱۶۸ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں بھی یہ روایت معنعن ہے علاوہ انہیں اس روایت میں بھی ظہر اور عصر کی نماز کا ذکر ہے اور سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی ذکر ہے حالانکہ فریق ثانی فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا قائل نہیں ہے اس لیے اس اثر سے صرف سورۃ فاتحہ کی اجازت پر اور خصوصاً جملہ نمازوں میں اس کے ضروری ہونے پر استدلال ہرگز صحیح نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کا ایک اثر کتاب القراءۃ ص ۶۲ اور سنن البکری ص ۶۸ وغیرہ میں بھی (ان سے یہ اثر حکم اور حمار کے طریق سے) مروی ہے لیکن خود امام بیہقیؒ اس کو مرسل کہتے ہیں (ص ۶۸) امام طحاویؒ بھی اس کو منقطع کہتے ہیں (احکام القرآن جلد ۲ ص ۲۲۱) اور فریق ثانی مرسل کو ضعیف سمجھتا ہے اور یہ تو لغوی مرسل (یعنی منقطع) ہے ان کا ایک اثر کتاب القراءۃ ص ۵۸ اور ص ۶۲ میں بھی مذکور ہے لیکن ایک سند میں محمد بن بخیرہ بن عبد الرحمن مجہول ہے۔ دوسرا راوی اس سند کا حسین بن محمد مروزیؒ ہے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تقریب ص ۹۴) تیسرا راوی اس سند کا معقل بن عبید اللہؒ ہے حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ وہ صدوق بخطلی تھا (تقریب ص ۲۵۹) اور دوسری سند میں ابو علی بن ابراہیمؒ اور احمد بن محمدؒ زہدی وغیرہ راوی ہیں کتب رجال سے ان کا پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کیسے تھے؟ مبارکپوری صاحب نے کتاب القراءۃ ص ۱۳۲ کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا یہ فتویٰ بھی نقل کیا ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہذا اسناد من اصح الاسانید فی الدنیاء تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۶۸) یہ دنیا کی تمام سندوں سے صحیح ہے۔ الجواب۔ اگرچہ اس کے اور بھی سند اور معنی کے لحاظ سے کئی جوابات دیے جاسکتے ہیں مگر ہم صرف وہی جواب عرض کرتے ہیں جو خود مبارکپوری صاحب کے قلم سے نکلا ہے۔ اس روایت میں زہریؒ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور مبارکپوری صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں۔ فی اسنادہ الزہری وہو مدلس ورواہ عن سالمہ بالعنعنۃ فکیف یکون اسنادہ صحیحاً (ابکار الممنون ص ۵۶) اس کی سند میں زہریؒ ہیں جو مدلس تھے اور سالمہ سے عنعنہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ تو اس کی اسناد کیسے صحیح ہو سکتی ہیں؟ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ فی سندہ الزہری وروی



عن طلحة بن عبد الله بالحنيفة فكيف يكون استاده صحيحاً (ص ۲۵) اس کی سند میں زہریؒ ہیں جو مدلس تھے اور وہ طلحہؒ سے عمنہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں پھر کنونکر اس کی سند صحیح ہو سکتی ہے؟ مبارکپوری صاحبؒ ہی ازراہ کرم والنصاف فرمائیں کہ جب زہریؒ کی منحن روایت صحیح تک نہیں ہو سکتی تو وہ اصح الاسانید کیسے ہوگی؟ اور پھر تمام روئے زمین کی اسانید سے وہ اصح کیسے ہوگی؟ الغرض دیگر حضرات محدثین کرامؒ کے اصول کے تحت بھی اور خود فریق ثانی کے نزدیک بھی حضرت علیؑ کے پیش کردہ جملہ آثار ضعیف کمزور اور محلول ہیں اور مزید برآں ان میں جہری نمازوں کا ذکر تک نہیں اور دوسری نمازوں میں بھی سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی ساتھ ذکر ہے۔ مگر فریق ثانی اس کی مطلقاً پروا نہیں کرتا۔

حضرت ابی بن کعب کا اثر۔

ان سے یہ روایت کی گئی ہے انہ کان یقرأ خلف الإمام رجلاً للقرآن و کتاب القرآن (ص ۱۶) کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے۔

جواب :- اس کی سند میں زیاد بکائیؒ ہے امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھا (ضعفاء) ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ ابن مدینیؒ اور ابن سعدؒ وغیرہ اس کی تضعیف کرتے ہیں (میزان جلد ۱ ص ۱۳۵) ابن معینؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں یہ قابل اعتبار نہیں صالحؒ کا بیان ہے کہ وہ فی نفسه ضعیف ہے، ابن حبانؒ اس کو فاحش الغلط اور کثیر الوهم کہتے ہیں اور کہتے ہیں جب یہ متفرد ہو تو اس سے احتجاج درست نہیں ہے (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۷۷) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ کمزور ہے (التقریب ص ۱۳۲) کتاب القرآۃ ص ۶۲ دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲ اور سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۶۸ وغیرہ میں ایک دوسری سند سے یہ روایت منقول ہے لیکن اس کی سند میں ابو جعفر رازیؒ ہے جس کا نام عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ماہانؒ ہے۔ امام احمدؒ اور نسائیؒ کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھا ابن مدینیؒ اس کو صاحب غلط اور خطا کہتے ہیں۔ فلاسؒ اس کو سخی الحفظ کہتے ہیں ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ مشہور راویوں سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے۔ ابو زرعہؒ کہتے ہیں کہ وہ بکثرت وہم کا شکار تھا (میزان جلد ۲ ص ۱۲۱) ذکر یاساچیؒ کہتے ہیں کہ وہ صاحب الثقان نہ تھا۔ ابن خراشؒ اس کو سخی الحفظ کہتے ہیں عیسیٰؒ کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھا۔ حافظ ابن حجرؒ اس کو سخی الحفظ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۲۵)



یہ اثر بھی انتہائی ضعیف اور کمزور ہے نیز یہ بھی نہ بھولنے کے مطلق قرأت سے سورۃ فاتحہ کی قرأت کے ثابت ہوگی؟ کیونکہ اس اثر میں سورۃ فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور فرق ثانی کی رٹ سورۃ فاتحہ کی ہے۔ موافق خیر الکلام نے بعض توثیقی کلمات نقل کر کے آگے لکھا ہے کہ توثیق کے بعد جرح مذکور کا کوئی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ وہ مبہم ہے اور اس کی دو سندیں اور ہیں تعدد طرق سے حسن روایت صحیح ہو جاتی ہے (محصلاً ص ۲۰۴) الجواب :- قاضی الغلط اور کثیر الروایہ وغیرہ جرح مفسر ہے اس کو مبہم کہہ دینا اصول حدیث سے بے خبری کی دلیل ہے چنانچہ حافظ ابن حجر و حدیث کی مردود قسموں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فمن فحش غلطہ او کثرت غفلة او ظہر فسقہ حدیثہ منکر (شرح منجۃ الفکر ص ۵۹) سو جس شخص کی غلطیاں زیادہ ہوں۔ یا اس کی غفلت زیادہ ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو تو اس کی حدیث مشکوک ہوتی ہے۔

پھر آگے راوی کے وہم کی بحث کی ہے اور اس کی حدیث کو محلل کہا ہے۔ اور آخر میں راوی کے سوء حفظ پر کلام کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اگر سوء حفظ تمام حالات میں راوی کو لازم ہے تو اس کی حدیث مشاذ کہلاتی ہے اور اگر سوء حفظ ظاہری ہو تو اس کی مختلط کہتے ہیں اور تقریب النواوی میں ہے کہ۔

واذا قالوا متروک الحدیث او واهیه او کذاب فهو ساقط لا یکتب حدیثہ (مع التدریب ص ۲۲۲) جب محدثین کسی راوی کو متروک الحدیث یا واہی الحدیث یا کذاب کہیں تو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے اور اس کی لکھی بھی نہیں جاسکتی۔

اور اس کی شرح میں لکھا ہے کہ :-

ولا یعتبر بہ ولا یتشمہ

(تدریب الراوی ص ۲۳۳)

اور نہ تو اس کو اعتبار (ومتابعیت) میں پیش کیا جاسکتا ہے اور نہ شامہ میں۔

اور تقریب النواوی اور اس کی شرح میں اس کی تصریح موجود ہے کہ :-

واذا اجمع فیہ ای الراوی جرح مفسر

وتعدیل فالجرح مقدم ولو زاد عدد المعدل

هذا هو الاصح عند الفقهاء والاصولیین

ونقله الخطیب عن جمہور العلماء

(تدریب الراوی ص ۲۴۲)

اگر راوی میں جرح اور تعدیل جمع ہو جائیں تو جرح مقدم ہوگی اگرچہ تعدیل کرنے والوں کی تعداد زیادہ

بھی کیوں نہ ہو فقہاء اور ارباب اصول حدیث

کے نزدیک یہی صحیح ہے اور خطیب بغدادی

نے جمہور علماء سے یہی نقل کیا ہے۔



مؤلف خیر الکلام نے ص ۴۸ و ص ۴۹ میں الرفع والتکلیل کے حوالہ سے جو عبارتیں نقل کی ہیں  
 اولاً تو اس میں منکر الحدیث وغیرہ کو جو جرح مبہم کے تحت درج کیا ہے قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ ابھی  
 ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ منکر الحدیث ایسی مفسر جرح ہے کہ بطور اعتقاد اور شامد بھی ایسے راوی کی  
 روایت نہیں پیش کی جاسکتی و ثانیاً الرفع والتکلیل (ص ۱۸) کی عبارت میں جس کو خود مؤلف خیر الکلام  
 نے ص ۴۸ میں لکھا ہے یہ شرط بھی ہے کہ من غلب ان یذکر سبب الطعن۔ یہ الفاظ بولے مگر اس کے  
 طعن کا سبب بیان نہ کرے اور زیادہ بکائی وغیرہ کے بارے میں فاحش الغلط اور کثیر الوہم وغیرہ کی مفسر  
 جرح موجود ہے اور انکے نے صراحت کے ساتھ سبب طعن ان میں ذکر کیا ہے پھر مؤلف خیر الکلام اس  
 کو جرح مبہم کہہ کر کس طرح کستی گلو خلاصی کر سکتے ہیں؟ اور تعدد طرق کا بہانہ بھی بڑا عجیب ہے، تعدد  
 طرق سے حدیث وہاں صحیح یا حسن وغیرہ ہو سکتی ہے جہاں ہر ایک سند کی روایت پر قابل برداشت  
 جرح ہو نہ یہ کہ وہاں مفسر اور کڑی جرح بھی موجود ہو اور پھر بھی تعدد طرق سے حدیث صحیح یا حسن قرار پائے  
 نواب صاحب کا حوالہ اس سلسلہ میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے، بہر حال یہ روایت ضعیف ہے اور  
 معاملہ احکام کا ہے۔ اور امام نووی تصریح کرتے ہیں کہ نہ

فانهم متفقون على انه لا يحتج بالضعيف تمام حضرات محدثین کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ  
 فی الاحکام (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۸) ضعیف کے احکام میں احتجاج درست نہیں ہے۔

فائدہ :- اس اثر کی سند میں ابوسنان کا ذکر آیا ہے محقق نمبوی فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا نام  
 معلوم نہیں ہو سکا (تعلیق جلد ۱ ص ۱۸) راقم کہتا ہے کہ ان کا نام ضرار بن مرہ تھا (تہذیب جلد ۱ ص ۱۸)  
 اور یہ بالاتفاق ثقہ اور ثبت تھے (تہذیب جلد ۱ ص ۱۸) حضرت ابی بن کعب کی ایک روایت ان  
 الفاظ سے مروی ہے کہ کان یقرأ خلف الامام فی ظہرہ والعصر (کتاب القراءة ص ۱۸) کہ وہ ظہر  
 اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے لیکن اس سے بھی فریق ثانی کا احتجاج باطل ہے۔  
 اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں یحییٰ بن العلاء ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ کذاب جعلی حدیثیں  
 بنایا کرتا تھا ابن معین اس کو لیس بشفہ اور لیس بلسی کہتے ہیں عمر بن علی، نسائی، دولابی اور  
 دارقطنی اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں امام وکیع، ابوزرعة، ابو حاتم اور ابو داؤد اس کو ضعیف  
 کہتے ہیں، ابن حبان کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی



حدیثیں موضوع اور جعلی ہیں، اساجی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۶۲) مؤلف خیر الکلام نے یہاں بھی یہ لکھ کر گلو خلاصی چاہی ہے کہ یہ سب جرحیں مبہم ہیں اللہ سبحانہ تعالیٰ (ص ۳۵) و ثانیاً اس اثر میں ظہر اور عصر کی قید ہے اور فریق ثانی تمام نمازوں میں قرأت کا مدعی ہے و ثالثاً اس میں مطلق قرأت کا ذکر ہے سورہ فاتحہ کی تخصیص اس میں موجود نہیں ہے لہذا معنوی اعتبار سے بھی یہ اثر ان کو کسی طرح بھی مفید نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود

ھذیل بن شریح فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود اہم کے کچھ عصر کی نماز میں پہلی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی پڑھا کرتے تھے (کتاب القراءة ص ۶۴ و ابکار ص ۱۴۳)

جواب ۱۔ یہ اثر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے اہم دارقطنی (جلد ۱ ص ۱۲۶) اہم بیہقی (کتاب القراءة ص ۱۱۱) اور اہم احمد، اہم یحییٰ، اور اہم نسائی وغیرہ سب اس کو ضعیف اور کمزور کہتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۲۶، تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۴۶۸، قانون المصنوع ص ۲۸) اور دوسرا راوی اس سند کا عبدالرحمن بن ثروان ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے (میزان جلد ۲ ص ۲) نیز اس اثر میں ظہر و عصر کی نماز کی تخصیص ہے اور وہ بھی صرف پہلی دو رکعتوں میں اور فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت کا بھی ذکر ہے۔ حضرت ابن مسعود سے ایک روایت یوں ہے کہ وہ امام کے کچھ ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کرتے تھے۔ سنن الکبریٰ ص ۱۶۹ کتاب القراءة ص ۶۴، تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۸۳، ابکار المصنوع ص ۱۴۳ اور جزأ القراءة ص ۱۳ رجب القراءة

میں ظہر اور عصر کا لفظ موجود نہیں ہے، لیکن اس روایت کا مرکزی راوی شریک ہے، امام بیہقی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اکثر محدثین اس سے احتجاج نہیں کرتے (جلد ۱ ص ۱۰۲) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ یحییٰ قطان اس کی اشد تضعیف کرتے تھے (جلد ۶ ص ۱۳۶) عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث قابل قبول نہیں ہے جوزقانی اس کو سنی الحفظ اور مضطرب الحدیث کہتے ہیں ابراہیم بن سعید کہتے ہیں کہ شریک نے چارنگوا حدیث میں غلطی کی ہے (میزان جلد ۱ ص ۱۴۴) و تہذیب جلد ۴ ص ۴۲۳ علامہ جزائری لکھتے ہیں کہ ان کی حدیث مردود اور غیر مقبول ہے (توجیہ النظر ص ۲۵۲) حافظ ابن حجر اس کو کثیر الخطا لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۶۹) مبارکپوری صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں یہ حدیث حسن



کیے ہو سکتی ہے اس کی سند میں شریک متفرد ہے اور وہ صاحب خطا کثیر الغلط اور خراب حافظہ کے مالک تھے (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۸۸) نیز اس روایت میں قرأت کا ذکر ہے سورۃ فاتحہ کی تخصیص نہیں ہے اور وہ بھی صرف ظہر اور عصر کی نماز میں اور جلد اول میں صحیح اسانید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود کا محقق مسک نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ کسی نماز میں امام کے پیچھے کسی قرأت کے قائل نہ تھے نہ سورۃ فاتحہ کے اور نہ کسی اور سورت کے اس لیے فریق ثانی کا حضرت ابن مسعود کے اثب سے استدلال روایت و درایت ہر طرح سے مردود ہے مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ان آثار میں اگرچہ کچھ ضعت ہے مگر مجموعی طور پر ان سے احتجاج درست ہے اور جن آثار میں ظہر و عصر کی قید ہے وہ اتفاقی ہے اور اس کے خلاف جو ان کا فتویٰ ہے وہ جہر پر محمول ہے (محصلا ص ۳۳۱)۔

الجواب در جن آثار میں کچھ ضعت ہے ان کی بجائے آپ وہ آثار کیوں نہیں لے لیتے جو بالکل صحیح ہیں جو جلد اول میں گزر چکے ہیں اور ظہر و عصر کی قید خالص احترازی ہے کیونکہ اس کے اتفاقی ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور ان کے قول کو جہر پر محمول کرنا خالص سیدہ زوری ہے وہ امام کے پیچھے نفس قرأت کے ہی منکر ہیں جو صحیح روایات سے ثابت ہے کما مہذ۔  
حضرت عبداللہ بن مغفل کا اثر :- امام بخاری اپنی سند کے ساتھ یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

عن عبد اللہ بن مغفل انہ کان یقرأ  
فی الظہر والعصر خلف الامام فی الاولین  
بفاتحة الكتاب وسورتین وفي الاخرین  
بفاتحة الكتاب (جزء القراءة ص ۱۱)  
کہ حضرت عبداللہ بن مغفل ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اور دو اور سورتیں بھی پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔

جواب :- اس اثر سے بھی فریق ثانی کا احتجاج درست نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس سند میں عمر بن ابی بکرؓ ہے علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ راوی مجہول ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں وقال الذہبی لا یعرف اشہی کہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تذیب ص ۵۹) ابن جان اس کو ثقات میں لکھتے ہیں لیکن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ انہیں کوئی شہ نہیں کہ ابن جان متاہل ہیں (تحقیق الکلام ص ۱۱) وثانیاً اس اثر سے صرف ظہر اور عصر کی سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کا ثبوت بحالات فریق ثانی سب نمازوں اور سب نمازوں کے لیے دعویٰ کرنا ہے وثالثاً اس اثر میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ اور سورتوں کی قرأت کا بھی ذکر ہے اور فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے اس لیے یہ اثر بھی اسکو چندان مفید نہیں ہو سکتا مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس اثر میں ظہر اور عصر کا ذکر ہے مگر باقی کی نفی نہیں مفہوم مخالفت کا اعتبار نہیں (محصلا ص ۳۲۶)



الجواب: بلکہ عصر کی قید تراسی ہے جو باقی کی نفی پر وال ہے اور مفہوم مخالفت پر یہ واضح دلیل ہے پھر کیوں حجت نہیں؟ ہاں اگر خلاف کی طرح وہ مفہوم مخالفت کو حجت نہیں سمجھتے تو صاف کہتے ہیں۔ تاکہ ہم ان کی پسند کا کوئی اور جواب عرض کر سکیں۔  
حضرت ابوسعید الخدریؓ کا اثر:

حضرت ابو نضرؓ کہتے ہیں میں نے حضرت ابوسعید بن الخدریؓ سے پوچھا عن القراءة خلف الامام فقال بفتحها الكتاب رجاء القراءة ص ۱۳ کہ امام کے پیچھے قرأت صحیح ہے فرمایا ہاں سورۃ فاتحہ۔  
جواب: سند میں عوام بن حمزہؓ ہے ابن جوزیؒ اس کو ضعف میں لکھتے ہیں (الجوہر النقی ص ۱۴) اہم بھیجی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث محض ایچ ہے (میزان جلد ۲ ص ۲۰۸) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ صاحب منا کیر تھے (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۶۳) مبارکپوری صاحبؒ کہتے ہیں کہ عوام ثقہ ہے کیونکہ جرح مبہم ہے لہذا یہ اثر صحیح ہے (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۵۸) اہم الجرح والتعلیل بھیجی تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث یسبشیؒ ہے اور امام احمدؒ اس کو صاحب منا کیر کہہ کر منکر الحدیث بتاتے ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ مبارکپوری صاحبؒ کے نزدیک یہ جرح مبہم ہے بکیوں لانا کو اپنا لیا ہو یا یہ ارشاد یا نہیں کہ جس راوی سے متعلق منکر الحدیث ہو نہ کیا الزام ہو اس کی حدیث قابل ترک ہے کیونکہ یہ جرح مضرب (ابکار المثنی ص ۱۹۱) الغرض یہ روایت اور اثر بھی فریق ثانی کو مفید نہیں۔  
حضرت انسؓ بن مالک کا اثر: حضرت ثابتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

عن انس قال کان یأمرنا بالقراءة خلف الامام وکنت اقوم الی جنب انس فیقرأ بفتحها الكتاب وسورة من المفصل  
کہ حضرت انسؓ ہمیں امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم دیا کرتے اور میں حضرت انسؓ کے پہلو میں کھڑا ہوتا تھا اور وہ سورۃ فاتحہ اور مفصل میں سے کوئی سورت بھی ساتھ پڑھا کرتے تھے۔  
(کتاب القراءات ص ۶۸ و ص ۱۲۳)

جواب: یہ اثر بھی فریق ثانی کو مفید نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں وہی عوام بن حمزہؓ ہے جس پر جرح گذر چکی ہے یہ روایت سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۱۱ میں بھی مذکور ہے اور اس کی سند میں عوام بن حوشبؓ ہے اور گو وہ ثقہ ثابت اور فاضل تھے (تقریب ص ۲۹۲) لیکن اہم یہی ہے کہ اہم ابن خزیمہؒ وغیرہ کے حوالہ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ عوام بن حوشبؓ کا نام لینا صحیح نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ یہ راوی عوام بن حمزہؓ ہی ہے وہذا اصح صحیح ترین بات صرف یہی ہے و ثانیاً اس اثر میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور مفصل سورت کا بھی ذکر ہے حالانکہ فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے جو جواب وہ ترک



سورة من المفصل کا عنایت فرمائے گا وہی ہماری طرف سے ترک سورة فاتحہ کا مجھ لے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا اثر: حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

سمعت عبد اللہ بن عمرو یقرأ فی الظہر کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو ظہر اور عصر کی نمازیں اہم کے پیچھے قرأت کرتے سنا۔

۱۶۹ و کتاب القراءة ص ۶۵

جواب: اگر مبارکپوری صاحب کا قاعدہ پیش نظر رکھا جائے (جیسا کہ انہوں نے ابوالحاق

اور حماد بن سلمہ وغیرہ کے متعلق اختیار کیا ہے) تو یہ اثر سنداً صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں حصینؒ ہیں گو وہ ثقہ تھے لیکن حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا (تقریباً ص ۹۵)

اہم ابوالقاسم امام نسائیؒ اور یزید بن ہارونؒ بھی فرماتے ہیں کہ آخر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا (تہذیب جلد ۳ ص ۳۸۲) اور اگر اس اثر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ اہم بیہقیؒ نے اس کی تصریح کی ہے تو فریق

ثانی کو پھر بھی یہ اثر کلیتاً مفید نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں ظہر اور عصر کی قید ہے اور سورة فاتحہ کی قرأت کا ذکر نہیں ہے بلکہ دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ ظہر کی نماز میں

اہم کے پیچھے سورة مریم پڑھتے تھے (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۶۹) اہم بیہقیؒ کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے، محقق نیوکیؒ لکھتے ہیں اسنادہ صحیح (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۸۳) کہ اس کی سند صحیح ہے لہذا اس اثر کو

اہم کے پیچھے جملہ نمازوں میں قرأت سورة فاتحہ کے اثبات کے لیے پیش کرنا دروازہ کار بات

اہم بیہقیؒ نے ایک اور سند نقل کی ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت عبداللہ بن عقبہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ دونوں اہم کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔ (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹)

لیکن اس کی سند میں عبدالملک بن محمدؒ ہے اہم دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدوق تھے لیکن اسانید اور متون میں بجز خطا کرتے تھے وہ زبانی روایت بیان کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کے اوام

بہت زیادہ ہو چکے تھے (تہذیب جلد ۲ ص ۱۲۲) امام حاکمؒ نقل کرتے ہیں کہ جن روایتوں میں یہ منقول ہوں ان سے احتجاج صحیح نہیں ہے علامہ ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ان کی حدیثوں کی

دس جلدیں موجود ہیں لیکن ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جو ان کے دہم سے بچ سکی ہو، کسی کی سند میں خرابی ہے تو کسی کے متن میں وہ زبانی روایتیں بیان کیا کرتے تھے، اس لیے



ان کے اوصاف بہت زیادہ ہو گئے ہیں (ایضاً ص ۹۲) اور ان کا دہم اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسی اثر میں یہ تین متضاد نام آتے ہیں عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عتبہ اور عبد اللہ بن عمروؓ چنانچہ امام بیہقی (بلکہ حضرت امام بخاریؒ بھی لکھتے جزاء القراءۃ ص ۱۱) مؤخر الذکر کے نام کو صحیح سمجھتے ہیں۔ (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹ و کتاب القراءۃ ص ۶۵) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا محقق مسلک ابنہ صحیح جلد اول میں نقل کیا جا چکا ہے اور ان کی اس کے خلاف پیش کردہ روایتوں پر کلام آ رہا ہے۔  
اشارۃ العزیز۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کا اثر: یزید فقیرؒ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں:-  
قال کنا نقرأ فی الظہر والعصر خلف الامام فی الرکتین الاولیین بفاتحة الكتاب وسورة وفي الآخريین بفاتحة الكتاب۔  
وہ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ ص ۶ و سنن الکبریٰ ص ۱۶۹ کتاب القراءۃ ص ۱۱)

جواب:- اس اثر سے بھی فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں سعید بن عامرؒ ہے گو وہ ثقہ تھے لیکن ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں بعض غلطیاں بھی ہوتی ہیں (تذیب جلد ۲ ص ۱۱) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ کبھی وہم کا شکار ہو جاتے تھے (تقریب ص ۱۶) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ امام ابو حاتمؒ متعنت ہیں اس لیے ان کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں (ص ۲۰)

الجواب:- ان کا تعنت وہاں ہوتا ہے جہاں وہ متفرد ہوں اور یہاں تو حافظ ابن حجرؒ بھی ان کو وہمی بتاتے ہیں اس کا معارضہ ان کے اس اثر سے جو بسند صحیح مؤطا امام مالک اور ترمذی کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مبارکپوری صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں، سورہ معارضہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس اثر کی سند میں حماد بن سلمہؒ کا واقع ہے (گو وہ ثقہ تھے تقریب ص ۱۱) مگر آخر میں حافظ متغیر ہو گیا تھا (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۱) مؤلف خیر الکلام کا پس یہ حدیث صحیح ہے (ص ۳۰) کنا کوئی وزن نہیں رکھتا و ثانیاً علامہ ہار دینیؒ لکھتے ہیں کہ یہ اثر مضطرب المتن ہے کیونکہ ایک روایت میں خلف الامام کا جملہ نہیں ہے (جزاء القراءۃ ص ۶۵ سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹) اور دوسری روایت میں اس کا ذکر ہے (ایضاً جلد ۲ ص ۱۶۹ و ص ۱۱) راجعہ النقی جلد ۲ ص ۱۶۹) زیادت ثقہ مقبول ہوتی ہے



جب کہ وہ خطا اور وہم کا شکار نہ ہو مولف خیر الکلام یہ نکتہ کھانگئے ہیں، نیز ایک مقام میں فاتحۃ الكتاب کے بعد مما فوق ذلك اوقال ما اکثر من ذلك کا ذکر ہے اور دوسرے مقام پر ما فوق کے بجائے سورۃ کا ذکر ہے اور ایک روایت میں مما فوق کہا ہے (یعنی جلد ۲ ص ۶۲) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ مقتدی کے لیے تہری نمازوں میں ما زاد پڑھنا منع نہیں لہذا اضطراب کیسا؟ (محصلا ص ۳۱) الجواب اولاً تو ما زاد کا مقتدی کے لیے تہری نمازوں میں پڑھنے کا جواز محل نظر ہے و ثانیاً وہی راوی کے الفاظ میں اس نمایاں اضطراب کا یہ جواب غیر تسلی بخش ہے و ثالثاً حضرت شاہ عبد الغنی مجددی رحمہ اللہ (۱۲۶۶ھ) لکھتے ہیں: حضرت جابرؓ کا یہ اثر اس وقت کہ ہے جب کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن خلف الامام کی ممانعت نہیں سنی تھی اور اپنے اجتہاد کے موافق امام کے پیچھے قرأت کرتے رہے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع کر دیا تو باز آگئے (انجام الحاجۃ) اور یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ حضرت جابرؓ کا پہلا قول اور عمل ہے بعد کہ وہ قرآن خلف الامام کے قائل نہ رہے تھے اور ان کا یہی مسلک حضرت امام مالکؒ، حضرت احمدؒ اور حضرت امام ترمذیؒ وغیرہ ائمہ فقہ و حدیث نے سمجھا اور اس کو روایت کیا ہے اور ہم نے ان کی صحیح اور متصل روایت بھی پہلے بیان کی جو صراحت سے منع پر دل ہے۔ مولف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ منع خیالی بات ہے (ص ۳۱) خود ایک خیالی پلاؤ ہے۔ و رابعاً چونکہ اس اثر میں خلف الامام کا جملہ صرف سعید بن عامرؒ نقل کرتے ہیں۔ اور ان کی روایت میں غلطی اور وہم ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ ان کی غلطی سے زیادہ ہوا ہے کیونکہ دوسرے راوی اس کو نقل نہیں کرتے چنانچہ یہ روایت یحییٰ بن سعیدؒ سے بھی مروی ہے (مسند الکبیری جلد ۲ ص ۳۱ و کتاب القراءة ص ۵۱) اور معاویہ بن مہشامؒ سے بھی (کتاب القراءة ص ۵۱) مگر ان کی روایت میں خلف الامام کا جملہ مذکور نہیں ہے اور چونکہ صحیح روایات میں مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کا حکم آیا ہے اس لیے اصل روایت منفرد کے حق میں تھی لیکن ان کی غلطی اور وہم سے منفرد کے بجائے مقتدی سے جوڑ دی گئی ہے و خامساً اس اثر میں صرف ظہر اور عصر کی نماز کا ذکر ہے اور فرق ثانی کا دعویٰ عموم کا ہے و سادساً اس اثر میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی ذکر ہے حالانکہ فرق ثانی اس کا قائل نہیں ہے اگر یہ اثر ان کے نزدیک صحیح ہے تو جو جواب وہ اس میں سورت کی نفی کا ارشاد فرمائیں گے وہی ہماری طرف سے سورۃ فاتحہ کی نفی اور



ترک کا جواب سمجھ لیں حضرت جابرؓ سے ایک اثریوں مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے کہا کہ مجھے میرے آقا نے یہ حکم دیا اقرأ فی الظہور والعصر خلف الامام (جزاً القراءة ص ۱۲ کتاب القراءة ص ۱۲ والبار ص ۱۲) کہ میں ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کروں لیکن اس سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سندیں ہیں سفیان بن حسین عن الزہریؒ اور حضرت علیؓ کے اثر کے تحت اس کی پوری تحقیق گزر چکی ہے کہ یہ ضعیف ہے وثانیاً محقق نیویؒ لکھتے ہیں کہ مولیٰ جابرؓ اس سند میں مجہول ہے نہ معلوم وہ کون اور کیسا تھا؟ (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۸۲) وثالثاً اس میں ظہر اور عصر کی قید ہے اور فریق ثانی کا دعویٰ عام ہے حضرت جابرؓ کا مسلک صحیح سند کے ساتھ جلد اول میں نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت کے عموماً اور سورہ فاتحہ کے خصوصاً ہرگز قائل نہ تھے ان کا ایک اور اثر میں لیجے امام ابو یوسفؒ بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے وکیعؒ نے بیان کیا وہ ضحاکؒ بن عثمانؒ سے روایت کرتے اور وہ عبید اللہؒ بن مقسمؒ سے اور وہ حضرت جابرؓ بن عبد اللہؒ سے وہ فرماتے ہیں لا یقرأ خلف الامام (الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۱ مع البدیع) کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کی جاسکتی، اس سند کے سب زوای ثقہ اور ثبت ہیں بقیہ روایت کا ترجمہ پہلے اپنے اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ البتہ ضحاکؒ بن عثمانؒ کا ترجمہ باقی ہے، امام احمد بن محمدؒ مصعب زہریؒ، ابو داؤدؒ، ابن ماجہؒ اور علی بن المدینیؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں ابو حاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں ابن نمیرؒ ان کو لا بأس بہ اور جائز الحدیث کہتے ہیں (تہذیب جلد ۴ ص ۱۱۱) علامہ ابن ترکانیؒ فرماتے ہیں یہ سند متصل اور علی شرط مسلمہ صحیح ہے (الجوہر جلد ۲ ص ۱۶۱)

حضرت عبد اللہؒ بن عباسؒ کا اثر :-

امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ عبد الوہابؒ بن فلج المکیؒ کے طریق سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مروان بن معاویہ الفزاریؒ نے اسحاق بن ابی خالدؒ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الفزاریؒ بن حربؒ نے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :-

سمعت ابن عباسؒ یقول اقرأ خلف الامام میں نے حضرت ابن عباسؒ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ امام بفتح الکتاب هذا اسناد صحیح لا یضار علیہ کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھا کر وہ یہ سند صحیح ہے اس



کتاب القراءۃ ص ۱۳۷ طبع دہلی و کتب العمال ج ۴ ص ۲۵۲ و پر کوئی غبار نہیں ہے۔

تحقیق الکلام ج ۲ ص ۵۹ و ابکار ص ۱۲۵

الجواب :- اس اثر سے فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سندیں مطلقاً بن معاویہ الفزاری ہی ہیں اور وہ عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں وہ اگرچہ ثقہ اور ثبت تھے لیکن وہ مجہول راویوں سے روایت کرنے تدلیس کرنے اور روایت اور شیوخ کے نام بدل دینے کے عیب ہیں مبتدا تھے امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ اگر معروف راویوں سے روایت کریں تو ثقہ ہیں (تذکرہ ص ۲۶۲) اور اگر مجہول راویوں سے روایت کریں تو ضعیف ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۸) امام ابن معینؒ ہی فرماتے ہیں کہ وہ گھلیوں سے ہلکے لیے شیوخ اور روایت چن لیتے تھے (تذکرہ ص ۲۶۲) اور ایسا ہی محدث ابن نمیر نے فرمایا (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۸) امام ابن معینؒ فرماتے کہ میں نے تدلیس کرنے میں ان سے بڑا حیلہ کر اور کوئی نہیں دیکھا (ایضاً) نیز انہوں نے فرمایا کہ وہ لوگوں سے مخفی رکھنے کے لیے راویوں کے نام بدل دیتے تھے چنانچہ انہوں نے ہم سے الحکم بن ابی خالدؒ سے روایت بیان کی جو درحقیقت الحکم بن ظمیرؒ ہیں (ایضاً) امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ وہ راویوں کے نام بدل دیتے تھے ۔ اس کارروائی کو اصول حدیث والے تدلیس شیوخ کہتے ہیں ۔ صفحہ ۱۸۱ امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ وہ سچے تو ہیں مگر بکثرت مجہول راویوں سے روایت کرتے ہیں (ایضاً) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ رے (تخاشا) زندقہ اور مکروروں سے روایت کرتے تھے یرویی عن وب و درج (ایضاً) اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ مدلس ہونے کے ساتھ شیعہ بھی تھے (تقریب ص ۲۶۳) اور مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ وہ تدلیس شیوخ کرتے تھے اور اس کا امر ہلکا ہے (محصلاً ص ۳۱) لیکن اسی پیش نظر کتاب میں باحوالہ اس کی تصریح موجود ہے کہ تدلیس زمانے سے بھی بدتر ہے (مگر صحیحین میں روایت کی تدلیس اور بعض مخصوص روایت مثلاً قباؤۃ العیش اور ابو الزبیر محمد بن مسلم بن مدرّسؒ وغیرہ کی تدلیس اس کی زواہر میں نہیں ہے کما مر) اور امام نوویؒ تدلیس شیوخ کے بارے لکھتے ہیں وہو قبیح مذموم الخ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۹) کہ وہ قبیح اور مذموم ہے اور اس روایت کو الفزاریؒ عنہ سے بیان کرتے ہیں جس پر خاصا غبار ہے اور یہ صحیح نہیں ہے وثانیاً اصل سند میں امام بیہقیؒ نے راوی کا نام الفزاد بن حرب نقل کیا ہے جو مجہول ہے معلوم نہیں کہ وہ کون اور کیسا تھا؟ جب تک



کتاب اسماء الرجال سے بحوالہ اس کی توثیق سامنے نہ آجائے اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی۔ امام بیہقی نے اگرچہ اس اسناد کو صحیح لاخبار علیہ فرمایا ہے مگر امام بیہقی کا روات کی توثیق اور تصنیف کے بارے نظر یہ خود ان کے اپنے حوالوں کی روشنی میں پہلے بیان ہو چکا ہے اور حاشیہ پر نسخہ کا عنوان دے کر امام بیہقی نے اس راوی کے بدلے العینر بن حرث لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود امام بیہقی اس راوی کی تعبیر کے بارے میں متردد ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ الفزاری کی تدلیس اور روات کے نام بدلنے کا اثر اور نتیجہ ہو امام بیہقی نے کتاب القراءة ص ۶۷ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۹۹ میں بلا تردد العینر بن حرث کا نام لیا ہے اور اس سند میں الفزاری بھی نہیں لیکن اس کی سند میں ابو جہر بھاری ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے وہ کذاب تھا و ثالثاً اس کی سند میں اسماعیل بن ابی خالد ہیں جو الکوفی تھے (تذکرہ ص ۱۴۲) اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ جب اہل کوفہ کی نقل صحیح نہیں تو تطبیق کی بھی ضرورت نہیں بلقظہ (ص ۲۹) لہذا کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ اس روایت کی حضرت ابن عباسؓ کی ان صحیح روایات سے تطبیق لینے کے لئے وجہ تلاش کئے جو جلد اول میں بیان ہو چکی ہیں و دابعاً قطع نظر اس بحث سے اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے تو اس سے تمام نمازوں میں قرأت سورہ فاتحہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ طحاوی ص ۱۲۱ میں اسماعیل بن ابی خالد سے غنہ کے ساتھ العینر بن حرث کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم امام کے پیچھے فاتحہ کتاب ظہر اور عصر کی نماز میں پڑھو اس سے معلوم ہوا کہ ان کی طرف سے اجازت صرف سری نمازوں میں تھی نہ کہ جہری نمازوں میں جیسا کہ مخفی نہیں و خامساً طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۱ کی روایت میں یونس بن ابی اسحاق کی العینر بن حرث سے غنہ کے ساتھ روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ لا تصل صلوۃ الا قرائت فیہا ولو بفاتحۃ الكتاب کوئی نماز تم قرأت کے بغیر نہ پڑھو اگرچہ فاتحہ کتاب ہی کیوں نہ ہو فریق ثانی چونکہ مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض اور لازم قرار دیتا ہے اور ولو بفاتحۃ الكتاب کے الفاظ اس فرضیت کے اثبات سے بالکل قاصر ہیں جیسا کہ واضح ہے حضرت ابن عباسؓ سے کتاب القراءة ص ۶۷ اور اعلام السنن جلد ۴ ص ۸۱ میں ایک روایت یوں آتی ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرو امام جہر کرے یا نہ کرے مگر اس کی سند میں عقبہ بن عبد اللہ الکرمی ہے امام ابن معینؒ اس کو یسب بشی اور امام نسائیؒ یسبقتہ



اور فلاس و اہل الحدیث اور ابو حاتمؒ لیکن الحدیث اور امام ابو داؤدؒ ضعیف کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴۲) ابن حبانؒ ان کو غفطار میں لکھتے ہیں اور ساجیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث سے احتجاج صحیح نہیں اور اس میں ضعف ہے (ایضاً ص ۲۴۵) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مشہور ضعیف ہے (میزان ص ۲۶) حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت اس طرح مروی ہے کہ فاتحۃ الکتاب کسی رکعت میں نہ چھوڑو امام ہر کرے یا نہ کرے (کتاب القراءة ص ۱۷۹ سنن البکری جلد ۲ ص ۱۶۹) لیکن سند میں لیث بن ابی سلیم ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے اثر کے تحت گذر چکا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت کتاب القراءة ص ۶۴ میں بھی ہے لیکن اس کی سند میں عبد اللہ بن لہیعؒ ہے بحث خداج میں نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ ضعیف تھا ان کی ایک اور روایت کتاب القراءة ص ۱۳ میں ہے لیکن سند میں زہیرؒ، ابواسحاقؒ، الحسنؒ، امام یحییٰؒ، امام ابو زرعہؒ، علامہ ذہبیؒ، اور ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ زہیرؒ کی روایت ابواسحاقؒ سے ضعیف اور کمزور ہے (دیکھئے سنن البکری جلد ۱ ص ۱۰۸، میزان جلد ۱ ص ۳۵۵ و تہذیب جلد ۲ ص ۳۵۲ وغیرہ) علاوہ بریں مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ابواسحاقؒ قحط تھے اور مدلس بھی تھے اور غفطار سے روایت کرتے ہیں تو ان کی سند کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ تو ان کے قاعدہ کے مطابق یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (ابکار ص ۱۶۶) جلد اول میں اس کی پوری بحث عرض کی جا چکی ہے۔ الغرض حضرت ابن عباسؓ کی ایک سند صحیح نہیں ہے جس کے یہ ثابت ہو سکے کہ اہم کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ بخلاف اس کے ہم جلد اول میں اہمیت کی تفسیر میں اور آثار حضرات صحابہؓ کرام میں ان کی صحیح سند سے کئی روایتیں اس کے خلاف عرض کر چکے ہیں۔

قائدہ بر عقیقہ بن الاحم کی سند میں ایک روایت ہے جس کا نام بشرہ بن موسیٰؒ ہے صاحب اعلام السنن (جلد ۳ ص ۸۸ میں) اس کو مجہول کہتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے بشرہ بن موسیٰؒ جلیل القدر محدث تھے علامہ ذہبیؒ ان کو الحدیث الامام اور الثبت لکھتے ہیں، امام دارقطنیؒ ان کو ثقہ بنیل کہتے ہیں (المتوفی ۲۸۸ھ، تذکرہ جلد ۲ ص ۱۶۵ و ص ۱۶۹)

حضرت ابوالدرداءؒ کا اثر یہ ان سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ لا یترک قراءة فاتحۃ الکتاب خلف الامام جمہر اولہم یچہر (کتاب القراءة ص ۱۷۹ و سنن البکری ج ۲ ص ۱۶۹)



امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت نہ ترک کی جائے اہم جہر کرے یا آہستہ پڑھے۔

جواب :- سند میں ولید بن مسلم عن الاوزاعی الخ ہے، ولید مذکور مدلس ہے ابو مسہر کہتے ہیں کہ وہ جھوٹے راویوں سے بھی تدلیس کر لیا کرتا ہے۔ علامہ ذہبی اس کے بارے میں یوں فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ جب یہ عن سے روایت کرے خصوصاً ابن جریر یا اوزاعی سے تو اس کی حدیث کا قطعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا (میزان جلد ۳ ص ۲۴۵ و تہذیب جلد ۱ ص ۵۳) اسی روایت ان کی اوزاعی سے ہے اور جلد اول میں حضرت ابوالدرداء کا بلند صحیح اثر اس کے خلاف عرض کیا جا چکا ہے حضرت ابوالدرداء کا اثر ہونے میں فریق ثانی کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت امام بیہقی نے ولید بن مسلم کا ایک متابع بھی ذکر کیا ہے جس کے سلسلے پر مولانا مبارکپوری صاحب نے اس کو اپنا مستدل قرار دیا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے اس کو

متابع محمد بن کثیر الشافعی ہے اور امام بیہقی نے ان کی روایت کتاب القراءۃ (ص ۶۸ طبع دہلی) میں نقل کی ہے لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ محمد بن کثیر کی اگرچہ بعض حضرات محدثین کرامؒ نے توثیق کی ہے لیکن امام احمدؒ نے ان کی سخت تضعیف کی ہے اور اسی منکر الحدیث کہا ہے اور نیز انہوں نے فرمایا ہے کہ اس نے ایسی منکر احادیث بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے امام صالح بن محمدؒ اس کو صدوق کثیر الخطا کہتے ہیں، امام بخاریؒ نے بھی اس کو بہت ضعیف بتایا ہے امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں اور کثیر الخطا ہے امام ساجیؒ فرماتے ہیں کہ صدوق اور کثیر الغلط ہے امام ابوالاحد الحاکمؒ فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک وہ قوی نہیں امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی بیان کردہ روایات میں کوئی اس کی متابعت اور تائید نہیں کرتا (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۱۶ و ص ۴۱۷ ملاحظہ) اور حافظ ابن حجرؒ ان کو صدوق کثیر الغلط کہتے ہیں (تقریب ص) جب یہ راوی نہایت ضعیف اور کثیر الغلط ہے تو اس کی روایت اور اس کی تائید سے کیا فائدہ؟ ترجمان الحدیث ماہ جنوری ۱۹۴۵ء ص ۲۸۲ میں بلاوجہ ایسے راوی کا تذکرہ کر کے اس کی روایت سے ہمارا تلاش کیا گیا ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ کا اثر :- ان سے مروی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا :-

لا تزکو صلوٰۃ مسلم الا بطہور ودکوع کسی مسلمان کی نماز مقبول نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ طہارت و سجود و فاتحۃ الكتاب و الحمد الامام رکوع، سجود اور سورۃ فاتحہ کا اس میں خاص اہتمام نہ کرے



وغیر الامم (کتاب القراءة ص ۳۸ جزا القراءة ص ۳۸) امام کے پیچھے ہو یا اکیلا۔

جواب :- اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد جصاص ہے امام ابن معین اور ابن مدینی اس کو یسبشی کہتے ہیں نسائی اور دارقطنی اس کو مسروق کہتے ہیں ابوزرعه اس کو واہبی کہتے ہیں علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے (میزان جلد ۱ ص ۳۵۶ و تہذیب جلد ۳ ص ۳۶۸) مؤلف خیر الکلام نے بھی علامہ ذہبی کا حوالہ نقل کیا ہے (ص ۲۲) یہ روایت بھی نہایت کمزور اور ضعیف ہے اور ان کی ایک روایت یوں ہے لا تجوز صلاة الا بفاتحة الكتاب وایقان فصاعدا (کتاب القراءة ص ۳۸) کہ نماز سورۃ فاتحہ اور دو آیتوں اور اس سے کچھ زیادہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ لیکن اس میں ایک تو خلف الامم کا کوئی ذکر نہیں ہے اور دوسرا اس میں وایتین فصاعدا کی زیادت موجود ہے۔

لطیفہ :- حضرت عمران بن حصینؓ سے مرفوعاً ایک روایت مروی ہے کہ ظہر کی نماز میں ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے فرمایا کس نے میرے ساتھ نماز عت اور پٹھاپائی کی ہے؟ غرضیکہ آپؐ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کر دیا (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲) اس روایت پر فریق ثانی کی طرف سے جن میں امام دارقطنیؒ بھی ہیں یہ اعتراض ہوا ہے کہ سند میں حجاج بن ارطاةؒ ہے اور وہ ضعیف ہے ہم نے حجاج بن ارطاةؒ سے کوئی روایت نہیں لی۔ لیکن فریق ثانی کی ستم ظریفی ملاحظہ کیجئے کہ حجاج بن ارطاةؒ، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور مسلم وغیرہ کے روایت میں ہیں (ازالہ ستر ص ۱۲۱) علامہ ذہبیؒ ان کا حدیث علام اور علم کا ظرف لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۵) ابوزرعهؒ اور ثوریؒ ان کی توثیق کرتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۱۹۶) امام نوویؒ لکھتے ہیں کان بارعافی الحفظ والعلم کہ حفظ اور علم میں وہ بلند پایہ لکھتے تھے۔ (تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۱۵۳) امام ترمذیؒ ان کی ایک حدیث کو حسن کہتے ہوئے تحسین کرتے ہیں (جلد ۱ ص ۱۵۳) بلکہ ایک حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں (جلد ۱ ص ۱۱۲) افسوس ہے کہ ان کی روایت تو فریق ثانی کے نزدیک حجت نہیں ہے لیکن زیادہ کی روایت حجت ہے جو یسبشیؒ ہے اور اس کی تصحیف پر اجماع ہے ان کی ایک روایت یوں ہے کہ ظہر کی نماز میں ایک شخص نے سبح اسمہ وجہ اللہ کی سورت آپؐ کے پیچھے پڑھی تھی (مسلم جلد ۱ ص ۱۴۱، نسائی جلد ۱ ص ۱۰۶، ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۲۴) چونکہ لغت



توفیقی ہے اس لیے قرآن کو جہر کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا اور پڑھنے والا بھی صرف ایک شخص تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس نے قرآن ظہر کی نماز میں کی تھی جو تہری ہے مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو بھی گوارا نہیں کیا اور پوری تحقیق گندہ کی ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور منارِ عت و مخالجت میں قرأت سورۃ فاتحہ اور دوسری تمام سورتیں یکساں ہیں کیونکہ علت ایک ہے اور ما زاد علی الفاتحہ کو منارِ عت کے لیے متعین کر دینا اور سورۃ فاتحہ کو اس سے خارج تصور کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے جو بہر حال مردود ہے۔

حضرت ہشام بن عامر کا اثر: حمید بن علال سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔

ان ہشام بن عامر قدراً فقیلاً له التفسراً کہ ہشام بن عامر نے قرأت کی ان سے پوچھا گیا کہ خلف الامام قال انا لنفعل ر کتاب القراءة آپ اہم کے تیجھے قرأت کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں ہم مکہ ولسن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۷۱ یوں ہی کرتے ہیں۔

جواب: یہ اثر بھی قابل التفات نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں ابو جبر برہاری ہے اور غرض کیا جا چکا ہے کہ وہ کذاب تھا و ثانیاً اس بات میں اختلاف ہے کہ حمید بن علال کی ہشام بن عامر سے ملاقات ثابت ہے یا نہیں؟ اہم ابو حاتم کہتے ہیں ملاقات ثابت نہیں ہے اور ان کی روایت مرسل ہے (دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۷۱ و جلد ۱۱ ص ۱۷۱ و ثالثاً اس اثر میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرأت کا ذکر ہے فریق ثانی کا دعویٰ صرف سورۃ فاتحہ کی قرأت کا ہے نہ کہ مطلق قرأت کا۔

حضرت معاذ بن جبل کا اثر: ایک سائل نے حضرت معاذ سے قرآن خلف الامام کے متعلق سوال کیا۔

قال اذا قرأ فاتحاً بفاتحة الكتاب وقل انہو اللہ احد واذالہ سمع فاتحاً فی نفسک ولا توذ من عن یمنک ولا من عن شمالک (السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹) انہوں نے فرمایا کہ جب اہم قرأت کرے تو تم بھی سورۃ فاتحہ اور قل هو اللہ احد پڑھا کرو اور جب اس کی قرآن نہ سنو تو دل میں پڑھا کرو دائیں اور بائیں ہاتھ والوں کو ازیت نہ دیا کرو۔

جواب: یہ اثر بھی قابل استدلال نہیں ہو سکتا اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں احمد بن محمد



واقع ہے حافظ ابن حجرؒ ایک سند کے متعلق جس میں احمد بن محمدؒ واقع ہے لکھتے ہیں کہ سند باطل ہے اور اس سند کے راوی ضعیف ہیں دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ مجہول ہیں (لسان المیزان جلد ۶ ص ۲۱۴) وثالثاً اس کی سند میں ابو شیبہ مہریؒ ہے علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ بلخ مہریؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں لا یدری من ذاولا من شیخہ بلخ مہریؒ اور اس کا استاد ابو شیبہ مہریؒ پتہ نہیں یہ دونوں کون تھے؟ اہم بخاریؒ فرماتے ہیں اس کی سند مجہول ہے (میزان جلد ۶ ص ۲۱۴ و لسان ص ۲۱۴) ولسان جلد ۶ ص ۲۱۴) وثالثاً اس سند میں علی بن یونسؒ واقع ہے اگر یہ علی بن یونس بلخیؒ ہے تب بھی کمزور ہے (میزان جلد ۶ ص ۲۱۴ و لسان ص ۲۱۴) اور اگر علی بن یونس مدینیؒ ہے تب بھی ضعیف ہے (الضیاء والیض ص ۲۶۹) اگر کوئی اور ہے تو اس کی توثیق درکار ہے ورنہ اس اثر سے نظریہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذؒ نے صرف سہری نمازوں میں اجازت دی ہے وخصوصاً اس میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ قل ھواللہ احد کی قرأت کا بھی ذکر ہے اور فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر: حضرت سالمؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ان ابن عمرؓ کان ینصت للامام فیما ھو فیہ ولا یقرأ معہ (کتاب القراءة ص ۱) و تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۶) کہ حضرت ابن عمرؓ جہری نمازوں میں اہم کے پیچھے خاموش رہا کرتے تھے اور قرأت نہیں کرتے تھے، فریق ثانی کا کہنا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سہری نمازوں میں وہ اہم کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے۔

جواب: یہ اثر بھی فریق ثانی کو مفید نہیں اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں ابن جریرؒ ہیں، اہم دارقطنیؒ علامہ ذہبیؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ مدلس تھے (تہذیب جلد ۶ ص ۵۵، میزان جلد ۱ ص ۱۱۱، ایکار ص ۲۳) اور یہاں وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور عنعنہ مدلس کا مقبول نہیں وثالثاً اس میں زہریؒ ہیں اور مبارکپوری صاحبؒ ان کی مدلس روایت کو بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے اور یہاں بھی وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں وثالثاً یہ اثر عبارتہ النص کے طور پر ہماری دلیل ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جہری نمازوں میں قرأت کے قائل نہ تھے رہا سہری نمازوں میں اس سے قرأت کا اثبات کرنا تو مفہوم مخالف پر مبنی ہے اور ہمارے نزدیک مفہوم مخالفت حجت نہیں ہے (تعلیق المجہد ص ۹۲ و علاء السنن جلد ۲ ص ۱) ورنہ اگر مفہوم مخالف کو بعض فقہاء



کے قول کے مطابق صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس سے اتنا ہی ثابت ہوگا کہ حضرت ابن عمرؓ  
 سب سے نمازوں میں اہم کے پیچھے قرأت کرتے تھے اور فریق ثانی کا دعویٰ اس سے خاص ہے کیونکہ  
 ان کا دعویٰ صرف سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ہے وغامضاً موطا امام مالکؒ وغیرہ کے حوالہ سے بسند صحیح ان  
 کا یہ اثر نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ اہم کے پیچھے کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت کے قائل نہ تھے اور ان کا یہ  
 مسلک ایک مسلم حقیقت ہے اور ان سے ایک روایت یوں ہے انہ کان ینہی عن القراءۃ  
 خلف الامام (الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۳) کہ حضرت ابن عمرؓ اہم کے پیچھے قرأت کرنے سے منع  
 کیا کرتے تھے۔ مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتون ص ۱۳۲۰ھ) جو فریق ثانی کے مقتدر اور  
 پیشوا ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کی علماء احناف کے نزدیک اجازت نہیں ہے  
 اور ان کا استدلال ان صحابہ کرامؓ کی روایات سے ہے اور یہ قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔  
 حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت  
 ابوسعیدؓ، الخدیجؓ، حضرت انسؓ بن مالکؓ، حضرت عمرؓ بن الخطابؓ، حضرت زیدؓ بن ثابتؓ،  
 حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ وغیرہم (منع قرات خلف الامام۔ بحوالہ  
 ایضاح الادلۃ ص ۵۸) اور صحیح اسانید کے ساتھ علیہ قول میں ان اکابر کے آثار نقل کئے جا چکے ہیں کہ یہ  
 جملہ حضرات اہم کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے اور یہی بات مولانا نذیر حسین صاحبؒ فرماتے ہیں  
 حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ایک اثر کتاب القراءۃ ص ۱۲۹ و ص ۱۳۰ میں ہے لیکن اس میں محول مدلس ہیں  
 اور محضہ سے روایت کرتے ہیں علاوہ انہیں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ عبد اللہ بن عمرؓ نہیں بلکہ  
 عبد اللہ بن عمرؓ بن العاص ہیں (ص ۱۲۹) اور مستزاد برال اس میں خلف الامام کا جملہ بھی مذکور نہیں ہے  
 لہذا یہ روایت منفرد کے حق میں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ابو العالیہؒ نے مکہ مکرمہ میں  
 دریافت کیا کہ کیا میں نماز میں قرأت کیا کروں؟ فرمایا میں بیت اللہ کے رب سے حیا کرتا ہوں کہ نماز  
 میں قرأت نہ کروں ولویام الکتاب اگرچہ ام القرآن ہی ہو (جزء القراءۃ ص ۱۳۰) لیکن اس میں  
 بھی خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علاوہ بریں کتاب القراءۃ ص ۱۵۰ میں اسی اثر کے آخر میں  
 فاتحہ الکتاب کے بعد مائتیدہ کی زیادت بھی موجود ہے اور یہ زیادت اس بات کو متعین کر  
 کر دیتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ اثر مقتدی کے حق میں نہیں ہے کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک



بھی اس کو ما زاد علی الفاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے اور کتاب القراءۃ ص ۶۶ میں ان کی اسی روایت میں بام الکتاب کے بعد فزائداً یا فصاعداً کی زیادت بھی مروی ہے حضرت ابن عمرؓ سے ایک اثر ان الفاظ سے مروی ہے۔

مسئل این عصر عن القراءۃ خلف الامام ان سے سوال کیا گیا کہ کیا امام کے پیچھے قراءۃ کی جاسکتی فقال ما کا النوايدون بأسا ان یقرأ بقلعہ ہے؟ فرمایا لوگ اس میں کوئی عرج نہیں سمجھتے تھے الکتاب فی نفسه (جزاً القراءۃ ص ۱۲) کہ اپنے دل میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔

لیکن اس کی سند میں ایک تو ابو جعفر رازیؒ ہے جس کا نام عیسیٰ بن ماہان ہے جس کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی اس سند کا یحییٰ البکاؒ ہے امام احمدؒ، ابو داؤدؒ، ابو یوسفؒ اور ابن عدیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں، دارقطنیؒ اس کو ضعیف اور علی بن الجندیؒ اس کو مختلط کہتے ہیں، ازہویؒ کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے، ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۷۹) امام نسائیؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں (ضعفاً صغیر ص ۵۵) حافظ ابن حجرؒ اس کو ضعیف الحدیث لکھتے ہیں (تقریب ص ۲۹۵) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن ماہان متکلم فیہ ہے مگر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ صدوق ہے اس کا حافظ اچھا نہیں تقریب ص ۱۲۲ اور یحییٰ البکاؒ کو ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ ثقہ ہے الشارح للدرر جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے (محصلہ ص ۳۲۲) الجواب ہاں بس ایسے ہی راویوں کی ایسی ہی حسن قسم کی حدیثوں پر آپ کے مذہب کی بنیاد ہے اور مسلمانوں کی اکثریت کی نمازوں کو باطل اور کالعدم ٹھہرانے والوں کی وکالت فرما رہے ہیں۔ سبحان اللہ تعالیٰ اور آگے لکھتے ہیں کہ تطبیق کی یہی صورت ہے کہ نفی سے مراد جہری نماز میں فاتحہ سے مازاد کی نفی مراد لی جائے اور فاتحہ کو اس نفی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے انتہا ص ۳۲۵ الجواب نہ معلوم یہ حضرات کس روایت کی کس سے تطبیق دے رہے ہیں؟ صحیح اور ضعیف کی تطبیق کا کیا معنی؟ الحاصل حضرت ابن عمرؓ ہوں یا کوئی اور صحابی ہو ان میں کسی سے بسند صحیح یہ ثابت نہیں کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری اور واجب ہے۔

حضرت عبادۃ بن الصامت کا اثر۔

حضرت حمزہؓ بن ربیع فرماتے ہیں کہ۔



سمعت عبادۃ بن الصامت یقرأ خلف  
 الامام فقلت له تقرأ خلف الامام فقال عبا  
 لا صلوة الا بقراءة رسن الکبریٰ جلد ۱۶۸  
 میں نے حضرت عبادۃ کو امام کے پیچھے قرأت کرتے سنا میں نے  
 دریافت کیا کہ آپ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں؟ حضرت  
 عبادۃ نے فرمایا قرأت کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی۔  
 امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ان کی ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جس میں امام کے پیچھے آہستہ  
 قرأت کرنے کی اجازت ہے اور پھر لکھا ہے۔

ومذهب عبادۃ فی ذلك مشہور (ص ۱۶۸) حضرت عبادۃ کا مذہب اس میں مشہور و معروف ہے۔  
 جواب :- سند کے لحاظ سے گو کلام کرنے کی کافی گنجائش ہے مگر ہم سند کے لحاظ سے اس  
 پر کوئی کلام نہیں کرتے حضرت عبادۃ بن الصامت نے صحیح سمجھایا غلط بہر حال یہ بالکل صحیح بات  
 ہے کہ حضرت عبادۃ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک  
 مذہب تھا مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے خصوصاً قرآن کریم، صحیح احادیث اور جمہور  
 حضرات صحابہ کرامؓ کے آثار کے مقابلہ میں لیکن یہ روایت خود اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ حضرت  
 صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور یہ  
 مسلک ان میں رائج بھی نہ تھا ورنہ محمود بن ریح جو خود صحابہؓ میں تھے حضرت عبادۃ بن الصامت  
 کی امام کے پیچھے قرأت سے کبھی تعجب نہ کرتے اور نہ یہ پوچھنے کی نوبت ہی آتی کہ حضرت آپ امام  
 کے پیچھے کیوں قرأت کرتے ہیں؟ یقینی امر ہے کہ حضرت عبادۃ بن الصامت نے نماز میں تکبیر،  
 قیام، رکوع، سجود، تشهد، اور سلام وغیرہ جملہ امورات کے ہوں گے مگر ان میں سے کسی چیز کے بارے  
 میں پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ حضرت آپ نے رکوع کیوں کیا ہے؟ سجدہ کیوں کیا ہے؟  
 وغیرہ وغیرہ اگر سوال کیا ہے تو اس چیز کے بارے میں کہ آپ کے امام کے پیچھے قرأت کیوں کرتے  
 ہیں؟ یہ بھی مت بھولیے کہ حضرت عبادۃ بن الصامت نے محمود بن ریح کو یہ نہیں فرمایا کہ برخورد  
 تمہاری تمام سائل نمازیں بے کار کا لعدم اور باطل ہیں کیونکہ تم نے قرأت نہیں کی اور تمام نمازیں واجب  
 الاعادہ ہیں اور نہ سہی تو یہی نماز جو تم نے ابھی ابھی میرے ساتھ بغیر قرأت کے ادا کی ہے وہی دوبارہ  
 پڑھ لو اور لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت محمود بن ریح حضرت عبادۃ کے داماد تھے و تہذیب  
 التہذیب جلد ۱ ص ۶۲) انہوں نے ان کو یہ بھی نہ فرمایا کہ تم امام کے پیچھے ترک قرأت کے مرتکب



ہوئے ہو اور تارکِ قرأت کی نماز باطل اور کالعدم ہے اور من قرعہ السلوۃ متعمداً فقد کفر  
لہذا میری محنت جگر کو میرے گھر پہنچا دو اور خود منے اڑاتے پھرو۔ حضرت عبادہؓ وہی جلیل القدر صحابی  
ہیں جو فرماتے ہیں کہ ہم نے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر اس شرط سے  
بیعت کی ہے کہ ان لا تخاف فی اللہ لومۃ لائسہ (مستدرک وقال صحیح جلد ۳ ص ۳۵۶) اللہ  
تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ہرگز نہ گھبرائیں گے اور ایک معمولی قسم  
کے مسئلہ میں حضرت امیر معاویہؓ سے اُلجھ کر ملک شام ترک کر دیا تھا اور یہ فرمایا کہ ہمارا اجتماع ناممکن ہے  
لیکن حضرت عمرؓ کی زبردست مداخلت سے اپنے ارادہ سے باز آئے (دیکھئے مستدرک جلد ۳ ص ۳۵۵)۔  
مسند دارمی ص ۹۲ اور ابن ماجہ ص ۱۰ وغیرہ) مگر جب قرأت خلف الامم کے مسئلہ کی باری آتی ہے تو اپنے  
پڑھنے کی وجہ تو بتلاتے ہیں لیکن اس اہم مسئلہ کے اظہار پر کما حقہ وہ جوش و خروش ظاہر نہیں کرتے جو  
اس کے رکن اور ضروری ہونے پر کرنا چاہیے تھا۔ اگر حضرت عبادہؓ کے نزدیک قرأت خلف الامم واجب  
فرض اور رکن ہوتی تو اس کے اظہار میں پوری قوت اور طاقت صرف کرتے اور اس میں کسی قسم کی کوئی  
کوتاہی نہ کرتے اس بحث کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات بخوبی سمجھ آ سکتی ہے کہ حضرت محمد بن ربیع  
مطلقاً اہم کے پیچھے قرأت فاتحہ کے قائل نہ تھے اور حضرت عبادہؓ کو قائل تو تھے لیکن محض استحباً  
طور پر اور اگر کسی کو حکم بھی کیا ہے تو صرف استحباً ہی امر سمجھ کر۔ اگر اس کو رکن اور فرض سمجھتے تو کتمان حق سے  
بچتے ہوئے حضرت ابن مسعودؓ کی طرح (جنہوں نے قرآن کریم کی دو سورتوں کے تقدم و تأخر فی النزول  
کے بارے میں اعلان کیا تھا) یہ اعلان فرماتے من شاء باہلتہ جس کا جی چاہے میں اس کے ساتھ  
مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں جب حضرت عبادہؓ نے ایسا نہیں کیا تو قطعی بات ہے کہ وہ اہم کے پیچھے  
بلا شک سورۃ فاتحہ پڑھتے تو تھے (اور جہری نمازوں میں پڑھتے بھی صرف تنہا اور اکیلے تھے دوسرے  
حضرات صحابہؓ کا ان سے اتفاق نہ تھا) مگر صرف مستحب سمجھ کر ہم نے جو یہ کہا ہے کہ دوسرے صحابہ کرام  
حضرت عبادہؓ بن الصامت سے جہری نمازوں میں قراءۃ خلف الامم کے مسئلہ میں اتفاق رائے  
نہیں رکھتے تھے، سینہ زوری نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ چنانچہ اہم یہی ہے کہ

وانما تعجب من تعجب من قراءۃ عبادۃ بن الصامت  
خلف الامم فيما يحمد فيه بالقراءۃ لذلک  
جو لوگ اہم کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت کے قائل  
نہ تھے انہوں نے حضرت عبادہؓ کی جہری نمازوں میں قرأت



من ذهب الى ترك القراءة خلف الامام فيها  
يجهر الامام فيه بالقراءة حين قال النبي  
صلى الله عليه وسلم مالي انازع القرآن  
ولم يسمع استثناء النبي صلى الله عليه  
وسلم قراءة فاتحة الكتاب سرا وقوله  
صلى الله عليه وسلم فاتة لا صلوة لمن  
لم يقرأ بها وسمعه عبادة بن الصامت  
واقته واذا واطهره فوجب الرجوع  
اليه في ذلك وانتهى بلفظه كتاب القراءة ص ۴۷

پر تعجب کا اظہار کیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ میرے ساتھ قرآن  
میں منازعت کیوں کی جا رہی ہے؟ اور اس کے بعد آپ نے  
آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا اور اسی طرح آپ نے یہ  
فرمایا کہ جس آدمی نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز  
نہ ہوگی تو یہ استثناء صرف حضرت عبادہ بن الصامت نے  
سُنی اور دیگر حضرات صحابہ نہ سُن سکے اور اس کو حضرت  
عبادہؓ نے خوب محفوظ رکھا اس کو ادا کیا اور ظاہر کیا سوانحی  
بات کی طرف رجوع کرنا ضروری تھا۔

صحابی اور تارک نماز؟ یہ دو متضاد باتیں ہیں اور واقعہ صبح کی نماز کا ہے جس میں سینکڑوں حضرات  
صحابہ شریک ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مالی انازع الخس سے تنبیہ فرما کر سب  
حضرات صحابہ کو اہم کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی اور یہ حکم بھی پیش نظر تھا۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ  
بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ اور فَاصْلَحْ بِمَا تَوَصَّىٰ رَّبِّي یعنی اے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
اللہ تعالیٰ کے حکموں کو کھول کر بیان کریں جن میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے، مگر بایں ہمہ جناب رسول  
خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ حکم آہستہ (سہرا) بیان کرتے ہیں اور حضرت عبادہؓ کے بغیر اس حکم کو کوئی  
دوسرا سنتا ہی نہیں؟ پھر حضرت عبادہؓ پر لوگ متعجب کیوں نہ ہوں کہ حضرات صحابہ کرامؓ جو آنحضرت صلی  
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ایک حکم اور ارشاد کو عزیز از جان سمجھتے تھے اور ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے  
کوئی بات نہیں سمجھ آتی تو پھر استدعا کرتے تھے اور کوئی ضروری امر ہوتا تو آپ تین تین مرتبہ ایک ایک  
جگہ کو دہراتے تھے لیکن جب اہم کے پیچھے قرأت سورۃ فاتحہ کے حکم کے بیان کرنے کا غیر آتا ہے تو  
آپ آہستہ بیان کرتے ہیں؟ تین مرتبہ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے؟ اور یہ حکم صرف  
حضرت عبادہؓ سُننے میں کسی دوسرے کے پئے کچھ نہیں پڑتا؟ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ آپ سے  
دریافت کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے کہ حضرت آپؐ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ اگر اہم کے پیچھے  
سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا مسئلہ ضروری فرض، واجب اور رکن ہوتا تو یقیناً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم



مسلم ایک بار نہ فرماتے بلکہ کہی بار فرماتے سترانہ فرماتے بلکہ جبراً فرماتے صرف حضرت عبادہؓ کو نہ سنتے بلکہ تمام حضرات صحابہؓ کو سنتے اور اگر حضرت عبادہؓ بھی اس حکم کو ضروری سمجھتے تو یقیناً بغیر خوفِ حدیث کے اس کی خوب نشر و اشاعت کرتے اور حضرات صحابہ کرامؓ کو اس بات کا قائل کر لیتے کہ وہ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے۔ یہ حکم تو ضروری نہ تھا اس لیے اس کی پوزور اشاعت کی ضرورت ہی انسانوں نے نہ سمجھی بخلاف اس کے ترک قرأت کا حکم ضروری تھا اس لیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے صرف ایک شخص نے قرأت کی تو آپ نے فرمایا میرے پیچھے کس نے قرأت کی ہے؟ کیوں میرے ساتھ نماز عت اور مخالفت ہوتی رہی ہے؟ حتیٰ کہ آپ نے بیابانِ دہل یہ ارشاد فرمایا مالی انا نفع القرآن نتیجہ ہوا کہ یہ ارشاد سب نے سنا اور یہ ارشاد سن کر تمام حضرات صحابہ کرامؓ نے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت ترک کر دی۔ جیسا کہ مفصل پہلے گذر چکا ہے۔ باقی اگر حضرت عبادہؓ سے پسندِ صحیح یا کسی اور صحابی سے بلا قسیل و قال خلف الامام کی قید سے کوئی روایت صحیح ہوتی تو یقیناً اس کی طرف رجوع کیا جاتا مگر روایات کا حال آپ ملاحظہ کر ہی چکے ہیں اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حضرت عبادہؓ کے موقوف قول سے ہی غلطی در غلطی پیدا ہوئی ہے الغرض حضرت صحابہ کرامؓ کے یہ آثار پہلے تو سنداً ہی صحیح نہیں ہیں اور اگر کچھ صحیح بھی ہیں تو ان میں صرف جہری نمازوں کا ذکر ہے کسی میں مطلق قرأت کا ذکر ہے اور اکثر میں ما زاد، ما تيسر اور فضاء وغیرہ کی زیاد بھی موجود ہے لہذا یہ آثار فریقِ ثانی کو ہرگز مفید نہیں ہو سکتے۔

## آثار حضرات تابعین و غیر ہم

فریقِ ثانی نے اپنے اس دعویٰ پر کہ امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے درجہ نماز ناقص، بیکار، کالعدم اور باطل ہوگی، حضرات تابعین و اتباع تابعین و غیر ہم کے آثار اور اقوال بھی استدلال کیا ہے حالانکہ ان کے نزدیک درموقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد پھر آثار حضرات تابعین و غیر ہم سے استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جب کہ وہ سنداً اور روایتاً بھی صحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور معنوی اور درایتی پہلو کے پیش نظر بھی وہ ان کو چنناں مفید نہیں ہو سکتے مگر مشہور ہے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، حضرات تابعین و غیر ہم کے وہ آثار جو بحث سکتا



وغیرہ اور دیگر مواقع پر نقل کئے جا چکے ہیں اور جن پر کلام بھی کیا جا چکا ہے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اس موقع پر صرف وہ آثار پیش ہوں گے جو پہلے نقل نہیں ہوئے۔

حضرت محول کا اثر :- ان سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مغرب عشاء اور صبح کی نمازیں ہر رکعت میں آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے اور جہری نمازوں میں جب اہم سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سکوت اختیار کرے تو اس وقت آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے اور اگر اہم خاموش نہ ہو تو اس کے ساتھ یا اس کے بعد یا اس سے پہلے ہر حالت میں سورۃ فاتحہ پڑھو اور کسی حالت میں نہ چھوڑو (بیہقی جلد ۲ ص ۱۷۱)

جواب :- یہ اثر بھی قابل التفات نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اگر بالفرض یہ اثر صحیح بھی ہو تب بھی نص قرآنی، صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ کرام کے صحیح آثار کے مقابلہ میں اس کو سننا کون ہے؟ وثانیاً قرأت سورۃ فاتحہ کے لیے سکتہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ بحث سکتا ہے اہم میں اس کی سیر حاصل تحقیق پیش ہو چکی ہے اور جہراہم کے ساتھ ساتھ پڑھتے جانا مندرجہ اور محبت کا موجب ہے جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے مردود ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر کا اثر :- ان سے مروی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ

لَا تَتَمَصِّلَا لِحَدِّ مِنَ النَّاسِ لَا يَقْرَأُهَا كَسِي شَخْصٌ كِي كَوْنِي نَمَازَ خَوَافٍ وَهُوَ فَرْضِي هُوَ يَنْقَلِي اس وقت  
بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا مَكْتُوبَةً وَلَا سَبْحَةً تَحْتِمْ مَكْلٌ نَمِيں ہوسکتی جب تک اس میں سورۃ فاتحہ اور  
(کتاب القراءة ص ۷) اس سے کچھ زیادہ کی قرأت نہ کی جائے۔

جواب :- یہ اثر بھی قابل استدلال نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں محمد بن العباسؒ ہے کتب اسماء الرجال سے اس کی تعیین نہیں ہوسکتی کہ یہ کون اور کیا ہے؟ وثانیاً اس میں احمد بن حنبلؒ ہے جس کا کتب رجال میں کوئی نام و نشان ہی نہیں ملتا، مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہوا ۲۳۹ جواب :- یہ ٹھیک ہے مگر مولف مذکور کا یہ علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اس راوی کی نشاندہی کرتے اور کتب رجال سے اس کی توثیق نقل کرتے وثالثاً اس کی سند میں حماد بن سلمہؒ ہے ان کے اس اثر کا مقابلہ اس اثر سے نہیں ہوسکتا جو جلد اول میں لبند صحیح نقل کیا جا چکا ہے مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں :- سورہ معارفہ بھی صحیح نہیں



ہے کیونکہ اس اثر کی سند میں حماد بن سلمہ واقع ہے آخر میں حافظ مشیر ہو گیا تھا (انتہی بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۳) و رابعاً اس اثر میں خلف الامام کا کوئی لفظ نہیں ہے اور مسند نقل نماز کا لفظ اس امر کا قوی قرینہ ہے کہ یہ اثر منفرد کے حق میں ہے کیونکہ عام لفظ میں جماعت کی کوئی پابندی نہیں ہے۔  
 وخامساً اگر یہ اثر صحیح اور قابل عمل ہے تو سارا ہی صحیح اور قابل عمل ہو گا اور اس میں فصاعداً کی زیادت بھی ہے اس کے علاوہ کتاب القراءة ص ۸۶ و ۸۷ میں بھی فصاعداً کی زیادت مروی ہے، حالانکہ فرق ثانی فصاعداً وغیرہ کی زیادت پر عمل پیرا نہیں ہے بلکہ ما زاد کو جائز ہی نہیں سمجھتا۔  
 سنن البکری جلد ۱ ص ۱۱۱ میں بھی یہ روایت ہے اور یہی راوی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے البتہ اس میں فصاعداً کی زیادت نہیں ہے اور روایت کا مضمون بھی اس سے قدرے مختلف ہے کیونکہ اس میں اہم اور سکتہ کا ذکر ہے لیکن ایک تو سکتہ کا حکم آپ کو معلوم ہے اور دوسرے ان کے دیگر آثار میں فصاعداً کی زیادت بھی نظر انداز نہیں ہو سکتی۔

حضرت حسن بصریؒ کا اثر: ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا۔ اقرا خلف الامام فی کل صلوۃ بفتح الکتاب فی نفسک (کتاب القراءة ص ۷) والسنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۱۱ کہ امام کے پیچھے ہر نماز میں اپنے دل میں آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھا کر اور

جواب: اس اثر میں بھی محمد بن العباسؒ ہے معلوم نہیں وہ کون اور کیسا ہے؛ بخلاف اس کے جلد اول میں بسند صحیح و افاقہ فی القرآن الایتہ کی تفسیر میں ان کا اثر اس کے برعکس نقل کیا جا چکا ہے۔ چونکہ وہی اثر صحیح ہے اور قرآن کریم صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ و تابعین کے مسلک کے عین مطابق ہے لہذا وہی قابل اخذ ہے، اس کی یہ تاویل جو مولف خیر الکلام نے (ص ۳۲) میں کی ہے کہ مقتدی کو اہم کے پیچھے بلند آواز سے پڑھنے اور شور ڈالنے سے منع کیا گیا ہے (محصلہ بالکل ان کے قول کی تحریف ہے۔ کیونکہ حسن بصریؒ اہم کے پیچھے کسی قسم کی قرأت کے قائل نہ تھے وہ تو آیت و اذقنی آیتہ کو خلف الامام کے پاس میں مانتے ہیں جس میں استماع و انصات کا وجوبی حکم ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ جلد اول میں گذر چکا ہے۔

حضرت اہم شعبیؒ کا اثر: مالک بن مغولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہم شعبیؒ کو سنا حسن القدۃ خلف الامام رسنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۱۱ و کتاب القراءة ص ۱۱۱ کہ وہ اہم کے پیچھے قرأت،



کو پسند کرتے تھے۔

جواب :- یہ اثر بھی قابل احتجاج نہیں اولاً اس کی سند میں ابو بکر بہاریؓ ہے اور گذر چکا ہے کہ وہ کذاب تھا و ثانیاً اس اثر میں مطلق قرأت کا ذکر ہے اور فریق ثانی کا دعویٰ خاص سورہ فاتحہ سے متعلق ہے امام شعبیؒ کا ایک دوسرا اثر اس طرح مروی ہے انہوں نے فرمایا یعنی یقول اقراء فی خمسین یقول الصلوات کلمہا (بیہقی جلد ۲ ص ۱۷۸) پانچوں نمازوں میں قرأت کرنی چاہیے۔ لیکن اس کی سند میں بھی وہی ابو بکر بہاریؓ ہے علاوہ انہیں اس میں اسمعیل بن ابی خالدؒ بھی ہے جن کی نقل ہی کوئی ہونے کے لحاظ سے مؤلف خیر الکلام کے نزدیک صحیح نہیں ہے کما مود اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ بسا اوقات یہ امام شعبیؒ سے ارسال بھی کرتے تھے اور یحییٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ ان کی مرسل روایتیں محض ایچ ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۹۸) ان کی ایک اور روایت ہے جس میں وہ سترتے ہیں کہ ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی اور پہلی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے (بیہقی جلد ۲ ص ۱۷۸) اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تب بھی فریق ثانی کو مفید نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف ظہر اور عصر کی قید ہے اور سورہ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی صریح ذکر ہے حالانکہ ان کا دعویٰ تمام نمازوں میں قرأت کا ہے اور ما زاد علی الفاتحہ کی قرأت کو وہ جانتے ہی نہیں سمجھتا مؤلف خیر الکلام کا اس اثر کو روای کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے حسن قرار دینا دریکھئے ص ۲۳۸) مضحکہ خیز ہے اور وہ اکثر اسی قاعدہ کے مبارک پچھتے ہیں فوا اسفا

حضرت امام اوزاعیؒ کا اثر :- امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ امام موصوفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ امام کو سورت فاتحہ کی قرأت کے بعد سکوت کرنا چاہیے تاکہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں اور اگر وہ سکوت نہ کرے تو قرائت معہ بفاتحہ الکتاب اذا قراہا واسرع القراءة ثم استمع (کتاب القراءة ص ۱) اس کے ساتھ ساتھ سورہ فاتحہ کی قرأت کر لی جائے اور عبادی سے قرأت کر چکنے کے بعد پھر استماع اور توجہ کیجئے۔

جواب :- اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اس کی سند کیسی ہے؟ اور یہ صحیح بھی ہو تب بھی قرآن کریم صحیح احادیث اور حضرات صحابہ کرام کے صحیح آثار کے مقابلہ میں یہ کیونکر حجت ہے؟



اور عبد اقول کے مقدمہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن قدامہؒ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ جو حضرات ائمہ کرامؒ امام کے پیچھے ترکِ قرأت کی وجہ سے نماز کو باطل اور فاسد نہیں سمجھتے تھے ان میں حضرت امام اوزاعیؒ بھی ہیں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کو صرف مستحب سمجھتے تھے وجوب کے قائل نہ تھے اور قرأت ثانی کا دعوت بڑا سنگین ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

حضرت مجاہدؒ کا اثر: امام بخاریؒ نقل کرتے ہیں:-

قال مجاهد اذا لم يقرأ خلف الامام مجاہد نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت نہ کی تو اس اعاد الصلوة رجزاً للقرأة ص) کو نماز دہرائی چاہیے۔

جواب:- حضرت امام بخاریؒ نے اس کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بغیر سند کے ایسا سنگین حکم کون سناتا ہے خصوصاً قرآن کریم اور صحیح احادیث کے مقابلہ میں اور پھر یہ قرأت بھی مجمل ہے اس میں سورۃ فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں ہے اور عبد اقول میں بسند صحیح مجاہدؒ کا اثر اور آیت کا شان نزول اس کے خلاف عرض کیا جا چکا ہے۔

حضرت قاسم بن محمدؒ کا اثر:- ان سے مروی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا:-

كان رجال الثمة يقرؤون خلف الامام کہ بڑے بڑے امام امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے (کتاب القراءة ص ۱۲۱ جزء القراءة مشعشع من الكبرى ص ۱۲۱) تھے۔

جواب:- یہ اثر بھی حجت نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں اسامہؓ ہے امام احمدؒ ان کو لیس بستی کہتے ہیں نسائیؒ ان کو لیس بالقوی کہتے ہیں ابو حاتمؒ کہتے ہیں ان سے احتجاج صحیح نہیں ہے امام یحییٰ بن سعیدؒ نے ان کو ضعیف سمجھ کر بالآخر مطلقاً ترک کر دیا تھا امام ابن معینؒ کہتے ہیں کہ ان کی احادیث کا محدثین نے انکار کیا ہے اور وہ ان کے مناکیر میں شمار کی ہیں امام دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے عطارؒ کے طریق سے جابرؒ کی یہ روایت مرفوعاً بیان کی مثنیٰ کلمہ منحد یعنی قرآنی چاروں تک جائز ہے اور غیر متقلدین حضرات کا اس پر ٹکنا اس پر راقم الحروف کا رسالہ مسئلہ قرآنی ہے (تو امام یحییٰ بن سعیدؒ نے فرمایا تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کی حدیث بالکل ترک کر دی ہے امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کی وجہ سے امام بخاریؒ نے اس



کو ترک کر دیا تھا (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۹) و ثانیاً اس میں سورہ فاتحہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور بغیر اس کے فریق ثانی کا مدعی حل نہیں ہو سکتا و ثالثاً بسند صحیح جلد اول میں حضرت قاسم بن محمد کا اثر نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ جہری نمازوں میں اہم کے پیچھے سورہ فاتحہ کے قائل نہ تھے۔

قاریین کو ام۔ آپ نے آثار حضرات تابعین و غیرہم کی حقیقت بھی معلوم کر لی ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر سند کے لحاظ سے ضعیف اور کمزور ہیں اور بعض میں ظہر اور عصر کی نماز کی تخصیص ہے اور بعض میں فصاعداً اور سورت وغیرہ کی زیادت بھی ملتی ہے اور بعض میں مطلق قرأت کا ذکر ہے مخصوص طور پر سورہ فاتحہ کا ذکر ان میں نہیں ہے اور ان واضح اور غیر مبہم قرآن کے ہوتے ہوئے فریق ثانی کا دعویٰ یقیناً باطل ہو جاتا ہے ان آثار کے علاوہ بعض اور بھی ہیں لیکن نہ ان کا مہر ہے نہ پاؤں لہذا ایسے بے سرو پا اور بے اصل اور غیر مستند آثار کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس لیے ان کے نقل کرنے اور پھر ان کا جواب دینے کی کوئی حاجت معلوم نہیں ہوتی خلاصہ امر یہ ہے کہ جمہور نے جو روایات و آثار اپنے استدلال میں پیش کئے ہیں ان میں پچانوشتے فیصدی راوی ثقہ ثبت اور حجت ہیں اور تقریباً پانچ فیصدی راوی متکلم فیہ ہیں لیکن جمہور ائمہ جرح و تعدیل ان کی بھی توثیق کرتے ہیں بخلاف اس کے جن روایات اور آثار سے فریق ثانی نے استدلال کیا ہے ان میں تقریباً پچانوشتے فیصدی راوی کذاب ارجال مجہول، متروک، مستور، لیس، بشقۃ، لیس بالقوی، لا یحتاج بہ اور کشیں التذلیس والادسال وغیرہ اوصاف سے موصوف ہیں اور پانچ فیصدی ایسے ہیں جو ثقہ ہیں مگر جرح سے خالی نہیں ہیں اور یہ بھی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ جن روایات میں فصاعداً، ماتیسر۔ ما زاد اور الا وداد الامام کی زیادت موجود ہے ان کے علاوہ اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور خاص طور پر وہ روایات جن میں خلف الامام اور الا بفاتحۃ الکتاب کی قید موجود ہے وہ تو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہیں تو ان ضعیف احادیث سے شریعت کے روئے صحیح نمازیں کیونکر باطل، بیکار، ناقص اور کالعدم ہو سکتی ہیں؟ اور ایسی ضعیف روایات و آثار پر بنیاد رکھ کر مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ کی فرضیت اور رکعت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ اور حنفیوں کو مفسدین صلوٰۃ کا خسروانہ خطاب کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اور ان کی بیبیوں سے بغیر ان کے خاوندوں کے طلاق دینے اور حدت گزرنے نکاح کیسے درست ہو سکتا ہے؟



## چوتھا باب

### قیاسی دلائل

فریق ثانی نے قرآن کریم کی جن آیات سے اہم کے پیچھے قرأت سورہ فاتحہ پر استدلال کیا ہے اس کی حقیقت آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ان آیات سے ان کا استدلال تو نہیں ہو سکتا البتہ انہوں نے بعض آیات سے غلط استدلال اور بعض میں تفسیر بالرائے کا ارتکاب ضرور کیا ہے اسی طرح آپ یہ بھی معلوم کر آئے ہیں کہ بغیر ان روایات کے جن میں فصحاء، مانتہر اور مآذاد وغیرہ کی زیادت اور الإِدْوَادُ اَلْمَمَامُ کی استثناء موجود ہے اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور خاص طور پر وہ روایات جن میں خلف الامام کی قید اور اِلَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وغیرہ کی استثناء ہے وہ تو انتہائی درجہ کی ضعیف، معلول اور کمزور ہیں اور ان کی اسانید پر جو عرج اور کلام کیا گیا ہے وہ کتب لیسما الرجال کی ضعیف، معلول اور کمزور ہیں اور ان کی اسانید پر جو عرج اور کلام کیا گیا ہے وہ کتب لیسما الرجال اور فریق ثانی کے مسلم اور طے شدہ قواعد کے لحاظ سے واضح دلائل سے کیا گیا ہے جس سے ان کو کوئی مقرر نہیں ہے نیز آثار حضرات صحابہ کرام و تابعین وغیرہم پر جو تنقید کی گئی ہے وہ بھی حضرات محدثین کرام اور خاص طور پر فریق ثانی کے مسلمات کے عین مطابق ہے اور کوئی بات حوالہ کے بغیر نہیں کہی گئی ہے اب اس باب میں ان کا قیاس اور اجتہاد بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

### پہلی قیاسی دلیل

اہم دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ وغیرہ اپنی سند سے یہ مرفوع روایت نقل کرتے ہیں اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ فَمَا صَنَعَ فَاَصْنَعُوا (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۷ و کتاب القراءة ص ۵۸) امام ضامن ہے جو وہ کرے سو تم بھی کرو اور یہ روایت مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۶۶ وغیرہ میں بھی مذکور ہے امام بیہقیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جبری نمازوں میں ہمارا مشاہدہ ہے اور سبیری میں بھی ہمیں یقین ہے کہ امام سورہ فاتحہ پڑھتا ہے



اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو تمہارا امام کرے سو وہ تم بھی کرو لہذا ہمیں بھی سورہ فاتحہ پڑھنا ہوگی۔

جواب: نہ تو یہ روایت صحیح ہے اور نہ یہ قیاس صحیح ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں موسیٰ بن شیبہ ہے امام احمد اس کو ضعیف کہتے ہیں (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۴۶) نیز یہ منبر مایا کہ احادیث مناکیر اس کی روایتیں منکر ہیں (سیران جلد ۳ ص ۱۱۱) حافظ ابن حجرہ لکھتے ہیں لایں الحدیث (تقدیب ص ۲۶) کہ حدیث میں وہ ضعیف ہے اور ثانیاً اس لیے کہ معنی تو یہ ہیں کہ قابل اقتدار امور میں امام کی مخالفت نہ کی جائے بلکہ جو کچھ وہ کرے سو تم بھی کرو یہ مطلب تو ہرگز صحیح نہیں کہ جو امام کرے وہ تم بھی کرو ورنہ امام نے یہ کیا ہے کہ مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوا ہے بغیر آواز سے تبخیر کہتا ہے صبح اللہ من حمدہ اور سلام کہتا ہے چہرے قرأت کرتا ہے اور سورہ فاتحہ کے بعد کی لمبی لمبی سورتیں پڑھتا ہے تو کیا یہ سب کچھ مقتدی بھی کر سکتے ہیں؟ اس قیاس کے رُو سے مقتدیوں کو چاہیے کہ جیسے امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوا ہے وہ بھی آگے نکل جائیں حتیٰ کہ امام بیچارہ بھی منہ تھکا رہ جائے اور امام کی طرح مقتدی بھی چہرے قرأت کریں حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھے اور کان پڑھی قرأت نہ سنائی دے اور لطف کی بات یہ ہے ہاذا علی الفاتحۃ میں بھی جیسا امام نے کیا ہے ویسا ہی کرنا ہوگا آخر حدیث کے الفاظ ہیں فاصنعوا کما صنع الہام (او کما قال) اس کی مخالفت کون کر سکتا ہے؟ علاوہ ازیں اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس میں قرأت کا کوئی لفظ نہیں بلکہ صنع (صنعت) کا ذکر ہے جو عملی کارروائی پر اطلاق کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ امام قیام کرے تم بھی قیام کرو، امام رکوع کرے تم بھی رکوع کرو، امام سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو وغیرہ وغیرہ عملی طور پر اس کی مخالفت نہ کرو، یہی قولی بات تو اس کے متعلق ارشاد یہ ہے اذا قرأ فاتحۃ صبرا جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو غرضیکہ اس روایت سے مقتدیوں کے لیے سورہ فاتحہ کی قرأت پر استدلال کھرتا ردیہ ودرایتہ باطل ہے۔

دوسری قیاسی دلیل

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا المصلیٰ یناچی ربکہ نمازی اپنے رب کے مناجات کرتا ہے۔



اور مناجات نطق سے ہوتی ہے سکوت سے نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ مقتدی کو اہم کے پیچھے  
سورت فاتحہ پڑھتی چاہیے (محصلاً کتاب القراءۃ ص ۵۶)

جواب: یہ امام بیہقی ہی ازراہ انصاف فرماتے ہیں کہ کیا یہ مناجات صرف سورۃ فاتحہ کی مختصر سی سنت  
ایمتوں سے ہی ہو سکتی ہے قرآن کریم کی باقی ایک سو تیرہ سورتوں سے مناجات نہیں ہو سکتی؟ اور کیا خدا تعالیٰ  
کی مناجات کا وقت صرف سورۃ فاتحہ کے وقت تک محدود ہے اس کے بعد سورۃ بقرہ جیسی طویل سورتوں  
کے وقت میں خدا تعالیٰ کی مناجات کی ضرورت باقی نہیں رہتی؟ اور یہ آداب مناجات کا کونسا پہلو اور طریقہ  
ہے کہ وفد کا امیر اور پارٹی کا لیڈر (امام) جب قوم کی نمائندگی کرتا ہے تو ہر طرف سے محفل اور مجلس کے ادب  
سے قطع نظر کرتے ہوئے وفد کا ایک ایک عرکن درخواست کا ایک ایک لفظ دہراتا ہے؟ ہاں یہ ضروری  
ہے کہ سب اپنے نمائندہ کی آئین کہتے ہوئے تائید کریں لیکن جس بھی سرکار سے نمازیں مناجات ہوتی ہے  
وہ تو دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے اور وہ بے ریا اور مخفی دعا کو زیادہ پسند کرتی ہے اس  
لیے امام کی آہستہ آہستہ تائید زیادہ بہتر اور جن ہوگی اور مناجات اور درخواست کے پیش کرنے کے لیے  
امام ہی کافی ہوگا۔

### تیسری قیاسی دلیل

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ایک روایت آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نماز میں کلام  
کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز میں گفتگو اور کلام نہیں کرنا چاہیے نماز تو تسبیح  
تکبیر اور تلاوت قرآن کا نام ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو اہم کے پیچھے  
(سورۃ فاتحہ کی) قرأت کرنی چاہیے۔ (محصلاً کتاب القراءۃ ص ۵۶)

جواب: امام بیہقی کا یہ قیاس بھی مردود ہے اولاً اس لیے کہ نماز میں تلاوت قرآن باقاعدہ  
ہوتی ہے اور امام قرآن کریم پڑھتا ہے مقتدیوں کا فریضہ تلاوت نہیں بلکہ استماع اور انصات ہے  
جیسا کہ نص قرآنی اور صحیح احادیث سے معلوم ہو چکا ہے وثانیاً کیا تلاوت قرآن کا اطلاق صرف  
سورۃ فاتحہ پر ہی ہوتا ہے اور مازاد علی الفاتحۃ میں قرآن کریم کی تلاوت نہیں ہے؟ پھر مردود سکر  
حضرات عموماً اور حضرت امام بیہقی خصوصاً کیوں یہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ مقتدی کے لیے  
کسی اور قرأت کی اجازت نہیں ہے اور یہ حدیث فلا تَقْرَؤْا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ کے تحت ممنوع ہے؟



## چوتھی قیاسی دلیل

اہم بیہقی فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی ایک حدیث آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص سے دریافت فرمایا تم کس طرح نماز پڑھتے ہو اس نے جواب دیا میں فاتحۃ الکتاب پڑھتا ہوں جنت کا سوال کرتا ہوں اور رخ سے پناہ مانگتا ہوں اور مجھے معلوم نہیں آپ کا طریقہ اس میں کیا ہے؟ اہم بیہقی فرماتے ہیں اس میں اہم و مقتدی کی کوئی قید نہیں لہذا اس سے مقتدی کے لیے بھی قرآن ثابت ہو گئی۔ (کتاب القراءة ص ۵)

جواب :- اگر یہ روایت صحیح ہے تو اتنی طویل مسافت طے کرنے اور چکر کاٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ کیوں نہ ہو جائے کہ یہ روایت صرف منفرد کے حق میں ہو اور وہ بھی محض نفلی نماز میں جیسا کہ ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۲۸ وغیرہ ہی کی ایک روایت اس کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوٰۃ تطوع (نفلی نماز) میں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّرِّ وغیرہ پڑھا کرتے تھے، چونکہ اس روایت میں خلف الامم کی کوئی قید نہیں اس لیے یہی بات متعین ہے کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف اور صریح الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا ہے اِذَا قَرَأْتَ فَانصِتْ وَاجِب اہم قرآن کرے تو تم خاموش رہو اور یہ محال ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو متضاد حکم صادر فرمائیں کہنے والے نے کیا ہی سچ کہا ہے۔

نہی باشد مخالفت قول و فعل راستاں باہم

کہ گھٹا ر قلم باشد ز رفت ر قلم پیدا

یہ ہیں وہ قیاسات جو حضرت اہم بیہقی وغیرہ نے مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے پر پیش کئے ہیں حضرت امام بخاریؒ نے جو قیاسات کئے ہیں وہ ان سے بھی عجیب تر ہیں جن کی پوری تشریح جلد اول میں قرآن کریم کی آیت کے تحت نقل کر کے ان کے جوابات دے دیے گئے ہیں اور قرآن کریم کی آیات سے جو قیاسات کئے گئے ہیں ان کے جوابات بھی باب اول میں عرض کر دیے گئے ہیں اور باقی جو قیاسات پیش کئے گئے ہیں وہ ضعیف، کمزور اور بے کار ہیں، اس لیے وہ قابل التفات ہی نہیں ہیں الغرض حق اور منصور مسلک صرف یہی ہے کہ امام کے پیچھے سب سے بڑی نمازیں ہوں یا جہری کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت سکوناً اور سورۃ فاتحہ کی قرأت خصوصاً مضمون سے قرآن کریم صحیح احادیث آثار حضرات صحابہ کرام



و تابعین و اتباع تابعین اور دیگر جمہور اہل اسلام کا یہی مسلک ہے اور جہری نمازوں میں ترک قراۃ خلف  
 الامام کا مسلک حضرات ائمہ اربعہ اور دیگر بالغ نظر حضرات فقہاء اور محدثین کا مستحق علیہ مسلک ہے  
 اور فریق ثانی کا یہ دعویٰ کہ جو شخص اہم کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے  
 کا عدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے (بلفظہ) قطعاً مردود اور باطل ہے اس دعویٰ پر ان کے پاس  
 ایک بھی صحیح صریح اور مرفوع حدیث موجود نہیں ہے اور اس کے خلاف جمہور علماء کا عموماً اور احناف کا دامن  
 خصوصاً احادیث اور دلائل سے مالا مال اور پڑھے مگر فریق ثانی کا تعصب اور عناد دیکھئے کہ صحیح حدیثوں  
 کو ٹھکراتے ہوئے بھی وہ اہلحدیث ہیں اور ہم لوگ صرف اہل الرائے ہیں اور صرف فقہ اور اماموں کے ماننے  
 والے ہیں تعصب کی اس سے بدترین مثال شاید ہی دنیا میں کوئی اور موجود ہوگی باوجودیکہ فریق ثانی کا دامن  
 مسکونہ نہ بحث میں دلائل سے بکسر خالی ہے مگر ہم پھر بھی ان کی قدر کرتے ہیں اور کوئی ایسا لفظ جو مومن تکفیر  
 ہو کہنے کے لیے تیار نہیں ہے حضرت شیخ المسلمی نے مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے حق میں کیا ہی خوب  
 ارشاد فرمایا ہے کہ گو آپ صاحب کیسی ہی بدزبانی سے پیش آویں مگر ہم انشاء اللہ تعالیٰ کلمات مومن  
 تکفیر و تفسیق ہرگز آپ کی شان میں نہ کہیں گے بلکہ اللہ آپ کے اسلام ہی کا اظہار کریں گے ولنفسہ ما قبل  
 اگر خواندی مرا کافر عنی نیست چراغ کذب را بنود فروغی  
 مسلمانیت بگویم در جوابش دہم شیرت بجائے ترش دوشی  
 اگر خود مومنی نہی و مگر نہ  
 دروغ را جزا باشد دروغی (ایضاح الأدلۃ ص ۱۸)

راقم الحروف نے ایک مجلس کی تین طلاقیں پر عمدۃ الثبات یعنی حکم طلاقات الثلاث  
 اور مسئلہ تقلید پر الکلام المفید اور اسی طرح مسئلہ تراویح اور رفع یدین وغیرہ پر ٹھوس معلومات کیجا  
 کئے ہیں اور ان کی ترتیب دی جا رہی ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اشاعت کے اسباب بھی پیدا کرے۔  
 آخر میں ہم پھر یہ گزارش کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت امام بخاری، حضرت امام بیہقی اور امام قسطلی  
 وغیرہ کے پیش کردہ دلائل پر جو گرفت کی ہے تو اس سے مقصد صرف ان کے دلائل کی خامی کا اظہار ہے  
 ورنہ خدا تعالیٰ شاہد ہے کہ ہمارے دل میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے  
 علم بحد اللہ تعالیٰ یہ کتاب طبع ہو کر بھڑکے ہی عرصہ میں ختم ہو گئی ہے اب طبع سوم کی تیاری ہو رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔



اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق احادیث اور دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ محصوم صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہوتے ہیں اور فریق ثانی کی خدمت میں نہایت ہی ادب سے مخلصانہ اپیل ہے کہ وہ اپنے اس غلو سے باز آجائے اور تمام مسلمانوں کی صحیح نمازوں کو ناقص، کالعدم اور باطل نہ ٹھہرائے۔ اللہ تعالیٰ ان کو حق کے قبول کرنے کی توفیق دے اور ہمیں بھی حق پر ثابت قدم رکھے یہی دل ناتواں کی دینیہ آرزو ہے اور اسی پر قائم و قائم رہنے کی دلی خواہش ہے۔

یہ دیکھ کر میرا دیدہ تہ مجھ کو خود حالِ قلب مضطر  
کہ ہو گا کس جوش میں سمنر جو یہ تلاطم بجا میں ہے

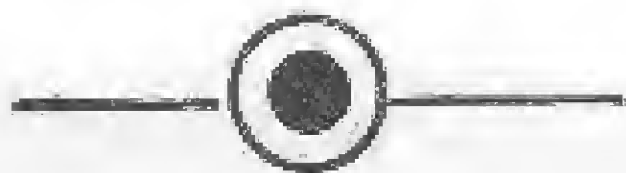
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد خاتم الانبیاء و امام المرسلین  
ولد آدم و علی آلہ واصحابہ و جمیع امتہ الی یوم القیمۃ آمین ثم آمین

ابوالنہاد

محمد سرفراز خاں صفدر خطیب جامع گکھڑ

ضلع گوجرانوالہ (پاکستان)

۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۴ھ ۳ فروری ۱۹۵۵ء





وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (القرآن)  
 وَكَسَلُ الْإِمَامِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ (الاجماع على انها نزلت في الصلوة) (فتاوى ابن تيمية ص ۱۳۳)  
 وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ (مسلم ص ۱۴۴ ، والبرهان ص ۱۳۳)  
 (۱۳۳)

## مقدمہ

# تدقیق الکلام

از: شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر دام مجید

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجید کے استاد و محترم جامع المقبول و  
 النقول حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن  
 راجہ بازار راولپنڈی نے مسئلہ قاتحہ خلف الامام پر علمی و تحقیقی کتاب تدقیق الکلام تصنیف  
 فرمائی جو دو جلدوں میں کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی نے شائع کی۔ اس سے  
 کتاب میں مؤلف خیر الکلام و مؤلف تو ضیح الکلام کے شکوک و شبہات کا علمی انداز میں  
 جواب دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ حضرت شیخ الحدیث صاحب دام مجید نے تحریر  
 فرمایا تھا۔ اس مقدمہ میں بیان کردہ بحث کا احسن الکلام کی مباحث سے گہرا تعلق ہے  
 جس کی وجہ سے بہت سے اہل علم حضرات نے فرمائش کی کہ اس مقدمہ کو احسن الکلام کے  
 ساتھ بھی شائع کیا جائے تو ان حضرات کی فرمائش کا احترام کرتے ہوئے اس مقدمہ کو احسن  
 الکلام کیساتھ شائع کیا جا رہا ہے (بشکریہ نامہ تدقیق الکلام)

حافظ عبد القدوس خان قاری



## مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ  
 اَمَّا بَعْدُ : مذہب اسلام کے مسائل اصولاً دو حصوں میں منقسم ہیں۔ (۱) اصول، (۲) فروع۔ اصول دین میں اختلاف انتہائی مذموم اور قبیح ہے اور اس اختلاف کی وجہ آدمی یا تو سرے سے دین ہی سے خارج ہو جاتا ہے اور یا اہل حق سے کٹ اور بہت کراہل بدعت کے فرقوں میں شامل ہو جاتا ہے اور فروع دین میں اختلاف اگر مجتہد سے رونما ہو تو وہ معذور بلکہ مأجور ہوگا اور اگر غیر مجتہد یہ کاروائی کرے اور اس میں تعصب مذہبی بھی شامل ہو تو وہ گنہگار ہوگا۔ حضرات ائمہ دین کے فرعی اختلافات سے جو خالص نیت اور خلوص نیت پر مبنی ہیں۔ کتب فقہ، شرح حدیث اور کتب تفسیر بھری پڑی ہیں۔ ان اختلافی اور فروعی مسائل میں سے ایک مسئلہ قرأت یا ترک القرات خلف الامام کا بھی ہے جو حد نبوت سے تاہنوز اختلافی چلا آ رہا ہے۔ ہر فریق اپنی علمی تحقیق پر عمل کرتا رہا، کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ مگر غیر مقلدین حضرات نے اس میں بھی نہایت غلو اور تعصب کا مظاہر کیا اور تمام دنیا کے احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتم کو چیلنج کیا اور ان کی نماز کو باطل بے کار اور کالعدم قرار دے کر ان کو فی النار والسقر تک کا حکم خسروانہ سنایا ان کے یہ باطل دعاوی اور ان کے الفاظ سبب تالیف احسن الکلام میں مذکور ہیں وہاں ہی ان کو دیکھ لیا جائے۔ الحمد للہ تعالیٰ احسن الکلام کے مضبوط اور واضح دلائل اور حوالوں کا یہ اثر ہوا کہ مصنف خیر الکلام اور مؤلف توفیح الکلام یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہمارا تو یہ مسلک ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی اختلافی ہونے کی بنا پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتیٰ الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جبری ہو یا سبزی، اپنی تحقیق



پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔ و خیر الکلام مسئلہ ۳۳۲ و توضیح الکلام ص ۵۵۱ کاش کہ  
 یہ حضرات پہلے ہی اس حق کوئی سے کام لیتے اور اپنے غالی دوستوں کو چیلنج بازی اور احث  
 کی صحیح نماز کے باطل بے کار اور کالعدم ہونے کے تاروا فتویٰ سے باز رکھتے تو ہمیں احسن  
 الکلام بکھنے کی سہولت سے ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ بفضلہ تعالیٰ یہ احسن الکلام کے ٹھوس  
 اور محکم دلائل ہی کا نتیجہ ہے کہ ان حضرات نے ترک القراءت خلف الامام کرنے والوں کی نماز  
 کے باطل نہ ہونے کا اقرار کیا۔ ورنہ غیر مقلدین حضرات کبھی کھلے لفظوں میں اپنی شکست فاش  
 کو تسلیم نہ کرتے اور نہ یہ ان کا شیوہ اور عادت ہے۔ اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جن  
 آیات اور احادیث کو وہ قراءت خلف الامام کے سلسلہ میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں وہ  
 نص اور قطعیت کے ساتھ ان کے نزدیک بھی اس دعویٰ پر دال نہیں ہیں ورنہ وہ اس  
 مسئلہ کو اجتہادی مسئلہ کبھی نہ کہتے کیونکہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں صراحت نہ ہو اور ان  
 حضرات کا اس مسئلہ کو اجتہادی کہنا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صریح، صحیح اور  
 منطوق طور پر ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے چھی تو یہ مسئلہ ان کے نزدیک اجتہادی  
 ہے لہذا آیات و احادیث کو ترک کرنے کا احناف پر الزام اور طعن بالکل بے جا ہے  
 اس لیے کہ بقول ان حضرات کے احناف نے ان دلائل اور احادیث کو ترک نہیں کیا۔  
 بلکہ ان کے اس مفہوم اور معنی کو ترک کیا ہے۔ جس کو مجوزین حضرات اپنے اجتہادی رنگ  
 میں اپناتے ہیں اور اس کے برعکس احناف نص قطعی اور صریح و صحیح احادیث سے  
 مقتدی کا وظیفہ ترک القراءت خلف الامام بتاتے ہیں جیسا کہ پیش نظر کتاب تدقیق الکلام  
 میں اس کی محققانہ و علانہ بحث کی گئی ہے۔ لہذا مصنف خیر الکلام اور مولف توضیح  
 الکلام کا چند آیات و احادیث کو پیش کر کے احناف پر طعن و الزام قائم کرنا کہ ہمارے  
 پاس تو یہ یہ دلائل ہیں اور احناف ان کے قائل نہیں محض تصبیح وقت اور سمع خراشی ہے  
 اس لیے کہ وہ تو ان کے نزدیک بھی ان کے مدعی پر نص قطعی نہیں۔ ورنہ وہ اس مسئلہ کو  
 اجتہادی کبھی نہ کہتے :

سے نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے سستی میں      فقیہ مصلحت بین سے وہ رند بادہ خوار اچھا



# مؤلف توضیح الکلام کی لائبریری

موصوف لکھتے ہیں کہ امام بخاری سے لے کر دور قریب کے محققین علمائے اہل حدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے۔ وہ بے نماز ہے وغیرہ (توضیح الکلام ص ۴۳) بجائے اس کے کہ ہم طویل راستہ اختیار کریں اختصاراً صرف دور حاضر کے بعض غیر مقلدین حضرات کی چند کتابوں کے حوالے ہی عرض کرتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ انہوں نے کیا کہا؟

(۱) پہلے باب میں احادیث صحیحہ صریحہ سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے الحمد پڑھنا واجب ہے بغیر الحمد پڑھے اسکی نماز درست نہیں۔ (تحقیق الکلام ص ۴۴) ظاہر بات ہے کہ جب نماز درست نہ ہوئی تو باطل ہی ٹھہرے گی اور جب نماز نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی تصور ہوگا۔

(۲) سوال: فاتحہ خلف الامام فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب ہے؟  
الجواب: فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی تمام کتب احادیث میں مرقوم ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الشیخ محمد عبد الحفیظ غفرلہ۔ سید محمد نذیر حسین، سید محمد ابوالحسن، سید محمد عبدالسلام غفرلہ۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۹۸ و فتاویٰ علمائے اہل حدیث ص ۱۲۱)  
(۳) سوال: جو شخص امام کے پیچھے کسی رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھ سکا اس کی وہ رکعت ہوئی یا نہ؟

الجواب: بغیر سورۃ فاتحہ کے رکعت پوری نہیں ہوتی۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے پس صورت مسئلہ میں اس شخص کی وہ رکعت نہیں ہوئی اس کو دہرانا چاہیئے۔ الخ حررہ محمد عبد الحق ملتانی، سید محمد نذیر حسین۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۹۸، فتاویٰ علمائے اہل حدیث ص ۱۲۱)  
(۴) خلاصہ تمام مضمون کا یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بامر اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو فرمایا میرے پیچھے سورۃ فاتحہ ضرور پڑھا کرو ورنہ تمہاری نماز باطل ہو جائے گی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ص ۴۸۹)



سوال: امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے متعلق آپ کی تحقیق از روئے قرآن و حدیث کیا ہے؟ کیا فاتحہ کے بغیر نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب: میں سورۃ فاتحہ کو امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری جانتا ہوں۔ از روئے قرآن و حدیث میری تحقیق ہے کہ فاتحہ کے بغیر منفرد ہو یا مقتدی، کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ (تفسیر سنائی ۱۵ جولائی ۱۹۳۸ء و فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۵۵)

صاف عیاں ہو گیا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے، اور جب نماز نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی رہا۔

(۵) سوال: سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا ان الفاظ میں ثابت کر دیا جائے کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ ارشاد فرمایا ہو کہ امام کے پیچھے ہر نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرو؟

جواب: کتاب القراءت ہیثمی ص ۴۷ میں یہ حدیث ہے لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب خلف الامام۔ یعنی جو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں لیجئے مگر الفاظ کا آپ نے سوال کیا ہے۔ ان سے بھی یہ سخت ہیں کیونکہ آپ نے امر کا سوال کیا ہے اور یہاں سرے سے نمازی کی نفی ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث عبد اللہ روپڑی ص ۱۴۲ و تنظیم اہل حدیث جلد ۱۵ شمارہ ۱۲ بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۱۱)

جب سرے سے نماز ہی نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی رہا۔

(نوٹ) اس روایت میں خلف الامام کا جملہ بعض روایت کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ (ملاحظہ

ہو فصل الخطاب ص ۷۹)

(۶) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، "نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے تنہا ہو یا امام یا مقتدی، بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے کسی کی کوئی نماز نہیں ہوتی، خواہ فرض ہو یا نفل ہر ایک میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے کیونکہ حکم عام ہے۔ (از مولانا عبد السلام بستی مدرس مدرسہ ریاض العلوم دہلی۔ اخبار اہل حدیث دہلی جلد ۹، شمارہ ۲۳)



بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث (۱۲۲)۔

مؤلف توضیح الکلام ہی از رائے انصاف و دیانت اگر ان کے نزدیک انصاف و دیانت نامی کوئی چیز ہے اور اس کی ان کے ہاں قدر بھی ہے، یہ فرمائیں کہ کیا یہ تمام محققین علمائے اہل حدیث امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کو بے نماز نہیں کہہ رہے اور کیا اسکی نماز کو باطل نہیں کہہ رہے؟ یہ احسن الکلام کے محکم براہین وادلہ ہی کا نتیجہ اور اثر ہے کہ مؤلف خیر الکلام و توضیح الکلام عدم بطلان کے فیصلہ پر مجبور ہوئے ہیں۔ ورنہ غیر مقلدین حضرات کا فیصلہ اور فتویٰ یہی ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز باطل ہے اور وہ بے نماز ہیں اور بے نماز کا ٹھکانہ ہی سقر ہے۔

استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب دامت برکاتہم نے دجہ تقریباً ساٹھ سال تک علوم نقلیہ اور عقلیہ کے کامیاب مدرس رہے ہیں۔ ڈابھیل میں بھی استاد حدیث رہ چکے ہیں اور اب بھی مدرس تعلیم القرآن راولپنڈی میں شیخ الحدیث ہیں، انوکھے اور علمی انداز میں ترک القرات خلف الامام کے دلائل پیش نظر کتاب تدقیق الکلام میں بیان فرمائے ہیں۔ علمائے کرام کے لیے یہ انمول ہوتی ہیں اور ایسے انداز سے پیش کیے ہیں جو حقیقت کی خوب خوب گرہ کشائی کرتے ہیں اور خیر الکلام میں نقل کردہ دلائل کا باحوالہ تانا بانا بھی روشن کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر نام لے کر توضیح الکلام میں نقل کردہ دلائل کا بھی خوب تعاقب کیا ہے مگر زیادہ تر ترویج خیر الکلام کے شبہات کی کی گئی ہے۔ کیونکہ توضیح الکلام، خیر الکلام کا علمی سرقر اور اسی کا چرہ ہے۔ جب اصل کارد ہو گیا تو فرع کا خود بخود ہو جاتا، قارئین کرام کو تدقیق الکلام میں بعض بعض مقامات میں تکرار بھی نظر آئے گا۔ مگر کہیں بھی تکرار نامذہ سے خالی نہ ہوگا۔ پڑھنے والے اہل علم حضرات اس کا بخوبی اندازہ لگالیں گے۔ اس مسئلہ کے جن جن گوشوں کو حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اُجاگر کیا ہے اور جن دلائل کو علمی اور تحقیقی طور پر روشن کیا ہے بلا خوف و لومۃ لازم یہ کہا سکتا ہے کہ وہ انہی کا حصہ ہے اور اسی ہی کتاب میں آپ پر وہ عیاں ہوں گے۔ غیر مقلدین حضرات کو اس سے ناگواری تو ضرور ہوگی مگر ٹھنڈے دل سے اس کتاب کو اوّل سے آخر تک ایک بار پڑھ لیں، چھوڑیں نہیں۔



سہ رٹھا ہے وہ مجھ سے مجھے منظر ہے لیکن

یاد داسے سمجھاؤ میرا شہر نہ چھوڑے

غیر مقلدین حضرات کے تعصب اور خیانیوں کو تہ قیق الکلام میں جس طرح نمایاں کیا گیا ہے اور ان کی علمی غلطیوں کو واشگاف کیا گیا ہے وہ اسی کتاب کا خاصہ ہے۔ عیاں را چہ بیاں مصنف خیر الکلام اور ان کے شاگرد رشید مؤلف توضیح الکلام پر جو علمی تنقید کی گئی ہے اور ان کی سوجیانہ اور غیر عالمانہ زبان سے اغماض کیا گیا ہے وہ کتاب کی قدر و قیمت کو اور دو بالا کر دیتا ہے۔ دونوں مؤلفوں نے اپنے عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی بے فائدہ کوشش کی ہے اور محقق اقوال کو محض تاریکیوں کی قسم کے شبہات سے رد کرنے کی نامحسوس کوشش کی ہے۔ مؤلف توضیح الکلام کا کتاب میں اکثر یہی طریقہ اور وتیرہ ہے مثال کے طور پر بعض باتیں ملاحظہ ہوں:

اول: حضرت امام مالکؒ مؤطا امام مالکؒ طبع مجتبائی دہلی میں الامر عندنا فرما کر یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں طے شدہ بات اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے ساری نمازوں میں قرأت کی جائے مگر جہری نمازوں میں نہ کی جائے۔ (محصلہ)

اس عبارت کو کاٹنے کے لیے مؤلف توضیح الکلام ص ۶۵ میں تفسیر قرطبی ص ۱۱۹ کا یہ حوالہ پیش کرتے ہیں اور ایک قول امام مالکؒ کا یہ ہے کہ فاتحہ ہر رکعت میں ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔ الخ اور لکھتے ہیں کہ علامہ قرطبیؒ فقہ مالکی کے مسلک امام ہیں۔ ان کے کلام کو بلا دلیل رد کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

کیوں جناب؟ حضرت امام مالکؒ جو بلا اختلاف مجتہد مطلق اور مسلم امام ہیں، اور وہ الامر عندنا فرما کر اپنا فیصلہ خود سناتے ہیں اور طبقہ اولیٰ کی کتاب مؤطا امام مالکؒ میں یہ موجود ہے ان کے اس فیصلہ کو ساتویں صدی کے محمد بن احمد بن ابی بکر الاندلسی القرطبیؒ (متوفی ۳۷۱ھ) بقول مؤلف توضیح الکلام مسئلہ امام کے بلا سند منقول ایک قول سے رد کرنا کون سا انصاف و دیانت ہے؟ کیا یہ اس کا مصداق نہیں کہ: **میں وہ جواں ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں**



دوم: احسن الکلام میں ہم نے حضرت امام شافعیؒ کی یہ عبارت نقل کی تھی: و نحن نقول كل صلاة صليت خلف الامام والامام يقرأ لا يسمع فيها قرأ فيها و کتاب الامام ص ۱۵۳، یعنی ہم کہتے ہیں کہ تمام شری نمازوں میں مقتدی قرأت کرے۔ (جہری میں نہ کرے)

اس کے جواب میں مصنف خیر الکلام اور مؤلف توضیح الکلام نے جو جو شکوے چھوڑے اور پاڑے دیے ہیں وہ قابل دیدنی ہیں۔ (۱) یہ کہ کتاب الامام کے مطبوعہ نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔ معارف السنن ص ۱۸۶ میں ہے کہ یہ عبارت مطبوعہ نسخہ سے گر گئی ہے۔ (۲) فلاں اور فلاں اور فلاں بزرگ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ تمام نمازوں میں قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ (۳) کتاب الامام کے نام سے جو مجموعہ سات جلدوں میں مطبوع ہے۔ اس میں امام شافعیؒ کے مختلف رسائل بھی آگئے ہیں۔ یہ عبارت امام شافعیؒ کے دوسرے رسالہ اختلاف علیٰ وعبد اللہ کی ہے جنہیں کتاب الامام کو حصہ شمار کرنا ظلم و عقل کا ماتم کرنا ہے۔ (مجلد توضیح الکلام ص ۶۵ تا ۷۵)

الجواب: غیر مقلدین حضرات کے ان وکیلوں نے جس بہانہ سازی اور حیلہ دہی کا ثبوت دیا ہے وہ صرف انہی کا خاصہ لازمہ ہے۔ ترتیب وار جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) مشہور تو یہی ہے کہ النقد خیر من النفسیۃ کہ نقد ادھار سے بہتر ہے ہم نقد حوالہ بتاتے ہیں اور آپ اس کو سینہ زوری سے ٹالنے کے لیے بہانہ سازی سے کام لیتے ہیں کہ عبارت کتاب الامام سے ساقط ہو گئی ہے یہ وہ معمودہ عبارت نہیں ہے جناب! یہی وہ معمودہ عبارت ہے جس کا حضرت امام شافعیؒ نے وعدہ فرمایا ہے: لا تریب فیہ۔ جو حضرات اس کو مسقوطہ اور گری ہوئی فرماتے ہیں وہ خود وہم کا شکار ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ معمودہ عبارت صلوٰۃ کے باب میں ہوگی جو جلد اول میں ہے مگر چونکہ یہ عبارت ساتویں جلد میں ہے اس لیے ان کا ذہن اس طرف نہیں گیا۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ کی اپنی صریح اور واضح عبارت کو چھوڑ کر دوسروں کا سہارا لینا جو قول قدیم کے چکر میں پڑ کر خود غلطی کا شکار ہیں۔ کہاں کا انصاف ہے! حضرت امام شافعیؒ



کا مسلک سمجھنے کے لیے خود انہی اپنی عبارت ہی واضح اور کافی و دافی ہے۔

(۳) کتاب الام متداول کتاب ہے اور تمام اہل علم جانتے ہیں کہ اس کی سات جلدیں ہیں اس میں قطع و برید اور اختلاط کا دعویٰ کرنا بعینہ ایسا ہے جیسا کہ رافضی قرآن کریم کے بارے یا منکرین حدیث کتب حدیث کے بارے کرتے ہیں لیکن ایسے لایعنی دعویٰ اور قول سے ان پر کیا زد پڑتی؟ یا پڑ سکتی ہے؟ کتاب الام فقہ کی کتاب ہے اس میں کسی مقام پر کسی کے اختلاف کا ذکر ہے اور کسی دوسرے مقام میں کسی اور کے اختلاف کا تذکرہ آجاتا ہے۔

خود مؤلف توضیح الکلام نقل کرتے ہیں کہ ۲۸۳ تا ۲۹۳ میں سیر الاذناعی اختلاف علی و عبد اللہ، اختلاف العراقیین اور اختلاف مالک و شافعی کے مباحث ہیں (محلہ توضیح الکلام ص ۱) علاوہ ازیں ذیل کے حوالے بھی ملاحظہ کریں:

(۱) کتاب الام ص ۶۳ میں ہے باب فی العمری من کتاب اختلاف مالک و الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۲) ص ۶۹ میں ہے: وفی اختلاف مالک و الشافعی اللقطۃ

(۳) ص ۶۶ میں ہے وترجم فی کتاب اختلاف علی و ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۴) ص ۶۶ میں ہے وترجم فی اختلاف مالک و الشافعی باب المنبوذ و غیر ذلک۔

کیا ہر مقام پر یہ ناروا دعویٰ کیا جائے گا کہ کتاب الام میں ان کے مختلف رسائل کا اختلاط ہو گیا ہے اس لیے کتاب الام قابل اعتبار نہیں؟ حاشا و کلاً کہ کسی بھی ذی علم کے ذہن میں یہ شیطانی وسوسہ آتا ہو۔ سبھی ہی جانتے ہیں کہ کتاب الام حضرت امام شافعیؒ کی اپنی تالیف ہے اور اس میں درج شدہ تمام مسائل کتاب الام ہی کے ہیں ایسی لایعنی باتوں سے نہ تو رافضی قرآن کریم پر سے اعتماد اٹھا سکے ہیں اور نہ منکرین حدیث کتب حدیث سے ادنیٰ خیر مقلدین کتب فقہ اور کتاب الام پر سے اعتبار اٹھا سکتے



ہیں اور نہ کوئی ایسی بیودہ گوئی کو تسلیم کرتا ہے۔ واللہ یقول الحق وہو  
یہدی السبیل۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ عطا فرمائے۔

۔ دل بیسنا بھی کر خدا سے طلب  
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

سوم: مؤلف توضیح الکلام ص ۵۴ میں خود امام محمد کی اپنی کتاب موطا ص ۹۲  
اور کتاب الآثار ص ۱۶۲ کے حوالہ سے ان کا یہ مسلک نقل کرتے ہیں لا قرأۃ خلف  
الامام فیما یجہر فیہ ولا فی عالم یجہر وهو قول ابی حنیفہؒ  
اور معنی یہ کرتے ہیں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے خواہ امام باواز بلند قرأت  
کرتا ہو یا آہستہ امام ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے ؟

اس کے بعد مؤلف توضیح الکلام نے ص ۵۴ تا ۶۲ تک متعدد حضرات کے حوالے  
درج کیے ہیں اور آخر میں لکھا ہے ص ۶۲ کہ امام محمدؒ (بلکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی) مری  
نمازوں میں فاتحہ پڑھنا سخت اور جائز کہتے ہیں۔ (محصل) مگر یہ صرف دفع الوقتی اور مغالطہ  
آفرینی ہے کیونکہ جب حضرت امام محمدؒ جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے براہ  
راست شاگرد ہیں اور خود اپنی کتابوں میں بابتِ دہل واشکاف الفاظ میں اپنا اور حضرت  
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک بتاتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے  
نہ تو جہری نمازوں میں قرأت ہے اور نہ مری نمازوں میں۔ تو ان کے اپنے قول اور  
ارشاد کے مقابلہ میں فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ تمام  
حقل مند اس کے قائل ہیں کہ توجیہ القول بما لا یرضوا بہ قائلہ نالیندیہ  
امر ہے اور مشہور ہے کہ صاحب البیت ادری لہافیہ۔

غرضیکہ مؤلف توضیح الکلام اور ان کے استاد محرم شیخ الحدیث گرامی قدر نے آیات  
اور صحیح و صریح احادیث اور اقوال راجحہ کو تعصب کی بنا پر ترک کے محتمل معانی ضعیف  
اور غیر صریح احادیث اور اقوال مروجہ پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے اور بلاوجہ غیر متعلق  
حوالے اور اقوال درج کر کے اپنے حواریوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ ہم بھی



دلائل سے لیس ہیں۔ لیکن بحمد اللہ تعالیٰ کتاب تدقیق الکلام کو پڑھنے والے قوی و ضعیف  
 دلائل اور رائج و مرجوح اقوال کا اچھی طرح سے موازنہ کر سکیں گے اور مسئلہ قرأت خلف الامام  
 کی پوری حقیقت انشاء اللہ العزیز ان پر منکشف ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث  
 دام مجدهم مؤلف تدقیق الکلام کو ائمتہ مسلمہ کی طرف سے جزائے غیر عطا فرمائے کہ انھوں  
 نے خالص علمی اور تحقیقی انداز میں مسئلہ کی حقیقت واضح کی ہے اور اس کتاب کو اللہ تعالیٰ  
 علماء کے لیے استفادہ کا ذریعہ اور موصوف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین ثم  
 آمین۔ وصلى الله تعالى وسلم على خاتم الانبياء والمرسلين وعليهم  
 وعلى آله واصحابه وازواجه واتباعه الى يوم الدين۔

احقر العباد

ابوالزاید محمد سرفراز

صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و خطیب مرکزی جامع مسجد گکھڑ

۲ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

۱۳ نومبر ۱۹۸۸ء



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# خزان السنن

## مع مقصد و فائز السنن

ترمذی شریف کی مع اضافات ان تقریروں کا مجموعہ جو شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفر از خان صدقہ ترمذی شریف پڑھاتے وقت مختلف سالوں میں بیان کرتے رہے جن کو عزیزم مولوی الحافظ القاری شید الحق خان عابد سابق مدرس مدرسۃ العلوم گوجرانوالہ نے مرتب کیا اور کئی مقامات پر اصل عبارت کے ساتھ قابل بڑی محنت کے ساتھ راقم الحروف نے کیا اور بعض اغلاط کی تصحیح کی مگر پھر بھی طبع اول میں کتابت اور بعض حوالہ جات کی اغلاط رہ گئی تھیں طبع دوم کے لیے حضرت شیخ الحدیث صاحب دام مجید نے بیماری پیرائے سال اور گونا گوں مصروفیات کے باوجود خود ان اغلاط کی تصحیح فرمائی اور فن حدیث اور سند سے متعلق ضروری اصطلاحات پر مشتمل نہایت علمی مقدمہ کا اضافہ فرمایا شاہ نقین علم حدیث کے لیے یہ تقاریر اگر انقدر علمی ذخیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین

حافظ عبد القدوس خان قاری  
مدرس مدرسۃ العلوم، گوجرانوالہ



# مکتبہ صفدر پور نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزائن السنن تقریر ترمذی	احسن الکلام مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مدلل بحث	تسکین الضرر مسئلہ حیات النبی پر مدلل بحث	الکلام المفید مسئلہ تقلید پر مدلل بحث	ازالۃ الريب مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث
راہِ سنت رد بدعات پر لا جواب کتاب	مقام ابی حنیفہ	اسماء مہدی	طائفہ منصورہ نہات پانچواں گروہ کی علامت	ارشاد الشیعہ شیعہ نظریات کا مدلل جواب
آنکھوں کا ٹھنڈک مسئلہ حاضر و ناظر پر مدلل بحث	عبارات اکابر اسرار علماء دیوبند کی عبارات پر ۲۰ رسالت کے جوابات	عرف ایک اسلام	گلدستہ توحید مسئلہ توحید کی وضاحت	دل کا سرور مسئلہ بھارت کی مدلل بحث
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	احسان الباری بخاری شریف کی ابتدائی ابجاث	تبلیغ اسلام ضروریات دین پر مختصر بحث	چراغ کی روشنی سراج النبی کے بارہ میں قادیانی وغیرہ کے اعتراضات کے جوابات	مسئلہ قربانی قربانی کی فضیلت اور ایام قربانی پر مدلل بحث
عیسائیت کا پس منظر عیسائیوں کے عقائد کا رد	مقالہ ختم نبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں	بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم دیوبندی کے حالات دینی ارمان پر اعتراضات کے جوابات	راہ ہدایت کرامات و معجزات کے بارہ میں صحیح عقیدہ کی وضاحت	ینایع مولانا غلام رسول کے رسالہ تراویح کا اردو ترجمہ
آئینہ محمدی سیرت پر مختصر رسالہ	تفریح الخواطر بجواب تئوری الخواطر	الکلام البرہان ردّ علی الخبیث البیان	توضیح المہرام تذکرہ سید علیہ السلام	تنقید متین بر مفسر نعیم الدین
ثبوت جہاد	الکلام الحاوی سادات کے لئے ذکوۃ وغیرہ لینے کی مدلل بحث	ملا علی قاری اور مسئلہ علم غیب کا حاضر و ناظر	المسلک المنصور بجواب الشہاب المسبین	عمدۃ الاثبات تین طلاقیں کا مسئلہ
ثبوت حدیث حجیت حدیث پر مدلل بحث	انکار حدیث کے کئی مکرمین حدیث کا رد	موردی صاحب کا غلط فتویٰ	چالیس دعائی ذکر آیت کریمہ چاہیے	باب جنت بجواب راہ جنت
حکم الذکر بالجہر	اظہار العیب بجواب اثبات علم الغیب	اطیب الکلام لخص احسن الکلام	چہل مسئلہ حضرات بریلویہ	مولانا ارشاد الحق اثری صاحب کا مجاہدہ داویلا
عمر اکادمی کی مطبوعات	خزائن السنن جلد دوم کتاب السنن	بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں	حمید یہ مناظرہ کی کتاب رشیدیہ کا اردو ترجمہ	جنت کے نظارے علامہ ابن نعیم کی کتاب عادی الامارہ کا اردو ترجمہ
علامہ کوثری کی تانیب الخطیب کا اردو ترجمہ امام ابو حنیفہ کا عادلانہ دفاع	تین طلاقیں کے مسئلہ پر مقالہ کا جواب مقالہ			